اسلام میں بچوں کے حقوق

[اسلامک فقہ اکیڈمی(انڈیا) کے چوبیسویں فقہی سمینار منعقدہ مؤرخہ ۹۔۱۱؍جمادی الاولی۱۴۳۶ھ
مطابق۱ تا۳؍مارچ ۲۰۱۵ء کو دار العلوم الاسلامیہ اوچرا ، کلم (کیرالہ) میں پیش کئے گئے
علمی، فقہی اور تحقیقی مقالات کا مجموعہ]

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : اسلام میں بچوں کے حقوق
صفحات : ٦٤٤
قیمت : ۵۰۰ روپے
سن طباعت : جنوری ٢٠١٦ء

ناشر

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

۱۶۱- ایف، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۴۶
جامعہ نگر،نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵
ای میل:fiqhacademyindia@gmail.com
فون: ۰۱۱ - ۲۶۹۸۱۷۷۹

مجـــلـــــس ادارتـــــــــــ

۱- مولانا محمد نعمت الله اعظمی
۲- مولانا محمدبرہان الدین سنبھلی
۳- مولانا بدر الحسن قاسمی
۴- مولانا خالد سیف الله رحمانی
۵- مولانا عتیق احمد بستوی
۶- مفتی محمد عبید الله اسعدی


بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

عنوان	مقالہ نگار	صفحہ
پیش لفظ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	٧
باب اول: تمہیدی امور		
سوالنامہ		١١
تجاویز		١٤
تلخیص مقالات	مفتی امتیاز احمد قاسمی	١٦
عرض مسئلہ : (الف ، ب،ج)	مولانا رحمت اللہ ندوی	٥٥
عرض مسئلہ: (د)	مفتی تنظیم عالم قاسمی	٦٢
عرض مسئلہ: (ھ، و، ز، ح، ط)	مولانا راشد حسین ندوی	٦٨
باب دوم: تفصیلی تحریریں		
اسلام میں بچوں کے حقوق	مولانا خورشید انور اعظمی	٧٩
بچوں کے حقوق– اسلامی تعلیمات کی روشنی میں	مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی	٩٩
اسلام میں بچوں کے حقوق – تعلیم وتربیت کے تناظر میں	مولانا ڈاکٹر شاہجہاں ندوی	١٤١
اسلام میں بچوں کے حقوق اور ان سے متعلق احکام	مفتی راشد حسین ندوی	١٩٤
اسلام میں بچوں کے حقوق اور ذمہ داریاں	مفتی صادق محی الدین فہیم	٢١٢
بچوں کے حقوق –فقہ اسلامی کی روشنی میں	مفتی محمد عثمان بستوی	٢٤٨
بچوں کے حقوق واحکام –شرعی نقطہ نظر	مفتی شاہد علی قاسمی	٢٦٩
اسلام میں بچوں کے حقوق اور ان سے متعلق اصول واحکام	مفتی محمد منصف بدایونی	٢٨٧
بچوں کے حقوق–شریعت اور حقیقت کی روشنی میں	مولانا رحمت اللہ ندوی	٣٠١
بچوں کے لئے تعلیم وتربیت کا نظام اور سد جرائم کی تدبیریں	مفتی تنظیم عالم قاسمی	٣٢٣
بچوں کے حقوق – قرآن وسنت کی روشنی میں	مولانا حافظ کلیم اللہ عمری	٣٤٥
موجودہ حالات میں بچوں کے حقوق اور آداب	مولانا محمد عمران ندوی	٣٥٩
اسلامی قانون میں بچوں کے حقوق	قاضی محمد کامل قاسمی	٣٧٦

اسلام میں بچوں کے حقوق اور ان سے متعلق احکام	مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی	٣٨٩
اسلامی شریعت میں بچوں کے حقوق	مولانا محمد احسن عبد الحق ندوی	٤٠٩
اسلام میں بچوں کے حقوق اور موجودہ قوانین	مفتی محمد جہانگیر حیدر قاسمی	٤٢٣
اسلام اور بچے: حقوق وہدایات	مولانا محمد حذیفہداحودی	٤٥٣
اسلام میں بچوں کے حقوق	مفتی غلام اللہ کاوی والا	٤٦٤
بچوں کے احکام ومسائل ۔ شرعی نقطہ نظر سے	مفتی لطیف الرحمن فلاحی	٤٧٥
اسلام میں بچوں کے حقوق واحکام	مولانا عبد اللہ خالد لوناواڑی	٤٨٦
اسلام میں بچوں کے حقوق اور ان کے متعلق فقہی احکام	مفتی محمد شفیق قاسمی	٤٩٧
اسلام میں بچوں کے حقوق وذمہ داریاں	مولانا محمد صابر حسین ندوی	٥٠٩
اسلامی شریعت میں بچوں کے حقوق	مفتی محمد الیاس قاسمی	٥٣١
اسلام مینبچوں کے حقوق وآداب	مفتی محمد یاسر قاسمی	٥٤٦
اسلام میں بچوں کے حقوق	مفتی آصف یاسین پالنپوری	٥٦١
باب چہارم: مختصر تحریریں		
اسلام میں بچوں کے حقوق	قاضی عبد الجلیل قاسمی	٥٧٥
اسلام میں بچوں کے حقوق –تعلیم وتربیت کے تناظر میں	مولانا سید قمر الدین محمود قاسمی	٥٨٣
اسلامی قانون میں بچوں کے حقوق	مولانا ظہیر احمد قاسمی	٥٩٢
بچوں سے متعلق حقوق	مفتی عبد اللہ کاوی والا	٥٩٩
بچوں کے حقوق –اسلامی فقہ کی روشنی میں	مفتی صادق پٹیل دیولوی	٦٠٧
اسلام میں بچوں کے حقوق	مولانا نعیم اختر قاسمی	٦٠٨
اسلام میں بچوں کی تعلیم وتربیت	مولانا مبارک حسین ندوی	٦١٦
بچوں کے حقوق –اسلامی تعلیم وتربیت کے تناظر میں	مفتی محمد اخلاق حسین قاسمی	٦٢٢
اسلام میں بچوں کے حقوق اور ان سے متعلق احکام	قاضی محمد ریاض ارمان قاسمی	٦٢٦
بچوں کے حقوق اور اسلامی تعلیمات	مولانا عبد التواب اناوی	٦٢٨
اسلامی قانون میں بچوں کے حقوق	مفتی عارف کنجروی	٦٣٠
اسلام میں بچوں کے حقوق	مولانا حبیب بن یوسف قاسمی	٦٣٥

پیش لفظ

بچے اللہ کی بڑی نعمت ہیں، اس نعمت کی قدر ان لوگوں سے پوچھئے، جن کو اللہ نے اولاد سے محروم رکھا ہے، انسان عمر کے جن مرحلوں سے گزرتا ہے، ان میں وہ سب سے زیادہ بچپن میں دوسروں کی مدد اور توجہ کا محتاج ہوتا ہے؛ اس لئے قرآن وحدیث میں بچوں کی پرورش، ان کی ضروریات کی کفالت اور ان کی تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں واضح احکام دیئے گئے ہیں، جن میں سے بعض اصولی نوعیت کے ہیں، فقہاء نے ان اصولوں کو سامنے رکھ کر اپنے اجتہادات کے ذریعہ اس باب میں اور جامعیت اور وسعت پیدا کردی ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بچوں کے بہت سے حقوق ادا نہیں کئے جاتے، ان کی تعلیم وتربیت سے غفلت برتی جاتی ہے، جو زمانہ ان کی صلاحیتوں کی نشو ونما کا ہے،اس میں انہیں پُرمشقت جسمانی کام میں لگادیا جاتا ہے، جو بچے معذور ہوتے ہیں، وہ خاندان کی طرف سے غفلت اور تحقیرکے شکار بنتے ہیں اور خاص کر جن کے والدین کا سایہ اٹھ جاتا ہے، انہیں خود اپنے نازک کاندھوں پر اپنے مسائل کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے؛ اسی لئے دنیا بھر میں انسانی حقوق کی تنظیمیں بچوں کے حقوق اور ان کے مسائل کے سلسلہ میں فکر مند ہیں۔

ظاہر ہے ان مسائل کا بہترین، منصفانہ اور مبنی براعتدال حل شریعت اسلامی میں موجود ہے؛ اس لئے علماء امت کا فریضہ ہے کہ وہ ایک طرف مسلم سماج کو اس سلسلہ میں ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کریں اور دوسری طرف دنیا پر اس حقیقت کو واضح کریں کہ اسلام کے پاس اس کا ایک ایسا نسخہ موجود ہے، جو انسانیت کے تمام مسائل کے لئے اکسیر کا درجہ رکھتا ہے، موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اکیڈمی نے اپنے چوبیسویں فقہی سمینار منعقدہ دار العلوم اسلامیہ اوچرا (کیرالہ) مورخہ ۱۱-۹،جمادی الاولی۱۴۳۶ھ مطابق۳-۱،مارچ ۲۰۱۵ء میں اس موضوع کو بھی شامل رکھا اور اس موضوع پر۳۷ مقالات اکیڈمی کو موصول ہوئے، جو سوالنامہ اس موضوع کے لئے مرتب کیا گیا ہے، وہ نہایت جامع اور مختلف پہلووں کو شامل ہے، چنانچہ سمینار کے ان مقالات اور سمینار میں ہونے والے مباحث کا مجموعہ اصحاب ذوق کی بارگاہ میں پیش ہے، جس کو محب عزیز مولانا امتیاز احمد قاسمی رفیق شعبہ علمی نے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ اس میں سوالنامہ،

تلخیص مقالات، عرض مسئلہ اور تجاویز بھی شامل ہیں؛ البتہ قارئین اس کو ملحوظ رکھیں کہ اکیڈمی کے نقطہ نظر کی ترجمانی ان تجاویز سے ہوتی ہے، جو شرکاء کے اتفاق سے طے پاتیہیں اور اختلاف کی صورت میں دونوں آراء نقل کردی جاتی ہیں۔

امید ہے کہ اکیڈمی کییہ کاوش شوق کے ہاتھوں لی جائے گی اور امت کے لئے نفع کا ذریعہ بنے گی۔

یکم ربیع الاول ۱۴۳۷ھ
۱۳؍دسمبر ۲۰۱۵ء

(مولانا) خالد سیف اللہ رحمانی
(جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

* * *

پہلا باب

تمہیدی امور

سوالنامہ:

اسلام میں بچوں کے حقوق

ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلام نے تمام انسانوں خصوصاسماج کے کمزور طبقات (بچوں، بوڑھوں، عورتوں، مریضوں وغیرہ) کے حقوق کا تحفظ اپنے قانونی احکام اور اخلاقی تعلیمات کے ذریعہ جس طول واعتدال کے ساتھ کیا ہے، اس کی نظیر کسی مذہب اور قانون میں نہیں ملتی، دورحاضر میں بچوں کے وہ حقوق جو ہمارے سماج میں پامال ہورہے ہیں، ان کی نشاندہی اور ان کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر کی وضاحت بہت ضروری ہے۔ دور حاضر میں بچوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے ملکی اور عالمی سطح پر بہت سے قوانین بنائے گئے، اقوام متحدہ نے اپنے ممبر ممالک کے لئے بھی حقوق اطفال کے بارے میں قوانین بنائے ہیں اور ہدایات جاری کی ہیں۔

اس پس منظر میں چند سوالات پیش خدمت ہیں، ان کا جواب آپ تفصیل اور دلائل کے ساتھ دیں اور خلاصہ جوابات بھی آخر میں تحریر کریں، نیز اگر آپ محسوس کریں کہ بچوں کے حقوق سے متعلق کوئی زیادہ اہم موضوع سوالنامہ میں رہ گیا ہے تو اسے بھی شامل کرکے جواب لکھیں:

الف:بچوں کے حق پرورش (حق حضانت) کے سلسلے میں اسلام کی بنیادی ہدایات کیا ہیں؟ نیز عمر کے جس مرحلہ میں ماں کو یا باپ کو پرورش کا اولین حقدار تسلیم کیا گیا ہے؟ اگر بچہ کو اس کے حوالہ کرنے میں تعلیمی، تربیتی، جسمانییا نفسیاتی پہلو سے بچہ کے لئے مضرت کا اندیشہ ہو تو حق پرورش کے سلسلہ میں کیا حکم ہوگا، اور وہ کیا صورتیں ہوسکتی ہیں، جب بچوں کے مفاد میں کسی مرد یا عورت کو حق پرورش سے محروم کیا جاسکتا ہے؟

ب:(۱) اسلام میں بچو نکے حق تعلیم وتربیت کے بارے میں کیا بنیادی ہدایات ہیں؟

(۲) بچوں اور بچیوں کو کس قدر دینی تعلیم دینا ضروری ہے اور عصری تعلیم کس حد تک دینا ضروری ہے؟

(۳) اگر حکومت کسی سطح تک کی تعلیم کو بچوں اور بچیوں کے لئے لازم قرار دے تو کیا شرعاً اس کی پابندی مسلمانوں کے لئے لازم ہے؟

(۴) کیا جنس کی تعلیم بھی بچوں کا حق ہے جیسا کہ آج کل کہا جارہا ہے، اس سلسلہ میں اسلام کی ہدایات کیا ہیں؟

ج: نکاح کے بارے میں بچے اور بچیوں کے کیا حقوق ہیں؟ اس سلسلہ میں ہمارے سماج میں افراط وتفریط پائی جاتی ہے، ایک طرف بعض برادریوں میں بہت کم عمری

میںنکاح کردیئے جاتے ہیں، جو بعد کو پیش آنے والے حالات میں بچوں کے لئے یہ غیر موزوں ہوتے ہیں، کبھی بالغ ہونے کے بعد بھی لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی میں غیر معمولی تاخیر کی جاتی ہے، جس سے اخلاقی بگاڑ پیدا ہونا فطری بات ہے، اس سلسلہ میں اسلامی تعلیمات اور شرعی ہدایات کیا ہیں؟

د:بہت سے ملکوں میں بچہ مزدوری قابل سزا جرم قرار دی گئی ہے، خود ہمارے ملک میں بھی اس طرح کا قانون موجود ہے، بلکہ عالمی ادارہ ''اقوام متحدہ '' نے اس کو ایک جرم شمار کیا ہے، اس قانون کا مقصد یہ ہے کہ کم عمری میں بچے کو مزدوری اور کام پر لگانے سے بچہ تعلیم حاصل نہیں کرپاتا اور اس کی جسمانی اور دماغی نشو ونما صحیح طور پر نہیں ہوپاتی، بسااوقات بچے اور بچیوں سے اتنے پر مشقت کام لیے جاتے ہیں، جو ان کے تحمل سے باہر ہوتے ہیں، اس کے نتیجے میں بچے موذی اور مہلک بیماریوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں، اسی پس منظر میں درج ذیل سوالات پیش خدمت ہیں:

۱-بچہ مزدوری کے بارے میں اسلام کا موقف کیا ہے؟

۲- والدینیا اولیاء، نابالغ بچے اور بچیوں سے اپنے گھر کا کام کس حد تک لے سکتے ہیں؟ اور کیا اپنی معاشی ضروریات پورا کرنے یا بہتر بنانے کے لئے ان سے مزدوری کرا سکتے ہیں؟ اسی طرح انہیں کوئی پیشہ ورانہ کام سکھانے کے لئے کام سے لگاسکتے ہینیا نہیں؟

۳- بعض والدین اپنی انتہائی غربت اور معاشی بدحالی کی بنا پر بچوں کو مزدوری پر لگاتے ہیں، نہ وہ خود کمانے کے لائق ہوتے ہیں، نہ حکومت ان کا تکفل کرتی ہے، ایسے والدین کا نابالغ بچوں کو مزدوری پر لگانا درست ہے یا نہیں، اس بابت اسلام کی کیا ہدایات ہیں؟

ہ: شرعاً بالغ ہونے سے پہلے اگر لڑکوں یا لڑکیوں سے جرائم سرزد ہوں مثلاً: قتل، غارت گری، چوری، زنا بالرضا یا زنا بالجبر، توان پر سزا جاری کی جائے گییا نابالغ ہونے کی بنا پر انہیں چھوڑ دیا جائے گا، واضح ہو کہ دور حاضر میں نابالغوں میں پھیلتے ہوئے جرائم کے رجحان سے حکومتیں پریشان ہیں، ان پر قابو پانے اور ان کا سد باب کرنے کے لئے اسلام کی کیا ہدایات ہیں؟

و:مجرمانہ ذہن رکھنے والے بچوں کی سرزنش اور اصلاح کے لئے بچوں کی جیلیں قائم ہیں، ان جیلوں میں بھی بچوں سے پرمشقت کام لئے جاتے ہیں، اور سخت مارپیٹ کی جاتی ہے، ایسی جیلوں میں موجود نابالغ قیدیوں کے لئے کیا احکام ہیں، ان کو کیا سزائیں دی جاسکتی ہیں؟ ان سے کیا کام لئے جاسکتے ہیں؟ او ران کی اصلاح کے لئے کیا تدبیریں اختیار کی جاسکتی ہیں؟

ز:بہت سے بچے بے سہارا ہوجاتے ہیں، کسی حادثہ میں ان کے والدین کے گذرجانے یا والدین سے بچھڑ جانے نیز ولادت کے بعد ماں باپ کی طرف سے پھینک

دیئےجانے کی وجہ سے یا کسی اور سبب یہ صورت حال پیش آتی ہے، اسلام ایسے بچوں کی پرورش، ان کی تعلیم وتربیت اور ان کے لئے خاندانی ماحول فراہم کرنے کے سلسلہ میں کیا ہدایات دیتا ہے، اس سلسلہ میں حکومت کی ذمہ داریاں کیا ہیں اور خود سماج کا کیا فریضہ ہے؟

ح:ہندوستان کی ایک تازہ رپورٹ کے مطابق ہرسال تقریباً دس لاکھ بچے گم ہوجاتے ہیں،یہ صورتحال اکثر پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک میں پائی جاتی ہے، خیال کیا جاتا ہے کہ یہ بچے مختلف مقاصد کے لئے فروخت کردیئے جاتے ہیں، بعض بچوں کو وہ لوگ حاصل کرلیتے ہیں جن کے پاس اولاد نہیں ہوتی، بعضوں سے بندھوا مزدور کا کام لیا جاتا ہے، بعض گداگری کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں، بعض ایسے بدقسمت بھی ہیں جن کے اعضاء کی خریدوفروخت کی جاتی ہے یا ان کا جنسی استحصال کیا جاتا ہے، ان صورتوں کے بارے میں شرعی نقطہ نظر بنیادی طو رپر واضح ہے، لیکن دوباتیں قابل وضاحت ہیں: اول یہ کہ کیا خود بچہ کے گارجین حد درجہ بڑھے ہوئے افلاس اور پرورش کی استطاعت نہ رکھنے کی وجہ سے کسی کو اپنا بچہ حوالہ کرکے اس سے بے تعلق ہوسکتے ہیں؟ اور اپنی فوری ضروریات کو پوری کرکے نیز دوسرے بچہ کی پرورش کی غرض سے بچہ حاصل کرنے والے کی طرف سے پیش کیا جانے والا ہدیہ قبول کرسکتے ہیں؟ دوسری قابل وضاحت بات یہ ہے کہ ایسے واقعات کی روک تھام کے لئے شریعت اسلامی کی تعلیمات کیا ہیں؟

ط:بعض بچے ذہنییا جسمانی طور پر معذور پیدا ہوتے ہینیا پیدا ہونے کے بعد معذور ہوجاتے ہیں، ان بچوں کی پرورش ایک بڑا مسئلہ ہوتا ہے، ان کے لئے مسلسل علاج اور نگہداشت کی ضرورت ہوتی ہے، خاص کر اگر والدین ملازمت کرتے ہوں تو ان کی دیکھ ریکھ کا مسئلہ خاصا گمبھیرہوجاتا ہے، اس ذمہ داری سے فراغ یا فرار حاصل کرنے کے لئے بعض اوقات ایسے بچوں کو دماغی ہسپتال میں داخل کردیا جاتا ہے یا دوسرے ہسپتالوں میں رکھوا دیا جاتا ہے، جس کا مقصد علاج سے زیادہ ان کی نگہداشت ہوتی ہے، ایسے بچوں کے بارے میں اسلامی تعلیمات کیا ہیں؟ کس حد تک ان کا علاج کرانا واجب ہے، اور کیا ان کو باپ کی شفقت اور ماں کی ممتا سے محروم کرکے کسی ہسپتال میں داخل کردینا ماں باپ کا اپنی ذمہ داری سے غفلت برتنا اور فرار اختیار کرنا متصور ہوگا؟

* * *

تجاویز:

اسلام میں بچوں کے حقوق

١-بچوں کے حق پرورش کے سلسلے میں بنیادی ہدایاتیہ ہیں:

الف:حضانت شرعاً واجب ہے اور یہ فریضہ اصلاً ماں کا ہے، اس کو یہ کام انجام دینا چاہئے، اگر ماں نہ ہو اور حضانت کی حقدار اگر ایک ہی عورت موجود ہو تو بچہ کی پرورش اس پر واجب عینی، اور متعدد ہوں تو واجب کفائی ہے۔

ب:پرورش میں بچہ اور پرورش کنندہ، دونوں کی رعایت ملحوظ رکھی جائے گی۔

ج:عام حالات میں ماں کو پرورش کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا، البتہ بعض مخصوص حالات میں جبکہ کوئی دوسرا موجود نہ ہو اور بچہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو مجبور کیا جائے گا۔

د:پرورش کے لئے بچہ ماں کے پاس اس وقت تک رہے گا جب تک کہ اپنی بنیادی ضروریات مثلاً کھانا، پینا اور استنجاکے لائق نہ ہوجائے، بچہ میں سات سال کی عمر ہے اور لڑکی بالغہ یا قریب البلوغ تک ماں کے پاس رہے گی۔

ہ:پرورش کرنے والے کا عاقل، بالغ، امانت دار اور پرورش پر قدرت رکھنے والا ہونا ضروری ہے، اور عورت ہو تو یہ بات بھی ضروری ہے کہ وہ جس شخص کے نکاح میں ہو وہ زیر پرورش بچہ کا غیر محرم نہ ہو۔

و:جن صورتوں میں بچہ کو تعلیمی، تربیتی، جسمانییا نفسیاتی پہلو سے مضرت کا اندیشہ ہو، ان صورتوں میں حق پرورش ساقط ہوجائے گا۔

٢-حق تعلیم وتربیت:

الف:والدین اور سرپرستوں پر بچوں اور بچیوں کو اتنی تعلیم دینا ضروری ہے جس سے وہ اپنی دینی ذمہ داریاں ادا کرنے کے اہل ہوجائیں، اسی طرح حسب ضرورت عصری تعلیم بھی دی جائے اور اس سلسلہ میں شرعی حدود کی رعایت رکھی جائے۔

ب:اگر حکومت کسی سطح تک کی تعلیم بچوں اور بچیوں کے لئے لازم قرار دے اور وہ تعلیم شرعی اصول سے متصادم نہ ہو، اور کوئی بات ایمان و اخلاقیات کے منافی نہ ہو اور نہ ہی بے راہ روی و انحراف کا باعث ہو تو اس کی پابندی مسلمانوں کو کرنی چاہئے۔

ج:آج کل بچوں کے لئے جس جنسی تعلیم کا مطالبہ کیا جارہا ہے اس کی گنجائش اسلام میں بالکل نہیں ہے کیونکہ اس کے مفاسد بہت ہیں اور اس سے بے راہ روی پیدا ہوتی ہے، ایسی عمر میں بچوں کو اخلاقیات کی تعلیم دی جانی چاہئے۔

٣-نکاح کے بارے میں اسلامی تعلیم اور شرعی ہدایتیہ ہے کہ بلوغ کے بعد بچہ اور

بچی کی شادی میں زیادہ تاخیر نہ کی جائے، کیونکہ اس سے جسمانی، روحانی اور سماجی نقصانات پیدا ہوتے ہیں، بعض مصالح کی وجہ سے کمسنی میں نکاح کا جواز ہے لیکن بہتر اور پسندیدہ بلوغ کے بعد کا نکاح ہی ہے۔

۴-بچہ مزدوری کے بارے میں اسلام کا موقف ہے کہ بچہ قابل رحم اور لائق شفقت ہے، لہٰذا حسب استطاعت اس کی بہتر تعلیم وتربیت کا انتظام کیا جائے اور ذہنی وجسمانی نشوونما کے لئے بہتر مواقع فراہم کئے جائیں۔

۵-والدینیا اولیاء بچوں سے بقدر استطاعت ایسے گھریلو کام لے سکتے ہیں جن کا تعلق تربیت اور آداب زندگی سکھانے سے ہو، اسی طرح انہیں ایسا پیشہ ورانہ کام بھی سکھا سکتے ہیں جو ان کے حق میں مفید ہو۔

۶-جو والدین معاشی تنگی کا شکار ہوں، حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کا تکفل کرے اور ان کے لئے وظائف جاری کرے۔

۷-اگر اسلام کے اصول تعلیم وتربیت کی رعایت رکھی جائے تو بچوں سے جرائم کا صدور نہیں ہوگا۔ جرائم کی شرعی سزا جاری کرنے کے لئے بلوغ شرط ہے، لہٰذا نابالغ چوری، قتل اور زنا جیسے جرائم کا ارتکاب کرے تو اس پر حدود و قصاص کا اجراء نہیں کیا جائے گا، البتہ تادیب کیجائے گی۔

۸-والدین، اولیاء اور اساتذہ کو بچوں کی تادیب کا حق حاصل ہے، لیکن ضروری ہے کہ یہ تکلیف دہ اور مضرت رساں نہ ہو، اور شرعی حدود کے اندر ہو۔

۹-تادیب کے طور پر انہیں بچہ جیل میں رکھا جاسکتا ہے، لیکن ان کو سخت سزائیں دینا ناجائز ہے، سزائیں ان کی قوت برداشت کے مطابق دی جائیں، اور پُر مشقت کام نہ لیا جائے اور ان کی اصلاح کے لئے جیلوں میں تعلیم وتربیت کا نظم کیا جائے۔

۱۰-بے سہارا بچوں کی پرورش اور ان کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری اور خبر گیری اولاً ان کے رشتہ داروں پر، پھر حکومت پر، پھر سماج یا بالفاظ دیگر عامۃ المسلمین پر ہے، اس سلسلہ میں ہر شعبہ کو اپنی ذمہ داری کا احساس رکھنا چاہئے۔

۱۱-حد درجہ افلاس کی وجہ سے اپنا بچہ دوسرے کے حوالہ کرکے اس سے مکمل طور پر لاتعلق ہوجانا درست نہیں ہے، اس سلسلہ میں حکومت اور سماج کو سامنے آنا اور اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔

۱۲-والدین اور اولیاء پر ذہنییا جسمانی طور پر معذور بچوں کی دیکھ ریکھ لازم ہے، خواہ گھر میں رکھ کر ہو یا ناگزیر ضرورت پر ہسپتال میں رکھ کر ہو، اور ایسے بچوں کا علاج حتی المقدور صبر واستقامت کے ساتھ کیا جائے، اور اللہ سے اس پر اجر کی امید رکھی جائے۔

***

تلخیص مقالات:

اسلام میں بچوں کے حقوق

مفتی امتیاز احمد قاسمی•

اسلامک فقہ اکیڈمی(انڈیا) کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے ۲۴ویں فقہی سمینار میں جن پانچ اہم موضوعات پر بحث ومناقشہ ہونا ہے ان میں ایک اہم موضوع ''اسلام میں بچوں کے حقوق '' ہے، جس کے تحت پندرہ سوالات قائم کئے گئے تھے اور اہل علم وتحقیق سے گزارش کی گئی تھی کہ وہ ان سوالات کا مفصل جواب قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کی روشنی میں تحریر فرمائیں۔

اس موضوع پر تلخیص کی تیاری تک اکیڈمی کو فقہاء وعلماء کے جتنے مقالات موصول ہوئے ہیں، ان کے اسماء گرامیہ ہیں:

مولانا ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مفتی آصف یسین پالنپوری، مفتی غلام اللہ کاوی والا، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی عبد اللہ کاوی والا، مولانا حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا عبد التواب اناوی، مفتی لطیف الرحمن ، مفتی عارف کنجروی، مولانا حبیب بن یوسف قاسمی، مولانا عبد اللہ خالد لونا واڑی، مفتی محمد شفیق، مفتی محمداخلاق حسین قاسمی، قاضی محمد ریاض ارمان قاسمی، مولانا محمد عمران ندوی، مولوی اکرام لوناواڑہ، مفتی صادق پٹیل دیولوی، مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا محمد احسن عبد الحق ندوی ، قاضی محمد کامل قاسمی،مولانا سید قمر الدین محمود قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی محمد الیاس قاسمی، مولانا مبارک حسین ندوی، مفتی محمد منصف بدایونی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا محمد حذیفہ بن محمود ٹیلر داحودی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی محمد عثمان بستوی، مولانا نعیماختر قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مفتی حافظ سید صادق محی الدین فہیم، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مفتی محمد جہانگیر حیدرقاسمی، مفتی محمد یاسر قاسمی۔

اس موضوع کا پہلا سوال یہ تھا:

سوال:(الف)۔ بچوں کے حق پرورش (حق حضانت) کے سلسلے میں اسلام کی بنیادی ہدایات کیا ہیں؟ نیز عمر کے جس مرحلہ میں ماں کو یا باپ کو پرورش کا اولین حقدار تسلیم کیا گیا ہے؟ اگر بچہ کو اس کے حوالہ کرنے میں تعلیمی، تربیتی، جسمانییا نفسیاتی پہلو سے بچہ کے لئے مضرت کا اندیشہ ہو تو حق پرورش کے سلسلہ میں کیا حکم ہوگا، اور وہ کیا

• شعبہ علمی، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)۔

صورتیں ہوسکتی ہیں، جب بچوں کے مفاد میں کسی مرد یا عورت کو حق پرورش سے محروم کیا جاسکتا ہے؟

حق پرورش:

اس کے جواب میں اکثر مقالہ نگاران کی رائے ہے کہ بچو ناور بچیوں کی ہلاکت سے سلامتی اور تکلیف دہ شئی سے حفاظت کی خاطر اور ضائع ہونےکے اندیشہ کی وجہ سے ان کی پرورش واجب ہے، اسلام نے بچوں کی پرورش کے تعلق سے ایک نہایت جامع اور مکمل نظام قانون بنایا ہے، تاکہ بچوں کی پیدائش سے قبل ازبلوغ تک کے تمام مراحل کی بطور خاص نگہداشت ہوسکے اور ان کی جسمانی، ذہنی، فکری اور تعلیمی وتربیتی کفالت کا ایسا مناسب اور عمدہ بندوبست ہوکہ بچے ضائع نہ ہونے پائیں۔

دلائل:

۱۔ ‘‘والوالدات یرضعن أولادہن حولین کاملین لمن أراد أن یتم الرضاعۃ، وعلی المولود لہ رزقہن وکسوتہن بالمعروف، لا تکلف نفس إلا وسعہا، لا تضار والدۃ بولدہا ولا مولود لہ بولدہ، وعلی الوارث مثل ذلک ..... واتقوا اللہ واعلموا أن اللہ بما تعملون بصیر ’’ (سورہ بقرہ: ۲۳۲)۔

۲۔ ‘‘فإن أرضعن لکم فآتوہن أجورہن، واتمروہن بینکم بمعروف وإن تعاسرتم فسترضع لہ أخری’’ (سورہ طلاق: ۶) (دیکھئے: مقالہ: مولانا شاہجہاں ندوی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی لطیف الرحمن بمبئی، مفتی عبد اللہ کاوی، مولانا قمر امین، مفتی تنظیم عالم قاسمی، قاضی محمد کامل قاسمی، مولانا عبد اللہ خالد لوناواڑہ، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا حذیفہ لوناواڑی، مفتی شفیق صاحب)۔

اور چونکہ پرورش نام ہے مکمل طور پر نگہداشت کا، جس میں جسمانی، ذہنی، فکری اور تعلیمی ہر طرح کی تربیت شامل ہے، اس لئے اکثر مقالہ نگار نے مندرجہ ذیل آیات واحادیث پیش کی ہیں:

۱۔ ‘‘یأیہا الذین آمنوا قو ا أنفسکم وأہلیکم ناراً وقودہا الناس والحجارۃ’’ (سورہ تحریم: ۶)۔

۲۔ ‘‘وأنذر عشیرتک الأقربین’’ (سورۂ شعراء: ۲۱۴)۔

۳۔ ‘‘وأمر أہلک بالصلاۃ واصطبر علیہا’’ (سورہ طہ: ۱۳۲) (مفتی عبد اللہ کاوی والا، مولانا قمر الدین بروڈوی، مولانا خورشید انور اعظمی وغیرہ)۔

۴۔ ‘‘کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ---’’ (صحیح بخاری)۔

۵۔ ‘‘عن ابن عباس عن النبیﷺ أنہ قال: افتتحوا علی صبیانکم أول کلمۃ بلا إلہ إلا اللہ’’ (رواہ الحاکم، کنزالعمال ۱۶،۴۵۳۳۲)۔

۶۔ ‘‘علموا أولادکم وأہلیکم الخیر وأدبوہم’’ (رواہ عبد الرزاق وسعید بن منصور فی مصنفہ)۔

۷۔ ‘‘عن ابن عمر أن امرأۃ قالت: یا رسول اللہ! إن ابنی ہذا کلہ بطی لہ وعاء، وثدی لہ

سقاء وحجری لہ حواء وإن أباہ طلقنی وأراد أن ینتزعہ منی، فقال لہا ﷺ: أنت أحق بہ ما لم تنکحی'' (سنن ابوداؤد۲؍۲۸۳) (مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی، ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی لطیف الرحمن صاحب، مولانا عبد اللہ خالد، مفتی غلام اللہ کاوی، مفتی عثمان بستوی وغیرہ)۔

۸۔ ''إن اللہ سائل کل راعٍ عما استرعاہ حفظ أم ضیع حتییسئل الرجل عن أہل بیتہ'' (رواہ ابن حبان)۔

۹۔ ''اعملوا بطاعۃ اللہ واتقوا معاصی اللہ ومروا أولادکم بامتثال الأوامر واجتناب النواہی فذلک وقایۃ لہم ولکم من النار'' (ابن جریر وابن منذر) (دیکھئے: مقالہ: مفتی عبد اللہ کاوی والا، مولانا قمر الدین بروڈوی، مولانا خورشید انور اعظمی وغیرہ)۔

۱۰۔ ''لما کانت الحضانۃ تفتقر إلی وفور الصبر علی الأطفال فی کثرۃ البکاء والتضجر من الہیئات العارضۃ للصبیان ومزید الشفقۃ والرفۃ الباعثۃ علی الرفق بالصغار والرفق بہم وکانت النسوۃ أتم من الرجال فی ذلک کلہ قدمن علیہم'' (کتاب الفروق۳؍۱۰۰۶)۔

۱۱۔ ''لا تضار والدۃ بولدہا'' (بقرہ: ۲۳۲) کی تفسیر میں علامہ جصاص رازی لکھتے ہیں:

''وفیہ دلالۃ علی أن الأم أحق بإمساک الولد ما دام صغیراً واستغنی عن الرضاع بعد ما یکون ممایحتاج إلی الحضانۃ، لأن الحاجۃ إلی الأم بعد الرضاع کہی قبلہ، فإذا کانت فی حال الرضاع أحق بہ، وإن کانت المرضعۃ غیرہا، علمنا فی کونہ عند الأم حقا لہا'' (احکام القرآن۲؍۱۰۷) (مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی، ڈاکٹر شاہجہاں ندوی)۔

۱۲۔ ''الحضانۃ واجبۃ شرعاً؛ لأن المحضون قد یہلک أو یتضرر بترک الحفظ فیجب حفظہ عن الہلاک، فحکمہا الوجوب العینی إذا لم یوجد إلا الحاضن أو وجد ولکن لم یقبل الصبی غیرہ والوجوب الکفائی عند تعدد الحاضن'' (الموسوعۃ الفقہیہ۱۷؍۳۰۰) (مقالہ: خورشید انور اعظمی وغیرہ)۔

اسلام میں بچے کی پرورش اوران کی دیکھ بھال کو ایک حق کے طور پر ماناہے (مفتی آصف پالنپوری، مفتی عارف کنجروی)۔

پرورش کے اولین حقدار:

پرورش وپرداخت کی بنیاد شفقت ومحبت اور انس پر ہے، اس لئے بچوں کی پرورش کی اولین حقدار ان کی مائیں، اور محرم عورتیں ہیں، اس لئے کہ خواتین بچوں کی تربیت وپرورش سے زیادہ واقف اور ان کی ضرورتوں کو زیادہ سمجھنے والی ہوتی ہیں۔

۱۔ ''أن امرأۃ أتت النبیﷺ فقالتیا رسول اللہ! إن ابنی ہذا کان بطنی لہ وعاء، وحجری لہ حواء، وثدی لہ سقاء وزعم أبوہ أنہ ینزعہ منی؟ فقال: أنت أحق بہ ما لم تنکحی'' (سنن ابوداؤد، حدیث: ۲۲۷۶، مسند احمد، حدیث: ۶۷۰۷، سنن دارقطنی، حدیث: ۳۸۰۸) (مقالہ: ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی لطیف الرحمن، مولانا عبد اللہ خالد، مفتی

غلام اللہ کاوی، مفتی عثمان بستوی، مولانا خورشید انور اعظمی وغیرہ)۔

۲۔ ''عن یحییٰ بن سعید قال: سمعت القاسم بن محمد یقول: کانت عند عمر بن الخطاب امرأة من الأنصار، فولدت لہ عاصم بن عمر، ثم إن عمر فارقہا، فجاء عمر قباء، فوجد ابن عاصماً یلعب بفناء المسجد، فأخذ یعضدہ بیندیہ علی الدابۃ فأدرکتہ جدۃ الغلام، فنازعتہ إیاہ، حتی أتیا أبابکر الصدیق، فقا ل عمر: ابنی، وقالت المرأة ابنی، فقال أبوبکر: خل بینہا وبینہ فما راجعہ عمر الکلام'' (مؤطا، کتاب النکاح، حدیث: ۱۲۸۴) (مقالہ: مفتی راشد حسین ندوی، مفتی لطیف الرحمن صاحب وغیرہ)۔

۳۔ علامہ جصاص رازی رقمطراز ہیں:

''وفی ہذا دلالۃ علی أن الأم أحق بإمساک الولد ما دام صغیراً، وإن استغنی عن الرضاع بعد ما یکون ممن یحتاج إلی الحضانۃ، لأن حاجتہ إلی الأم بعد الرضاع کہی قبلہ، فإذا کانت فی حال الرضاع أحق بہ، وإن کانت المرضعۃ غیرہا، علمنا أن فی کونہ عند الأم حقا لہا، وفیہ حق للولد أیضاً، وہو أن الأم أرفق بہ وأحنی علیہ، وذلک فی الغلام عندنا إلی أن یأکل وحدہ ویشرب وحدہ، ویتوضأ وحدہ، وفی الجاریۃ حتی تحیض.....'' (احکام القرآن للجصاص۱؍۴۹۰) (مقالہ: مفتی شاہجہاں ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی وغیرہ)۔

۴۔ ''الأصل فیہا النساء، لأنہن أشفق وأرفق وأہدی لتربیۃ الصغار'' (بدائع الصنائع ۵؍۲۲۵۴) (مقالہ: مولانا عبد اللہ خالد، مفتی محمد الیاس قاسمی، مفتی عثمان بستوی وغیرہ)۔

۵۔ ''حق الحضانۃ جعل إلی النساء لأنہن أبصر وأقوم علی حفظ الصبیان من الرجال لزیادۃ شفقتہن وملازمتہن للبیوت'' (البحر الرائق ۴؍۲۸۰)۔

۶۔ ''أحق الناس لحضانۃ الصغیر حال قیام النکاح أو بعد الفرقۃ الأم'' (الفتاوی الہندیہ۱؍۱۶۵، نیز دیکھئے: البحر الرائق ۴؍۲۸۲، ہدایہ۲؍۴۳۴ وغیرہ) (مقالہ: مولانا عبد اللہ خالد لوناواڑاو غیرہ، مولانا سید قمر الدین بروڈوی، مفتی فروغ احمد قاسمی، مولانا محمد منصف بدایونی وغیرہ)۔

ماں کی عدم موجودگییا حضانت کی حقدار نہ ہونے کی وجہ سے حق حضانت حسب ذیل ترتیب کے ساتھ بچہ کے ان رشتہ داروں کو حاصل ہوگا:

نانی، دادی، حقیقی بہن، اخیافی بہن، علاتی بہن، حقیقی بھانجی، اخیافی بھانجی، حقیقی خالہ، اخیافی خالہ، علاتی خالہ، علاتی بھانجی، حقیقی بھتیجی، اخیافی بھتیجی، علاتی بھتیجی، حقیقی پھوپھی علاتی پھوپی۔

۷۔ ''ثم أی بعد الأم بأن ماتت أو لم تقبل أو أسقطت حقہا أو تزوجت بأجنبی أم الأم وإن علت عند عدم أہلیۃ القربی ثم أم الأب وإن علت.....'' (رد المحتار ۵؍۲۶۲) (مقالہ: مولانا عبد اللہ خالد لوناواڑہ)۔

ترتیب میں تھوڑی تبدیلی کے ساتھ مولانا عثمان بستوی، مولانا محمد منصف بدایونی، مفتی راشد حسین اور مولانا مبارک حسین ندوی نے بدائع الصنائع اور فتاوی ہندیہ، ہدایہ مع

فتح القدیر کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

پھر اگر ماں یا محرم خواتین نہ ہوں یابچہ سات سال کا ہوجائے تو حق پرورش باپ دادا اور مرد رشتہ داروں کی طرف منتقل ہوگا (الفقہ الاسلامی وادلتہ۱/۷۳۰)۔

۱۔ ''یعنی إن لم یکن للصغیر أحد من محارمہ من النساء واختصم فیہ الرجال فأولاہم بہ أقربہم تعصیباً'' (البحر الرائق۴/۲۸۶، ہدایہ مع فتح القدیر) (مقالہ: مولانا محمد منصف بدایونی، مولانا عثمان بستوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی وغیرہ)۔

۲۔ صاحب ہدایہ اس کی وجہ بیان کرتے ہیں: ''ووجہہ أنہ إذا استغنییحتاج إلی التأدیب والخلق بآداب الرجال وأخلاقہم والأب أقدر علی التأدیب والتثقیف'' (ہدایہ مع فتح القدیر۴/۱۸۷) (مقالہ: مفتی راشد حسین ندوی)۔

۳۔ لڑکا اس وقت تک ماں کے پاس رہے گا جب تک کہ خود کھانے پینے اور استنجاء وضوء وغیرہ کرنے کے لائق ہوجائے، عام طور پر فقہاء نے اس کی عمر سات، آٹھ سال بتائی ہے، اور لڑکی بالغ ہونے تک ماں کے پاس رہے گی، پھر باپ کے پاس رہے گی۔

''لأن الغلام إذا بلغ إلی الحد الذییحتاج فیہ إلی التأدیب ویعقلہ، ففی کونہ عند الأم دون الأب ضرر علیہ، والأب مع ذلک أقوم بتأدیبہ وہی الحالۃ التی قال فیہا النبیﷺ: ''مروہم بالصلاۃ لسبع واضربوہم علیہا لعشر، وفرقوا بینہم فی المضاجع'' (سنن ابی داؤد، حدیث: ۴۹۵) ''فمن کان سنہ سبعاً، فہو مأمور بالصلاۃ علی وجہ التعلیم والتأدیب.....'' (احکام القرآن للجصاص۱/۴۹۰) (مقالہ: ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مفتی راشد حسین ندوی وغیرہ)۔

۴۔ ''والأم والجدۃ أحق بالغلام حتییستغنی وقدربسبع سنین وقال القدوری حتییأکل وحدہ ویشرب وحدہ ویستنجی وحدہ وقدرہ أبوبکر الرازی بتسع سنین والفتوی علی الأول، والأم والجدۃ أحق بالجاریۃ حتی تحیض، وفی (نوادر) ہشام عن محمد: إذا بلغت حد الشہوۃ فالأب أحق، وہذا صحیح کذا فی التبیین'' (فتاوی ہندیہ۱/۵۹۳) (مقالہ: مولانا سید قمرالدین محمود بروڈوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی وغیرہ)۔

مولانا رحمت اللہ ندوی اور مولانامحبوب فروغ احمد قاسمی نے فقہ مالکی اور فقہ حنبلی میں حق حضانت کی ترتیب کو بھی اپنے مقالے میں بیان کیا ہے۔

مضرت کا اندیشہ ہو تو حق پرورش کے سلسلہ میں کیا حکم ہوگا؟

دوران پرورش ہر وہ چیز جس کی وجہ سے ضیاع ولد کا اندیشہ ہو، خواہ وہ اخلاقی، جسمانی، فکری اور عقلی ضیاع ہو اور بچہ کی مضرت کے وہ تمام پہلو جس کی فقہاء نے صراحت کی ہے اور مضرت کے وہ پہلو جو عرف وعادات ناس اور سماجی نقطۂ نظر سے مضرت کے دائرہ میں آتے ہوں وہ سب ''ضیاع ولد '' کے دائرہ میں ہیں اور اس کی بنیاد پر اس کا حق پرورش دوسرے کی طرف منتقل ہوجائے گا یاسرے سے بچہ اس کے حوالہ ہی نہیں کیا جائے گا (مقالہ: مفتی محمد شاہد قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی عثمان بستوی وغیرہ)۔

اسلامی شریعت میں حق حضانت کے لئے شرائط ذکر کی گئی ہیں، بعض مشترک ہیں، بعض حاضن عورتوں کے ساتھ خاص ہیں اور بعض حاضن مردوں کے ساتھ خاص ہیں:

مشترک شرائط:

بالغ ہونا، عاقل ہونا، پرورش پر قدرت رکھنا، حاضن کی اخلاقی کمزوریوں سے بچہ کو محفوظ رہنے کا اطمینان ہونا، شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک حاضن کا مسلمان ہونا، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیکیہ شرط نہیں ہے۔

''یشترط فی الحاضن من النساء والرجال ما یأتی، البلوغ، فلا حضانۃ للصغیر ولو کان ممیزاً، العقل؛ فلا حضانۃ للمجنون والمعتوہ، القدرۃ علی تربیۃ المحضون:وہی الاستطاعۃ علی صون الصغیر فی خلقہ وصحتہ، فلا حضانۃ للعاجز لکبر سن أو مرض أو شغل، الأمانۃ علی الأخلاق: فلاحضانۃ لغیر الأمین..... ما لم یصبح الولد فی سن یعقل فیہا فجور أمہ، فینتزع منہا صونا لأخلاقہ من الفساد، الإسلام: شرط عند الشافعیۃ والحنابلۃ، فلا حضانۃ لکافر علی مسلم، وقال الحنفیۃ أنہ یبقی عندہا إلی أن یعقل الأدیان أو یتضح أن فی بقائہ معہا خطراً علی دینہ، بأن بدأت تعلمہ أمو ردینہا أو تذہب بہ إلی معبدہا أو تعودہ علی شرب.....'' (المعتصر من الفقہ الاسلامی۷۲۷٫۷، رد المحتار ۲۵۳٫۵، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۵۶۲٫۴) (مقالہ: مفتی عثمان بستوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی شاہد قاسمی، قاری ریاض ارمان قاسمی وغیرہ)۔

وہ شرائط جو عورتوں کے ساتھ خاص ہیں:

پرورش کرنے والی عورت بچے کے اجنبی سے نکاح نہ کرے، پرورش کرنے والی عورت بچے کی ذی رحم محرم ہو، باپ کی تنگدستی کی صورت میں مفت پرورش کرنے سے انکار نہ کیا ہو، بچے کو لے کر کسی ایسے گھر میں قیام پذیر نہ ہو جس میں بچے سے نفرت وبغض رکھا جاتا ہو۔

''ویشترط فی المرأۃ أیضاً ما یأتی: ألا تکون متزوجۃ بأجنبی عن الصغیر أو بقریب غیر محرم منہ، أن تکون ذات محرم من الصغیر، فلا حضانۃ لبنات العم والعمۃ وألا تکون قد امتنعت من حضانتہ مجاناً والأب معسر لا یستطیع رفع أجرۃ الحضانۃ، ألا تقیم الحاضن بالصغیر فی بیتیبغضہ ویکرہہ، ولو کان قریباً لہ'' (المعتصر من الفقہ الاسلامی۷۲۸٫۷، ۷۲۹) (مقالہ: مفتی عثمان بستوی وغیرہ)۔

وہ شرائط جو مردوں کے ساتھ خاص ہیں:

پرورش پانے والا بچہ اگر لڑکی ہے اور وہ حد شہوت کو پہنچ گئی ہے تو پرورش کرنے والے کا محرم ہونا ضروری ہے، حاضن مرد کے پاس ایسی عورت موجود ہو جو پرورش پانے والے بچہ کی پرورش کرسکے۔

''ویشترط فی الرجل الحاضن ما یأتی : أن یکون محرماً للمحضون إذا کان أنثیمشتہاۃ، أن یکون عند الحاضن من أب وغیرہ من یصلح للحضانۃ من النساء کزوجۃ أو أم أو خالۃ أو

عمۃ'' (المعتصر من الفقہ الاسلامی۷٫۷۲۹، ۷۳۰) (مقالہ : مفتی عثمان بستوی وغیرہ)۔

اسباب حرمان:

وہ اسباب ووجوہ جن کی وجہ سے بچوں کے مفاد میں کسی مرد وعورت کو حق پرورش سے محروم کیا جاسکتا ہے، مقالہ نگاران کے الفاظ مینیہ ہیں:

۱۔ مرد وعورت مرتد ہوجائیں، مرد وعورت شراب نوشی میں منہمک رہتے ہوں، مرد وعورت بدکاری میں مشہور ہوں، ایسے بدکردار ہوں کہ بچہ کے ضائع ہونے کا غالب گمان ہو، یا ایسے بداخلاق اور بدطینت ہونکہ ان کی بداعمالیوں اور فسق سے بچہ کے اخلاق وکردار بگڑنے کا اندیشہ ہو، چوری، ناچنے، گانے اور نوحہ خانی میں منہمک اور غرق رہتے ہوں۔

مردوعورت مغربی فحاشی اور عریانیت کے دلدادہ ہوں، اور الحاد وبے دینی کی دعوت دیتے ہوں، نیز اعلانیہ احکام الہی کا مذاق اڑاتے ہوں، مرد وعورت بچے کے حق کی ادائیگی میں ایسی کوتاہی کرتے ہوں جس سے بچہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو، مردوخاتون نیم پاگل ہوں، مرد وعورت متعدی امراض میں مبتلا ہوں، جیسے برص، جذام اور ایڈز وغیرہ، خاتون کسی ایسے شخص سے نکاح کرلے جو بچہ کا محرم نہ ہو (دیکھئے مقالہ: ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی، مولانا سید قمر الدین محمود بروڈوی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، قاضی محمد کامل قاسمی، مفتی عثمان بستوی، مفتی لطیف الرحمن، مولانا محمد منصف بدایونی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مفتی محمد الیاس، مولانا عبد اللہ خالد، مفتی محمد شاہد قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی وغیرہ)۔

۱۔ ''إلا أن تكون مرتدة.....'' (رد المحتار ۶۸۸٫۲)۔

۲۔ ''ضرر فی بدن الحاضن كالجنون والجذام والبرص '' (القوانين الفقہيہ۱۴۹)۔

۳۔ ''إذا كان بالأم برص أو جذام سقط حقها من الحضانة.....'' (الاقناع۱۵۸٫۴)۔

۴۔ ''وقال غير واحد: وہو واضح فی كل عيب متعد ضررہ إلى غيرہ..... فالجذام ممنوعون من مخالطة الأصحاء، فمنعہم من حضانتہم أولى'' (كشاف القناع ۴۹۹٫۵)۔

۵۔ ''ولا حضانة لمن تخرج كل وقت وتترك البنت ضائعة'' (الہندیہ۵۴۲٫۱)۔

۶۔ ''أو فاجرة فجوراً يضيع الولد بہ كزنا وغناء وسرقة ونياحة .....'' (شامی۶۸۸٫۲)۔

۷۔ ''.....إلا أن تكون مرتدة أو فاجرة غير مأمونة..... وكذا لو كانت سارقة أو مغنية أو نائحة فلا حق لہا'' (الہندیہ۵۴۱٫۱)۔

۸۔ ''والحاصل أن الحاضنة إن كانت فاسقة فسقاً يلزمن منہ ضياع الولد عندہا سقط حقہا وإلا فہی أحق بہ إلى أن يعقل فينزع منہا كالكتابية'' (رد المحتار۵۵۶٫۳)۔

۹۔ ''أو متزوجة بغير محرم الصغير'' (شامی۶۸۹٫۲)۔

۱۰۔ ''لو كان فی المحارم من الأخوة والأعمام من لا يؤمن على صبی وصبية بفسقہ،

لیس لہ حق فی الإمساک" (ہدایہ مع فتح القدیر ۴،۱۸۷)۔

بچوں کے حق تعلیم وتربیت:

سوال: (ب: ۱) اسلام میں بچو نکے حق تعلیم وتربیت کے بارے میں کیا بنیادی ہدایات ہیں؟

بچوں کو اس قدر بنیادی دینی تعلیم دینا ضروری اور واجب ہے جس سے وہ بلوغ کے بعد اپنے اوپر عائد ہونے والے دینی فرائض کو سمجھ سکیں اور جہنم کی آگ سے بچ سکیں اور وہ ایمان، اسلام، آخرت، عبادات، حلال وحرام، حقوق، اخلاق حسنہ اور عادات حسنہ وغیرہ کی تعلیم ہے (مقالہ: مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا غلام اللہ کاوی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی شاہد قاسمی، مولانا عبد اللہ کاوی، مفتی عثمان بستوی، حافظ کلیم اللہ عمری، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی محمد الیاس قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مفتی محمد شفیق، مولانا عبد اللہ خالد، مفتی عارف کنجروی، مولانا حذیفہ محمود، مولانا عمران ندوی، مولانا مبارک حسین ندوی، قاضی محمد کامل قاسمی، مولانا احسن عبد الحق ندوی،قاضی ریاض ارمان قاسمی، مفتی اخلاق قاسمی، مولانا عبدالتواب اناوی وغیرہ)۔

دلائل:

۱۔ ''یأیہا الذین آمنوا قوا أنفسکم وأہلیکم ناراً وقودہا الناس والحجارۃ'' (التحریم: ۶) (تمام مقالہ نگار)۔

۲۔ ''أدبوا أولادکم وأحسنوا أدبہم'' (سنن ابن ماجہ، حدیث: ۳۶۷۱)۔

۳۔ ''علموا أولادکم وأہلیکم الخیر وأدبہم'' (مصنف عبد الرزاق) (مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

۴۔ ''أدبوا أولادکم علی ثلاث خصال: حب نبیکم وحب آل بیتہ وتلاوۃ القرآن فإن حملۃ القرآن فی ظل عرش اللہ یوم لا ظل إلا ظلہ'' (رواہ الطبرانی) (مفتی محمد شاہد قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی وغیرہ)۔

۵۔ ''لأن یؤدب الرجل ولدہ خیر من أن یتصدق بصاع'' (سنن ترمذی) (مفتی محمد شاہد قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا حذیفہ لونا واڑا)۔

۶۔ ''ما نحل والد ولداً أفضل من أدب حسن'' (سنن ترمذی، باب ما جاء فی ادب الولد) (مولانا محبوب فروغ احمد، مولانا غلام اللہ کاوی، مفتی محمد شاہد قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی محمد آصف، مفتی عارف کنجروی، مولانا حذیفہ لوناواڑا، مولانا محمد عمران ندوی، مولانا عبد اللہ لوناواڑا، مفتی شفیق قاسمی)۔

۷۔ ''مروا أولادکم بالصلاۃ وہم أبناء سبع سنین واضربوہم علیہا وہم أبناء عشر سنین وفرقوا بینہم فی المضاجع'' (سنن ابوداؤد،۴۹۵) (مقالہ: مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، قاضی محمد کامل قاسمی، مولانا محمد منصف بدایونی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا عمران ندوی اور مولانا حذیفہ لوناواڑا)۔

٨۔ ''کلکم راعٍ وکلکم مسئول عن رعیتہ، والرجل راعٍ فی أہلہ ومسئول عن رعیتہ.....'' (صحیح بخاری،٨٩٣، صحیح مسلم،٤٧٢٤) (مفتی راشد حسین ندوی)۔

٩۔ ''افتحوا علی صبیانکم أو ل کلمۃ لا إلہ إلا اللہ'' (کنز العمال ١٦،٤٤١) (مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، قاضی محمد کامل، مولانا عمران ندوی وغیرہ)۔

١٠۔ مفسرین اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''یاأیہا الذین آمنوا قوا أنفسکم بأداء الواجبات وترک المعاصی وأہلیکم بالتعلیم والتأدیب ولأمر بالمعروف والنہی عن المنکر ناراً'' (التفسیر المظہری٩،٣٤٤)۔

١١۔ ''وقولہ: أہلیکم ناراً، یقول: وعلموا أہلیکم من العمل بطاعۃ اللہ ما یقومون بہ أنفسہم من النار، وبنحو الذی قلنا فی ذلک، قال أہل التأویل: من قال ذلک..... عن علی بن أبی طالب فی قول ''قوا أنفسکم ..... قال: علموہم، أدبوہم.....'' (تفسیر الطبری٢٨،١٨٥، ١٨٦) (مقالہ: مفتی محمد شاہد قاسمی، قاضی ریاض ارمان قاسمی، مفتی شاہجہاں ندوی، مولاناراشد حسین ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد، مفتی عثمان بستوی، مولانا غلام اللہ کاوی، مولانا عمران ندوی، مولانا حذیفہ محمود وغیرہ)۔

١٢۔ ''وعلی الآباء والأمہات تعلیم أولادہن ما سیتعین علیہم بعد البلوغ، فیعلمہ الولی الطہارۃ والصلاۃ والصوم ونحوہا ویعرفہ تحریم الزنا واللواط والسرقۃ وشرب المسکر والکذب والغیبۃ وشبہہا ویعرفہ أن بالبلوغ یدخل فی التکلیف ویعرفہ ما یبلغ بہ، وقیل: ہذا العلم مستحب والصحیح وجوبہ وہو ظاہر نص الشافعی'' (المجموع١،٥٠) (مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی وغیرہ)۔

١٣۔ ''یجب علی الولی تأدیب الصغار بالآداب الشرعیۃ التی تغرس فی نفس الطفل الأخلاق الکریمۃ والسلوک القویم'' (الموسوعۃ الفقہیہ٢٧،٢٣) (مقالہ: مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

١٤۔ ''أہلیکم بالنصح والتأدیب'' (انوار التنزیل واسرار التاویل٥،٢٢٥) (مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی راشد حسین ندوی وغیرہ)۔

١٥۔ ''.....استدل بہا علی أنہ یجب علی الرجل تعلم ما یجب من الفرائض وتعلیمہ لہؤلاء.....'' (روح المعانی١٩،٣٥١) (مقالہ: مفتی محمد شاہد قاسمی، مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی وغیرہ)۔

*مفتی لطیف الرحمن صاحب اور بعض دوسرے مقالہ نگار مثلاً مولانا منصف بدایونی، مفتی صادق پٹیل، مفتی الیاس قاسمی اور مولانا عبد اللہ خالد صاحب نے بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں تفصیل سے آداب ذکر کئے ہیں، مفتی لطیف الرحمن صاحب نے ١٧،آداب شمار کرائے ہیں۔

* اسی طرح قاضی محمد کامل قاسمی نے بچو نکے حق تعلیم وتربیت پر تفصیلیبحث کی ہے، مثلاً، تحنیک، بچہ کا نام، اس کا عقیقہ، حلق، ختنہ، دودھ پلانے اور چھڑانے کے احکام، پرورش کا طریقہ، ابتدائی تعلیم وغیرہ۔

مولانا رحمت اللہ ندوی صاحب لکھتے ہیں کہ اسلام بچہ کی مکمل تربیت کا تصور پیش کرتا ہے، جس میں دینی، اخلاقی جسمانی، عقلی وذہنی، معاشرتی، حسی، جذباتی وجبلی، نفسیاتی اور جنسی تمام تربیت شامل ہوں (تربیت اولاد فی الاسلام)۔

بچوں کے لئے دینی وعصری تعلیم کی حد ومقدار:

سوال:(ب: ۲) بچوں اور بچیوں کو کس قدر دینی تعلیم دینا ضروری ہے اور عصری تعلیم کس حد تک دینا ضروری ہے؟

بچے اور بچیوں کو دینی تعلیم اس قدر دلانا ضروری اورواجب ہے جس سے وہ اپنے اوپر عائد ہونے والے فرائض وواجبات کو بحسن وخوبی انجام دے سکیں، تمام مقالہ نگار نے اس کے ذیل میں بطور دلائل وہی آیات واحادیث اور فقہی عبارات ذکر کی ہیں جوجواب نمبر ''ب۔۱۔'' کے تحت ذکر کی گئیں۔

اور عصری ودنیوی تعلیم اس قدر دینا ضروری ہے کہ وہ باعزت طریقہ پر اپنی معاشی ضرورتوں کو پورا کرسکے اور حلال طریقہ پر کمانے کھانے پر قادر ہوسکے (دیکھئے: مقالہ: مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی محمد شاہد قاسمی، مفتی عثمان بستوی، مفتی لطیف الرحمن، قاضی محمد کامل قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا محمد منصف بدایونی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مفتی الیاس قاسمی، مفتی آصف قاسمی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا مبارک حسین ندوی، مفتی شفیق قاسمی، مولانا عمران ندوی، مفتی صادق پٹیل، مولانا عبد اللہ خالد، مفتی اخلاق حسین قاسمی، قاضی ریاض ارمان قاسمی، مولانا عبد التواب اناوی وغیرہ)۔

دلائل:

۱۔ ''عن خارجۃ بن زید بن ثابت عن أبیہ زید بن ثابت قال: ''أمرنی رسول اللہ ﷺ أن أتعلم لہ کلمات من کتاب یہود، قال: إنی واللہ ما آمن یہود علی کتابی قال: فما مرّ بی نصف شہر حتی تعلمہ لہ قال: فلما تعلمتہ کان إذا کتب إلییہود کتبت إلیہم وإذا کتبوا إلیہ قرأت لہ کتابہم'' (سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۲۷۱۰)، عہد نبوی میں اس کی مثالیں ملتی ہیں کہ دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم دلائی جائے (مقالہ: مفتی الیاس قاسمی، مولانا احسن عبد الحق ندوی وغیرہ)۔

۲۔ ''طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ'' (مشکوۃ) (مقالہ: قاضی محمد کامل قاسمی)۔

۳۔ ''أمرنی رسول اللہ ﷺ أن أتعلم سریانیۃ'' (سنن ترمذی،حدیث: ۲۷۱۰) (مقالہ: مفتی الیاس قاسمی، مولانا احسن عبد الحق ندوی وغیرہ)۔

۴۔ ''طلب الحلال واجب علی کل مسلم'' (مسند الفردوس للدیلمی، حدیث: ۳۹۱۴) (مقالہ: مولانا شاہجہاں ندوی)۔

۵۔ ‘‘طلب الکسب فریضۃ علی کل مسلم، کما أن طلب العلم فریضۃ’’ (الکسب،۳۲)۔ پتہ چلا کہ حلال کمائی کرنا فرض ہے، لہذا حلال کمائی کے لئے درکار علم حاصل کرنا بھی فرض ہوگا، لہذا اولاد کو اس حد تک علم دلانا بھی فرض ہوگا (مقالہ: ڈاکٹر مولانا شاہجہاں ندوی)۔

۶۔ ‘‘طلب العلم فریضۃ بقدر الشرائع وما یحتاج ..... ولأمور معاشہ وما وراء ذلک لیس بفرض، فإن تعلمہا فہو أفضل، وإن ترکہا، فلا إثم علیہ ’’ (فتاوی ہندیہ،۵/۳۷۷) (مقالہ: ڈاکٹر محمد شاہجہا ں ندوی، مفتی راشد حسین ندوی)۔

۷۔ ‘‘وینبغی أن یعلمہ أیضا من أمور الدنیا وما یحتاج إلیہ من السباحۃ والرمی وغیر ذلک مما ینفعہ فی کل زمان بحسبہ، قال عمرؓ: علموا أولادکم السباحۃ والرمایۃ ومروہم فلیثبوا علی الخیل وثبا’’ (الموسوعۃ الفقہیہ۱۳/۱۲) (مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی،مفتی عثمان بستوی وغیرہ)۔

۸۔ ‘‘وحجتنا فی ذلک قولہ تعالی: ‘‘وأنفقوا من طیبات ما کسبتم’’ والأمر حقیقۃ للوجوب، ولا یتصور الإنفاق من المکسوب إلا بعد الکسب، ولا یتوصل إلی إقامۃ الفرض إلا بہ یکون فرضاً .....’’ (المبسوط للسرخسی۳۰/۲۵۰)۔

۹۔ ‘‘ولو استأجر لتعلیم ولدہ الکتابۃ أو النجوم أو الطب أو التعبیر جاز بالاتفاق’’ (فتاوی ہندیہ) (مولانا شاہجہاں ندوی وغیرہ)۔

۱۰۔ ‘‘ویسلمہ فی صناعۃ، لأنہ من باب تثقیفہ واستجلاب المنافع لہ’’ (الجوہرۃ النیرۃ۱/۳۵۵) (مقالہ: مولانا شاہجہاں ندوی)۔

۱۱۔ ‘‘ولہ دفعہا للامرأۃ تعلمہا حرفۃلتطریز وخیاطۃ مثلاً’’ (رد المحتار۳/۶۱۲) (مقالہ: مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی اخلاق قاسمی، قاضی ریاض قاسمی)۔

۱۲۔ ‘‘قال الشافعی وأصحابہ رحمہم اللہ: علی الآباء والأمہات تعلیم أولادہم الصغار ما یستعین علیہ بعد البلوغ.....’’ (المجموع شرح المہذب۱/۶۴)۔

۱۳۔ ضروری اور انسانی سماج کو کام آنے والے مفید علم کو حاصل کرنا ‘‘فرض کفایہ ’’ ہے، جیسا کہ علامہ شامی نے لکھا ہے: ‘‘أما فرض الکفایۃ من العلم فہو کل علم لا یستغنی عنہ فی قوام أمور الدنیا کالطب والحساب’’ (رد المحتار۱/۱۲۶) (مقالہ: مفتی محمد شاہد قاسمی، حافظ کلیم اللہ عمری، مفتی الیاس قاسمی، مولانا عبد اللہ خالد لوناواڑہ وغیرہ)۔

۱۴۔ بچے اور بچیوں کو دینی تعلیم مکمل طور پر دینا ضروری ہے: ‘‘طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ’’ کی رو سے اور عصری ودنیوی بقدر ضرورت سیکھنا ضروری ہے، ضرورت سے زائد سیکھنا بہتر ہے، اور تاکہ دنیا کے ہر شعبہ میں کچھ تعلیم یافتہ مسلمان ہونا چاہئے (مقالہ: مولانا عبد اللہ کاوی، مولانا اخلاق قاسمی، قاضی ریاض قاسمی وغیرہ)۔

۱۵۔ علوم عصریہ دوسرے درجہ کا علم ہیں، جو وسیلہ اور ذریعہ کی حیثیت رکھتے

ہیں: ‘‘أما فرض الکفایۃ من العلم فہو کل علم لا یستغنی عنہ فی قوام أمور الدنیا کالطب والحساب’’ (رد المحتار ۱۲۶،۱) (مفتی شاہد قاسمی)۔

۱۶۔ فقہاء کرام نے فرض کفایہ علوم کی تعریف کی ہے کہ ان سے وہ علوم مراد ہیں جن کی دنیوی امور کی درستگی میں لازمی طور پر ضرورت پیش آتی ہو اور اس میں طب اور حساب کے علاوہ تمام صنعت وحرفت کو شامل کیا ہے (رد المحتار ۱۲۶،۱) (مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی شاہد قاسمی)۔

۱۷۔ بنیادی دینی علوم حاصل کرنے اور ایمان وعقائد کی پختگی کے بعد موجودہ حالات میں دور حاضر کے تقاضوں کی تکمیل کے لئے اعلی وعصری علوم کے حصول کے لئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے اور معاشی تگ ودور میں لگنا چاہئے (مقالہ: مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی خورشید احمد اعظمی، مولانا قمر الدین بروڈوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی لطیف الرحمن، مفتی حبیب بن یوسف صاحب وغیرہ)۔

مولانا سید قمر الدین بروڈوی، مفتی لطیف الرحمن اور مفتی حبیب بن یوسف، مولانا منصف بدایونی وغیرہ لکھتے ہیں کہ بچیوں کو یونیورسٹیا کالج میں داخل کرکے اعلی تعلیم اور عصری تعلیم دلانا یا ڈگریاں حاصل کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ:

۱۔ انگریزی تعلیم اور یونیورسٹی کے ماحول سے اسلامی عقائد واخلاق اور عادات بگڑجاتے ہیں، آزادی، بے شرمی اور بے حیائی بڑھ جاتی ہے۔

۲۔ شریعت کا قانون ہے:‘‘درء المفاسد أولی من جلب المنافع فإذا تعارضت مفسدۃ ومصلحۃ قدم دفع المفسدۃ غالباً؛ لأن اعتبار الشرع المنہیات أشد من اعتناءہ بالمأمورات’’ (الاشباہ والنظائر،۱۱۴)۔

۳۔ ‘‘أن عائشۃ زوج النبیﷺ قالت:‘‘لو أدرک رسول اللہﷺ ما حدث النساء لمنعہن المسجد’’ (سنن ابوداؤد، باب ما جاء فی خروج النساء إلی المساجد)۔

۴۔ بچیوں پر مذہبی لحاظ سے معاشی ذمہ داریاں نہیں ڈالی گئی ہیں۔

مولانا غلام اللہ کاوی، قاضی محمد کامل قاسمی، مولانا عمران ندوی، مفتی عارف کنجروی، مفتی آصف اور مفتی صادق پٹیل صاحبان بچے اور بچیوں کی حد تعلیم کا ذکر کئے بغیر لکھتے ہیں:

‘‘عصری تعلیم کو حسب ضرورت واستطاعت حاصل کیا جائے، لیکنیہ ضروری ہے کہ کالج واسکول کا ماحول ایسا ہو کہ جہاں بچوں کے عقائد واخلاق کی درستگی پر بھی توجہ دی جاتی ہو اور حسب عمر میں شریعت میں بستر الگ کرنے کی ہدایت ہے اس عمر سے ان کی تعلیم گاہیں بھی الگ ہوں۔

مفتی محمد الیاس قاسمی لکھتے ہیں:

بچیوں کے لئے بھی عصری تعلیم ضروری ہے، بشرطیکہ وہ درج ذیل شرعی حدود کے اندر ہو:

۱۔ یہ تعلیم بہ پردہ ہو، غیر محرم مردوں کے ساتھ خلوت وتنہائی اختیار کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

۲۔ یہ علم شرعاً ناجائز نہ ہو، مثلاً رقص وموسیقی۔

۳۔ یہ تعلیم عورتوں کی فطری صلاحیت کے دائرہ کار کے مغائر نہ ہو، مثلاً: عورتوں کو ٹریفک پولیس کی تعلیم۔

۴۔ اپنے سرپرستوں یا شوہر کی اجازت سے تعلیم حاصل کی جائے۔

''ویمنعہا من زیارۃ الأجانب وعیادتہم والولیمۃ وإن أذن کانا عاصیین'' (الدرالمختار ورد المحتار۵،۳۲۴، ۳۲۵)۔

مفتی الیاس قاسمی نے بچیوں کے لئے عصری ودنیوی تعلیم کے حصول پر مندرجہ ذیل دلائل پیش کئے ہیں:

۱۔ عن الربیع بنت معوذ قالت: ''کنا مع النبیﷺ نسقی الماء ونداوی الجرحی ونرد القتلی'' (کتاب الجہاد، باب مداواۃ النساء،۶۱۶)۔

۲۔ ''..... وینبغی للطبیب أن یعلم امرأۃ إن أمکن، وإن لم یکن ستر کل عضو منہا سوی موضع الوجع .....'' (البحر الرائق،۳۵۲،۵۳۹)۔

مفتی تنظیم عالم قاسمی لکھتےہیں کہ تعلیم وتربیت کے وجوب میں لڑکا اور لڑکی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

مولانا محمد عمران ندوی لکھتے ہیں: تعلیم کو عصری ودینی عنوان سے تقسیم کرنے کے نتائج آج بالکل واضح ہوکر ہمارے سامنے آچکے ہیں، ایک طرف عصری درسگاہوں کے طلبہ اپنے نبی کا نام بھی نہیں جانتے تو دوسری طرف دینی درسگاہوں کے فارغین کی اکثریت کو ریاضی سے اتنی واقفیت نہیں ہوتی ہے کہ میراث کے مسائل کو حل کرسکیں۔

مسلمانوں پر لازمی تعلیم کی پابندی:

سوال:(ب: ۳) اگر حکومت کسی سطح تک کی تعلیم کو بچوں اور بچیوں کے لئے لازم قرار دے تو کیا شرعاً اس کی پابندی مسلمانوں کے لئے لازم ہے؟

اگر حکومت کسی سطح تک کی صرف عصری تعلیم کو بچوں اور بچیوں کے لئے لازم قرار دے تو شرعاً اس کی پابندی مسلمانوں پر لازم نہیں ہے (مقالہ: ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مفتی محمد شاہد قاسمی، قاضی محمد کامل قاسمی، مولانا احسن عبد الحق ندوی وغیرہ)۔

البتہ اگر حکومت اس طرح کا قانون بنائے کہ فلاں کلاس تک عصریہ یا اس کے مساوی مذہبی تعلیم دلانا ہرگارجین پر لازم ہے تو شرعاً اس کی پابندی مسلمانوں پر لازم ہوگی (ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی، مفتی عثمان بستوی، مفتی اخلاق قاسمی، قاضی ریاض ارمان قاسمی وغیرہ)۔

اگر حکومت کی طرف سے لازم تعلیم کا حکم شرعی اصول اور کتاب وسنت کے قطعی نصوص سے متصادم نہ ہو تو اس کی پابندی کی جائے گی، اس لئے کہ مباح امور

میں امام اور حاکم وقت کی اطاعت واجب ہے)۔

۱۔ ‘‘فی شرح الجواہر:تجب إطاعتہ فیما أباحہ الدین وہو ما یعود نفعہ إلی العامۃ کعمارۃ دار الإسلام والمسلمین وما تناولہ الکتاب والسنۃ والإجماع’’ (رد المحتار ۱،۶۷) (مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی وغیرہ)۔

۲۔ ‘‘لأن طاعۃ الإمام فیما لیس بمعصیۃ واجبۃ’’ (رد المحتار ۱،۵۳، احکام القرآن، بدائع الصنائع، البحر الرائق) (مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی شاہجہاں ندوی، مفتی عثمان بستوی وغیرہ)۔

۳۔ اس لئے کہ یہ خیرخواہی کے باب سے ہے (مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، حافظ کلیم اللہ عمری وغیرہ)۔

مولانا نعیم اختر قاسمی لکھتے ہیں: بنیادی دینی علوم کے بعد اگر حکومت مجبور کرتی ہے تو اس کی گنجائش ہے۔

مولانا سید قمر الدین بروڈوی، مفتی غلام اللہ کاوی، مولانا حذیفہ لوناواڑا اور مفتی صادق پٹیل صاحبان لکھتے ہیں کہ اگر پرائمری سطح تک کی تعلیم کو لازم قرار دیتی ہے تو اس کو اختیار کرنے کی اجازت ہے، اس صورت میں دینی مکتب میں بھی بچہ پڑھ سکتا ہے، جیسا کہ یورپ اور امریکہ مینیہ نظام رائج ہے اور کامیاب ہے۔

مولانا تنظیم عالم قاسمی اور حافظ کلیم اللہ عمری کی رائے ہے کہ حکومت کی طرف سے لازمی تعلیم کا قانون قابل عمل ہے، اس کی پابندی مسلمانوں پر لازم ہوگی، اس لئے تعلیم فی نفسہ بہتر چیز ہے، خواہ وہ عصری تعلیم ہی کیوں نہ ہو، حکومت کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ مصالح عامہ، عدل وانصاف اور ضرر وضرار سے بچانے کے لئے جو قوانین وضع کرے شرعاً مسلمانوں پر ان کی پابندی لازم ہوگی، بشرطیکہ وہ قوانین خلاف شریعت نہ ہوں، البتہ حکومت سے مطالبہ کیاجائے کہ لڑکے اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ تعلیم گاہوں کا نظم کرے۔

مفتی محمد الیاس قاسمی لکھتے ہیں: شرعاً اس کی پابندی مسلمانوں پر درج ذیل شرطوں کے ساتھ لازم ہے:

۱۔ لازمی تعلیم مفت ہو۔

۲۔ غیر مستطیع طلبہ کو لوازمات تعلیم خود حکومت مہیار کرے۔

۳۔ قریب البلوغ وبالغ بچیوں کے لئے علاحدہ تعلیمی ادارے مہیا کئے جائیں۔

۴۔ مواد تعلیم اسلام کے خلاف نہ ہو یا اخلاقی بے راہ روی کا باعث نہ بنے۔

۵۔ اس تعلیم کی وجہ سے طلبہ وطالبات میں دین سے دوری اور دیگر مفاسد پیدا نہ ہوں۔

تعلیمی نصاب مسلمان بچوں کے لئے ایمانی واسلامی اعتبار سے ضرر رساں ہو تو اس کو چھوڑنا ضروری ہوگا۔

اگر ایسا نہ ہو تو اس کی پابندی میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ اس کی پابندی سے

مسلمانوں کو فائدہ ہوگا (مقالہ: مفتی عبد اللہ کاوی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی لطیف الرحمن، مفتی عثمان بستوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا محمد منصف بدایونی،مولانا نعیم اختر قاسمی، مفتی عارف کنجروی، مولانا عبد اللہ خالد، مفتی اخلاق قاسمی، قاضی ریاض ارمان قاسمی، مولانا عبد التواب اناوی وغیرہ)۔

مفتی آصف، مولانا محمد عمران ندوی اور مفتی حبیب بن یوسف کی نظر مینیہ تجویز مذہب اسلام کے سراسر خلاف ہے، لہذا ایسے قانون کی پابندی کرنا شرعاً لازم نہیں ہے۔

مفتی محمد شاہد قاسمی لکھتے ہیں: اس قانون کے ماننے کو نتیجہ میں دینی مدارس کی کاردگی متاثر ہوگی۔

مولانا مبارک حسین ندوی لکھتے ہیں: اگر کوئی حکومت کسی نظریہ کے تحت ایک خاص سطح کی تعلیم کی بچوں اور بچیوں کے لئے لازم قرار دیتی ہے تو دستور ہند میں ہر ایک شہری کو جو آزادی دی گئی ہے اس کی رو سے اس پر پابندی ہر ایک کے لئے ضروری اور لازمی نہیں ہونا چاہئے۔

مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی فرماتے ہیں کہ اگر حکومت غیر اسلامیہ میں لازمی اور جبری تعلیم کا قانون رائج ہو تو اس کی خلاف ورزی باعث تذلیل اور موجب سزا ہوسکتی ہے، اس لئے بھی اس کی پابندی لازمی ہے (دیکھئے: موصوف کا مقالہ)۔

بچوں کے لئے جنسی تعلیم:

سوال:(ب: ۴) کیا جنس کی تعلیم بھی بچوں کا حق ہے جیسا کہ آج کل کہا جارہا ہے، اس سلسلہ میں اسلام کی ہدایات کیا ہیں؟

موجودہ دور میں جنسی تعلیم کی جس پیمانہ پر زور دیا جارہا ہے او رجو طریقہ اپنایا جارہا ہے وہ اسلامی نقطہ نظر سے حرام ہے اور ہر پہلو سے مضر ہے (مقالہ: ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مولانا سید قمر الدین محمود، مفتی عبد اللہ کاوی، مفتی غلام اللہ کاوی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی لطیف الرحمن، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا منصف بدایونی، مفتی عارف کنجروی، مولانا مبارک حسین ندوی ، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی وغیرہ)۔

دلائل:

اللہ تعالی نے جائز فطری جنسی تقاضوں کے احکام کے بیان میں تک کے لئے کنائی الفاظ اختیار کئے ہیں، تاکہ شرم وحیا متاثر نہ ہو، چنانچہ میاں بیوی کے جائز تعلق کے لئے ‘‘ملامسہ ’’، ‘‘مباشرہ ’’، قضا ء الوطر ’’ جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، قرآن کریم میں ہے:

الف۔ ‘‘أولا مستم النساء ’’ (النساء: ۴۳)۔

ب۔ ‘‘ولا تباشروہن وأنتم عاکفون فی المساجد ’’ (البقرہ: ۱۸۷)۔

ج۔ ‘‘فلما قضی زید منہا وطراً زوجناکم لکی لا یکون علی المؤمنین حرج فی أزواج أدعیائکم إذا قضوا منہن وطراً وکان أمر اللہ مفعولاً ’’ (الاحزاب: ۳۷) (مقالہ: مولانا شاہجہاں ندوی وغیرہ)۔

۲۔ اسلام فسق وفجور، فحش وفحاشی، بے شرمی کی باتوں اور برائیوں کے اظہار کو پسند نہیں کرتا ہے، ‘‘لا یحب اللہ الجہر من القول إلا من ظلم ’’ (النساء: ۱۴۸) (مقالہ: مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا محمد عمران ندوی وغیرہ)۔

۳۔ ‘‘إن الذینیحبون أن تشیع الفاحشۃ فی الذین آمنوا لہم عذاب ألیم فی الدنیا والآخرۃ ’’ (النور: ۱۹)۔

۴۔ مقدس شریعت کی بنیادی تعلیم ہے: ‘‘ینہی عن الفحشاء والمنکر’’ (النحل) (مولانا حذیفہ داحودی)۔

۵۔ ‘‘لأن الأصل: أن سبب الحرام حرام’’ (ہدایہ)۔

۶۔ ‘‘لا تقربوا الزنا’’ سے اسباب زنا بھی مراد ہے (مفتی عبد اللہ کاوی، مفتی مفتی شاہد قاسمی، مولانا محمد عمران ندوی)۔

۷۔ جنسی تعلیم فحاشی کی دعوت دیتی ہے، جنسی بے راہ روی کا ذریعہ اور بے شرمی کے عمیق غار میں لے جانے کا سبب ہے (مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا عبد اللہ کاوی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی الیاس قاسمی، قاضی ریاض ارمان قاسمی، مفتی اخلاق قاسمی، مولانا عبد التواب اناوی وغیرہ)۔

۸۔ سداً للذریعہ اسے درست قرار نہیں دیا جائے گا (مولانا خورشید انور اعظمی)۔

۹۔ وہ شہوت بھڑکانے کا ذریعہ ہے (مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا قمر الدین بروڈوی، مفتی لطیف الرحمن، مفتی الیاس قاسمی، مفتی عارف کنجروی، قاضی ریاض ارمان قاسمی وغیرہ)۔

۱۰۔ ‘‘ما أدی إلی الحرام فہو حرام’’ (بدائع الصنائع) (مفتی الیاس قاسمی)۔

۱۱۔ بلوغ کے وقت سے پہلےبلوغ کے بعد ہونے والی تبدیلیوں اور ان تبدیلیوں کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی ضرورتوں کا ادراک عام طور پر انسان کی بے راہ روی کا سبب بنتا ہے (مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی محمد شاہد قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی لطیف الرحمن، مفتی عثمان بستوی، مولانا حذیفہ لوناواڑا، مفتی شفیق قاسمی وغیرہ)۔

مفتی حبیب بن یوسف، مفتی شفیق قاسمی، مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا احسن عبد الحق اور مولانا عبد التواب اناوی کی رائے ہے کہ جنسی تعلیم کی شرعاً گنجائش نہیں ہے۔

مولانا مبارک حسین ندوی لکھتے ہیں: جنسی تعلیم کو مسترد کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔

مفتی حبیب بن یوسف صاحب لکھتے ہیں: شرعاً اس کی پابندی کرنا لازم نہیں ہوگا، البتہ دفع مضرت اور بہت سے مواقع پر حکومت کی طرف سے عائد کردہ قوانین کے تحت اپنے نیچی حقوق کی حصولیابی ..... دلائی جاسکتی ہے۔

مولانا شاہجہاں ندوی اور مولانا محمد عمران ندوی لکھتے ہیں: البتہ اسلام مردوں اور عورتوں کے درمیان غیر شرعی تعلق کی قباحت کو اجاگر کرتا ہے اور عفت وپاکدامنی

کی تعلیم دیتا ہے۔

اسی طرح مفتی محمد شاہد قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی لطیف الرحمن اور قاضی ریاض قاسمی لکھتے ہیں: اسلام بچوں اور بچیوں کو برائی اور بدکاری سے بچانے کے لئے اخلاقی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

اسلام نگاہ نیچی رکھنے کی ہدایت دیتا ہے، اور جذبات وخیالات ابھارنے والی چیزوں سے دور کرنے کا حکم دیتا ہے: ‘‘قل للمؤمنینیغضوا من أبصارہم ویحفظوا فروجہم ذلک أزکی لہم، إن اللہ خبیر بما یصنعون وقل للمؤمنات یغضضن من أبصارہن ویحفظن فروجہن ولا یبدین زینتہن إلا ما ظہر’’ (النور: ۳۰، ۳۱) (مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی الیاس قاسمی وغیرہ)۔

وہ ایک فطری چیز ہے اس کو سکھانے کی ضرورت نہیں ہے (مولانا عبد اللہ کاوی، مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا منصف قاسمی، مفتی غلام اللہ کاوی، مفتی عارف، مولانا عمران ندوی، مولانا حذیفہ لوناواڑا، مفتی شفیق قاسمی، قاضی ریاض قاسمی وغیرہ)۔

البتہ جنسی تعلیم کی بعض صورتیں ایسی ہیں جن کاتعلق بنیادی دینی تعلیم سے اور جس کا حاصل کرنا ضروری ہے، مثلاً احتلام سے غسل واجب ہونا، حیض وغیرہ کے ایام، طہارت وجنابت کے مسائل وغیرہ (مفتی محمد راشد حسین ندوی، مولانا سید قمر الدین بروڈوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی آصف صاحب، حافظ کلیم اللہ عمری، مفتی صادق پٹیل وغیرہ)۔

اس بارے میں دو باتوں کا لحاظ رکھا جائے:

۱۔ عمر کے ہر حصہ سے متعلق احکام کی تعلیم اسی کی مناسبت سے دی جائے۔

۲۔ لڑکیوں کو یہ تعلیم ماں، دادیا معلمات دیں (مقالہ: مولانا سید قمر الدین بروڈوی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی عثمان بستوی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا منصف قاسمی، حافظ کلیم اللہ عمری، مفتی آصف صاحبان وغیرہ)۔

بچوں اور بچیوں کے نکاح:

ج: نکاح کے بارے میں بچے اور بچیوں کے کیا حقوق ہیں؟ اس سلسلہ میں ہمارے سماج میں افراط وتفریط پائی جاتی ہے، ایک طرف بعض برادریوں میں بہت کم عمری میں نکاح کردیئے جاتے ہیں، جو بعد کو پیش آنے والے حالات میں بچوں کے لئے یہ غیر موزوں ہوتے ہیں، کبھی بالغ ہونے کے بعد بھی لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی میں غیر معمولی تاخیر کی جاتی ہے، جس سے اخلاقی بگاڑ پیدا ہونا فطری بات ہے، اس سلسلہ میںاسلامی تعلیمات اور شرعی ہدایات کیا ہیں؟

اکثر مقالہ نگار کی رائے ہے کہ جب بچہ یا بچی بالغ ہوجائے اور مناسب رشتہ مل جائے تو اس میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے، یہی نکاح کے بارے میں اسلام کا مزاج ہے

(مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی عبد اللہ کاوی، مفتی راشد حسین ندوی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا قمر الدین بروڈوی، مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا محبوب فروغ قاسمی، مفتی تنظیم عالم، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی وغیرہ)۔

دلائل:

۱۔ ''.....إذا بلغوا النكاح'' (النساء: ۶) (مفتی شاہد قاسمی، مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی وغیرہ)۔

۲۔ ''فإنہ إذا بلغوا الحلم'' (جامع البیان۷،۵۷۵) (مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی وغیرہ)۔

۳۔ ''یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فإنہ أغض للبصر وأحصن للفرج'' (صحیح بخاری حدیث: ۵۰۶۵، ۵۰۶۶، صحیح مسلم، حدیث: ۱۴۰۰) (مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی الیاس قاسمی، مولانا عبد اللہ کاوی والا، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالیوغیرہ)۔

۴۔ بلوغ کے بعد والدین کو یہ محسوس ہو کہ نکاح نہ کرانے پر گناہ میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہے تو جلد نکاح کرانا ضروری ہوگا، ورنہ خود گناہ گار ہوگا، جیسا کہ حدیث میں ہے: ''من ولد لہولد فلیحسن اسمہ ..... فإذا بلغ فیلزوجہ، فإنہ بلغ ولم یزوجہ فأصاب إثماً فإنما إثمہ علی أبیہ'' (مشکوۃ) (مولانا خورشید انور اعظمی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی شاہد قاسمی، سید قمرالدین بروڈوی، مفتی عبد اللہ کاوی، مفتی عثمان بستوی، مولانا منصف قاسمی، قاضی کامل قاسمی، مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا عمران وغیرہ)۔

۵۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یا علي ثلاث لا تؤخرہا: الصلاۃ إذا أتت والجنازۃ إذا حضرت والأیم إذا وجدت لہا کفواً'' (مشکوۃ) (مولانا خورشید انور اعظمی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی عثمان بستوی، قاضی محمد کامل قاسمی، مولانا نعیم اختر، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی وغیرہ)۔

۶۔ ''فانکحوا ما طاب لکم من النساء .....'' (النساء: ۳)، اس آیت میں لفظ ''نساء '' ''امرأۃ '' کی جمع ہے اور اس کا اطلاق بالغہ خاتون پر ہوتا ہے، جیسے ''رجل '' کا اطلاق بالغ مرد پر ہوتا ہے، اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے، حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نبی کریم ﷺ سے عرض کیا:

''تزوجت امرأۃ من الأنصار'' (صحیح بخاری، حدیث: ۲۰۴۹، صحیح مسلم، حدیث: ۱۴۲۴) (مقالہ: مولانا شاہجہاں ندوی وغیرہ)۔

۷۔ ''عن حاتم بن إسماعیل قال: سمعت عبد اللہ بن ہرمز قال: قال رسول اللہ ﷺ :''إذا جاءکم من ترضون دینہ وخلقہ فانکحوہ، إلا تفعلوا تکن فتنۃ فی الأرض وفساد عریض'' (احکام القرآن ۱،۴۸۵)(مقالہ: مفتی عثمان بستوی، قاضی محمد کامل قاسمی، مفتی صادق پٹیل،

مولانا عبد اللہ لوناواڑا وغیرہ)۔

٨۔ ''ویکون واجباً عند التوقان، فإن تیقن الزنا إلا بہ فرض، ہذا إن ملک المہر والنفقۃ وإلا فلا إثم بترکہ، قولہ عند التوقان: والمراد شدۃ الاشتیاق أی بحیثیخاف الوقوع فی الزنا لم یتزوج.....'' (شامی۴،۶۳، ۶۵، نہر الفائق) (مقالہ: مفتی عبد اللہ کاوی والا، مفتیعثمان بستوی، مفتی محمد شاہد قاسمی وغیرہ)۔

٩۔ تاخیر سے فساد عریض کااندیشہ ہے، جس کا سد باب ہر مسلمان کا فریضہ ہے (مقالہ: مفتی تنظیم عالم قاسمی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا عبد اللہ خالد لوناواڑاو غیرہ)۔

١٠۔ ''ولا یجوز نکاح الیتیمۃ حتی تبلغ'' (سنن ترمذی۱،۲۱۱)۔

١١۔ ''الحکمۃ تحکم بإیثار البکر بعد أن تکون عاقلۃ بالغۃ'' (حجۃ اللہ البالغہ۱،۱۲۴) (مفتی الیاس قاسمی)۔

١٢۔ بلوغ کے ساتھ نکاح کردینے سے بچے کے جذبات پاک رہتے ہیں اور ان کی توجہ فعل حرام کی طرف نہیں جاتی ہے، جس سے عفت، طہارت اور معاشرہ کی پاکیزگی قائم ہوسکتی ہے (مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی عثمان بستوی وغیرہ)۔

تاہم اکثر مقالہ نگار کی رائے ہے کہ اگر مصلحت وضرورت کے پیش نظر والدین اپنے بچوں اور بچیوں کا نکاح نابالغی میں کردے تو وہ شرعاً درست ہے (مولانا خورشید انور اعظمی، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی شاہد قاسمی، مولانا محبوب فروغ قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی عثمان بستوی، قاضی محمد کامل قاسمی، مولانا شاہجہا نندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، حافظ کلیم اللہ عمری وغیرہ)۔

دلائل:

١۔ ''أن النبیﷺ تزوجہا وہی بنت سبع سنین وزفت إلیہ وہی بنت تسع سنین'' (رواہ مسلم، مشکوۃ۲،۲۷۰) (مولانا خورشید اعظمی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا محبوب فروغ قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، قاضی کامل قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مفتی صادق پٹیل، حافظ کلیم اللہ عمری وغیرہ)۔

٢۔ ''أجمع المسلمون علی جواز تزویج الأب بنتہ البکر الصغیرۃ'' (مرقاۃ المفاتیح۶،۲۰۶) (مولانا خورشید اعظمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، قاضی محمد کامل قاسمی، مولانا حذیفہ داحودی وغیرہ)۔

٣۔ ''فزوجہ رسول اللہﷺ بنت حمزۃ وہما صبیان صغیران فلم یجتمعا حتی ماتا .....'' (احکام القرآن للجصاص ۲،۶۲) (مفتی عثمان بستوی، مولانا عبد اللہ خالد لونا واڑا)۔

٤۔ ''ففی الحدیث دلیل علی جواز نکاح الصغیر والصغیرۃ بتزویج الآباء'' (المبسوط للسرخسی) (مولانا خورشید انور اعظمی وغیرہ)۔

٥۔ ''ویجوز تزویج الصغیر والصغیرۃ إذا زوجہما الولی لقولہ تعالی: ''واللائی لم

یحصن'' فأثبت العدة للصغیرة وہی فرع تصور نکاحہا شرعاً'' (مرقاۃ المفاتیح۲؍۲۰۶) (مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی محمد شاہد قاسمی، مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی صادق پٹیل، حافظ کلیم اللہ عمری، مفتی الیاس قاسمی، مولانا حذیفہ داحودی، مولانا عبد اللہ خالدوغیرہ)۔

۶۔ حضرت قدامہ بن مظعون کا نکاح حضرت زبیرؓ کی بیٹی سے ان کی پیدائش کے دن کرایا تھا '' (مرقاۃ المفاتیح) (مفتی تنظیم عالم قاسمی وغیرہ)۔

بعض مقالہ نگار کی رائے ہے کہ اگرچہ کم سنی میں نکاح جائز ودرست ہے، لیکن شریعت نے اس کی ترغیب نہیں دی ہے اور نہ پسندیدہ ہے، بلکہ بعض اعتبار سے نقصان دہ ہے (دیکھئے مقالہ: ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مفتی لطیف الرحمن، مولانا خورشید اعظمی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی آصف، مفتی عثمان بستوی وغیرہ)۔

دلائل:

۱۔ ''اعلم أن الشافعی وأصحابہ قالوا یستحب أن لا یزوج الأب والجد حتی تبلغ'' (شرح النووی) (مولانا خورشید اعظمی، مفتی راشد حسین ندوی)۔

۲۔ ''ویستحب أن لا یزوج الأب والجد البکر حتی تبلغ ویستأذنہا لئلا یوقعہا فی أسر الزوج وہی کارہۃ'' (شرح مسلم للنووی۱؍۴۵۶)۔

۳۔ ''ولا تتزوج إلا بعد أن تعلم أنک تقدر علی القیام بجمیع حوائجہا.....'' (الاشباہ والنظائر) (مولانا نعیم اختر قاسمی)۔

بہتر صورت یہ ہے کہ رخصتی کو بلوغ تک مؤخر کیا جائے۔

''وفی وقت الدخول بالصغیرة، فقیل: لا یدخل بہا ما لم تبلغ، وقیلیدخل إذا بلغت تسع سنین .....'' (فتاوی ہندیہ۱؍۲۸۷) (مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی وغیرہ)۔

حافظ کلیم اللہ عمری کی رائے ہے کہ نکاح کے تعلق سے بچوں اور بچیوں کی رضامندی آج کے دور میں جاننا ضروری ہے، ان کی مرضی کے بغیر نکاح کرنا یا انہیں مجبور کرنا صحیح نہیں ہے، انہوں نے حضرت خنساء کے واقعہ سے استدلال کیا ہے۔

مولانا محمد عمران ندوی کی رائے ہے کہ بچو نکو اس بات کا پابند کیا جائے کہ وہ اولیاء کے ذریعہ اپنا نکاح کرائیں، انہوں نے ''أیما امرأة نکحت بغیر إذن ولیہا فنکاحہا باطل.....'' سے استدلال کیا ہے۔

بعض مقالہ نگار حضرات نے اپنے مقالات میں اس کا بھی ذکر کیا ہے کہ اگر زنا یا معصیت میں مبتلا ہونے کا یقین ہو تو نکاح فرض ہے، نکاح کا شدید اشتیاق ہو، زنا مینپڑنے کااندیشہ ہو تو ہو واجب ہے، اعتدال ہو اور نکاح سے پاکدامنی اور اولاد کے حصول کا ارادہ ہو تونکاح سنت ہے (الدر المختار ورد المحتار ۲؍۲۸۳و غیرہ) (مقالہ: مفتی عثمان بستوی، مولانا محمد منصف قاسمی، مفتی غلام اللہ کاوی، مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا

عمران ندوی، قاضی ریاض قاسمی، مولانا احسن عبد الحق ندوی وغیرہ)۔

* مفتی عثمان بستوی کی رائے ہے کہ اگر کوئی معصیت وغیرہ کا خطرہ نہ ہو تو اعلی تعلیم کے حصول کے لئے نکاح کو موخر کرنا جائز ہے۔

* مفتی لطیف الرحمن صاحب نے حضرت تھانوی اور مفتی محمد تقی عثمانی کی تحریروں کی روشنی میں نابالغی کے نکاح کی صورت میں ہونے والے نقصانات کو واضح کیا ہے۔

بچہ مزدوری:

سوال: (د(بہت سے ملکوں میں بچہ مزدوری قابل سزا جرم قرار دی گئی ہے، خود ہمارے ملک میں بھی اس طرح کا قانون موجود ہے، بلکہ عالمی ادارہ ''اقوام متحدہ'' نے اس کو ایک جرم شمار کیا ہے، اس قانون کا مقصد یہ ہے کہ کم عمری میں بچے کو مزدوری اور کام پر لگانے سے بچہ تعلیم حاصل نہیں کرپاتا اور اس کی جسمانی اور دماغی نشو ونما صحیح طور پر نہیں ہوپاتی، بسااوقات بچے اور بچیوں سے اتنے پر مشقت کام لیے جاتے ہیں، جو ان کے تحمل سے باہر ہوتے ہیں، اس کے نتیجے میں بچے موذی اور مہلک بیماریوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں، اسی پس منظر میں درج ذیل سوالات پیش خدمت ہیں:

اکثر مقالہ نگاران کی رائے ہے کہ اسلام میں بچوں اور بچیوں کی تعلیم وتربیت اور صحت وتندرستی کا جس قدر خیال رکھا گیا ہے اور جو جامع نظام دیا ہے اس کی رو سے بچوں کو تعلیم وتربیت کے مرحلہ میں مزدوری پر لگانا جائز نہیں ہے، بلکہ بعض اعتبار سے حرام اور ظلم ہے (مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی عبد اللہ کاوی، مفتی لطیف الرحمن، مفتی عثمان بستوی، مفتی منصف قاسمی، حافظ کلیم اللہ عمری وغیرہ)۔

دلائل:

١۔ ''یاأیہا الذین آمنوا قوا أنفسکم وأہلیکم ناراً .....'' (التحریم: ۶)۔

''واستدل بہا علی أنہ یجب علی الرجل تعلم ما یجب من الفرائض وتعلیمہ لہؤلاء'' (روح المعانی١۵،٢٣٢)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاوجہ بچو نکو مزدوری پر لگانا انتہائی نامناسب بات ہے (مفتی شاہد قاسمی)۔

٢۔ ''ودلیل وجوب نفقۃ الولد ما دام صغیراً لم یبلغ علی أبیہ، قولہ تعالی: ''وعلی المولود لہ رزقہن وکسوتہن بالمعروف .....'' (البقرہ: ٢٣٣) (الفقہ الاسلامی وادلتہ ٧،٧٢۴) (مفتی غلام اللہ کاوی، مفتی شاہجہاں ندوی، مولانا عبد الشکور لوناواڑا وغیرہ)۔

٣۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لا تکلفوا الصغیر الکسب فإنہ إذا لم یجد سرق'' (مؤطا مالک، باب الامر بالرفق بالملکوک) (مفتی محمد شاہد، مفتی لطیف الرحمن، مفتی الیاس قاسمی، مولانا حذیفہ، مولانا عبد اللہ خالد لوناواڑا وغیرہ)۔

۴۔ ''.....الرجل راع علی أہل بیتہ ومسئول عنہ رعیتہ والمرأۃ راعیۃ علی أہل بیت

زوجہا وولدہ وہی مسئولۃ عنہم" (صحیح بخاری، حدیث: ۷۱۳۸، صحیح مسلم، حدیث: ۱۸۲۹) (مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا منصف قاسمی وغیرہ)۔

۵۔ اس لئے کہ بچو نکا نفقہ والد پر ہے:''نفقہ الأولاد الصغار علی الأب لا یشارکہ فیہا أحد" (فتاوی ہندیہ۱،۵۶۵) (مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی لطیف الرحمن، مفتی غلام اللہ کاوی والا، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا حذیفہ داحودی، مولانا عبد اللہ خالد لوناوارڑا وغیرہ)۔

۶۔ ''فعلیہ نفقتہم إلی أن یبلغ الذکر حد الکسب وإن لم یبلغ الحلم" (فتح القدیر۴،۲۱۶) (مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا عبد اللہ لوناواڑا وغیرہ)۔

۷۔ ''رجل معسر لہ ولد صغیر إن کان الرجل یقدر علی الکسب یجب علیہ أن یکتسب وینفق علیہ، فإن أبی أن یکتسب وینفق علیہمیجبر علی ذلک ویحبس، وإن کان لا یقدر علی الکسب یفرض القاضی علیہ النفقۃ....." (فتاوی ہندیہ۱،۵۶۵) (مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا رحمت اللہ ندوی وغیرہ)۔

مولانا شاہجہاں ندوی لکھتے ہیں: بچپن کا مرحلہ انتہائی اہم ہے، کیونکہ فرد کی تشکیل کا آغاز اسی مرحلہ میں ہوتا ہے، والدین کی ذمہ داری ہے کہ بچوں کی ایسی تربیت سے آراستہ کریں کہ وہ مستقبل میں سماج کا بہتر فرد، نیک باصلاحیت ممبر بن سکیں۔

مزدوری سے بچہ کی صحت متاثر ہوتی ہے، اس کی جسمانی اور دماغی نشوونما صحیح طور پر نہیں ہوپائی ہے، پرمشقت کا سے اس کی قوت سماعت وبصارت پر اثر پڑتا ہے، تعلیم سے محرومی کی صورت لکھنے پڑھنے کی خوابیدہ صلاحیت کم ہونے لگتی ہے، اپنے خاندان سے دور رہنے کی وجہ سے اس کے اندر سنگدلی، تلخی پیدا ہوجاتی ہے، سماج سے کٹنے کی وجہ سے صحیح وغلط میں تمیز کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوجاتا ہے۔

بچوں سے گھریلو کام لینا:

سوال: (د: ۱) بچہ مزدوری کے بارے میں اسلام کا موقف کیا ہے؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام مقالہ نگار کی رائے ہے کہ والدین نابالغ بچوں اور بچیوں سے اپنے گھر کا ہر وہ کام جو از قبیل خدمت ہیں، لے سکتے ہیں، اس لئے کہ بچوں پر والدین کی خدمت واجب ہے اور شرعی حق ہے، خدمت سے انکار نافرمانی وحرام ہے۔ البتہ کسی درجہ میں بچوں کی تعلیم وتربیت متاثر نہ ہو۔

دلائل:

۱۔ ''أما خدمۃ الولد لوالدہ أو استخدام الأب لولدہ فجائز بلا خلاف، بل إن ذلک فی البر المامور بہ شرعاً، ویکون واجباً علی الولد خدمۃ أو إخدام والدہ عند الحاجۃ'' (الموسوعۃ الفقہیہ) (دیکھئے مقالہ: مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا سید قمر الدین محمود بروڈوی، مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی شاہد قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد

قاسمی، مفتی لطیف الرحمن، مفتی عثمان بستوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا منصف بدایونی، مفتی غلام اللہ کاوی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا عمران ندوی، مفتی صادق پٹیل، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی وغیرہ)۔

۲۔ ''وحرموا بأن الأب إذا کان مریضاً أو بہ زمانۃیحتاج إلی الخدمۃ فعلی ابنہ خادمہ فکذا الابن'' (رد المحتار ۶۱۲٫۳) (مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی اخلاق قاسمی، قاضی ریاض قاسمی)۔

۳۔ ''من سوی الأم والجدۃ أحق بالجاریۃ حتی تبلغ حدا تشتہی وفی الجامع الصغیر: حتی تستغنی لأنہا لا تقدر علی استخدامہا، ولہذا لا تواجرہا للخدمۃ فلا یحصل المقصود بخلاف الأم والجدۃ لقدرتہا علیہ شرعاً'' (ہدایہ۴۳۵٫۲) (مولانا محمد عمران ندوی وغیرہ)۔

معیشت کی بہتری کے لئے بچوں کو مزدوری پر لگانا:

سوال: (د: ۲) والدینیا اولیاء، نابالغ بچے اور بچیوں سے اپنے گھر کا کام کس حد تک لے سکتے ہیں؟ اور کیا اپنی معاشی ضروریات پورا کرنے یا بہتر بنانے کے لئے ان سے مزدوری کرا سکتے ہیں؟ اسی طرح انہیں کوئی پیشہ ورانہ کام سکھانے کے لئے کام سے لگاسکتے ہینیا نہیں؟

اکثر مقالہ نگار کی رائے ہے کہ اپنی معاشی ضرورتوں کو پورا کرنے یا اپنی معیشت کو بہتر بنانے کے لئے اپنے نابالغ بچوں اوربچیوں کو مزدوری پر نہیں لگایا جاسکتا ہے، ہاں اگر والدین محتاج ہوں اور نفقہ کا کوئی نظم نہ ہو تو اس کی گنجائش ہے، لیکن دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

۱۔ اس صورت میں بھی اس کی تعلیم وتربیت متاثر نہ ہو۔

۲۔ وہ کام ایسی صنعت وحرفت سے متعلق ہو جو مستقبل میں بچوں کو کام آسکے۔

دلائل:

۱۔ ''والذکور من الأولاد إذا بلغوا حد الکسب ولم یبلغوا فی أنفسہم بدفعہم إلی عمل لیکتسبوا أو یواجرہم وینفق علیہم من أجرتہم وکسبہم'' (فتاوی ہندیہ۵۶۵٫۱، رد المحتار ۶۱۳٫۳) (مقالہ: مولانا خورشید اعظمی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی عبد اللہ کاوی، مفتی راشد حسین ندوی، قاضی محمد کامل قاسمی وغیرہ)۔

۲۔ ''فللأب أن یواجر ابنہ الصغیر فی عمل من الأعمال؛ لأن ولایتہ علی الصغیر کولایتہ علی نفسہ، لأن شفقتہ علیہ کشفقتہ علی نفسہ ولہ أن یواجر نفسہ فکذا ابنہ، لأن فیہ نظراً للصغیر من وجہین: .....والثانی أن إیجارہ فی الصنائع من باب التہذیب والتأدیب والریاضۃوفیہ نظر للصبی فیملکہ الأب'' (بدائع الصنائع۱۷۸٫۴) (مولانا خورشید اعظمی، مفتی راشد ندوی، مفتی شاہد قاسمی، مفتی عبد اللہ کاوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا منصف بدایونی، مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی عارف کنجروی، مفتی آصف ، مفتی الیاس قاسمی، مولانا عمران ندوی، مفتی صادق پٹیل وغیرہ)۔

۳۔ ‘‘ولہ دفعہا للمرأۃ تعلمہا حرفۃ لتطریز وخیاطۃ مثلاً’’ (رد المحتار ۶۱۲،۳) (مولانا خورشید اعظمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا عبد اللہ خالد، مفتی الیاس قاسمی، مولانا عبد التواب اناوی)۔

۴۔ ‘‘فإن بلغ کان للأب أن یواجرہ أو یدفعہ فی حرفۃ لیکتسب وینفق علیہ من کسبہ لو کان ذکراً بخلاف الأنثی.....’’ (الدر مع رد المحتار ۷۲۸،۳) (مولانا محبوب فروغ قاسمی، مفتی عثمان بستوی، مفتی الیاس وغیرہ)۔

حافظ کلیم اللہ عمری کی رائے ہے کہ بلوغت سے قبل بچوں کو کسی پیشہ ورانہ کام سکھانے کے لئے لگانا جائز نہیں ہے۔

مولانا شاہجہاں ندوی لکھتے ہیں کہ جو کام عرف میں تربیت کا حصہ ہو، اسے کرانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی لطیف الرحمن، مفتی تنظیم عالم قاسمی، اور مولانا رحمت اللہ ندوی کی رائے ہے کہ اگر بچے کند ذہن ہوں اور اعلی تعلیم کی صلاحیت ان میں نہ ہو یا خواہش کے باوجود مالی وسائل مہیا نہ ہو تو ابتدائی تعلیم کے بعد ان کو کوئی ہنر سکھا دینا بہتر ہے۔

مفتی راشد حسین ندوی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا محبوب فروغ قاسمی اور مفتی الیاس قاسمی کہتے ہیں کہ یہ تفصیلات لڑکوں کے لئے ہے، لڑکیوں کو کام پر لگانا درست نہیں ہے، صرف ماں دادی وغیرہ تادیب کے لئے ان سے کام لے سکتی ہیں۔

مولانا عبد اللہ کاوی کی رائے ہے کہ اگر اس سلسلہ میں مزدوری کرانا بھی ضروری سمجھتے ہوں تو وہ بھی درست ہے۔

غربت کو دور کرنے کے لئے مزدوری کرانا:

سوال: (د: ۳) بعض والدین اپنی انتہائی غربت اور معاشی بدحالی کی بنا پر بچوں کو مزدوری پر لگاتے ہیں، نہ وہ خود کمانے کے لائق ہوتے ہیں، نہ حکومت ان کا تکفل کرتی ہے، ایسے والدین کا نابالغ بچوں کو مزدوری پر لگانا درست ہے یا نہیں، اس بابت اسلام کی کیا ہدایات ہیں؟

اس سلسلہ میں تقریبا تمام مقالہ نگار کی رائے ہے کہ اگر والدین انتہائی غربت وافلاس کے سبب جبکہ کوئی دوسرا حل نہ ہو اپنے چھوٹے بچوں کو مزدوری پر لگا سکتے ہیں۔

۱۔ ‘‘الأب والجد أبو الأب أو وصیہا إذا آجر الصغیر فی عمل من الأعمال التییقدر علیہا الصغیر جاز’’ (فتاوی ہندیہ۴۳۶،۴) (مولانا خورشید اعظمی، قاضی عبد الجلیل قاسمی،مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی شاہد قاسمی، مولانا محبوب فروغ قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا منصف قاسمی، مفتی لطیف الرحمن، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا حذیفہ محمود، مولانا عمران ندوی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی وغیرہم)۔

۲۔ ‘‘صغیر بلغ حد الکسب ولم یبلغ مبلغ الرجال کان للأب أن یسلمہ فی عمل أو یواجرہ

لعمل أو خدمۃ وینفق علیہ من ذلک وإن کان الولد بنتا لا یملک دفعہا إلی غیر محرم للخدمۃ؛ لأن الخلوۃ مع الأجنبی حرام" (فتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیہ۱،۴۴۷) (قاضی عبد الجلیل قاسمی وغیرہ)۔

۳۔ ‘‘فإن کان للصغیر أم بانت عن زوجہا واحتاجت إلی النفقۃ کان لہا أن تأکل من کسب ولدہا صغیراً کان الولد أو کبیراً’’ (فتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیہ۱،۴۴۷) (قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا محبوب فروغ قاسمی)۔

۴۔ ‘‘وتجب علی موسر ولو صغیر..... وفی الخلاصۃ: المختار أن الکسوب یدخل أبویہ فی نفقتہ، النفقۃ لأصولہ الفقراء الخ (ولو صغیراً)؛ لأنہ کالکبیر فیمایجب فی مالہ من حق عبد فیطالب بہ ولیہ، کما یطالب بنفقتہ زوجتہ" (فتاوی شامی۲،۷۳۵) (مفتی راشد حسین ندوی وغیرہ)۔

بعض مقالہ نگار کی رائے ہے کہ اسلام میں فقیر وغریب والدین کے نفقہ وکفالت کا ایک نظام ہے، وہ یہ کہ اس صورت میں ان کا نفقہ قریب وبعید کے رشتہ داروں پر ہے، اگر وہ نہ ہوں تو ان کا نفقہ بیت المال پر ہے، مگر کسی ملک میں بیت المال کا نظام نہ ہو تو عامۃ الناس پر ان کا نفقہ ہے، یعنی حتی الامکان بچو نکو مزدوری پر لگانے سے پرہیز کریں اور صبر سے کام لیں۔

‘‘والرابع أن یکونوا فقراء وہم صغار أو کبار عاجزون والأب أیضاً عاجز عن الکسب فالخصاف قال: یکفف الناس وینفق علیہم" (فتح القدیر۴،۳۷۱)(مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

نابالغ بچوں کی سزا:

سوال: (ہ(شرعاً بالغ ہونے سے پہلے اگر لڑکوں یا لڑکیوں سے جرائم سرزد ہوں مثلاً: قتل، غارت گری، چوری، زنا بالرضا یا زنا بالجبر، توان پر سزا جاری کی جائے گییا نابالغ ہونے کی بنا پر انہیں چھوڑ دیا جائے گا، واضح ہو کہ دور حاضر میں نابالغوں میں پھیلتے ہوئے جرائم کے رجحان سے حکومتیں پریشان ہیں، ان پر قابو پانے اور ان کا سد باب کرنے کے لئے اسلام کی کیا ہدایات ہیں؟

اکثر مقالہ نگار کی رائے ہے کہ شریعت میں ان جرائم کے سد باب کے لئے تعزیرات کا نظام ہے، ایسا نہیں ہے کہ بچہ سمجھ کر انہیں نظر انداز کردیا جائے گا، بلکہ شرعی نقطہ نظر سے اگرچہ وہ اہل عقوبت میں سے نہ ہونے کی وجہ سے ان پر حد جاری نہیں ہوتی تاہم ان کی مجرمانہ سرگرمیوں اور مذموم حرکتوں پر قدغن لگانے کے لئے اور ان کی زجر وتوبیخ کے لئے تعزیری اور تادیبی کارروائی کی جائے گی۔

دلائل:

۱۔ ‘‘أما شرط وجوبہ: فالعقل فقط، فیعزر کل فاعل ارتکب جنایۃ لیس لہا حد مقرر، سواء کان حراً أو عبداً ذکراً أو أنثی، مسلماً أو کافراً، بالغاً أ وصبیاً بعد أن یکون عاقلاً، لأن ہؤلاء من أہل العقوبۃ إلی الصبی العاقل، فإنہ یعزر تأدیباً لا عقوبۃ؛ لأنہ من أہل التأدیب" (بدائع

الصنائع ٥٣٤،٥) (قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی نعیم اختر قاسمی وغیرہ)۔

٢۔ ''الصغیر لا یمنع وجوب التعزیر فیجری بین الصبیان'' (درمختار ١٣٠،٦) (مولانا خورشید اعظمی، مفتی راشد ندوی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا قمر الدین بروڈوی، مفتی محمد شاہد قاسمی، مولانا محبوب فروغ قاسمی، مفتی عثمان بستوی، مفتی لطیف الرحمن، قاضی محمد کامل قاسمی، مولانا منصف قاسمی، مفتی غلام اللہ کاوی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا عمران ندوی، مولانا مبارک حسین ندوی، مفتی الیاس قاسمی، مولانا احسن عبد الحق ندوی وغیرہ)۔

٣۔ ''یقام التعزیر علیہ تأدیباً'' (الاشباہ ٢٦٥،١) (مولانا خورشید اعظمی، مفتی عبد اللہ کاوی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی وغیرہ)۔

٤۔ ''لا یحبس الصبی إلا بطریق التأدیب حتییتجاسر إلی مثلہ إذا باشر شیئاً من أسباب التعدی قصداً، أما إذا کان خطأ فلا، کذا فی المبسوط'' (البحر الرائق ٣١٥،٦، المبسوط للسرخسی ٩١،٢٠) (مولانا محبوب فروغ قاسمی، مولانا خورشید اعظمی، مفتی راشد ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

٥۔ اس تادیبی کارروائی کا مقصد یہ ہے کہ وہ آئندہ غلط حرکتوں کی طرف قدم نہ بڑھائے: ''للقاضی أن یحبس الصبی التاجر علی وجہ التأدیب لا علی وجہ العقوبۃ حتییماطل حقوق العباد، فإن الصبی یوذب لینزجر عن الأفعال الذمیمۃ'' (البحر الرائق ٣١٥،٦) (مولانا خورشید اعظمی، مفتی شاہد قاسمی، مفتی عثمان بستوی، مفتی لطیف الرحمن، مولانا محمد عمران ندوی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مفتی الیاس وغیرہ)۔

٦۔ ''اتفق أئمۃ المذاہب علی أنہ لا یجب الحد علی الصبی والمجنون ..... لقولہ علیہ السلام:رفع القلم عن ثلاث: عن الصبی حتییکبر وعن النائم حتییستیقظ وعن المجنون حتییفیق'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ٧٧٤،٥) (مولانا منصف قاسمی ، حافظ کلیم اللہ عمری، ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مولانا عبد اللہ خالد، مفتی محمد آصف صاحب وغیرہ)۔

٧۔ حد سرقہ: ''فأہلیۃ وجوب القطع وہو العقل والبلوغ فلا یقطع الصبی والمجنون لما روی عن النبیﷺ: رفع القلم عن ثلاثۃ: عن الصبی حتییحتلم وعن المجنون حتییفیق وعن النائم حتییستیقظ'' (بدائع الصنائع ٧،٧، ٨، فتاوی شامی ٢١١،٣) (قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی محمد شاہد قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی وغیرہ)۔

٨۔ حد زنا: ''إذا زنی صبی أو مجنون بامرأۃ عاقلۃ وہی مطاوعۃ فلا حد علی الصبی والمجنون بلا خلاف..... وإذا زنی بصبیۃ فلا حد علیہما وعلیہ المہر.....'' (فتاویہندیہ ١٥٠،٢) (مفتی محمد راشد حسین ندوی، مولانا محمد عمران ندوی، مفتی الیاس قاسمی وغیرہ)۔

٩۔ ''الصبی والمجنون إذا وطئی امرأۃ أجنبیۃ لا حد علیہ؛ لأن فعلہا لایوصف بالحرمۃ فلا یکون الوطأ زناً'' (بدائع الصنائع ٤٨٧،٥، الدر المختار مع الرد ١٥٤،٣، ١٥٥) (قاضی عبدالجلیل

قاسمی، مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی محمد شاہد قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی وغیرہ)۔

١٠۔ حد قتل: ''أما الذییرجع إلی القاتل فخمسۃ: أحدہا أن یکون عاقلاً، والثانی أن یکون بالغاً'' (بدائع الصنائع ٢٣٦،١٠، کتاب الجنایات) (مفتی شاہد قاسمی، مولانا عمران ندوی، مولانا عبد اللہ خالد، مفتی آصف صاحبان وغیرہ)۔

١١۔ ''ولا قصاص فیما بین الصبیان وعمد الصبی وخطؤہ سواء عندنا'' (ہندیہ) (مفتی الیاس قاسمی)۔

١٢۔ ڈاکہ زنی: ''فإن کان من القطاع صبی أو مجنون أو ذو رحم محرم من المقطوع علیہ سقط الحد عن الباقین وإذا سقط الحد صار القتل إلی الأولیاء فإن شاؤا قتلوا وإن شاؤوا عفوا'' (ہدایہ٥٥٧،٢) (مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی وغیرہ)۔

١٣۔ مفتی راشد ندوی، مولانا محبوب فروغ قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا منصف قاسمی وغیرہم لکھتے ہیں: البتہ کسی کا مال ضائع کریں تو اس کا ضمان لازم ہوگا، چوری کریں تو مال کا ضمان دینا ہوگا، قتل کریں تو عاقلہ پر دیت ہوگی اور زنا کریں تو مہر ادا کرنا ہوگا، ''وفی الأشباہ: الصبی المحجور مواخذ بأفعالہ متضمن ما أتلفہ من المال للمال، وإذا قتل فالدیۃ علی عاقلتہ'' (الدر المختار مع الرد ١٠١،٥، مجلۃ الاحکام العدلیہ١٨٦،١) (مفتی راشد حسین ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی)۔

مولانا خورشید انور اعظمی اور مفتی اخلاق قاسمی کی رائے ہے کہ بچہ اگر جان وآبرو پر زبرستی کرتے ہوں اور بغیر قتل کئے انہیں اس سے باز بھی نہیں رکھا جاسکتا ہو تو ان کے قتل کرنے کا فیصلہ کیا جائے گا (الفروق ٢٨٤،٤)۔

مفتی شاہد قاسمی، مفتی غلام اللہ کاوی، مولانا عمران ندوی، مفتی عبد اللہ کاوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، حافظ کلیم اللہ عمری اور مفتی صادق پٹیل صاحبان نے بچوں کو ان جرائم سے روکنے کے لئے اسباب ذکر کئے ہیں کہ:

١۔ بچوں کے برے اور مجرمانہ ماحول سے دور رکھا جائے۔

٢۔ جرائم سے نفرت، آخرت، حساب وکتاب اور خوف خدا استحضار پیدا کیا جائے۔

٣۔ یہ تصور پیدا کیا جائے کہ اللہ تعالی تمام چیزوں کو دیکھتا ہے اور ہر جگہ حاضر وناظر ہے۔

٤۔ تعلیم وتربیت کا مضبوط ومنظم طریقہ اختیار کیا جائے اور اچھے ماحول مراہم کیا جائے، اچھی صحبت کی طرف دلچسپی پیدا کی جائے وغیرہ۔

قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا قمر الدین بروڈوی اور مفتی تنظیم عالم قاسمی لکھتے ہیں:

حکومت نے بلوغ کی جو عمر مقرر کی ہے وہ اسلامی قانون کے مطابق صحیح نہیں ہے، اس وجہ سے بہت سے ایسے مجرم جو اسلام کی نظر میں حد کے مستحق ہیں وہ

جرم ثابت ہونے کے بعد بھی حد سے بچ جاتے ہیں، اگر اسلامی قانون کی رعایت کی جائے تو جرائم پر بہت حد تک قابو پایا جاسکتا ہے۔

مفتی تنظیم عالم قاسمی اور مولانا رحمت اللہ ندوی نے صبی کی دوقسمیں کی ہیں۔

مفتی لطیف الرحمن اور مفتی عثمان بستوی نے تعزیر کے آداب کی رعایت پر گفتگو کی ہے۔

قاضی عبد الجلیل قاسمی اور مولانا رحمت اللہ ندوی نے حد اور تعزیر کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: حد اس سزا کو کہتے ہیں جس کی تعیین شریعت میں ہو اور وہ اللہ تعالی کے حق بھی ہو، اس کی پانچ قسمیں ہیں: حد سرقہ، حد زنا، حد شرب، حد سکر اور حد قذف۔

تعزیر وہ سزا ہے جس کی مقدار شریعت میں متعین نہ ہو، بلکہ امام وقاضی کی صوابدید پر موقوف ہو۔

بچوں کے لئے قید وجیل کی سزا:

سوال: (و(مجرمانہ ذہن رکھنے والے بچوں کی سرزنش اور اصلاح کے لئے بچوں کی جیلیں قائم ہیں، ان جیلوں میں بھی بچوں سے پرمشقت کام لئے جاتے ہیں، اور سخت مارپیٹ کی جاتی ہے، ایسی جیلوں میں موجود نابالغ قیدیوں کے لئے کیا احکام ہیں، ان کو کیا سزائیں دی جاسکتی ہیں؟ ان سے کیا کام لئے جاسکتے ہیں؟ او ران کی اصلاح کے لئے کیا تدبیریں اختیار کی جاسکتی ہیں؟

تمام مقالہ نگار کی رائے ہے کہ اصلاح وتربیت کی غرض سے ایسے بچوں کو مخصوص جیل میں داخل کیا جاسکتا ہے، البتہ مقالہ نگار نے اس پر بھی گفتگو کی ہے کہ بچوں کے جیل کیسے ہوں، کس طرح کا کام بچوں سے لیا جاسکتا ہے، تربیت واصلاح کے ذرائع کیا ہونگے، تربیت دینے کے کیا آداب ہیں، ذیل بعض آراء کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

١۔ پہلی بات تو یہ ہےکہ بچوں کی جیلیں علاحدہ ہونی چاہئے، تاکہ بڑے قیدیوں کے ساتھ رہ کر مزید نہ بگڑ جائے (مولانا خورشید اعظمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، حافظ کلیم اللہ عمری)۔

٢۔ دوسری بات یہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ ایسے بچوں کو باپ دادا کے گھر میں ہی قید کیا جائے۔

''تدل أكثر النصوص على أن يكون حبس الحدث فى بيت أبيه أو وليه على أنه يجوز حبس فى السجن إلا إذا خشى عليه ما يفسده فيتوجب حبسه عند أبيه لا فى السجن'' (الموسوعۃالفقہیہ١٦،٣١٨) (مولانا خورشید اعظمی، مفتی عارف کنجروی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی)۔

٣۔ ان سے پرمشقت کام لینا اور جیل میں ان کا استحصال کرنا ظلم ہے ، ''لا يكلف الله نفساً إلا وسعها'' (البقرہ: ٢٣٣) (مفتی راشد ندوی، مولانا محبوب فروغ قاسمی، مفتی شاہد

قاسمی، مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی لطیف الرحمن، مفتی عثمان بستوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا منصف قاسمی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا عمران ندوی، مفتی عارف کنجروی وغیرہ)۔

۴۔ ذہنی وفکری تربیت کے لئے وعظ ونصیحت کی باتیں کی جائیں، ان کے ذہن میں اعمال حسنہ کی اہمیت وفضیلت اور اعمال قبیحہ کی شناعت وقباحت بٹھائی جائے (مولانا خورشید اعظمی، مفتی عبد اللہ کاوی، مفتی شاہد قاسمی، مولانا قمر الدین بروڈوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی،مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی غلام اللہ کاوی، قاضی محمد کامل قاسمی، مفتی لطیف الرحمن وغیرہ)۔

۵۔ تادیباً ہلکی پھلکی سزائیں دی جائیں جس کو برداشت کرسکے، سخت مار پیٹ کی قطعاً اجازت نہیں ہے:

* ‘‘لا ینبغی للقاضی أن یضرب محبوساً فی دین ولا غیرہ ولا لصقد ولا یقید .....’’ (فتاوی ہندیہ)۔

* ‘‘فی المحیط للقاضی حبس الصبی الفاجر تادیباً لا عقوبۃ.....’’ (فتاوی شامی۴،۳۸۵) (مفتی عبد اللہ کاوی، مولانا قمر الدین، مفتی راشد ندوی، مولانا شاہجہا ں ندوی، مفتی تنظیم، مولانا محبوب فروغ، مفتی عثمان، مفتی شاہد، مولانا منصف، حافظ کلیم اللہ عمری، مفتی الیاس، مولانا مبارک، مفتی اخلاق، قاضی ریاض اور مولانا احسن عبد الحق صاحبان)۔

۶۔ مجرمانہ ذہن رکھنے والے بچوں کو تدریجاً سزا دی جائے گی، سزا کی مقدار سزا دینے والے صوابدید پر ہے (مولانا شاہجہاں ندوی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مفتی آصف اور مولانا احسن عبد الحق ندوی)۔

۷۔ قیدیوں کو تنگ جگہوں پر رکھنا، کھانے پینے سے روکنا، نہایت گرم پانییا ٹھنڈی جگہ رکھنا، دھوپ میں کھڑا کرنا، دھواں والے گھر میں محبوس کرنا، اور اس طرح کی دوسری غیر انسانی حرکتیں کرنا عام قیدیوں کے ساتھ بھی درست نہیں ، بچوں کے ساتھ تو بدرجہ اولی جائز نہیں ہوگا (فتح القدیر۷،۲۶۰، فتاوی ابن تیمیہ۵،۳۹۸) (مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

بے سہارا بچو نکی پرورش وتعلیم وتربیت:

سوال:(ز(بہت سے بچے بے سہارا ہوجاتے ہیں، کسی حادثہ میں ان کے والدین کے گذرجانے یا والدین سے بچھڑ جانے نیز ولادت کے بعد ماں باپ کی طرف سے پھینک دیئےجانے کی وجہ سے یا کسی اور سبب یہ صورت حال پیش آتی ہے، اسلام ایسے بچوں کی پرورش، ان کی تعلیم وتربیت اور ان کے لئے خاندانی ماحول فراہم کرنے کے سلسلہ میں کیا ہدایات دیتا ہے، اس سلسلہ میں حکومت کی ذمہ داریاں کیا ہیں اور خود سماج کا کیا فریضہ ہے؟

تقریباً تمام مقالہ نگار نے اسلامی ہدایات کو واضح کرتے ہوئے یتیم وبے سہارا بچوں

کو پرورش کی فضیلت، پرورش کے درجات، ذمہ داریوں کی ترتیب وغیرہ ذکر کی ہے۔

١۔ یتیم وبے سہارا بچوں کی پرورش وپرداخت پر بڑی فضیلت وارد ہے، حدیث میں ہے:''أنا وکافل الیتیم فی الجنۃ ہکذا'' (صحیح بخاری٢،٨٨٨) (قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا قمر الدین بروڈوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی لطیف الرحمن، مفتی عثمان بستوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا عمران ندوی، مفتی الیاس قاسمی، مفتی صادق پٹیل وغیرہ)۔

٢۔ ''من أحیاہا فکأنما أحیا الناس جمیعاً'' (المائدہ: ٣٢)۔

٣۔ ''وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان'' (المائدہ: ٢) (مولانا خورشید اعظمی، مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی وغیرہ)۔

٤۔ ''یسئلونک عن الیتامی قل إصلاح لہم خیر وإن تخالطوہم فإخوانکم، اللہ یعلم المفسد من المصلح'' (البقرہ: ٢٢٠) (مفتی الیاس قاسمی وغیرہ)۔

٥۔ ''عن أبی ہریرۃؓ عن النبیﷺ قال: ''خیر بیت فی المسلمین بیت فیہیتیمیحسن إلیہ .....'' (سنن ابن ماجہ٢٦٢) (مفتی الیاس قاسمی، مفتی آصف صاحب وغیرہ)۔

٦۔ ''من ضم یتیماً بین أبوین مسلمین إلی طعامہ وشرابہ حتییغنیہ اللہ وجبت لہ الجنۃ'' (مجمع الزوائد ٨،١٦١) (مفتی عثمان بستوی، مفتی آصف صاحب)۔

٧۔ ''من وضع یدہ علی رأس یتیم رحمۃ کتب اللہ لہ بکل شعرۃ مرت علییدہ حسنۃ'' (مسند احمد وابن حبان) (مولانا رحمت اللہ ندوی)۔

اگر بے سہارا بچوں کے ضائع ہونے کا ظن غالب ہو تو اس کو اٹھانا اور پرورش کرنا واجب ہے اور عام حالات میں مستحب ہے۔

''والالتقاط مندوب إلیہ وإن غلب علی ظنہ ضیاعہ کأن وجد فی الماء أو بینیدی سبع فواجب'' (فتاوی ہندیہ٢،٢٨٥، اسی مفہوم کی عبارت موسوعہ فقہیہ، درمختار اور تبیین الحقائق وغیرہ میں ہے) (مولانا خورشید اعظمی، مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا خورشید اعظمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد، مفتی عثمان بستوی، مولانا عمران ندوی، مفتی عارف کنجروی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی وغیرہ)۔

بے سہارا اور یتیم بچوں کی پرورش وتعلیم کی ذمہ داری سب سے پہلے قریبی رشتہ داروں پر عائد ہوتی ہے، ان عدم موجودگی میں دور کے رشتہ داروں پر، وہ بھی نہ ہوں تو بیت المال یا حکومت وقت پر ایسے بچوں کی کفالت واجب ہوتی ہے، جن ملکوں میں بیتالمال کانظام نہ ہو تو پھر یہ ذمہ داری عامۃ الناس پر عائد ہوتی ہے۔

١۔ ''ونفقتہ فی بیت المال روی ذلک عن عمرو وعلیؓ، ولأنہ عاجز محتاج لا مال لہ ولا قریب، ومال بیت المال معد للصرف إلی مثلہ'' (تبیین الحقائق ٣،٢٩٧) (مولانا خورشید اعظمی، مولانا شاہجہاں ندوی، مولانا محبوب فروغ قاسمی، قاضی محمد کامل قاسمی، مفتی عثمان بستوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا محمد منصف قاسمی، مفتی عبد اللہ کاوی والا،

مفتی راشد ندوی، مولانا قمر الدین بروڈوی، مفتی شاہد قاسمی، مولانا عمران ندوی وغیرہ)۔

۲۔ ''فإن تعذر الإنفاق علیہ من بیت المال لکونہ لا مال فیہ أو کان فی مکان لا إمام فیہ أو لم یعط شیئاً فعلی من علم من المسلمین الإنفاق علیہ، لقولہ تعالی: ''وتعانوا علی البر والتقوی'' ولأن فی ترک الإنفاق علیہ ہلاکہ وحفظہ عن ذلک واجب'' (المغنی لابن قدامہ ۱۱۵،۶) (مولانا خورشید اعظمی، مفتی شاہد قاسمی وغیرہ)۔

۳۔ ''فإن لم یکن فعلی المسلمین تکفینہ، فإن عجزوا سألوا الناس کذا فی الزاہدی'' (فتاوی ہندیہ) (مفتی راشد حسین ندوی)۔

۴۔ ''ویقوم المسلمون بکفایتہ نفقۃ لا قرضاً؛ لأنہ محتاج عاجز، وإن قام بہا بعضہم اندفع الحرج عن الباقین..... لأن فی ترک الإنفاق علیہ ہلاکہ وحفظہ عن ذلک واجب کإنقاذہ من الغرق'' (الموسوعۃ الفقہیہ۳۵،۳۲۴) (مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

یہی بات مولانا شاہجہاں ندوی نے ان الفاظ میں لکھی ہے:''بے سہارا بچے جو ہلاکت کے دہانے پر کھڑے ہوں، ان کی ہلاکت کے اسباب کو دور کرکے زندہ انسان کو بچانا فرض ہے، ان کو یوں ہی چھوڑ دینا ناحق انسانی جان کا قتل ہے۔

مولانا خورشید اعظمی، مولانا عبد اللہ کاوی،مفتی راشد حسین ندوی، مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی عثمان بستوی، مفتی شاہد قاسمی وغیرہم لکھتے ہیں: ہندوستان جیسے ملک مینیہ ذمہ داری حکومت پر جاتی ہے، لیکن آج حکومت اس طرح کی ذمہ داریوں سے جس طرح غفلت میں ہے وہ سب پر عیاں ہے، ایسے حالات میں تمام مسلم رفاہی اداروں، دار الیتامی اور مدارس کو چاہئے کہ ان بے سہارا بچوں کی کفالت اور پرورش کا انتظام کریں۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی نے اس پر بھی بحث کی ہے کہ جس بے سہارا بچہ کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ وہ مسلم ہے یا کافر، اس کے بارے میں کیا فیصلہ کیا جائے گا، انہوننے اس کی چار صورتیں ذکر کی ہیں (ملاحظہ فرمائیں موصوف کا مقالہ)۔

غربت وافلاس کی وجہ سے بچہ دوسرے کے حوالہ کرنا:

سوال:(ح(ہندوستان کی ایک تازہ رپورٹ کے مطابق ہرسال تقریباً دس لاکھ بچے گم ہوجاتے ہیں،یہ صورتحال اکثر پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک میں پائی جاتی ہے، خیال کیا جاتا ہے کہ یہ بچے مختلف مقاصد کے لئے فروخت کردیئے جاتے ہیں، بعض بچوں کو وہ لوگ حاصل کرلیتے ہیں جن کے پاس اولاد نہیں ہوتی، بعضوں سے بندھوا مزدور کا کام لیا جاتا ہے، بعض گداگری کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں، بعض ایسے بدقسمت بھی ہیں جن کے اعضاء کی خریدوفروخت کی جاتی ہے یا ان کا جنسی استحصال کیا جاتا ہے، ان صورتوں کے بارے میں شرعی نقطہ نظر بنیادی طو رپر واضح ہے، لیکن دوباتیں قابل وضاحت ہیں: اول یہ کہ کیا خود بچہ کے گارجین حد درجہ بڑھے ہوئے افلاس اور پرورش کی استطاعت نہ رکھنے کی وجہ سے کسی کو اپنا بچہ حوالہ کرکے اس سے بے تعلق ہوسکتے ہیں؟ اور اپنی فوری ضروریات کو پوری کرکے نیز دوسرے بچہ کی پرورش کی

غرض سے بچہ حاصل کرنے والے کی طرف سے پیش کیا جانے والا ہدیہ قبول کرسکتے ہیں؟ دوسری قابل وضاحت بات یہ ہے کہ ایسے واقعات کی روک تھام کے لئے شریعت اسلامی کی تعلیمات کیا ہیں؟

اس سوال کے جواب میں۲۷ حضرات مقالہ نگاران کی رائے یہ ہے کہ غربت وافلاس اورتنگ دستی کی وجہ سے اپنا بچہ اس طرح کسی کے حوالہ کرنا جائز نہیں ہےکہ اس سے بالکل لا تعلق ہوجائے اور بچے کا نام ونسب حقیقی باپ سے منقطع ہوجائے، اورنہ ہبیہ جائز ہے کہ اس کے عوض کوئیہدیہ قبول کیا جائے، ورنہ یہ بچوں کو قتل اور فروخت کردینے کے مترادف ہوگا جو حرام وناجائز ہے، البتہ بچے کا رشتہ اس کے حقیقی ماں باپ سے برقرار رکھتے ہوئے اگر کوئی شخص محض پرورش اور کفالت کی نیت سے کسی کا بچہ طلب کرتا ہے تو اس کے حوالہ کیا جاسکتا ہے اور اس کو اس نیک جذبہ کا اجر بھی ملے گا، مندرجہ ذیل حضرات نے اس موقف کو اختیار کیا ہے:

مفتی صادق محی الدین، مفتی ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مفتی محمدیاسر قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی عبد اللہ کاوی والا، مولانا سید قمر الدین محمود بروڈوی، مولانا محمد منصف بدایونی، مولانا رحمت اللہ ندوی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا مبارک حسین ندوی، مفتی لطیف الرحمن ممبئی، مفتی الیاس قاسمی، مفتی صادق پٹیل دیولوی، مولانا محمد احسن عبد الحق ندوی، مفتی اخلاق حسین قاسمی، قاضی ریاض ارمان قاسمی، مفتی آصف رتن پور گجرات، مولانا حبیب بن یوسف قاسمی،مولانا عبد التواب اناوی، مولانا صابر حسین ندوی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی۔

دلائل:

مذکورہ حضرات نے اپنے موقف کو مدلل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل نصوص کا سہارا لیا ہے۔

- ‘‘لا تقتلوا أولادكم خشية إملاق، نحن نرزقكم وإياهم إن قتلهم كان خطأً كبيراً’’ (سورہ اسراء: ٣١)۔
- ‘‘لا تقتلوا أولادكم من إملاق’’ (سورہ انعام: ١٥١)۔
- ‘‘يا أيها الذين آمنوا قوا أنفسكم وأهليكم ناراً’’ (التحريم: ٦)۔
- ‘‘قد خسر الذين قتلوا أولادهم سفهاً بغير علم’’ (سورہ انعام: ١٤١)۔
- ‘‘وما جعل أدعيائكم ذلكم قولكم بأفواهكم والله يقو ل الحق وهو يهدى السبيل ادعوهم لآبائهم، هو أقسط عند الله، فإن تعلموا آباءهم، فإخوانكم فى الدين ومواليكم وليس عليكم جناح فيما أخطأتم به، ولكن ما تعمدت قلوبكم وكان الله غفوراً رحيماً’’ (سورہ احزاب: ٥۔٩)۔

- ‘‘وترى كثيراً منهم يسارعون فى الإثم والعدوان وأكلهم السحت لبئس ما كانوا يعملون’’ (سوره مائده: ۶۲)۔
- ‘‘وتعاونوا على البر والتقوى’’ (سوره مائده: ۱)۔
- ‘‘وأحسن ما أحسن الله إليک’’ (سورة القصص: ۷۷)۔
- ‘‘وآتى المال على حبہ ذوى القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل وفى الرقاب’’ (بقره: ۱۷۷)۔
- ‘‘فأما اليتيم فلا تقهر’’ (الضحى: ۹)۔
- ‘‘وأنا وكافل اليتيم فى الجنة ہكذا وأشار بالسبابة والوسطى وفرج بينہا شيئاً’’ (بخارى حديث نمبر: ۵۳۵۹، مسلم حديث نمبر: ۲۹۸۳)۔
- ‘‘خير بيت فى المسلمين بيت فيہيتيميحسن إليہ، وشر بيت فى المسلمين بيت فيہيتيميساء إليہ’’ (اس روايت كى تخريج ماقبل ميں گذر چكى ہے)۔
- ‘‘الساعى على الأرملة والمسكين كالمجاہد فى سبيل الله أو القائم الليل الصائم النہار’’ (بخارى حديث: ۵۳۵۳، مسلم حديث نمبر: ۲۹۸۲)۔
- ‘‘أنا أولى بكل مؤمن من نفسہ، فمن ترک دينا أو ضيعة، فإلىّ ومن ترک مالا فلورثتہ، وأنا مولى من لا ولى لہ’’ (ابوداؤد، حديث نمبر: ۲۹۵۵)۔
- ‘‘إن أحدكم من يموت حتييستكمل رزقہ فلا تستبطؤ الرزق واتقوا الله أيہا الناس فاجملوا فى الطلب خذوا ما حل، ودعوا ما حرم’’ (حديث)۔
- ‘‘من نفس عن مؤمن كربة من كرب الدنيا نفس الله عنہ كربة من كرب يوم القيامة والله فى عون العبد ما كان العبد فى عون أخيہ’’ (مسلم ۴،۱۰۷۴)۔
- ‘‘ألا كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيتہ، فالإمام الذى على الناس راع وہو مسئول عن رعيتہ، والرجل راع على أہل بيتہ وہو مسئول عن رعيتہ، والمرأة راعية على أہل بيت زوجہا وولده وہى مسئولة عنہم’’ (الجامع الصحيح للبخارى۲،۷۵۰۱، كتاب الاحكام)۔
- ‘‘عن أبى ہريرةؓ عن النبىﷺ: ثلاثة أنا خصمہم يوم القيامة، رجل أعطى بى ثم غدر، ورجل باع حراً فأكل ثمنہ، ورجل استأجر أجيراً فاستوفى منہ ولم يعط أجره’’ (بخارى كتاب البيوع،۴۵۳ حديث نمبر: ۲۲۲۷، ۲۲۷۰، ابن ماجہ حديث نمبر: ۲۴۴۲)۔
- ‘‘عن ابن مسعودؓ قال: قال رسول اللهﷺ: الخلق عيال الله، فأحب الخلق إلى الله من أحسن إلى عيالہ’’ (مشكوة المصابيح،۴۲۵، باب الشفقة والرحمة على الخلق)۔
- ‘‘فلو كان فقيرين فالأب يكتسب أو يتكفف وينفق عليہم’’ (در مختار مع الرد۵،۳۳۷) ۔
- ‘‘بطل بيع ما ليس بمال كالدم والميتة والحر’’ (تنوير الابصار مع رد المحتار ۷،۲۳۵، ۲۳۶)۔
- ‘‘يعنى انتفع بہ على أى وجہ كان، وخص الأكل، لأنہ أخص المنافع وذلک؛ لأن من باع حراً فہو غاصب لعبد الله الذى ليس لأحد غير الله عليہ سبيل، فالمغصوب منہ

خصم الغاصب" (فیض القدیر، شرح الجامع الصغیر من أحادیث البشیر والنذیر،۴۱۶)۔

- "بیع الأبناء للفقر حرام قطعی لا نعلم فیہ رأیاً مخالفاً ، بل ہو یجمع بین معصیتین: الأولی بیع إنسان حر، وہذا لا یجوز، الثانیۃ التفریط فی حقوق الأبناء وأہمہا الحریۃ، وہذا أیضاً لا یجوز، والفقر لیس سبباً مبیحاً لذلک" (موقف الانسان من الرق للشیخ لفیصل مولوی طرابسلی علیہ الرحمۃ)۔
- "وقال ابن التین:ہو سبحانہ وتعالی خصم لجمیع الظالمین، إلا أنہ أراد التشدید علی لہؤلاء بالتصریح" (فتح الباری۴،۴۱۸)۔
- "فقد کان الأنبیاء والرسل صلوات اللہ وسلاماً علیہمیقبلون الہدیۃ" (مبسوط ۱،۱۴۰)۔

(دلائل کی تفصیل کے لیے دیکھئے مقالات: ڈاکٹر مفتی شاہجہا ں ندوی، حضرت مفتی محمد صادق محی الدین حیدرآباد، مولانا محمد الیاس قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محمد عثمان بستوی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی وغیرہ)۔

اس سوال کے جواب میں حضرت مولانا مبارک حسین ندوی نیپالی اور مولانا محمد عمران ندوی نے بغیر کسی قید کے اس بات کو جائز قرا ردیا ہے کہ غربت وافلاس اور تنگ دستی کی وجہ سے بچہ دوسرے کے حوالہ کرسکتے ہیں، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اس کے جواز کو حضرت علیؓ کو حضور نبی کریمﷺ کے اپنے چچا ابوطالب سے مانگ لینے، اور حضرت زید بن حارثہ کے متبی بنانے پر قیاس کیا ہے۔

بچہ دینے والے کا ہدیہ قبول کرنا:

بعض مقالہ نگار حضرات نے اس کی بھی وضاحت کی ہے کہ اگر بچہ حوالہ کرنے میں اس طرح کی کوئی شرط اور قید نہیں ہوتی اور نہ ہی اس طرح کا رواج ہو اور بچہ حوالہ کرنے والے کی غربت وتنگ دستی پر ترس کھا کر از راہ تعاون ہدیہ وغیرہ پیش کرتا ہے لینے اور دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (دیکھئے: مقالات: مولانامحبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی شاہد علی قاسمی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا محمد عمران ندوی)۔

جبکہ مفتی غلام اللہ کاوی والا، مولانا محمد الیاس قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا راشد حسین ندوی، مفتی لطیف الرحمن ممبئی، قاضی ریاض ارمان قاسمی، مفتی آصف رتن پور، گجرات، مولانا حبیب بن یوسف قاسمی، مولانا محمد منصف بدایونی اور مولانا مفتی صادق محیالدین وغیرہ اس مناسبت سے کسی بھی صورت میں ہدیہ قبول کرنے کی اجازت نہیں ہیں، ان کا خیال ہے کہ اس سے فروخت کا شبہ پیدا ہوتا ہے۔

علی الاطلاق بچہ حوالہ کرنے کے عدم جواز کے قائلین میں مولانا محمد احسن عبد الحق ندوی، اور مولانا عبد التواب اناوی نے سختی کے ساتھ اس کی وضاحت کی ہے کہ بچہ اس حالت میں کسی بھی قیمت پر دوسرے کے حوالہ نہ کیا جائے کہ اس سے بہت سے

مفاسد کے دروازے کھلنے کا اندیشہ ہے۔

بچوں کی خریدوفروخت جیسے جرائم کی روک تھام:

بچوں کی خریدوفروخت اور استحصال جیسے جرائم اور معاشرے کے مفلوک الحال لوگوں کی اعانت کے سلسلہ میں اکثر مقالہ نگاران نے مندرجہ ذیل وضاحتیں کی ہیں:

- حکومت وقت کی ذمہ داری ہے کہ ایسے کمزور اور مفلوک الحال کے لیے بیت المال سے وظائف جاری کرے، اور ان کی ضروریات زندگی کا بندوبست کرے۔
- معاشرے کے ذی حیثیت اور مالدار لوگ ایسے لوگوں کا تعاون کریں اور شریعت کے انفاق فی سبیل اللہ کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے معاشرے کے محروموں کو بے سہارا نہ چھوڑیں کہ وہ غربت کی وجہ سے طرح طرح کی آزمائشوں میں مبتلا ہوں۔
- رفاہی ادارے قائم کئے جائیں جو ان کی کفالت کا انتظام کریں۔
- جو منتظمین ہیں وہ اپنے یہاں زکوۃ وصدقات کے نظام کو منظم کریں اور ایسے لوگوں کی ذمہ داریاں اٹھائیں۔
- عوام میں بیداری پیدا کی جائے کہ غریب، مسکین،یتیم اور بیواؤں کی کفالت پر شریعت نے کس قدر زور دیا ہے اس کی ترغیب دی جائے۔
- زکوۃ وصدقات اور فطرے کی رقوم کا مناسب انتظام ہو، تاکہ مستحقین تک صحیح طریقے سے پہنچایا جائے۔
- یتامی کی کفالت پر خود ہمارے پیغمبر محمدﷺ نے جو عملی نمونہ پیش کیا ہے اسے اختیار کئے جانے کی طرف لوگوں کی توجہ دلائی جائے، وغیرہ۔

اگر مذکورہ امور کی پابندی معاشرے میں حکومت کی طرف سے اور انفرادی طور پر بھی کی جاتی ہے تو اس طرح کی صورت حال پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

- ‘‘إن الله يأمر بالعدل والإحسان وإيتاء ذى القربى وينهى عن الفحشاء والمنكر’’ (سورہ نحل: ۹۰)۔

اس سوال (ح) کے کسی بھی طرح کے منفیا اثبات میں جواب تحریر کرنے سے مندرجہ ذیل حضرات نے خاموشی اختیار کی ہے، تاہم دوسرے سوالوں کے جوابات بسط وتفصیل سے تحریر کئے ہیں ان کے اسماء گرامیہ ہیں:

مولانا محمد جہانگیر حیدر قاسمی، مفتی عبد اللہ کاوی والا، قاضی محمد کامل قاسمی، مفتی عارف کنجروی، مفتی حذیفہ داحودی، مولانا عبد اللہ خالد لوناواڑا۔

دماغی اور جسمانی طور پر معذور بچوں کو اسپتال میں رکھنا:

سوال: (ط(بعض بچے ذہنیا جسمانی طور پر معذور پیدا ہوتے ہینیا پیدا ہونے کے بعد معذور ہوجاتے ہیں، ان بچوں کی پرورش ایک بڑا مسئلہ ہوتا ہے، ان کے لئے مسلسل علاج اور نگہداشت کی ضرورت ہوتی ہے، خاص کر اگر والدین ملازمت کرتے ہوں تو ان

کی دیکھ ریکھ کا مسئلہ خاصا گمبھیر ہوجاتا ہے، اس ذمہ داری سے فراغ یا فرار حاصل کرنے کے لئے بعض اوقات ایسے بچوں کو دماغی ہسپتال میں داخل کردیا جاتا ہے یا دوسرے ہسپتالوں میں رکھوا دیا جاتا ہے، جس کا مقصد علاج سے زیادہ ان کی نگہداشت ہوتی ہے، ایسے بچوں کے بارے میں اسلامی تعلیمات کیا ہیں؟ کس حد تک ان کا علاج کرانا واجب ہے، اور کیا ان کو باپ کی شفقت اور ماں کی ممتا سے محروم کرکے کسی ہسپتال میں داخل کردینا ماں باپ کا اپنی ذمہ داری سے غفلت برتنا اور فرار اختیار کرنا متصور ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ بہتر نگہداشت اور علاج ومعالجہ کی غرض سے ایسے دماغی مریض اور جسمانی طور پر معذور وکمزور بچوں کو ہسپتال میں ضرورت کی وجہ سے داخل کیا جاسکتا ہے، محض اپنی تن آسانییا دنیاوی منافع اور معذور بچہ کی پریشانی سے تنگ آکر ہسپتال میں داخل کرنا یقینا اپنی ذمہ داری سے راہ فرار اختیار کرنا ہے، مگر بچے کی تیمارداری، ان کو ہر طرح کی سہولت مہیات کرانے کی غرض سے کوئی شخص بچہ کو ہسپتال اور بے بی کینسر سینٹر میں داخل کرتا ہے تو مجبوری میں اس کی گنجائش ہے، البتہ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے بعد بچہ سے بالکل لاتعلق نہ ہو، بلکہ وقفہ وقفہ سے دیکھ ریکھ کرتا رہے، اس رائے کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا محمد عمران ندوی، مولانا قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا عبد التواب اناوی، مولانا صابر حسین ندوی، مولانا عبد اللہ خالد لونا واڑا، مولانا ریاض ارمان قاسمی، مفتی محمد اخلاق حسین قاسمی، مفتی صادق پٹیل دیولوی، مفتی لطیف الرحمن، قاضی محمد کامل قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا محمد منصف بدایونی، مولانا قمر الدین محمود، مفتی عبد اللہ کاوی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محمد حبیب بن یوسف قاسمی، مفتی محمد یاسر القاسمی، ، مفتی حافظ صادق محی الدین حیدرآباد۔

مجوزین میں مفتی صادق محی الدین اور مفتی شاہد علی قاسمی صاحبان کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی ملازمت پیشہ خاتون بھی اپنی سہولت کے لئے ایسا کرتی ہے تو اس کی گنجائش ہے، بالخصوص مؤخر الذکر مفتی شاہد علی قاسمی لکھتے ہیں کہ یہ دراصل مبتلی بہ کے حالات پر موقوف ہے، جہاں بچہ کی تیمارداری بہتر طور پر ہو اس کو اختیار کیا جائے گا، جبکہ دوسرے جملہ حضرات تقریباً اس اجازت کو محض مجبوری اور علاج ومعالجہ کی ضرورت تک محدود رکھنے کے قائل ہیں۔

دلائل:

مذکورہ حضرات مقالہ نگاران نے مندرجہ ذیل نصوص سے استدلال کیا ہے:

- ‘‘ولا تلقوا بأیدیکم إلی التہلکۃ’’ (بقرہ: ۹۵)۔
- ‘‘إن العبد إذا سبقت لہ من اللہ منزلۃ لم یبلغہا بعملہ ابتلاہ اللہ فی جسدہ أو فی مالہ أو فی ولدہ، ثم صبّرہ علی ذلک، حتییبلغہ المنزلۃ التی سبقت لہ من اللہ’’ (المعجم الکبیر للطبرانی۲۲،۳۱۸ حدیث نمبر: ۸۰۱)۔
- ‘‘الخلق عیال اللہ وأحب عباد اللہ إلی اللہ أنفعہم لعیالہ’’ (فصل فی نصیحۃ الولاۃ ووعظہم۶،۴۳)۔
- ‘‘إذا دخلت علی مریض فمرہ أن یدعولک، فإن دعاءہ کدعاء الملائکۃ’’ (ابن ماجہ باب ما جاء فی عیادۃ المریض۱،۴۶۳، حدیث نمبر: ۱۴۴۱) (دیکھئے مقالہ: حافظ مفتی صادق محی الدین)۔
- ‘‘عن أبی ہریرۃقال: قال رسول اللہﷺ : ما أنزل للہ داء إلا أنزل بہ شفاءاً’’ (مشکاۃ،۳۸۷)۔
- ‘‘کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ’’ (مسلم)۔
- ‘‘ہل تنصرون وترزقون لضعفائکم’’ (رواہ البخاری حدیث نمبر: ۲۷۳۹)۔
- ‘‘کان لہا أن تحمل الولد إلی منزلہا فترضعن’’ (ہدایہ۱،۵۶۱) (مولانا راشد حسین ندوی)۔
- ‘‘الضرر الأشد یزال بالضرر الأخف’’ (مفتی شاہد علی قاسمی)۔
- ‘‘إذا کان الولد عند الحاصنۃ فلأبیہ حق رؤیتہ بأن یخرج الصغیر إلی مکان یمکن الأب أن یراہ فیہ کل یوم’’ (الفقہ الاسلامی۷،۶۹۹) (مولانا محمد منصف بدایونی)۔
- ‘‘تجب علیہ الخدمۃ أو الإخدام لولدہ الصغیر أو لمریض أو العاجز إذا کان فقیراً’’ (الموسوعۃ الفقہیہ۱۹،۳۸، ۳۹)۔
- ‘‘وفی الشرع: حفظ الصغیر والعاجز والمجنون والمعتوہ مما یضرہ بقدر المستطاع’’ (کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعۃ۴،۵۲۰) (اخلاق حسین قاسمی)۔
- ‘‘إذا تعارضا مفسدتان روعی أعظمہما بارتکاب أخفہما’’ (مولانا عبد اللہ خالد ٹیٹی)۔
- ‘‘ومن واجبات المجتمع وأصحاب المنازل والآباء أن یہتموا بالمصابین بالأمراض اہتماماً بالغاً من ملاطفۃ وعلاقۃ ورحمۃ ورفق وعطف کما تحضر الشریعۃ علی ہذہ الأعمال الحسنۃ ویعامل مع المریض معاملۃ حسنۃ لئلا یفزع ولا یتطرق إلیہ أی قلق واضطراب ویعیش حیاۃ طیبۃ’’ (نوازل فقہیہ معاصرۃ)۔
- ‘‘وإن کان رضیعاً فلیس علی أمہ أن ترضعہ، ولأنہا عساہا لا تقدر علیہ لعذر بہا فلا معنی للجبر علیہ، وقیل فی تأویل قولہ تعالی: ‘‘ولا تضار والدۃ بولدہا’’ بإلزامہا الإرضاع مع کراہتہا، وذلک إذا کان یوجد من ترضعہ أما إذا کان لا توجد من ترضعہ تجبر الأم علی الإرضاع صیانۃ للصبی عن الضیاع’’ (ہدایہ۲،۴۴۴) (محمد عمران ندوی)۔

دماغی اور جسمانی طور پر معذور بچوں کے بارے میں دوسرا موقف:

اس بارے میں دوسرا موقف یہ ہےکہ ماں باپ کا اس طرح بچے کو ہسپتال میں داخل کردینا اولاد کے ساتھ نابرابری، اسے جان بوجھ کر ضائع کرنا، حد درجہ سنگ دلی اور سفاکیت اور پرورش کی ذمہ داری سے راہ فرار اختیار کرنا ہے، اس لئے اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی اس موقف کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

مولانا محمد الیاس قاسمی، مولانا محمد آصف پالنپوری، مفتی ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مولانا احسن عبد الحق ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی۔

جبکہ مولانا محمد شفیق قاسمی، مفتی عارف کنجروی، مفتی غلام اللہ کاوی والا، مفتی محمد حذیفہ داحود ی اور مولانا جہانگیر حیدر قاسمی نے اس سوال کے جواب سے صرف نظر کیا ہے اور خاموشی اختیار کی ہے۔

البتہ مانعین میں مفتی آصف پالنپوری نے اس قید کا اضافہ کیا ہے کہ وقتی طور پر تو بچہ کو ہسپتال میں رکھا جاسکتا ہے، مستقل نہیں، اور مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی کہتے ہیں کہ اگر ہسپتال کے اخراجات اور کفالت ماں باپ برداشت کرتے ہیں تو اس کو راہ فرارنہیں کہا جائے گا۔

مانعین کے دلائل:

- ‘‘قد خسر الذین قتلوا أولادہم سفہاً بغیر علم وحرموا ما رزقہم اللہ افتراء علی اللہ قد ضلوا وما کانوا مہتدین’’ (انعام: ۱۴۰)۔
- ‘‘ولا تقتلوا أولادکم خشیۃ إملاق نحن نرزقہم وإیاکم إن قتلہم کان خطأ کبیراً’’ (اسراء: ۳۱) (مولانا محمد احسن عبد الحق ندوی)۔
- ‘‘یا أیہا الذین آمنوا لا تخونوا اللہ والرسول وتخونوا أماناتکم وأنتم تعلمون’’ (سورہ انفال: ۲۷)۔
- ‘‘وبشر الصابرین الذین إذا أصابتہم مصیبۃ قالوا إنا للہ وإنا إلیہ راجعون’’ (بقرہ: ۱۵۵)۔
- ‘‘أو أملک لک إذا نزع اللہ من قلبک الرحمۃ’’ (بخاری۲،۸۸۷) (مولانامحبوب فروغ احمد قاسمی)۔
- ‘‘أدبوا أولادکم وأحسنوا أدبہم’’ (ابن ماجہ)۔
- ‘‘من لا یرحم لا یرحم’’ (بخاری حدیث نمبر: ۵۹۹۷)۔
- ‘‘ما من مصیبۃ تصیب المسلم إلا کفر اللہ بہا عنہ حتی الشوکۃیشاکہا’’ (بخاری، حدیث نمبر: ۵۶۹۰، مسلم حدیث: ۲۵۷۲)۔
- ‘‘من یرد اللہ بہ خیراًیصیب منہ’’ (بخاری حدیث نمبر: ۵۶۹۵)۔
- ‘‘من وسع علی مکروب کربۃ فی الدنیا وسع اللہ کربۃ فی الآخرۃ’’ (صحیح ابن حبان حدیث نمبر: ۵۳۹، مسند احمد ، حدیث نمبر: ۷۷۵۱) ۔
- علموا أولادکم الخیر وأدبوہم’’ (حدیث)۔

- ‘‘سؤوا أولادکم بامتثال الأوامر واجتناب النواہی فذلک وقایق لہم النار’’ (مذکورہ دلائل مفتی ڈاکٹر ڈشاہجہاں ندوی کے مقالہ سے ماخوذ ہیں)۔
- ‘‘أدبوا أولادکم علی ثلاث خصال حب نبیکم وحب إلی بیتی وتلاوۃ القرآن فإن حملہ القرآن فی ظل عرش اللہ یوم لا ظل إلا ظلہ’’ (بحوالہ تربیت اولاد کا اسلامی نظام،١١٨) (ماخوذ از مقالہ: مفتی آصف پالنپوری)۔

مذکورہ دلائل اور مزید فقہاء کی عبارتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ان حضرات مانعین نے دماغی اور جسمانی طور سے مریض بچوں کو کسی ہسپتال یا بے بی سینٹر میں داخل کرکے چھوڑ دینے کو ممنوع اور ذمہ داری سے راہ فرار اختیار کیا جانا قرار دیا ہے۔

* * *

عرض مسئلہ:

اسلام میں بچوں کے حقوق
(سوال الف، ب، ج)

مولانا رحمت اللہ ندوی•

الحمداللہ، والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ، و علی آلہ وصحبہ ومن والاہ، وبعد!

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے چوبیسویں فقہی سمینار کے زیر بحث موضوعات میں ایک اہم موضوع ''اسلام میں بچوں کے حقوق '' ہے، جس کے سوال (الف، ب، ج) کا عرض پیش کرنے کے لیے ناچیز کا انتخاب ہوا ہے، اس موضوع پر اکیڈمی کو کل ۳۳؍مقالات موصول ہوئے، جن میں اکثر تفصیلی ہیں اور بعض بہت مختصر، تمام مقالات بحث و تحقیق اور محنت و جانفشانی کے ساتھ تحریر کیے گئے ہیں، اور درست نتیجہ اور بہتر رائے تک پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے، مقالہ نگار حضرات کے اسماء گرامیہ ہیں:

قاضی عبدالجلیل قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی، مفتی محفوظ الرحمن شاہین جمالی، حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا شاہد علی قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتیمحمد عثمان بستوی، مفتی محمد منصف بدایونی، مولانا محمد عمران ندوی، مفتی عبداللہ کاوی والا، مولانا احسن عبدالحق ندوی، مفتی غلام اللہ کاوی والا، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا محمد حذیفہ داحودی، مولانا عبداللہ خالد لونا واڑی، مولانا عبدالتواب اناوی، مفتی آصف پالنپوری، مولانا خبیب قاسمی، مفتی عارف کنجروی، مفتی لطیف الرحمن فلاحی، مولانا سید قمرالدین محمود قاسمی، مفتی محمد الیاس قاسمی، مفتی محمد شفیق، قاضی محمد ریاض ارمان قاسمی، مفتی محمد اخلاق حسین قاسمی، قاضی محمد کامل قاسمی، مفتی صادق پٹیل دیولوی، مولوی اکرم رشید لونا واڑہ (متعلم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد) اور راقم الحروف رحمت اللہ ندوی۔

سوال الف:

بچوں کے حق پرورش (حق حضانت) کے سلسلہ میں اسلام کی بنیادی ہدایات کیا ہیں؟ نیز عمر کے جس مرحلہ میں ماں کو یا باپ کو پرورش کا اولین حقدار تسلیم کیا گیا ہے، اگر بچہ کو اس کے حوالہ کرنے میں تعلیمی، تربیتی، جسمانییا نفسیاتی پہلو سے بچہ کے لیے مضرت کا اندیشہ ہو تو حق پرورش کے سلسلہ میں کیا حکم ہوگا، اور وہ کیا صورتیں ہوسکتی ہیں جب بچوں کے مفاد میں کسی مرد یا عورت کو حق پرورش سے محروم کیا جاسکتا ہے؟

تمام مقالہ نگار حضرات اس پر متفق ہیں کہ بچوں کے حق پرورش کے سلسلہ میں

• استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

اسلام کی بنیادی ہدایاتیہ ہیں:

*حضانت (حق پرورش) شرعاً واجب ہے، اگر دیکھ بھال نہ کرنے کی وجہ سے بچہ کے ضائع ہوجانے کا اندیشہ ہو اور پرورش کرنے والی ایک ہی عورت موجود ہو تو حضانت اس پر واجب عینی ہے، اور اگر چند ہوں تو واجب کفائی ہے۔

*پرورش میں بچہ اور پرورش کنندہ دونوں کی رعایت ہوگی، البتہ بچہ کی رعایت کرنا مقدم ہوگا۔

*پرورش کے لیے ماں کو عام حالات میں مجبور نہیں کیا جائے گا، البتہ اگر پرورش کے لیے دوسری عورت موجود نہ ہو یا موجود تو ہو لیکن بچہ اسے قبول نہ کرتا ہو، یا باپ کے پاس اجرت حضانت ادا کرنے کے لیے مال نہ ہو تو ان صورتوں میں ماں کو حضانت کے لیے مجبور کیا جائے گا۔

*لڑکا ماں کے پاس اس وقت تک رہے گا جب تک وہ خود اپنی بنیادی ضروریات مثلاً کھانا پینا اور استنجا وغیرہ پوری کرنے کے لائق نہ ہوجائے، فقہاء نے اس کا اندازہ سات- آٹھ سال کی عمر سے کیا ہے، جبکہ لڑکی بالغہ یا قریب البلوغ ہونے تک ماں کے پاس رہے گی۔

*حضانت کا دارومدار بچہ کے ساتھ شفقت و محبت اور اس کی مناسب تربیت پر ہے، لہٰذا عمر کے جس مرحلہ میں ماں یا باپ کو حق حضانت حاصل ہے اگر اس مدت میں بچہ کے ضائع ہوجانے یا اس کو ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو بچہ کو اس کے حوالہ نہیں کیاجائے گا۔

*زوجین کے درمیان رشتۂ ازدواج قائم ہونے کی صورت میں بچہ ماں باپ دونوں کی شفقتوں سے لطف اندوز ہوگا، اور تفریق ہوجانے کی صورت میں ماں حضانت کی حقدار ہوگی۔

*بچہ کی جسمانی نشو و نما اور اس کے لیے متوازن غذا کی فراہمی، پیار ومحبت والا سلوک، اخلاقی قدروں کو پامال کرنے والے امور سے اجتناب، تعلیمی و تربیتی پہلو کا خیال ''حضانت '' کے بنیادی عناصر ہیں، اگر ان میں سے تمام یا بعض امور کا فقدان ہو تو حق پرورش ساقط ہوجاتا ہے۔

*فقہاء کرام نے پرورش کرنے والوں کے لیے کچھ شرطیں مقرر کی ہیں تاکہ بچوں کا پورے طور پر تحفظ ہوسکے، مثلاً عاقل،بالغ، آزاد، امانت دار، قدرت رکھنے والا ہونا، اور عورت ہے تو کسی اجنبی کی زوجیت سے خالی ہونا۔

حق پرورش ساقط ہونے کی جو صورتیں ذکر کی گئی ہیں، ان سب کا خلاصہ وہی ہے جو کہ سوالنامہ میں مذکور ہے، یعنی ہر وہ صورت جس میں تعلیمی، تربیتی، جسمانییا نفسیاتی پہلو سے بچہ کو مضرت کا اندیشہ ہو، تمام مقالہ نگار حضرات نے اجمال یا تفصیل کے ساتھ وہ صورتیں ذکر کی ہیں، مثلاً مجنون، معتوہ، فاترالعقل ہونا، ٹی بی، ایڈز، جذام یا برص جیسے کسی متعدی مرض میں مبتلا ہونا، فسق و فجور مثلاً زنا، قحبہ گری، بیئربار، چوری، ڈکیتی، ناچ گانا، نوحہ خوانی وغیرہ امور میں مصروف رہنا، یا نابینا ہونے کی وجہ سے خود اپنی ضرورت پوری کرنے میندوسروں کا محتاج ہونا، یا کثرت عبادت کی وجہ سے بچہ کی صحیح دیکھ ریکھ نہ کرپانا وغیرہ وغیرہ۔

استدلال کتب فقہ و فتاوی کے ‘‘باب الحضانۃ ’’ کی عبارات اور رضاعت و پرورش سے متعلق آیات واحادیث سے ہے۔

سوال ب(۱):

اسلام میں بچوں کے حق تعلیم و تربیت کے بارے میں کیا بنیادی ہدایات ہیں؟

اس سلسلہ میں باتفاق آراء اسلام کی بنیادی ہدایات کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے:

ایمان و عقائد کے اصول اور ارکان اسلام کا علم، اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت، والدین کے حقوق سے واقفیت، نماز کی کیفیت کا علم، مبادیات دین کی تعلیم، عبادات کی ترغیب، حلال و حرام کی تفہیم، قرآن مجید کی تعلیم، کلمہ طیبہ، دعائے ماثورہ، محبت رسول، اطاعت نبی، آل بیت کی محبت اور قرآن مجید کی تلاوت سے شغف، سیرت رسول، سیرت صحابہ و صحابیات کی تعلیم اور مختلف مواقع، مناسبات اور حالات کے آداب و اخلاق سکھانا، بچوں کے حقوق اور والدین کے واجبات میں ہے، ان امور میں بچہ اور بچی میں کوئی تفریق نہیں۔

سوال ب (۲):

دینی تعلیم کی مقدار اور عصری تعلیم کی حد کیا ہے؟

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگار حضرات متفق ہیں کہ:

*والدین اور سرپرستوں پر بچوں اور بچیوں کو اتنی دینی تعلیم دینا ضروری ہے جس سے وہ اللہ و رسول کی معرفت حاصل کرسکیں، ان کا ایمان و عقیدہ درست ہوجائے، اور ضروری اور بنیادی احکام شریعت سے واقف ہوکر ان کو انجام دینے کے اہل ہوسکیں، اسی طرح عصری تعلیم اتنی حد تک دینا ضروری ہے جو باعزت زندگی گزارنے اور روزمرہ کی زندگی کے جملہ امور بحسن وخوبی انجام دینے کے لیے ناگزیر ہے، البتہ علوم شرعیہ مقدم ہے۔

-مفتی شاہجہاں ندوی نے تفصیل کے ساتھ اس پر دلائل قائم کیے ہیں، او رمذاہب اربعہ کی کتب سے بھی استدلال کیا ہے۔

-مفتی محمد الیاس قاسمی نے دلائل کے ساتھ عصری تعلیم کی ضرورت پر اچھی بحث کی ہے، اور یہ بتایا ہے کہ اسلام میں دینی و دنیوی علوم کی کوئی تقسیم نہیں کی گئی ہے، بلکہ علم کی دو ہی قسمیں ہیں: علم نافع اور علم غیرنافع۔ جو علم انسانیت کے لیے مفید اور کارآمد ہو وہ علم نافع ہے اور جو اس کے برعکس ہو وہ غیر نافع ہے، پھر بہت سے ایسے دلائل پیش کیے ہیں جو جدید علوم اور عصری تقاضوں کو سامنے رکھ کر حاصل کیے جانے والے علوم پر دلالت کرتے ہیں۔

-مفتی لطیف الرحمن فلاحی نے مذکورہ بالا رائے سے اتفاق کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ بچیوں کو بقدر ضرورت دنیوی تعلیم کے حصول کے بعد مزید اونچی تعلیم دلوانے کی غرض سے کالج میں داخل کروانا اور ڈگریاں حاصل کروانے کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ اس میں نفع سے کہیں زیادہ نقصان ہے، مولانا سید قمرالدین قاسمی کی بھیہی رائے ہے۔

جبکہ مولانا محفوظ الرحمن شاہین کا کہنا ہے کہ بچیوں کی عصری تعلیم کے سلسلہ میں باپ کو زیادہ حساس رہنا پڑے گا، اور بچے، بچیوں کے مخلوط اور آزاد ماحول والی تعلیم گاہوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں سے الگ مخصوص طور پر گرل کالجوں میں ہی

تعلیم دلانا ہوگا تاکہ ان کی دینی اور اخلاقی زندگی بگاڑ سے محفوظ رہ سکے۔

- ناچیز کے نزدیک ان حضرات کی رائے زیادہ مناسب ہے جو اختلاط سے دور رکھ کر بچیوں کو بھی اعلیٰ تعلیم دلانے کی اجازت دیتے ہیں، کیونکہ عورتوں میں بھی مختلف علوم کی ماہرات کی ضرورت ہوتی ہے، اگرچہ اس کی حیثیت واجب کفائی کی ہے۔

چند دلائل:

۱-''طلب العلم فريضة بقدر الشرائع وما يحتاج إليه الأمر لابد منه من أحكام الوضوء والصلاة وسائر الشرائع ولأمور معاشه، وما وراء ذلک ليس بفرض، فإن تعلمها فهو أفضل، وإن تركها فلا إثم عليه، كذا فی السراجية '' (ہندیہ۵/۳۷۷) (مفتی راشد حسین ندوی، مفتی منصف بدایونی)۔

۲-''لو استأجر لتعليم ولده الكتابة أو النجوم أو الطب أو التعبير جاز بالاتفاق'' (ہندیہ۴/۴۴۸)۔

۳-''ويسلمه فی صناعة، لأنه من باب تثقيفه واستجلاب المنافع له'' (الجوهرة النيرة۱/۳۵۵) (مفتی شاہجہاں ندوی)۔

۴-''وينبغی أن يعلمه أيضا من أمور الدنيا وما يحتاج إليه من السباحة والرمی وغير ذلک مما ينفعه فی كل زمان بحسبه، قال عمر رضی الله عنه:''علّموا أولادكم السباحة والرماية ومروهم فليثبوا على الخيل وثباً'' (الموسوعة الفقهية۱۲/۱۳) (مولانا خورشید انور اعظمی)۔

۵-''واصنع الفلک بأعيننا ''، ''إن أفضل الكسب كسب الرجل يده۔ '' (مسند أحمد)، ''إن اللهيحب العبد المحترف '' (الترمذی) (یہ دلائل مفتی محمد عثمان بستوی نے دئیے ہیں)۔

سوال ب (۳):

اگر حکومت کسی سطح تک کی تعلیم بچوں اور بچیوں کے لیے لازم قرار دے تو کیا شرعاً اس کی پابندی مسلمانوں کے لیے لازم ہے؟

اس سوال کے جواب میں مفتی راشد حسین ندوی اور مفتی محمد شفیق نے کوئی رائے ظاہر نہیں کی ہے، حافظ کلیم اللہ عمری نے مطلق لزوم کا موقف اختیار کیا ہے۔

جبکہ مولانا احسن عبدالحق ندوی،مولانا محمد عمران ندوی، قاضی محمد کامل قاسمی، مفتی آصف، مولانا شاہد علی قاسمی نے عدم لزوم کی رائے اختیار کی ہے۔

مولانا احسن عبدالحق ندوی نے آیات قرآنیہ ''إنما يخشی الله من عباده العلماء ''-''اقرأباسم ربک الذی خلق '' اور حدیث نبوی ''من سلک طريقايلتمس فيه علما سهل الله له طريقا إلى الجنة '' سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان تمام دلائل میں علم سے مراد وہ علم ہے جو معرفت الٰہی کا زینہ ہو اور اسم رب سے جڑا ہوا ہو، ورنہ حقیقت میں وہ علم کہلانے کا مستحق نہیں۔

مولانا شاہد علی قاسمی کا کہنا ہے کہ ہندوستان کے پس منظر میں اس سے موافقت زہر ہلاہل ہے، دینی مدارس کا کردار متأثر ہوگا، سیکڑوں مدارس بند ہوجانے کا اندیشہ رہے گا، ہندوستانی مسلمانوں کا دین و ایمان خطرہ میں پڑجائے گا، اگر حکومت اس طرح کا کوئی قانون بناتی ہے تو اس کی مخالفت ناگزیر ہوگی اور اس کے خلاف آواز اٹھانا پوری

ملت کی ذمہ داری ہوگی۔

مفتی اخلاق حسین قاسمی ،قاضی محمد ریاض ارمان قاسمی ا ور مولانا خبیب یوسف قاسمی کا کہنا ہے کہ شرعاً تو لازم نہیں لیکن قانوناً لازم ہے۔

ان حضرات کا کہنا ہے کہ دینی تعلیم میں فرائض کی حد تک لزوم ہے، دوسری تعلیم میں عمل کی گنجائش ہے، لیکن لزوم نہیں ہے، اس پر عمل کرنا مسلمانوں کے لیے بحیثیت شریعت لازم نہ ہوگا، البتہ مکمل قانون کی حیثیت سے لازم ہوگا، بشرطیکہ وہ تعلیم کفر و شرک کی نہ ہو اور اس کا اخلاقیات پر اثر نہ پڑتا ہو۔

مولانا خبیب قاسمی نے لکھا ہے کہ شرعاً پابندی کرنا تو لازم نہیں البتہ دفع مضرت اور بہت سے مواقع پر حکومت کی طرف سے عائد کردہ قوانین کے تحت اپنے نجی حقوق کی وصولیابی کی غرض سے اس سطح تک تعلیم اپنے بچوں کو دلوائی جاسکتی ہے۔

*مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ دیگر حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر حکومت بچوں اور بچیوں کی تعلیم کسی سطح تک لازم قرار دے اور وہ تعلیم شرعی اصول سے متصادم نہ ہو، اور کوئی بات ایمان و عقیدہیا اخلاقیات کے منافییا بے راہ روی و انحراف کا باعث نہ ہو تو شرعاً اس کی پابندی مسلمانوں پر لازم ہوگی، ان حضرات کا موقف دلائل کی قوت و کثرت اور مبنی برحق ہونے کی وجہ سے راجح ہے۔

دلائل:

۱- ‘‘طاعۃ الإمام فیما لیس بمعصیۃ فرض’’ (بدائع ۷/۱۴۰) (مفتی شاہجہاں ندوی)۔

۲-فی شرح الجواھر: ‘‘تجب إطاعتہ فیما أباحہ الدین وھو ما یعود نفعہ إلی العامۃ کعمارۃ دار الإسلام والمسلمین وما تناولہ الکتاب والسنۃ والإجماع’’ (رد المحتار ۱۱/۶۷) (مولانا خورشید انور اعظمی)۔

۳-‘‘إن الذینیخالفون القانون الذییحفظ الحقوق ویقر العدل ویقیم میزانہ، ھولاء یعتبرون شرعاً مخالفین للدین نفسہ، لأن الدینیأمر بطاعۃ مثل ھذہ القوانین التنظیمیۃ ما دامت بالمعروف وفی غیر معصیۃ ’’ (فتاوی معاصرہ للقرضاوی /۵۹۷) (مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

۴- ‘‘یا أیھا الذین آمنوا أوفوا بالعقود۔ ’’ ... والظاھر عموم العقود فی کل ربط یوافق الشرع سواء کان إسلامیا أو جاھلیا’’ (بحرمحیط)۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ دنیا کے ہر ملک کا باشندہ اس ملک کے قانون سے وفاداری کا معاہدہ کرکے ہی وہاں کے حقوق شہریت حاصل کرتا ہے، اس لیے حکومت کی طرف سے کسی سطح تک کی تعلیم کے لازم ہونے کی پابندی مسلمانوں کو بھی کرنی پڑے گی، قانون کی خلاف ورزی موجب سزا اور باعث تذلیل ہوگی۔

‘‘ولکونہ عرضا للنفس لعقوبات قانونیۃ إذا کانت الحکومۃ غیر إسلامیۃ’’ (تکملۃ فتح الملھم ۱/۵۹۰)۔

یہ دونوں دلائل مولانا شاہین جمالی کے ہیں، ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ حکومت کے جبری نظام تعلیم میں دینی، اخلاقی اعتبار سے مضرت رسانمواد شامل ہو تو اس کے ازالہ کی خاطر علاحدہ پرائیویٹ تعلیم گاہ قائم کرنا ضروری ہے، جیسا کہ یورپین وافریقن ممالک میں مسلمانوں نے کر رکھا ہے۔

سوال ب (۴):

کیا جنس کی تعلیم بھی بچوں کا حق ہے جیسا کہ آج کل کہا جارہا ہے، اس سلسلہ میں اسلام کی ہدایات کیا ہیں؟

اس سوال کے جواب میں جو آراء بالاتفاق آئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

*جنسیات سے متعلق جو احکام و مسائل قرآن و حدیث اورکتب فقہ و فتاوی میں موجود ہیں، ان کی تعلیم بچوں اور بچیوں کو ان کی عمر اور شرم و حیا کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے، غیر مخلوط طریقہ پر دی جائے گی، البتہ لڑکوں کو مرد اور لڑکیوں کو عورتینیہ احکام بتائیں، لیکن اس کی ضرورت بلوغ کے بعد یا عند البلوغ ہے، اس کے لیے اس نام پر علاحدہ نصاب تیار کرنے یا پیریڈمقرر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

*جنسی تعلیم نہ بچوں کا حق ہے اور نہ اس عمر میں ان کو ضرورت ہے، اس کے بجائے انھیں اخلاقیات کی تعلیم و تربیت دی جانی چاہیے۔

*آج کل جس جنسی تعلیم کا مطالبہ ہورہا ہے وہ فحاشی و بے حیائی کا ذریعہ اور جنسی انحراف و بے راہ روی کا سبب ہونے کی وجہ سے اسلامی تعلیمات کے بالکل مغائر ہے اور اسلام میں قطعاً اس کی گنجائش نہیں ہے، خواہ کسی بھی خوشنما اور پرکشش عنوان سے پیش کیا جائے، فطری تقاضوں کی تکمیل کے طریقے، عمر اور وقت پر خود سیکھ لیے جاتے ہیں، فطرت خود رہنمائی کرتی ہے، مچھلی کو تیراکی اور پرندہ کو ہوابازی سکھانے کی ضرورت نہیں ہوتی، اس مسئلہ پر اسلامک فقہ اکیڈمی کا فیصلہ آچکا ہے۔

جنسی تعلیم کے سلسلہ میں اسلام کی بنیادی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

*قبل از بلوغ بچوں اور بچیوں کے سامنے جنسی مسائل اور امورکا ذکر نہ کیا جائے، اور نہ ان کے سامنے ماں باپ اس قبیل کا کوئی ایسا عمل کریں جس کا منفی اثر ان کے ذہن و دماغ پر پڑے۔

*جب بچہ اور بچی باشعور ہوجائیں تو ان کا بستر الگ کردیا جائے، اور ایسے ماحول اور صحبت سے دور رکھا جائے جس سے وہ بے راہ روی کی طرف جاسکتے ہیں، اسی طرح ان کو ان آلات سے دور رکھا جائے تو مخرب اخلاق ہونے کے ساتھ مفسد بھی ہیں۔

*گناہوں کی شناعت اور سزا بیان کی جائے اور نیک کاموں کی ترغیب دی جائے تاکہ نیکی کی رغبت اور بدی سے نفرت پیداہو، آداب کی تعلیم دی جائے اور اخلاقی تربیت کی جائے۔

*بلوغ کے بعد جنسی احکام و امور کی تعلیم عمر اور ضرورت کے لحاظ سے دی جائے، الفاظ کنائی اور مہذب استعمال کیے جائیں، بچوں کو مرد اور بچیوں کو عورتیں ان کے مخصوص مسائل بتائیں۔

سوال ج:

نکاح کے بارے میں بچوں اور بچیوں کے کیا حقوق ہیں؟ اس سلسلہ میں ہمارے سماج میں افراط و تفریط پائی جاتی ہے، ایک طرف بہت کم عمری میں نکاح کردیا جاتا ہے اور دوسری طرف بالغ ہونے کے بعد غیرمعمولی تاخیر کی جاتی ہے، اس سلسلہ میں

اسلامی تعلیمات اور شرعی ہدایات کیا ہیں؟

اس سوال کے جواب میں تمام آراء متفق ہیں کہ:

*اخلاقی بگاڑ، جنسی بے راہ روی اور غیر شرعی تعلق سے محفوظ رکھنے کے لیے اسلام کی تعلیم اور ہدایت بچوں اور بچیوں کے اولیاء کے لیےیہ ہے کہ جب وہ جوان ہوجائیں تو ان کی شادی جلد از جلد کفو میں کردیں، بغیر کسی سخت مجبوری اور معذوری کے ان کے نکاح میں تاخیرہرگز نہ کریں، ورنہ ان کے گناہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اولیاء بھی گنہگار ہونگے۔

*اگر بلوغ سے قبل ہی مناسب رشتہ مل جائے تو بھی نکاح کردینا چاہیے، بچپن کے غیر موزوں نکاح کی تلافی اور اس کا حل اسلامی شریعت میں موجود ہے۔

*بوجہ مصلحت اگرچہ کم سنی کے نکاح کا جواز ہے لیکن نہ اس کی ترغیب دی گئی ہے اور نہ پسندیدہ سمجھا گیا ہے اور نہ ہی عام حالات میں اس کی ضرورت ہے، بہتر اور پسندیدہ نکاح بلوغ کے بعد ہے۔

*بلاوجہ نکاح میں تاخیر سے جہاں سماجی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، وہیں جسمانی، نفسیاتی اور روحانی نقصان بھی پہنچتا ہے۔

*معاشی حالت کی درستگی اور معیار زندگی کی بلندی کے لیے نکاح میں غیرمعمولی تاخیر کی اجازت نہیں،یہ ایک نامعقول بات اور بہت سے مفاسد کا ذریعہ ہے۔

***

عرض مسئلہ:

اسلام میں بچوں کے حقوق
(سوال نمبر د)

مفتی تنظیم عالم قاسمی•

الحمد للہ رب العا لمین والصلوۃ والسلام علی سید المر سلین و علی الہ و صحبہ اجمعین اما بعد: قابل قدر حضرات علمائے کرام ' اصحاب علم وفن ' ارباب افتاء وفقہ!

اسلام میں بچوں کے حقوق کے سوال نمبر (د) کا عر ض مسئلہ احقر کو سپرد کیا گیا تھا، اس مو ضوع سے متعلق ۳۳ مقالات مجھے موصول ہوئے جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں :

ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی، مفتی آصف یاسین پالنپوری ،مفتی غلام اللہ کا وی والا،مفتی راشد حسین ندوی، مفتی عبداللہ کا وی والا، مولانا حا فظ کلیم اللہ عمری، مولانا رحمت اللہ ندوی ،مولانا عبد التواب انا وی، مفتی لطیف الرحمن ممبئی، مفتی عارف کنجروی، مولانا حبیبیوسف قاسمی ،مولانا عبداللہ خالد لو نا واڑی، مفتی محمد شفیق صاحب، مفتی محمد اخلاق حسین قاسمی، قا ضی محمد ریا ض ارمان قاسمی ،مولانا محمد عمران ندوی ، مفتی صادق پٹیل دیولوی، مفتی شاہد علی قاسمی مولانا محمد احسن عبد الحق ندوی، قاضی محمد کامل قاسمی، مولانا سید قمر الدین محمود قا سمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی محمد الیاس قاسمی ،مولانا مبارک حسین ندوی ،مفتی محمد منصف بدایونی ،قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا محمد حذیفہ دا حودی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی محمد عثمان بستوی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محفو ظ الر حمن شاہین جمالی۔

سوال نمبر (د)کے تین جز ئیات ہیں :

پہلا جزئیہ ہے کہ بچہ مزدوری کے بارے میں اسلام کا مو قف کیا ہے؟ اس سوال کے جو اب میں تقریبا۲۶ مقا لہ نگار حضرات نے تحریر فر ما یا ہے کہ بچہ قابل ر حم اور لائق شفقت ہو تا ہے ،شفقت کا تقا ضا یہ ہے کہ اس کی حسب استطاعت بہتر تعلیم کا انتظام کیا جا ئے اس کی اچھی تر بیت کی جا ئے ذھنی اور جسما نی نشو و نما کو بہتر سے بہتر بنا نے کی سعی کی جا ئے تا کہ ان کا مستقبل رو شن ہو اور وہ اپنے پائوں پر کھڑے ہو سکیں۔ اسی لئے احادیث میں اولا د کو تعلیم و تر بیت دینے کی سخت تا کید کی گئی ہے اور متعدد روایات میں باپ کومخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کولکھنا پڑھنا سکھائے ان کو ادب اور تہذ یب سے آر استہ کرے کہ یہ ان کے لئے باپ کی طرف سے

• استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد۔

بہتر ین عطیہ ہے ۔اسی حکمت اور مصلحت کے پیش نظر ان کا نا ن نفقہ اور تمام اخراجات کی تکمیل کی ذمہ داری با پ اور دیگراولیاء پر یکے بعد دیگر ے رکھی گئی ہے تا کہ بچہ کسب معاش کی فکر سے بالکل آزاد رہے اور مکمل انہماک کے ساتھ وہ تعلیم حاصل کر سکیں ،بچوں کو اگر مزدورییا کسب معاش سے وابستہ کر دیا جا ئے تو اس سے ان کی زندگی تباہ ہو جا ئے گی قویٰ متأثر ہوں گے اور ذھنی ،فکری اور جسمانی اعتبار سے پسماندہ ہو جائیں گے جوبچوں کے لئے نہا یت نقصان دہ اور مہلک ہے ۔

مفتی لطیف الرحمن ممبئی اور مفتی الیاس قا سمی نے ''من لم یر حم صغیرنا ولم یؤ قر کبیرنا فلیس منا'' سے استدلال کر تے ہوئے اسے بے رحمی اور بد خو اہی سے تعبیر کیا ہے جب کہ مفتی عبد اللہ کا وی والا ،مولانا عبد التواب اناوی اور مولانا حبیبیو سف قا سمی نے اسے ضرر عظیم اور ظلم وزیادتی میں شمار کیا ہے۔ مولانا خور شید انور اعظمی نے ''لا یکلف اللہ نفسا إلا وسعھا'' سے استد لا ل کر تے ہوئے لکھا ہے کہ حا لت صغر سنی میں مزدوری اور کسب معاش تکلیف مالا یطاق ہے ،اسلام نے بچوں کی پرورش تعلیم و تر بیت اور ان کی صحت و تند ورستی کے لئے جو جا مع نظام بنا یا ہے اس میں بچہ مزدوری کی کو ئی گنجائش نہیں۔ ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی نے بچہ مزدوری کو حرام قرار دیتے ہوے سماج اور با لخصوص حکومت سے سفارش کی ہے کہ اس گھنا ئو نے عمل کی روک تھام کے لئے ہر ممکن کو شش کی جا ئے۔

پانچ مقالہ نگار حضرات نے ارشاد نبوی :''لا تکلفوا الصغیر الکسب فإنہ إذا لم یجد سرق'' ''من شاق شاق اللہ علیہ'' اور فقہی اصول ''لا ضرر ولا ضرار'' اور بعض نے قرآنی آیت ''قوا أنفسکم وأھلیکم نارا'' وغیرہ سے استد لال کیا ہے جب کہ مفتی عثمان بستوی نے المو سو عۃ الفقہیہ کییہ عبارت پیش کی ہے :

''ندب الإسلام علی الا ستغنا ء والتنزہ عن تکلیف الصغیر با لکسب فقد أخرج ما لک من حدیث أبی سھیل بن مالک عن أبیہ أنہ سمع عثمان بن عفان وھو یخطب و یقول لا تکلفو ا الأ مۃ غیر ذات الصنعۃ الکسب فإنکم متی کلفتموھا ذلک کسبت بفرجھا و لا تکلفوا الصغیر الکسب فإ نہ إذالم یجد سرق و عفوا إذا أعفکم اللہ'' (المو سوعۃ الفقہیۃ۳۴/۲۴۲)۔

چھ مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے کہ بچہ جب شعوراور کسب معاش کی عمر کو پہنچ جا ئے خواہ وہ نا بالغ ہو مزدوری کرائی جا سکتی ہے بشرطیکہ جسمانی و دماغی قوت متأ ثر نہ ہو ان حضرات نے ابودائود کی روایت:''إن أولاکم من أطیب کسبکم کلو امن کسب أولادکم'' اور بعض فقہی عبارتیں پیش کی ہیں جن سے معلوم ہو تا ہے کہ اگر بچوں نے از خو داپنے آپ کو یا اولیاء نے ان کو ا جرت پر دیا تو عقد درست ہو جا ئے گا جیسے بدائع الصنائع کییہ عبارت ہے :''أن الصبی العاقل لوآجر ما لہ أو نفسہ فإن کان ماذونا ینفذ وإن کان محجورا یقف علی إجازۃ الولی'' (بدائع الصنائع ۴/۱۸)۔

لیکن اس طرح کی عبارتوں سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کا عقد اجارہ

درست ہے مگر یہاں مسئلہ جو از اور عدم جو از کا نہیں بلکہ میں جہانتک سمجھتاہوں سوال کا مقصد یہ ہے کہ کیا اسلام بچوں کی مزدوری کی حو صلہ افزائی کر تا ہے؛ ظاہر ہے کہ اولاد کی تعلیم وتربیت سے متعلق شریعت نے جو ہدایات دی ہیں اور ان کے اخراجات کی تکمیل کا جو نظام و ضع کیا ہے اس سے بچہ مزدوری کی حو صلہ افزائی ہرگز نہیں ہوتی۔

سوال کا دوسرا جز ئیہ ہے کہ والد ینیا او لیاء نا با لغ بچے اور بچیوں سے اپنے گھر کا کام کس حد تک لے سکتے ہیں اور کیا اپنے معاشی ضروریات پو ار کر نے یا بہتر بنا نے کے لئے مزدوری کر ا سکتے ہیناسی طرح انہیں پیشہ ورانہ کا م سکھا نے کے لئے کا م سے لگا سکتے ہینیا نہیں؟

اس سوال کی پہلی شق کے جو اب مینتمام مقا لہ نگار حضرات نے لکھا ہے کہ بقدر استطاعت ایسا کام جس کا تعلق تربیت، تہذیب و تمدن اور طریقۂ زندگی کے سیکھنے سے ہو ، لے سکتے ہیں۔جیسے بچوں سے سودا سلف لانے، خرید وفروخت کرنے، پانی بھرنے، کھیت اور باغات کی نگرانی کر نے اور بچیوں سے امور خانہ داری کا کام لینا ۔صحیح احا دیث سے ثابث ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و سلم حضرت انسؓ حضرت ابن عباسؓ اور بعض دیگر کمسن صحابۂ کرام سے خدمت لیا کر تے تھے ۔ اسی طرح ایک عورت نے اپنے بچے سے مختلف طرح کی خدمات لینے کا ذکر کیا مگر رسول اکرم ﷺ نے کوئی نکیر نہیں فرمائی (مشکوۃ ،٢٩٣) ۔

لیکن کام لینے کے درج ذیل شرائط ہیں :

(١) کام طاقت اورتحمل سے زیادہ نہ ہو ۔

(٢) ایسا کام نہ ہو جس سے اس کی صحت اورقویٰ متأثر ہوتے ہوں۔

(٣) ایسا کام نہ ہو جو جسمانی ودماغی نشو ونمامیں خلل پیداکرے۔

(٤) اس طرح خدمت نہ لی جائے جس سے تعلیمی نقصان ہو۔

بعض حضرات کی رائے میں ایسا کام جو تربیت اورتہذیب وتمدن سے متعلق ہو نہ صرف جائز بلکہ بہترہے۔

سوال کی دوسری شق تھی کیا والدین اپنی معاشی ضروریات پوراکرنے یا بہتربنانے کے لیے اپنے بچے یا بچیوں سے مزدوری کراسکتے ہیں؟

اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ معاش کو بہتر بنانے بلکہ معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے بھی مزدوری کرانا درست نہیں ہے،یہ زمانہ ان کے پڑھنے لکھنے،تعلیم وتربیت کا ہے، انہیں اسی کام کے لیے وقف کردینا چاہئے،اس سے ان کا مستقبل تابناک ہوگا اوروہ بعد میں کسی کے دست نگر نہیں بنیں گے،اولاد کے ساتھ محبت اورہمدردی کا یہی تقاضاہے۔ اگر والدین ازخود اپنی معاشی ضروریات پورا نہ کرسکتے ہوں تورشتہ داروں یارفاہی اداروںکو چاہئے کہ ان کا تعاون کریں،خاص طورپر حکومت کی ذمہ داری ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے وظائف جاری

کرے،قاضی محمد کامل قاسمی نے امام خصاف ؒ کے حوالے سے ایسے وقت لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے کی اجازت دی ہے، مفتی محمدمنصف بدایونی اورمولانا خورشید انوراعظمی کی رائے ہے کہ معاش کو بہتربنانے کے لیے بچوں سے مزدوری کرانے کی کوئی گنجائش نہیں، ہاں البتہ معاشی ضرورت کی تکمیل نہ ہوتی ہو تو تعلیم وتربیت کے ساتھ اس کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

مولانا محمدمحبوب فروغ احمدقاسمی کی رائے ہے کہ اگر بغرض تربیت اولیاء مزدوری بھی کراناچاہیں تو گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس سے کوئی بحث نہیں کہ یہ مزدوری معاشی ضروریات کی تکمیل کے لئے ہو یامعاش کو بہتر بنانے کے لئے جب کہ سات مقالہ نگار حضرات نے مطلقا مزدوری کرانے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ بچہ اس کا متحمل ہو۔ ان لوگوں نے درج ذیل عبار ت استدلال میں پیش کیا ہے:

''فللأب أن یواجرابنہ الصغیرفی عمل من الأعمال لأن ولایتہ علی الصغیر کولایتہ علی نفسہ لأن شفقتہ علیہ کشفقتہ علی نفسہ ولہ أن یواجر نفسہ فکذا ابنہ ولأنہ فیہ نظراً للصغیر'' (بدائع، ۲۲،۴)۔

''والأب والجد أبو الأب أو وصیہما إذا آجر الصغیر فی عمل من الأعمال التییقدر علیہ الصغیر جاز'' (ہندیہ،۳۳،۴)۔

''ولو أراد الأب أن یؤاجرہم أی الذکور فی عمل أو أخدمہ فلہ ذلک لأن فیہ منفعۃ للصغیرلأنہ یتعلم الکسب'' (البحرالرائق،۲۴۲،۱)۔

اس طرح کی دیگر عبارتیں موجود ہیں، لیکن ان تمام مینمزدوری کے جواز کی علت خود بچوں کی منفعت اوران کی خیرخواہی کو بتایاگیا ہے جیساکہ ''فیہ منفعۃ للصغیرلأنہیتعلم الکسب اورولأنہ فیہ نظراً للصغیر'' سے اس کی طرف اشارہ ہے،یہ اس زمانے کی بات ہے جب کہ علوم وفنون کی راہیں کھلی ہوئی نہیں تھیں،وسائل محدود تھے،کسب معاش کے لئے مزدوری، نوکری چاکری اورچھوٹی چھوٹی ملازمتوں کی طرف رخ کرتے تھے،اس وقت کے حالات کے اعتبارسے حضرات فقہاء نے کسب معاش سے لگانے کی اجازت دی تھی تاکہ وہ سیکھ کر مستقبل میں اپنی کفالت پر قادرہوسکیں،یہی اس زمانے میں ان کے لیے شفقت تھی لیکن آج سیکڑونوسائل موجود ہیں ٹیکنالوجی اورجدید سائنس نے کسب معاش کی اعلی سے اعلی صورتیں پیداکردی ہیں، اس لئے دورحاضرمیں ان کے ساتھ شفقت ومحبت اورہمدردی کا تقاضہ ہے کہ مزدوری جیسی گھٹیا چیزمیں لگاکر ان کے مستقبل اورامکانی صلاحیتوں کوبربادنہ کیا جائے، ذریعۂ معاش اگرتنگ اورمحدود بھی ہو پھربھی ان کے روشن مستقبل کے لئے اس ٹھوڑی مشقت کو برداشت کرلینی چاہئے کہ اسی میں ان کے ساتھ خیرخواہی ہے۔

سوال کی تیسری شق تھی کہ بچوں اوربچیوں کو کوئی پیشہ ورانہ کام سکھانے کے لئے لگا سکتے ہینیا نہیں؟

اس کے جواب میں تقریبا تمام مقالہ نگارحضرات نے اثبات مینجواب دیا ہے، اس لئے کہ اس میں بچوں کے لئے نفع اورخیرہے اورہروہ کام جو بچوں کے حق میں مفید اورنفع بخش ہو اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں، البتہ لڑکیوں کو پیشہ ورانہ کام سکھانے کے لئے پردے کے اسلامی اصول کی رعایت ضروری ہوگی، بہتر ہے کہ ان کو عورتوں کے پاس بھیج کر کشیدہ کاری سلائی وغیرہ سکھائی جائے،استدلال میں درج ذیل عبارتیں پیش کی گئی ہیں۔

''والثانی أن إیجارہ فی الصنائع من باب التہذیب والتأدیب والریاضۃ وفیہ نظرللصبی فیملکہ الأب'' (بدائع،۴،۱۷۸)۔

اورشامی کییہ عبارت :''لہ دفعہا لامرأۃ تعلمہا حرفۃ کتطریز وخیاطۃ مثلاً '' (رد المحتار،۳،۶۱۲)۔

ان تمام عبارتوں سے پیشہ ورانہ کام سکھانے کی اجازت واضح طورمعلوم ہوتی ہے، البتہ مفتی شاہد علی قاسمی نے یہ مشورہ دیا ہے کہ پیشہ ورانہ کام سکھانے کے ساتھ ان کی تعلیم کا بھی نظم کیاجائے، جب کہ مفتی محمد اخلاق حسین قاسمی اورمفتی لطیف الرحمن ممبئی نے لکھا ہے کہ پیشہ ورانہ کام سکھانااسی وقت درست ہوگا جب کہ بچوں کی تعلیم مکمل ہوچکی ہو یا کسی وجہ سے ان کی تعلیم کا سلسلہ باقی رکھنا ممکن نہ ہو ۔ احقر کی رائے یہ ہے کہ اسے والدین اورسرپرستوں کی صوابدید پر چھوڑدینا چاہئے۔ جذبۂ خیر اورجذبۂ شفقت ومحبت ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں فیصلہ کرنے کا حق ہوگا،اس لئے کہ سب کے حالات یکساں نہیں ہوتے، بعض بچے کند ذہن ہوتے ہیں اوربعض بچوں کو پڑھنے سے دلچسپی نہیں ہوتی، اسی طرح بعض سرپرست مکمل تعلیم دلانے پر قدرت نہیں رکھتے ہینایسے وقت میں بچوں کے مستقبل کو بہتربنانے کے لئے پیشہ ورانہ کام سکھادینا بہترہے۔

سوال کا تیسرا جزئیہ تھا کہ والدین انتہائی غربت اور معاشی بد حالی کی بناء پر بچوں کو مزدوری پر لگاتے ہیں،نہ وہ خود کمانے کے لائق ہوتے ہیں نہ حکومت ان کا تکفل کرتی ہے،ایسے والدین کا نابالغ بچوں کو مزدوری پر لگانادرست ہے یا نہیں اس بابت اسلام کی کیا ہدایات ہیں؟

اس سوال کے جواب میں تین مقالہ نگار کو چھوڑکر تقریباتمام مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے کہ اگر معاشی بدحالی اتنی بڑھی ہوئی ہو کہ گذربسر دشوار ہو جائے،ماں باپ غربت سے نڈھال ہوں،بچونسے مزدوری کرانے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ ہو تو بچوں کو مزدوری پر لگانادرست ہے بشرطیکہ بچے مزدوری کے متحمل ہوں،ان حضرات نے قرآن کریم کی معروف آیت: ''فَلاَتَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ وَّلَاتَنْهَرْ هُمَا'' سے استدلال کیا ہے کہ کسی بات پر اف کہنے میں جتنی تکلیف ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ والدین کو تنگ دستی کی مشقت میں ڈالناہے ۔اطرح قرآن کییہ آیت :''وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفاً '' اوردنیامیں ان دونوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرو،بھوک وپیاس میں مبتلارکھنا اوران کی ضروریات زندگی کی تکمیل نہ کرنا حسن سلوک کے خلاف ہے،بعض حضرات نے فقہی ضابطہ ''الضرورات تبیح المحذورات'' اور ''إذا تعارضا مفسدتان روعی أعظمہماضرراً بارتکاب أ خفہما'' سے

بھی استدلال کیا ہے۔اکثر حضرات نے درج ذیل فقہی عبارتیں پیش کی ہیں: ''فللأب أن یواجرابنہ الصغیرفی عمل من الأعمال'' (بدائع، ۴،۲۲)۔

'' الذکور من الأولاد إذا بلغوا حد الکسب ولم یبلغوا فی أنفسہم یدفعہم الأب إلی عمل لیکسبوا'' (ہندیہ،۱،۵۶۲) ۔

''فإن بلغہ کان للأب أن یواجرہ أو یدفعہ فی حرفۃ لیکتسب وینفق علیہ من کسبہ'' (شامی،۳،۶۱۲)۔

اس طرح کی متعدد عبارتیں ہیں جن سے بچوں کو مزدوری سے لگانے کا جواز معلوم ہوتا ہے بالخصوص جب کہ ماں باپ معذوراورلاچارہوں اورکسمپرسی کی حالت میں ان کی زندگی گذررہی ہو۔

البتہ پانچ مقالہ نگار حضرات نے یہ وضاحت کی ہے کہ اگر کوئی شخص معاشی بدحالی کا شکار ہے، پیرانہ سالی،بیماریا اپاہج ہونے کے سبب خود سے اپنے اخراجات کی تکمیل نہیں کرسکتاتو حکومت کو چاہئے کہ اس کے لیے اتناوظیفہ جاری کرے جو اس کے لئے اوراس کے زیر کفالت تمام افراد کے لئے کافی ہو ،اگر حکومت اپنا فریضہ ادانہیں کرتی تو خاندان اور رشتہ داروں کو تعاون باہمی سے کام لیتے ہوئے ایسے مجبور افراد کا تعاون کرنا چاہئے جیساکہ بعض کفارہ کی ادائیگی میں شریعت نے یہی اصول رکھا ہے،اگر ایسا نہ ہوسکے تو بیت المال اورخیراتی ادارے اس ذمہ داروں کو پوری کریں،اگریہ بھی نہ ہوسکے تومسلم معاشرہ اورسماج تکافل اجتماعی کا نظم بنائے،اگر مسلم معاشرہ بھی بے حسی کا شکارہو جائے تو بدرجۂ مجبوری اپنے نابالغ بچوں کو مزدوری پر بھیج سکتے ہیں۔

مولانا سید قمرالدین محمود قاسمی، مولانا عبدالتواب اناوی اورمفتی لطیف الرحمن ممبئی کی رائے ہے کہ ان حالات میں بھی بچوں کو مزدوری پرنہیں بھیجناچاہئے،بلکہ دست سوال درازکرکے اپنی ضرورت پوری کرے لیکن ظاہرہے کہ دست سوال درازکرناہر ایک کی ضمیر گوارہ نہیں کرتا یا وہ بیمار اوراپاہج ہونے کی وجہ سے اس پر قادرنہیں اوراگر وہ ہاتھ پھیلائے بھی تو کیا ضروری ہے کہ ضرورت پوری ہوجائے، اس لئے بہتر ہے کہ خاندان کے افراد اپنی اخلاقی حس کو بیدارکریناورایسے افراد کو زکوٰۃ،صدقات اوردوسری مد سے بھر پور تعاون کریں کہ اس سے انفاق کا ثواب ہوگا اورصلہ رحمی کا بھی،اسی طرح مسلم معاشرے میں ایسے ادارے بھی قائم کئے جائیں جو دبے کچلے اورمحتاج افراد کا تعاون کریں۔جن علاقوں میں ایسی کوئی صورت نہ بن سکے تو اخیر میں بچوں سے مزدوری کرانے کی صورت باقی رہ جاتی ہے تاہم اس وقت بھی کوشش کی جائے کہ مزدوریٔ محض کے بجائے کسی پیشہ ورانہ کام سے لگادینجہاں کام سیکھنے کے ساتھ محنت کے پیسے بھی دیئے جاتے ہیں اس سے ضرورت بھی پوری ہوگی اورمستقبل بھی محفوظ رہے گا ۔ ہذا ماعندی واللہ اعلم بالصَّواب

***

عرض مسئلہ:

اسلام میں بچوں کے حقوق
(سوال نمبر ھ سے آخر تک)

مولانا راشد حسین ندوی•

چوبیسویں فقہی سیمینار کا ایک اہم موضوع ''اسلام میں بچوں کے حقوق '' ہے، اس موضوع کے سوال (ھ) سے آخر تک کے عرض مسئلہ کے لیے راقم کو حکم دیا گیا ہے، سوال(ھ) کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر بچوں سے شرعاً بلوغ سے پہلے قتل وغارت گری، چوری اور زنا جیسے جرائم سرزد ہوں، تو کیا ان پر سزا جاری کی جائے گی،یا نا بالغ ہونے کی بناء پر ان کو چھوڑ دیا جائے گا؟

اس موضوع پر عرض مسئلہ کے لیے راقم کو ۳۳؍ مقالات بھیجے گئے ہیں، دو کو چھوڑ کر بقیہ فاضل نگاروں نے مندرجہ بالا سوال کا جواب دیا ہے، اور سبھی اس بات پر متفق ہیں کہ ان جرائم کی شرعی سزا جاری کرنے کے لیے بلوغ شرط ہے، لہٰذا نابالغ چوری قتل اور زنا جیسے جرائم کا ارتکاب کرے تو اس پر حدو قصاص کا اجراء نہیں ہوسکتا، البتہ جرائم کے سد باب کے لیے اس پر تعزیر کی جائے گی، اس پر استدلال کرتے ہوئے مقالہ نگاروں نے تفصیل کے ساتھ فقہی عبارات نقل کی ہیں، بعض حضرات نے اس حدیث کو بھی پیش کیا ہے، ''رفع القلم عن ثلاثۃ، عن النائم حتییستیقظ، وعن الصبی حتییحتلم، وعن المجنون حتییعقل'' (ابو داؤد) (مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا منصف بدایونی، مولانا عبداللہ خالد لوناواڑی، مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی)

پھر کئی حضرات نے اس پر زور دیا ہے کہ بچوں کے سرپرست بچوں کی تربیت کرتے رہیں، اگر بچہ سے کوئی جرم ہوجائے تو جرم کی نوعیت کے اعتبار سے اس پر زجر و توبیخ کریں، مارپیٹ کی نوبت آخری مراحل میں آنی چاہیے۔ (مفتی آصف، مفتی شاہ جہاں، مفتی غلام اللہ کاوی والا، مفتی عبد اللہ کاوی والا، مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا حبیب بن یوسف قاسمی، مولانا محمد عمران ندوی، مولانا سید قمر الدین محمود قاسمی، مولانا محمد کامل قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا منصف بدایونی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی)۔

اکثر مقالہ نگاروں نے وضاحت کی ہے کہ بچے جرائم کے مرتکب ہوں تو ان پر

• مدرسہ ضیاء العلوم، میدان پور، تکیہ کلاں،رائے بریلی۔

تعزیر کی جائے گی، اس لیے کہ تعزیر کے لیے بلوغ کی شرط نہیں ہے، البتہ یہ تعزیر تادیب کے لیے ہوگی نہ کہ عقوبت کے لیے (مولاناعبدالجلیل قاسمی، مولانا منصف بدایونی، مولانا مبارک حسین ندوی، مفتیالیاس قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا نعیم اختر قاسمی)۔

ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

(١) ''إلا الصبی العاقل، فإنہ یعزر تادیبا لا عقوبۃ'' (بدائع) (مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی)

(٢) ''والتعزیریشرع علیہ'' (تاتارخانیہ) (مولانا منصف بدایونی)

بعض حضرات نے اس تعزیر کے لیےیہ شرط بھی لگائی ہے کہ بچہ نابالغ ہونے کے باوجود باشعور اور ممیز ہوگیا ہو، چنانچہ غیر ممیز بچہ پر تعزیر جاری نہیں کی جائے گی (مولانا عثمان بستوی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، راشد حسین ندوی)۔

ان حضرات کا مستدل مندرجہ ذیل عبارات ہیں:

(١) ''أو صبیا بعد أن یکون عاقلا'' (بدائع) (مولانا نعیم اختر قاسمی)۔

(٢) ''بخلاف المجنون والصبی الذی لا یعقل، لأنھما لیسا من أہل العقوبۃ ولا من أہل التأدیب'' (بدائع) (مفتی تنظیم عالم قاسمی، راشد حسین ندوی)

کچھ مقالہ نگاروں نے تعزیر کی کیفیت سے متعلق بھی بحث کی ہے، اور اس میں دو آراء ظاہر کی گئی ہیں:

پہلی رائے: یہ ہے کہ عام حالات میں تین چھڑی سے زیادہ نہ ماراجائے، لیکن بچہ دس سال کا ہوجائے، اور قتل و چوری اور زنا جیسے جرائم کا مرتکب ہو تو اس کو دس کوڑے مارنے کی اجازت ہے، اس سے زیادہ نہیں، اس لیے کہ بخاری میں ہے: ''لا یجلد فوق عشر جلدات إلا فی حد من حدود اللہ '' (مفتی عارف کنجروی، مولانا احسن عبدالحق ندوی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مفتی لطیف الرحمن، مفتی عثمان بستوی)

دوسری رائے: یہ ہے کہ تعزیر کی حد حکومت کی صوابدید پر ہوگی، حالات اور ضرورت کے اعتبار سے حکومت کمی زیادتی کا فیصلہ کرسکتی ہے، اس لیے کہ رد المحتار میں ہے ''والتعزیر مفوض إلی رأی الإمام '' (مولانا عبداللہ خالد لوناواڑی، مولانا اخلاق حسین قاسمی، مولانا ریاض ارمان قاسمی)۔

جسمانی تعزیر کے ساتھ کئی حضرات نے مالی ضمان کا بھی ذکر کیا ہے، ان حضرات نے وضاحت کی ہے کہ بچے کسی کا مال ضائع کرینیا چوری کریں تو مال کا ضمان دینا ہوگا، قتل کریں تو عاقلہ پر دیت ہوگی، زنا کریں تو عقر لازم ہوگا(راقم راشد حسین ندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا عبدالتواب اناوی، مفتی صادق دیولوی، مولانا شاہد علی قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مفتی عثمان بستوی)

دلائل:

(۱) ‘‘الصبی المحجور مواخذ بأفعالہ، متضمن ما أتلفہ من المال للحال، وإذا قتل فالدیۃ علی عاقلتہ’’ (الأشباہ) (مولانا عبدالتواب اناوی، راشد حسین ندوی)۔

(۲) ‘‘لکنھما یضمنان المال’’ (ردالمحتار) (مولانا شاہد علی قاسمی)۔

جرائم کے سد باب کے لیے کئی حضرات نے لکھا ہے کہ حکومت نے بلوغت کی عمر اٹھارہ سال مقرر کی ہے، اس کو بدل کر پندرہ سال کیا جائے (مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا سید قمر الدین محمود قاسمی، مولانا الیاس قاسمی)

مولانا شاہد علی قاسمی اور مولانا الیاس قاسمی نے اضافہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے لیے اسباب قریبہ پر پابندی لگائی جائے، بچوں کی اخلاقی تربیت کی جائے، بچوں میں خوف خدا پیدا کیا جائے، مخلوط تعلیم بند کی جائے، شراب پر پابندی لگائی جائے، پردہ کا نظام قائم کیا جائے، فحش لٹریچر اور فلموں پر روک لگائی جائے وغیرہ۔

اس پوری بحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ مقالہ نگاروں نے الگ الگ پہلوؤں کا ذکر کیا ہے لیکن دراصل یہ تمام پہلو اہمیت کے حامل ہیں، بچوں پر گھر والوں کو نظررکھنی چاہیے، ان کی تربیت کرنی چاہیے، لیکن ظاہر ہے اس کے باوجود ان سے کوئی جرم ہوجائے تو اگر اتلاف مال سے متعلق ہو تو ضمان ہوگا، قتل کا ارتکاب ہو تو عاقلہ پر دیت ہوگی، قابل تعزیر جرم ہو تو تعزیر ہوگی، البتہ تعزیر کی حد کے سلسلہ میں دو آراء آئی ہیں، ایکیہ کہ دس کوڑوں سے تجاوز جائز نہیں، دوسرییہ کہ اس باب میں اختیار حاکم کو ہے، میری رائے میں دوسری رائے راجح ہے، اس لیے کہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے اور حدیث کی تاویل کی ہے، الدر المختار میں ہے:‘‘والتعزیر لیس فیہ تقدیر بل ھو مفوض إلی رأی القاضی (إلی) ویکون التعزیر بالقتل’’ الخ (مع حاشیہ شامی : ۳، ۱۹۶)۔

راقم سے متعلق سوال(و) کا حاصل یہ ہے کہ مجرمانہ ذہن رکھنے والے بچوں کے لیے جیل قائم ہیں، ان جیلوں میں بچوں سے پرمشقت کام لیا جاتا ہے، اور سخت مار پیٹ کی جاتی ہے، ایسی جیلوں میں موجود نابالغ قیدیوں کے لیے کیا احکام ہیں؟ ان کو کیا سزائیں دی جاسکتی ہیں؟ کیا کام لیے جاسکتے ہیں؟ اور ان کی اصلاح کے لیے کیا تدبیریں اختیار کی جاسکتی ہیں؟

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے اکثر مقالہ نگاروں نے لکھا ہے کہ بچوں کو جیل میں رکھا جاسکتا ہے، لیکن ان کو سخت سزائیں دینا ناجائز ہے، سزائیں ان کی قوت برداشت کے مطابق دی جائیں، سخت سزا جس کے نشانات بدن پر پڑیں منع ہے، ان کی اصلاح کے لیے جیلوں میں تعلیم و تربیت کا نظم کیا جائے، رقاق و اخلاق سے متعلق احادیث کی تعلیم کی جائے، پر مشقت کام نہ لیے جائیں، سخت مارپیٹ جب بالغوں کے ساتھ جائز نہیں تو بچوں کے ساتھ اس کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے (مفتی عبداللہ کاوی، حافظ کلیم اللہ عمری مدنی،مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا عبدالتواب اناوی، مفتی عارف کنجروی، مفتی محمد

اخلاق حسین قاسمی، مولانا محمد عمران ندوی، قاضی محمد ریاض ارمان قاسمی، مولانا شاہد علی قاسمی، مولانا احسن عبدالحق ندوی، مولانا سیدقمرالدین محمود قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا محمد منصف بدایونی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مفتی آصف صاحب پالنپوری، مفتی شاہ جہاں ندوی، مفتی لطف الرحمن فلاحی، راشد حسین ندوی، مولانا کامل قاسمی، مولانا الیاس قاسمی)۔

دلائل:

(۱)''لا یکلف اللہ نفسا إلا وسعھا''۔

(۲) غلام کے بارے میں حدیث میں ہے:''ولا یکلف من العمل إلا ما یطیق''۔

(۳) ''الخامس أن لا یضرب الصبیان ضربا مبرحا'' (ہندیہ) (مفتی الیاس قاسمی)۔

(۴) ''وفی المحیط للقاضی: حبس الصبی الفاجر تادیبا'' (شامی) ۔

(۵) ''ولا یجوز الحبس فی مکان یمنع فیہ المحبوس الطعام والشراب أو فی مکان حار أو تحت الشمس أو فی مکان بارد أو فی بیت تتوسد نوافذہ وفیہ دخان'' (فتح القدیر) (مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

(۶) ''الحبس للصبی بطریق التادیب من لا یتجاسر علی مثلہ'' (مبسوط) (مولانا مبارک حسین ندوی)۔

(۷) ''لاینبغی للقاضی أن یضرب محبوسا فی دین ولا فی غیرہ ولا یصفد۔الخ'' (ہندیہ) (مفتی راشد حسین ندوی)۔

مولانا محفوظ الرحمان شاہین جمالی صاحب نے لکھا ہے کہ بچہ کو قید کرنے کی ضرورت ہو تو اولاً اسے اسی کے گھر میں قید کردیا جائے ،ناگزیر حالات میں ہی اسے جیل میں رکھا جائے ، اور اس کی قوت برداشت کے مطابق ہی کام لیا جائے ، ''تدل أکثر النصوص علی أن یکون حبس الحدث فیبیت أبیہ أو ولیہ علی أن یجوز حبسہ في السجن إلا إذا خشی علیہ ما یفسد ہ فتوجب حبسہ عند أبیہ لا في السجن ''(موسوعہ فقہیہ)۔

مولانا خورشید انور اعظمی صاحب نے موسوعہ کی مذکورہ بالا عبارت نقل کر کے لکھا ہے کہ بچوں کی جیل علیحدہ ہونی چاہیے اور ان سے پرمشقت کام نہیں لینا چاہیے۔

سوال (ز)کا خلاصہ یہ ہے کہ بہت سے بچے بے سہارا ہو تے ہیں، اسلام ایسے بچوں کی پرورش ، ان کی تعلیم وتربیت اور ان کے لیے خاندانی ماحول فراہم کرنے کے سلسلے میں کیا ہدایات دیتا ہے ، اس سلسلہ میں حکومت کی ذمہ داریاں کیا ہیں اور خود سماج کا کیا فریضہ ہے ؟

اس سوال کا حل پیش کرتے ہو ئے مقالہ نگاروں نے مندرجہ ذیل آراء ظاہر کی ہیں :

(۱)یہ بچہ لقیط کے حکم میں ہے ، اس کا اٹھانا واجب کفائی ہے ، اگر اس کو نہ اٹھا یا گیا تو وہ تمام لوگ گناہگار ہوں گے جو اس سلسلہ میں علم رکھتے تھے ، اور اس بچہ کا نفقہ اور خبر گیری اصلاً حکومت کی ذمہ داری ہے ، وہ کچھ نہ کرے تو یہ ذمہ داری

سماج کی ہے (مفتی شاہ جہاں ندوی ، مفتی عثمان بستوی قاسمی ، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی محمد منصف بدایونی ، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی ، قاضی محمد کامل قاسمی، مولانا شاہد علی قاسمی، مولانا اکرم رشید لونا واڑہ، مولانا محمد عمران ندوی، مولانا عبد التواب اناوی ، مفتی عبداللہ کاوی‌والا)

دلائل:

(۱) ''ومن أحياها فكأنما أحيا الناس جميعا ''(مفتی شاہجہاں ندوی، مولانا خورشید انور اعظمی، ، مفتی محمد منصف بدایونی ، مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

(۲) ''كلا بل لا تكرمون اليتيم ''(مفتی شاہجہاں ندوی) ۔

(۳) ''ليس منا من لم يرحم صغيرنا ''(ترمذی)(مفتی شاہجہاں ندوی)۔

(۴)ہندیہ ، البحرالرئق اور شامی میں ہے :''والتقاط مندوب إليہ وإن غلب على ظنہ ضياعہ كأن وجده في الماء أو بينيدى سبع فواجب'' (مفتی شاہجہاں ندوی ، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مفتی منصف بدایونی ، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا محمد عمران ندوی)۔

(۵) ''وتجب نفقتہ في بيت المال ''(شرح مشكل الآثارللطحاوی)(مفتی شاہجہاں ندوی)۔

(۶) ''ونفقۃ اللقيط على ولی الامر '' (الفقہ الحنفی في ثوبہ الجديد)(مفتی عثمان بستوی)۔

(۷) ''فإن تعذر الإنفاق عليہ من بيت المال (الی) فعلی من علم من المسلمين الإنفاق عليہ '' (المغنی) (مولانا خورشید انور اعظمی) ۔

(۸) ''ونفقتہ من بيت المال '' (ہدایہ، شامی، بحر) (مولانا منصف بدایونی ، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی مولانا محمد عمران ندوی)۔

دوسری رائے : یہ ہے کہ کتاب وسنت مینیتیموں کی خبر گیری پر کثرت سے ابھا را گیا ہے ، لہٰذا اس کی خبر گیری اولاً اس کے رشتہ داروں کی ذمہ داری ہے جس کی تفصیلات کتاب النفقات میں کی گئی ہیں ، پھر حکومت یا بیت المال کی پھر سماج یا بالفاظ دیگر عامۃ المسلمین کی (مفتی آصف ، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مولانا مبارک حسین ندوی ، مولانا سید قمرا لدین محمود قاسمی ، مولانا احسن عبد الحق ندوی ، مفتی صادق دیولوی ، مولانا عبد اللہ خالد لونا واڑہ ، مفتی عارف کنجروی، مولانا حبیب بن یوسف قاسمی ، مولانا رحمت اللہ ندوی ، مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی ، راشد حسین ندوی ،مفتی اخلاق حسین قاسمی)۔

دلائل:

(۱) ''فإن تساؤوافي القرب الخ ''(شامی)(راشد حسین ندوی) ۔

(۲) ''فإن لم يكن لہ جد موسر۔ الخ '' (كتاب الفقہ على المذاهب الأربعۃ) (مفتی اخلاق حسین قاسمی)۔

تیسری رائے: یہ ہے کہ دار الیتامی قائم کئے جائیں، اور اسے کسی مناسب دار

الیتامی میں رکھ دیا جائے (مفتی غلام اللہ کاوی، مفتی لطیف الرحمان فلاحی)۔

اس بحث کے جواب میں ظاہری طور سے اگرچہ کچھ اختلاف معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، جن حضرات نے بچہ کو لقیط کے حکم میں رکھا ہے انہوں نے یہ صورت فرض کی ہے کہ بچہ کے عزیز و اقارب کا کوئی پتہ نہیں ہے، ورنہ وہ بھی باب النفقات کی تفصیلات کا ذکر کرتے، لہٰذا صحیح ترتیبیہی معلوم ہوتی ہے کہ بچہ کے عزیز و اقارب ہوں، تو خبر گیری کے وہی ذمہ دار ہوں گے، یہ ممکن نہ ہو تو یہ ذمہ داری حکومت کی ہے ، یہ بھی ممکن نہ ہو تو یہ ذمہ داری سماج کی ہے۔ واللہ أعلم

راقم سے متعلق سوال (ح)کا خلاصہ یہ ہے کہ بچہ کے گارجینGaurdian حد درجہ افلاس کی وجہ سے کیا کسی کو اپنا بچہ حوالہ کر کے اس سے بے تعلق ہو سکتے ہیں ؟ اور بچہ لینے والے سے ہدیہ قبول کر سکتے ہیں ؟ ایسے واقعات کی روک تھام کے لیے شریعت اسلامیہ کی تعلیمات کیا ہیں ؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے مقالہ نگاروں نے مندرجہ ذیل آراء ظاہر کی ہیں :

پہلی رائے: یہ ہے کہ بچہ حوالہ کر سکتے ہیں لیکن ہدیہ قبول نہیں کر سکتے ، نہ ہی بچہ سے کلی طور پر لا تعلق ہو سکتے ہیں ، اس لیے کہ یہ آزاد کی بیع ہے جو باطل ہے اس کی روک تھام کے لیے والدین کی سرزنش کرنی چاہیے (مفتی عبداللہ کاوی والا، حافظ کلیم اللہ عمری مدنی ، مفتی عارف کنجروی ، مولانا اخلاق حسین قاسمی ، مفتی صادق دیولوی، مولانا شاہد علی قاسمی، مولانا سید قمرالدین محمود، مولانا محبوب احمد فروغ قاسمی ، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا ریاض ارمان قاسمی، مفتی شاہجہاں ندوی، مولانا منصف بدایونی)۔

کچھ مقالہ نگاروں نے لکھا ہے کہ بچہ کو لینے والا اپنی خوشی سے ہدیہ دے تو اسے بھی قبول کیا جا سکتا ہے (مولانا عبدالجلیل قاسمی، مولانا عمران ندوی، مولانا عثمان بستوی)۔

اس کی دلیل دیتے ہوئے مولانا محمدعمران ندوی اور مولانا منصف بدایونی نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی اور حضرت زید بن حارثہ کی کفالت کی اور حضرت عباس نے حضرت جعفر کی کفالت کی ، کئی حضرات نے حضانت کے مسئلہ کو بھی دلیل بنایا ہے ۔

دوسری رائے یہ ہے کہ اپنا بچہ دوسروں کو حوالہ کر کے اس سے لا تعلق ہو نے کی گنجائش نہیں ہے ، اس طرح کی خرابیاں دور کرنے کے لیے حکومت اور سماج کو سامنے آنا چاہئے (مولانا رحمت اللہ ندوی ، راشد حسین ندوی ، مولانا احسن عبدالحق ندوی ، مفتی الیاس قاسمی ، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی ، مولانا نعیم اختر قاسمی، مفتی آصف پالنپوری، مفتی لطیف الرحمن فلاحی)۔

اور اس کی روک تھا م کا طریقہیہ ہے کہ ماں باپ مفلس ہوں تو ان کو غیر موجود مان کر ان کے بعد والے رشتہ داروں پر یہ ذمہ داری ڈالی جائے وہ بھی نہ ہوں تو عامۃ

المسلمینیہ ذمہ داری سنبھالیں ''مالم یکن الاب معسرا فیلحق بالمیت فیجب علی غیرہ بلا رجوع علیہ ''(الدر المختار، البحر الرائق، ھندیہ) (مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا محفوظ الرحمان شاہین جمالی ، راشد حسین ندوی)

مولانا عبد التواب اناوی صاحب نے بچہ سونپنے کو حرام قرار دے کر اس کو قتل اولاد قرار دیا ہے،''لا تقتلو أولادکم خشیۃ إملاق ''اور مولانا حبیب بن یوسف قاسمی نے بھیبھی رائے اختیار کی ہے ۔

جبکہ مفتی غلام اللہ کاوی صاحب نے لکھا ہے کہ سات سال تک پرورش کا حق ماں کو ہے، پھر باپ کو، پھر اقرباء، پڑوسی اور اہل قریہ توجہ دیں ، ورنہ اداروں کے سپرد کردیں۔

ظاہری طور سے لگتا ہے کہ بعض حضرات نے اپنا بچہ دوسروں کے حوالے کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے اور بعض نے جائز قرار دیا ہے ، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اختلاف صرف لفظی ہے، اس لیے کہ منع کرنے والوں نے بالکل لاتعلق ہو جانے کو ممنوع قرار دیا ہے ، اور جائز قرار دینے والوں نے تعلق رکھتے ہوئے اس کی اجازت دی ہے، ہدیہ مشروط ہو تو ظاہر ہے یہ آزاد کی بیع ہے جس کی اجازت نہیں ہو سکتی ، خوشی سے اجازت ہو سکتی ، لیکن اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے ۔واللہ اعلم

راقم سے متعلق سوال (ط)کاحاصل یہ ہے کہ بہت سے بچے ذہنییا جسمانی طور پر معذور ہوتے ہیں ایسے بچوں کا کس حد تک علاج کرانا واجب ہے؟ ایسے بچوں کو دیکھ بھال کے لیے دماغی ہسپتال میں داخل کرا دینا کیا ماں باپ کا اپنی ذمہ داریوں سے غفلت برتنا متصور ہوگا ؟

اس سوال کی ہسپتال میں داخل کرا نے سے متعلق شق کا جواب دیتے ہوئے فاضل مقالہ نگاروں نے دو آراء ظاہر کی ہیں:

پہلی را ئے یہ ہے کہ اصل یہی ہے کہ بچوں کی دیکھ بھال گھر میں رکھ کر کی جائے ، لیکن کوئی ناگزیر ضرورت ہو اور اس میں بچوں کے مصالح مضمر ہوں تو بچوں کو اسپتال میں داخل کرا یا جا سکتا ہے ، لیکن ضروری ہے کہ ان کے پاس آتا جاتا رہے اور ان کی دیکھ بھال کرتا رہے ، مقصد ان کے مصالح کا خیال ہو نہ کہ اپنی ذمہ داریوں سے فرار حاصل کرنا (مفتی عثمان بستوی، مولانا خورشید انور اعظمی ، مفتی تنظیم عالم قاسمی ، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مفتی منصف بدایونی، مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا محمد کامل قاسمی ، مولانا سید قمر الدین محمود قاسمی، مولانا احسن عبد الحق ندوی ، مولانا شاہد علی قاسمی ، مولانا محمد عمران ندوی ، راشد حسین ندوی، قاضی ریاض ارمان قاسمی ،مولانا اخلاق حسین قاسمی ، مولانا عبد اللہ خالد لونا واڑی ، مفتی عارف کنجروی ، مولانا عبد التواب اناوی ، مولانا رحمت اللہ ندوی، مفتی عبداللہ کاوی والا)۔

دلائل:

(١) ''الضرر الأشد یزال بالضرر الأخف'' (الأشباہ)۔

(۲)''وإن كان للصغير رضيعا، فليس على أمه أن ترضعه'' (ہدایہ)۔

لہٰذا متبادل موجود ہونے کی وجہ سے اسپتال میں داخل کرایا جا سکتا ہے (مولانا عمران ندوی)۔

(۳) حضانت کے واسطے بھیجے جانے کے جواز پر قیاس (مفتی عثمان بستوی، راشد حسین ندوی)۔

دوسری رائے:یہ ہے کہ بچو ں کو ادب سکھانا ، ان کی تربیت کرنا ، اور ذمہ داریاں سنبھالنا، والدین کی ذمہ داری ہے، لہٰذا انہیں وقتی طور پر اسپتال میں داخل کرایا جا سکتا ہے، لیکن مستقلاً داخل کرانا کھلی غفلت ہے (مفتی آصف پالنپوری، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی ، مفتی محمد الیاس قاسمی ، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی صادق دیولوی، حافظ کلیم اللہ عمری مدنی ،مفتی شاہ جہاں ندوی)۔

ان حضرات کی دلیل وہ نصوص ہیں جن میں تربیت اولاد پر زور دیا گیا ہے مثلاً مفتی آصف پالنپوری نے یہ حدیث نقل کی ہے : ''أدبو ا أولادكم وأحسنوا أدبهم ''۔

ان دونوں آراء میں سے پہلی رائے میں جن شرائط کے ساتھ اسپتال میں داخل کرنے کی اجازت دی گئی ہے اگر بچہ کے مصالح اسپتال میں رکھنے کے متقاضی ہو ں تو ان شرائط کا خیال رکھتے ہوئے داخل کرنے کی اجازت ہونی چاہیے ، اس لیے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے :''لایکلف اللہ نفسا إلا وسعها'' اور فقہی قاعدہ ہے:''الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف''واللہ اعلم ۔

سوال (ط)کی ایک شق یہ بھی ہے کہ ایسے معذور بچوں کا علاج کس حد تک کروانا واجب ہے؟

اس کا جواب دیتے ہوئے اکثر مقالہ نگاروں نے حد مقرر کرنے کے بجائے یہ لکھا ہے کہ حتی المقدور علاج کرایا جائے ، (مولانا عبداللہ کاوی، حافظ کلیم اللہ عمری مدنی ، مولانا رحمت اللہ ندوی ،مفتی عارف کنجروی ، مفتی اخلاق حسین قاسمی ، مولانا ریاض ارمان قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی)۔

جب کہ مفتی شاہ جہاں ندوی ، اور مولانا شاہد علی صاحب نے لکھا ہے کہ اگر شفاء کا گمان غالب ہو تو علاج کروانا واجب ہے ورنہ مستحب ہے ، اس کے لیے مفتی شاہ جہاں صاحب نے مندرجہ ذیل دلائل نقل کئے ہیں :

(۱) ''وأمره عليه السلام بالتداوى ونهى عن تركه ''(المحلی)۔

(۲) ''وأما التداوى فليس بواجب عند جماهير العلماء ''(الفتاوی الکبری)۔

کچھ مقالہ نگاروں نے علاج کوو اجب قرار دیا ہے (مولانا عبد التواب اناوی، مولانا عمران ندوی، راشد حسین ندوی، مفتی الیاس قاسمی)۔

بعض کی رائے یہ ہے کہ علاج کرانا واجب نہیں،بلکہ سنت ہے (مفتی عثمان بستوی، مفتی لطیف الرحمان فلاحی)۔

مولانا خورشید انور اعظمی صاحب کی رائے یہہے کہ جب تک مرض زائل نہ ہوجائے، علاج کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔

ان آراء میں سے پہلی رائے جو اکثر مقالہ نگاروں کی ہے راجح معلوم ہوتی ہے ، اس لیے کہ انسان کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بنایا گیا ہے {لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا} اور اس رائے میں اس کا خیال رکھا گیا ہے۔ واللہ اعلم

* * *

دوسرا باب

تفصیلی مقالات

اسلام میں بچوں کے حقوق

مولانا خورشید انور اعظمی•

بچے اللہ تعالی کی بہت بڑی نعمت اور اس کا عظیم عطیہ ہیں، ان کے دم سے انسانی زندگی میں چہل پہل، خوشی ومسرت، قلبی سکون وراحت اور احساس خود اعتمادی کا ماحول قائم رہتا ہے، نیز ان کے وجود پر بقائے نسل انسانی کا مدار اور خاندانی نظام کی تعمیر وترقی کا مکمل انحصار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام نے ان کے لئے بارگاہ خداوندی میں بطور خاص دعا کی ہے، قرآن کریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کے بچے کےلئے دعا کا تذکرہ موجود ہے:

''ہنالک دعا زکریا ربہ قال رب ہب لی من لدنک ذریۃ طیبۃ إنک سمیع الدعاء'' (آل عمران: ۳۸) (وہیں دعا کی زکریا نے اپنے رب سے، کہا: اے رب عطا کر مجھ کو اپنے پاس سے اولاد پاکیزہ، بےشک تو سننے والا ہے)۔

مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی اس آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس آیت سے معلوم ہوا کہ اولاد کے لئے دعا کرنا انبیاء وصالحین کی سنت ہے'' (معارف القرآن ۲،۶۰)۔

اسی وجہ سے اسلام نے بچوں کی پرورش ونگہداشت، تعلیم وتربیت اور ان کے دیگر حقوق کی ادائیگی پر کافی زور دیا ہے، جس کی مثال دیگر ادیان وملل میں بمشکل نظر آتی ہے، شاہ معین الدین ندوی کے بقول:''اولاد پر والدین کے حقوق کو سب مذاہب نے تسلیم کیا ہے، اور ان کی ادائیگی اور والدین کی خدمت کی بڑی تاکید ہے، لیکن اسلام کےعلاوہ غالباً کسی مذہب نے ماں باپ پر اولاد کا کوئی حق نہیں مانا ہے یا اس کا دائرہ بہت محدود رکھا ہے'' (دین رحمت،۱۰۱)۔

بچوں کی پرورش کا مسئلہ:

اسلام نے بچوں کی پرورش کے تعلق سے ایک نہایت جامع اور مکمل قانون بنایا ہے، تاکہ بچوں کے عہد طفلی سے قبل از بلوغ تک کے تمام مراحل کی بطور خاص نگہداشت ہوسکے، اور ان کی جسمانی، ذہنی، فکری اور تعلیمی وتربیتی کفالت کا ایسا مناسب اور عمدہ بندوبست ہو کہ بچے ضائع نہ ہونے پائیں۔

بچے کو دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلے کسی ایسے شخص کی ضرورت

• صدر مدرس جامعہ مظہر العلوم بنارس۔

ہوتیہے ، جو اس کے ساتھ غایت درجہ شفقت ومحبت کا معاملہ کرے، اس کی جملہ ضروریات کا پوری فکر مندی کے ساتھ لحاظ کرے، اور اس کے لئے اپنے نہاں خانہ دل میں بے پناہ جذبۂ ہمدردی رکھے، اس تناظر میں دیکھا جائے تو اس اہم کام کی انجام دہی کے لئے ماں سے زیادہ مستحق کوئی اور نظر نہیں آتا، اسی وجہ سے شریعت مطہرہ نے بچے کی پرورش کا سب سے زیادہ حقدار ماں کو قرار دیا ہے، علامہ قرافی لکھتے ہیں:

''چونکہ پرورش کرنے میں بچوں کے زیادہ رونے اور ان کو پیش آنے والی کیفیات کی الجھنوں میں بے حد صبر کی، اور کمزوروں اور بچوں کے ساتھ نرمی برتنے پر ابھارنے والی رقت قلبی اور زیادتی شفقت کی ضرورت ہوتی ہے اور عورتیں ان تمام امور میں مردوں سے کافی فائق ہیں، اس لئے انہیں مردوں پر مقدم رکھا گیا '' (کتاب الفروق۳،۱۰۰۶)۔

اللہ تعالی نے قرآن کریم میں ماں کے حق پرورش کے تعلق سے ارشاد فرمایا ہے:

''لا تضار والدة بولدہا'' (البقرہ: ۲۳۳) (والدہ کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف نہ دی جائے)۔

علامہ جصاص رازی اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''احکام القرآن '' میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وفیہ دلالة علی أن الأم أحق بإمساک الولد ما دام صغیراً، وإن استغنی عن الرضاع بعد ما یکون مما یحتاج إلی الحضانة، لأن الحاجة إلی الأم بعد الرضاع کہی قبلہ، فإذا کانت فی حال الرضاع أحق بہ وإن کانت المرضعة غیرہا، علمنا فی کونہ عند الأم حقا لہا''(احکام القرآن۲،۱۰۷)۔

(اس میں اس پر دلالت ہے کہ بچہ جب تک چھوٹا ہے، ماں کو اپنے پاس روکنے کا زیادہ حق ہے، اگرچہ وہ دودھ پینے سے مستغنی ہوچکا ہو، اس لئے کہ اس کے بعد بھی پرورش کا محتاج رہتا ہے، کیونکہ رضاعت کے بعد بھی اسے پہلے ہی کی طرح ماں کی ضرورت ہوتی ہے، جب مرضعہ کوئی اور ہو، اس وقت بھی ماں حالت رضاعت میں بچے کی زیادہ حقدار ہے، تو معلوم ہوا کہ بچے کا ماں کے پاس رہنا ماں کا حق ہے)۔

نبی کریمﷺ نے بھی بچوں کی پرورش کے مسئلے کو کافی اہمیت دی ہے اور اس سلسلہ میں ماں کو حقدار بنایا ہے:

''عن ابن عمر أن امرأة قالت: یا رسول اللہ، إن ابنی ہذا کان بطنی لہ وعاء، وثدیی لہ سقاء وحجری لہ حواء، وإن أباہ طلقنی وأراد أن ینتزعہ منی، فقال لہا رسول اللہﷺ أنت أحق بہ ما لم تنکحی'' (سنن ابوداؤد۲،۲۸۳)۔

(ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے کہا، اے اللہ کے رسولﷺ،یہ میرا

بیٹا ہے جو میرے پیٹ میں ایک مدت تک رہا، میری پستان سے ایک زمانے تک دودھ پیا،میری گود میں پلاپڑھا، اس کے والد نے مجھے طلاق دیدی اور اس کو مجھ سے لینا چاہتا ہے، آپﷺ نے فرمایا: تم اس کی زیادہ حقدار ہو جب تک تم نکاح نہ کرلو)۔

اسی طرح بچوں کی پرورش کا ثبوت اجماع صحابہ سے بھی ہوتا ہے، چنانچہ جب حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی اہلیہ کو طلاق دی اور مسئلہ حضرت ابوبکرؓ کے سامنے آیا تو آپ نے بچے کی پرورش کے سلسلے میں صحابہ کرام کی موجودگی میں ماں کو حقدار بنایا، اور حضرت عمرؓ سے فرمایا: ''ریحہا ومسہا ومسحہا وریقہا خیر لہ من الشہد عندک'' (ماں کی مہک، اس کا چھونا، اس کا ہاتھ پھیرنا، اس کا تھوک، بچے کے لئے تمہارے شہد سے کہیں بہتر ہے) صحابہ نے اس بات پر سکوت فرمایا، کوئی نکیر نہیں فرمائی (تبیین الحقائق ۳،۴۷)۔

شریعت اسلامی میں بچوں کو ضائع ہونے سے بچانے کےلئے ان کی پرورش کو واجب قرار دیا گیا ہے، اور کسی نہ کسی کو اس کام کا کرنا لازم کردیا گیا، تاکہ بچوں کی بحسن وخوبی پرورش ہوسکے، الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

''پرورش شرعاً واجب ہے، اس وجہ سے کہ جس کی پرورش ہوتی ہے کبھی حفاظت نہ ہونے سے ہلاک ہوجاتا ہے، یا اسے نقصان پہنچ جاتا ہے، لہذا ہلاکت سے اس کا بچانا واجب ہوگا، چنانچہ پرورش کرنے والا صرف ایک ہو یا بچہ اس کے علاوہ کو قبول نہ کرتا ہو تو واجب عین ہوگا، اور اگر پرورش کرنے والے کئی ایک ہوں تو واجب کفایہ ہوگا '' (الموسوعۃ الفقہیہ۱۷،۳۰۰)۔

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے بچوں کی پرورش پر خاص دھیان دیا ہے اور ایسا جامع اور فطرت کے مطابق نظام بنایا ہے کہ بچوں کی صحیح ڈھنگ سے جسمانی، تعلیمی، اخلاقی اور ذہنی وفکری تربیت ہوسکے اور بچے کسی بھی حالت میں ضائع نہ ہونے پائیں، وہ اس طرح کہ جب تک بچے چھوٹے ہوں، ان کی پرورش ماں کے سپرد کی جائے اور جب بڑے ہونے لگیں تو انہیں باپ کے حوالے کردیا جائے، چنانچہ فقہاء کرام نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ بچہ جب تک از خود کھانے، پینے، کپڑا پہننے اور استنجاء کرنےکے لائق نہیں ہوجاتا، تب تک وہ ماں کے پاس رہے گا، اس لئے کہ عمر کے اس مرحلے میں اس کی دیکھ بھال ایک ما ں ہی کرسکتی ہے، اور جب بچہ اس مرحلے سے آگے بڑھ جائے تو اس کو زندگی گزارنے کے آداب جاننے کی ضرورت ہوتی ہے، اور اس کام کے لئے باپ سے بہتر اور موزوں کوئی اور نہیں ہوسکتا، اس اب اسے باپ کے حوالہ کردیاجائے گا، علامہ مرغینانی ''ہدایہ '' میں لکھتے ہیں:

''ماں او ردادی، بچے کی زیادہ حقدار ہیں،یہاں تک کہ وہ ازخود کھانے، پینے، کپڑا پہننے اور استنجاء کرنے لگے اور جامع صغیر میں ہے کہ یہاں تک کہ مستغنی ہوجائے

اور اپنے سے کھانے، پینے لگے، دونوں کا مطلب ایک ہے، اس وجہ سے کہ تمام استغناء، استنجاء پر قدرت سے ہوتا ہے، اس وجہ سے کہ جب وہ مستغنی ہوجائے گا تو اسے ادب سیکھنے اور مردوں کے آداب واخلاق اپنانے کی ضرورت ہوگی، اور باپ، ادب سکھانے اور تعلیم دینے پر زیادہ قادر ہوتا ہے، خصاف نے اکثریت کا لحاظ کرتے ہوئے استغناء کی تحدید سات سال سے کی ہے ''(ہدایہ۲،۲۸۴)۔

ملا علی قاری نے (مرقاۃ المفاتیح۶،۲۲۷۹)میں خصاف کی بات کو بھی مفتی بہ بتایا ہے۔

بچیوں کا معاملہ بچوں سے مختلف ہوتاہے، اس لئے ان کو ازخود کھانے،پینے، کپڑا پہننے اور استنجاء کرنے کی عمر میں ہونے کے بعد بھی ان کے مزاج ونفسیات اور طبعی وصنفی حالات کا لحاظ کرتے ہوئے حیض آنے تک ماں کے پاس ہی رکھا جائے گا، تاکہ انہیں نسوانی آداب کی معرفت ہوسکے، اور یہ ماں کے پاس رہنے کی صورت ہی میں صحیح ڈھنگ سے ممکن ہے، البتہ بالغ ہونے کے بعد اسے باپ کے سپرد کردیا جائے گا، تاکہ انہیں باپ کی نگرانی میں پورے طور پر تحفظ حاصل رہے، اور اس کے لئے باپ ہی زیادہ موزوں ومناسب ہے، ہدایہ میں ہے:

''والأم والجدة أحق بالجارية حتى تحيض لأن بعد الاستغناء تحتاج إلى معرفة أداب النساء والمرأة على ذلک أقدر، وبعد البلوغ تحتاج إلى التحصين والحفظ والأب أقوى وأهدى'' (ہدایہ۲،۲۸۴) (ماں اور دادی بچی کی زیادہ حقدار ہیں،یہاں تک کہ اسے حیض آجائے، اس وجہ سے کہ استغناء کے بعد اسے نسوانی آداب کی معرفت کی ضرورت ہوتی ہے، اور عورت اس پر زیادہ قادر ہے، اور بالغ ہونے کے بعد اسے تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے اور باپ اس پر زیادہ قدرت رکھتا ہے)۔

اسی کے ساتھ فقہاء کرام نے پرورش کرنے والوں کے لئے کچھ شرطیں مقرر کی ہیں، تاکہ بچوں کا پورے طور پر تحفظ ہوسکے، وہ عاقل، بالغ، آزاد، بچوں کے تئیں امانتدار اور قادر ہوں، یعنی زیادہ مریض یا زیادہ بوڑھے نہ ہوں، اور اگر پرورش کرنے والی عورت ہو تو کسی اجنبی شوہر کےساتھ اس کا عقد نہ ہوا ہو، علامہ ابن عابدین شامی نے رد المحتار میں علامہ رملی کےحوالہ سے تحریر فرمایا ہے:

''قال الرملی: ویشترط فی الحاضنۃ أن تکون حرۃ بالغۃ عاقلۃ أمینۃ، قادرۃ وأن تخلو من زوج أجنبی وکذا فی الحاضن سوی الشرط الأخیر'' (رد المحتار ۵،۲۵۳) (رملی نے کہا: پرورش کرنے والی عورت کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ آزاد، بالغ، عاقل، امانت دار،قادر ہونیز اس کی کسی اجنبی سے شادی نہ ہوئی ہو، اسی طرح اگر پرورش کرنے والا مرد ہو تو اس کے لئے بھی آخری شرط کے علاوہ بقیہ شرطیں لازم ہیں)۔

ان شرطوں کا حاصل یہ ہے کہ بچوں کو ضائع ہونے سے بچایا جاسکے، حتی کہ اگر کوئی عورت اس قدر نیک اور صالح ہے کہ محبت الٰہی میں غرق ہے، اور ہمہ وقت نماز میں

مشغول رہتی ہے، اسے بچے کی کوئی پروا نہیں رہتی، تو بچے کے تحفظ کی غرض سے اس کے صلاح وتقوی کے باوجود اس سے لے لیا جائے گا، رد المحتار میں ہے:

''اگر عورت نیک اور بے حد نمازی ہو، اور اس پر اللہ کی محبت وخوف کا غلبہ ہو، یہاں تک کہ اس کی وجہ سے وہ بچے سے غافل رہتی ہو، اور بچہ ضائع ہورہا ہو تو اس سے لے لیا جائے گا '' (رد المحتار۲۵۴،۵)۔

نیز اگر عورت فاسق وفاجر ہو اور بچے کے اس کے پاس رہنے میں اندیشہ ہو کہ اس کے دین وایمان کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے، تب بھی اس کے سپرد نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ پرورش کا بنیادی اور اہم مقصد بچے کو ضائع ہونے سے بہرحال محفوظ رکھنا ہے، رد المحتار میں ہے:

''إن الحاضنۃ إن کانت فاسقۃ فسقاً یلزم فیہ ضیاع الولد عندہا سقط حقہا'' (رد المحتار ۲۵۴،۵) (اگر پرورش کرنے والی عورت میں اس قدر فسق ہو کہ اس سے بچہ کا ضائع ہونا لازم ہوتو اس کا حق ساقط ہوجائے گا)۔

حاصلیہ کہ اگر پرورش کرنے والوں میں مطلوبہ شرطیں موجود ہوں تو پرورش کرنے کے مستحق ہونگے ورنہ نہیں۔

بچوں کی تعلیم کا مسئلہ:

اسلام نے تعلیم پر بے حد زور دیا ہے، اللہ تعالی نے قرآن کریم میں مختلف عنوان سے علم کی فضیلت اور اس کی اہمیت کو واضح فرمایا ہے، اور بتایا ہے کہ علم سے درجات بلند ہوتے ہیں، ارشاد خداوندی ہے:

''یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین أوتوا العلم درجات'' (المجادلہ: ۱۱) (اللہ بلند کرے گا ان کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں تم میں سے اور علم، ان کے درجات)۔

علامہ ابن حجر عسقلانی اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالی مومن عالم کو مومن غیر عالم پر بلند کرے گا، درجات کی بلندی سے فضل کا پتہ چلتا ہے، اس وجہ سے کہ اس سے مراد ثواب کی کثرت ہے، اور اس سے درجات بلند ہوتے ہیں '' (فتح الباری۵۹،۱)۔

نیز طلب علم کی اہمیت کو بتانے کے لئے اللہ تعالی کا واضح ارشاد ہے:

''فلو لا نفر من کل فرقۃ منہم طائفۃ لیتفقہوا فی الدین'' (التوبہ: ۱۲۲) (سو کیوں نہ نکلی ہر فرقہ میں سے انکی ایک جماعت تاکہ سمجھ پیدا کریں دین میں)۔

علامہ قرطبی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا:

''ہذہ أصل فی وجوب طلب العلم '' (تفسیر قرطبی۲۹۳،۸) (یہ آیت طلب علم کے واجب ہونے کے سلسلہ میں اصل ہے)۔

نبی کریم ﷺ نے علم کے طلب کرنے کو ہر مسلمان پر فرض قرار دیا ہے، آپ

نے ارشاد فرمایا: ‘‘طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم’’ (ابن ماجہ،۲۲۴) (علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے)۔

یہی وجہ ہے کہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اشتغال بالعلم، اشتغال بالنوافل سے بہتر ہے (فیض الباری۱،۱۶۲)۔

علم کی اسی اہمیت وفضیلت کے پیش نظر شریعت اسلامیہ میں والدین کے ذمہ یہ لازم قرار دیا ہے کہ وہ بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کریں اور اس سلسلہ میں کسی طرح کی غفلت نہ برتیں، اللہ تعالی نے بچوں کی تعلیم وتربیت کے تعلق سے ارشاد فرمایا ہے:

‘‘یا أیہا الذین آمنوا قوا أنفسکم وأہلیکم ناراً’’ (التحریم: ۶) (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ)۔

اس آیت کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ جصاص رازی رقم طراز ہیں:

‘‘ہذایدل علی أن علینا تعلیم أولادنا وأہلینا الدین والخیر وما لا یستغنی عنہ من الآداب’’ (احکام القرآن ۳،۶۲۴)(اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے اوپر اپنے بچوں اور دیگر اہل وعیال کو دین وخیر اور ناگزیر آداب کی تعلیم دینا واجب ہے)۔

نبی اکرمﷺ نے مختلف احادیث میں بچو نکی تعلیم وتربیت کی اہمیت بتائی ہے، آپ نے فرمایا:

‘‘ما نحل والد ولداً من نحل أفضل من أدب’’ (سنن ترمذی۳،۴۰۲) (والد کااولاد کے لئے سب سے بہترین عطیہ، ادب کی تعلیم ہے)۔

نیز آپ نے فرمایا:

‘‘لأنیودب الرجل ولدہ خیر لہ من أن یتصدق بصاع ’’ (سنن ترمذی۳،۴۰۱) (آدمی کا اپنی اولاد کو ادب سکھانا ایک صاع خیرات کرنے سے بہتر ہے)۔

اس سلسلہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر نے باپ کی ذمہ داری بیان کرتے ہوئے بہت ہی واضح اور چشم کشا بات کہی ہے، فرماتے ہیں:

‘‘اپنے بیٹے کو ادب سکھاؤ، اس لئے کہ تم سے تمہارے بیٹے کے بارے میں بازپرس ہوگی کہ تم نے اسے کیا ادب سکھایا اور کیا تعلیم دی، اور اس سے تمہارے ساتھ حسن سلوک اور فرمانبرداری کے بارے میں باز پرس ہوگی ’’ ۔

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے بچوں کی تعلیم وتربیت پر کافی زور دیا ہے، تاکہ ان کا مستقبل تابناک رہے، اور زندگی کے ہر گام پر کامیاب وکامراں نظر آئیں، اس لئے کہ بچپن کی عمر میں اگر انہیں تعلیم وتربیت سےآراستہ نہیں کیا گیا، اور اس سلسلے میں غفلت برتی گئی تو اس کے نتائج اچھے نہیں ہونگے، علامہ ابن قیم نے اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

‘‘جس شخص نے اپنے بچے کو اس کے لئے نفع بخش باتوں کی تعلیم نہیں دی اور

اسے یوں ہی چھوڑ دیا تو اس نے اس کےساتھ بہت برا کیا، اکثربچوں میں بگاڑ، والدین کیبے توجہی اور ان کے اپنے بچوں کو دین کے فرائض وسنن کی تعلیم نہ دینے کے سبب ہوتا ہے، انہوں نے بچوں کو صغر سنی میں ضائع کردیا جس کی وجہ سے بڑے ہوکر نہ انہوں نے اپنی ذات سے فائدہ اٹھایا اور نہ اپنے والدین کو نفع پہنچایا، جیسا کہ کسی نے اپنے بیٹے کو نافرمانی پر ملامت کی تو اس نے کہا: اے والد! آپ نے بچپن میں شفقت نہیں کی، میں نے بڑے ہوکر آپ کی نافرمانی کی، آپ نے مجھے بچپن میں ضائع کیا تو میں نے آپ کو بڑھاپے میں ضائع کیا " (تحفۃ المودود،۲۲۹)۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ باپ اپنے بچے کو قرآن، ادب اور علم سیکھنے پر مجبور کرسکتا ہے، درمختار میں ہے:

‘‘ولہ إکراہ طفلہ علی تعلم قرآن وأدب وعلم لفریضتہ علی الوالدین " (درمختار ۱۳۰،۶)(باپ اپنے بچے کو قرآن، ادب اور علم سیکھنے پر مجبور کرسکتا ہے، اس وجہ سے کہ یہ والدین پر فرض ہے)۔

اس لئے والدین کو چاہئے کہ بچوں کو دین کا اتنا علم ضرور دیں، جس کی بعد ازبلوغ انہیں ضرورت پیش آتی ہے۔

امام نووی لکھتےہیں:

‘‘علی الآباء والأمہات تعلیم أولادہم ما سیتعین علیہم بعد البلوغ فیعلمہ الولی الطہارۃ والصلاۃ والصوم ونحوہا، ویعرفہ تحریم الزنا واللواط والسرقۃ وشرب المسکر والکذب والغیبۃ وشبہہا، ویعرفہ أن بالبلوغ یدخل فی التکلیف ویعرفہ مایبلغ بہ وقیل ہذا العلم مستحب والصحیح وجوبہ وہو ظاہر نص الشافعی " (المجموع۱،۵۰)۔

(والدین پر اپنے بچوں کو ان باتوں کی تعلیم دینا ضروری ہے جو بالغ ہونے کے بعد ان پر لازم ہونگی، لہذا ولی ان کو طہارت نماز، روزہ، وغیرہ کی تعلیم دے، اور ان کو زنا، لواطت، چوری، شراب نوشی، جھوٹ، غیبت وغیرہ کی حرمت بتائے، اور یہ بھی بتائے کہ بالغ ہونے کے بعد وہ مکلف ہوجائے گا، نیز وہ چیزیں بھی بتائے جن سے وہ بالغ ہوجائے گا، کہا گیا ہے کہ یہ علم مستحب ہے، اور صحیحیہ ہے کہ یہ واجب ہے، امام شافعی کا ظاہری قول یہی ہے)۔

رد المحتار میں ہے:

‘‘إن الصبییینبغی أن یومر بجمیع المامورات وینہی عن جمیع المنہیات" (رد المحتار۵،۲) (مناسب ہے کہ بچے کو تمام مامورات کاحکم دیا جائے اور تمام منہیات سے روکا جائے)۔

اسی طرح بچوں کو دنیاوی علوم سے بھی واقف کرانا ضروری ہوتا ہے، جن کے ذریعہ روزمرہ زندگی کے جملہ امور بحسن وخوبی انجام پاسکیں، اور بچہ مستقبل میں ہر موڑ پر کامیاب رہے، اس لئے کہ دنیاوی علوم، مادی ترقی اور کسب معاش کا ذریعہ ہیں،

اور زمانے کے اعتبار سے ان میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

‘‘مناسب ہے کہ بچے کو دنیوی امور اور مستقبل میں کام آنے والی ضروری چیزوں مثلاً تیراکی وتیراندازی وغیرہ اور ان کے علاوہ ہر زمانے کے اعتبار سے نفع بخش باتوں کی تعلیم دے، حضرت عمرؓ نے کہا: اپنے بچوں کو تیراکی اور تیر اندازی سکھاؤ اور انہیں گھوڑے پر کود کر بیٹھنے کا حکم دو ’’ (الموسوعۃ الفقہیہ۱۲،۱۳)۔

اسی لئے فقہاء کرام نے فرض کفایہ علوم کی تعریف کی ہے کہ ان سے وہ علوم مراد ہیں جن کی دنیوی امور کی درستگی میں لازمی طور پر ضرورت پیش آتی ہو، اور اس میں طب اور حساب کے علاوہ تمام صنعت وحرفت کو شامل کیا ہے (رد المحتار ۱۲۶،۱)۔

موجودہ صورت حال میں مسلمانو نکو حدود شرع کے دائرے میں رہتے ہوئے عصری علوم کے حصول کے لئے ہرممکن کوشش کرنی چاہئے اور بچوں کو حتی الوسع اس سے بہرہ یاب ہونے کا موقع فراہم کرنا چاہئے۔

(۳) اگر حکومت کسی سطح تک کی تعلیم کو بچوں اور بچیوں کے لئے لازم قرار دیدے اور وہ شرعی اصول سے متصادم نہ ہو تو اس کی پابندی کی جائے گی، اس لئے کہ مباح امور میں امام کی اطاعت واجب ہے، علامہ ابن شامی نے شرح الجواہر کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے:

‘‘شرح الجواہر میں ہے: امام کی ان امور میں اطاعت کرنا واجب ہے جن کو دین نے مباح بتایا ہے، اور یہ وہ چیزیں ہیں جن کا نفع عام لوگوں کو پہنچتا ہے، جیسے دار الاسلام والمسلمین کی آباد کاری، اور وہ امور جو کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہوں ’’(رد المحتار ۶۷،۱۱)۔

ایک جگہ اور لکھتے ہیں:

‘‘لأن طاعۃ الإمام فیما لیس بمعصیۃ واجبۃ ’’ (رد المحتار ۵۳،۱) (اس وجہ سے کہ ان امور میں امام کی فرمانبرداری واجب ہے جو معصیت نہیں ہیں)۔

(۴) آج کل بعض حلقوں میں بچوں کو جنس کی تعلیم دینے کی بات کہی جارہی ہے، اگر اس سے مراد یہ ہےکہ دیگر مضامین کی طرح جنس کو بھی ایک مضمون کی حیثیت دے کر شامل نصاب کردیا جائے، تو درست نہیں ہوگا، اس وجہ سے کہ اس میں خدا معلوم جنس کے کن کن پہلوؤں کو اجاگر کیاجائے گا، جن سے بچو نکی فطری حیا متاثر ہوجائے گی، اور اشاروں، کنایوں میں کہی اور سمجھی جانے والی باتیں، برملا کہی جائینگی، جس کے مضر اثرات کا رونما ہونا لازم ہے، لہذا سداً للذریعہ اسے درست قرار نہیں دیا جائے گا۔

اور اگر اس سے مراد جنابت وغیرہ کے مسائل سے آگاہ کرنا ہے تو یہ مسائل کتب فقہ میں بصراحت موجود ہیں، جن سے عام قاری بھی تھوڑے سے مطالعے سے واقف ہوجاتا ہے، اور اگر کسی کو جنسی معلومات کی واقفیت ہی مطلوب ہے تو بڑے ہو کر مارکیٹ میں دستیاب

جنسی کتابوں سے حسب ضرورت اپنی معلومات میں اضافہ کرسکتا ہے۔

ج: بچوں، بچیوں کے نکاح کا مسئلہ:

بچوں اور بچیوں کے نکاح کے سلسلہ میں شریعت کا مزاج یہ ہے کہ جب بچے بالغ ہوجائیں اور ان کا مناسب رشتہ مل جائے تو اس میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے، نبی اکرمﷺ نے فرمایا:

''من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وأدبہ فإذا بلغ فلیزوجہ فإن بلغ ولم یزوجہ فأصاب إثماًفإنما إثمہ علی أبیہ'' (مشکوۃ۲،۲۷۱) (جسے بچہ پیدا ہو تو چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور بہتر ادب سکھائے اور جب بالغ ہوجائے تو اس کی شادی کردے، اور اگر بالغ ہونے کے بعد شادینہیں کی اور وہ کسی گناہ میں مبتلا ہوگیا تو اس کا گناہ باپ پر ہوگا)۔

نیز آپﷺ نے حضرت علیؓ کو مخاطب کرکے فرمایا:

''یاعلی! ثلاث لا توخرہا:الصلاۃ إذا أتت والجنازۃ إذا حضرت، والأیم إذا وجدت لہا کفواً'' (مشکوۃ۱،۶۱) (اے علی تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو، نماز جب اس کا وقت آجائے،جنازہ جب وہ حاضر ہوجائے، غیر شادی شدہ عورت جب کہ تم اس کا مناسب رشتہ پاجاؤ)۔

لیکن اگر باپ نے کسی مصلحت کے پیش نظر بچوں کا نکاح بحالت نابالغی کردیا ، تب بھی درست ہے، جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ کا نکاح نبی اکرمﷺ سے سات سال کی عمر میں کیا، حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں:

''إن النبیﷺ تزوجہا وہی بنت سبع سنین وزفت إلیہ وہو بنت تسع سنین'' (رواہ مسلم،مشکوۃ۲،۲۷۰) (نبی اکرمﷺ نے ان سے شادی کی جب کہ وہ سات سال کی تھیں، اور آپ کے پاس بھیجی گئیں جبکہ وہ نوسال کی تھیں)۔

اس حدیث کو نقل کرکے علامہ سرخسی لکھتےہیں:

''ففی الحدیث دلیل علی جواز نکاح الصغیر والصغیرۃ بتزویج الآباء'' (مبسوط ۴،۲۱۲) (اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ باپ کےشادی کرنے سے چھوٹے بچوں بچیوں کا نکاح جائز ہے)۔

علامہ ابن ہمام بچوں اور بچیوں کے نکاح کے جواز کی دلیل پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''بچے اور بچی کی شادی کرناجائز ہے، اگر ولی نے کیا ہو، اللہ تعالی نے فرمایا: ''واللائی لم یحضن'' اللہ تعالی نے چھوٹی بچی کے لئے عدت ثابت کی، جو اس کے شرعی نکاح کے ماننے کی بنیاد پر ہی ہوسکتا ہے '' (مرقاۃ۶،۲۰۶)۔

چھوٹی بچیوں کے نکاح کی صحت پر علامہ ابن حجر نے فتح الباری (۳،۳۱۹) میں، علامہ نووی نے شرح نووی علی مسلم (۹،۲۰۶) میں، علامہ عینی نے عمدہ القاری

(۱۲۶،۲۰) میں علماء کا اجماع نقل کیا ہے، علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع ۲۴۰،۲ میں اجماع صحابہ بتایا ہے، اس تعلق سے علامہ ابن بطال کی ‘‘صراحت اجماع ’’ ہدیہ قارئین ہے:

‘‘أجمع العلماء على أنه يجوز للآباء بتزويج الصغار من بناتهم وإن كن فى المهد إلا أنه لا يجوز لأزواجهن البناءبهن إلا إذا صلحن ’’ (شرح صحيح البخارى لابن بطال ۱۷۲،۲) (علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ باپ کےلئے اپنی چھوٹی بچیوں کی شادی کرنا جائز ہے، اگرچہ وہ گہوارے میں ہوں، مگر ان کے شوہروں کے لئے ان کے پاس جانا جائز نہیں ہے تاوقتیکہ وہ اس کے لائق نہ ہوجائیں)۔

البتہ بچی کو شوہر کے پاس اس وقت بھیجا جائے گا، جب ولی اور شوہر بچی کے نفع ونقصان کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی مناسب وقت طے کرلیں، لیکن اگر دونوں میں اختلاف ہوجائے تو صحیح قول کے مطابق اس کو اس وقت بھیجا جائے گا، جبکہ اس میں جماع کی طاقت ہوجائے۔

علامہ نووی تحریر فرماتے ہیں:

‘‘أما وقت زفاف الصغيرة المزوجة والدخول بها، فإن أنفق الزوج والولى على شئى لا ضرر فيه على الصغيرة عمل به، وإن اختلفا فقال أحمد وأبوعبيدة تجبر على ذلك بنت تسع سنين دون غيرها، وقال مالك والشافعى وأبوحنيفة حد ذلك أن تطيق الجماع ويختلف ذلك باختلافهن ولا يضبط بسن وهذا هو الصحيح ’’ (شرح النووى على مسلم ۲۰۶،۹، نیز دیکھئے: عمدة القارى۱۲۷،۲۰)۔

(رہا شادی شدہ چھوٹی بچی کے شوہر کے پاس روانہ کرنے کا وقت تو اگر شوہر اور ولی کسی بات پر متفق ہوجائیں اور اس میں بچی کے لئے کوئی ضرر نہ ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا اور اگر اختلاف ہوجائے تو امام احمد اور ابوعبیدہ نے کہا کہ نوسال کی بچی کو شوہر کے پاس جانے پر مجبور کیا جائے گا، اس سے کم عمر کو نہیں، اور اما م مالک، شافعی اور ابوحنیفہ نے کہا کہ اس کی حد یہ ہے کہ اس میں جماع کی طاقت ہوجائے، او ریہ بچیوں کے اعتبا رسے مختلف ہوتا ہے، اسے سن وسال کے ساتھ محدود نہیں کیا جائے گا اور یہی صحیح ہے)۔

امام شافعی اوران کے اصحاب نے کہا ہے کہ بچیوں کا نکاح بالغ ہونے کے بعد کرنا مستحب ہے:

‘‘جاننا چاہئے کہ امام شافعی اور ان کے اصحاب نے کہا کہ مستحب یہ ہے کہ باپ، دادا بچی کی شادی اس کے بالغ ہونے کے بعد اس سےاجازت لے کر کریں، تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس کی مرضی کے بغیر شوہر کے ہاتھ میں دیدیں ’’ (شرح النووی۲۰۶،۹)۔

حاصلیہ کہ بچوں اور بچیوں کا نکاح بحالت نابالغ درست ہے، البتہ بہتر ہے کہ

بالغ ہونے کے بعد کیا جائے، اور اس میں تاخیر نہ کی جائے۔

بچہ مزدوری کا مسئلہ:

اسلام نے بچوں کی پرورش، تعلیم وتربیت اور ان کی صحت وتندرستی کے لئے جو جامع نظام بنایا ہے، اس میں بچہ مزدوری کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی، کہ حالت صغر سنی میں ان سے مزدوری کا کام لیا جائے اور ایسے کاموں کا بوجھ ان پر لاد دیا جائے، جن کا تحمل کرنا ان کے بس میںنہیں ہے، اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

''لایکلف اللہ نفساً إلا وسعہا'' (البقرہ: ۲۸۶) (اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے)۔

اسی وجہ سے بچوں کا نفقہ والد کے ذمہ کردیاگیا، فتاوی ہندیہ میں ہے:

''نفقۃ الأولاد الصغار علی الأب لایشارکہ فیہا أحد'' (ہندیہ۱،۵۶۵) (چھوٹے بچوں کا نفقہ باپ پر ہے، اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہوگا)۔

حتی کہ اگر باپ تنگ حال ہے اور کمانے کی طاقت رکھتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ کما کر بچوں کا نفقہ ادا کرے، اور اگر وہ کما کر نفقہ ادا کرنے سے انکار کرے تو اسے اس پر مجبور کیا جائے گا، اور اگر کمانے پر قادر نہ ہو تو قاضی اس کی عورت سے کہے گا کہ شوہر کے نام پر قرض لے کر اخراجات پورے کرو اور جب وہ خوشحال ہوجائے تو اس سے لے لو (ہندیہ۱،۵۶۵)۔

اسی طرح اگر بچہ بڑا ہوگیا، مگر طلب علم میں مشغول ہونے کے سبب کمانے سے قاصر ہے، تب بھی اس کا نفقہ والدین پر واجب ہوتا ہے:

''وکذا طلبۃ العلم إذا کانوا عاجزین عن الکسب لا یہتدون إلیہ لا تسقط نفقتہم عن آبائہم إذا کانوا مشتغلین بالعلوم الشرعیۃ '' (ہندیہ۱،۵۶۵) ۔

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی کا مزاج بچوں سے صغر سنی کی حالت میں مزدوری کرانے کا نہیں ہے، مجبوری کی بات اور ہے۔

(۲) والدین، نابالغ بچے اور بچیوں سے اپنے گھر کا کام لے سکتے ہیں، اس لئے کہ بچوں پر والدین کی خدمت کرنا واجب ہے، الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

''أما خدمۃ الولد لوالدہ أو استخدام الأب لولدہ فجائز بلا خلاف، بل إن ذلک فی البر المأمور بہ شرعاً، ویکون واجباً علی الولد خدمۃ أو إخدام والدہ عند الحاجۃ '' (لڑکے کا اپنے والد کی خدمت کرنا یاباپ کا اپنے بیٹے سے خدمت لینا بالاتفاق جائز ہے، بلکہ یہ اس حسن سلوک میں داخل ہے جس کا شریعت نے حکم دیا ہے، اور لڑکے پر باپ کی خدمت کرنا یا باپ کا خدمت لینا بوقت ضرورت واجب ہے)۔

رد المحتار میں ہے:

‘‘صرحوا بأن الأب إذا كان مريضاً أو بہ زمانۃیحتاج إلی الخدمۃ فعلی ابنہ خادمہ فکذا الابن ’’ (رد المحتار ۶۱۲،۳) (علماء نے صراحت کی ہے کہ اگر باپ مریض ہویا اسے مزمن مرض لاحق ہو او راسے خدمت کی ضرورت ہو تو بیٹے پر اسکا خادم لازم ہے اس طرح وہ خود بھی خدمت کرسکتا ہے)۔

یعنی والدین ان تمام امور میں بچوں سے کام لے سکتے ہیں، جو از قبیل خدمت ہیں، اس لئے کہ بیٹے پر باپ کی خدمت کرنا شرعی حق ہے، اور عرف میں اس کا مطالبہ ہوا کرتا ہے، نیز عدم خدمت والدین کی نافرمانی ہے جو حرام ہے، اس لئے عرف میں جو چیزیں خدمت کے زمرے میں آتی ہیں، والدین انہیں کراسکتے ہیں۔

اگر بچہ کمانے کی عمر کو پہنچ جائے تو باپ اسے مزدوری کےکام میں لگا سکتا ہے، فتاوی ہندیہ میں ہے:

‘‘والذکور من الأولاد إذا بلغوا حد الکسب ولم یبغلوا فی أنفسہم یدفعہم إلی عمل لیکتسبوا أویواجرہم وینفق علیہم من أجرتہم وکسبہم’’ (ہندیہ۵۶۵،۱، رد المحتار ۶۱۳،۳) (بچے جب کمانے کی حد کو پہنچ جائیں اور فی نفسہ وہ بالغ نہ ہوئے ہوں تو انہیں باپ کسی کام میں لگا سکتا ہے، کہ ان کی اجرت وکمائی سے ان پر خرچ کرے)۔

بدائع الصنائع میں ہے:‘‘باپ اپنے چھوٹے بچے کو کسی کام میں اجیر بنا سکتا ہے، اس وجہ سے کہ اس کی چھوٹے پر ولایت، خود اس کے اوپر ولایت کی طرح ہے، اس وجہ سے کہ اس کی بچے پر شفقت، خود اس کے اوپر شفقت کی طرح ہے، وہ اپنے کو اجیر بنا سکتا ہے تو اپنے بیٹے کو بھی بناسکتا ہے، اس لئے کہ اس میں بچے کے لئے شفقت ہے، دوطرح سے .... دوسرے یہ کہ اس کوپیشوں میں اجیر بنانا، اس کو سنوارنے ، ادب سکھانے، اور تربیت دینے کے قبیل سے ہے، اور اس میں بچے کےلئے شفقت ہے، لہذا باپ اس کا مالک ہوگا ’’ (بدائع ۱۷۸،۴)۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ باپ بچوں کو حسب ضرورت ومصلحت ایسے کام میں اجیر بناسکتا ہے جو اس کے بس میں ہو، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اپنی معیشت درست کرنے اور اپنےحالات بہتر بنانے کے لئے مزدوری کرائے، جبکہ یہ عمران کے بننے، سنورنے اور مستقبل کے لئے تیار ہونے کی ہے۔

والدین کو چاہئے کہ اس عمر میں ان امور کو سکھانے کی کوشش کریں جو ان کو مستقبل میں کام آئیں،اس سلسلہ میں اگر مزدوری کرانا بھی ضروری سمجھتے ہوں تو وہ بھی درست ہوگا۔

اسی طرح بچوں کو کسی پیشہ ورانہ کام سکھانے کے لئے کام میں لگایا جاسکتا ہے، رد المحتار میں ہے:

‘‘لہ دفعہا لامرأۃ تعلمہا حرفۃ کتطریز وخیاطۃ مثلاً ’’ (رد المحتار ۶۱۲،۳) (باپ بچی

کو کسی عورت کے پاس پیشہ ورانہ کام سیکھانے کے لئے بھیج سکتا ہے، جیسے کشیدہ کاری اور سلائی وغیرہ)۔

جیسا کہ بدائع (۱۷۸،۴) سے بھی اس بات کی جانب واضح اشارہ ملتا ہے کہ باپ حسب مصلحت بچوں کو صنعت وحرفت کے کاموں میں لگا سکتا ہے۔

حالت غربت میں بچوں سے مزدوری کرانے کا مسئلہ:

بعض دفعہ والدین بے حد عسرت وتنگدستی میں رہتے ہیں، نہ خود کمانے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ حکومتی سطح پر ان کی امداد ہوتی ہے تو علامہ شامی نے ذخیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایسی صورت میں لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرکے بچوں کا نفقہ پورا کرے۔

''اگر باپ مزمن مریض یا اپاہج ہونے کے سبب کمانے سے عاجز ہو تو لوگوں سے مانگ کر بچوں پر خرچ کرے گا '' (رد المحتار ۳۳۷،۵)۔

اور اگر یہ بھی نہ ہوسکے، اور اقرباء کی جانب سے بھی نفقہ کی کوئی صورت نہ نکلتی ہو تو باپ اپنے چھوٹے بچوں کو مزدوری کے کام میں لگاسکتا ہے، یہ دیکھتے ہوئے کہ یہ کام اس کے بس کا ہے اور وہ کمانے کی پوزیشن میں ہے، رد المحتار میں ہے:

''فإن بلغہ کان للأب أن یواجرہ أو یدفعہ فی حرفۃ لیکتسب وینفق علیہ من کسبہ'' (رد المحتار ۶۱۳،۳) (اگر بچہ کمانے کی حد کو پہنچ جائے تو باپ اس سے مزدوری کا کام لے سکتا ہے یا کسی پیشہ ورانہ کام کے لئے بھیج سکتا ہے، تاکہ وہ کمائے اور یہ اس کی کمائی سے اس پر خرچ کرے)۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

''باپ، دادا اور ان کے وصی اگر چھوٹے بچے کو کسی ایسے کام میں مزدور بنائیں جس کو وہ کرسکتا ہو تو جائز ہے '' (فتاوی ہندیہ۴۳۶،۴)۔

حاصلیہ کہ بچوں کو صغر سنی کی حالت میں والدین اپنی انتہائی غربت وافلاس کے سبب جب کہ کوئی دوسرا حل نہ ہو تو مزدوری کےکام میں لگا سکتے ہیں۔

بچوں کے جرم وسزا کا مسئلہ:

شریعت نے جرائم کے سد باب کے لئے حدود وتعزیرات کا ایک جامع، نفع بخش اور دور رس نتائج پر مبنی موثر قانون بنایا ہے، تاکہ معاشرے میں پنپنے والے جرائم کا قلع قمع ہوسکے، تاریخ شاہد ہے کہ ان قوانین کے نفاذ سے جرائم کا انسداد نادر المثال حد تک ہوا ہے۔

اسلام میں ان حدود شرعیہ کا نفاذ عاقل وبالغ افراد پر ہوتا ہے، نابالغ اور مجنون پر نہیں ہوتا، اس وجہ سے کہ وہ شرعی احکام کے مکلف نہیں ہوتے، جبکہ احکام شرعیہ کے اجراء کے مکلف ہونا ضروری ہے، علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

‘‘فلا تکلیف علیہ بشئی من العبادات حتی الزکاۃ عندنا، ولا بشئی من المنہیات، فلا حد علیہ ولو فعل شیئاً منہا، ولا قصاص علیہ وعمدہ خطأ ’’ (الاشباہ والنظائر ۲۶۳،۱) (بچہ کسی بھی عبادت کا مکلف نہیں ہے، حتی کہ ہمارے نزدیک زکوۃ کا بھی، اسی طرح منہیات کا بھیمکلف نہیں ہے، اسی لئے اگر وہ کسی منہیات کا ارتکاب کرتا ہے تو اس پر حد نہیں ہے اور نہ اس پر قصاص ہے، اس کا عمد، خطا ہے)۔

اس لئے کہ نبی اکرمﷺ نے ارشاد فرمایا:

‘‘رفع القلم عن ثلاثۃ: عن النائم حتییستیقظ، وعن الصبی حتییحتلم، وعن المجنون حتییعقل’’ (سنن ابو داؤد ۱۴۱،۴) (تین شخص مرفوع القلم ہیں، سویا ہوا شخص یہاں تک کہ بیدار ہوجائے،بچہ یہاں تک کہ بالغ ہوجائے ، مجنون یہاں تک کہ عاقل ہوجائے)۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ارتکاب جرائم کے تعلق سے بچے آزاد ہیں، جو چاہیں کریں، ان سے کسی طرح کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ شریعت میں ان جرائم کے سد باب کے لئے تعزیرات کا نظام ہے، ایسا نہیں ہے کہ بچہ سمجھ کر انہیں نظر انداز کردیا جائے گا۔ درمختار میں ہے:

‘‘الصغر لا یمنع وجوب التعزیر فیجری بین الصبیان ’’ (درمختار ۱۳۰،۶) (صغر سنی، وجوب تعزیر کے لئے مانع نہیں ہے، لہذا یہ بچوں میں بھی جاری ہوگا)۔

اس لئے اگر کسی بچے سے کوئی غلطی ہوتی ہے تو اس کی زجر وتوبیخ کے لئے اس پر تعزیری کارروائی کی جائے گی، الاشباہ والنظائر میں بھی اس کی صراحت موجود ہے:

‘‘ویقام التعزیر علیہ تأدیباً ’’(الاشباہ والنظائر ۲۶۵،۱) (بچے پر تعزیر تادیباً جاری کی جائے گی)۔

البحر الرائق میں ہے:

‘‘بچے کو تادیباً قید کیا جائے گا، یہاں تک کہ اس طرح کے امو رپر پھر جسارت نہ کرسکے، جبکہ اس نے سبب تعدی کو بالقصد اختیار کیا ہو، اور اگر خطا ہو تو نہیں ’’ (البحر الرائق ۳۱۵،۶، مبسوط ۹۱،۲۰)۔

اس تادیبی کارروائی کا مقصد یہ ہے کہ بچے کا قدم غلط حرکتوں کی طرف آئندہ نہ بڑھ سکے، چنانچہ تاجر بچے کو قید کئے جانے کے تعلق سے علامہ ابن نجیم نے اپنی کتاب البحر الرائق میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے، لکھتے ہیں:

‘‘قاضی (صبی تاجر) کو عقوبۃً نہیں تادیباً قید کرسکتا ہے، یہاں تک کہ حقوق العباد میں ٹال مٹول نہ کرے، اس وجہ سے کہ بچے کو سزا اسی لئے دی جاتی ہے کہ وہ مذموم حرکتوں سے باز آجائے ’’(البحر الرائق ۳۱۵،۶)۔

اسی طرح کتب فقہ میں صراحت ہے کہ بچوں کی مجرمانہ حرکتوں کو یکسر نظر

انداز نہیں کیا جائے گا، چنانچہ بچے کی جنایت پر دیت کا وجوب (الدر المختار ۵۸۳،۶)، دوسرے کے مال کو تلف کرنے پر لزوم ضمان (مجلۃ الاحکام العدلیہ۱۸۶،۱) اور اگر وہ جان وآبرو پر زبردستی کرتے ہوں او ربغیر قتل کئے انہیں اس سے باز بھی نہیں رکھا جاسکتا ہو تو ان کے قتل کرنے کا فیصلہ (الفروق ۲۸۴،۴) واضح کرتا ہے کہ بچے شرعی نقطہ نظر سے گرچہ اہل عقوبت میں سے نہیں ہیں، تاہم ان کی مجرمانہ سرگرمیوں اور مذموم حرکتوں پر قدغن لگانے کے لئے تادیبی کارروائی کی جائے۔

بچوں کی جیل کا مسئلہ:

اسلام نے جرائم کے سد باب کے لئے جیلوں کا نظام بنایا ہے، اور وہاں کے کچھ اصول وضوابط طے کئے ہیں تاکہ مجرمین کو قرار واقعی سزا تو ضرور ملے مگر ان کے ساتھ زیادتی بھی نہ ہو، چنانچہ انہیں ادائیگی نماز کی اجازت، خوردونوش اور علاج ومعالجہ کی سہولت دی جائے گی، سفہا، بدکار اور فسادی لوگو نکے پاؤں میں بیڑی ڈالی جائے گی(رد ۱۱۶،۶)۔ مگر مدیون کو نہ مارا جائے گا، نہ بیڑی ڈالی جائے گی، نہ ہتھکڑی پہنائی جائے گی، نہ اسے ننگا کیا کیا جائے گا، نہ اس سے مزدوری لی جائے گی، اور نہ اس کو صاحب حق کے سامنے بطور اہانت کھڑا کیا جائے گا (البحر ۳۸۳،۶) ، نیز قیدی کی رضامندی کے بغیر اس سے مزدوری کا کا م بھی نہیں لیا جائے گا (البحر ۲۸۳،۶)، یہ اور اس طرح کے بہت سارے حقوق، قیدیوں کے تعلق سے کتب فقہ میں بصراحت موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے مجرم کو قید خانے میں بھیج کر ان کی اصلاح کرنی چاہی ہے، اس کا مقصد ذلیل ورسوا کرنا نہیں ہے۔

رہا مسئلہ بچو نکا تو ان کی جیل علیحدہ ہونی چاہئے، تاکہ بڑوں کے ساتھ رہ کر وہ مزید نہ بگڑ جائیں، اور غیر شعوری طور پر ان کی ذہنیت فاسد نہ ہوجائے، الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

‘‘تدل أكثر النصوص على أن يكون حبس الحدث فى بيت أبيه أو وليه على أنه يجوزحبسه فى السجن إلا إذا خشى عليه ما يفسده فيتوجب حبسه عند أبيه لا فى السجن” (الموسوعۃ الفقہیہ۳۱۸،۱۶) (اکثر نصوص سے پتہ چلتا ہے کہ نو عمر کو اس کے والد یا ولی کے گھر میں قید کیا جائے گا، اس کے ساتھ اس کو قید خانے میں قید کرنا بھی جائز ہے، الا یہ کہ اس بات کا اندیشہ ہو کہ وہ بگڑ جائے گا تو اس قید خانے کےبجائے اس کےوالد کے پاس کرنا واجب ہوگا)۔

اس لئے بچوں کے قید خانے میں نہ مشقت کا کام لیا جائے، نہ انہیں زیادہ مارا پیٹا جاسکتا ہے، اور نہ انہیں قیدیوں کے عمومی حقوق سے مستثنیٰ کیا جائے، بلکہ مناسب یہ ہے کہ ان کی ذہنی وفکری اصلاح کے لئے ان سے وعظ ونصیحت کی باتیں کی جائیں، اوران کے ذہن میں اعمال حسنہ کی اہمیت وفضیلت اور اعمال قبیحہ کی شناعت وقباحت

بٹھائی جائے تاکہ ان کی سوچ، مثبت ہوجائے اور منفی سرگرمیوں سے ہمیشہ کے لئےدور رہیں۔

بے سہارا بچوں کی کفالت کا مسئلہ:

اسلام نے لاوارث اور بے سہارا افرادکے تعاون اور ان کی دستگیری کی بہت تاکیدفرمائی ہے، اس لئے اگر کہیں ایسے بچے پائے جائیں جن کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ تو ان کی کفالت کرنا، اسلامی معاشرےکی شرعی واخلاقی ذمہ داری ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''من أحیاہا فکأنما أحیا الناس جمیعاً'' (المائدہ: ۳۲) (اور جس نے زندہ رکھا ایک جان تو گویا زندہ کردیا سب لوگوں کو)۔

دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

''وما تفعلوا من خیر فإن اللہ بہ علیم'' (البقرہ: ۲۱۵) (اور جو کچھ کروگے تم بھلائی سو وہ بےشک اللہ کو خوب معلوم ہے)۔

''وتعاونواعلی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان '' (المائدہ: ۲) (اور آپس میں مددکرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور مد د نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر)۔

چنانچہ اگر لاوارث وبے سہارا بچے کہیں پائے جائیں اور ظن غالب ہے کہ اگر انہیں وہاں سے نہ اٹھالیا گیا تو وہ ضائع ہوجائینگے، تو ایسے بچوں کو اٹھا لینا واجب ہوگا ورنہ مستحب۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

''ایسے بچے کو اٹھالینا مستحب ہے اور اگر ظن غالب ہو کہ وہ ضائع ہوجائے گا، مثلاً وہ پانی مینیا درندے کےسامنے ملا ہو تو واجب ہے '' (فتاوی ہندیہ۲،۲۸۵)۔

تبیین الحقائق میں ہے:

''یہ مستحب ہےاگر غالب رائے یہ ہے کہ وہ ہلاک نہیں ہوگا، بایں طور کہ وہ شہر میں ملا ہو، اور فرض ہے اگر ظن غالب ہو کہ وہ ضائع ہوجائے گا، اور وہ فرض کفایہ ہے اگر کوئی دوسرا بھی اس کی دیکھ ریکھ کرنے والا ہو، اس لئے کہ اصل مقصود حفاظت ہی ہے '' (تبیین الحقائق ۳،۲۹۷)۔

اور اس طرح کے بچوں کے اخراجات بیت المال کے ذمہ ہونگے، تبین الحقائق میں ہے:

''ونفقتہ فی بیت المال، روی ذلک عن عمر وعلی رضی اللہ عنہما، ولأنہ عاجزمحتاج لا مال لہ ولا قریب، ومال بیت المال معدللصرف إلی مثلہ'' (تبیین الحقائق۳،۲۹۷) ۔

(اس کا نفقہ بیت المال کے ذمہ ہوگا، یہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے مروی ہے اور اس وجہ سے کہ وہ عاجز ومحتاج ہے، نہ اس کے پاس مال ہے اور نہ اس کا کوئی رشتہ دار، او ربیت المال کا مال اس طرح کے لوگوں پر خرچ کرنے کے لئے رکھا گیا

ہے)۔

اگر اتفاق سے بیت المال میں پیسے نہ ہوں، یا ایسی جگہ ہو جہاں امام المسلمین نہ ہو، اور اس کے پاس کچھ موجود بھی نہ ہو تو عام مسلمانوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اس طرح کے بے سہارا، لاوارث اور غریب ونادار بچوں کے اخراجات برداشت کریں، المغنی میں ہے:

''اگر بیت المال سے اس میں مال نہ ہونے کے سبب خرچ کرنا متعذر ہو، یا ایسی جگہ ہو کہ وہاںامام نہ ہو یا اس کو کچھ دیا نہ گیا ہو تو جس مسلمان کو معلوم ہواس پر خر چ کرنا واجب ہے، اس وجہ سے کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ''وتعانوا علی البر والتقوی '' اور اس وجہ سے کہ اس پر خرچ نہ کرنے سے وہ ہلاک ہوجائے گا اور اس کا ہلاکت سے بچانا واجب ہے '' (المغنی لابن قدامہ ۱۱۵،۶)۔

اس طرح کے پائے ہوئے بے سہارا بچے شریعت کی نگاہ میں آزاد متصور ہوتے ہیں اور انہیں حق ہوتا ہے کہ تمام انسانی حقوق سے پورے طور پر مستفید ہوں، اور کفالت کرنے والے افراد کا بھی شرعی واخلاقی فرض بنتا ہے کہ اس کی اس انداز سے تربیت کریں کہ انہیں خاندانی ماحول فراہم ہو اور تعلیم وتربیت سے آراستہ ہوکر کامیاب زندگی گزاردیں۔ علامہ طبرانی نے اپنی کتاب ''مکارم الاخلاق '' میں ''باب فضل تربیۃ المنبوذین والانفاق علیہم حتییکبروا '' کے تحت حضرت عائشہؓ سے مروی ایک حدیث نقل کی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرمﷺ نے لاوارث بچوں کی تعلیم وتربیت پر کس قدر زور دیا ہے، آپﷺ نے فرمایا:

''من ربی صغیراً حتییقول لا إلہ إلا اللہ لم یحاسبہ اللہ عزوجل'' (مکارم الاخلاق۳۵۳،۱) (جس شخص نے کسی چھوٹے بچے کی تربیت کییہاں تک وہ کہے لا الہ إلا اللہ تو اللہ تعالی اس سے محاسبہ نہیں کرے گا)۔

بچوں کو دوسروں کے حوالہ کرنے کا مسئلہ:

شرعی نقطہ نظر سے متبنی بنانا درست ہے، لیکن اگر کسی نے حد درجہ غربت وافلاس کے سبب اپنے بچے کو دوسرے کے حوالہ کرکے اس سے بے تعلق ہوگیا تو یہ درست نہیں معلوم ہوتا، اس وجہ سے کہ کچھ تعلقات تو بہرحال باقی رہتے ہیں، جنہیں منقطع نہیں کیا جاسکتا، جیسے حق ولایت، نسب، محرمیت، وراثت وغیرہ، پھر اگر اسے کسی اجنبی گھرانے کے حوالہ کیا گیا تو بالغ ہونے کے بعد غیر محرم سے پردے کا مسئلہ بھی درپیش ہوگا، اس وجہ سے کہ متبنی کی حیثیت صلبی اولاد کی نہیں ہوتی۔

اور اگر بچہ حوالہ کرنے والا، بچہ حاصل کرنے والے سےہدیہ قبول کرتا ہے تو یہ بھی درست نہیں ہوگا، اس وجہ سے کہ گویا وہ بچے کے عوض ایک رقم وصول کررہا ہے

جو ایک طرح کی بیع کی صورت ہے، اور انسان کی بیع درست نہیں ہے، علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

''إنما حرم بيع الإنسان لأنه ليس بمملوک'' (المغنی۶،۳۶۴) (انسان کی بیع حرام ہے، اس وجہ سے کہ وہ مملوک نہیں ہے)۔

یہ سچ ہے کہ کبھی کبھی انسان کی عسرت وتنگدستی اس درجہ بڑھ جاتی ہے کہ وہ اپنے لخت جگر کو بھی اپنی نظروں سے اوجھل کرنے پر راضی ہوجاتا ہے، بلاشبہ یہ بہت بڑا المیہ ہے، اس سلسلہ میں والدین کو چاہئے کہ باحوصلہ زندگی گزاریں اور دائرہ شریعتمیں رہتے ہوئے طلب معاش کی کوشش کریں، نبی اکرمﷺ نے فرمایا:

''إن أحدكم لن يموت حتييستكمل رزقه فلا تستبطئوا الرزق واتقوا الله، أيها الناس فاجملوا فی الطلب خذوا ما حل ودعوا ما حرم'' (القضاء والقدر للبيہقی۱،۲۰۸۰) (تم میں سے کسی کی موت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ وہ اپنا رزق پورا نہ کرلے، لہذا یہ نہ سمجھو کہ رزق دیر میں آئے گا، اے لوگو! اللہ سے ڈرو، اور خوبی کے ساتھ اسے طلب کرو، جو حلال ہو اسے لے لو اور جو حرام ہے اسے چھوڑ دو)۔

نیز اصحاب خیر کو اس جانب متوجہ ہونے کی ضرورت ہے کہ معاشرے کے غریب ونادار اور پریشان حال افراد کی خبرگیری کریں، اور ان کی حسب ضرورت مدد کرتے رہیں، نبی اکرمﷺ نے مسلمانوں کی مدد کرنے کی تاکید فرمائی ہے، آپ نے فرمایا:

''من نفس عن مومن كربة من كرب الدنيا نفس الله عنه كربة من كرب يوم القيامة.... والله فی عون العبد ما كان العبد فی عون أخيه'' (صحيح مسلم۴،۲۰۷۴) (جو شخص کسی مومن کی کوئی دنیوی مصیبت کو دور کرے گا، اللہ تعالی قیامت کے دن اس کی کوئی مصیبت دور فرمائینگے.... اللہ تعالی بندے کی مدد فرماتےہیں، جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے)۔

یہ واقعہ ہے کہ اگر اسلام کا نظام تکافل اسلامی معاشرے میں عام ہوجائے تو اس طرح کے واقعات وحالات کا پورے طور پر خاتمہ ہوجائے، اور معاشرے کی بہت ساری الجھنیں ازخود کافور ہوجائیں۔

بچوں کے علاج کا مسئلہ:

اگر بچے کسی بیماری میں مبتلا ہوں تو والدین کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ان کے حفظان صحت کا معقول نظم، اور ان کے علاج ومعالجہ کا مناسب بندوبست کریں، نبی اکرمﷺ نے علاج کرنے اور ازالہ مرض کی طبی تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، آپ نے فرمایا:

''يا عباد الله تداووا فإن الله لم يضع داءا إلا وضع له شفاء اً'' (سنن ترمذی۴،۳۸۳) (اے

اللہ کے بندو ! علاج کرو اس لئے کہ اللہ تعالی نے کسی مرض کو نہیں بنایا مگر یہ کہ اس کے لئے شفا بھی بنائی)۔

نیز آپ ﷺ نے بچو نکے امراض کے تعلق سے حد درجہ فکر مندی فرمائی ہے، اور ان کے علاج پر نہ صرف یہ کہ زور دیا ہے، بلکہ ان کی نفع بخش اور موثر دوا کی نشاندہی بھی فرمائی ہے، حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے پاس ایک بچہ تھا جس کی ناک سے خون ٹپک رہا تھا، آپ تشریف لائے تو پوچھا، اس بچے کو کیا ہوگیا؟ حضرت عائشہؓ نے کہا: اسے عذرہ (درد حلق) کا مرض ہے، آپ نے فرمایا: تم عورتیں بھی عجیب ہو، تم اپنے بچوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو، جب کسی عورت کو عذرہ یا درد سر ہو تو اسے عود ہندی استعمال کرنا چاہئے، چنانچہ حضرت عائشہؓ نے آپ کے حکم سے ایسا کیا تو وہ بچہ شفایاب ہوگیا '' (مستدرک حاکم ۲۲۸،۴)۔

اس لئے والدین کا دینی فریضہ ہے کہ بچوں کی دیگر ضروریات زندگی کی طرح ان کی جسماجی وذہنی صحت کا بھی خیال رکھیں، اور خدانخواستہ کسی مرض میں گرفتار ہوجائیں تو ان کے علاج کی فکر کریں اور ان کی نگہداشت میں غفلت سے کام نہ لیں، اس لئے کہ یہ ان کی دینی واخلاقی ذمہ داری ہے جس کے بارے میں عند اللہ بازپرس ہوگی، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''الرجل راع علی أہل بیتہ وہو مسئول عن رعیتہ، والمرأۃ راعیۃ علی بیت زوجہا وولدہ وہی مسئولۃ عنہم'' (متفق علیہ،مشکوۃ۲،۳۲۱) (آدمی اپنے اہل خانہ کا نگراں ہے، او راس سے اس کے ماتحت کے بارے میں باز پرس ہوگی، عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے لڑکے کی نگراں ہے اور اس سے ان کے بارے میں باز پرس ہوگی)۔

لیکن اگر والدین ملازمت یا کسی دیگر مصروفیت کے سبب بچوں کی دیکھ ریکھ سے قاصر ہوں اور انہیں کسی اسپتال میں داخل کرکے ان کے علاج ونگہداشت کا مناسب نظم کردیں، تو درست ہوگا، اور اسے والدین کی جانب سے غفلت اور ذمہ داری سے فرار تصور نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس صورت حال میں اسے اچھا عمل اور مستحسن قدم قرار دیا جائے گا، البتہ والدین کو چاہئے کہ حسب موقع اسپتال جاکر ان کی دل جوئی اور خبر گیری کرتے رہیں، تاکہ ان کی دلبستگی ہوتی رہے، اس لئے کہ بچوں کو والدین کی شفقت بھری نگاہ کی ہر آں ضرورت ہوتی ہے، بالخصوص حالت مرض میں۔

پھریہ سلسلہ علاج اس وقت تک جاری رہے گا جب تک مر ض زائل نہ ہوجائے، اس لئے کہ علاج کی کوئی حد نہیں ہے، فتاوی دار العلوم میں ہے:

''علاج کے لئے کوئی حد شرعی نہیں ہے، جب تک مرض کا ازالہ نہ ہو اس وقت تک دوا کرنا مسنون ہے '' (فتاوی دار العلوم ۲۰۹،۱۶)۔

ظاہر ہے کہ جب تک بچہ نابالغ ہے اس وقت تک اس کا نفقہ باپ کے ذمہ ہے، اور جب بڑا ہوگیا اور بیماری کے سبب کمانے سے عاجز ہے تو اس وقت بھی اس کا نفقہ باپ ہی کے ذمہ رہتا ہے، رد المحتار میں ہے:

''اسی طرح نفقہ انثی علی الاطلاق کی طرح اس کے بڑے لڑکے نفقہ بھی اس پر واجب ہوگاجو کمانے سے عاجز ہو اور کسی مزمن مرض میں گرفتار ہو، یہاں اس سے مراد وہ مرض ہے جس کی وجہ سے وہ کما نہ سکے '' (رد المحتار ۶۱۴،۳)۔

***

بچوں کے حقوق – اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی•

بچوں کے حق پرورش (حق حضانت) کے سلسلے میں اسلام کی بنیادی ہدایات :

اسلام ایک مکمل خدائی قانون نظام ہے جوحیات اور مابعدالحیات کے تمام گوشوں پر محیط ہے، اس نے کسی گوشے کو تشنہ اور ادھورا نہیں چھوڑا ہے، جس سے صالح زندگی کی تعمیروتشکل رک جائے اورانسانی مقاصد حیات ضائع ہوکر رہ جائیں، اس سلسلے میں بچے کی مصالح حیات کی تکمیل کے لئے حق پرورش کوتین جہات میں تقسیم کیا گیا ہے:

(۱) بچہ، (۲)پرورش کرنے والی ماں،دادی،نانی، (۳) پھرباپ۔

اسلام میں بچوں کے حق پرورش کے لئے پرورش کرنے والی ماں یادیگر مستحق پرورش افراد کا (۱)مسلمان ہونا۔(۲) صاحب عقل وخرد ہونا۔(۳) بالغ اور باخبر ہونا۔(۴)بچہ کی جسمانی اور اخلاقی تربیت کی صلاحیت رکھنا۔ (۵) بچہ کی نشو ونما اور صحیح دیکھ بھال میں امانت دارہوناتاکہ گھر سے باہر کی مصروفیت میں بچہ ضائع نہ ہو۔ (۶)صاف ستھرے اورصحت بخش مکان میں پرورش کرنا۔(۷) ذی رحم محرم ہونا۔(۸)مطلقہ ہونے کی صورت میں کسی اجنبی شخص کے نکاح میں نہ ہونا۔جوبچے کا ذی رحم محرم نہ ہو۔(۹)کھلی بدچلنی میں مبتلانہ ہونا۔(۱۰)اسلام سے خارج (مرتدہ) نہ ہونا۔

واضح رہے کہ مسلمان ہونے کی شرط مالکیہ ،حنابلہ ،شافعیہ کے مذہب میں مردعورت دونوں کے لئے اور مذہب حنفیہ میں صرف مرد کیلئے ہے (الموسوعۃ الفقہیہ۱۷؍۳۰۵)۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

''ویشرط فی الحاضنۃ أن تکون حرۃً بالغۃً عاقلۃً أمینۃ قادرۃً وأن تخلومن زوجٍ أجنبی،وکذا فی الحاضن الذکرسوی الشرط الأخیرہذا ما یؤخذ من کلامہم، قلت وینبغی أن یزید بعد قولہ حرۃ أومکاتبۃ ولدت فی الکتابۃ وأن یزید أن تکون رحما محرماً ولم تکن مرتدۃ ولم تمسکہ فی بیت المبغض للولد ولم تمنع عن تربیتہ مجانا عند إعسار الأب'' (ردالمحتارعلی الدرالمختار۲؍۶۳۳)۔

علامہ رملیؒ فرماتے ہیں:

• شیخ الحدیث مدرسہ امدادالاسلام میرٹھیوپی۔

''پرورش کرنے والی عورت کے لئے حق پرورش حاصل کرنے کے واسطے شرط یہ ہے کہ وہ آزاد، بالغہ ،عاقلہ، امانت دار،دیکھ ریکھ پر قدرت رکھنے والی ہو ،اوریہ بھی کہ وہ بچہ کیلئے کسی اجنبی شخص کی بیوی نہ ہو، یہی شرطیں پرورش کرنے والے مرد کے لئے بھی ہیں، آخری شرط کے علاوہ،یہ حضراتِ فقہاء کا کلام ہے۔''

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

'' اس مینیہ بھی اضافہ کیا جانامناسب ہے کہ یاوہ مکاتبہ باندی ہو،جس نے حالت مکاتبت میں بچہ جنا ہو، اور یہ اضافہ بھی ہونا چاہئے کہ وہ بچہ کے لئے ذی رحم محرم ہو(جس سے نکاح کی حرمت کارشتہ ہوتاہے) اورمرتدہ یعنی اسلام سے خارج نہ ہو اوربچہ کی صحت کے لئے مضرمکان میں نہ رکھتی ہو۔اور باپ کے غریب ہونے کی صورت مینمفت پرورش سے انکار نہ کرتی ہو ''۔

حق پرورش کے تقاضے:

اسلام میں بچہ کے حق پرورش حاصل کرنے کے لئے ان ذمہ داریوں کو نبھانا بھی بنیادی ہدایات میں شامل ہے۔

''مقتضی الحضانۃ حفظ المحضون وإمساکہ عمایوذیہ وتربیتہٗ لینمووذالک بعمل مایصلحہٗ وتعھدہ بطعامہٖ وشرابہٖ وغسلہٖ وغسل ثیابہٖ ودھنہٖ وتعھدنومہٖ ویقظتہٖ'' (الموسوعۃ الفقھیہ الکویتیہ۳۰۱٫۱۷، بدائع الصنائع ۶۰٫۴، مغنی المحتاج ۴۵۲٫۳، کشاف القناع ۴۹۶٫۵،الشرح الصغیر۷۵۵٫۳)۔

(پرورش کی ذمہ داری کا تقاضایہ ہے کہ پرورش کنندہ بچے کی پوری نگہداشت کرے اور اس کی زندگی کے لئے ہرطرح کی نقصان دہ چیزوں سے اس کو بچائے، اس کی تربیت اوردیکھ بھال اورحفظان صحت کا پوراخیال رکھے تاکہ اس کی صحیح نشو ونما ہوسکے، اوریہ ایسے تمام اسباب فراہم کرنے سے ممکن ہوگا جو بچہ کے لئے ہرطرح لائق اور مناسب ہو، اس کے کھانے اور پینے اور اس کونہلانے دھلانے اور اس کے گندے کپڑے دھونے اور اس کو تیل لگانے اور مالش کرنے کی ضرورت کا بھرپور خیال رکھے۔ اور اس کے سونے اور جاگنے کی ضروری سہولت مہیاکرے)۔

بچے اوربچی کا حق:

اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے ذریعہ بچہ اور بچی کو دنیامیں عبث اور بے سہاراضائع ہونے کیلئے پیدا نہیں کیابلکہ اس کو بامقصد زندگی گذارنے کے اسباب ووسائل مہیا فرمائے، پیدائش کے بعدعقل وتمیز کے حصول تک جس کو اصطلاح فقہاء میں صبّی غیر ممیز کہتے ہیں، اور ایام زندگی کے حساب سے اس کی مدت پرورش سات سال مقرر کی گئی ہے، اس کو حق پرورش عطا فرمایا۔ اس دہلیز پر قدم رکھتے ہی بچے مینخوب وناخوب، پاکی وناپاکی، استنجاء اور کپڑاپہننے کا شعور ،خبیث وطیب،بھلے برے اور تلخ و

شیریں کی پہچان اور اسلام کا سبب نجات ہونا ،خریدوفر وخت مینقیمت کی کمی بیشی اورخریدکردہ سامان پراپنی ملکیت کا حصول اور اس کے عوض بیچنے والے کو قیمت ادا کرنے کا احساس عمومی طور پر ہونے لگتا ہے۔ اور وہ صبی ممیز ہو جاتا ہے اور اس حدعمر سے آگے اس کو اپنی زندگیکی خود کفالت کے دورمیں پہلا قدم رکھنے کاحوصلہ فطری طور پر ملنے لگتا ہے ۔اس لئے بچے کا واجبی حق پرورش اس حدتک پہنچنے سے پہلے تک ہی قائم رہتا ہے۔

بچے کو اپنی پرورش کاحق بایں معنی بھی حاصل ہوتاہے کہ وہ ماں کے علاوہ کسی دوسری عورت کی چھاتی سے د ودھ پینا قبول نہیں کرتا۔یاماں کے علاوہ دوسرا پرورش کنندہ موجود نہ ہو یااس کے باپ یاخود بچے کا کوئی مال نہ ہوتوشرعی طورپر پرورش کیلئے ماں متعین ہو جائے گی اوراس کو پرورش کیلئے مجبور کیاجائے گا ۔ یہاں تک کہ بچے کے حق پرورش سے دست بردار ہونے کی شرط پرخلع کرے گی تواس کی شرط باطل قراردی جائے گی اور بچے کے حق کو باطل نہیں ہونے دیا جائے گا ۔

‘‘وهی حق المحضون بمعنی أنہ لولم یقبل المحضون غیر أمہ أولم یوجد غیرها أولم یکن للأب ولا للصغیر مال تعینت الأم للحضانۃ وتجبر علیها ولذلک یقول الحنفیۃ۔ لواختلعت الزوجۃ علی ان تترک ولدهاعندالزوج صح الخلع وبطل الشرط، وهذاعندالحنفیہ والشافعیہ والحنابلہ ویوافقهم المالکیہ فی المشهور عندهم’’ (ردالمحتارابن عابدین۲؍۶۳۶، الدسوقی ۲؍۵۳۲، نہایۃ المحتاج۷؍۳۱۳، مغنی المحتاج ۳؍۴۵۶، کشاف القناع۵؍۴۹۶، المغنی۷؍ ۶۲۴، الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ۱۷؍۳۰۱)۔

(۲) اسلام میں عورتوں کی بچوں سے فطری محبت وشفقت اور مادری جذبات کی فراوانی اور ماں کی ممتا کے پیش نظر بچوں کی پرورش کی اولین حقدار عورتوں کو قراردیا گیا ہے۔ علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

‘‘الأصل فیهاالنساء لأنهن أشفق وأرفق وأهدی إلی تربیۃ الصغار’’ (بدائع الصنائع ۳؍۴۵۶ مطبوعہ زکریا دیوبند) ۔

جنھیں حق پرورش حاصل ہے:

بچونکی پرورش کاحق بنیادی طور پرعورتونکا ہے، کیونکہ وہ بچے پرسب سے زیادہ شفقت نچھاور کرنے والی اور سب سے زیادہ مہربان اور چھوٹے بچوں کی مصالح اورتربیت میں سب سے زیادہ واقف کارہوتی ہیں۔

چنانچہ قانونِ شریعت میں حسب ذیل ترتیب کے مطابق عورتوں کو حق پرورش عطاکیا گیاہے:

(۱)ماں(۲)نانی(۳)دادی(۴) بہن حقیقی(۵)بہن اخیافی، ماں شریک بہن(۶) بہن علاتی،باپ شریک بہن (۷) حقیقی بھانجی،بہن کی بیٹی(۸) اخیافی بھانجی ،ماں شریک بہن

کی بیٹی(۹)خالہ حقیقی،ماں کی سگی بہن(۱۰) خالہ اخیافی ، ماں کی ماں شریک بہن (۱۱)خالہ علاتی، ماں کی باپ شریک بہن(۱۲) بھانجی علاتی،باپ شریک بہن کی بیٹی(۱۳) بھتیجی حقیقی (۱۴) بھتیجی اخیافی ، ماں شریک بھائی کی بیٹی(۱۵) بھتیجی علاتی،باپ شریک بھائی کی بیٹی(۱۶) پھوپھی حقیقی ،باپ کی سگی بہن(۱۷) پھوپی اخیافی، باپ کی ماں شریکبہن(۱۸) پھوپھی علاتی، باپ کی باپ شریک بہن (اسلامی قانون متعلق مسلم پرسنل لاء ص۱۵۶، نیز دیکھئے: الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۶۳۸،۲)۔

اگر مندرجہ بالاخواتین میں سے کوئی خاتون نہ ہو یاحضانت کی اہل نہ ہو تو حق حضانت حسب ترتیب ذیل وراثت کے حقدار عصبہ کی طرف منتقل ہوگا، سب سے پہلے باپ،پھر دادا، پھرحقیقی بھائی، پھرباپ شریک بھائی ،پھر ان کی اولاد، پھر چچا ، پھر ان کی اولادبشرطیکہ وہ کھلے طور پربدچلن اوربدعقل نہ ہوں ۔

''ثم العصبات بترتیب الإرث فیقدم الأب ثم الجد ثم الأخ الشقیق ثم لابٍ ثم بنوہ کذالک ثم العم ثم بنوہ سوی فاسق ومعتوہ''(الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ۶۳۸،۲)۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مذکورۂ بالاترتیب میں تھوڑا سافرق ہے، علاتی بہن مقدم ہے اخیافی بہن پر، اسی طرح علاتی خالہ پہلے اور اس کے بعد اخیافی خالہ ہے، البتہ اخیافی پھوپھی مقدم ہے اورعلاتی پھوپھی موخر ہے، ا س کے بعد وراثت کی ترتیب کے مطابق عصبہ کا نمبر ہے (المہذب ۱۷۰،۲، مغنی المحتاج ۴۵۲،۳) ۔

فقہ مالکی میں ماں، پھرنانی اور اس کے بعد تیسرے نمبر پر حقیقی خالہ پھراخیافی خالہ پھر علاتی خالہ اور اس کے بعددادی کا نمبر ہے۔ پھرحقیقی ،اخیافی اورعلاتی بہن کے بعد پھوپھی پھر بھانجی۔پھر جس کووصیت کی جائے۔ پھروراثت کی ترتیب کے مطابق عصبہ (القوانین الفقہیہ ،۲۲۳، الشرح الصغیر ۶۳۴،۲)۔

امام احمدبن حنبلؒ کے نزدیک ماں اور نانی کے بعد اس کی مائیں پھرباپ دادی پھراس کی مائیں ، اس کے بعد داد ا اور اس کے بعد اس کی مائیں اور ان کے بعد بہن حقیقی، اخیافی،علاتی، پھرخالہ حقیقی، اخیافی، علاتی، پھرپھوپھی حقیقی، اخیافی، علاتی، پھر اسی ترتیب پرماں کیخالائیں،پھر اسی ترتیب پر بات کی خالائیں پھرباپ پھوپھیاں پھربھانجیاں پھربھتیجیاں،پھر چچازاد بہن ، پھر پھوپھی زادبہن اسی ترتیب کے مطابق، پھراخیرمیں وراثت کی ترتیب کے مطابق عصبہ (کشاف القناع ۵، ۴۹۶، المغنی ۴۲۵،۴۲۶،۱۱)۔

آگے یہ مسئلہ فقہاء اربعہ کے یہانمتفق علیہ ہے کہ اگرکوئی لڑکی شہوت کی عمرمیں پہنچ گئی ہوتواس کی پرورش کے لئے اس کو غیر محرم وارث مثلاً چچازاد بھائی کے حوالے نہیں کیاجاسکتا، تاکہ فتنہ اور گناہ سے حفاظت رہے، البتہ چھوٹی بچی کی پرورش کاحق اس کو حاصل ہوسکتا ہے (الفقہ الاسلامی دادلتہ ۷۳۰،۱۰)۔

یہانیہ بھی قابل ذکر ہے کہ اگرعصبہ میں سے کوئی بھی نہ ہو،یاحضانت کا اہل نہ ہو تو ذوی الارحام جیسے اخیافی بھائی پھر اس کی اولاد پھراخیافی چچاپھر حقیقی ماموں پھراخیافی ماموں کوحق حضانت ملے گا۔

''ثم إذا لم یکن عصبۃ فلذوی الأرحام فتدفع لأخ لأم، ثم لابنہ ثم للعم لأم ثم للخال لأبوین ثم لأم'' (الدرالمختار ۶۳۹،۲ ،اسلامی قانون ،ص: ۱۵۶)۔

اگرایک ہی درجہ کے دومستحق حضانت موجودہوں تو جو زیادہ بہترتربیت کی صلاحیت رکھتاہو اس کا حق حضانت مقدم ہوگا، اس کے بعد جو زیادہ پرہیزگار ہوپھرجوزیادہ عمررسیدہ ہو اس کویہ حق ملے گا ۔

''فإن تساووا فأصلحہم ثم أورعھم ثم أکبرہم'' (الدرالمختار ۶۳۹،۲) ۔

عمرکے جس مرحلے میں ماں کو یاباپ کو پرورش کااولین حقدار تسلیم کیاگیا ہے:

بچہ کی پیدائش کے بعدہی ماں باپ سے تین حقوق کاتعلق قائم ہوجاتا ہے:پہلاحق رضاعت، دوسرا حق حضانت، تیسرا حق تعلیم وتربیت، ان تینوں میں پہلا اور دوسرا حق خصوصی طورپرمانسے وابستہ ہے، پہلے حق رضاعت کی مدت د و سال اور دوسرے حق حضانت کی مدت سات سال یا سن شعور و تمیز کے آغاز تک ہے، ان د ونوں مرحلوں میں مانکی غیر موجودگییا انکار یا کسی دیگر مانع کے سبب محرمات نسبیہ سے جڑی ہوئی عورتیں مذکورۂ بالا ترتیب کے مطابق دونوں حقوق کی شرعی طور پر اولین حقدار قراردی گئی ہیں،یہاں باپ کو ثانوی درجہ میں ان سب کے بعدہی حق حضانت حاصل ہوتا ہے، البتہ تیسرے حق تعلیم وتربیت کے دورمیں باپ کو خصوصی طورپر اولین حقدار ماناگیا ہے، سن شعور کے آغاز سے بلوغ تک بچے کی زندگی کے مفاد کا تعلق باپ سے زیادہ ہوتاہے اوروہی بہترطور پر اس پوری مدت میں اپنے ذمہ واجب حق کی ادائیگی کااہل ہوتا ہے، اس لئے اس دور میں بچے کے شخص کوشخصیت بنانے اور اس کی ذہنی فکری نفسیاتی اورتعلیمی وتربیتی اور جسمانی ضروریات کی تکمیل میں باپ جو سرگرم کردار ادا کرسکتا ہے وہ دوسرے نہیں کرسکتے اور یہ سب باپ کی اہلیت وصلاحیت کے بغیر ممکن نہیں۔

شرائط پرورش:

پرورش کنندہ ماں یاباپ میں شرائط حضانت مفقود ہونے کے سبب بچہ کیلئے جسمانی، تعلیمی، تربیتییانفسیاتی مضرت کا اندیشہ ہو، مثال کے طورپر وہ عاقل نہ ہو بلکہ مجنوں، پاگل یامعتوہ فاترالعقل ہو یاٹی۔بی ،ایڈز ،جذام یابرصیاکسی متعدی مرض میں مبتلا ہو، یاایسے فسق وفجور میں مبتلا ہو جس کا اثر بچہ کی اخلاقی صحت پرپڑتاہو جیسے:زناکار ہو یاچکلہ وقحبہ خانہ یا بیئربار چلاتا ہو، یا چوری ڈکیتییاگانے بجانے کا کاروبار کرتاہو،یانیاحتیعنی مُردے پررونے دھونے کے پیشہ میں مصروفیت رکھتاہو جس سے بچہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو یانابیناہو کہ خود اپنی ضروریات پوری کرنے میں

دوسرے کا محتاج ہو چہ جائیکہ وہ بچے کی ضروریات پرورش پوری کرسکے، یااس درجہ کثیرالعبادۃ ہوکہ اس میں زیادہ سے زیادہ مصروفیت کے باعث بچہ کی صحیح دیکھ ریکھ سے بے پروا ہو۔ یا پرورش کنندہ مطلقہ یابیوہ ہو اور کسی غیرذی رحم محرم مرد سے شادی کرلے جو بچہ کیلئے اجنبی ہو اوروہ اپنے شوہر کے حقوق کی ادائیگی میں مشغولیت کے سبب بچہ کاحق حضانت اداکرنے سے قاصر رہتی ہو، جیساکہ غلام یاباندی ہونے کی وجہ سے حق مولیٰ میں مصروفیت حق حضانت کی ادائیگی میں نقصان دہ کوتاہی ہے اور اس کا اثر بچہ کی ذہنی،فکری آزادی پرہوتاہے۔

علامہ اقبالؔ نے سچ کہا ہے ؎

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے تزئین حیات
اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی

ان سب صورتوں میں پرورش کنندہ کا حق خضانت ساقط ہو جائے گا۔

موسوعہ فقہیہ میں مزید صراحت ہے:

‘‘شرطِ بلوغ وعقل سے ثابت ہوتاہے کہ حق پرورش بچے،پاگل بدعقل کوحاصل نہیں ہوگا، کیونکہیہ سب خود اپنی اور جو زیر پرورش ہوں ان کی ضرورت پوری نہیں کرسکتے، لہٰذا کسی اپنے علاوہ کی پرورش ان کے حوالے نہیں کی جاسکتی اوریہ مسئلہ مجموعی طور پر متفق علیہ ہے، اگرچہ مالکیہ حضرات کے یہاں بلوغ کی شرط کے سلسلے میں کچھ تفصیل ہے ’’ (۳۰۶،۱۷)۔

‘‘پرورش کنندہ کادین میں امانت دارہونا ضروری ہے ۔لہٰذا فاسق وبددین کوحق پرورش نہیں ملے گا، کیونکہ اس پر اطمینان نہیں کیا جاسکتا، فسق سے مراد ایسی بددینی ہے جو زیرپرورش بچے پر اثر انداز ہو، مثلاًوہ کھلے عام شراب پیتاہو، چوری، زنا، حرام کاری میں شہرت رکھتا ہو، البتہ جس کا حال پوشیدہ ہو اس کوحق پرورش حاصل ہوگا ’’ (رد المحتار۲،۶۳۳، دسوقی۲،۵۲۹، نہایۃ المحتاج)۔

ابن عابدینؒ کہتے ہیں کہ پرورش کرنے والی ایسی فاسقہ ہوکہ جس کے فسق کے سبب اس کے پاس بچے کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتواس کاحق ساقط ہو جائے گا، اوراگراس درجہ کافسق نہ ہو تو بچہ میں ماں کے فسق وفجور کی سمجھ پیدا ہونے تک بچہ کو چھوڑا جاسکتا ہے،ورنہ شعورفسق کی حالت میں بچہ کواس سے چھین لیاجائے گا۔

‘‘القدرۃ علی القیام بشان المحضون فلاحضانۃلمن کان عاجزاًعن ذلک لکبرسنّ أو مرض یعوق عن ذلک، أوعاہتہ کالعمٰی وأخرس والصمم أوکانت الحاضنۃ تخرج کثیراًلعمل أوغیرہ وتترک الولد ضائعا، فکل ھولاء لاحضانۃ لھم إلا إذاکان لدیہم من یعنی بالمحضون ویقوم علی شئونہٖ فحینئذ لاتسقط حضانتھم’’ (ردالمحتار۲،۶۳۴، الدسوقی۵،۲۸، مغنی المحتاج

۴۵۶،۳، اسنی المطالب ۳، ۴۴۸، کشاف القناع۴۹۹،۵، موسوعۃ الفقہیہ۳۰۶،۱۷)۔

''أن لایکون بالحاضن مرض معد أو منفر یتعدٰی ضررہ إلی المحضون کالجذام والبرص وشبہ ذلک من کل مایتعدٰی ضررہٗ إلی المحضون'' (الدسوقی۵۲۸،۲، مغنی المحتاج ۴۵۶،۳، کشاف القناع۴۹۹،۵)۔

(اوریہ شرط بھی ہے کہ پرورش کرنے والے میں کوئی چھوت کی بیماریایانفرت انگیز مرض جس کا ضرر بچہ تک پہنچ جائے جیسے کوڑھ، سفید داغ اور اسی جیساہروہمرض جس کا نقصان دہ اثر زیرپرورش بچہ تک پہنچ جائے)۔

حق دار پرورش کی غیرموجودگی میں:

مذکورہ بالا ساری وہ حالتیں ہیں جو بچوں کے مفاد میں کسی مرد یاعورت کو حق پرورش سے محروم کردیتی ہیں، ان کے علاوہ کچھ وہ صورتیں بھی ہیں جو اوپر شرائط پرورش کے ذیل میں بیان کی جاچکی ہیں، جن کے مفقود ہونے پر حق پرورش کے سوخت ہونے کے احکام نافذ ہونگے، رہ گئییہ بات کہ صفات مذکورہ بالا کے کسی ماں یاباپیامرد و عورت میں موجود ہونے کے سبب بچہ کو ان کے حوالہ کرنے میں تعلیمی،تربیتی، جسمانییانفسیاتی پہلو سے بچہ کے لئے مضرت کا اندیشہ ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ بچے کو کس کے حوالہ کیا جائے، اس کا پہلا جواب تویہ ہے کہ حضانت عورتوں او رمردوں کی فہرست میں نسبی رشتہ محرمیت رکھنے والی عورتوں میں حسب ترتیب اولیٰ فالاولیٰ کے حوالہ کیاجائے ،جن میں شرائط حضانت پائی جاتی ہوں۔ اوربظاہر ان اٹھارہ میں کوئی نہ کوئییقینا اس حضانت کے لئے معیار حضانت پر کھری اترے گی۔اسی واسطے شریعت نے یہ ترتیب او ردرجہ قائم کیا ہے، اور اگر عورتوں میں خدانخواستہ کوئی اہل اور اشفق دستیاب نہ ہو تو پھران کے بعد مردوں کی ترتیب حضانت موجود ہے ،اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا ،جس کی ہرفقہی مذہب میں گنجائش پائی جاتی ہے۔

اس مسئلہ کادوسراحل یہ ہے کہ اگربچہ کے لئے مضرت رساں ماحول سے بچاکر پرورش کا حق پورا کرنے والا کوئی نہ ہو تو اس صورت مسئلہ کو بطور نظیر سامنے رکھا جائے جس میں کسی غیرمسلمہ کتابیہ مجوسیہ کے زیر پرورش بچہ کو اس کے دین کی طرف میلانیا جھکائو کے اندیشہ سے اس کی پرورش سے ہٹاکر مسلمانوں کوپرورش کاذمہ دار بنانا ضروری ہو جاتا ہے۔ موجودہ صورت حال میں بھی اس بچہ کو مسلمانوں کے حوالہ کیا جائے گا۔اور اس کی پرورش کاخرچ باپ یابچہ کے مال سے وصول کیاجائے گا۔ اور غریب و نادار ہونے کی صورت مینیہ خرچ بچہ پر قرض مانا جائے گا جسے قدرت علی الکسب ہونے پر بچہ ادا کرسکے گا۔

''أویخشی أن یالف الکفرفإنہ حینئذٍینزع منہاویضم إلی أناس من المسلمین'' (الموسوعۃ الفقہیہ۳۰۶،۱۷، بحوالہ ردالمحتار۶۳۳،۶۹۳،۲)۔

تیسری صورت یہ ہے کہ بچے کو کسی ایسے مسلم ادارہ،یتیم خانہ، مسلم بے بی سینٹر میں داخل کرادیا جائے جہاں اسلامی ماحول میں اس کی تعلیم وتربیت کے ساتھ پرورش کانظم ہو،اورجہاں یہ ماحول فراہم نہ ہو وہاں ہرگز داخل نہ کیا جائے، ورنہ جس ماحول سے بچہ کو بچانا ضروری تھا وہ اسی میں پھنس کر دین سے منحرف ہو جانے کے خطرے میں پڑجائے گا۔

اسلام میں بچوں کے حق تعلیم وتربیت کے بارے میں بنیادی ہدایات :

اسلام میں بچوں کے حق تعلیم وتربیت کی بنیادی ہدایت کا سلسلہ وہیں سے شروع ہو جا تا ہے، جہاں سے وحی الٰہی کا آغاز ہوتا ہے، قرآن پاک کی سب سے پہلی آیت میں ہی حکم تعلیم وتربیت دے کر خالق انفس وآیات نے تمام نوع انسانی کی تزئین حیات کا سامان فراہم کردیا ہے۔

''اقرأ باسم ربک الذی خلق'' (سو رۂ علق : ۱)۔

(پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا)۔

یہاں قابل غور یہ ہے کہ حکم تعلیم کو اللہ تعالیٰ نے اسم ذات کے بجائے اپنی صفت ربوبیت سے مربوط کیا ہے، جس کے معنی قاضی بیضاویؒ کے الفاظ مینیہ ہیں:

''الرب فی الأصل بمعنی التربیۃ وھی تبلیغ الشیئ إلی کمالہ شیئافشیئا'' (التفسیرللبیضاوی۱؍۶)۔

(رب اصل میں تربیت کے معنی میں ہے جس کی حقیقتیہ ہے کہ کسی چیزکو ادنیٰ حالت سے درجہ بدرجہ ترتیت کرکے درجہ کمال تک پہنچادیا جائے)۔

ذراعقل وشعور کی آنکھیں کھولئے اور دیکھئے کہ سب سے پہلے ارشاد ربانی میں تعلیم کے واجبی حکم کے ساتھ تربیت کو بھی شامل رکھاگیا ہے کیونکہ خودخالق کائنات اپنی تمام مخلوقات کوصفت تربیت کے ذریعہ ہی اس کے مقاصد حیات کی تکمیل کے اعلیٰ درجہ تک پہنچاتا ہے ۔اگر اس کے وجود میں خصوصی طورپر حق سبحانہ کی تربیت شامل نہ ہو تو انسان ضعیف البنیان اورکوئی بھی صاحب جسم وجان زندگی کی پہلی سیڑھی پرقدم رکھنے کے قابل بھی نہیں ہوسکتا، چہ جائیکہ اسے درجہ کمال تک رسائی نصیب ہو۔

قرآن پاک میں اسی سلسلے کا دوسرا حکم یہ ہے:

''یاأیھاالذین آمنوا قوا أنفسکم وأھلیکم نارا'' (سورۂ تحریم : ۶)۔

(اے ایمان والو! بچائو اپنے آپ کو اوراپنے گھرانے (بیوی بچوں)کو دوزخ کی آگ سے)۔

اس حکم ربانی کا تقاضاہے کہ ایماندار مانباپ اپنے ساتھ اپنے بال بچوں کوبھی جہنم کی آگ سے بچائیں اوریہ بچائو اس کے بغیر ممکن نہیں کہ وہ بال بچوں کی دینی تعلیم وتربیت اعلیٰ پیمانے پرکریں۔ اچھے اخلاق وآداب سکھائیں،احکام شریعت اور جناب رسول

اللہ ﷺ کی سنتوں سے واقف کرائیں۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا:''إن من حق الولد علی الوالد أن یحسن أدبہ'' (مجمع الزوائدحدیث۱۳۸۲۹،بچے کے حقوق واحکام ص۳۰۰) (باپ پربیٹے کاضروری حق یہ ہے کہ وہ اسے اچھا ادب سکھائے)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:''بچوں کوتعلیم دواوران کو ادب سکھائو'' (بیہقی شعب الایمان۱۱،۱۲۷)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں :''اپنے بیٹے کو اخلاق وادب سکھائو، تم سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے اس کو ادب سکھایا اور تعلیم دی اور فرماں برداری اور بات ماننے کے سلسلے میں اس سے سوال ہوگا (العیال لابن ابی الدنیا ، ص: ۳۲۹،۳۳۴، السنن الکبری بیہقی۳،۸۳)۔

حضرت عبداللہ بن عمررضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:''جس طرح تم پر اپنے والد کاحق ہے اسی طرح تم پر اپنے بچوں کا بھی حق ہے '' (بخاری،الادب المفردحدیث نمبر: ۹۸ بچوں کے احکام ومسائل : ۲۶۵)۔

بچوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں احادیث نبویہ سے یہ معلوم ہوتاہے کہ جناب رسو ل اللہ ﷺ اورصحابہ کرامؓ اپنے بچوں کو بنیادی طور پر پانچ باتیں سکھاتے تھے:

(۱) ایمان وتوحید اورارکانِ اسلام کی تعلیم۔
(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اورآپؐ کی سیرت کی تعلیم۔
(۳) قرآن کی تعلیم صحت لفظی کے ساتھ اورحفظ القرآن الکریم۔
(۴) دعائے ماثورہ کو یاد کرنا اوراس کے مقام پروہ دعا کرنا۔
(۵) آداب واخلاق کی تعلیم۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلا بول اپنے بچوں کو لاالٰہ الااللہ سکھائو اورمرتے وقت بھی اسی کی تلقین کرو'' (شعب الایمان۱۱،۱۲۸)۔

رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اپنے بچوں کو پورا کلمہ طیبہ سکھاتی تھیں، وہ اپنے بچے انسؓ کو اس طرح پور ا کلمہ سکھاتی تھیں :کہولاالٰہ الااللہ کہو اشہدان محمداًرسول اللہ (مصنف عبدالرزاق ۴،۲۵، مصنف ابن ابی شیبہ۳،۲۰۵)۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''ما نحل والد ولداً من نحل أفضل من أدب حسن'' (ترمذی۲،۱۷) (کسی باپ نے اپنے بچہ کو علم وادب سے زیادہ بہترعطیہ نہیں دیا)۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''علموا أولادکم علی ثلٰث

خصال:حب نبیکم، حب آل بیتکم وتلاوۃ القرآن فإن حملۃ القرآن فی ظل عرش اللّٰہ یوم لاظل إلاظلہ" (اسلام اور تربیت اولاد ۲۷۶،۱، بحوالہ طبرانی الجامع الصغیر حدیث نمبر: ۳۱۱، اخرجہ ابونصرعبدالکریم الشیرازی فی فوائدہ وابن النجار عن علی، بچوں کے احکام ومسائل ص۲۷۰) (اپنے بچوں کو تین باتیں سکھائو: ۱۔نبیﷺ کی محبت۔ ۲۔ آل بیت کی محبت۔۳۔ قرآن کیتلاوت، اس لئے کہ حاملین قرآن عرش الٰہی کے سایہ میں ہوں گے جس دن (قیامت میں)عرش الٰہی کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا)۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں:''سلف صالحین اپنے بچوں کو حضرت ابوبکراورحضرت عمررضی اللہ عنہما کی محبت سکھاتے تھے جس طرح قرآن کی سورت سکھاتے تھے (تاریخ دمشق ۳۸۶،۴۴، احکام ومسائل ،ص: ۲۷۱)۔

اس کاواضح ترین مطلب یہ ہے کہ صحابہؓ وتابعینؒ وائمہ دین جناب رسو ل ا للہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اورصحابہ واہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی دینی خدمات وکارنامے اور ان کی دینی قربانیوں کے واقعات سکھاتے تھے تاکہ بچوں مینیہ دینی جذبات سرایت کریں۔

امام غزالیؒ نے ''احیاء العلوم ''مینیہ وصیت کی ہے کہ بچوں کوقرآن کریم اور احادیث و واقعات اورنیک لوگوں کی سیرت و حالات اورکہانیاں سکھائی پڑھائی جائیں اوربعض دینی احکام اور ایسے اشعار پڑھائے اور یاد کرائے جائیں جن میں عاشق و معشوق کا تذکرہ نہ ہو (شیخ عبداللہ ناصح علوان،تربیت الاولاد فی الاسلام ۲۷۷،۱)۔

جناب رسول اللہﷺ اورحضرات صحابہ کرام وصحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اس تعلیم وتربیت کااثر تھا کہ پانچ سے دس سال تک کی عمر کے درجنوں صحابہ احادیث نبویہ کا ایک بڑا ذخیرہ امت تک پہنچانے میں کامیاب رہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ جن کی عمر رسول اللہﷺ کے انتقال کے وقت آٹھ برس کی تھی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دعائے قنوت سکھائی (جامع ترمذی۱۰۶،۱،اشرفی دیوبند، ابودائود حدیث: ۱۴۲۵ مطبوعہ دارالعلوم، نسائی حدیث : ۱۷۴۶، ابن ماجہ حدیث: ۱۱۷۸، مسنداحمد۱۹۹،۱)۔

حضرت عبداللہ بن زبیررضی اللہ عنہما جن کی عمررسول اللہﷺ کے انتقال کے وقت نودس سال کی تھی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ ہرنماز کے سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے:

''لا إلٰہ إلااللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھوعلٰی کل شیئٍ قدیر" (مسنداحمد ۲۰۱،۱)۔

حضرات تابعینؒ میں بھی بچوں کو مسنون دعائیں سکھانے کا اہتمام تھا، مشہور تابعی

امام نخعیؒ بیان فرماتے ہیں کہ ‘‘ہمارے بڑے ہمیں حکم دیتے تھے جبکہ ہم بچے تھے کہ ہم جب سونے کے لئے بسترپر جائیں تو۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳مرتبہ الحمدللہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھیں (مصنف ابن شیبہ۱۳،۵۰۸)۔

اسلام میں بچوں کی تعلیم وتربیت کی بنیادی ہدایات کے ذیل میں نماز،روزہ کے احکام کی ہدایات بھی آتی ہیں ۔

‘‘قال رسول اللہ ﷺ مروا أولادکم بالصلاۃ وھم أبناء سبع سنین واضربوھم علیہم وھم أبناء عشر سنین وفرقوا بینہم فی المضاجع’’ (سنن ابی داؤد ص۱۲۵۹حدیث۴۹۵مطبوعہ دارالسلام)۔

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی اولاد کو نماز کا حکم دوجب وہ سات سال کے ہو جائیں اور جب دس سال کے ہو جائیں نمازنہ پڑھنے پر ان کی تادیبی پٹائی کرواور ان کے بستر علیحدہ کردو)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺسے پوچھا گیا کہ بچہ نماز کب پڑھے تو فرمایا: ‘‘إذا عرف یمینہ عن شمالہ فمروہ بالصلوٰۃ’’ (سنن ابی دائود، حدیث: ۴۹۷)۔

حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جب بچہ اپنے دائیں بائیں ہاتھ کے فرق کو پہچان لے تو اس کو نماز کاحکم کرو۔

‘‘ربیع بنت معوذؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عاشور ہ کی صبح انصاری صحابہؓ کے محلہ مینیہ کہلابھیجا کہ جس کا روزہ نہ ہوتو وہ بقیہ دن روزہ دار کی طرح رکے رہیں اور جنہوننے روزے کی نیت سے صبح کی ہو تو وہ روزہ پورا کریں، وہ فرماتی ہیں کہ اس حکم کے بعد ہم خود بھی روزہ رکھتے تھے اوراپنے بچوں کو بھی روزہ رکھواتے تھے اور ان کے لئے سوتی کھلونے تیار رکھتے تھے ،پھراگروہ کھانے کے لئے روتے تو انہینیہی کھلونے تھمادیتے تھے یہاں تک کہ وہ افطار کے قریب کے پہنچ جاتے تھے ’’ (صحیح بخاری باب صوم الصبیان ص۱۵۳حدیث۱۹۶۰مطبوعہ دارالسلام)۔

فقہ شافعی وحنبلی مینیہ صریح حکم موجود ہے:

‘‘بچہ اگرسات کی عمر میں روزے کی طاقت رکھتاہو تواس کو روزہ رکھنے کا حکم دیا جائے اور اگردس سال کا ہو جائے تو روزہ چھوڑنے پراس کی پٹائی (تادیباً) کی جائے گی’’ (المجموع شرح المہذب ۲۵۳،۶، عمدۃ السالک ص۸۵متن ابی شجاع ص۲۰، الاقناع ۴۸۹،۱)۔

بچوں کی ادبی واخلاقی تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں والدین کوچندباتوں کامزید اہتمام کرناچاہئے:

(۱) بچوں کوسلام کرنے کی تعلیم دیں۔ حدیث میں ہے:

‘‘حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ

اے بیٹے! جب تو اپنے گھروالوں کے پاس آئے تو انھیں سلام کیاکر،اس سے تجھ پر برکت آئے گی اور تیرے گھروالوں پربھی " (جامع ترمذی حدیث۲۶۹۸مطبوعہ دارالسلام) ۔

(۲) بچہ کے بنیادی حق تربیت میں باپ پر یہ بھی لازم ہے کہ اسے عفت وعصمت کی حفاظت اور پاکدامنی سکھائے ، اسلام اس معاملہ میں اتنا حساس ہے کہ دس برس کیعمرسے ہی ماں باپ کو حکم ہے کہ بچوں کے بستر الگ الگ کردو(سنن ابی دائود حدیث۴۹۵مطبوع دارالسلام)۔

(۳) اسی طرح ماں باپ کو حق تربیت اداکرنے کی بنیادی ہدایتیہ بھی دی گئی ہے کہ وہ بچوں کوسچ بولنے اور جھوٹ سے بچنے کی عادت ڈلوائے۔ عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ ایک نوعمر صحابی ہیں وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میری ماں نے اس حال میں جب کہ جناب رسو ل اللہﷺ ہمارے گھر میں ہی تشریف رکھتے تھے ،میری ماں نے کہاآہاآہا! آئو تم کو ایک چیزدیتی ہوں ۔رسول اللہﷺ نے یہ سن کر ان سے پوچھا تم نے کیا دینے کا ارادہ کیا تھا۔ انھوں نے کہا، میں کھجوردینا چاہتی تھی ۔جناب رسول اللہﷺ نے فرمایا اگرتم اس کو کچھ نہ دیتیتو تم پر بچہ سے جھوٹ (کاگناہ) لکھا جاتا:''فقال لھارسول اللہ ﷺ أما إنک لولم تعطیھاشیئاًکتبت علیک کذبۃ'' (سنن ابی دائود حدیث۴۹۹۱مطبوعہ دارالسلام)۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''جوکسی بچے سے کہے آئو یہ لو پھر اس کو نہ دے تویہ جھوٹ ہے " (مسنداحمد۲،۴۵۲)۔

ماں باپ کی اس طرح لبھائونی باتوں سے بچوں کے اندر جھوٹ بولنے کی جوعادت ابھرتی ہے جناب رسول اللہ ﷺ نے اس کا کتنا انوکھا علاج تجویز فرمایا۔

(۴) بچوں میں بچپنے کی وجہ سے لاابالی پن اورغیر سنجیدہ حرکتیں کرنے اور شوخی اورشرارت کرنے کا مزاج ہواہی کرتا ہے، ایسے میں اگر ان کی شروع ہی سے مناسب تربیت نہ کی جائے تو ان میں چوری اورخیانت کا جذبہ ابھرنے لگتا ہے اوربعد میں ان کی امانت ودیانت مجروح ہونے لگتی ہے،جودین اورمعاشرت دونوں کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے۔ اس لئے ماں باپ کو اسلام میں ہدایت دی گئی ہے کہ وہ بچوں میں امانت میں خیانت کی معمولی حرکت پر بھی نظر رکھیں، اور ان کی تادیب وتنبیہ کریں ۔

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بچے تھے وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میری ماں نے انگورکا خوشہ دے کر رسول اللہﷺ کے پاس بھیجا، میں نے پہنچانے سے پہلے اس میں سے کچھ کھالیا، جب میں حضورﷺ کے پاس اس کو

لے کر پہنچا تو حضورﷺ (اس خیانت کو سمجھ گئے،آپﷺ نے اس حرکت پر) میرا کان پکڑا اور (تنبیہاً) فرمایا اوبے ایمان (ابن سنی،عمل الیوم واللیلۃ۴۰۱،بچوں کے احکام ومسائل ص۲۹۳)۔

(۵) بچے کھانے پینے کے شوقین ہوتے ہیں، اوروہ کم سنی کی وجہ سے حلال وحرام کی تمیز نہیں رکھتے، اسی طرح بچپن کی و جہ سے انھینکھانے پینے کے اسلامی آداب سے واقفیت نہیں ہوتی، اس لئے ماں باپ پرلازم ہے کہ وہ بچوں میں ان باتوں کا شعور بیدار کریں اور ان میں دینی اخلاقی حس کی نشوونما کریں، اور ان کی خودداری کوپروان چڑھانے کی کوشش کریں ۔ اس سلسلے میں جناب رسو ل اللہﷺ کی شان تربیت کاانداز ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جناب رسو ل اللہ ﷺ کے پاس کھجوروں کی فصل کی کٹائی کے بعد کھجوروں کاڈھیر لگا ہوا تھا، حضرت حسن اور حسین (دونوں سات آٹھ سال کے بچے تھے) کھجوروں سے کھیل رہے تھے ۔ اسی درمیان آپﷺ کے ایک نواسے نے ایک کھجور اپنے منہ میں ڈال لیا، آپ ﷺ کی اُدھرنظر پڑ گئی توآپ ﷺنے ان کے منہ سے اسے نکال دیااور فرمایا: ''أماعلمت أن آل محمد لایأکلون الصدقۃ'' (صحیح بخاری حدیث۱۴۸۵) ۔

(۶)جناب رسول اللہﷺ کے انداز تربیت کادوسرانمونہ بھی دیکھیں، حضرت عمروبن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ جو آپﷺ کی گود کے پلے ہوئے بچے تھے، بیان کرتے ہیں کہ میں بچہ تھا، رسو ل اللہ ﷺ کی گود میں پرورش پاتا تھا، ایک مرتبہ کھانے کی پلیٹ میں میرا ہاتھ کبھی ادھر کبھی ادھر پڑتا تھا توحضورﷺ نے مجھ سے فرمایا بیٹے! بسم اللہ کہو دائیں ہاتھ سے کھائو اوراپنے سامنے سے کھائو، عمروبن ابی سلمہؓ کہتے ہیں، پھراس کے بعد اس طرح میں نے کبھی نہیں کھایا (صحیح بخاری حدیث۵۳۷۶و۵۳۷۷و۵۳۷۸مطبوعہ دارالسلام)۔

بچوں اوربچیوں کے لئے دینی وعصری تعلیم:

حدیث مشہورکے مطابق جو پچاس طریق سے مروی ہے، آپﷺ نے فرمایا:''طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم'' (سنن ابن ماجہ ص۲۰، حدیث۲۲۴،مطبوعہ دیوبند) (رسول اللہﷺ نے فرمایا: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے)۔

اور بعض روایت میں مسلمہ بھی وارد ہے (حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح ص۳۴حاشیہ۱۱)۔

جس سے واضح ہے کہ فریضۂ علم اور اس کے حصول میں جناب رسول اللہﷺ

نے کوئی فرق نہیں رکھاہے، لیکن اس علم سے کونسا علم مراد ہے جس کاحاصل کرنافرض ہے، دنیا کے عصری علوم وفنون کو تو چھوڑئیے صرف عربی علوم وفنون کی تفصیلات پرایک نظر ڈالئے جن کو حاجی خلیفہؒ نے اپنی کتاب ''کشف الظنون علی اسامئ الکتب والفنون ''میں ذکر کیا ہے۔ جس سے سرسری انتخاب کرکے صرف ان علوم کے ناموں کوصاحب ''حدائق العلوم ''نے ایک سو انیس (۱۱۹)کی تعداد میں شمار کرایا ہے (الرسائل الغالیہ فی العلوم العالیہ ص۸۸۔۱۳۴،مطبوعہ جامعۃ القرأۃ کفلیہ گجرات)۔

ان میں سے کس علم کاحاصل کرناہرمسلمان مردوعورت پرفرض ہے، اس سلسلہ میں فقہاء اسلام نے صراحت کی ہے کہ:

''قال فی شرح التنویر واعلم أن تعلم العلم یکون(۱) فرض عین وھوبقدرما یحتاج لدینہٖ (۲)وفرض کفایۃ وھوما زادعلیہ لنفع غیرہ(۳) ومندوب وھو التبحرفی الفقہ وعلم القلب" (ردالمحتار)۔

(شرح تنویر الابصارمینہے کہ یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ علم حاصل کرناتین قسموں پرہے :(۱)فرض عین،یہ وہ علم ہے جودین کی ضرورت کوحاوی ہو، (۲)فرض کفایہ،یہ وہ علم ہے جوقدرِ ضرورت سے زائد ہو،اوراس کا نفع حاصل کرنے والے کے غیر سے ہو (جس کا انسانی معاشرے سے نفع رسانی کا تعلق ہو جیسے ڈاکٹرییاصنعت وحرفت کا علم)، (۳) مندوب، یہ وہ علم ہے جو دینی تفقہ اورمہارت سے تعلق رکھتاہو)۔

اس فرض علم کی مزید تفصیل مشہور مفسرحضرت قاضی بیضاویؒ نے بیان کی ہے:''قال البیضاوی المرادمن العلم ھنا مالا مندوحۃ للعبد عن تعلمہ کمعرفۃ الصانع والعلم لوحدانیتہٖ ونبوۃرسولہ وکیفیتہ الصلوٰۃ فإن تعلمہ فرض عین'' (السیوطی مصباح الزجاتہ حاشیہ ابن ماجہ ص۲۰مطبوعہ دیوبند) (بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ یہاں حدیث مینفرض علم سے مراد وہ علم ہے جس کا سیکھنا ہر طرح سے بندے کے لئے ضروری ہو جیسے اللہ کی پہچان اوراس کی توحیدکاعلم اوراس کے رسول کی نبوت کاعلم اورنماز پڑھنے کی کیفیت کاعلم،کہ ان سب کا سیکھنا بہرحال فرض عین ہے)۔

مذکورہ بالا تفصیلات کاخلاصہ یہ نکلا کہ(۱)علم احسان وسلوک وتصوف۔جس میں علم الاخلاص اورعلم الباطن شامل ہے۔ (۲) اسی طرح علم الفقہ جس میں علم الحلال،علم الفرائض الخمس اور علم البیع والشراء والنکاح والطلاق سب داخل ہیں۔ (۳) اورعلم کلام جس کا خصوصی تعلق اللہ کیتوحیدِ ذات وصفات سے ہے، ان سب علوم کا حاصل کرنا فرض عین ہے، عرب کے مشہور عالم دین ومصنف شیخ عبداللہ ناصح علوان اپنی کتاب ''تربیۃ الاولاد فی الاسلام '' میں لکھتے ہیں:

''اگرتحصیل علم کاتعلق مسلم فردکی روحانی،عقلی اورجسمانی واخلاقی شخصیت سازی سے ہوتو ایساعلم بقدرضرورت وحاجت فرض ہے اور اتنا علم حاصل کرناسب پر

فرض ہے چاہے مرد ہو یاعورت ،بچہ ہویابڑا،ملازم ہو یامزدورغرضیکہ امت مسلمہ کے ہر طبقہ پر فرض ہے۔ اوراس اعتبار سے تلاوتِ قرآن کریم کا سیکھنا اورعبادات کے احکام او ر بلند بنیادی اخلاق کے اصول وبنیادی باتیں اور حلال وحرام کے مسائل اورعمومی صحت سے متعلق قواعد اورتمام وہ چیزیں جن کی ضرورت ایک مسلمان کواپنے دین و دنیا کے معاملات کے لئے پڑتی ہے۔ دنیاوی زندگی میں ان سب کا سیکھنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض عین ہے" (اسلام میں اولاد کی تربیت۱،۲۷۵، ترجمہ مولاناڈاکٹر حبیب اللہ مختارشہیدؒ)۔

رہ گیاعلوم عصریہ کامسئلہ تووہ حسب تصریح فقہاء مازاد علیہ لنفع غیرہیعنی علوم دینیہ کی ضرورت سے زائد علم کا نام ہے جس کی ضرورت کاتعلق مسلم فرد کی ذات سے نہیں بلکہ اس کے غیر کے نفع سے ہے جو انسانی معاشرہ کی ضرورت ہے۔اس لئے وہ فرض کفایہ میںداخل ہے اوراس مینعلوم عصریہ کی بہت سی قسمیں شامل ہیں۔

شیخ عبداللہ ناصح علوان لکھتے ہیں:

''اوراگر اس علم کاتعلق زراعت،صناعت،طب، انجینئر نگ،بجلی،ایٹم وغیرہ دیگرعلوم نافعہ سے ہوتو ایساعلم فرض کفایہ ہے، اگربعض آدمی اس کو حاصل کرلیں توسب سے گناہ ساقط ہو جائے گا اوراگر اسلامی معاشرہ میں سے کوئی شخص بھی اسے حاصل نہ کرے تو سب کے سب گنہگار اور اس سلسلہ میں مسئول ہونگے (اسلام اورتربیتِ اولاد ۱،۲۷۶)۔

فقہی اعتبارسے پہلی قسم کے فرض علوم کی تحصیل میں اگربچہ مصروف ہوخواہ بڑی عمر کا ہوگیا ہو اوراس مشغولیت کی وجہ سے وہ کمانے کی قدرت کے باوجود کمانہ سکتا ہوتواس کی تعلیم کاخرچ باپ پرواجب ہوگا۔

اوراگر دوسرے قسم کے علوم کی تحصیل میں مصروف ہوجو ''فرض کفایہ " کے ذیل میں آتے ہیں توایسے علم کی مشغولیت کی وجہ سے کمانہ سکنے کوعذرقرارنہیں دیا جائے گا، اورباپ پراس مدت میں اس کا نفقہ واجب نہیں ہوگا بلکہ اس کو اختیار ہوگا چاہے اس کو اس علم میں مشغول رکھ کراس پرخرچ کرے، چاہے تو خرچ روک دے اوراس کوکسی کام پر لگا دے (الفقہ المنہجی۴،۱۷۲، احکام ومسائل ص۲۴۲)۔

لیکن مشہور فقیہ ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے علم کی تفصیل بیان کئے بغیر لکھاہے :

علم کاحاصل کرنافرض کفایہ ہے اگرطلبہ کوکمانے پر مجبور کیاجائے گا توامت کی ضرورتیں معطل ہوکررہ جائیں گی اس لئے طالب علم ہونے کی صورت میں خرچ باپ کے ذمہ ہوگا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ طالب علم محنتی اورکامیاب ہو،اگر وہ پھسڈی ہے تواس کوپڑھانے کاکوئی فائدہ نہیں،اس کے لئے ضروری ہے کہ کسی پیشے اورکام کو سیکھ کراپنی معاشی ضرورت پوری کرے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۰،۷۱۴، بچوں کے احکام

ومسائل ص۲۴۲مطبوعہ لکھنؤ)۔

اوپرکی ذکر کردہ تحریر وں سے یہ واضح ہواکہ امت مسلمہ کے سمجھ دار اورتحصیل علم کیلئے بیدار ذہن رکھنے والے باشعور بچے اوربچیوں پرعلوم عصریہ کواس مقدار اوراس تعدادمیں سیکھناواجب ہے جس سے ہرمقام کی معاشرتی ضرورت پوری ہوسکے اوراس کے لئے سن تمیز سے عمر بلوغ تک باپ کو تعلیم کی ذمہ داری سنبھالنی ہوگی خواہ اپنے خرچ پرخواہ بچے کی کمائی سے یادونوں کے اشتراک سے ۔تاہم بچیوں کی عصری تعلیم کے سلسلہ میں باپ کو زیادہ حساس رہناپڑے گا اوربچے ،بچیوں کے مخلوط اورآزادماحول والے تعلیم گاہوں،کالجوں اوریونیورسٹیوں سے الگ مخصوص طورپر گرل کالجوں میں ہی پڑھوائینتاکہ ان کی دینی اوراخلاقی زندگی بگاڑ سے محفوظ رہ سکے۔

حضرت حکیم الامت مولاناشرف علی تھانوی رحمۃاللہ علیہ نے اسی بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے ‘‘وصیت نامہ ’’ کی سب سے پہلی وصیت میں تحریر فرمایا تھا :

‘‘اپنی اولاد کواسکول اورکالج کی تعلیم سے اس طرح بچائیں جس طرح شیریا بھیڑئیے سے بچایا جاتا ہے۔’’

اوراپنی کتاب ‘‘بہشتی زیور ’’حصہ چہارم ص۲۲۴ کی آخری سطرمیں لکھاتھا:

‘‘لڑکیوں کو اتنا لکھناسکھا دوکہ ضروری خط اورگھر کاحساب و کتاب لکھ سکیں ’’ (مفتی رشید احمدصاحبؒ،احسن الفتاویٰ۸؍۳۳۴)۔

کہیں بعدمیں خوں کے آنسو روتے ہوئے یہ نہ کہنا پڑے ؎

وہ اندھیرے ہی بھلے تھے کہ قدم راہ پہ تھے
روشنی لے گئی منزل سے بہت دور انھیں

باقی رہا تیسری قسم کاعلم جس کو فقہاء کرام نے ‘‘مندوب ’’کہاہے تواس کاحکم شرعییہ ہے کہ وہ باپ اور تحصیل علم کرنے والے کے اختیارپرموقوف ہے وہ فرض اورواجب نہیں ہے ،کیونکہ کسی علم میں گہرائی فنی مہارت اورعلمی تبحر حاصل کرنا صرف مستحب کے درجہ میں ہے خواہ اس کاتعلق دینی علوم سے ہویاعصری علوم سے شریعت کی نگاہ میں دونوں یکساں طورپر ‘‘چوائس ’’ کے معنی میں ہیں، کثیرالمطالعہ فقیہ عالم دین حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب زید فضلہم لکھتے ہیں:

‘‘فقہاء کے یہاں مندوب ان افعال کوکہتے ہیں کہ جن کی طرف بہ طریقۂ ترغیب دعوت دی گئی ہو،اسے واجب قرار نہ دیا گیا ہو،اس کے کرنے پر اجرتو ہو، لیکن نہ کرنے پر گناہ بھی نہ ہو’’ (قاموس الفقہ ۵؍۱۴۲نعیمیہ دیوبند)۔

اگرحکومت کسی سطح تک کی تعلیم کوبچوں اوربچیوں کے لئے لازم قرار دے تو کیا شرعاًاس کی پابندی مسلمانوں پرلازم ہے:

دنیا کے ہرملک کاباشندہ اس ملک کے قانون سے وفاداری کامعاہدہ کرکے ہی وہاں

کے حقوق شہریت حاصل کرتاہے، اس لئے اس حکومت کی طرف سے کسی سطح تک کی تعلیم کے لازم ہونے کی پابندی مسلمانوں کوبھی کرنی پڑے گی۔ قرآن پاک کے سورۂ مائدہ کی سب سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کاحکم ہے:

''یاأیھا الذین آمنوا أفوا بالعقود'' (سورہ مائدہ: ۱) (اے ایمان والو! معاہدوں کوپورا کرو)۔ مفسرین نے لکھاہے کہ اس میں ہرطرح کے معاہدے شامل ہیں خواہ وہ اللہ اوربندوں کے درمیان ہوں، یاآپس میں ایک دوسرے کے مابین ہونیامسلمانوں کے مشرکین سے معاہدے ہوں یاحکومتوں سے شہریوں کے قانونی عہدوقرار ہوں، سب کی پابندی لازم ہوگی بشرطیکہ وہ معاہدہ خلاف شریعت نہ ہو (تفسیر ماجدی۱،۸۴۵،نشریات اسلام لکھنؤ)۔

اگرحکومت غیراسلامیہ میں لازمی اورجبری تعلیم کا قانون رائج ہوتو اس کی خلاف ورزی موجب سزا اورباعث تذلیل بھی ہوسکتی ہے، اس لئے بھی اس کی پابندی کرنالازم ہے۔ علامہ عثمانیؒلکھتے ہیں:

''جب حکومت غیراسلامی ہوتو خلاف ورزی کی صورت میں اپنی جان کوقانونی سزائوں کاسامنا کرنے کیلئے پیش کرنا پڑسکتا ہے'' (تکملہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم ۱،۵۹۰)۔

البتہ اس جبر ی نظام تعلیم میں دینی اخلاقی اعتبار سے مضرت رساں مواد شامل ہوتو اس کے ازالہ کی خاطر علیحدہ سے بچے اور بچیوں کے لئے نجی تعلیم گاہوں کا نظام قائم کرناضروری ہوگا جیسا کہ یورپین وافریقین ممالک میں مسلمانوں نے کررکھا ہے۔

بچوں کے لئے جنس کی تعلیم :

جواسلام جنس(سیکس) کے سلسلہ میںاتنازیادہ حساس ہوکہ ایک ہی رشتۂ خون سے تعلق رکھنے والے بچوں کے مابین دس سال کی عمر میں ہی ان کے بستر الگ الگ کروادیتا ہو ،وہ جنس کی تعلیم کے نام پر بچے بچیوں میں جنسی آوارگی پیدا کرانے کاکس طرح روادار ہوسکتا ہے ۔جوقرآن حکیم جنس کے معاملہ میں اس درجہ احتیاط برتنے کی تعلیم دیتا ہوکہ:

''تمام مومن اورمومنات کواپنی نظر جھکائے رکھنے اورشرمگاہ کی حفاظت کرنے اورگھریلو خادم و خادمہ اورنابالغ بچوں تک کوتین اوقات میں خصوصی طورپر گھر میں داخلہ کیلئے اجازت لینے کاپابند کرتا ہو ،جونبیﷺکی پاکیزہ سیرت بیویوں کوبھی لوچ دار آواز میں بولنے سے منع کرتاہو مبادا کوئی دل میں جنسی خواہشات چھپائے رکھنے والا مریض شخص کوئی غلط امید لگا بیٹھے''(دیکھئے سورۂ نور: ۳۰،۳۱،۵۸،۵۹،۶۰ سورۂ احزاب : ۳۲)۔

کیاوہ جنسی تعلیم کے حیاسوز طریقے اور اس کے پس پردہ عصمت فروشی کی اجازت دے سکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ نہیں بلکہ سوبار نہیں دے سکتا۔ اورجوپیغمبر

اسلامﷺ بچپن کے زمانے میں بچوں کویہ سکھاتا ہوکہ ‘‘ناف سے گھٹنے کے درمیان پردہ ہے ’’ (مستدرک للحاکم ۵۶۸،۳، عن عبداللہ بن جعفر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم)۔

یعنی اس حصہ جسم کوکسی کے سامنے کھولنا جائزنہیں، کیونکہ اسے ننگا دیکھنے سے شہوت ابھرتی ہے ۔وہی پیغمبرجنس کی تعلیم کاجواز پیش کرکے عورت اورمرد کوعزت باختہ بنادے اورحرام شہوت کے دلدل میں گراکر انسا ن کوحیوان کی صف میں کھڑا کردے۔کیااس سے یہ تصورکیاجاسکتا ہے؟ایں خیال ست ومحال ست وجنوں ۔

جنسی تعلیم کے بدبختانہ نتائج پرایک سرسری نگاہ آپ بھی ڈال لیں تاکہ اس کے عدم جواز کا فیصلہ کرنے میں آپ حق بجانب ہوسکیں۔ علامہ عبداللہ ناصح علوانؒ لکھتے ہیں:

‘‘ترقییافتہ اورمتمدن طبقہ میں بھی اب یہ بات کوئی انوکھی اورتعجب خیزنہیں رہی ہے کہ سات یا آٹھ سال کی بچیاں،بچوں سے یاری کریں اوربسااوقات وہ ان کے ساتھ گناہ میں مبتلا ہوجاتی ہیں۔ برطانوی اخبارات نے ایک خبرشائع کی ہے کہ پچیس سال کی ایک نوجوان استانی قریب البلوغ لڑکوں کی ایک جماعت کوجنسی تجربہ کی عملی مشق کرایاکرتی تھی۔چنانچہ وہ اپنے تمام طلباء اور شاگردوں کے سامنے ایک ایک کرکے اپنے تمام کپڑے اتار دیاکرتی تھی اورمکمل طور سے بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ اس کام کی عملی تربیت دیاکرتی تھی۔لبنان کے رسالہ ‘‘الامان’’ نے اپنی اشاعت ۳۰/۱۱/۱۹۷۹ء میں لکھا ہے کہ ایک آزاد قسم کاعرب نوجوان ڈنمارک گیا۔ اوروہاں کے ایک ٹھیٹر میں اچانک اس نے کیا دیکھا کہ ایک ایکٹرس ایک ایک کرکے اپنے تمام کپڑے اتاررہی ہے پھرتمام لوگوں کے سامنے وہ مکمل برہنہ ہوکر کھڑی ہوگئی اور پھر اس نے اپنے پالتو کتے کو بلایا تاکہ وہ سب کے سامنے اس کے ساتھ زناکرے،اورپھرتھوڑی دیربعد اس نے حاضرین کو چیلنج دیاکہ وہ بھی سازوآواز و موسیقی کے شوروغل اورنگاہوں کو چکاچوند کردینے والی روشنی میں اس کے ساتھ وہی کام کریں جو کتے نے کیا تھا۔ اورپھراس عرب نوجوان نے اپنی آنکھوں سے دیکھاکہ ایک مدہوش افریقی ٹھیٹر کے تخت پراس کتے کی پیروی کرنے کے لئے اس عورت کی طرف بڑھا... ’’ (اسلام اور تربیت اولاد ۲۹۲،۲۹۳،۱) ۔

نکاح کے بارے میں بچے اور بچیوں کے حقوق ہیں:

اصل یہ ہے کہ اسلام مینشادی صرف شہوت رانی کا ذریعہ نہیں بلکہ مردوعورت کی باعفت اور پاکیزہ زندگی گذارنے کا انسانی اورایمانی تقاضا ہے ۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

‘‘یامعشرالشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فإنہ أغض للبصر وأحسن للفرج’’ (صحیح مسلم ۴۴۹،۱)(اے نوجوانو! تم مینسے جوشخص نکاح کرلینے کی پوزیشن میں ہو وہ ضرور بلاتاخیر نکاح کرلے، اسلئے کہ نکاح نظر کی آوارگی اورشرمگاہ کی بہتر حفاظت کا ذریعہ ہے)۔

‘‘وعن أنسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ إذا تزوج العبد فقد استکمل نصف الدین فلیتق اللہ فی النصف الباقی’’ (مشکوٰۃ المصابیح ص۲۶۸)۔

(جب آدمی نکاح کرلیتا ہے تواس کا آدھا دین مکمل ہو جاتا ہے،اب باقی آدھے کے بارے میں اللہ سے ڈرتارہے)۔

اسی مصلحت کے پیش نظر کبھی ضرورت پڑجاتی ہے کہ ماں باپ بچے اوربچی کے لئے مناسب جوڑملنے پربچپن ہی میں رشتہ ازدواج سے منسلک کردیں۔ تاہم یہ ماں باپ کے حسن انتخاب اوربہتر سے بہتر پسند کے شعور پرموقوف ہے، محض رسم ورواج یابرادری کی روایات کوپورا کرنے یاذاتی تعلقات کو نبھانے کیلئے ایساکرنادرست نہیں ہے، بچپن کیشادی کا جوازقرآن و حدیث اورآثار صحابہ سب سے ملتاہے۔قرآن پاک کی آیت واللا ئی لم یحضن سے استدلال کرتے ہوئے مشہور حنفی محقق ابن الہمام تحریرفرماتے ہیں:

‘‘یجوز تزویج الصغیروالصغیرۃ إذا زوجھما الولی لقولہٖ تعالٰی واللائی لم یحضن،فأثبت العدۃ للصغیرۃ وھی فرع تصور نکاحھا شرعاً’’ (فتح القدیر۳؍۲۷۴مطبوعہ مصر)۔

(بچے اوربچی کا نکاح جائز ہے اگرولی اس کو انجام دے ۔اللہ تعالیٰ کے قول ‘‘واللائی لم یحضن’’ کی دلیل سے۔ اس آیت میناللہ تعالیٰ نے صغیرہ کیلئے عدت کو ثابت کیا ہے جو بچی کے تصور نکاح کی فرع ہے)۔

حدیث صحیح میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کاحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے چھ سال کی عمرمیں نکاح مصرح ہے (صحیح بخاری حدیث۵۱۳۳باب تزویج الاب ابنتہ من الامام مطبوعہ دارالسلام)۔

بچپن کی شادی کایہ و اقعہ تواوربھی عجیب ہے کہ :

‘‘حضرت زبیررضی اللہ عنہ کی بیٹی سے ان کی پیدائش کے دن ہی قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ کی شادی ہوگئی ’’ (مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح۶؍۲۰۶)۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

‘‘إذا زوجہ وھوصغیر جاز نکاحہٗ’’ (مصنف ابن ابی شیبہ حدیث۱۶۰۰۴باب فی رحل یزوج ابنہ وھوصغیر)۔

(جب باپ نے اپنے نابالغ بچے کی شادی کردی تو یہ جائز ہے)۔

اسی طرح آثارصحابہؓ سے بھی بچپن کی شادی کاجوازملتا ہے۔

‘‘إن ابن عمرزوج ابنا لہ ابنۃ أخیہ وابنہ صغیریومئذٍ’’ (السنن الکبری حدیث ۱۳۸۱۷، باب الاب یزوج ابنہ الصغیر)۔

(ابن عمررضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کی شادی اپنے بھائی کی بیٹی سے کی جبکہ ان دنوں ان کے بیٹے بچے تھے)۔

حضرت عروہ ابن الزبیرؓکا اپنے کم سن لڑکے کی شادی حضرت مصعبؓکی کم سن لڑکی سے کرادینے کاواقعہ بھی ملتا ہے (مصنف ابن عبدالرزاق حدیث۱۰۳۵۸،بچے کے حقوق واحکام ص۱۶۳)۔

محدث علامہ نوویؒ نے بچپن کی شادی کے جوازپر اجماع نقل کیاہے:

''أجمع المسلمون علی جواز تزویج الأب بنتہ البکر الصغیر لھذا الحدیث'' (شرح مسلم للنووی۱،۴۵۶، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح۶،۲۰۶)۔

حکیم الامت حضرت مولانااشرف علی تھانوی رحمۃاللہ علیہ نے ہندوستان پربرطانوی عہدحکومت میں بچپن کی شادی پر پابندی کے خلاف ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا تھا جس کانام تھا ''شردالابل فی ذم شاردابل '' لیکن ان ساری تصریحات کے باوجود اس حقیقتکوپیش نظر رکھناضرور ی ہے کہ اب حالات بدل چکے ہیں، چند برسوں پہلے تک اولادیں شادی کے معاملے میں مانباپ کی پسند کے سامنے سرجھکا دیتی تھیں اورزندگی بھر ان کی پسند کے رشتے کو نبھاتی تھیں مگراب حالات بالکل برعکس ہیں۔ مانباپ کی پسند کردہ گھریلو دیندار بہوکے بجائے بیٹے کو اسمارٹ لیڈی اورفیشن ایبل لڑکی چاہئے۔خواہ ان کی پسند کارشتہ زندگی بھر کا ساتھ نہ دے سکے اورخواہ میاں بیوی دونوں ''سیپریٹ فیملی '' میں جینے کی نحوست سے ماں باپ کواس شادی کے بعد ''اولڈ ایج ہوم '' یعنی بوڑھا گھر میں بھیج کر دم لیں اور اپنے لئے جہنم خرید کر ''وائف ازلائف '' کا پرفریب نعرہ لگاتے رہیں۔ ان حالات میں بچپن کی شادیوں کوکامیاب رکھنابیحد مشکل ہے، اس لئے مناسب یہی ہے کہ بچپن کی شادیوں سے پرہیز کیا جائے۔ تاہم یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو کھینچ تان کر بچپن سے پچپن تک نہ پہنچایا جائے ،ورنہ جوانی کے شہوانی جذبات کی د یوانگیمیں اولاد کی حرام کاری کے گناہ میں ماں باپ بھی حصہ دار بنیں گے۔شادی کے سلسلے میں اسلامی ہدایات کاتقاضایہ ہے کہ بچہ اور بچی کے جوان ہوتے ہی ان کا نکاح کرادیا جائے۔

حضرت ابوسعید اورابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہےکہ آپﷺ نے ارشادفرمایا: ''جس شخص کے یہاں لڑکا پیداہوتوضروری ہے کہ باپ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو اچھا علم وادب سکھائے۔ پھرجب بالغ ہو جائے تو بلاتاخیر اس کی شادی کردے،اگربالغ ہونے کے بعداس کی شادی نہینکی اوروہ کسی گناہ میں مبتلا ہوگیاتو اس کا گناہ اس کے باپ پرہوگا '' (مشکوۃ المصابیح ص۲۷۴) ۔

یہی حکم لڑکی کے سلسلے میں بھی ہے:

''عن عمربن الخطاب وأنس بن مالک عن رسول اللہ ﷺ قال فی التوراۃ مکتوب من بلغت ابنتہ اثنتٰی عشرۃ سنۃ ولم یزوجھا فأصابت إثما فإثم ذلک علیہ'' رواھماالبیہقی فی شعب

الایمان (مشکوٰۃ المصابیح ص۲۷۱) حضرت عمرابن الخطاب اورحضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپﷺ نے فرمایا کہ تورات میں لکھا ہے کہ جس شخص کی بیٹی بارہ سال کی عمر میں پہنچ جائے (کچھ لڑکیاں اس عمرمیں بالغہ ہو جاتی ہیں) اورباپ اس کی شادی نہ کرے پھروہ گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کاگناہ اس کے با پ پرہوگا)۔

ایک اورحدیث میں بالغ ہونے کے بعد مناسب جوڑملتے ہی بلاتاخیرشادی کردینے کاحکم ہے۔

''علی ابن طالبؓکی روایت ہے کہ حضرتﷺ نے ان سے فرمایاکہ اے علی!تین چیزوں میں بالکل تاخیر مت کرنا: ۱۔نمازمیں جب اس کا وقت آجائے۔۲۔ جنازہ جب سامنے آجائے۔۳۔ اوربالغہ کنواری لڑکی کی شادی میں جب اس کے برابر درجہ کاجوڑ مل جائے " (جامع الترمذی۱،۴۴،مطبوعہ دیوبند)۔

آج کل مسلمانوں مینلڑکے کے اپنے پیرپرکھڑے ہونے کی صلاحیت یعنی سروس، جوب، عہدہ، بزنس، کاروبار وغیرہ کے بہانے بناکر جوان اولاد کی شادی میں جو غیرمعمولی تاخیرکی جاتی ہے اس کے بھیانک نتائج سے پندرہ سوبرس پہلے حضرت نبی کریمﷺ نے آگاہ فرمادیا تھا۔

''عن أبی هريرةؓ قال قال رسول اللہ ﷺ إذا خطب إليكم من ترضون دينهٗ وخلقهٗ تزوجوه، إلا تفعلوه تكن فتنة فی الأرض وفساد عريض'' رواه الترمذی (مشکوٰۃ المصابیح ص۲۶۷مطبوعہ نعیمیہ دیوبند)۔

(ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ جب تمہارے یہاں کوئی ایسا شخص پیغام نکاح بھیجے جس کے دین و اخلاق کوتم بہتر سمجھتے ہوتواس سے شادی کردو، اگرایسا نہیں کروگے توزمین میں فتنہ برپاہوجائے گا، اوربہت بڑا فساد پھیل جائے گا)۔

محدث کبیر حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

'' حدیث کامطلب یہ ہے کہ جس شخص میں دین و اخلاق کییہ پسندیدہ صفت پائی جائے پھربھی اس سے صرف اس وجہ سے نکاح نہ کرو کہ تم مال ودولت کی کثرت اورخاندانی بڑا ئی کے طالب ہوتو اس سے زمین میں فتنہ وفساد برپاہوجائے گا، کیونکہ حبِّ مال وحسب شرکشی اورفساد کاسبب ہوتے ہیں جس کا نتیجہیہ نکلے گا کہ بڑی تعداد میں عورتیں بلاشوہر رہ جائیں گی اور کثیرتعداد میں مرد بلابیوی باقی رہ جائیں گے اوراس طرح زنا کی کثرت ہوجائے گی اورفتنہ برپا ہونے لگے گا " (اشعۃ اللمعات حاشیہ مشکوٰۃ ص۱۰)۔

حقیقتیہ ہے کہ آج کا انسانی معاشرہ رسول عربیﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق سنت نکاح سے روگردانی کے نتیجہ میں جس طرح قتل وغارت گری اور زناکی کثرت ہوم

سیکسولٹی اورفرینڈشپ کی لعنت کاشکار ہے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انسانیت اپنی تباہی کے لئے بارود کے ڈھیر پرکھڑی ہے۔یہاں اس واقعہ کے چہرے سے نقاب کشائی بھی ضروری ہے کہ اسلام میں بچپن کی شادی کا جواز اس مصلحت کے پیش نظر ہے کہ باپ شرعی طور پر اپنی اولاد کی خیرخواہی اوراس کے مصالح حیات کی تکمیل پرمامور ہے۔ لہٰذا اس کوشرعاً اختیار ہے کہ نکاح کی تاخیر سے اس کی اولاد کی خیر خواہی اوراس کی بہتر خوشگوار زندگی کی مصلحت فوت ہوسکتی ہو تووہ حصولِ مصالح کی خاطربچپن ہی میں نکاح کردے جیساکہ پچھلے احادیث وآثار صحابہ کے حوالے سے بیان کیا جاچکا ہے۔ ورنہ توشریعت میں پسندیدہ اوربہتر شادی بلوغ کے بعدکی ہے ۔وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ باپ لڑکا اور لڑکی دونوں کے مشورہ اوراجازت سے ان کے صحیح جذبات اورجائز پسندکی ر عایت کرتے ہوئے دیندار خاندان،ہم عمر، خوشحال ،سمجھ دار،خوش اخلاق ،مناسب شکل وصورت والے دولہا دلہن کودیکھ کر برابر درجہ کے وقارومرتبہ وپیشہ یعنی ''کفو '' میں شادی کرے۔ تاکہ دونوں کامستقبل شاندار،جاندار،خوشگوار اورمحفوظ رہے۔

یہاں راقم سطور کا خیالیہ ہے کہ چونکہ دوسرے ائمہ کرام اورفقہاء عظام سے کوئی مخالف رائے منقول نہیں،اس لئے بالاتفاق معقول بات یہی ہے کہ حسب ارشادات نبویﷺشادی بلوغ کے بعدہی غیرضروری تاخیرکے بغیر کردی جائے تاکہ مقاصدنکاح بھی پور ے ہوں اور باپ بھی بطریق احسن اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو۔

بچہ مزدوری کے بارے میں اسلام کاموقف:

بچپن کے جس زمانے میں ماں باپ پررضاعت وحضانت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے ،وہ بچے کے سن شعوروتمیز تک پہنچنے کازمانہ ہوتاہے ۔اس میں بنیادی طورپر بچے کے لئے ماں باپ سے حق پرورش حاصل کرنے کادور ہوتاہے، اس عرصے میں کوئی پتھر دل ماں باپ بھی بچہ سے مزدوری کرانے کاتصور نہیں کرسکتا، کسی بھی مانکی ممتا اورباپ کی شفقت بچہ مزدوری کی اجازت نہیں دے سکتی، اسی لئے اسلام بھی اس عمر کے دوران بچہ مزدوری کے سلسلے میں کوئی حکم جاری نہیں کرتا، البتہ عمرکی اگلی دہلیز پرقدم رکھنے کے بعدباپ کی مجبوری اوربچہ کی فقیری کی حالت میں بچہ مزدوری کے جواز کا موقف رکھتاہے۔

صبی ممیزیاسن شعور یاسات سال سے آگے کی عمرمیں داخل ہونے والابچہ یابچی دراصل اپنے باپ کی مالی استطاعت کے مطابق جملہ ضروریات نان نفقہ اورتعلیم وتربیت کے اخراجات کاحقدار ہے ،جب تک حدکسب یعنی کمائی کے لائق عمرتک نہ پہنچ جائے، لیکن بچی کے لئے حدکسب تک پہنچنے کااعتبار نہیں ہوگا بلکہ شادی ہوجانے تک اس کے جملہ اخراجات کی ذمہ داری باپ پر ہوگی، اگربچی اس دوران کسی سلائی کڑھائییادست کاری سیکھ کر کچھ کمانے لگے تب بھی اس کا نفقہ باپ پرہی لازم ہوگا، اس کو اپنی کمائی

سے خرچ چلانے پر مجبور نہیں کیاجاسکتا، علامہ ابن نجیملکھتے ہیں:

''اگرباپ مالدار ہواوربچہ فقیرہوتو بچے کے کمانے کے لائق ہونے تک اگرچہ وہ اختلام کی حدتک نہ پہنچا ہو اس کا خرچہ باپ پرواجب ہے اوراگر وہ کمانے کے لائق ہوگیا ہوتو باپ اس کومزدوری پرلگا سکتا ہے، اور اس کی کمائی کوبچہ کی ضرورت پرخرچ کرے لیکن بچی کے لئے یہ حکم نہیں کہ باپ اسے کمانے پر لگائے '' (البحرالرائق ۴،۴۴۱)۔

علامہ ابن عابدین شامی اس کی تائید کرتے ہیں:

''أراد بالطفل العاجزعن الكسب لأنه إذا بلغ حد الكسب ولم يبلغ فی نفسه لاتجب نفقته علی أبيه بل يوجروينفق عليه من أجرته'' (منحة الخالق علی البحرالرائق ۴،۳۴۰)۔

(طفل کامطلب کمائی کے لائق نہ ہوناہے کیونکہ جب کمائی کے لائق ہوجائے گا تو اگرچہ فی نفسہ (حقیقت میں) بالغ نہ ہو تواس کاخرچ باپ پرواجب نہیں رہے گا بلکہ اس کو مزدوری پرلگا کر اس کی اجرت کواسی پر خرچ کیاجائے گا)۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں لکھاہے:

''اگرباپ کاارادہ ہو کہ بچوں کوکسی کام یاخدمت میں لگادیں تواس کویہ حق ہے، کیونکہ اس میں خود چھوٹے بچے کانفع ہے یا تو تعلیم سے پہلے سیکھےیاتعلیم کے بعدلیکن اگروہ ڈھنگ سے کام کاج نہیں کرسکتا تواس کاخرچ باپ پرہی لازم ہے،اھ، رملیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے اکثر علماء نے اس کی صراحت کی ہے '' (منحة الخالق علی البحرالرائق ۱،۲۴۲)۔

اوپرعبارت سے ظاہرہوا کہ بچہ کی مزدوری کی منشا خود بچے کی تعلیمییاذاتی ضروریات کی خودکفالت ہے نہ کہ باپ کی معاشی ضرورت کوبہتر بنانایاسنبھالنا۔لہٰذا محض اپنی معاشی ضرورت پوراکرنے کے لئے بچہ کو مزدوری پر لگانا جائزنہیں ہوگا۔ یہانیہ بھی واضح ہواکہ خود بچے کی منفعت کیلئے باپ اسے کسی کام کوسیکھنے میں لگائے تویہ جائز ہوگا۔ البتہ چھوٹے موٹے گھریلو کام میں لگا نا جس کا نفع خود مانباپ یااولیاء کوہوتو یہ درست ہے، مثال کے طور کنویں سے پانی بھرکرلانا، یا دکان سے کوئی سودا سلف خرید کر گھروالوں کوپہنچانا یا ایندھن کے گٹھر اٹھاکر لانا بھی جائزہوگا، اس کی تائید مندرجہ ذیل روایت سے ہوتی ہے،جسے اپنے فیصلہ کی تائید میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیاہے:

ایک فارسیہ عورت نے رسو ل اللہﷺ کی خدمت میں حاضرہوکر عرض کیایارسول اللہ ﷺ میرے شوہرچاہتے ہیں کہ میرے بچے کو مجھ سے چھین کر لے جائیں جبکہ میرے بچے نے ابوعنبہ کے کنویں سے پانی لاکر مجھے پلایا ہے اور مجھے نفع

پہنچایا ہے، حضورﷺ نے فرمایا تم دونوں قرعہ اندازی کرلو، اس پراس کے شوہر نے کہا کہ کون میرا حق چھین سکتا ہے اورمجھ سے کون جھگڑا کرسکتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر بچے سے کہاکہ یہ تمہارے باپ ہیں اوریہ تمہاری ماں ہے،توجس کاچاہے ہاتھ پکڑ لے۔تواس نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔ماں اس کو لے کر چلی گئی (سنن ابودائود حدیث۷۷ ۲۲باب من احق بالولد،سنن نسائی حدیث۲۵۲۶ باب اسلام احدالزوجین وتخییر الولد)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتاہے کہ بچہ گھریلو کام میںماں کاہاتھ بٹانے لگاتھا اورمدینہ کے ابوعنبہ کے کنویں سے جوایک میل کی دوری پرتھا پانی لاکر ماں کونفع پہنچاتا تھا، اورحضورﷺ کابچہ کو یہ فرمانا کہ ''یہ تیرا باپ ہے اوریہ تیری ماں ہے تو جس کا چاہے ہاتھ پکڑلے اوراسی کے ساتھ چلاجا ''۔ بتارہا ہے کہ وہ بچہ سن تمیز کوپہنچ چکا تھا لہٰذا اس عمرمیں بچہ گھریلو کام کاج میں والدینیااولیاء کاہاتھ بٹا ئے تویہ جائزہے۔

انتہائی غربت اورمعاشی بدحالی کی بنا پر بچونکومزدوری پرلگانا:

اس سلسلے میں پہلی ہدایت وہ ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے ۔

''وصاحبھما فی الدنیا معروفا'' (سورۂ لقمان : ۱۵) (اوروالدین کے ساتھ دنیامیں ان کی ضرورتوں کی کفالت کرو)۔

علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں کہ یہ آیت کافروالدین کے بارے میں نازل ہوئی ہے،اوریہ معروف بات (بہتر سے بہتر کفالت) نہیں ہے کہ بیٹاتواللہ کی نعمت سے فائدہ اٹھائے اورماں باپ کومرنے کے لئے بھوکا چھوڑدے (البحرالرائق ص۳۴۸ج۴، زکریادیوبند)۔

مانباپ کی انتہائی غربت اورکام کاج کے قابل نہ ہونے کی صورت میں ان کی نابالغ اولاد پرمزدوری اورکوئی بھی مناسب کام کرکے والدین کاخرچ اٹھانا واجب ہے، مذکور ہ بالا قرآنی حکم کاتقاضایہی ہے، اس کے علاوہ فقہاء نے بھی اس کی صراحت کی ہے:

''نفقۂ والدین کے واجب ہونے کے سلسلے میناصل اعتبار والدین کے صرف محتاج وتنگدست ہونے کاہے اس لئے کہ انھیں مشقت ودقت کی خوراک کھلانے میں جو تکلیف اٹھانی ہوگی،وہ والدین کواف کہنے کی تکلیف سے کہیں زیادہ ہے جس کی حرمت اللہ تعالیٰ نے فلاتقل لھماالآیۃ میں بیان فرمائی ہے'' (فتح القدیر)۔

اب اگروالدین کی تنگدستی اورمجبوری اس سے بھی زیادہ ہوکہ وہ بیچارے کمانے کے لائق بھی نہ رہے ہوں یااپاہج اور محتاج ہونتو اولاد کومزدوری کرکے ان کی کفالت کرنی لازم ہوگی۔ یہاں تک کہ اگر کمسنی کی وجہ سے اتنی کم یافت ہوکہ وہ بچہ صرف اپناگزارہ کرسکتا ہے تب بھی مانباپ کو اپنی خوراک میں اسے شریک کرناہوگا اورخود

اتناہی کھانے پراکتفا کرناہوگا جس سے اس کے بدن میں کمانے کے لائق قوت برقرار رہے، علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

''بعض علماء فرماتے ہیں کہ بیٹے کومجبور کیاجائے گا کہ وہ اپنے باپ کو اپنی خوراک میں شامل کرے جبکہ بیٹے کو اس خوراک سے اتناہی مل پارہا ہوجس سے اس کابدن صحیح کام کرتارہے اوراس کو ایسی تکلیف نہ پہنچے جواسے کمانے سے روک دے۔اور امام ابویوسفؒ سے بھی روایت کیگئی ہے کہ انھوننے فرمایا اگربیٹاایسا نہ کرسکے توباپ ضائع ہوکر رہ جائے گا '' (منحۃ الخالق علی البحرالرائق ۳۴۹،۴)۔

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

''ولایجبر الابن علی نفقۃ أبویہ المعسرین إذا کان معسراً إلا إذا کان بھما زمانۃ أو بھما فقر فقط فإنھما یدخلان مع الابن ویأکلان معہ ولا یفرض لھمانفقۃعلی حدۃ'' (البحرالرائق ۳۴۹،۴)۔

(بیٹے کو تنگدست ماں باپ کے نفقہ پرمجبور نہینکیاجائے گا جبکہ وہ خودبھی تنگ دست ہو، مگر جب ماں باپ اپاہج ہوں یاوہ دونونمحتاج ہوں تب بھی(بیٹے پرواجب ہوگا)اور والدین اس کے ساتھ کھانے مینشامل رہیں گے ،علیحدہ سے خرچ مقررنہیں کیاجائے گا)۔

حدیث نبوی کے اشارۃ النص سے بھی ظاہرہوتاہے کہ اولاد جس حال میں بھی ہواگر حسب حال وہ محنت مزدوری کرکے والدین کی کفالت نہ کرے تو وہ نافرمانی کے گناہ میں مبتلا ہوگا۔امام احمد،نسائی،بزار، حاکم، حضرت عبداللہ بن عمربن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا:

''ثلثۃ حرم اللہ تبارک وتعالٰی علیہم الجنۃ مدمن الخمر، والعاق لوالدیہ والدیوث الذییقر الخبث فی أھلہ''۔

(تین آدمی ایسے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کردی ہے۔ شراب پینے پرمداومت کرنے والا، اوراپنے والدین کی نافرمانی کرنے والا، اوروہ دیوث شخص جو اپنی بیوی میں بدکرداری کو برقرار رکھے)۔

عبداللہ ناصح علوان لکھتے ہیں کہ:

''نافرمانی مینیہ بھی داخل ہے کہ لڑکا اپنے ضرورت مندوالدین کے نان نفقہ کاخیال نہ کرے اوروہ اس پردعویٰ کرنے پر مجبور ہو جائیں تاکہ قاضی ان کا نان نفقہ لڑکے پرلازم کردے '' (اسلام اورتربیت اولاد ۳۷۹،۱)۔

جرائم اور نابالغ بچے:

اسلام میں بالغ ہونے سے پہلے لڑکے اور لڑکیاں دونوں مرفوع القلم قراردی گئی ہیں، اس لئے ان پرکوئی انتہائی درجہ کی سزا جاری نہیں ہوگی۔حدیث میں ہے:

''عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ رفع القلم عن ثلثۃ:عن النائم حتی

یستیقظ وعن الصبی حتییبلغ وعن المعتوہ والمغلوب علی عقلہٖ" رواہ الترمذی وابوداؤدورواہ الدارمی عن عائشۃ وابن ماجہ عنہما (مشکوٰۃ المصابیح ص۲۸۴باب الخلع والطلاق)۔

(حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین شخصونکی خطائیں معاف ہیں: سونے والے کی جب تک بیدارنہ ہو،بچے کی جب تک بالغ نہ ہو،پاگل اور بدعقل کی)۔

چنانچہ اسی اصول پرفقہاء کرام نے نابالغ بچے اور بچیوں کے مذکورہ بالاجرائم میں سے ہرایک کے احکام تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں جن کومختصراً یہاں نقل کیا جاتاہے۔

قتل:

اسلام میں قتل کی سزایہ ہے کہ عاقل،بالغ شخص جان بوجھ کردھاردار آلہ سے کسی کو قتل کردے تواس جرم قتل میں اس کو بھی قتل کیاجائے گا۔اصطلاح شریعت میں اسی کو قصاص کہتے ہیں لیکنیہی جرم کسی نابالغ سے عمداًیاخطاءً سرزد ہوتو اس کو قصاصاً قتل نہیں کیاجائے گا ۔البتہ اس جرم پراس کے خاندان والوں سے دیتیعنی خوں بہا لیاجائے گا تاکہ خون ناحق رائیگاں نہ ہو۔محقق ابن الھمام لکھتے ہیں:

''منہماکون القاتل عاقلا بالغا إذ لایجب القودعلی الصبی أصلا" (فتح القدیر۹،۱۳۸، فتاویٰہندیہ۶،۳۲)۔

(حکم قصاص میں سے قاتل کاعاقل بالغ ہوناہے کیونکہ نابالغ بچے پربالکل قصاص نہیں ہے)۔

غارت گری اورڈکیتی:

اسلام میں غارت گری اورڈکیتی کی سخت سزا مقرر ہے، جسے قرآن پاک کی سورۂ مائدہ آیت۳۳ میں ذکرکیا گیا ہے، لیکن اسی جرم غارت گری وڈکیتی پربچے کی سزاکومعاف رکھاگیا ہے، یہاں تک کہ اگرڈاکو ئوں اور غارت گروں میں بچہ بھی شامل ہو تو غارت گروں کی سزا کامعاملہ ہلکا ہو جائے گا اوریہ مسئلہ حقوق اللہ کے بجائے حقوق العباد کا ہو جائے گا۔ امام قدوری لکھتے ہیں:

''فإن کان فیہم صبی...لسقط الحق عن الباقین وصارالقتل إلی أولیاء إن شاؤا قتلواوإن شاؤا عفوا" (مختصرالقدوری ،ص۲۲۲مطبوعہ دیوبند)۔

(اگر ان غارت گروں میں بچہ بھی شامل ہوتو باقی لوگوں سے حق ساقط ہو جائے گا اور حق کا معاملہ اولیاء مقتول کے حوالے ہو جائے گا وہ چاہیں تو لوٹ مار کرنے والوں کو قتل کردیں اور اگرچاہیں تو معاف کردیں)۔

چوری:

اسلام میں چوری کی سزابھی بہت سخت ہے، قرآن کریم میں حکم ہے :

‘‘والسارق والسارقۃ فاقطعوا أیدیھما جزاء بما کسبا نکالا من اللہ واللہ عزیزحکیم’’ (سورۂ مائدہ : ۳۸) (اورچورمرداورچورعورت دونوں کے داہنے ہاتھ (پہنچوں تک)کاٹ دو،اللہ کی طرف سے عبرتناک سزاکے طور پر ،اور اللہ بڑا قوت والا،بڑا حکمت والا ہے)۔

چور ی شریعت اسلامی میں ایک بدترین جرم ہے، اسلام نے فردوجماعت دونوں کے لئے امن وامان اور سکون خاطر کا جو بہترین کامل ترین نظام قائم کیا ہے ،چور اس میں رخنہ ڈالنا اوراس ساری فضاکو درہم برہم کرڈالنا چاہتا ہے، آیت کے اس ٹکڑے نے واضح کردیا کہ چوری کابدبخت مجرم ہے ہی ایسی سزا کا مستحق (تفسیرماجدی۱،۹۰۹)۔

لیکن اگرنابالغ یانابالغہ نے چوری کرلی ہے خواہ کسی مقدار مال میں کی ہو تو اس چوری کی سزا جاری نہیں کی جائے گی، البتہ چوری کردہ رقم اورسامان کو واپس کرنالازم ہوگا اوروہ ضائع ہوگیاتو اس کا ضمان دینا ہوگا، علامہ ابن نجیم مصریؒ اس سزا سے بچے بچیوں کے مستثنیٰ ہونے کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

‘‘اورمکلف کی قیدسے بچے اورپاگل اس سزا سے خارج ہوگئے کیونکہ ہاتھ کا ٹنا عقوبت ہے اور دونوں میں اس کی اہلیت نہیں ہے ،پس یہ د ونوں آیت سرقہ سے مستثنیٰ ہونگے، البتہ دونوں مال کے ضامن ہونگے ’’ (البحرالرائق ۵،۸۴) ۔

بلکہ اگرچوروں کے گروہ نے چوری کی اوراس میں بچہ بھی شامل تھا توامام ابوحنیفہؒکے نزدیک کسی پربھی چوری کی سزا نافذ نہیں ہوگی، کیونکہ ممکن ہے کہ اصل چوری کرنے والا نابالغ رہاہو اور اگرچوری کرنے والے بالغ ہی رہے ہوں تب بھی کم ازکم شبہ تو پیدا ہوہی گیا (اوراصولیہ ہے کہ الحدود تندرئ بالشبہات ،حدودشبہ پیداہونے سے ساقط ہوجاتے ہیں) اور نابالغ ہوتو حد جاری نہیں ہوگی (جامع احکام الصغار۱،۱۹۸)۔

زنا:

اسلام میں زنااتنابدترین معاشرتی گناہ ہے جس کی نحوست حسب نسب، معاشرت اور امن عامہ سب پر پڑتی ہے، اسی لئے اس کی سزا ‘‘الرجم للثیب والجلد للبکر’’ (صحیح بخاری کتاب التفسیر۲،۶۵۷) (شادی شدہ بالغ مردوعورت کے لئے سنگساری اورغیرشادی شدہ کیلئے سوکوڑوں کی مار (رکھی گئی ہے) ۔

اوراس سزا کونمونۂ عبرت بنانے کے لئے قرآن پاک مینیہ حکم بھی دیا گیا ہے:

‘‘ولا تأخذکم بھما رأفۃ فی دین اللہ إن کنتم تؤمنون باللّٰہ والیوم الآخر ولیشہد عذابھما طائفۃ من المؤمنین’’ (سورۂ نور: ۲) (اوران دونوں پراس سزا کے لئے اللہ کے حکم کوجاری کرنے میں تمہیں ترس نہیں کھانا چاہئے ، اگر تم اللہ اورقیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، اوریہ بھی چاہئے کہ ان دونوں کی سزا کو ایمان والوں کی ایک جماعت مشاہدہ کرے)۔

اس کے باوجوداسی جرم کے نابالغ اورنابالغہ سے سرزد ہوجانے پران کے غیر مکلف ہونے کی وجہ سے اسلام میں ان کے اس فعل بدکو حرمت زناسے تعبیر نہیں کیاگیا۔

امام سرخسیؒ کی ‘‘المحیط ’’ کے حوالے سے منقول ہے :

‘‘حتی إن وطأ المجنون والصبی العاقل لایکون زنا لأن فعلهما لایوصف بالحرمۃ’’ (فتاوی ہندیہ۱۴۲،۲) (یہاں تک کہ اگرکسی پاگل اورباشعور بچے نے ہمبستری کرلی تو وہ زنانہیں کہلائے گا کیونکہ ان دونوں کے اس فعل کو زنا سے تعبیر نہیں کیا جاتا)۔

تاہم ان نابالغوں کے سرپرستوں کواس فعل کے ارتکاب پرسرزنش کرنی ہوگی تاکہ ان کی اصلاح ہو جائے۔

‘‘وإنما یؤدب أیجب علی من تولی أمورالناس أن یودبہ لأجل إصلاح حالہٖ’’ (حاشیہ الثمرالدانی ص ۵۹۳،روضۃ الطالبین۵۹۳،۱۰) (لوگوں کے معاملات کے ذمہ داروں پرواجب ہے کہ اس نابالغ کی سرزنش ان کے اصلاح حال کی خاطر ضرورکریں)۔

فقہاء کابالاتفاق فیصلہیہ ہے کہ اگرنابالغ لڑکا یالڑکی شادی شدہ بھی ہو تب بھی رجم کی سزا جاری نہیں ہوگی (بدائع الصنائع ۴۹۳،۴،روضۃ الطالبین۶۸،۱۰،الروض المربع ص۴۳۴،الثمرالدانی ص ۵۹۱)۔

بچوں کے جرائم کی روک تھام:

بچونمیں جرائم کی پرورش کے اصل ذمہ دارخودبچے نہینبلکہ ہماری فریڈم سوسائٹی ہے جس میں ماں باپ اورعام لوگ اپنی بے لگام آزادی کااستعمال کرتے ہوئے بچوں کے سامنے حیوانی کردار کامظاہرہ کرتے ہیں اور انھیں بڑوں کی حرکتوں کو دیکھ کر بچے بھی ان برائیوں میں لت پت ہو جاتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے:‘‘الناس علی دین خلیلہم’’ لوگ اپنے ہم صحبت دوست کے طریقہ پرچلتے ہیں، اس لئے بچوں کے جرائم کی روک تھام کا سب سے پہلا طریقہیہ ہے کہ ‘‘فرینڈشپ ’’ اور ‘‘فری سیکس ’’ کے ماحول سے دور رکھاجائے۔ دوسرا طریقہیہ ہے کہ بچوں کے لئے کچھ قانونی اخلاقی بندش کوضروری قرار دیاجائے، مثال کے طور پر دس سال کی عمرکے بعد ان کی تادیبی کارروائی کے طور پر انھیں شرعی حدود میں رہتے ہوئے مارنے کی گنجائش رکھی جائے، مثال کے طور پر بچہ اگر اپنا نفع نقصان سمجھتا ہے تو اس کو کچھ سختی سے مارا جائے تاکہ مارنے کا فائدہ حاصل ہو۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک بچے کوزورسے ایک تھپڑ ماراجس سے وہ تلملانے لگا، لوگوں نے ان سے کہا، آپ چھوٹے بچے کو ماررہے ہیں جس پرابھی شرعی احکام واجب نہیں ہوئے، انھوں نے جواب دیا کہ میں نے دیکھایہ اپنا نفع نقصان سمجھتا ہے تومیں نے مناسب سمجھا کہ اس کو ادب سکھائوں (تاریخ دمشق ۱۵۲،۳۰)۔

لیکن مارنے میں تادیب مقصود ہوتعذیب نہ ہو، مناسب یہ ہے کہ ایک ساتھ تین دفعہ سے زیادہ نہ مارے۔ چنانچہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تمام شہروں میں پیغام بھیجا تھا کہ ‘‘استاذ ایک ساتھ تین مار سے زیادہ نہ مارے ،اس سے بچہ ڈر جائے گا ’’

(العیال لابن ابی الدنیا ص۳۵۳)۔

البتہ قریب البلوغ بچہ اگربہت بدتمیز اورشرارتی ہے اورتین مارسے وہ کوئی اثر نہیں لیتا اورمربی کواس سے زیادہ مارکی ضرورت محسوس ہوتی ہے اوربچہ اس کاتحمل بھی کرسکتا ہے تواسے اوسط درجہ کے کوڑے یاچھڑی سے اعتدال کے ساتھ دس مرتبہ ضرب لگائی جاسکتی ہے۔حدیث میں ہے:

''لا عقوبۃ فوق عشرضربات إلا فی حد من حدوداللہ وفی روایۃ لاتجلدوا فوق عشرۃ أسواط'' (صحیح بخاری حدیث۶۸۴۹و۶۸۵۰مطبوعہ دارالسلام) (دس ضربوں سے زیادہ سزانہیں ہے سوائے حد کے اللہ کے حدودمیں سے)۔

لیکن بچوں کے شرارتی مزاج اورحرکت کے اعتبارسے کبھی اس سے زیادہ کی ضرورت محسوس ہوتو صرف تادیب کی نیت سے غصہ اوربھڑاس نکالنے یاانتقام لینے کی غرض سے نہیں، دس ضربات پراضافہ کیا جاسکتا ہے، علامہ قابسی فرماتے ہیں:

''انشاء اللہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ دس سے زیادہ مارے لیکن اللہ جانتا ہے کون اصلاح چاہتا ہے اور کون بھڑاس نکالتا ہے (الرسالۃ المفصلۃ ص۱۵۱،۱۵۰۔بچوں کے احکام ومسائل ص۳۳۷)۔

تاہم بطورتادیب مارنے مینیہ احتیاط لازم ہے:

(۱) ایسی چھڑی سے مارے جو نہ بہت سخت ہونہ بہت نرم بلکہ بیچ والے درجہ کی ہو، اورمارتے وقت ہاتھ بہت تان کرنہ مارے اورایک ہی جگہ نہ مارے، ایک مرتبہ حضرت عمررضی اللہ عنہ نے بیچ کا کوڑا منگوایا اور مارنے والے سے کہامارو لیکن تمہاری بغل نظرنہ آئے (ہاتھ تان کرنہ مارو) اورہرعضو کواس کا حق دو(ایک ہی جگہ نہ مارو) (مصنف عبدالرزاق ۲۹۶٫۷، مصنف ابن ابی شیبہ۵۰٫۱۴، السنن الکبریٰ۵۶۵٫۸)۔

(۲)لٹاکر،بیڑی ڈال کر،کپڑے اتارکر نہ مارے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے (مصنف عبدالرزاق ۳۷۳٫۷،السنن الکبریٰ۳۲۶٫۸)۔

(۳)رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''إذا ضرب أحدکم فلیتق الوجہ'' (جب تم میں سے کوئی مارے تو چہرے پرمارنے سے بچے) (سنن ابودائود حدیث۴۴۹۳، مسنداحمد ۲۴۴٫۲، الادب المفردص۱۷۴)۔

(۴) سرپر،نازک اعضا جیسے شرمگاہ پرمارنا جس سے جان کو خطرہ ہو جائے جائز نہیں۔

(۵) ایسی سخت مارمارنا بھی جائز نہیں جس سے خون نکلے یاایسا زخم لگے جس کا اثر گوشت تک پہنچے یاہڈی ٹوٹے (مصنف عبدالرزاق ۲۹۶،۲۹۸،۳۶۹،۳۷۹،۳۷۱٫۷، مصنف ابن ابی شیبہ۵۰۱،۱۵۲٫۱۴) ۔

یہ واضح رہے کہ اسلام میں بچوں کوصالح معاشرے کاصالح فرد بننے اورتعلیم

وتربیت کے نقطۂ نظر سے ہی ان تنبیہات کو اعتدال وتوازن کے ساتھ گوارا کیاگیا ہے جن لوگوں کوبچوں کے جرائم سے شکایت ہے وہ خود بہت حدتک بچوں کو مجرم بنانے کے ذمہ دارہیں، آج ایک طرف پورے یورپ اورامریکہ نے اسکول کے ٹیچرس اورتعلیم گاہوں کے استاذوں اورانتہا یہ کہ ماں باپ سے بچوں کو تنبیہاً وتادیباً مارنے کے حق کو قانون کے ذریعہ چھین کر پولس کسٹڈی میں فریڈم کلچرل سوسائٹی کاحصہ بنادیا ہے، جس سے بچوں میں جرم کا حوصلہ اورقانون شکنی کا جذبہ ابھرتاہے ،وہ استاذوں کو جوتے ہی نہیں بلکہ گولی مارنے لگتے ہیں اور ماں باپ کو فالتو مدکی چیزسمجھتے ہیں، جس کا بھیانک نتیجہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔

(۶) اس سلسلے میں بچوں کے جرائم کے سدباب کیلئے موجودہ حالات میں سب سے زیادہ ضروریہ ہے کہ حکومتیں ماں باپ کو حق تادیب وتنبیہ واپس کریں او ر ماں باپ بچوں اور بچیوں کو ٹیلی ویژن ،انٹرنیت،موبائل اورفیس بک کے استعمال سے دور رکھیں۔ اوربہت ناگریز صورت حال میں اپنے ساتھ بٹھا کر معلوماتی فیچر ،ڈسکورییادینی پروگرام دکھاکر سب کو لاک کردیں۔ حکومت اورسوسائٹی دونوں کو یہ ذمہ داری قبول کرنی چاہئے کہ بچوں اور بچیوں کوجرائم پیشہ بننے سے روکنے کے لئے ان پر اخلاقی بندش اور ان کی بے لگام آزادی پرپابندی لگانا بے حد ضروری ہے۔ یہ ساری باتیں قرآن پاک کی ہدایت: ‘‘ولا تقربوا الفواحش ماظہر منہاوما بطن’’ (سورۃ الانعام : ۱۵۱) (اورکھلی اورچھپی بے حیائی کی باتوں کے قریب مت جائو) کے تحت آتی ہیں ۔

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

‘‘الفواحش کے معنی بہت وسیع ہیں ،تنہا زناکاری کے نہیں۔بدکاری،بے حیائی فحاشی کی تمام صورتیں اس کے اندر آگئیں، پھرلاتقربوا کی تعمیمیعنی اس کے قریب بھی نہ جائو۔اورپھر ماظہر منہاومابطن نے تعمیم کی حد ہی کردی۔ بے حجابی ،لباس میں بے ستری وغیرہ کی تمام حقیقی صورتیں خواہ پبلک میں ہوں یاپرائیوٹ مینیکساں حرام قرار پاگئیں۔ چہرہ پر پوڈر لپ اسٹک وغیرہ لگا کر بن سنور کر ، نیم برہنہ لباس پہن کر ،خوشبو لگا کر عورتوں کا آزادی کے ساتھ بے تکلف باہر نکلنا۔ مردوں کے مجمع میں بے تکلف چلناپھرنا ، ہنسنا بولنا، سنیمااورٹھیٹر میں شہوانی نظاروں سے لطف اندوزہونا ،آرٹ گیلری میں برہنہ تصویریں دیکھنا۔ غرض تہذیب جدید کے سارے جاہلی عنصر اس آیت کی رو سے حرام ٹھہر جاتے ہیں۔ اخلاق کی پاکیزگی اورپاکیزہ خیالی جوفرد وجماعت دونوں کی حقیقی ترقی کا پہلازینہ ہے ،اس کی جونظیر شریعت اسلام نے قائم کردی ہے ،وہ کہیں تلاش سے بھی نہ ملے گی(تفسیر ماجدی۲،۱۲۱ مطبوعہ لکھنؤ)۔

مجرمانہ ذہن رکھنے والے بچوں کی سرزنش اوراصلاح کے لئے بچوں کی جیلیں قائم کرنا:

اصل یہ ہے کہ اسلام میں نابالغ نوعمربچوں کے لئے جیل کی سزا مقررنہیں ہے،

الایہ کہ ان سے ایساجرم سرزد ہو جائے جس کی اصلاح کیلئے جیل بھیجنا ناگزیر ہوجائے۔

‘‘یعنی فقہاء نے صراحت کی ہے کہ نابالغ کو جرم اور اس جیسے فعل کے ارتکاب پرجیل کی سزا نہیں دی جائے گی، لیکن دوسرے فقہاء کہتے ہیں کہ بد کار نابالغ کو بطور تادیب نہ کہ بطور سزا جیل میں ڈالا جاسکتا ہے ، وہ بھی اس وقت جبکہ اس کے کھلا چھوڑنے کے مقابلہ میں جیل زیادہ مناسب ہو اور اسی میں اس کی تادیب و اصلاح ہوسکتی ہو، اور ان جرائم میں سے جن پر فقہاء نے جیل کی سزا کی صراحت کی ہے نابالغ کا مرتد ہونا (اسلام سے پھرجانا)ہے، مرتد ہو جانے پر بچے کو جیل میں ڈالا جائے گا یہاں تک کہ وہ توبہ کرلے (اسلام میں لوٹ آئے)، یہی قول ہے امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا، اسی طرح سرکش وباغی بچوں کو بھی اس وقت تک جیل میں رکھاجائے گا جب تک ان کی سرکشی اورجنگ جوئی ختم نہ ہو ’’ (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ۱۶؍۳۱۸، حاشیہ ابن عابدین۴؍۲۵۷، ۵؍۴۲۹، المعیار۲؍۲۵۸، ۸؍۴۱۸، المغنی لابن قدامہ۸؍۱۱۵، الانصاف ۱۰؍۳۱۶، معین الحکام ص۱۷۴۔ بدائع الصنائع ۷؍۶۳، جواہرالاکلیل۲؍۱۴۸، مغنی المحتاج للشربین۴؍۱۲۷)۔

غیربالغ لڑکا تجارتی لین دین میں کسی سے مال لے کر ضائع کردے یاقرض کامعاملہ کرلے اور ادائیگی نہ کرے تو مالکیہ،شافعیہ، حنابلہ اوردومیں سے ایک قول کے مطابق حنفیہکامذہب یہ ہے کہ اس کو جیل میں نہیں ڈالا جائے گا۔اس کے غیر مکلف ہونے کی وجہ سے ۔لیکن جیل کے بغیر بھی اس کی تادیب ممنوع نہیں ہے ۔ لیکن مالی معاملات میں بھی نابالغ کیلئے امام سرخسی نے جیل کی سزا تجویز کی ہے۔

‘‘وصح السرخسی من فقہاء الحنفیۃ حبس الولی لتقصیرہ فی حفظ ولدہ ولأنہ المخاطب بأداء المال عنہ’’ (المبسوط ۲۰؍۹۱، الفتاویٰ الھندیہ۳؍۴۱۳، حاشیہ ابن عابدین۵؍۴۲۶، اسنی المطالب وحاشیہ للرملی۴؍۳۰۶، حاشیہ الدسوقی۳؍۲۸۰) (اورفقہاء حنفیہ میں سے امام سرخسی نے نابالغ کیلئے جیل کی سزا کوصحیح قراردیاہے، اس وقت جب بچے کا سرپرست یا ولییا باپ اپنے بچے کی حفاظت ونگرانی سے قاصر ہو کیونکہ بچے کی طرف سے ضائع کردہ مال کی ادائیگی کاذمہ دار تو ولی ہی ہے)۔

مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے بچوں کوقائم شدہ سرکاری ‘‘بچہ جیل ’’ میں ڈالنے سے پہلے ان کی سرزنش اوراصلاح کیلئے ضروری ہے کہ اپنے ہی گھر کو جیل خانہ بنادیا جائے تاکہ باپ یاولی کی نگرانی میں تادیب ہوتی رہے۔

‘‘اکثرنصوص (واضح احکام فقہیہ) اس بات پردلالت کرتے ہیں کہ نوعمر نابالغ کو اپنے باپ یااس کے ولی (سرپرست) کے گھرمیں قیدکیاجائے باوجودیکہ قیدخانہ میں بھی ڈالنا جائز ہے، مگرجب جیل میں اس کے اور بگڑجانے کاخطرہ ہوتو اس کو اپنے ہی باپ کی قیدمیں ڈالنا واجب قرار دیاجائے گا نہ کہ جیل میں’’ (الدرالمختار ۴؍۲۵۳، المعیار۸؍۲۵۲،

احکام السوق لیحیٰ بن عمرص۱۳۵۔الفتاویٰ لابن تیمیہ۱۷۹،۳۴، حاشیۃ الدسوقی۲،۲۸۰، حاشیۃ الصعیدی علی کفایۃ الطالب ۳۰۱،۲)۔

آج کل ایسی مشینی بیڑیاں ایجاد کی جاچکی ہیں جوقیدی کے پائوں میں باندھ دی جاتی ہیں اور ان میں قید کا ٹائم فکس کر دیا جاتا ہے،اگرقیدی مقررہ ٹائم سے پہلے گھر سے باہرنکل جائے تو کنٹرول روم میناس کی اطلاع پہنچ جاتی ہے اور گھریلو جیل کی معیاد اوربڑھادی جاتی ہے ۔بچوں کو سرکاری بچہ جیل میں ڈالنے سے ایک شرعی خرابییہ بھی پیدا ہوتی ہے کہ نابالغ بچیاں بھی ان کے ساتھ اسی جیل میں ہوتی ہیں جبکہ شریعت میں بچیوں کے لئے علیحدہ جیل ہونا ضروری ہے مگر رواجی طورپر بچے اور بچیوں کے مخلوط جیل میں ایک دوسرے کی صحبت میں رہنے کے باعث دونوں کے مزید اخلاقی اوردینی بگاڑ کاخطرہ بڑھ جاتا ہے۔جس سے بچائو کا بہتر طریقہ گھریلو جیل ہی ہوسکتا ہے۔دوسری خرابییہ ہے کہ موجودہ بچہ جیلوں میں بچوں کے جرائم کی نوعیتوں کے اعتبار سے انھیں ایک دوسر سے الگ نہیں رکھا جاتامثلاً قرض کے معاملہ کا قیدی، اور مختلف جرائم کا قیدی، جیسے چوری کا قیدی، چوروں کی عادت اختیار کرنے والا قیدی ،کسی کو جسمانی اذیت پہنچانے والاقیدی، سب کو ایک ہی جگہ رکھا جاتا ہے جبکہ فقہاء اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ان کو ایک دوسرے کے ساتھ ہی قید میں جمع نہ کیاجائے ،اس خوف کی وجہ سے کہ ایککے جرم کا اثر دورسے پر نہ پڑے، حالانکہ ہرقید والے کے لئے وہی معاملہ کیاجانا چاہئے جوان کے جرم وگناہ کے مناسب ہو۔

قیدی بالغ ہو یانابالغ اس کو ایسی غیرانسانی سزا دنیا جائزنہیں ہے جس سے اس کی تحقیر و تذلیل ہو یااس کے کسی حصہ جسم کو تلف وبرباد کیاجائے۔ کیونکہ قید کی مشروعیت قیدی کے احوال کی درستگی اوراصلاح کیلئے ہے نہ کہ اس کی توہین وبربادی کے لئے۔ فقہاء فرماتے ہیں۔

‘‘لا یجوزللحاکم التأدیب بما فیہ الإھانۃ والخطر کضرب الوجہ وموضع المقاتل وکذا جعل الأغلال فی أعناق المحبوسین وکذا لایجوز أن یمد المحبوس علی الأرض عند ضربہٖ سواء کان للحد أو التعزیز، علی ماتقدم’’ (الفتاویٰ الھندیہ۴۱۴،۳)۔

(حاکم کے لئے جائزنہیں کہ وہ ایسی سزادے جس میں اہانت یاجان کاخطرہ ہو ،جیسے چہرہ پریاکنپٹی اور قتل واقع ہونے کی جگہ پرمارنا، اسی طرح قیدیوں کی گردنوں میں بیڑیاں ڈالنا اور یہ بھی جائزنہیں کہ مارتے وقت اس کو زمین پر پھیلادیا جائے، خواہ حد جاری کرنے کیلئے ہویاتعزیر و تادیب کے لئے)۔

چونکہ موجودہ دورکے حکام ان باتوں کی خلاف وزری کرتے ہیں اس لئے حتی الامکان بچوں اور بچیوں کو سرکاری جیلوں سے بچایا جائے اور تادیب کیلئے گھریلو جیل کا نظم کیاجائے، رہا یہ مسئلہ کہ جیل میں بچوں سے کیا کام لیاجاسکتا ہے تو اس سلسلے میں

تین نقاطِ نظر ہیں (الفتاویٰ الھندیہ۳،۴۱۸، الدرالمختاروحاشیتہٗ۵،۳۷۹، اسنی المطالب مع حاشیہ الرملی۲،۱۸۹،۱۸۸و۱۹۴، البحرالزخار۵،۸۲ ، المغنی۴، ۴۹۵، موسوعہ فقہیہ۱۶،۳۲۱)۔

''پہلا قول یہ ہے کہ قیدی کواپنی قید کے دوران کوئی کام کرنے سے منع نہ کیاجائے بلکہ اس کو کام کرنے کا موقع دیا جائے، کیونکہ کام ہی اس کے نفقہ اور ادائے قرض وغیرہ کا سبب ہے اوریہی قول ہے شوافع، حنابلہ وغیرہ ہم کا اور اسی پر بعض حنفیہ نے فتوی دیا ہے'' (حاشیہ ابن عابدین۵،۲۷۸، الفتاوی الھندیہ۳،۴۱۸، ۵،۶۳، البحر الزخار۵،۸۲)۔

''دوسراقول یہ ہے کہ زیرقید،قیدی کو کام کرنے سے منع کیاجائے گا اور اس کواس کاموقع نہیں دیاجائے گا تاکہ جیل اس کے لئے آسان نہ بن جائے ورنہ جیل اس کے لئے دکان کے درجہ میں ہوجائے گا۔ حنفیہ کے مذہب مینیہی قول معتمد ہے اور ان کے علاوہ دیگرفقہاء نے بھییہی کہا ہے '' (البحرالزخار ۵،۸۲، وتری الجنۃ الاخذبھذاالرأی ھوالاوفق اذاروعی فی ذالک المصلحۃ العامہ والخاصہ)۔

''تیسرا قول یہ ہے کہ دوران قید قیدی کو کام کا موقع فراہم کرنے کامعاملہ حاکم کی صوابدید اور اس کے اجتہاد پرچھوڑ دیا جائے، یہی علامہ مرتضیٰ کاقول ہے، کویت کی فقہ کمیٹی اسی رائے کو اختیار کرنازیادہ مناسب سمجھتی ہے بشرطیکہ اس میں مصلحت عامہ وخاصہ کی رعایت کی جائے '' (الموسوعۃ الفقہیہ۱۶،۳۲۲)۔

جیل میںنابالغ بچوں کو نکماہوجاے سے بچانے کے لئے بچوں سے قوت برداشت کے مطابق کوئی کام لیاجانا چاہئے۔ مثلاً خیاطی،امبرائڈی، کمپیوٹرنگ ورکس، کیٹرنگ کوکنگ وغیرہ۔ یہ سب کام جیل میں بآسانی فراہم کئے جاسکتے ہیں۔ جہاں تک جیل میں نابالغ بچوں کوسزائیں دینے کی بات کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ کسی نابالغ بچے کا جیل میں ہوناہی سب سے بڑی سزا ہے۔ کیونکہ ماں باپ گھربار، کھیل کود ،اعزا واقربا ،دوست احباب سے میل ملاپ اور آ زادی کے ساتھ زندگی گذارنے کے آرام وراحت کی جگہ قید تنہائی کو جھیلنا کسی عذاب سے کم نہینہے۔ پھربھی اگر جیل کے حکام تادیبی سزادینے کی ضرورت محسوس کریں توان سزائوں سے زیادہ بڑی سزا دینا ان کے لئے جائزنہیں جونابالغ بچے کا باپ یاولی تادیباً دے سکتا ہے۔ ا ن کا ذکر پوری تفصیل کے ساتھ پچھلے صفحات میں کیاجاچکا ہے یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ۔

باقی رہی ان کی اصلاح کی تدبیر توایک مناسب تدبیریہ ہے کہ بچہ جیل کے قانون کو زیادہ سے زیادہ نرم کیاجائے۔ جیل ہی میں بچو نکی پڑھائی لکھائی کا نظم کیاجائے ،خواہ کورس پوراہو یانہ ہو۔ ٹیوٹر اور کوچنگ سسٹم اس کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ اسی کے ساتھ جیل کے حکام ان بچوں کے ساتھ شفقت ومحبت کا رویہ اپنائیں۔ تاکہ جیل ان کے لئے گھر کا آنگن بن جائے۔ کچھ اصلاحی چیزیں جیل حکام کی صوابدید پر چھوڑی جائیں جنھیں مصلحت عامہ وخاصہ کی رعایت سے اپنایا جاناچاہئے۔

لاوارث اوربے سہارا بچے:

مانباپ کے کسی حادثہ میں انتقال یاپچھڑ جانے کے سبب نابالغ بچے یتیمیایتیم کے حکم میں ہوتے ہیں۔ اگرایسے بچوں کا خاندان ان کا حسب نسب معلوم ہے توان کی کفالت وپرورش اورتعلیم وتربیت کی ذمہ داری اہل خاندان پراسی ترتیب سے واجب ہوتی ہے جس کی پوری تفصیل بچوں کے حق پرورش (حق حضانت) کے ذیل میں پیچھے گذرچکی ہے، اور اگر مذکورہ وجوہات یا ولادت کے بعد ماں باپ کی طرف سے پھینک دئیے جانے کے بعد وہ ''لاوارث '' ہوگئے ہوں تواسلامی فقہ کی اصطلاح میں ''لقیط '' کہلائینگے، اور ان کے لئے اسلامی ہدایات کی تفصیل حسب ذیل ہوگی:

''وفی الشرع اسم لمایطرح علی الأرض من صغاربنی آدم خوفامن العیلۃ أو فراراً من التھمۃ'' (کتاب التعریفات ص۲۴۸) (لقیط اصطلاح شریعت میں انسان کے چھوٹے بچے کو کہتے ہیں جسکو فقروفاقہ یا تہمت زنا کی بدنامی کے ڈرسے زمین پر پھینک دیاگیا ہو)۔

ایسے بچوں کے لئے اسلامی ہدایتیہ ہے:

''التقاطہ فرض کفایۃ إن غلب علی ظنہٖ ھلاکہ لولم یرفعہ ولولم یعلم بہ غیرہ ففرض عین'' (الدر المختارعلی ردالمحتار۶؍۴۲۳)۔

(ایسے نابالغ بچوں کو پالنے والے کا ظن غالب (بدرجۂ یقین) یہ ہوکہ اگراسے اٹھا یانہیں گیاتو وہ ہلاک ہو جائے گا تو اس کا اٹھا لینافرض کفایہ ہے اوراگر ا س کا غالب گمان یہ ہوکہ کوئی دوسرا اسے نہیں جانتا توفرض عین ہے)۔

''اگرچہ بچہ کسی عام راستے کے کنارے یاایسی جگہ پایاگیا جہاں سے گزرنے والونکی نظریں اس پر پڑتی ہوں تواسے اٹھا لینا مستحب ہے، اگر اسے یقین ہوکہ فوری طور پر اسے نہیں اٹھایا گیا تووہ ہلاک ہوجائے گا، جیسے پانی میں ڈوبتا ہوایاکسی درندے کے سامنے پایاگیا تو اس کااٹھالینا واجب ہے '' (فتاوی ہندیہ۲؍۲۸۵) ۔

اس بچے کے سلسلے میں دوسری اسلامی ہدایتیہ ہے:

''ایسے بچے کواٹھالینے کے بعد دوبارہ اسی جگہ پھینک دیناحرام قرار دیاجائے گا، کیونکہ اٹھالینے کے بعد اس کی حفاظت وپرورش کی ذمہ داری اٹھانے والے پر واجب ہوگئی، لہٰذا اب اس کو پائے جانے کی جگہ پھینک دینے کا اختیار نہیں ہوگا '' (البحرالرائق ۵؍۲۴۱)۔

تیسری اسلامی ہدایتیہ ہے:

''اگر کسی مسلم شہریامسلم گائوں میں پایاگیا تومسلمان ماناجائے گا ۔ایسی جگہ بچے کو پانے والا غیر مسلم ہوتوتب بھی بچہ کو مسلمان قراردیاجائے گا '' (بدائع الصنائع ۵؍۳۹۱،فتح القدیر۵؍۳۴۵)۔

''اوراگرغیرمسلموں کے مذہبی مقامات، مندر، گرجا گھر یا غیرمسلم آبادی میں پایا

جائے اوراٹھانے والا بھی غیرمسلم ہو تو بچہ کو غیرمسلم سمجھاجائے گا" (فتح القدیر۵،۳۴۵)۔
لیکن مسلم ملک میں پایاجانے والا لاوارث بچہ مسلم ملک یادارالاسلام کی نسبت سے مسلمان قرار دیا جائے گا (شرح الزیادات۶،۲۱۰)۔
اورعلامہ کاسانیؒ نے اسی کو راجح کہا ہے۔
''فکان اعتبارالمکان اولٰی'' (البدائع الصنائع ۵،۲۹۱) (پائے جانے کی جگہ کا اعتبار زیادہ بہتر ہے)۔
اسی طرح غیرمسلم ملک میں غیرمسلم آبادی میں پایاجائے تووہ غیرمسلم ہوگا اورمسلم آبادی میں ملے تو مسلمان تصور کیا جائے گا۔ امام محمدؒکی ایک روایتیہی ہے اور صاحب ''مجمع الانھر'' نے اسے راجح کہا ہے۔ شوافع اور حنابلہ کی رائے میں تردد ہے (مجمع الانھر۱، ۳۷۰)۔
اوراگرمسلم و کافردونوں ایسے بچے کو پائیں تو مسلمان کے سپرد ہوگا (الدرالمختارمع ردالمحتار۶،۴۲۵)۔
انسانی سماج میں زندگی گزارنے والے عاقل،بالغ انسان کا فریضہ ہے کہ وہ لاوارث بچے کو مرنے کے لئے نہ چھوڑے بلکہ اسے اٹھاکر اپنی حفاظت میں رکھے، اس کی اچھی پرورش کرے اور اس کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرے، مذکورہ بالااسلامی ہدایات دراصل اسی انسانی سماجی ذمہ داریوں کو پوراکرنے کی طرف ایک قانونی پیش رفت ہے جو شخصی اور انفرادی دائرے میں آتا ہے ۔

حکومت کی ذمہ داری:

اسلامی قانون کے مطابق لاوارث بچہ ''بحق سرکارمحفوظ '' ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی کفالت کی بنیادی ذمہ داری سربراہ مملکت کی ہوتی ہے، اس کے کھانے پینے،پہنے اوڑھنے اوردیگر ضروری اخراجات بیت المال پر واجب ہوتے ہیں (البحر الرائق ۵، ۲۴۱)۔
ولایت وسرپرستی بھی حاکم وقاضی سے متعلق ہوتی ہے، اسی واسطے پرورش کے مرحلے سے آگے کی ساری ذمہ داریاں سربراہ حکومت کے حوالے ہوتی ہیں ۔معاملات نکاح، خریدوفروخت کے اختیارات بھی حاکم کے سپرد ہوتے ہیں۔ اٹھانے والا اگر خود ہی شادی کرادے،یابچے کے لئے خریدوفروخت کرے تویہ درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ بچہ کو اٹھانے والے کے ذمہ اپنی حقیقی اولاد کے نان ونفقہ، حق پرورش تعلیم وتربیت کے مصارف، ماں باپ بیوی، نابالغ بھائی بہن کے حقوق اتنے زیادہ ہیں کہ انھیں سے عہدہ برآہونامشکل ہے۔بنابریں شریعت اس پرمزید بوجھ ڈال کر اس کی پریشانیوں میں اضافہ کرنانہیں چاہتی۔ یہ ہے اسلام کانظام عدل جس کی نظرملنی مشکل ہے۔
''ولیہ السلطان حتی أن الملتقط إذا زوجہ امرأۃ أوکانت جاریۃ فزوجھامن آخرلم یجز'' (فتاویٰ ہندیہ۲،۲۸۵)۔

(اوراٹھائے ہوئے بچہ کا ولی حکومت کاسلطان ہوگا یہاں تک کہ اگر اٹھانے والے نے اس کی شادی کسی عورت سے کرا دی ،یاوہ لاوارث بچی تھی اوراس کی شادی کسی لڑکے سے کرادی تویہ جائز نہیں ہوگا)۔

''اور اٹھانے والے کا عقد نکاح کرنا جائز نہیں اور عقد خریدوفروخت بھی جائز نہیں ہے'' (فتاویٰ تاتارخانیہ۵،۵۷۲)۔

اسی طرح حاکم کو یہ بھی اختیار ہے کہ ایسے بچہ کے ساتھ اگرمال بھی ہو جواس کے جسم سے بندھا ہوا ہو یاایسی پوزیشن مینہو جس سے سمجھاجائے کہ یہ مال بچہ کیلئے ہی ہے تواس میں تصرف کااختیار کسی کو منتقل کرسکتا ہے۔خواہ بچہ اٹھانے والے کو یا اس کے علاوہ کسی دوسرے کو ۔

''وللقاضی ولایت صرف مثلہ إلیہ کذا، ولغیرالواجد'' (الدرالمختار۴،۴۳۰)۔

(قاضی کو خوداس کے مال میں تصرف کااختیار ہے اوراپنے مثل وہ دوسرے کو بھی اختیار منتقل کرسکتا ہے ،پانے والے کو یا اس کے علاوہ کسی اور کو)۔

اس سے واضح ہواکہ بچہ کو پانے والااگرپر ورش اورتحفظ کے دوران اس پر جو کچھ خرچ کرے وہ بچے پراحسان ماناجائے گا قرض نہیں ہوگا جس کو بعدمیں بچہ سے یااس کے مال سے وصول کرے۔ البتہ قاضی نے ہی اس کے حق میں خرچ کرنے کا اس کو حکم دے دیا ہوتووہ بچہ کے مال سے خرچ کردہ رقم وصول کرسکتا ہے (فتاویٰ ہندیہ۲،۴۸۸، تاتارخانیہ۳،۲۹۶، الدرالمختارعلی رد المحتار۶،۴۲۹، البحرالرائق ۵،۲۴۲)۔

یہانیہ بھی ملحوظ رہے کہ بحکم قاضی تصرف کا نفاذ صرف مسلم حکومت یا دارالاسلام میں ممکن ہے ورنہ جس ملک میں نظام قضا نہ ہو یا وہاں نفاذِ فیصلہ کادائرہ محدود ہو تو وہاں اٹھانے والا ا سکے مال میں تصرف کرسکتا ہے، قاضی کے فیصلے کی ضرورت نہیں (فتح القدیر۶،۱۱۶)۔

لاوارث بچہ اگرغلطی سے قتل کردیاجائے تواس کا خون بہا (دیت) قاتل کے اہل خاندان پرواجب ہوگی اوریہ مال دیت مسلم حکومت کے بیت المال میں جمع کیاجائے گا اوراگر جان بوجھ کر قصدواراده سے قتل کیا گیا اور امام المسلمین نے قاتل سے صلح کرلی (تاکہ معاملہ رفع دفع ہو جائے اورخون رائیگاں ہوجائے)تویہ جائز نہیں ہوگا اور اگر امام وحاکم قاتل کو قصاصاً قتل کرنے کا ارادہ کرے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیکیہ درست ہے اور امام کو خون بہا (دیت) معاف کردینے کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

''ولوقتلہ عمداًفالخیارللإمام بین القتل والصلح علی الدیۃ ولیس لہ العفو'' (البحرالرائق ۵،۱۴۲)۔

اورا گر لاوارث بچہ انتقال کر جائے تو اس کا چھوڑاہوا مال مسلمانوں کیلئے حکومت کے بیت المال میں جمع ہوگا (فتاوی ہندیہ۲،۲۸۶)۔

اپنا بچہ دوسرے کے حوالہ کرکے اس کے عوض ہدیہ لینا:

بچہ کے گارجین (باپ) حددرجہ افلاس اورتنگی معیشت کے باوجود اپنی اولاد کو دوسرے کے حوالے کرکے اس سے بے تعلق نہیں ہوسکتے، شریعت میں رشتہ ولادت ایک فطری رشتہ ہے جوہرحال میں ایک دوسرے کے ساتھ قائم رہتا ہے اور اس رشتے کونبھانے کیلئے شریعت نے پورا نظام نفقہ مقررکیا ہے جس کی ادائیگی مدت حضانت (بچہ کے سن تمیزیا سات سال پورا ہونے تک باپ پر فقرومحتاجی کے باوجود واجب ہے، اور اس کا شرعی حکم یہ ہے (البحرالرائق ۴۱۴،۴ زکریادیوبند)۔

''اوپرمذکورہ مسئلہ کی بنیادپر حکم شرعییہ ہے کہ اگرمفلس، تنگ دست باپ کی چھوٹی اولاد یں ہوں اورباپ ان کی پر ورش کی استطاعت نہ رکھتاہو اورخرچ پوراکرنے پر قادر نہ ہو تو ان چھوٹے بچوں کا نفقہ باپ کی غیرموجودگی (مثلاً انتقال ہوجانے) میں جن لوگوں پرواجب ہوتاہے انھیں پر (استطاعت نہ رکھنے والے باپ کی موجودگی میں بھی) واجب ہوگا، جیسے ماں،بھائی اور چچا (پرورش کا خرچ اٹھائیں گے)اور ان کو یہ حق ہوگا کہ قرض لے کر بچونکی کفالت کریں اور جب باپ تنگدستی سے نکل آئے اور مالدار ہو جائے تووہ اپناقرض ان سے وصول کرلیں، البتہ بڑی عمر کی اولاد کیلئےیہ حکم نہیں ہوگا۔ کیونکہ ان کا نفقہ باپ پر افلاس و غربت کی حالت میں واجب نہیں ۔ ان کے لئے باپ تو میتکے درجہ میں ہے، لہٰذا قرض لے کر خرچ کی صورت میں وہ باپ سے مالدار ہونے کے بعدوصول نہیں کرسکتے، اس سے صاف ظاہر ہواکہ اس نظام شرعی کی موجودگی میں باپ کسی غیر ذی رحم محرم شخص کے حوالے کرکے اپنے بچہ سے بے تعلق نہیں ہوسکتا، اسی طرح اپنی فوری ضرورت پوری کرنے یادوسرے بچے پالنے کی غرض سے اپنے بچے کو واسطہ بناکر بچہ حاصل کرنے والے سے کوئی ہدیہ بھی قبول نہیں کرسکتا، کیونکہ اس صورت میں وہ ہدیہ کے نام پر رشوت دے رہا ہے جس کالیناحرام ہے، اس مسئلہ کی نظیریہ ہے:

''رجل خطب امرأة وهی تسكن فی بيت أختهاوزوج أختها لايرضٰی بنكاح هذا الرجل إلا أن يدفع إليه دراهم فدفع الخاطب إليه دراهم وتزوجاكان للزوج أن يسترد مادفع إليه لأنه رشوة''۔

(ایک شخص نے ایک عورت کو پیغام نکاح دیا اوروہ عورت اپنی بہن کے گھر میں رہتی ہے اور اس کی بہن کا شوہر (مخطوبہ کا بہنوئی) اس شخص سے نکاح پرجبھی راضی ہوسکتا ہے جب اسے کچھ درہم دئیے جائیں ۔چنانچہ پیغام نکاح دینے والا شخص اس کے بہنوئی کوکچھ درہم دے کر اس عورت سے نکاح کرلیتا ہے، تو اب شوہر کے لئے ضروری ہے کہ جو د رہم اس نے بیوی کے بہنوئی کو دئیے ہیں وہ واپس لے لے اس لئے کہ یہ رشوت ہے)۔

دوسری صورت مسئلہ یہ بھی ہے کہ بچہ حاصل کرنے والے سے ہدیہ لینابچہ

حاصل کرنے والے کی طرف سے درپردہ بچہ حاصل کرنے کے لئے شرط کے درجہ میں ہے جو قانون فقہ کی نگاہ میں حرام ہے (فتاویٰ قاضی خاں علی ھامش الفتاویٰ العالمگیریہ۱،۳۹۲،۳۹۱)۔

''ایک عورت کسی شوہر کی عدت میں ہواور کوئی دوسراشخص اس سے کہے توجب تک عدت میں رہے گی میں تیرا خرچ برداشت کرونگا۔ عدت گزرنے کے بعدمجھ سے نکاح کرلینا، اور وہ راضی ہوگئی تو اس صورت مسئلہ کے بارے میں ہمارے مولانا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ وہ شخص اپنی خرچ کردہ رقم اس عورت سے واپس لے لے کیونکہ جب وہ سمجھ گیا تھا کہ اگروہ شخص اس عورت سے نکاح نہیں کرے گا تو وہ اس پرخرچ نہیں کرے گا۔ تویہ خرچ کرناشرط ہی کے درجہ میں ہوگیا۔ جیسے کوئی قرض لینے والاشخص قرض دینے والے کو کوئی چیز ہدیہ میں دے جبکہ قرض لینے سے پہلے اس نے کوئی ہدیہ نہیں دیا تو یہ حرام ہوگا۔ اسی طرح کوئی قاضی بننے کے بعدکسی خاص آدمی کی دعوت قبول نہینکرسکتا نہ اس کاہدیہ قبول کرسکتا ہے کیونکہ قاضی بننے سے پہلے وہ کوئی ہدیہ نہیں دیتاتھا تواب یہ ہدیہ شرط کے درجہ میں ہو جائے گا ،اگرچہ لفظاً یہ ہدیہمشروط نہینتھا'' (فتاوی قاضی خاں علی ہامش الفتاوی العالمگیریہ۱،۳۹۱۔۳۹۲)۔

اس مسئلہ کا تیسرا پہلویہ بھی ہے کہ جو باپ اپنی مفلسی کی وجہ سے بچہ حاصل کرنے والے سے ہدیہ لے کر اپنی ضرورت پوری کررہا ہے اوربچہ سے بے تعلق ہورہا ہے،وہ بظاہر توہدیہ لے رہا ہے لیکن حقیقت میں اپنے آزاد بچے کو بچہ حاصل کرنے والے کے ہاتھ فروخت کرکے اس کا دام (ثمن) کھارہا ہے جو اتنا سخت گناہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''قال اللّٰہ ثلاثۃ أناخصمہم یوم القیامۃ، رجل أعطی بی ثم غدر ورجل باع حراً فأکل ثمنہٗ، ورجل استاجر أجیرا فستوفی منہ ولم یعطہ أجرہ'' (صحیح بخاری، حدیث: ۲۲۲۷ باب اثم من باع حراً)۔

(اللہ تعالیٰ فرماتاہے کہ قیامت کے دن تین شخصوں کو اپنا فریق مخالف بنائوں گا۔ ایک وہ شخص جس نے مجھ سے عہد کرکے غداری کی ۔دوسرا وہ شخص جس نے کسی آزاد آدمی کو فروخت کرکے اس کا دام (ثمن) کھایا۔ تیسرا وہ جس نے کسی آدمی سے مزدوری کرائی کام تو پورا لیا اوراس کی اجرت ادانہینکی)۔

انسانی اسمگلنگ اور اسلامی ہدایات:

ان واقعات کی روک تھام کے لئے قرآن وحدیث میں جوقانون بیان کیاگیا ہے وہ اتنامؤثر ہے کہ اگراس پرعمل کرلیا جائے تودنیا سے ایسے واقعات کاوجود ہی ناپید ہوجائے گا:

''إنما جزاء الذینیحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الأرض فساداً أن یقتلوا أویصلبوا أو

تقطع أیدیہم وأرجلہم من خلاف أو ینفوا من الأرض ذلک لہم خزی فی الدنیا ولہم فی الآخرۃ عذاب عظیم'' (سورۃالمائدہ : ۳۳) (جولوگ اللہ اوراس کے رسولؐ سے لڑتے ہیں اورملک میں فساد پھیلانے میں لگے رہتے ہیں ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کئے جا ئیں،یاسولی دئیے جائیں،یاان کے ہاتھ اورپیرمخالف جانب سے کاٹے جائینیاوہ ملک سے نکال دئیے جائیں،یہ تو ان کی رسوائی دنیامیں ہوئی اورآخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے)۔

اہل تحقیق کے نزدیک دونوں فقر وں کے درمیان کا ''و '' وائو تفسیری ہے اور اس لئے دوسرا فقرہ ''یسعون فی الأرض فساداً'' پہلے فقرہ ''الذینیحاربون اللہ ورسولہ'' کی تشریح وتفسیر اوراس کی مراد متعین کررہاہے۔ ھذا ھو معنی محاربۃ المسلمین(جمل) مراد یہاں رہزنوں اورڈاکوئوں کے گروہ سے ہے، عام اس سے کہ وہ کافرہوں یامسلم (ابن کثیر وتفسیر کبیر)۔

محاربہ اپنے لفظی معنی میں اللہ سے تو کسی کاممکن ہی نہیں، رسول اللہﷺ سے ممکن تھا، لیکن کسی بھی مسلم سے واقع نہیں ہوا اوربعد وفات شریف تواس کاامکان ہی نہ رہا، یہاں محاربہ سے مراد مخالفت یااللہ اوراس کے رسولﷺ کے قانون کوتوڑنا اوراس سے مقابلہ کرناہے، اہل لغت نےیہی معنی لئے، ''أییعصونہ''(لسان العرب وتاج العروس)۔

اوراہل تفسیر توسب اسی طرف گئے ہیں۔

مسلمان توخیرمسلمان ہی ہیں ،ان کے ساتھ ذمیوں کے بھی مال اورجان دونوں اللہ اور اس کے رسولﷺ کے بخشے ہوئے حفظ وامن میں ہوتے ہیں، اب جوکوئی ان پر بلاعذر حملہ کرتاہے وہ پوری طرح فسادفی الارض کامرتکب ہوتاہے اوریہی اللہ اوررسول سے محاربہ بھی ہے۔

یہاں قابل غوربات یہ ہے کہ چاروں سزائیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولﷺ کے قانون کوتوڑنے اور فساد فی الارض اور امن عامہ کوبرباد کرنے پررکھی گئی ہیں اور بلاشبہ قتل،سلب مال یادونوں ایک ساتھ یاصرف ڈرانا دھمکانا اس میں شامل ہیں۔ اورجرم کی نوعیت اورشدت وخفت کے اعتبار سے ان کا نفاذ کیاگیا جیساکہ اس کی پوری تفصیل بروایت ابن عباسؓ رسول اکرمﷺسے ابوبردہ اسلمی کے معاہدہ شکنی کے واقعہ میں جبرئیل امین لے کر نازل ہوئے (رواہ احمدبن حنبل فی تفسیرہ ، تفسیر مظہری۳،۴۵۵)۔

لیکن اس کامطلب یہ نہیں ہے کہ غیرمعمولی طورپر جوجرم اپنی سنگینی اور ہولناکی میں اس سے بڑھ کرہو اگرچہ اس کا تعلق مالی معاملات سے نہ ہو یافقہاء کے نزدیک چوری کی اصطلاحی تعریف اس پر صادق نہ آتی ہو تو اس کو آیت کے ذیل میں شامل نہیں کیا جائے گا، چنانچہ خود رسول اللہﷺ نے ''سرقۃ الصبیان ''یابچہ چوری کو اس آیت میں بیان کردہ سزا کی ایک شق میں شامل فرمایا۔

''عن عائشۃ رضی اللہ عنہا أنہ ﷺ أتی برجل یسرق الصبیان ثم یخرج بہم فیبعہم فی

أرض أخری فأمر بہ رسول اللہ ﷺ فقطعت یدہ'' (سنن دارقطنی۳،۱۴۱ حدیث: ۳۴۲۶، السنن الکبریٰ۸،۴۶۶، حدیث: ۱۷۲۳۲)۔

یہاں کسی طاقت ورگروہ کی طرف سے جرم سرقہ کاثبوت نہیں ہواتھا بلکہ صرف ایک شخص کی چوری کاجرم تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ہاتھ کٹوانے پر اکتفاء فرمایا، اورمخالف جانب سے پیرکونہیں کٹوایا۔

اس سے واضح ہواکہ مال غیرمتقوم جیسے صبیان(بچہ) کے چرانے پربھی حدجاری کی جائے گی، رہا فقہاء کا مذہب:

احناف:''فلا قطع علی سارق الصبی الحر'' (فتاویٰ ہندیہ۲،۱۷۸) (آزاد بچے کوچرانے پرہاتھ نہیں کاٹاجائے گا)۔

امام مالک:''أما إذا سرق الصبی الحر غیر الممیز وھو الذی لایمشی ولایتکلم فإنہ یجب علیہ القطع لأنہ کالمال المحترم''۔

''وروی عن أبییوسف أنہ یجب القطع فی سرقہ الصبی الحرغیرالممیز'' (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۵،۱۷۵) (جب بے شعور آزاد بچہ کو جو ابھی نہ چل سکتا ہو نہ بات کرتاہو،چرائے تو ہاتھ کاٹنا واجب ہے)۔

امام شافعی:''من سرق حراً فإن کان صغیراًفلایجب علیہ القطع لأن الحرلیس بمال'' (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۵،۱۷۴) (جوکسی آزاد آدمی کو چرائے ، ا گروہ چھوٹا بچہ ہے تو چور کا ہاتھ کاٹنا واجب نہیں، کیونکہ آزاد انسان مال نہیں ہے)۔

تمام حضرات فقہاء وائمہ کرام کے نزدیک چونکہ چوری کی سزا کا تعلق ''مال چرانے'' سے ہے اور آزاد بچہ مال نہیں ہوتا، اس لئے ''قطع ید ''کا حکم جاری نہیں ہوگا، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ بہت ہی کمسن ''جو نہ چلے پھرے نہ بات کرے '' کو مال محترم کا درجہ دیاہے ، لیکن جواس عمرسے آگے ہووہ بالاتفاق مال نہیں ہوگا اورنہ حکم سرقہ لاگو ہوگا، لیکن ان حضرات کے زمانہ میں بچہ چوری کی وہ نوعیت نہیں تھی جو موجودہ دورِتمدن میں پائی جاتی ہے، اس لئے مذکورہ حکم کا تعلق ان کے زمانے کے حالات سے ہے، آج کے حالات میں جبکہ بچہ چور گروہ پوری طاقت کے ساتھ بندوق کی نوک پر چوری کرتاہے اور بچوں کا جنسی استحصال کرکے قتل بھی کردیتاہے، اس کے علاوہ بچہ کو قتل کرکے یازندہ بچہ کے دل ،گردہ،دماغ اور دیگر اعضاء کو جسم سے کاٹ کر طبی تجربے یا پیوند کاری کیلئے بڑے پیمانہ پرفروخت کیا جاتا ہے، یاگداگری کیلئے ہاتھ پیرکاٹ کر زندہ لاش بنادیا جاتا ہے، اور ان سب باتوں کے علاوہ انھیں ماں باپ سے اتنی دورکردیا جاتاہے کہ ان کے حق مینیہ بچے مقتول ہی بن جاتے ہیں، ایسی دردناک وہولناک صورت کو فقہاء کرام دیکھتے توکیا وہی حکم دیتے جس کا اوپر ذکر ہوا، یقینا کہاجاسکتا ہے کہ وہ اللہ اوررسولؐ کے قانون کوتوڑنے والے اور فساد فی الارض پھیلانے

والے بھیانک مجرموں کو انھیں چارسزائوں میں سے کسی ایک کامستحق ضرور قراردیتے، کیونکہ معاملہ ‘‘ نفس محترم ’’ کی حفاظت کاہے جو ‘‘مال محترم ’’ کی حفاظت سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ آج کے حالات کے تقاضے میں تیسری سزا قطع یدورجل من خلاف پہنچے تک داہنا ہاتھ اورٹخنوں تک بایاں پائوں کاٹنے کی سزا بلا تردد نافذ کی جائے ۔اس میں قرآن کی پوری اورحدیث کی نصف سزا کی تعمیل ہو جائے گی اورلوگوں کے لئے عبرت کاسامان بھی ہوگا۔ اورانسانی معاشرے سے اس جرم کیبیخ کنی ہوکر رہے گی۔ کم سے کم درجہ میں ‘‘أو ینفوا من الأرض’’ یعنی پکی سچی توبہ تک طویل قید بامشقت پرعمل کرلیاجائے تب بھی بہت حدتک ان جرائم کے انسداد کی راہ ہموار ہوسکتی ہے۔

ذہنی یا جسمانی طورپر معذوربچوں کی پرورش اور نگہداشت کا مسئلہ:

جسمانی طورپر معذور بچوں کے لئے اسلامی ہدایاتیہ ہیں کہ باپ اور ماں دونوں اس کی دیکھ ریکھ علاج اور نگہداشت کے پورے طورپر ذمہ دارہیں، باپ ملازمت اور سروس کی مصروفیات میں خدمت کا پورا وقت فارغ نہیں کرسکتا تواس کی ماں گھر میں اس کی نگہداشت کرے اور ملازمت سے فارغ اوقات میں باپ اس کی خدمت کی ذمہ داری سنبھالے اوراگردونوں کو اس کی خدمت کے لئے کم وقت ملتا ہوتو کسی با تنخواہ خدمت گار کے ذریعہ گھرپر اس کی دیکھ بھال کرائے۔ اورباپ کی شفقت اورماں کی ممتا کا حق معذور بچے سے نہ چھینے، اور جہاں تک اس کی زندگی کی بقاو تحفظ کا تعلق ہے، اس حدتک اس کے علاج معالجے سے پہلو تہی نہ کرے، اس کڑی آزمائش بھری ذمہ داری کو نبھانے پر وہ عنداللہ ماجور ہونگے ورنہ ماخوذ ہونگے، حضرت نبی اکرمﷺ نے ارشاد فرمایا:

‘‘عن أبی الدرداء رضی اللہ عنہ عن النبیﷺ قال ابغونی فی ضعفاءکم فإنما ترزقون وتنصرون بضعفاءکم’’ (مشکوٰۃ المصابیح ص۴۴۷)۔

(ابودرداءؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: میری خوشنودی اپنے کمزوروں (معذوروں) میں تلاش کرو،کیونکہ تمہیں معذوروں کے طفیل روزی اورنصرتِ خداوندی ملتی ہے)۔

دوسری حدیث میں رسول اللہﷺ کاحکم ہے:

‘‘أنس بن مالک یحدث عن رسول اللہ ﷺ قال أکرموا أولادکم وأحسنوا أدبہم’’ (سنن ابن ماجہ،۲۶۱ باب برالوالد والاحسان الی البنات)۔

(انس بن مالکؓ رسول اللہ ﷺ سے حدیث بیان فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حکم فرمایا: اپنی اولاد کی عزت کرواوران کی اچھی طرح دیکھ بھال کرو)۔

جوباپ اورماں اپنے معذور بچے کو باپ کی فطری شفقت اور ماں کی ممتا سے د وری کی اذیت میں مبتلا کرکے دماغی ہسپتال میں داخل کردیتے ہیں اور اپنی ذمہ داریوں

سے فراغ اورفرار حاصل کرکے اسے احساس بے تعلقی کے روحانی کرب و اضطراب اورزندگی کاعذاب جھیلنے اورگھٹ گھٹ کرمرنے کے لئے تنہا چھوڑ دیتے ہیں وہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رو گردانی کے گنہگار ہیں، کیونکہ اس صورت میں باپ اور ماں کے ذریعہ بچے کی عزت کے بجائے اس کی قابل رحم ذلت کا سامان فراہم ہوتاہے نہ کہ اکرام کا، اسپتال اس کیلئے کسی بھی درجہ میں باپ کی آغوش شفقت اورماں کی محبت بھری گود کابدل نہیں ہو سکتا ، اسپتال کا عملہ لاکھ اپنی دیکھ ریکھ اور نگہداشت کی ذمہ داریوں کوپوری کرلے، لیکن بچے کے باپ ماں سے دوری کے احساس اذیت کو دورکرکے اس کی عزت اور شفائیت کوبحال نہیں کرسکتا، البتہ اس کی کربناکی اور بیماری کو بڑھا سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں فقہاء کرام نے جواسلامی ہدایت ذکرفرمائی ہے وہ بھی بہت اہم ہے۔

‘‘بالغ مرد اگر لنجا،اپاہج،دونوں ہاتھوں سے ایسالاچار ہوکہ ان سے کوئی کام نہ لے سکتا ہو،یابے عقل ،فالج زدہ ہو تو اگر اس کے پاس مال ہوتو اس کے مال کو اس پرخرچ کیاجائے گا اور اگر نہ ہو اوراس کا باپ مالدار یا ماں مالدار ہوتو خرچہ اس کے باپ پر واجب ہے، اور اگر وہ قاضی سے یہ طلب کرے کہ وہ اس کے واسطے باپ پر خرچ مقرر کردے تو قاضی اس کا مطالبہ مان کر مقرر کردہ خرچہ اس کو د لوائے، ‘‘محیط ’’ میں ایسا ہی لکھا ہے’’ (الفتاویٰ الھندیہ۱،۵۶۳، زکریادیوبند)۔

اور ‘‘فتاویٰ تاتارخانیہ ’’ میں ایسے بالغ معذور کو چھوٹے بچہ کے درجہ میں رکھا گیا ہے جس کاخرچ بہرحال باپ پر واجب ہوتاہے (الفتاویٰ التاتارخانیہ علی ھامش الفتاویٰ الھندیہ۱،۴۴۸،زکریا دیوبند)۔

یہانیہ بھی واضح رہے کہ شریعت نے کسی کی زندگی کی بقا کیلئے جوخرچ ضروری قرار دیا ہے وہ نفقہ ہے (اسلامی قانون متعلقہ مسلم پرسنل لاء ۱،۱۲۸، الدر المختار ۲،۶۴۳)۔

اس سے معلوم ہواکہ کھانے پینے کا سامان اورکپڑا اورمکان کے علاوہ اولاد کی زندگی کی بقاء وتحفظ کے لئے جو ضروری علاج معالجہ کاخرچ ہے وہ سب نفقہ میں شامل ہے اور خاص طور پرمعذور اولاد کی تمام ضروریات کی کفالت باپ اور ماں کا دینی فریضہ ہے جس سے وہ بچے کی زندگی کے آخری لمحات تک سبکدوش نہیں ہوسکتے اوراگروہ اس فرض سے سبکدوشی کے لئے کسی دماغی ہسپتال یاکسی اور نگہداشت کے ادارے کاسہارا لیتے ہیں تواس کو حکم شریعت سے فرار سمجھا جائے گا۔

***

اسلام میں بچوں کے حقوق – تعلیم وتربیت کے تناظر میں

ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی•

تمہید:

اسلام دین فطرت ہے، چنانچہ اس نے انسانی جذبات اور خواہشات کا اپنی تعلیمات اور قوانین میں بھرپور خیال رکھا ہے، اور انسان کی مختلف خواہشات میں سے شہوانی خواہش کی نفی نہیں کی ہے، اور رہبانیت کی تعلیم نہیں دی ہے، بلکہ اسے ضابطہ کا پابند بنا کر جائز طریقہ سے جنسی خواہش کی تسکین کی رغبت دلائی ہے (سورہ مومنون:۵، ۶، صحیح بخاری حدیث نمبر: ۱۴۰۰)۔

اس طرح اسلام نے خاندان کی تشکیل کی طرف انسانی سماج کی توجہ منعطف کی، اور انسانی نسل کی بقا اور استمرار کا احساس دلایا۔

اسلام کا یہ امتیاز ہے کہ اس نے بچہ کے وجودسے پہلے ہی مختلف امراض، آفات اور عیوب سے تحفظ کی طرف توجہ دلائی ہے۔

پھر بچہ دانی میں نطفہ کے استقرار کے بعد سے ہی اس کے تحفظ کا حکم دیا ہے اور اس کے اسقاط کی کوشش کو قتل کے حکم میں گردانا ہے، الغرض اسلام نے بچہ کے تحفظ کا جو نظم کیا ہے، اس کی نظیر دنیا کے کسی قانون اور مذہب میں نہیں ملتی ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

جواب نمبر: ۱ :

بچوں کے حق پرورش کے سلسلہ میں اسلام کی بنیادی ہدایات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ بچہ کی ہلاکت سے سلامتی اور تکلیف دہ شئی سے حفاظت کی خاطر، اس کی پرورش واجب ہے، اور بچہ کو اس کے حوالہ کیا جائے جو اسے زیادہ شفقت، محبت اور انسیت فراہم کرسکے، اور تربیت کا حق بحسن وخوبی نبھاسکے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''والوالداتیرضعن أولادہن حولین کاملین لمن أراد أن یتم الرضاعۃ، وعلی المولود لہ رزقہن وکسوتہن بالمعروف لا تکلف نفس إلا وسعہا، لا تضارّ والدۃ بولدہا، ولا مولود لہ بولدہ، وعلی الوارث مثل ذلک، فإن أرادا فصالاً عن تراض منہما وتشاور فلا جناح علیہما، وإن أردتم أن تسترضعوا أولادکم فلا جناح علیکم إذا سلمتم ما آتیتم بالمعروف واتقوا اللہ واعلموا أن اللہ بما تعملون بصیر'' (البقرہ: ۲۳۳)۔

• عمید کلیۃ القرآن، جامعہ اسلامیہ شانتاپورم، کیرالہ۔

(اور مائیں اپنے بچوں کو ان لوگوں کے لئے پورے دوسال دودھ پلائیں جو پوری مدت دودھ پلوانا چاہتے ہوں، اور بچے والے کے ذمہ بچوں کی ماؤں کا دستور کے مطابق کھانا اور کپڑا ہے، کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے، نہ کسی ماں کو اس کے بچے کے سبب سے نقصان پہنچایا جائے، اور نہ کسی باپ کو اس کے بچے کے سبب سے، اور اسی طرح کی ذمہ داری وارث پر بھی ہے، پھر اگر دونوں باہمی رضامندگی اور صلاح سے دودھ چھڑا دینا چاہیں، تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں، اور اگر تم اپنے بچوں کو کسی اور سے دودھ پلوانا چاہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں ، جبکہ تم ان کو دستور کے مطابق وہ ادا کرو جو تم نے دینے کا وعدہ کیا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے باخبر ہے)۔

اور ایک جگہ ارشاد ہے:

‘‘فإن أرضعن لكم فآتوهن أجورهن واتمروا بينكم بمعروف وإن تعاسرتم فسترضع له أخرى’’ (الطلاق: ۶) (سو اگر وہ تمہارے بچے کو دودھ پلائیں، تو ان کو ان کا معاوضہ دو، اور دستور کے مطابق ایک قرار داد کرلو، اگر تم کوئی زحمت محسوس کرو، تو اس کے لئے کوئی اور دودھ پلائے گی)۔

چونکہ خواتین بچوں کے حق میں زیادہ شفیق، بچوں کی تربیت اور پرورش سے زیادہ واقف اور ان کی ضروریات کو زیادہ سمجھنے والیاں ہیں، لہذا بچو نکے حق پرورش کے سلسلہ میں ان کو تقدم حاصل ہے اورا ن میں بھی ماں سب پر مقدم ہے، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے:

‘‘أن امرأة أتت النبیﷺ فقالت: يا رسول الله! إن ابنی هذا كان بطنی له وعاء، وحجری له حواء، وثديی له سقاء، وزعم أبوه أنه ينزعه منی؟ قال: أنت أحق به ما لم تنكحی’’ (سنن ابی داؤد حدیث نمبر: ۲۲۷۶، مسند احمد: ۶۷۰۷، سنن دارقطنی حدیث نمبر: ۳۸۰۸، او راس کی سند حسن درجہ کی ہے)۔

(ایک خاتون نبی کریمﷺ کے پاس آئی، اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول، میرے اس بیٹے کے لئے میرا پیٹ ظرف، اور میری گود اس کے لئے جائے پناہ اور میری پستان اس کے لئے مشکیزہ تھی، اور اس کے باپ کا خیال ہے کہ وہ اسے مجھ سے لے لیگا، اس پر آپﷺ نے فرمایا: تو اس کی زیادہ حقدار ہے جب تک کہ تو شادی نہ کرے)۔

اور امام جصاص رازی رقمطراز ہیں:

‘‘اورآیت کے اندر اس بات کی دلیل ہے کہ ماں بچہ کو اپنے پاس رکھنے کی زیادہ حقدار ہے، جب تک کہ وہ چھوٹا ہو، اگرچہ وہ دودھ پینے سے بے نیاز ہوچکا ہو جبکہ اسے پرورش کی ضرورت ہو، اس لئے کہ دودھ پینے کی عمر کے بعد وہ ماں کا اسی

طرح محتاج ہے جس طرح دودھ پینے سے پہلے تھا، پھر جب ماں دودھ پینے کی حالت میں بچہ کی زیادہ حقدار ہے، خواہ دودھ پلانے والی دوسری خاتون ہو، تو اس سے معلوم ہوا کہ بچہ ماں کے پاس ہو، یہ اس کا حق ہے، اور اس میں بچہ کا بھی حق ہے، او ر وہ اس طرح کہ ماں بچہ کے حق میں زیادہ مہربان اور شفیق ہوتی ہے، اور ہم احناف کے نزدیکیہ حق بچہ کے اندر اس وقت تک ہے کہ وہ تنہا کھانے پینے اور وضو کرنے لگے اور بچی کے اندر یہ حق اس کے بالغ ہونے تک ہے، اس لئے کہ بچہ جب اس حد کو پہنچ جائے جس میں اسے تادیب کی ضرورت ہوتی ہے او رادب سکھائے جانے کے مفہوم کو سمجھنے لگے، تو بچہ کا باپ کے پاس نہ ہو کر ماں کے پاس ہونا، اس کے حق میں ضرر کا باعث ہے، اور اس کے ساتھ باپ بچہ کو ادب سکھانے پر زیادہ قادر ہے، اور تادیب کی حالت وہ حالت ہے جس کے بارے میں نبی کریمﷺ کا ارشاد ہے: ''اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو، او ردس سال کیعمر میں نماز کے ترک کی بنا پر مارو، اور ان کی خوابگاہوں کو الگ کردو ''، سو جس بچہ کی عمر سات سال ہو تو اسے تعلیم اور تادیب کے طریقہ پر نماز کا حکم ہے، اس لئے کہ وہ نماز کو سمجھتا، تو ایسے ہی دوسرے آداب حاصل کرنے کا بھی اسے حکم ہے، جس کے سیکھنےکا وہ محتاج ہے، اور ماں کے پاس اس حالت میں ہونا اس کے حق میں ضرر کا باعث ہے، اور جو چیز بچہ کے حق میں باعث ضرر ہو اس سلسلہ میں اس پر کسی کو ولایت حاصل نہیں ہے۔ اور جہاں تک بچی کا تعلق ہے تو اس کے بلوغ تک ماں کے پاس ہونے میں کوئی ضرر نہیں ہے، بلکہ اس کے پاس اس کا ہونا اس کے حق میں زیادہ مفید ہے، اس لئے کہ اسے خواتین کے امور وآداب کی ضرورت ہے۔ اور ماں کییہ ولایت بلوغ کی وجہ سے ہی ختم ہوگی، اس لئے کہ پیدائش کی بنا پر بچی پر وہ ولایت کی حقدار ہے، اور اس کے پاس رہنے میں اس کا کوئی نقصان نہیں ہے، لہذا ماں بلوغ کے وقت تک زیادہ حقدار ہے، پھر جب بچی بالغ ہوجائے تو اسے حفاظت اورپاکدامن رہنے کی ضرورت ہے، اور باپ کو اسے پاکدامن رکھنے اور شادی بیاہ کرانے کی زیادہ قدرت ہے، سو اسی وجہ سے اس حالت میں باپ اس کا زیادہ حقدار ہے ''(احکام القرآن للجصاص ۱؍۴۹۰، ط: ۱، بیروت، العلمیہ۱۴۱۵ھ۔۱۹۹۴ء)۔

چونکہ حق پرورش کا تعلق شفقت سے ہے، لہذا محرم خواتین رشتہ داروں کو ترجیح حاصل ہے اور ان میں بھی زیادہ قریبی خاتون مقدم ہے چنانچہ سب سے پہلا حق ماں کا ہے پھرنانی کا ہے پھر دادی کا ہے پھر حقیقی بہن کا ہے پھر اخیافی بہن کا ہے پھر علاتی بہن کا پھر بہنوں کی لڑکیوں کا حق اسی ترتیب سے ہے، پھر بھائی کی لڑکیوں کا حق اسی ترتیب کے مطابق ہے پھر اسی ترتیب کے مطابق خالاؤں کا حق ہے، جبکہ امام محمد اور زفر کے نزدیک خالہ علاتی بہن سے مقدم ہے، اور یہی امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف سے ایک روایت ہے، پھر حقیقی پھوپھی مقدم ہے پھر اخیافی پھوپھی مقدم ہے پھر علاتی

پھوپھی کا حق ہے۔

پھر محرم مردوں میں سے عصبہ کو حق پرورش ملے گا، اور وراثت کی ترتیب کے مطابق زیادہ قریبی عصبہ مقدم ہوگا۔

البتہ چچا زاد بھائیوں کو بچی کی پرورش کا حق فتنہ کے اندیشہ کی بنا پر نہیں ملے گا، کیونکہ اس سے ان کا نکاح حلال ہے (تحفۃ الفقہاء۲،۲۳۰، احکام القرآن ۱،۴۳۱)۔

۲۔ ماں اور دیگر خواتین کو پرورش پر مجبور نہیں کیا جائے گا، البتہ اگر وہ خاتون پرورش کے لئے متعین ہو اس طرح کہ اس بچہ کا کوئی ذورحم محرم رشتہ دار نہ ہو، تو اس خاتون پر بچہ کی پرورش واجب ہوگی، تاکہ بچہ ضائع نہ ہو، چنانچہ علامہ ابن نجیم رقمطراز ہیں:

''إنمایکون لہا ذلک، إذا کان للولد ذو رحم محرم .... أما إذا لم یکن أجبرت علی الحضانۃ، کی لا یضیع الولد'' (البحر الرائق ۴،۱۸۰)۔

۳۔ اگر پرورش کا حق رکھنے والی خاتون اجنبی شخص سے یا بچہ کے غیر محرم رشتہ دار سے نکاح کرلے تو اس کا حق پرورش ساقط ہوجائے گا، اس لئے کہ وہ شوہر کی خدمت میں لگ کر بچہ کا حق ادا نہیں کرپائے گی، اور اس کااجنبی شوہر بچہ کے جذبات کو مجروح کرسکتا ہے، او راس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، کیونکہ حدیث شریف میں ہے:

''أنت أحق بہ ما لم تنکحی'' (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۲۲۷۶، مسند احمد حدیث نمبر: ۶۷۰۷، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے) (تو اس بچہ کی زیادہ حقدار ہے جب تک کہ تو شادی نہ کرے)۔

اور علامہ ابن مودود موصلی حنفی رقمطراز ہیں:

''ومن لہا الحضانۃ إذا تزوجت بأجنبی سقط حقہا '' (الاختیار لتعلیل المختار ۴،۱۵) (جس خاتون کو پرورش کا حق حاصل ہو، وہ اگر اجنبی شخص سے شادی کرلے تو اس کا حق ساقط ہوجائے گا)۔

۴۔ اگر ایسی صورت ہو کہ مرد کو حق پرورش حاصل ہو، تو شرط یہ ہے کہ اس کے پاس ایسی عورت ہو، جو پرورش کرسکے، جیسے بیوییا ماں ہو یا خالہ ہو یا پھوپھی ہو یا خادمہ ہو، کیونکہ بچوں کی کیفیات اور حالات پر خواتین ہی صبر کرسکتی ہیں۔

خیال رہے کہ یہ شرط صرف مالکیہ کے نزدیک ہے، چنانچہ دردیر مالکی لکھتے ہیں:

''وشرط الحضانۃ للذکر من أب أو غیرہ أن یکون عندہ من یحضن من الإناث، أی من یصلح لہا من زوجۃ أو سریۃ أو أمۃ لخدمۃ أو مستأجرۃ لذلک أو متبرعۃ، لأن الذکر لا صبر لہ علی أحوال الأطفال کالنساء، فإن لم یکن عندہ ذلک، فلا حق لہ فی الحضانۃ'' (الشرح الکبیر ۲،۵۲۹) ۔

(اور مرد کی پرورش کی شرط، خواہ باپ ہو یا کوئی اور شخص، یہ ہے کہ اس کے

پاس پرورش کی صلاحیت رکھنے والی خواتین میں سے کوئی ہو، یعنی بیوی ہو یا مملوکہ لونڈیا خدمت کے لئے باندی ہو، یا اس مقصد کے لئے اجرت پر لی گئی خاتون ہو یا رضاکارانہ خدمت انجام دینے والی خاتون ہو، اس لئے کہ مرد عورتوں کی طرح بچوں کے حالات پر صبر نہیں کرسکتا ہے، سو اگر ایسا کوئی انتظام اس کے پاس نہ ہو، تو اسے پرورش کا حق حاصل نہ ہوگا)۔

اوریہ مناسب شرط معلوم ہوتی ہے۔

۵۔ حق پرورش رکھنے والے مرد یا خاتون کے جسم کے اندر نفرت انگیز عیوب جیسے کوڑھ اور برص (سفید داغ) وغیرہ ہو، یا وہ مجنون ہو جائے تو حق پرورش ساقط ہوجائے گا، چنانچہ ابو القاسم محمد بن احمد ابن جزی مالکی لکھتے ہیں:

''ضرر فی بدن الحاضن کالجنون والجذام والبرص'' (القوانین الفقہیہ ۱۴۹) (حق پرورش رکھنے والے شخص کے بدن میں ضرر جیسے جنوں، کوڑھ اور برص ہو تو یہ حق ساقط ہوجائے گا)۔

اور دردیر مالکی رقمطراز ہیں: ''وعدم کجذام مضر ریحہ أو رؤیتہ .... وکل عاہۃ مضرۃ یخشی علی ولدہا منہا، ولو کان بالولد مثلہ؛ لأنہ بالانضمام قد تحصل زیادۃ علی ما کان عند المحضون علی سبیل جری العادۃ'' (الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی۲،۵۲۸، ۵۲۹، بیروت، دار الفکر)۔

(اور نفرت انگیز عیب نہ ہو، جیسے جذام جس کی بو یا جس کا دیکھنا ضرر رساں ہو.... اور ہر ضرر رساں آفت جس سے بچہ کے حق میں اندیشہ ہو، خواہ بچہ میں اس جیسا عیب موجود ہو، اس لئے کہ اختلاط کی وجہ سے بطور عادت بچہ کے اندر موجود عیب پر اضافہ ہوسکتا ہے)۔

اور ابو النجا موسی حجاوی حنبلی لکھتےہیں:

''وإذا کان بالأم برص أو جذام سقط حقہا من الحضانۃ، وصرح بذلک العلائی الشافعی فی ''قواعدہ'' وقال:لأنہ یخشی علی الولد من لبنہا ومخالطتہا'' (الاقناع ۴،۱۵۸، بیروت، دار المعرفہ، بہوتی حنبلی کشاف القناع ۵،۴۹۹، بیروت، العلمیہ، رحیبانی حنبلی مطالب اولی النہی۵،۶۶۷، ط: ۲، المکتب الاسلامی،۱۴۱۵ھ) (اور اگر ماں کے اندر برص یا کوڑھ ہو تو اس کا حق پرورش ساقط ہوجائے گا، اور علائی شافعی نے اپنی ''القواعد '' نامی کتاب میں اس کی صراحت کی ہے، اور لکھا ہے کہ اس کے دودھ اور اختلاط سے بچہ کے حق میں اندیشہ ہے)۔

اور بہوتی حنبلی ''الانصاف '' نامی کتاب کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''وقال غیر واحد:وہو واضح فی کل عیب متعد ضررہ إلی غیرہ .... فالجذامی ممنوعون من مخالطۃ الأصحاء، فمنعہم من حضانتہم أولی'' (کشاف القناع۵،۴۹۹)۔

(اور کئی اہل علم نے یہ بات کہی ہے کہ یہ ہر اس عیب میں واضح ہے، جس کا ضرر دوسرے کی طرف متعدی ہوسکتا ہو.... چنانچہ کوڑھ والوں کو صحت مند اشخاص کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے روک دیا گیا ہے، تو صحتمندوں کی پرورش سے بدرجہ اولی ان کو روکا جائے گا)۔

ان فقہی اقتباسات سے واضح ہے کہ ہر وہ مرض جس سے بچہ کو مادییا روحانی ضرر لاحق ہوسکتاہو، اس کا حکم بھی برص کی طرح ہوگا۔

۶۔ پرورش پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں بھی پرورش کا حق ساقط ہوجائے گا، چنانچہ خطیب شربینی شافعی (م: ۹۷۷ھ) لکھتے یں:

''وتاسعہا أن لا یکون بہ مرض دائم کالسل والفالج، إن عاق تألمہ عن نظر المحضون بحیثیشغلہ تألمہ عن کفالتہ وتدبیر أمرہ، أو عن حرکۃ من یباشر الحضانۃ، فتسقط فی حقہ دون من یدبر الأمور بنظرہ، ویباشرہا غیرہ'' (الاقناع۲،۴۹۲، بیروت دار لفکر)۔

(اور ان شرائط میں سے نویں شرط یہ ہے کہ اس کے اندر دائمی بیماری نہ ہو جیسے سل کی بیماری اور فالج، اگر اس کی درد مندی بچہ کی رعایت سے روک دے، اس طرح کہ اس کی دردمندی ، اس کی پرورش اور اخراجات کی ذمہ داری اور اس کےمعاملات کا انتظام کرنے سے غافل کردے، یابراہ راست پرورش کرنے والے کو حرکت سے روک دے، سو اس کا حق پرورش ساقط ہوجائے گا، نہ کہ اس شخص کا جو معاملات کا انتظام اپنے غوروفکر کے ذریعہ کرتا ہو اور دوسرا شخص ان معاملات کو انجام دیتا ہو)۔

۷۔ حق پرورش رکھنے والی خاتون بچہ کے حق میں کوتاہی کرنے والی نہ ہو، خواہ نیک ہی کیوں نہ ہو، لہذا اگر وہ کوتاہی کرنے والی ہو تو اس کا حق پرورش ساقط ہوجائے گا، جیسا کہ ''عالمگیری '' میں ہے:

''ولاحضانۃ لمن تخرج کل وقت، وتترک البنت ضائعۃ'' (ہندیہ۱،۵۴۲) (اور اس خاتون کو حق پرورش حاصل نہ ہوگا، جو ہر وقت گھر سے باہر رہے اور بچی کو ضائع ہونے کی حالت میں چھوڑ دے)۔

اور علامہ شامی رقمطراز ہیں:

''ہر وقت باہر نکلنے سے مراد بہ کثرت باہر نکلنا ہے، اس لئے کہ دارومدار بچہ کو ضائع ہونے کی حالت میں چھوڑ دینے پر ہے، اور بچہ اس کے پاس امانت کے حکم میں ہے، اور امانت کو ضائع کرنے والے پر اعتماد نہیں کیا جاسکتاہے، اور اس سے یہ بات لازم نہیں ہے کہ اس کا نکلنا معصیت کی خاطر ہو،،، کیونکہ غیر معصیت کے لئے بھی نکلنا ہوسکتا ہے، جیسے وہ خاتون دایہ ہو، یا غسل دلانے والی ہو یا غسل خانہ میں غسل دینے والی ہو، یا اسی طرح کا کوئی مباح پیشہ اختیار کرنے والی ہو، اور اسی وجہ سے ''فتح القدیر '' میں لکھا ہے کہ ''خاتون فاسقہ ہو یا ہر وقت گھر سے باہر نکلتی ہو ،،،،لہذا ان

کا ‘‘فاسقہ ’’ پر عطف کرنا اس بات کا فائدہ دیتا ہے جو ہم نے کہا ’’ (رد المحتار ۵۵۷،۳)۔

اور مرد حق پرورش رکھنے والے کا بھیبہی حکم ہے۔

۸۔ حق پرورش کسی خاتون یا مرد کو صرف اسی صورت میں حاصل ہوگا، جبکہ بچہ کو اس کی جانب سے روحانی، اخلاقی، عقلی، ذہنی، نفسیاتی وجذباتی اور جسمانی مضرت پہنچنے کا گمان غالب نہ ہو، چنانچہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر کوئی خاتون مرتد ہوجائے یا فاسقہ فاجرہ، یا چور یا ناچنے گانے والییا نوحہ خوانی کا پیشہ اختیار کرنے والی ہو، او ربچہ کی جسمانی، اخلاقی، روحانی، عقلی اور نفسیانی وجذباتی تربیت کے سلسلہ میں اس پر اعتماد نہ کیا جاسکتا ہو، تو اس کا حق پرورش ساقط ہوجائے گا۔

عالمگیری میں ہے:

‘‘أحق الناس بحضانۃ الصغیر حال قیام النکاح أو بعد الفرقۃ الأم إلا أن تکون مرتدۃ أو فاجرۃ غیر مأمونۃ،،، وکذا لو کانت سارقۃ أو مغنیۃ أو نائحۃ فلاحق لہا ’’ (ہندیہ۱،۵۴۱) (نکاح کے قائم ہونے کی حالت مینیا جدائی کے بعد لوگوں میں بچہ کی پرورش کی زیادہ حقدار ماں ہے، مگر یہ کہ وہ مرتد ہو یا بدکار ہو کہ اس پر بھروسہ نہ کیا جاسکتا ہو، اور ایسے ہی اگر وہ چور ہو یا گانے والی ہو یا نوحہ خوانی کا پیشہ کرنے والی ہو، تو اس کے لئے حق پرورش نہیں ہے)۔

اور علامہ شامی رقمطراز ہیں:

‘‘البحر’’ میں لکھا ہے کہ اس محل میں فقہاء کے کلام کے اندر فسق وفسادمراد نہ ہو جس کا مصداق نماز کو چھوڑنا بھی ہے، اس لئے کہ عنقریب آرہا ہے کہ کتابیہ ذمیہ اپنے مسلم بچہ کی زیادہ حقدار ہے، جب تک وہ ادیان ومذاہب سمجھنے نہ لگے، لہذا مسلمان فاسقہ خاتون اپنے بچہ کی بدرجہ اولی حقدار ہوگی، ‘‘النہر ’’ میں لکھا ہے کہ مولف کے فسق کو زنا تک محدود رکھنے میں خلل ہے، اس لئے کہ خاتون اگر چور ہو یا گانے بجانے والی ہو یا نوحہ خوانی کا پیشہ کرنے والی ہو، تو بھیبہی حکم ہے، چنانچہ ایسا فسق مراد ہے جس کی وجہ سے بچہ ضائع ہوجائے ’’ (رد المحتار ۵۵۶،۳)۔

اور آگے تحریر فرماتےہیں:

‘‘والحاصل أن الحاضنۃ إن کانت فاسقۃ فسقاً یلزم منہ ضیاع الولد عندہا سقط حقہا، وإلا فہی أحق بہ إلی أن یعقل، فینزع منہا کالکتابیۃ ’’ (مرجع سابق ۵۵۷،۳) (حاصل کلام یہ کہ پرورش کرنے والی خاتون ایسی فاسقہ ہو جس سے اس کے پاس بچہ کا ضائع ہونالازم آئے تو اس کا حق ساقط ہوجائے گا، ورنہ وہ اس کی زیادہ حقدار ہوگی،یہاں تک کہ وہ دینداری کو سمجھنے لگے، تو کتابیہ خاتون کی طرح اس سے بچہ کو الگ کردیا جائے گا)۔

محقق علامہ شامی کی تحقیق راجح معلوم ہوتی ہے کہ حق پرورش سے وہ فسق محروم کرنے کا سبب بنے گا جس کی وجہ سے سے بچہ کے ضائع ہونے یا اس کے اخلاق

وکردار کے بگڑنے کا اندیشہ ہو، لہذا ایسے مرد یا خاتون سے بچہ کو اس وقت الگ کردیا جائے گا، جبکہ وہ دین اور دینداری کو سمجھنے لگے، اور اس کے بعد والے حقدار کے حوالہ کردیاجائے گا، اس لئے کہ ایسی صورت میں اس کے پاس رہنے کی حالت میں بچہ کی مصلحت فوت ہوجائے گی۔

اور مالکیہ کا بھیبہی مسلک ہے، جیسا کہ ابن جزی مالکی (م: ۷۴۱ھ)رقمطراز ہیں:

''قلۃ دینہ وصونہ'' (القوانین الفقہیہ، ص: ۱۴۹) (اور حق پرورش دینداری اور پرہیزگاری کی کمی کی وجہ سے ساقط ہوجاتاہے)۔

اسی سے قریب شافعیہ کا مذہب ہے جیسا کہ شیرازی شافعی لکھتے ہیں:

''اور حق پرورش ناقص العقل کے لئے ثابت نہیں ہوتا ہے،اس لئے کہ وہ پرورش کی مکمل صلاحیت نہیں رکھتا ہے، اور نہ ہی فاسق کے لئے ثابت ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ پرورش کا حق ادا نہیں کرے گا، اور اس لئے کہ حق پرورش بچہ کی رعایت میں مقرر کیا گیا ہے اور فاسق کی پرورش مینبچہ کی کوئی رعایت نہیں ہے، اس لئے کہ وہ اس کے طریقہ پر نشو ونما پائے گا، اور مسلمان پر کافر کے لئے حق پرورش ثابت نہ ہوگا.... اس لئے کہ حق پرورش بچہ کی رعایت میں مقرر کیا گیا ہے اور کافر کی پرورش میں مسلمان بچہ کی کوئی رعایت نہیں ہے، اس لئے کہ وہ اسے دین سے منحرف کردے گا، اور یہ عظیم تر ضرر ہے .... اور عورت کو حق پرورش حاصل نہ ہو گا جبکہ وہ شادی کرلے '' (المہذب مع المجموع ۱۸،۳۲۰)۔

اورحنابلہ کا مسلک شافعیہ سے ملتا جلتا ہے، جیسا کہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

''اور حق پرورش بچہ اور ناقص العقل کے لئے ثابت نہ ہوگا، اس لئے کہ وہ پرورش پر قادر نہیں، اور خود ان کو پرورش کرنے والے کی ضرورت ہے، تو وہ فاسق کو حاصل ہوگا، اس لئے کہ پرورش کے فرائض کی ادائیگی میں وہ قابل اعتماد نہیں، اور اس کی پرورش میں بچہ کی رعایت نہیں ہے، اس لئے کہ وہ ان کے طریقے پر نشو ونما پائے گا ....او رنہ ہی کافر کو مسلمان پر حق پرورش حاصل ہوگا ''(المغنی۸،۲۳۷)۔

اور ضرر کےپیش نظر امام ابوبکر جصاص رازی حنفی کی رائے یہ تھی کہ کتابیہ خاتون کے پاس بچے سمجھنے بوجھنے کی عمر تک رہینگے، او راس کے بعد اس کا حق ساقط ہوجائے گا، چنانچہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

''وکان أبوبکر أحمد بن علی الرازییقول: إنہا أحق بالصغیر والصغیرۃ حتییعقلا، فإذا عقلا، سقط حقہا؛ لأنہا تعودہما أخلاق الکفرۃ، وفیہ ضرر علیہما'' (بدائع الصنائع ۴،۴۲) (اور ابوبکر احمد بن علی رازی کہتے تھے کہ کتابیہ خاتون بچہ اور بچی کی زیادہ حقدار ہے یہاں تک کہ وہ سمجھنے لگیں، پھر جب وہ سمجھنے لگیں، تو اس کا حق ساقط ہوجائے گا، اس لئے کہ وہ انہیں کافروں کے اخلاق وعادات کے عادی بنادینگے، اور اس میں ان کے

حق مینضرر ہے)۔

خلاصہیہ کہ درج ذیل صورتوں میں مرد یا خاتون کو حق پرورش سے محروم کردیا جائے گا:

۱۔ مرد یاخاتون شراب نوشی میں منہمک رہتے ہوں۔

۲۔ مرد یا خاتون بدکاری کے ساتھ مشہور ہوں۔

۳۔ ایسے بدکردار ہوں کہ بچہ کے ضائع ہونے کا گمان غالب ہو۔

۴۔ چوری میں منہمک رہتے ہوں۔

۵۔ ناچنے گانے میں منہمک رہتے ہوں۔

۶۔ نوحہ خوانی میں غرق رہتے ہوں۔

۷۔ ایسے بداخلاق اور بدطینت ہوں کہ بچہ کے اخلاق اور کردار کے بگڑنے کا اندیشہ ہو۔

۸۔ ان کی بداعمالی اور فسق سے بچہ کے بگڑنے کا اندیشہ ہو۔

۹۔ مرد یا خاتون مغربی فحاشی اور عریانیت کے دلدادہ ہوں۔

۱۰۔ مرد یا خاتون الحاد اور بے دینی کی دعوت دیتے ہوں۔

۱۱۔ مرد یا خاتون اعلانیہ احکام الہی کا مذاق اڑاتے ہوں۔

۱۲۔ مرد یا خاتون اعلانیہ رمضان کی بے حرمتی کرتے ہوں۔

۱۳۔ مرد یا خاتون بچہ کے حق کی ادائیگی میں ایسی کوتاہی کرتے ہوں جس سے بچہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔

۱۴۔ مرد یا خاتون پاگل یا نیم پاگل ہوں۔

۱۵۔ مرد یا خاتون برص اور جذام وغیرہ نفرت انگیز عیوب میں مبتلا ہوں۔

جواب نمبر: ب :

(۱): ‘‘تربیت ’’ عربی زبان کا لفظ ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: بچہ کے معاملات کو اس طرح انجام دینا، جو ان کے جسمانی، عقلی اور ذہنی ارتقاکا ذریعہ بنے، چنانچہ علامہ زبیدی (م: ۱۲۰۵ھ) رقمطرازہیں: ‘‘أدبتہ أدبا، من باب ضرب: علمتہ ریاضۃ النفس ومحاسن الأخلاق، وأدبتہ تأدیباً، مبالغۃ وتکثیر ’’ (تاج العروس ۱۲،۲، دار الہدایہ) (أدبتہ أدبا، باب ضرب سے آتا ہے، اس کے معنی ہیں کہ میں نے فلاں کو تربیت نفس، عمدہ اخلاق اور اچھے طورطریقے کی تعلیم دی، اور ‘‘أدبتہ ’’ باب تفعیل سےمبالغہ اور کثرت کو بتاتا ہے)۔

اوراس کا اصطلاحی معنی لغوی معنی سے ہم آہنگ ہے۔

اسلام میں بچوں کے حق تعلیم وتربیت کےبارے میں درج ذیل بنیادی ہدایات ہیں:

۱۔ بچوں کو اس قدر دینی تعلیم دینا واجب ہے، جس سے وہ اپنے اوپر بلوغ کے بعد عائد ہونے والے دینی فرائض کو سمجھ سکیں، اور جہنم کی آگ سے بچ سکیں، اللہ تعالی کا

ارشاد ہے:

''یا أیہا الذین آمنوا قوا أنفسکم وأہلیکم ناراً'' (التحریم: ۶) (اے ایمان والو، اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ)۔

اور بیضاوی اس کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

''وأہلیکم بالنصح والتأدیب'' (انوار التنزیل وأسرار التأویل،۵،۲۲۵، بیروت دار الاحیاء، ط: ۱، ۱۴۱۸)۔ (اور اپنے اہل وعیال کو خیر خواہی اور ادب سکھا کر جہنم کی آگ سے بچاؤ)۔

اور علامہ آلوسی تحریر فرماتے ہیں:

''والمراد بالأہل علی ما قیل: ما یشمل الزوجۃ والولد والعبد والأمۃ، واستدل بہا علی أنہ یجب علی الرجل تعلم ما یجب من الفرائض وتعلیمہ لہؤلاء، وأدخل بعضہم الأولاد فی الأنفس؛لأن الولد بعض من أبیہ'' (روح المعانی۱۴،۳۵۱) (اور بعض کے نزدیک اہل کی مراد مینبیوی، بچے، غلام اور باندی سب شامل ہیں، اور اس آیت کے ذریعہ اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ مرد پر واجب ہونے والے فرائض کا سیکھنا اور ان لوگوں کو سکھانا واجب ہے، اوربعض نے اولاد کو ''نفس '' میں شامل کیا ہے، اس لئے کہ بچہ باپ کا جزو اور حصہ ہوتا ہے)۔

۲۔ والدین خود اپنی اولاد کو دین کے ضروری احکام سکھائیں اور ان کو ایمان کے اصول اور اسلام کے ارکان سے واقف کرائیں، وضو اور نماز کا طریقہ بتائیں اور روزہ اور حج کا مطلب سمجھائیں، اور اگر ان کو قدرت نہ ہو، تو اہل علم سے مدد لیں، اور ان کو مکاتب اور مدارس روانہ کریں، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''فسألوا أہل الذکر إن کنتم لا تعلمون '' (النحل: ۴۳) (سواہل علم سے پوچھ لو، اگر تم خود نہیں جانتے ہو)۔

بیضاوی اس کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

''وعلی وجوب المراجعۃ إلی العلماء فیما لا یعلم '' (تفسیر البیضاوی۳،۲۲۷) (نیز آیت کے اندر اس بات کی دلیل ہے کہ جو بات معلوم نہ ہو، اس کے سلسلہ میں اہل علم کی طرف رجوع واجب ہے)۔

۳۔ والدین اولاد کو اللہ تعالی کی شریعت کا پابند بنائیں، اور ان کے اندر عمل کی اسپرٹ (Spirit) پیدا کریں، اور احکام الہی سے بے پروائی کا سد باب کریں، خواہ یہ چیز ان کی طبیعت پر گراں گزرے، چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''ألا کلکم راع وکلکم مسؤول عن رعیتہ، فالإمام الأعظم الذی علی الناس راع، وہو مسؤول عن رعیتہ، والرجل راع علی أہل بیتہ، وہو مسؤول عن رعیتہ والمرأۃ راعیۃ علی أہل بیت زوجہا وولدہ، وہی مسؤولۃ عنہم '' (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۲۵۵۴، ۵۱۸۸، ۵۲۰۰، ۷۱۳۸، صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۸۲۹)۔

(سن لو تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے او راس سے اس کے ماتحت کے بارے میں

پوچھا جائے گا، چنانچہ سربراہ اعظم جو لوگوں کا حاکم ہے، اس سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا، اور مرد اپنے گھر والوں کا نگراں ہے، اور اس سے اس کے ماتحت کے بارے میں پوچھ ہوگی، اور خاتون اپنے شوہر کے گھر والوں اور اس کی اولاد کی نگراں ہے، اور اس سے ان کے بارے میں سوال ہوگا)۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ اولاد کو اسلامی عقائد اور احکام کی تعلیم دیں اور ان کو شریعت الٰہی سے منحرف ہونے سے بچائیں، چنانچہ ضحاک اور مقاتل کا قول ہے: ''حق على المسلم أن يعلم أهله من قرابته وإمائه وعبيده ما فرض الله عليهم وما نهاهم عنه '' (تفسیر ابن کثیر۸/۱۶۷، ط: ۲، دار طیبہ،۱۴۲۰ھ) (مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے رشتہ داروں، باندیوں اور غلاموں کو اللہ تعالی کے فرائض اور ممنوعات کی تعلیم دے)۔

اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ سرکار دوعالمﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين، واضربوهم عليها، وهم أبناء عشر، وفرقوا بينهم فی المضاجع'' (سنن ابی داؤد حدیث نمبر: ۴۹۵، مسند احمد حدیث نمبر: ۱۵۳۳۹، اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے) (اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو، جبکہ وہ سات سال کے ہوں، اور نماز کے چھوڑنے پر ان کو مارو، جبکہ وہ دس سال کے ہوں، اور انکی خوابگاہوں کو علیحدہ کردو)۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ والدین پر واجب ہے کہ اولاد کو نماز کی عادت ڈلوائیں تاکہ فرض ہونے کے بعد وہ اس فریضہ میں کوتاہی نہ کریں، اور نماز پر قیاس کرتے ہوئے روزہ وغیرہ دیگر فرائض کی بھی مشق کرانی ضروری ہوگی، تاکہ نیکی کی عادت بن جائے، چنانچہ امام مناوی عبد الرؤوف (م: ۱۰۳۱ھ) رقمطراز ہیں:

''مروا وجوباً أولادكم بالصلاة المكتوبة إذا بلغوا سبعاً ليعتادوها ويأنسوا بها '' (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر۵/۵۲۱، ط: ۱، مصر، المکتبۃ التجاریۃ،۱۳۵۶ھ) (اپنی اولاد کو بہ طور وجوب فرض نماز کا حکم دو جبکہ وہ سات سال کے ہوجائیں تاکہ وہ اس کے عادی بن جائیں، اور اس سے مانوس ہوجائیں)۔

۴۔ والدین کو چاہئے کہ فرائض کی تعلیم کے ساتھ اولاد کو قرآن مجید کی تعلیم دیں، پورا قرآن یا کچھ سورتینیاد کرائیں، ان کے مفاہیم سے آگاہ کریں، اسلامی اصطلاحات مثلاً کلمہ طیبہ، اللہ جل جلالہ کے نام، قرآن وحدیث کے دینی مرجع، اللہ کے رب، اسلام کے دین، محمدﷺ کے نبی، قرآن کے کتاب مقدس اور کعبہ کے قبلہ ہونے کا مطلب بتائیں، نیز نبی کریمﷺ سے ثابت صبح وشام اور مختلف اوقات کی دعائیں انہینیاد کرائیں، اور بعض مختصر اور اہم حدیثیں ان کو حفظ کرائیں، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے

کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا:

‘‘تعلموا الفرائض والقرآن وعلموا الناس فإنی مقبوض’’ (سنن ترمذی حدیث نمبر: ۲۰۹۱، اور اس کی سند میں کچھ کلام ہے) (فرائض اور قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، کیونکہ میری موت ہونے والی ہے)۔

اور نبی کریمﷺ کا ارشاد ہے:

‘‘خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ’’ (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۵۲۲۷، سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۱۴۵۲) (تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے)۔

اس حدیث شریف میں قرآن کی تعلیم کی ترغیب دلائی گئی ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ اولاد کو تعلیم دینا زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے۔

۵۔ والدین اولاد کو مہذب، شائستہ اور خوش اخلاق بنائیں، ان کو تکبر گھمنڈ اور بری عادتوں اور خصلتوں سے دور رکھنے کی کوشش کریں، ان کے اندر اسلامی شخصیت بنانے کے لئے وقتاً فوقتاً حضرت لقمان علیہ السلام کے طرز پر نصیحت کرتے رہیں، اور ان کے سامنے نیک لوگوں کے واقعات اور نمونہ پیش کرتے رہیں، چنانچہ نبی کریمﷺ کا ارشاد ہے: ‘‘ما نحل والد ولدہ أفضل من أدب حسن’’ (سنن ترمذی حدیث نمبر: ۱۹۵۲، المستدرک للحاکم حدیث نمبر: ۷۶۷۹، مسند احمد حدیث نمبر: ۱۵۴۰۳، اور اس کی سند میں کچھ کلام ہے) (کسی والد نے اپنی اولاد کو عمدہ اخلاق کے تحفہ سے بڑھ کر کوئی تحفہ نہیں دیا)۔

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا:

‘‘من بلی من ہذہ البنات شیئاً فأحسن إلیہن، کن لہ ستراً من النار’’ (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۱۴۱۸، ۵۹۹۵، صحیح مسلم حدیث نمبر: ۲۶۲۹) (جو ان بیٹیوں میں سے کسی بیٹی کے ذریعہ آزمایا گیا، او راس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا، تو یہ بیٹیاں اس کے لئے جہنم کی آگ سے ڈھال بن جائینگی)۔

اوریہ واضح ہے کہ اچھے برتاؤ میں ان کو مؤدب، شائستہ اور عمدہ اخلاق سے متصف کرنا بھی داخل ہے۔

اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا:‘‘من عال ثلاث بنات فأدبہن وزوجہن وأحسن إلیہن، فلہ الجنۃ ’’ (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۵۱۴۷، اور یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے) (جو تین بیٹیوں کی پرورش کرے اور ان کو شائستہ بنائے اور ان کی شادی کردے اور ان کےساتھ بہتر سلوک کرے، تو اس کے لئے جنت ہے)۔

اور حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد

فرمایا:''أکرموا أولادکم وأحسنوا أدبہم'' (سنن ابن ماجہ حدیث نمبر: ۳۶۷۱، اور اس کی سند میں کچھ کلام ہے)(اپنی اولاد کی عزت کرو اور انہیں عمدہ اخلاق سے آراستہ کرو)۔

ان تمام احادیث سے واضح ہے کہ والدین کو چاہئےکہ بچپن سے ہی اولاد کو خوش اخلاق اور عمدہ صفات کے زیور سے آراستہ کرنے کی کوشش کریں، خاص طور پر اس وقت مزید کوشش کریں، جب وہ اچھی اور بری صفات کو سمجھنے لگیں، چنانچہ امام جصاص رازی رقمطراز ہیں:

''فمن کان سنہ سبعاً، فہو مأمور بالصلاۃ علی وجہ التعلیم والتأدیب؛ لأنہ یعقلہا فکذلک سائر الأدب الذییحتاج إلی تعلمہ'' (احکام القرآن ۴۹۰،۱) (سو جس کی عمر سات سال ہو تو تعلیم اور تربیت کے طور پر اسے نماز کا حکم ہے، اس لئے کہ وہ اسے سمجھتا ہے، تو دیگر عمدہ طور طریقے جسے سیکھنے کی اسے حاجت ہے، اس کا بھیییہی حکم ہے)۔

(۲): بچے اور بچیوں کو اس قدر دینی تعلیم دینا واجب ہے کہ وہ مکلف ہونے کے بعد اپنے اوپر عائد ہونے والے فرائض کو بحسن وخوبی انجام دے سکیں،یعنی انہیں استنجاء، وضو، غسل، نماز اور روزہ وغیرہ کے احکام معلوم ہوسکیں، نیز بچیوں کو حیض اور اس سے غسل وغیرہ کے احکام معلوم ہوجائیں۔

اور عصری تعلیم اس حد تک دینا واجب ہے کہ وہ باعزت طریقہ سےکمانے کھانے پر قادر ہوسکیں۔

عالمگیری میں ہے:

''طلب العلم فریضۃ بقدر الشرائع وما یحتاج إلیہ لأمر لابد منہ من أحکام الوضوء والصلاۃ، وسائر الشرائع، ولأمور معاشہ، وما واء ذلک لیس بفرض، فإن تعلمہا فہو أفضل، وإن ترکہا فلا إثم علیہ'' (ہندیہ، کتاب الکراہیۃ، الباب الثلاثون فی المتفرقات ۳۷۷،۵) (ضروری الہی احکام اور ضروری اعمال کے ان احکام کے بقدر علم کی تحصیل فرض ہے جن کی ضرورت پڑتی رہتی ہے جیسے وضوء، نماز اور دیگر لازمی اعمال کے احکام، او رجن احکام کی معاشی معاملات کے لئے ضرورت پڑتی رہتی ہے، اور اس کے علاوہ علم کی تحصیل فرض نہیں ہے، سو اگر اسے حاصل کرے تو وہ بہتر ہے، اور اگر اسے چھوڑ دے تو اس پر گناہ نہیں ہے)۔

اور حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ''طلب الحلال واجب علی کل مسلم'' (مسند الفرودس للدیلمی حدیث نمبر: ۳۹۱۴، او راس کی سند حسن درجہ کی ہے) (حلال کمائی کی تحصیل ہر مسلمان پر فرض ہے)۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ حلال کمائی کرنا فرض ہے، لہذا حلال کمائی کے لئے درکار علم حاصل کرنا بھی فرض ہوگا، لہذا اولاد کو اس حد تک علم دلانا بھی فرض ہوگا۔

اور امام محمد بن الحسن شیبانی (م: ۱۸۹ھ) رقمطراز ہیں:

‘‘طلب الكسب فريضة على كل مسلم، كما أن طلب العلم فريضة ” (الكسب، ص: ٣٢، ط: ١، تحقيق: زكار، دمشق، حرصونى،١٤٠٠ھ) (ہر مسلمان پر مال کی تحصیل فرض ہے جس طرح تحصیل علم فرض ہے)۔

مزید لکھتے ہیں کہ فرائض کی ادائیگی کی قدرت اس وقت ہوگی، جبکہ بدن کو قوت حاصل ہو، اور بدن کو قوت کھانے پینے سے حاصل ہوگی، اور کھانے کا سامان عام طور سے کمائی سے حاصل ہوتا ہے، اور جس چیز کے بغیر فرض کو قائم نہ کیا جاسکتا ہو، وہ چیز بھی بذات خود فرض ہوجاتی ہے، لہذا کمانا بھی فرض ہے (الکسب، ص: ٣٤)۔

اور علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

‘‘وحجتنا فی ذلک قولہ تعالی:‘‘أنفقوا من طيبات ما كسبتم” (البقرہ: ٢٦٧)، والأمر حقيقة للوجوب، ولا يتصور الإنفاق من المكسوب إلا بعد الكسب، وما لا يتوصل إلى إقامة الفرض إلا بہ يكون فرضاً، وقال تعالى:‘‘فإذا قضيت الصلاة فانتشروا’’(الجمعہ: ١٠) يعنى الكسب، والأمر حقيقة للوجوب، ويؤيده قول الرسولﷺ: ‘‘طلب الكسب بعد الصلاة المكتوبة، ہى الفريضة بعد الفريضة’’ (المعجم الكبير للطبرانى حديث نمبر: ٩٩٩٣، الفردوس بماثور الخطاب للديلمى، حديث نمبر: ٣٩١٨، اور اس کی سند میں کلام ہے)، فلا يترک ذلک” (المبسوط، كتاب الكسب ٣٠،٢٥٠)۔

(اور کمائی کرنے کی فرضیت کے سلسلہ میں ہماری دلیل اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ‘‘اپنے کمائے ہوئے پاکیزہ مال میں سے خرچ کرو، اور کمائے ہوئے مال سے خرچ کرنے کا تصور کمانے کے بعد ہی ہوسکتا ہے، اور جس چیز کے بغیر فرض قائم نہ کیا جاسکتا ہو، وہ بھی فرض ہوجاتی ہے۔ اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ‘‘پھر جب نماز پوری ہوجائے تو زمین میں پھیل جاؤ ” یعنی پھیل جانے سے مراد کمائی کرنا ہے، اور امر کا صیغہ حقیقت میں وجوب کے لئے ہے، اور اس کی تائید رسول کریمﷺ کے اس ارشاد: ‘‘فرض نماز کے بعد کمانا فرض کے بعد فرض ہے ” سے ہوتی ہے۔ لہذا اس پہلو کو ترک نہیں کیا جائے گا)۔

اس سے پتہ چلا کہ جب جائز اسباب کے ذریعہ مال کا حاصل کرنا فرض ہے، تو مال کمانے کے لئے ضروری علم کی تحصیل بھی فرض ہوگی، لہذا اس حد تک اولاد کو عصری تعلیم دینایا دلانا بھی فرض ہوگا، جو کسب معاش کے لئے ضروری ہو، اس سلسلہ میں مزید فقہی نقول مسئلہ کووا ضح کرینگی، چنانچہ ‘‘ہندیہ ” میں ہے:

‘‘ولو استأجر لتعليم ولده الكتابة أو النجوم أو الطب أو التعبير جاز بالاتفاق ” (ہندیہ٤٤٨،٤) (اور اگر لکھائییا علم نجوم یا طبابت یا تعبیر وانشاء سکھانے کے لئے معلم کو اجرت پر رکھا، تو یہ بالاتفاق جائز ہے)۔

اور زبیدی حنفی رقمطراز ہیں:

‘‘ویسلمہ فی صناعۃ؛ لأنہ من باب تثقیفہ واستجلاب المنافع لہ ’’ (الجوہرۃ النیرۃ۱؍۳۵۵، ط: ۱، المطبعۃ الخیریہ،۱۳۲۲ھ) (اور بچہ کو کاری گری سیکھنے کے لئے پیشہ ور کے حوالہ کرے، اس لئے یہ اسے ہنر مند بنانے اور اس کے لئے منافع حاصل کرنے سے متعلق ہے)۔

اور علامہ شامی ‘‘جامع الفصولین ’’ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

‘‘اور باپ کو اختیار ہے کہ اپنے نابالغ بچہ کو عاریۃ دے تاکہ پیشہ سکھانے کے لئے اپنے استاذ کی خدمت کرے، اور باپ یا دادا یا وصی بطور تربیت اور شائستہ بنانے کے بے عوض اسے استعمال کرسکتا ہے ’’ (رد المحتار ۶؍۴۴۰)۔

اور ایک دوسری جگہ رقمطراز ہیں:

‘‘وإذا استغنی الغلام عن الخدمۃ أجبر الأب أو الوصی أو الولی علی أخذہ؛ لأنہ أقدر علی تأدیبہ وتعلیمہ ’’ (رد المحتارعزو إلی شرح المجمع ۳؍۵۶۶) (اور جب بچہ خدمت سے بے نیاز ہوجائے، تو باپ یا وصییا ولی کو اس کے لینے پر مجبور کیا جائے گا، اس لئے کہ وہ اس کی تعلیم وتربیت پر زیادہ قادر ہے)۔

اور ایک جگہ سپرد قرطاس فرماتے ہیں:

‘‘فلہ دفعہا لامرأۃ تعلمہا حرفۃ کتطریز وخیاطۃ مثلاً’’ (رد المحتار ۳؍۶۱۲)(سو باپ کو حق ہے کہ بچی کو ایسی عورت کےحوالہ کرے جو اسےہنر جیسے کشیدہ کاری اور سلائی مثال کے طور پر سکھا دے)۔

اور مالکیہ کے نزدیک بھی ضروری دینی اور دنیاوی علم کی تعلیم کی ذمہ داری والدین پر ہے، چنانچہ موافق مالکی (م: ۸۹۷ھ) علامہ باجی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

‘‘إذا کان الابن فی حضانۃ أمہ، لم یمنع من الاختلاف لأبیہیعلمہ، ویأوی لأمہ، لأن للأب تعلیمہ وتأدیبہ وإسلامہ فی المکتب والصنائع’’ (التاج والاکلیل لمختصر خلیل۵؍۵۹۵، ط: العلمیہ،۱۴۱۶ھ،۱۹۹۴ء) (اگر بچہ اپنی ماں کی پرورش میں ہو تو اسے باپ کے پاس آنے جانے سے روکا نہیں جائے گا جو اسے تعلیم دے، اور وہ اپنی ماں کے پاس لوٹ جائے گا، اس لئے کہ باپ کو اسے تعلیم وتربیت اور مکتب اور کاری گری کے مرکز میں حوالہ کرنے کا حق ہے)۔

اوریہی مسلک شوافع کا ہے، جیسا کہ خطیب شربینی شافعی (م: ۹۷۷ھ) لکھتے ہیں:

‘‘وإن اختارہا ۔ أی الأم ۔ ذکر، فعندہا لیلاً، وعند الأب نہاراً، یعلمہ الأمور الدینیۃ والدنیویۃ علی ما یلیق بہ ’’ (مغنی المحتاج ۵؍۲۰۰، ط: ۱، العلمیۃ۱۴۱۵ھ) (اور اگر لڑکے نے ماں کو اختیار کیا، تو وہ اس کے پاس رات میں رہے گا، اور باپ کے پاس دن میں رہے گا جو اسے دینی اور دنیوی امور مناسب طریقہ پر سکھائے)۔

اور حنابلہ کا بھییہی مسلک ہے، چنانچہ علامہ ابن قدامہ مقدسی لکھتے ہیں:

‘‘اور اگر لڑکا سات سال کی عمرکے بعد ماں کے پاس رہے، اسے اختیار کرنے کی وجہ سے، تو رات میں وہ ماں کے پاس رہے گا، اور دن میں باپ اسے لے گا، تاکہ اسے مکتب یا کاریگری کی جگہ حوالہ کرے، اس لئے کہ مقصد لڑکےکی رعایت ہے او راس کیرعایت ذکر کردہ بات میں ہے ’’ (المغنی۸؍۲۴۲، الکافی فی فقہ الامام أحمد ۳؍۲۴۷، ط:۱، بیروت، العلمیہ۱۴۱۴ھ ۔۱۹۹۴)۔

فقہاء کے ان اقوال سے واضح ہے کہ اولاد کو ضروری دینی تعلیم دلانا نیز اس حد تک عصری تعلیم دلانا کہ بچہ باعزت زندگی گزار سکے، اور اپنی معاشی ضروریات پوری کرسکے، والد کی ذمہ داری ہے۔

خلاصہیہ کہ حلال مال کمانا فرض ہے، اس لئے کہ وہی تقوی اور ور ع کی بنیاد ہے، لہذا اس کے لئے درکار علم بھی فرض ہوگا، او را س حد تک اولاد کو علم دلانا بھی فرض ہوگا۔

(۳): اگر حکومت کسی سطح تک کی تعلیم کو بچوں اور بچیوں کے لئے لازم قرا ردے، اور وہ صرف عصری تعلیم ہو تو شرعاً اس کی پابندی مسلمانوں پر لازم نہیں ہے۔

البتہ اگر حکومت اس طرح قانون بنائے کہ فلاں کلاس تک عصریہیا اس کے مساوی مذہبی تعلیم دلانا ہر گارجین پر لازم ہے، تو شرعاً اس کی پابندی مسلمانوں پر لازم ہوگی، کیونکہ حکومت کو اس طرح کی پابندی عائد کرنے کا حق ہے، اس لئے کہ یہ خیر خواہی کےباب سے ہے، اور جو حکم کتاب وسنت کی قطعی نصوص سے نہ ٹکرائے، اس میں حاکم وقت کی اطاعت واجب ہے، کاسانی رقمطراز ہیں:

‘‘طاعۃ الإمام فیما لیس بمعصیۃ فرض’’ (بدائع الصنائع ۷؍۱۴۰)(غیر معصیت میں حاکم کی اطاعت فرض ہے)۔

اور ابن نجیم لکھتےہیں:

‘‘طاعۃ الإمام فیما لیس بمعصیۃ واجبۃ’’ (البحر الرائق ۲؍۱۷۳) (غیر معصیت میں حکمراں کی طاعت واجب ہے)۔

اور ماوردی شافعی (م: ۴۵۰ھ) تحریر فرماتے ہیں:

‘‘طاعۃالإمام لا تلزم فی المعاصی ’’ (الحاوی الکبیر۱۲؍۷۲، ط: ۱، بیروت، العلمیہ،۱۴۱۹ھ ۔ ۱۹۹۹ء) (معصیت کے اندر حکمراں کی طاعت لازم نہیں)۔

اوریہ واضح ہے کہ ایک حد تک تعلیم کو ہر شخص پر لازم کرنا، معصیت نہیں ہے، کیونکہ اسلامی نقطہ نظر سے ہر مسلمان مرد اور عورت پر تحصیل علم فرض ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ‘‘قل ہل یستوی الذینیعلمون والذین لا یعلمون، إنما یتذکر أولوا الألباب’’ (الزمر: ۹) (پوچھو، کیا علم وبصیرت رکھنے والے، اور وہ جو علم وبصیرت نہیں رکھتے دونوں برابر ہونگے؟ یاد دہانی تواہل عقل ہی حاصل کرتے ہیں)۔

بیضاوی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

‘‘نفی لاستواء الفریقین باعتبار القوۃ العلمیۃ بعد نفیہ باعتبار القوۃ العملیۃ علی وجہ أبلغ لمزید فضل العلم ’’ (تفسیر البیضاوی۳۸،۵) (علمی قوت کے لحاظ سے دونوں فریق کے برابر ہونے کی نفی ہے، عملی قوت کی حیثیت سے برابری کی نفی کے بعد اس طریقہ پر کہ جس سے علم کی مزید خوبی موثر طور سے بیان ہوجائے)۔

اور نبی کریمﷺ کا ارشاد ہے: ‘‘طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ’’ (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۲۲۴، مسند أبییعلی حدیث نمبر: ۲۸۳۷، اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے) (علم کی تحصیل ہر مسلمان پر فرض ہے)۔

ہانیہ ضروری ہے کہ مساوی مذہبی علم کی بھی گنجائش رکھی جائے، اس لئےکہ شرعی نقطہ نظر سے دینی علم روح کے درجہ میں ہے اور مقدم ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

‘‘اقرأ باسم ربک الذی خلق’’ (العلق: ۱) (پڑھ اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا)۔

اور حضرت صفوان بن غسال مرادیؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا:

‘‘إن الملائکۃ لتضع أجنحتہا لطالب العلم رضی بما یطلب’’ (مسند احمد، حدیث نمبر: ۸۰۸۹، اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے) (یقینا فرشتے طالب علم کے لیے اس کی تحصیل علم سے خوش ہوکر اپنے بازو بچھا دیتے ہیں)۔

اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺنے ارشاد فرمایا:

‘‘من سلک طریقاًیلتمس فیہ علما سہل اللہ لہ طریقاً إلی الجنۃ ’’ (سنن ترمذی حدیث نمبر: ۲۶۴۶، اور اس کی سند صحیح ہے) (جو ایسی راہ پر چلے جس میں علم طلب کرے، تو اللہ تعالی اس کے لئے جنت کی راہ آسان فرما دے گا)۔

اور مبارکپوری رقمطراز ہیں:

‘‘علماً’’ نکرہ یشمل کل نوع من أنواع علوم الدین، قلیلۃ أو کثیرۃ، إذا کان بنیۃ القربۃ والنفع والانتفاع’’ (تحفۃ الاحوذی۳۳۹،۷، بیروت، العلمیہ) (علم کو نکرہ رکھا، تاکہ دینی علوم کی قسموں میں سےہر قسم کو کم ہو یا زیادہ شامل رہے، جبکہ قربت، نفع اور استفادہ کی نیت سے ہو)۔

(۴): عیاریہودیوں نے ساری دنیا پر قبضہ جمانے کے لئے اپنی ماکرانہ ذہنیت سے جو خبیث ایجنڈے تیار کئے ہیں، ان ہی میں سے ایک ایجنڈہ ‘‘جنسی تعلیم ’’ بھی ہے، جس کا مقصد نوجوان نسل کو حیا باختہ بنا کر ان کو ہوس ناکی اور شہوت رانی میں غرق کردینا ہے، تاکہ ان کے اندر بلند ہمتی، عالی حوصلگی اور جرأت ناپید ہوجائے اور وہ حق کو حق

نہ کہہ سکیں، اور باطل کی لذت فانی سےشاد کام رہا کریں۔

چنانچہ ‘‘جنسی تعلیم ’’ اسلامی نقطہ نظر سے حرام ہے، کیونکہ وہ فحاشی کی دعوت، جنسی بے راہ روی کا ذریعہ اور بے شرمی کے عمیق غار میں جانے کا سبب ہے۔

قرآن وحدیث کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالی اور اس کے رسولﷺ نے جائز فطری جنسی تقاضوں کے احکام کے بیان تک کے لئے کنائی الفاظ اختیار کئے ہیں، تاکہ شرم وحیا متاثر نہ ہو، چنانچہ میاں بیوی کے جائز تعلق کے لئے ‘‘ملامسہ ’’ (باہم مس کرنا) ‘‘مباشرہ ’’ (کھال کا کھال سے ملانا) اور ‘‘قضاء الوطر ’’ (حاجت پوری کرنا) استعمال فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:‘‘أو لامستم النساء ’’ (النساء: ۴۳) (یا عورتوں سے ہم صحبت ہوا ہو)۔ اور ایک موقع پر ارشاد ہے: ‘‘ولا تباشروہن وأنتم عاکفون فی المساجد ’’ (البقرہ: ۱۸۷) (اور جب تم مسجد میں اعتکاف میں ہو تو بیویوں سے نہ ملو)۔

اور ایک جگہ ارشاد ہے:

‘‘فلما قضی زید منہا وطراً زوجناکہا لکی لا یکون علی المؤمنین حرج فی أزواج أدعیائہم، إذا قضوا منہن وطراًوکان أمر اللہ مفعولاً ’’ (۳۳؍الاحزاب: ۳۷) (سو جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کرلی، تو ہم نے اس کو تم سے بیاہ دیا کہ مومنوں کے لئے ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملہ میں جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کرلیں، کوئی تنگی باقی نہ رہے، اور اللہ کا فیصلہ شدنی تھا)۔

بلاشبہ ‘‘جنسی تعلیم ’’ حاصل کرنا ہر پہلو سے مضر ہے، اس لئے کہ وہ شہو ت بھڑکنےکا ذریعہ ہے، لہذا وہ مفید علم نہیں ہے، اور نبی کریمﷺ دعا فرماتے تھے: ‘‘أعوذ بک من علم لا ینفع ’’ (صحیح مسلم حدیث نمبر: ۲۷۲۲) (الہی! میں تجھ سے ایسے علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع بخش نہ ہو)۔

اوریہ بات مخفی نہیں کہ بچے اور بچیوں کو جنسی تعلیم دینا اور انہیں صنفی اعضاء کے وظائف کے بارے میں بتانا عقلی اعتبار سے بھی مضر ہے، اس لئے کہ بلوغ کے وقت سے پہلے بلوغ کے بعد ہونے والی تبدیلیوں اور ان تبدیلیوں کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی ضرورتوں کا ادراک عام طور سے انسان کی بے راہ روی کا سبب بنتا ہے، چنانچہ اب خود یورپ میں جنسی تعلیم کے خلاف آواز اٹھنے لگی ہے۔

اوریہ مسلم حقیقت ہے کہ جس طرح بھوک اور پیاس کا احساس فطری ہے، اور اسے بتانے کے لئے کسی تعلیم کی ضرورت نہیں ہے، اسی طرح حضرت آدم علیہ وعلی نبینا الصلاۃ والسلام کے زمانہ سے مرد اور عورت شادی کے بندھن میں بندھتے آرہے ہیں، اور اپنی جائز فطری جنسی خواہشات کی تسکین کررہے ہیں، انہیں اس کی تکمیل کے طریقے کی تعلیم کی ضرورت کبھی محسوس نہیں ہوئی، اس لئے کہ فطری ضروریات اور

تقاضوں کو خود انسان سمجھتا ہے، اس کے لئے مستقل تعلیم کی ضرورت محسوس نہیں کرتا ہے۔

اسلام کےاندر زنا، اغلام بازی اور ہم جنس پرستی حرام ہے اور جو چیز ان ممنوعات تک پہنچنے کا ذریعہ بنے وہ بھی حرام ہے، لہذا '' جنسی تعلیم '' حرام ہے کیونکہ وہ جنسیے راہ روی کا ذریعہ ہے۔

خلاصہیہ کہ اسلام فسق وفجور، فحش وفحاشی، بے شرمی کی باتوں اور برائیوں کے اظہار کو بھی پسند نہیں کرتا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:''لا یحب اللہ الجہر بالسوء من القول إلا من ظلم'' (النساء: ۱۴۸) (اللہ بدزبانی کو پسند نہیں کرتا، مگر یہ کہ کوئی مظلوم ہو)۔

اور اللہ تعالی نے ان لوگوں کو دردناک سزا کی وعید سنائی ہے جو چاہتے ہیں کہ مسلم سماج میں برائی پھیل جائے، چنانچہ ارشاد ہے:''إن الذینیحبون أن تشیع الفاحشۃ فی الذین آمنوا لہم عذاب ألیم فی الدنیا والآخرۃ'' (النور: ۱۹) (بے شک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کا چرچا ہو، ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے)۔

البتہ بچے اور بچیوں کو برائی اور بدکاری سے بچانے کے لئے اسلام اخلاقی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ دلاتا ہے، اور مردوں اور عورتوں کے درمیان غیر شرعی تعلق کی قباحت کو اجاگر کرتا ہے، اور عفت وپاکدامنی کی تعلیم دیتا ہے، چنانچہ ارشاد الہی ہے:''ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحاً حتییغنیہم اللہ من فضلہ '' (النور: ۳۳) (اور جو لوگ نکاح کرنے کی مقدرت نہیں پارہے ہیں وہ اپنے کو ضبط میں رکھیں،یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کردے)۔

اور نگاہ نیچی رکھنے کی ہدایت دیتا ہے، چنانچہ فرمان الہی ہے:''قل للمؤمنینیغضوا من أبصارہم ویحفظوا فروجہم ذلک أزکی لہم إن اللہ خبیر بما یصنعون وقل للمؤمنات یغضضن من أبصارہن ویحفظن فروجہن ولا یبدین زینتہن إلی ما ظہر'' (النور: ۳۰-۳۱) (مومنوں کو ہدایت کرو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی پردہ پوشی کریں،یہ طریقہ ان کے لئے پاکیزہ ہے، بے شک اللہ باخبر ہے ان چیزوں سے جو وہ کرتے ہیں، اور مومنہ عورتوں کو کہہ دیجئے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنے اندیشہ کی جگہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی زینت کی چیزوں کا اظہار نہ کریں، مگر جو ناگزیر طور پر ظاہر ہوجائے)۔

اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے فرمایا:

''إن النظرۃسہم من سہام إبلیس مسموم، من ترکہا مخافتی أبدلتہ إیماناً یجد حلاوتہ فی قلبہ'' (المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر: ۱۰۳۶۲، او راس کی سند میں کلام ہے) (بدنظری ابلیس کے تیرونمیں سے ایک زہر آلود تیر ہے(اللہ تعالی فرماتا ہے) جو اسے میرےخوف سے ترک کرےگا میں اسے ایمانی کیفیت سے بدل دونگا جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں

محسوس کرے گا)۔

اور مردوعورت کے درمیان خلوت نشینی اور اختلاط مذموم سے منع کرتا ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ‘‘لا یخلون أحدکم بامرأۃ، فإن الشیطان ثالثہما’’ (صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: ۷۲۵۴، سنن ترمذی حدیث نمبر: ۲۱۶۵، مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۱۴، اور اس کی سند صحیح ہے) (تم میں سے کوئی کسی خاتون سے تنہائی میں نہ ملے، کیونکہ شیطان ان دونوں کے درمیان تیسرا فرد ہوتا ہے)۔

اور جائز اور ناجائز جنسی خواہش کی تسکین کی وضاحت کرتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

‘‘والذین ہم لفروجہم حافظون إلا علی أزواجہم أو ما ملکت أیمانہم فإنہم غیر ملومین فمن ابتغی وراء ذلک فأولئک ہم العادون’’(المؤمنون: ۵۔۷) (اور وہ کامیاب مومن اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، بجز اپنی بیویوں او رلونڈیوں کی حد تک، سو اس بارے میں ان کوکوئی ملامت نہیں، البتہ جو ان کے سوا کے خواہش مند ہوئے، تو وہی ہیں جو حد سے تجاوز کرنے والے ہیں)۔

جواب نمبر ج:

اخلاقی بگاڑ، جنسی بے راہ روی اور غیر شرعی تعلق سے بچانے کےلئے اسلام والدین، خاندان اور سماج پر زور دیتا ہے کہ وہ لڑکے اور لڑکیوں کے بالغ ہونے کے بعد ان کی جلد شادی کردیں، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

‘‘وابتلوا الیتامی حتی إذا بلغوا النکاح فإن آنستم منہم رشداً فادفعوا إلیہم أموالہم’’ (النساء: ۶) (اور ان یتیموں کو جانچتے رہو، یہاں تک کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں، تو اگر تم ان کے اندر سوجھ بوجھ پاؤ، تو ان کا مال ان کے حوالے کردو)۔

نیز اللہ تعالی کا فرمان ہے:

‘‘وأنکحوا الأیامی منکم، والصالحین من عبادکم وإمائکم إن یکونوا فقراء یغنہم اللہ من فضلہ، واللہ واسع علیم ’’ (النور: ۳۲) (اور اپنی رانڈوں اور رنڈوؤں اور ذی صلاحیت غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح کرو، اگر وہ تنگ دست ہونگے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کردے گا، اور اللہ بڑی سمائی رکھنے والا اور علم والا ہے)۔

اور علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

‘‘أی:زوجوا من لا زوج لہ من الأحرار والحرائر ‘‘والصالحین من عبادکم وإمائکم’’ علی أن الخطاب للأولیاء والسادات.... والأمر ہنا قیل للوجوب وإلیہ ذہب أہل الظاہر، وقیل للندب،وإلیہ ذہب الجمہور’’ (روح المعانی۹،۳۴۲) (یعنی آزاد مرد اور عورتوں اور ذی صلاحیت غلاموں اور لونڈیوں میں سے بے بیاہوں کی شادی کرادو، اس بنا پر کہ خطاب ولی اور آقاؤں کو ہے.... اور ‘‘امر کا صیغہ ’’ اس محل میں کہا گیا ہے کہ وجوب کے لئے ہے اور ظاہریہ کا یہی مسلک ہے، اور کہا گیا ہے کہ ‘‘امر کا صیغہ ’’ ندب واستحباب

کے لئے ہے، اور یہی جمہور کا مسلک ہے)۔

اور قرطبی لکھتے ہیں:

''اختلف العلماء فی ہذا الأمر علی ثلاثۃ أقوال: فقال علماؤنا یختلف الحکم فی ذلک باختلاف حال المؤمن من خوف العنت، ومن عدم صبرہ، ومن قوتہ علی الصبر، وزوال خشیۃ العنت عنہ،وإذا خاف الہلاک فی الدین أو الدنیا أو فیہما، فالنکاح حتم، وإن لم یخش شیئاً وکانت الحال مطلقۃ، فقال الشافعی: النکاح مباح، وقال مالک وأبو حنیفۃ: ہو مستحب '' (تفسیر القرطبی۱۲،۲۳۹) (اس امر کے سلسلہ میں اہل علم تین اقوال پر مختلف ہوئے ہیں: چنانچہ ہمارے مالکی علماء کا قول ہے کہ مومن کی حالت بدلنے سے ا س بارے میں حکم بدلے گا، یعنی زنا کا اندیشہ ہو او رمومن شادی کے بغیر صبر نہ کرسکے (تو نکاح واجب ہوگا)، اور مومن صبر کی قوت رکھتا ہو، اور اسے زنا کا اندیشہ نہ ہو (تو نکاح مستحب ہوگا)، اور اگر مومن کو دینیا دنیایا دونوں کے اندر تباہی کا اندیشہ ہو تو نکاح لازم ہوگا اور اگر کسی چیز کااندیشہ نہ ہو، اور عام حالت ہو، تو امام شافعی کا قول ہے کہ نکاح مباح ہے، اور امام مالک اور ابوحنیفہ کا قول ہے کہ نکاح (ایسی حالت میں) مستحب ہے)۔

اور طبری لکھتے ہیں:

'یقول تعالی ذکرہ: زوجوا أیہا المؤمنون من لا زوج لہ من أحرار رجالکم ونسائکم، ومن أہل الصلاح من عبیدکم ومماليككم ،،، وعن ابن عباس: أمر اللہ سبحانہ بالنکاح، ورغبہم فیہ، وأمرہم أن یزوجوا أحرارہم وعبیدہم، ووعدہم فی ذلک الغنی'' (تفسیر الطبری ۱۹،۱۶۵-۱۶۶) (اللہ تعالی فرماتا ہے، اے مومنو! اپنے مرد اور خواتین اور ذی صلاحیت غلاموں اور لونڈیوں میں سے ان کا نکاح کرادو جو بے بیوییا شوہر ہوں.... اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ اللہ سبحانہ نے نکاح کا حکم دیا اور اس کی رغبت دلائی، او راہل ایمان کو حکم دیا کہ اپنے آزاد اور غلاموں کا نکاح کرادیں، اور اس سلسلہ میں ان سے مالداری کا وعدہ کیا)۔

اور نبی کریمﷺ نے بھرپور جنسی خواہش رکھنے والے جوانوں کو جلد شادی کرنے کی ہدایت دی، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا:

''یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج، فإنہ أغض للبصر وأحصن للفرج، ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم، فإنہ لہ وجاء '' (صحیح البخاری ، حدیث نمبر: ۵۰۶۵، ۵۰۶۶، صحیح مسلم ۱۴۰۰) (اے گروہ جوانان! تم میں سے جسے نان ونفقہ اور جنسی خواہش پوری کرنے کی قوت ہو، وہ شادی کرلے، کیونکہ اس سے نگاہ زیادہ نیچی رہتی ہے، اور شرمگاہ کی زیادہ حفاظت ہوتی ہے، او رجسے قدرت نہ ہو، وہ مسلسل روزہ رکھے کہ وہ

اس کی شہوت کو توڑ دے گا)۔

چنانچہ کتاب وسنت کی نصوص سے واضح ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں جب بالغ ہوگئے تو وہ نکاح کی عمر کو پہنچ گئے، لہذا ان کی شادی جلد کرادینی چاہئے، جیسا کہ طبری نے فرمان الہی: ‘‘جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں ’’ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ‘‘فإنہ یعنی إذا بلغوا الحلم ’’ (جامع البیان۷؍۵۷۴-۵۷۵) (اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بالغ ہوجائیں)۔

خود نبی کریمﷺ نے ولی کی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داریہ قرار دی ہے کہ بالغ ہونے کے بعد وہ اپنی ولایت میں آنے والے بچوں اور بچیوں کا نکاح کردیں، جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ‘‘من بلی من ہذہ البنات شیئاً، فأحسن إلیہن،کن لہ ستراً من النار ’’ (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۹۹۵، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۶۲۹) (جو ان لڑکیوں میں سے کسی لڑکی کے ذریعہ آزمایا جائے، اور وہ ان کے ساتھ بہتر سلوک کرے، تو یہ لڑکیاں جہنم کی آگ سے اس کے لئے ڈھال بن جائینگی)۔

بلاشبہ ا س حدیث میں وارد لفظ ‘‘احسان ’’ ایک جامع لفظ ہے، جس میں تعلیم وتربیت، شفقت ومحبت اور شادی وبیاہ سب داخل ہیں، چنانچہ ایک روایت میں اس کی صراحت بھی ہے جو حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ‘‘من عال ثلاث بنات، فأدبہن وزوجہن، وأحسن إلیہن، فلہ الجنۃ ’’ (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۵۱۴۷، الادب المفرد حدیث نمبر: ۷۹، مسند احمد ، حدیث نمبر: ۱۱۹۲۴، اور یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے) (جو تین بیٹیوں کی پرورش کرے اور ان کو ادب سکھائے اور ان کا نکاح کردے، اور ان کے ساتھ بہتر سلوک کرے ، تو اس کے لئے جنت ہے)۔

اس سے پتہ چلا کہ اسلام کی نگاہ میں پسندیدہ امر ہے کہ لڑکے اورلڑکیوں کا نکاح بالغ ہونے کے بعد کیا جائے، اور بالغ ہونے کے بعد ان کے نکاح میں جلدی کی جائے، خود قرآن کریم پر غور کرنے سے بھییہی پتہ چلتا ہے ، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ‘‘فانکحوا ما طاب لکم من النساء، مثنی وثلاث ورباع، فإن خفتم ألا تعدلوا فواحدۃ،أوما ملکت أیمانکم، ذلک أدنی ألا تعولوا’’ (النساء: ۳) (تو عورتوں میں سے جو تمہیں پسند آئے، ان سے دودو، تین تین، چار چار تک نکاح کرلو، اور اگر ڈر ہو کہ ان کے درمیان عدل نہ کرسکو گے تو ایک ہی پر بس کرو، یا پھر کوئی لونڈی جو تمہاری ملک میں ہو، یہ طریقہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ تم انصاف سے نہ ہٹو)۔

اس آیت میں وارد لفظ ‘‘نساء ’’ ‘‘امرأۃ ’’ کی جمع ہے، اور اس کا اطلاق بالغہ خاتون پر ہوتا ہے، جیسے ‘‘رجل ’’ کا اطلاق بالغ مرد پر ہوتا ہے اور احادیث شریفہ سے بھی اسی

کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے نبی کریمﷺ سے عرض کیا:

‘‘تزوجت امرأة من الأنصار ’’ (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۲۰۴۹، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۴۲۴) (میں نے ایک انصاریہ بالغہ خاتون سے نکاح کیا)۔

واضح رہے کہ جمہور اہل علم کے نزدیک کمسنی کی شادی صحیح ہے، اور یہیراجح ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی نے بے شادی شدہ مرد اور خاتون خواہ بالغ ہوں یا نابالغ ان کا نکاح کرانے کا حکم دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: ‘‘وأنکحوا الأیامی منکم ’’ (النور: ۳۲) (تم میں سے جو مجرد ہوں، ان کے نکاح کردو)۔

امام طبری اس کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

‘‘والأیمیوصف بہ الذکر والأنثی،یقال:رجل أیم، وامرأة أیم وأیمۃ، إذا لم یکن لہا زوج ’’ (جامع البیان۱۹،۱۶۵) (‘‘ایم ’’ مذکر اور مونث دونوں کی صفت کے طور پر مستعمل ہے ، کہا جاتا ہے: ‘‘رجل أیم ’’(بے شادی شدہ مرد) اور ‘‘امرأة أیم ’’ (بے شادی شدہ عورت)۔

اور ابومنصور محمد ہروی (م: ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں:

‘‘والأیم:البکر والثیب ’’ (تہذیب اللغۃ۱۵،۴۴۶، ط: ۱ ، دار الاحیاء۲۰۰۱ء) (‘‘ایم ’’ کا اطلاق: کنوارے مرد اور عورت اور شوہر اور بیوی دیدہ اور خاتون پر بھی ہوتا ہے)۔

نیز اللہ تعالی نے کمسن شادی شدہ خاتون کی عدت بیان کی ہے، چنانچہ ارشاد ہے:‘‘واللائییئسن من المحیض من نسائکم إن ارتبتم، فعدتہن ثلاثۃ أشہر، واللائی لم یحضن ’’ (الطلاق: ۴) (اور تمہاری عورتوں میں جو حیض سے مایوس ہوچکی ہوں، اگر ان کے باب میں شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے، اور اسی طرح ان کی بھی جن کو حیض نہ آتا ہو)۔

اس آیت میں اس خاتون کی عدت جس کو کمسنی کی وجہ سے حیض نہ آیا ہو، تین ماہ رکھی گئی ہے، اور یہ عیاں ہے کہ عدت کی ضرورت شادی اور جدائی کے بعد ہی پڑتی ہے۔ اور خود نبی کریمﷺ کی حضرت عائشہ سے شادی ان کی کمسنی کی حالت میں ہوئی، چنانچہ فرماتی ہیں:

‘‘تزوجنی النبیﷺ وأنا بنت ست سنین، وبنی بی وأنا بنت تسع سنین’’ (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۳۸۹۴، صحیح مسلم ۱۴۲۲) (نبی کریمﷺ نے مجھ سے نکاح فرمایا جبکہ میری عمر چھ سال تھی، اور مجھ سے خلوت میں ملے جبکہ میری عمر نو سال تھی)۔

لہذا جمہور فقہاء کمسن کی مصلحت کے پیش نظر ولی کو ان کے عقد کا اختیار دیتے ہیں، تاکہ ہمسر جوڑا فوت نہ ہو، لیکن مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک صرف باپ یا اس کاوصییاحاکم ہی کمسن کی شادی کراسکتا ہے، کیونکہ ان کے اندر بھرپور شفقت ہوتی ہے، اس لئے وہ کمسن بچے اور بچیوں کی مصلحت میں کوئی کوتاہی نہیں کرینگے۔ جبکہ

شافعیہ کے نزدیک صرف باپ دادا ہی کمسن بچے اور بچیوں کا نکاح کرسکتے ہیں (ابن رشد، بدایۃ المجتہد ۳۵،۳، شافعی، الام ۱۸۲،۵، ابن قدامہ حنبلی، المغنی۴۱،۷-۴۹)۔

لیکن حنفیہ کے نزدیک باپ دادا کے ساتھ وراثت کے اندر عصبات کی ترتیب کے مطابق تمام دیگر اولیاء کو بھی کمسن بچے اور بچیوں کے نکاح کا اختیار ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ‘‘وإن خفتم ألا تقسطوا فی الیتامی ’’ (۴،النساء: ۳) (اور اگر تمہیں اندیشہہو کہ تم یتیموں کے معاملہ میں انصاف نہ کرسکو گے)۔

یعنییتیموں کے نکاح کے سلسلہ میں تم انصاف نہ کرسکوگے، بلکہ ان پر ظلم کروگے، تو دیگر عورتوں سے نکاح کرلو، اس سے پتہ چلا کہ یہ آیت اولیاء کو یتیموں کا نکاح کرانے کا حکم دیتی ہے، چنانچہ امام جصاص رازی حضرت عائشہؓ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

‘‘ہی الیتیمۃ تکون فی حجر ولیہا، فیرغب فی مالہا وجمالہا، ویرید أن ینکحہا بأدنی من صداقہا، فنہوا أن ینکحوہن إلا أن یقسطوا لہن، وأمروا أن ینکحوا سواہن من النساء’’ (احکام القرآن ۳۴۱،۲)۔

(وہ یتیم بچی ہے جو اپنے ولی کی حفاظت میں ہوتی ہے، اور وہ اس کے مال وجمال میں راغب ہوتا ہے اور اس سے اس کے مناسب مہر سے کمتر مہر میں نکاح کرنا چاہتا ہے، تو ان اولیاء کو نکاح سے منع کیا گیا، مگر یہ کہ وہ ان کے معاملہ میں انصاف کریں، اور ان کو حکم دیا گیا ہے کہ ان کے سوا دیگر خواتین سے نکاح کرلیں)۔

البتہ ان کے نزدیک باپ دادا اور دیگر اولیاء کے درمیان کچھ فرق ہے، چنانچہ باپ دادا کا کیا ہوا کمسنی کا نکاح لازم ہے، مگر یہ کہ وہ لڑکی اس وجہ سے اس نکاح کو ناپسند کرے کہ باپ دادا نے اس کا نکاح کسی لالچ میں آکر یا لاپرواہی سے کام لے کر یا بدتدبیری کے ساتھ کردیا ہے، یا ولی اعلانیہ فاسق ہے، تو اس کو قاضی کے ذریعہ حق تفریق حاصل ہوگا۔

جبکہ دوسرے اولیاء کا کرایا ہوا نکاح تو درست ہے، لیکن اگر لڑکی اس نکاح پر مطمئن نہ ہو تو بوقت بلوغ اس کو نکاح فسخ کرانے کا حق ہوگا، چنانچہ عام فقہاء احناف نے اس بات کی صراحت کی ہے جیسا کہ مرغینانیؒ لکھتے ہیں:

‘‘یجوز نکاح الصغیر والصغیرۃ إذا زوجہما الولی بکراً کانت الصغیرۃ أو ثیباً، والولی ہو العصبۃ، فإن زوجہما الأب والجد فلا خیار لہما بعد بلوغہما، وإن زوجہما غیر الأب والجد، فلکل واحد منہما الخیار، إذا بلغ، إن شاء أقام علی النکاح وإن شاء فسخ .... ویشترط فیہالقضاء ’’ (الہدایہ مع العنایۃ کتاب النکاح ۲۷۴،۳-۲۷۸، نیز دیکھئے: الدر المختار مع رد المحتار، کتاب النکاح، باب الولی۶۵،۳-۷۰، الاختیار لتعلیل المختار ۹۴،۳، بدائع الصنائع ۳۱۵،۲)۔

(کمسن بچہ او ربچی کا نکاح جائز ہے جبکہ ولی ان دونوں کا نکاح کردے، خواہ

کمسن بچی کنواری ہو یا شوہر دیدہ، اور ولی عصبہ ہے .... سو اگر ان دونوں کا نکاح باپ یا دادا کردے،تو بلوغ کے بعد ان دونوں کو خیار نہیں ملے گا، اور اگر ان دونوں کا نکاح باپ یا دادا کے سوا کوئی ولی کردے تو دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار ملے گا، جبکہ وہ بالغ ہوجائیں، اگر چاہے تو نکاح پر قائم رہے، اور اگر چاہے تو ختم کردے، اور فسخ کرانے کے سلسلہ میں قاضی کا فیصلہ شرط ہے)۔

اور ''الدر المختار '' میں ہے:

''لمیعرف منہما سوء الاختیار مجانۃ وفسقاً، وإن عرف لا یصح النکاح اتفاقاً، وکذا لو کان سکران، فزوجہا من فاسق، أو شریر، أو فقیر، أو ذی حرفۃ دنیۃ، لظہور سوء اختیارہ، فلا تعارضہ شفقتہ المظنونۃ '' (الدر المختار مع رد المحتار۳؍۶۷)(باپ دادا کا کیا ہوا نکاح اس وقت لازم ہے جبکہ بےحیائی اور فسق کی وجہ سے دونوں کی بدتدبیری معروف نہ ہو (سو) اگر بدتدبیری معروف ہو تو بالاتفاق نکاح صحیح نہیں، اور ایسے ہی اگرنشہ میں ہو اور فاسق یا شریریا محتاج یا گھٹیا پیشہ والے سے نکاح کردے، تو اس کی بدتدبیری کے ظاہر ہونے کے سبب سے (نکاح صحیح نہیں ہے) اور جس شفقت کا گمان ہے وہ اس بدتدبیری کی معارض نہیں ہوگی)۔

فقہاء کرام کی ان تصریحات کی قدر کے باوجود ہمینیہ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ قرآن وحدیث کے عمیق مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ والد کے لئے بچہ اور بچی کی مصلحت کے پیش نظر کمسنی کی حالت میں نکاح کرنے کی گنجائش تو ہے، لیکنیہ پسندیدہ نہیں ہے، اور حق یہ ہے کہ اسلام میں نکاح کی صحیح عمر بلوغ کے بعد ہے، خواہ بلوغ جس عمر میں ہوجائے، اور بلوغ کے بعد جلدی کرنی چاہئے، جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا:

''من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وأدبہ، فإذا بلغ فلیزوجہ، فإن بلغ ولم یزوج فأصاب إثماً فإنما إثمہ علی أبیہ'' (شعب الایمان للبیہقی حدیث نمبر: ۸۲۹۹، او راس کی سند میں کچھ کلام ہے) (جسے بچے ہو تو اس کا اچھا نام رکھے اور اس کی اچھی تربیت کرے، پھر جب بالغ ہوجائے تو اس کی شادی کردے،سو اگر وہ بالغ ہوجائے، اور وہ اس کی شادی نہ کرے اور وہ گناہ کا مرتکب ہوجائے، تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہوگا)۔

اوریہ واضح ہے کہ باپ گنہگار اپنی ذمہ داری نہیں نبھانے کی وجہ سے ہے، کیونکہ اس کی ذمہ داری تھی کہ بالغ ہونے کے فوراً بعد نکاح کا انتظام کرے۔

جواب نمبر :د: (۱):

بچہ مزدوری کے بارے میں اسلام کا موقف:

اسلامی نقطہ نظر سے بچہ مزدوری حرام ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ انسانی زندگی کے مختلف مراحل میں سے بچپن کا مرحلہ انتہائی اہم ہے، کیونکہ

فرد کی شخصیت کی تشکیل کا آغاز اسی مرحلہ سے ہوجاتا ہے، اور اسی مرحلہ میں وہ اپنی خوابیدہ صلاحیت کو اجاگر کرکے مستقبل کے کردار کا اہل بنتا ہے، چنانچہ قرآن کریم نے اس مرحلہ میں بچہ کی صحیح تعلیم وتربیت کو لازم قرار دیا ہے، تاکہ وہ جہنم کی آگ سے بچ جائے، جیسا کہ ارشاد الہی ہے: ‘‘یا أیہا الذین آمنوا قوا أنفسکم وأہلیکم ناراً وقودہا الناس والحجارۃ’’ (التحریم: ۶) (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ، جس کے ایندھن آدمی اورپتھر ہونگے، او راس کی تفسیر میں امام قرطبی رقمطراز ہیں:

‘‘اور بعض اہل علم کا قول ہے کہ جب اللہ تعالی نے فرمایا: ‘‘اپنے آپ کو بچاؤ ’’، تو اس خطاب میں اولاد شامل ہوگئی، اس لئے کہ اولاد اس کا جزو ہیں .... لہذا اولاد کو حلال وحرام سکھائے گا، او رانہیں معصیت اور گناہوں سے بچائے گا، اور دیگر احکام سکھائے گا، اور قشیری نے بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی، تو حضرت عمرؓ نے پوچھا اے اللہ کے رسول، ہم اپنے آپ کو بچاتے ہیں، سو اپنے اہل وعیال کو کس طرح بچائیں، تو آپ ﷺ نے جواب دیا: ‘‘تم ان کو ان امور سے روکو، جن سے اللہ تعالی نے تم کو روکا ہے، اور ان باتوں کا ان کو حکم دو، جن کا اللہ نے حکم دیا ہے .... اور کیا ہر اس کاقول ہے کہ: ہم پر لازم ہے کہ اپنی اولاد اور گھر والوں کو دین اور نیکی کی تعلیم دیں، اور عمدہ اطوار واخلاق کی تعلیم دیں، جن سے بے نیازی نہیں برتی جاسکتی ہے ’’ (قرطبی، الجامع لاحکام القرآن ۱۸،۱۹۵-۱۹۶)۔

اس سے معلوم ہوا کہ بچپن کے مرحلہ میں باپ کی اصل ذمہ داری ہے کہ اولاد کو ضروری دینی تعلیم دے، صحیح اسلامی نہج پر اس کی تربیت کرے، اور باعزت زندگی گزارنے کا اہل بنائے، چنانچہ تعلیم وتربیت کے اصل مرحلہ میں باپ یا گارجین اسے مزدور بنادے، تو وہ مستقبل میں باعزت زندگی گزارنے کے لائق ہی کہاں رہے گا؟

۲۔ گارجین کی ذمہ داری ہے کہ بچے اور بچیوں کو ایسی تعلیم وتربیت سے آراستہ کریں کہ وہ مستقبل میں سماج کے بہتر فرد، نیک اور باصلاحیت ممبر بن سکیں، باپ یا کوئی ولی اگر اس کی ذمہ داری میں کوتاہی برتتا ہے تو وہ امانت میں خیانت کرتا ہے، اور امانت میں خیانت کرنا حرام ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

‘‘یا أیہا الذین آمنوا لا تخونوا اللہ والرسول وتخونوا أماناتکم وأنتم تعلمون ’’ (الانفال: ۲۷) (اے ایمان والو! اللہ ورسول سے بے وفائی او راپنی امانتوں میں خیانت جانتے بوجھتے نہ کرو)۔

اور اللہ تعالی کا فرمان ہے:

‘‘إن اللہ یأمرکم أن تؤدوا الأمانات إلی أہلہا’’ (النساء: ۵۸)(اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حق داروں کو ادا کرو)۔

اور اس کی تفسیر میں امام قرطبی رقمطراز ہیں:

‘‘فالآیۃ شاملۃ بنظمہا لکل أمانۃ، وہی أعداد کثیرۃ ’’ (تفسیر القرطبی۵؍۲۵۷) (لہذاآیت اپنے نظم ولفظ کے ساتھ ہر امانت کو شامل ہے، اور اس کی بہت سی قسمیں ہیں)۔

اور نبی کریمﷺ کا ارشاد ہے:

‘‘أد الأمانۃ إلی من ائتمنک، ولا تخن من خانک ’’ (سنن ترمذی حدیث نمبر: ۱۲۶۴، او راس کی سند حسن درجہ کی ہے) (امانت اس کے حوالہ کرو جس نے تجھے امانت دی ہے، اور جو تیرے ساتھ خیانت کرے اس کے ساتھ خیانت نہ کرو)۔

اور اس میں شک نہیں ہے کہ اولاد والدین کے پاس اللہ تعالی کی امانت ہیں، او راس امانت میں خیانت اسی طرح حرام ہے جس طرح دیگر امانتوں میں خیانت حرام ہے، اور بلاشبہ اولاد کی صحیح تعلیم وتربیت کی جگہ ان کے معصوم بچپن کو برباد کرنا اللہ تعالی کی امانت میں خیانت ہے۔

۳۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا:

‘‘الرجل راعٍ علی أہل بیتہ، وہو مسؤول عن رعیتہ، والمرأۃ راعیۃ علی أہل بیت زوجہا وولدہ، وہی مسؤولۃ عنہم ’’ (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۷۱۳۸، صحیح مسلم ۱۸۲۹) (مرد اپنے گھر والوں کا نگرانہے اور وہ اپنےماتحتوں کے بارے میں جوابدہ ہے، اور عورت اپنے شوہر کے گھرو الوں اور اس کی اولاد کی نگراں ہے، اور اس سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا)۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ گارجین کی ذمہ داری ہے کہ بچہ کی صحیح تعلیم وتربیت کریں اور اولاد کے معصوم بچپن کو ضائع نہ کریں، اور ان کو مزدوری میں لگا کر جسمانی عقلی، اور نفسیاتی وجذباتی اذیت میں مبتلا نہ کریں، چنانچہ خطابی کے حوالہ سے ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

‘‘ورعایۃ الرجل أہلہ سیاستہ لأمرہم، وإیصالہم حقوقہم، ورعایۃ المرأۃ تدبیر أمر البیت والأولاد والخدم، والنصیحۃ للزوج فی کل ذلک ’’ (فتح الباری۱۳؍۱۱۳، بیروت، دار المعرفہ ۱۳۷۹ھ) (اور مرد کی اپنے گھروالوں کی نگرانی ان کے معاملات کا انتظام کرنا اور ان کے حقوق پہنچانا ہے، اور عورت کی نگہبانی گھر، اولاد اور خدام کے معاملات کا انتظام کرنا ہے، اور ان تمام امور میں شوہر کی خیرخواہی کرنا ہے)۔

۴۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے فرمایا: ‘‘إن من حق الولد علی والدہ، أن یعلمہ الکتابۃ، وأن یحسن اسمہ، وأن یزوجہ إذا بلغ ’’ (ابن النجار، بہ حوالہ ‘‘ضعیف الجامع الصغیر وزیادتہ ’’ حدیث نمبر: ۲۰۰۵، اور اس کی سند میں کلام ہے) (اپنے باپ پر بچہ کا حق یہ ہے کہ اسے لکھائی سکھائے، اور اس کا اچھا نام رکھے، او روہ جب

بالغ ہوجائے تو اس کی شادی کردے)۔

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے فرمایا:''حق الولد علی والده أن یحسن اسمہ، ویحسن من مرضعہ، ویحسن أدبہ '' (شعب الایمان للبیہقی حدیث نمبر: ۸۳۰۰، اور اس کی سند میں کچھ کلام ہے) (اپنے باپ پر بچہ کا یہ حق ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے، اس کے لئے بہتر ماں کا انتخاب کرے، اور اس کی اچھی تربیت کرے)۔

اور حضرت ابورافعؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حق الولد علی الوالد أن یعلمہ الکتابۃ والسباحۃ والرمی، وأن یورثہ طیبا '' (السنن الکبری للبیہقی حدیث نمبر: ۱۹۵۲٦، شعب الایمان للبیہقی حدیث نمبر: ۸۲۹۸، اور اس کی سند میں کلام ہے) (باپ پر بچہ کا حق یہ ہے کہ اسے لکھائی، تیراکی اور تیر اندازی سکھائے، اور اسے پاکیزہ مال کا وارث بنائے)۔

ان احادیث شریفہ سے پتہ چلا کہ باپ کی ذمہ داری ہے کہ اولاد کو زیور تعلیم وتربیت سے آراستہ کرے، لہذا ان کو تعلیم دینے کے بجائے مزدور بنانا درست نہیں ہے۔

۵۔ عقلی اعتبار سے بھی بچہ مزدوری میں بڑی قباحتیں ہیں، چنانچہ اس سے بچہ کی صحت متاثر ہوجاتی ہے، اس کی جسمانی اور دماغی نشو ونما صحیح طور پر نہیں ہوپاتی ہے، پرمشقت کام کی وجہ سے ان کی قوت سماعت اور بصارت پر برا اثر پڑتا ہے، تعلیم سے دور ہونے کی وجہ سے بچہ سوچنے سمجھنے، اختراع اور ایجاد کی قوت سے محروم ہوجاتا ہے، لکھنے پڑھنے کی خوابیدہ صلاحیت کم ہونے لگتی ہے، اپنے خاندان سے کٹنے کی وجہ سے اس کے اندر سنگدلی اور تلخی پیدا ہوجاتی ہے، اور سماج سے دور ہونے کی وجہ سے صحیح اور غلط میں تمیز کرنے کی صلاحیت سے وہ محروم ہوجاتا ہے۔

خلاصہیہ کہ اسلامی شریعت میں بچہ مزدوری حرام ہے، او راس سماجی لعنت کو ختم کرنے کے لئے اسلام حکومت اور سماج پر زور دیتا ہے کہ مساوات اور سماجی انصاف کے ذریعہ فقر وافلاس میں کمی لانے کی کوشش کی جائے، خاندانوں کی ذہن سازی کی جائے، غریب بچوں کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی جائے، مدارس اور اسکولز کے نظام میں سدھار پیدا کیا جائے، اور اساتذہ ومعلمین کے طرز میں تبدیلی لائی جائے، تاکہ بچوں کے اندر تعلیم کی رغبت پیدا ہو۔

(۲): (الف):

والدینیا اولیاء نابالغ بچے اور بچیوں سے اپنے گھر کا کام اس حد تک لے سکتے ہیں، جو عرف میں ان کی تربیت کا حصہ سمجھے جاتے ہوں، اور اس کام کی وجہ سے ان کو کوئی شدید مضرت یا مشقت لاحق نہ ہوتی ہو، اور اس بات کی صراحت عام طور سے

فقہاء نے کی ہے، چنانچہ علامہ شامی ‘‘جامع الفصولین ’’ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

‘‘وللأب أو الجد أو الوصی استعمالہ بلا عوض بطریق التہذیب والریاضۃ’’ (رد المحتار۶،۴۴۰) (اور باپ یا دادا یا وصی کو اختیار ہے کہ تربیت اور شائستہ بنانے کے طور پر بچہ سے مفت کام لے)۔

اور ضابطہ ہے کہ جس چیز کی تحدید وتعیین کتاب وسنت میں وارد نہ ہو، اس کے سلسلہ میں عرف معیار ہوتا ہے، لہٰذا جو کام عرف میں تربیت کا حصہ ہو، اسے کرانے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ کام لیتے وقت ان کے ساتھ نرمی اور شفقت کا رویہ اختیار کیا جائے، چنانچہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ‘‘إن اللہ رفیقیحب الرفق، ویعطی علی الرفق ما لا یعطی علی العنف ’’ (صحیح مسلم حدیث نمبر: ۲۵۹۳) (یقینا اللہ تعالی مہربان ہے، نرمی کو پسند کرتا ہے، اور نرمی پر جونوازتا ہے، وہ سختی پر نہیں نوازتا ہے)۔

(ب):

والدینیا اولیاء کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنی معاشی ضروریات پوری کرنے یا بہتر بنانے کے لئے بچوں سے مزدوری کرائیں، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ بچہ کے کھانے پینے اور رہائش کا انتظام بچہ کے باپ، اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں دیگر وارثین پر ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:‘‘وعلی المولود لہ رزقہن وکسوتہن بالمعروف، لا تکلف نفس إلا وسعہا، لاتضار والدۃ بولدہا ولا مولود لہ بولدہ وعلی الوارث مثل ذلک ’’ (البقرہ: ۲۳۳) (اوربچے والے کے ذمہ بچوں کی ماؤں کا دستور کے مطابق کھانا اور کپڑا ہے، کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے، نہ کسی ماں کو اس کے بچے کے سبب سے نقصان پہنچایا جائے، اور نہ کسی باپ کو اس کے بچہ کے سبب سے، اور اسی طرح کی ذمہ داری وارث پر بھی ہے)۔

اور اس کی تفسیر میں امام جصاص رازی رقمطراز ہیں:

‘‘کذلک حکمہ فی سائر ما یلزمہ من نفقۃ الأولاد الصغار والکبار الزمنی،یختص ہو بإیجابہ علیہ دون مشارکۃ غیرہ فیہ لدلالۃ الآیۃ علیہ .... وقال زید بن ثابت:النفقۃ علی الرجال والنساء علی قدر مواریثہم، وہو قول أصحابنا ’’ (احکام القرآن ۱،۴۸۹-۴۹۳) (ایسے ہی باپ کا حکم دیگر تمام واجبات کے سلسلہ میں ہے جیسے نابالغ بچے اور بالغ اپاہج ومعذورین بچے کے نفقہ کا وجوب خاص اسی پر ہے، اس سلسلہ میں دوسرا اس کا شریک نہ ہوگا اس لئے کہ آیت اسی بات پر دلالت کرتی ہے .... اور باپ نہ ہونے کی صورت میں زید کا قول ہے کہ نفقہ مردوں اور خواتین پر ان کی میراث کے بقدر ہوگا، اور یہی ہمارے علماء احناف کا قول ہے)۔

نیز لکھتے ہیں:

‘‘ومن حیث وجب علی الأب ۔ أی نفقۃ الطفل ۔ وہو ذو رحم محرم، وجب علی من ہو بہذہ الصفۃ، الأقرب فالأقرب لہذہ العلۃ ’’ (احکام القرآن۱،۴۹۳) (چونکہ باپ پر بچہ کا نفقہ واجب ہے، جبکہ وہ ذورحم محرم ہے، تو جوبھی اس حیثیت کا ہوگا اس پر نفقہ اسی علت کی وجہ سے واجب ہوگا، ترتیب وار قریب تر پر پہلے واجب ہوگا پھر جو اس کے بعد قریب تر ہوگا اس پر واجب ہوگا)۔

اور امام کاسانی لکھتے ہیں:

‘‘ولایشارک الجد أحد فی نفقۃ ولد ولدہ عند عدم ولدہ؛ لأنہ یقوم مقام ولدہ عند عدمہ ’’ (بدائع الصنائع ۳،۴) (اور باپ نہ ہونے کی صورت میں دادا کےساتھ پوتوں کے نفقہ مینکوئی شریک نہ ہوگا، اس لئے کہ بیٹا کی عدم موجودگی میں دادا اس کا قائم مقام ہوتا ہے)۔

یعنی جس طرح باپ تنہا اپنی نابالغ اولاد کے نفقہ کا ذمہ دار ہوتا ہے، اسی طرح دادا بھی تنہا ان کے نفقہ کا ذمہ دار ہوگا۔

۲۔ دلیل دوم: باپ محتاج ہو، لیکن کمانے پر قادر ہو، پھر بھی نابالغ کا نفقہ اس پر واجب ہوگا، او راس کے لئے ضروری ہوگا کہ کماکر ان پر خر چ کرے، چنانچہ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

‘‘وإن کان الأب معسراً بعد أن کان قادراً علی الکسب؛ لأن الإنفاق علیہم عند حاجتہم وعجزہم عن الکسب إحیاؤہم، وإحیاؤہم إحیاء نفسہ لقیام الجزئیۃ والبعضیۃ، وإحیاء نفسہ واجب’’ (بدائع الصنائع۳۵،۴) (خواہ باپ محتاج ہو جبکہ کمانے پر قادر ہو، تو نابالغ بچوں ، اپاہج محتاج بالغ بچوں اور محتاج بچیوں کا نفقہ اس پر واجب ہے، اس لئے کہ ان کے محتاج اور کمانے سے عاجز ہونے کے وقت ان پر خرچ کرنا ان کو زندہ کرنا ہے، اور ان کو زندہ کرنا خود اپنی ذات کو زندہ کرنا ہے، اس لئے کہ جزئیت قائم ہے (یعنی بیٹا باپ کا جز اور حصہ ہوتا ہے) اور اپنی ذات کو زندہ برقرار رکھنا واجب ہے)۔

۳۔ ہر ولی پر نابالغ ذی رحم محرم بچہ کا نفقہ واجب ہے، اسی طرح ذی رحم محرم بچی کا خواہ بالغ اور تندرست ہو۔

‘‘درمختار ’’ میں ہے:

‘‘اور ہر نابالغ محرم رشتہ دار کا نفقہ واجب ہے، اسی طرح رشتہ دار محرم خاتون کا بغیر تفصیل کے، خواہ خاتون بالغ اور صحتمند ہو، یا مرد بالغ ہو، لیکن اپاہج پن یا کم عقلییا فالج گرنے جیسے مرض کی وجہ سے کمانے سے عاجز ہویا اناڑی پن کی وجہ سے اچھی طرح نہ کماسکتا ہو،یا شریف واعلی خاندان سے ہونے کی وجہ سے، یا محتاج طالب علم ہو کہ اس کے لئے صدقہ حلال ہو، خواہ اس کے پاس گھر اور خادم موجود ہو، اور نفقہ کا وجوب میراث کے بقدر ہوگا، اور اسی وجہ سے نفقہ دینے پر مجبور کیا جائے گا ’’ (الدر المختار ۳،۶۲۷۔۶۲۹)۔

البتہ بالغہ خاتون عملاً کما رہی ہو تو اس کا نفقہ واجب نہ ہوگا، جیسا کہ ‘‘رد المحتار’’ میں ہے:

‘‘لیکن خاتون اگر عملاً کما رہی ہو جیسے دایہ اور غسل دلانے والی ہو، تو اس کا نفقہ واجب نہ ہوگا،، اور اگر ان اعذار کے باوجود کمائے اور نفقہ دیئے جانے سے بے نیاز ہوجائے، تو اس کا نفقہ واجب نہیں ہوگا، ورنہ کمانے کا پابند نہیں کیاجائے گا، اس لئے کہ یہ اعذار عام طور سے کمانے سے روکتے ہیں، لہذا کمانے کا پابند نہیں بنایا جائے گا’’ (رد المحتار ۳،۶۲۷-۶۲۸)۔

عام طور سے فقہاء نے محرم رشتہ دار ولی پر نفقہ واجب ہونے کے لئے کمانے پر قادر نہ ہونے کی شرط لگائی ہے، جیسا کہ کاسانی لکھتے ہیں:

‘‘والثانی:عجزہ عن الکسب .... حتی لو کان صحیحاً مکتسباً لایقضی لہ بالنفقۃ علی غیرہ’’ (البدائع۴،۳۵) (اور دوسری شرط: کمانے سے اس کا عاجز ہونا ہے، یہاں تک کہ اگر تندرست اور کمانے پر قادر ہو تو دوسرے شخص پر اس کے نفقہ کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا)۔

لیکن میرے نزدیک اس کا محل ضروری دینی اور عصری تعلیم کے بعد کمانے پر قدرت ہے۔

(ج):

ضروری دینی تعلیم اور عصری تعلیم اس حد تک دلانے کے بعد کہ وہ مستقبل میں استحصال (Exploitation) کا شکار نہ ہو، اسے کسی پیشہ ورانہ کام سکھانے کے لئے کام سے لگاسکتےہیں، چنانچہ علامہ شامی رقمطراز ہیں:

‘‘فلہ دفعہا لامرأۃ تعلمہا حرفۃ کتطریز وخیاطۃ مثلاً ’’ (رد المحتار ۳،۶۱۲) (سو باپ کو حق ہے کہ بچی کو ایسی خاتون کے حوالہ کرے جو اسے کوئی پیشہ مثال کےطور پر کشیدہ کاری اور سلائی سکھا دے)۔

اور جب بچی کو پیشہ ورانہ کام سکھانے کی گنجائش ہے، تو بچے کو بدرجہ اولی ہوگی۔ اور خطیب شربینی شافعی لکھتے ہیں:

‘‘اگر لڑکا ماں کو اختیار کرے، تو رات میں اس کے پاس رہے گا، اور دن میں باپ کے پاس، جو اسے اس کے مناسب حال، دین ودنیا کی تعلیم دے گا، اور ادب سے آراستہ کرے گا، اور مکتب (وہ جگہ جہاں بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں) اور پیشہ ور کے حوالہ کرے گا، مکتب سے وہ تحریر اور پیشہ ور سے اپنے حسب حال پیشہ کا علم حاصل کرے گا’’ (مغنی المحتاج۵،۲۰۰)۔

(۳):

بچہ مزدوری اس وقت تک ختم نہیں ہوسکتی ہے جب تک کہ سماج اور حکومت

اپنی ذمہ داری محسوس نہ کریں، اور غریبوں کی کفالت میں سرگرمی نہ دکھائیں، چنانچہ اسلامی حکومت کے اندر ایسی حالت میں ایسے بدحال لوگوں کی مدد بیت المال کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ‘‘وتعاونوا علی البر والتقوی ’’ (المائدہ: ۲) (نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو)۔

اور رسول کریمﷺ کا ارشاد ہے:

‘‘أنا أولی المؤمنین من أنفسہم، فمن مات وعلیہ دین، ولم یترک وفاء، فعلینا قضاؤہ، ومن ترک مالا فلورثتہ ’’ (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۲۲۹۸، ۲۳۹۸، ۶۷۳۱، صحیح مسلم ۱۶۱۹) (میں اہل ایمان سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہوں، سو جو مرجائے، او راس کے ذمہ دین ہو، اور ادائیگی کا مال نہ چھوڑا ہو، تو ہمارے ذمہ اسے ادا کرنا ہے، اور جو مال چھوڑا جائے، تو وہ مال اس کے ورثہ کا ہے)۔

اور اس کی شرح مینحافظ ابن حجر ؒ رقمطراز ہیں:

‘‘وہل کان ذلک من خصائصہ، أو یجب علی ولاۃ الأمر بعدہ، والراجح الاستمرار، لکن وجوب الوفاء إنما ہو من مال المصالح ’’ (فتح الباری۱۲،۱۵) (اور کیایہ آپﷺ کی خصوصیت تھییا آپﷺ کے بعد کے حکمرانوں پر بھی واجب ہے؟ راجح یہی ہے کہ یہ بعد کے حکام پر بھی واجب ہے، لیکن ادائیگی کا وجوب عام لوگوں کے لئے مخصوص کردہ مال سے ہوگا)۔

اس سے پتہ چلا کہ سماج اور حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ بدحالوں اور غریبوں کی سماجی کفالت کریں، اسی لئے علامہ قرطبی ؒ نے اللہ تعالی کےارشاد: ‘‘نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو ’’ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس میں تمام مسلمانوں سے خطاب کیا گیا ہے کہ ان کے درمیان نیکی اور تقوی کے امور میں باہمی مدد واجب ہے جس کی مختلف شکلیں ہیں:

‘‘فواجب علی العالم أن یعین الناس بعلمہ فیعلمہم، ویعینہم الغنی بمالہ ’’ (الجامع لاحکام القرآن ۶،۴۷) (چنانچہ عالم پر واجب ہے کہ وہ اپنے علم کے ذریعہ لوگوں کی مدد کرے سو ان کو علم سکھائے اور مالدار اپنے مال کے ذریعہ لوگوں کی مدد کرے)۔

لیکن اس گئے گذرے دور میں جبکہ ہر ایک کو صرف اپنی اور اپنے اہل وعیال کی فکر ہے، اور محرم رشتہ داروں تک کا خیال نہ رہا، تو ایسی مجبوری اور ناگفتہ بہ حالت میں ایسے غریب اور بدحال او رکمانے سے معذور والد کے لئے گنجائش ہے کہ وہ اپنے نابالغ بچو ں کو مزدوری پر لگا کر اپنی روزی حاصل کریں، چنانچہ فقہاء کے مندرجہ ذیل عبارتوں کا مصداق میرے نزدیک ایسی ہی حالت ہے، جیسے ‘‘ہندیہ ’’ میں ہے:

‘‘وفی النوازل سئل عن رجل لہ أجیر غیر مدرک، ہل لہ أن یؤدبہ إذا رأی منہ بطالۃ،

قال: لا، إلاأن یکون أبوہ قد أذن لہ فی ذلک " (عالمگیری، کتاب الکراہیہ، الباب الثانی والثلاثون فی المتفرقات ۵۲۸،۴) (''النوازل " میں ہے کہ ایک شخص کے بارے میں پوچھا گیا، جس کے پاس نابالغ مزدور ہے، کیا وہ اس کی کام چوری دیکھ کر اسے سزا دے سکتا ہے؟ تو جواب دیا: نہیں، مگر یہ کہ اس کے باپ نے اس کی اجازت دی ہو)۔

اور جیسے ''الدر المختار ورد المحتار " میں ہے:

''اور جب بیٹے کمانے کی حد کوپہنچ جائیں،یعنی بالغ مرد ہونے سے پہلے، کیونکہ بالغ ہونے کے بعد باپ ان کو کام پر مجبور نہیں کرسکتا ہے، تو باپ ان کو کام کے حوالہ کرے گا تاکہ وہ کمائیں،یا ان کو مزدوری پرلگائے گا، اور ان کی اجرت سے ان پر خرچ کرے گا، برخلاف لڑکیوں کے، او راگر باپ فضول خرچ ہو تو بیٹے کی آمدنی قابل اعتماد شخص کے حوالہ کی جائے گی، جیساکہیہی حال دیگر املاک کا ہے " (الدر المختار مع ردالمحتار ۵۶۹،۳)۔

او رجیسے ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:

''اور اگر باپ مالدار ہو، اور نابالغ بچہ محتاج ہو، تو باپ پر نفقہ واجب ہے، یہاں تک کہ لڑکا کمانے کی حد کو پہنچ جائے، خواہ بالغ نہ ہو، تو جب یہ حالت ہو، تو باپ کو حق ہے کہ اسے مزدوری پر لگائے، اور اس پر اس کی اجرت میں سے خرچ کرے، اور لڑکی میں اس کو یہ اختیار نہیں ہے " (البحر الرائق ۲۱۹،۴)۔

اور جیسے علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

''نابالغ بچہ کا نفقہ واجب ہے اگر وہ کمائی کی حد کو نہ پہنچے، سو اگر وہ کمائی کی حد کو پہنچ جائے تو باپ کو حق ہے کہ اسے مزدوری پر لگائے، یا اسے پیشہ کے سیکھنے کے سلسلہ میں حوالہ کرے، تاکہ وہ کمائے، اور اس پر اس کی کمائی سے خرچ کرے، اگر وہ لڑکا ہے، برخلاف لڑکی کے .... خیر رملی کا قول ہے کہ اگر لڑکی سلائی اور سوت کاتنے جیسے چیز کی وجہ سے بے نیازہوجائے، تو واجب ہے کہ اس کا نفقہ اس کی کمائی میں ہو، جیسا کہ یہ ظاہر ہے....(کیونکہ) ممنوع اس کو خدمت وغیرہ کے لئے مزدوری پر لگانا ہے، جس میں اسے مزدوری پر رکھنے والے کے حوالہ کرنے کی ضرورت ہے، فقہاء کے اس قول کی دلیل سے کہ مزدوری پر لینے والا اس سے تنہائی میں ملے گا، اور یہ شریعت میں جائز نہیں ، اور بنابریں باپ کو حق ہے کہ بچی کو ایسی خاتون کے حوالہ کرے جو اسے ہنر مثال کے طور پر کشیدہ کاری اور سلائی سکھا دے'' (رد المحتار۶۱۲،۳)۔

البتہ اگر بچہ ضروری دینی تعلیم اور باعزت زندگی گزارنے کے لئے مطلوب عصری علم حاصل کرے، اور باپ محتاج ہو، گوکمانے پر قادر ہو، تو بچہ کو باپ کی مدد کرنی چاہئے، اس لئے کہ باپ کو محنت ومشقت پر مجبور کرنا مناسب نہیں، کیونکہ اللہ

تعالی نے ان کو اف تک کہنے سے منع کیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ‘‘فلا تقل لہما أف ولا تنہرہما ’’ (اسراء: ٢٣) (تو نہ ان کو اف کہو او رنہ ان کو جھڑکو)۔

او ریہ واضح ہے کہ ان کو محنت ومشقت کے حوالہ کرنے میں زیادہ اذیت اور تکلیف ہے، لہذا بیٹا ضروری دینی اور عصری تعلیم حاصل کرنے کے بعد کمانے پر قادر ہے تو اس پر لازم ہے کہ کما کر باپ پر خرچ کرے، جیسا کہ ابن نجیم رقمطراز ہیں:

‘‘فلو کان کل منہما کسوبا یجب أن یکتسب الابن وینفق علی الأب ، فالمعتبر فی إیجاب نفقۃ الوالدین مجرد الفقر، قیل: ہو ظاہر الروایۃ ’’ (البحر الرائق، کتاب النکاح، باب النفقہ ٢٢٤،٤، نیز دیکھئے: تبیین الحقائق ٦٣،٣، درر الحکام ٤١٩،١، الدر المختار مع ردالمحتار ٦٢٣،٣) (سو اگر باپ بیٹا دونوں میں سے ہر ایک کمانے پر قادر ہو تو بیٹے پر کمانا اور باپ پر خر چ کرنا واجب ہے، چنانچہ والدین کے نفقہ کے وجوب کے سلسلہ میں محض محتاجی کا اعتبار ہے، کہا گیا ہےکہ یہی ظاہر الروایہ ہے)۔

اور محقق ابن الہمام لکھتے ہیں:

‘‘مالداری کا اندازہ نصاب زکوۃ کے ساتھ ہے....جبکہ لڑکا کمانے والا نہ ہو، تو اس بات کا اعتبار ہوگا کہ اس کے پاس نصاب کے بقدر زائد مال ہو، تاکہ اس پر نفقہ واجب ہو.... اور اگر کمانے والا ہو تو امام محمد کے قول کااعتبار ہے، یعنی مالداری اس مال کے ساتھ مقدر ہوگی جو اس کی اپنی ذات اور اہل وعیال کے روزانہ کے خرچ سے زائد ہو، اس لئے کہ بندونکے حق میں قدرت کااعتبار ہے نہ کہ نصاب کا، اور فتوی دینے کے سلسلہ میں اسی پر اعتماد کرنا چاہئے ’’ (فتح القدیر٤٢٣،٤)۔

یہاں تک کہ اگر ماں باپ دونوں محتاج ہوں، اور باپ کو بیوی کی ضرورت نہ ہو، پھربھی دونوں کا نفقہ لڑکے پر واجب ہے، علامہ شامی لکھتے ہیں:

‘‘فالظاہر وجوب نفقۃا لأم علیہ،ولو لم یکن الأب محتاجاً إلیہا لقولہم: لا یشارک الولد فی نفقۃ أبویہ أحد ’’ (رد المحتار ٦١٦،٣) (سو بہ ظاہر ماں کا نفقہ بھی لڑکے پر واجب ہوگا،خواہ باپ کو اس کی ضرورت نہ ہو، اس لئے کہ فقہاء کہتے ہیں کہ اپنے والدین کے نفقہ کے سلسلہ میں اولاد کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہ ہوگا)۔

(٥):

تمام جرائم مثلاً: قتل، غارت گری، چوی اور زنا کی سزا جاری کرنے کے لئے بلوغ شرط ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اس لئے کہ نبی کریمﷺ کا ارشاد ہے: ‘‘رفع القلم عن ثلاثۃ: عن الصبی حتییبلغ،و عن النائم حتییستیقظ، وعن المجنون حتییفیق ’’ (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ٤٣٩٩،اور اس کی سند صحیح ہے) (قلم تین اشخاص سے اٹھالیا گیا ہے: بچہ سے یہاں تک کہ بالغ ہوجائے، اور سوتے سے یہاں تک کہ بیدار ہوجائے،اور دیوانہ سے یہاں تک کہ اس کی دیوانگی دور ہوجائے)۔

اور کاسانی رقمطراز ہیں:

‘‘الصبی والمجنون إذا وطئی امرأۃ أجنبیۃ لاحد علیہ؛ لأن فعلہما لا یوصف بالحرمۃ، فلا یکون الوطء منہما زنا ’’ (بدائع الصنائع، کتاب الحدود ۳۴،۷) (بچہ یا دیوانہ اگر کسی اجنبی عورت سے وطی کرے، تو اس پر حد جاری نہیں ہوگی، اس لئے کہ ان کا فعل حرمت سے متصف نہیں ہوتا ہے، لہذا ان کی جانب سے ہونے والی وطی زنا نہیں)۔

اور ‘‘درمختار’’ میں ہے:

‘‘بشرط کون القاتل مکلفاً، لما تقرر أنہ لیس لصبی ومجنون عمد ’’ (الدر المختار ۵۳۲،۶) (قصاص قاتل کے عاقل بالغ ہونے کی شرط کے ساتھ جاری ہوگا، اس لئے کہ یہ بات ثابت ہے کہ بچہ اور دیوانہ سے قتل عمد کا تحقق نہیں ہوتا ہے)۔

اور شیرازی شافعی لکھتے ہیں:

‘‘ولایجب ۔ أی القطع ۔ علی صبی ومجنون ’’ (المہذب، کتاب الحدود، باب حد السرقہ ۳۵۴،۳) (بچہ اور دیوانہ کا ہاتھ کاٹنا واجب نہیں)۔

دو رحاضر میں نابالغوں میں پھیلتے ہوئے جرائم کے رجحان سے حکومتوں کا پریشان ہونا قدرتی بات ہے، کیونکہ موجودہ تمام حکومتیں ایک طرف جرائم کا ماحول بناتی ہیں، برائی، فحاشی، بے حیائی اور عریانیت کی نشر واشاعت اور اسے عام کرنے کی کھلی چھوٹ دیتی ہیں، اور دوسری طرف مغرب کی اندھی تقلید میں نیکیوں، بھلائیوں اور اچھائیوں کے خلاف محاذ بناتی ہیں۔

اس کے برعکس اسلام تمام لوگو ناور خاص کرکے بچو نکے لئے برائی، ظلم، نفرت اور سنگدلی کے خلاف ماحول بناتا ہے، قتل، غارت گری، چوری، زنا اور اغوا جیسے جرائم سے لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرتا ہے، اور ان تمام احتیاطی انتظامات کے باوجود اگر کسی سے جرم سرزد ہوتو وہ سزا جاری کرنے میں پس وپیش نہیں کرتا ہے۔

چنانچہ بچو نکو جرائم سے دور رکھنے کے لئے اسلام کی درج ذیل تعلیمات ہیں:

۱۔ اسلام کی ہدایت ہے کہ نابالغوں کی صحیح تعلیم وتربیت کی جائے، تاکہ ان کے اندر جرائم کا رجحان پیدا نہ ہو، جیسا کہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ‘‘أکرموا أولادکم وأحسنوا أدبہم’’ (سنن ابن ماجہ حدیث نمبر: ۳۶۷۱، او راس کی سند میں کچھ کلام ہے) (اپنی اولاد کی عزت کرو، اور ان کی بہتر تربیت کرو)۔

۲۔ اسلام نابالغ لڑکے اور لڑکیوں کے اندر آخرت کا تصور پیدا کرتا ہے، ان کے اندر حساب وکتاب دینے کا ذہن بناتا ہے، ان میں ہر قول وعمل سے پہلے اللہ تعالی کا استحضار پیدا کرتا ہے، اور شرک سمیت تمام جرائم سے نفرت دلاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:‘‘وإذ قال لقمان لابنہ وہو یعظہیا بنی لا تشرک باللہ إن الشرک لظلم عظیم’’

(لقمان: ۱۳) (اور یاد کرو جبکہ لقمان نے اپنے بیٹے سے اس کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اےمیرے بیٹے! اللہ کا شریک نہ ٹھہرائیو، بے شک شرک ایک بہت بڑا ظلم ہے)۔

نیز فرمایا:

''واتبع سبیل من أناب إلیّ، ثم إلیّ مرجعکم فأنبئکم بما کنتم تعملون'' (لقمان : ۱۵) (اور پیروی ان کے طریقہ کی کیجیو، جو میری طرف متوجہ ہیں پھر میری ہی طرف تمہارا لوٹنا ہے، سو میں جو کچھ تم کرتے رہے ہو اس سے تم کو آگاہ کرونگا)۔

۳۔ اسلام بچے اور بچیوں کے اندر یہ ذہن بناتا ہے کہ اللہ تعالی سے کوئی چیز مخفی نہیں، جیسا کہ ارشاد ہے: ''یا بنیّ إنہا إن تک مثقال حبۃ من خردل فتکن فی صخرۃ أو فی السموات أو فی الأرض یأت بہا اللہ، إن اللہ لطیف خبیر '' (لقمان: ۱۶) (اے میرے بیٹے! کوئی عمل اگر رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو خواہ وہ کسی گھاٹی مینیا آسمانوں یا زمین میں ہو، اللہ اس کو حاضر کردے گا، بے شک اللہ نہایت ہی باریک بیں اور باخبر ہے)۔

۴۔ اسلام ان کو خود نیک بننے اور دوسرے کو نیک بنانے کی طرف متوجہ کرتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ''یا بنی أقم الصلاۃ وأمر بالمعروف وانہ عن المنکر واصبر علی ما أصابک إن ذلک من عزم الأمور'' (لقمان: ۱۷) (اے میرے بیٹے! نماز کا اہتمام رکھو، نیکی کا حکم دو، اور برائی سے روکو، اور جو مصیبت تمہیں پہنچے اس پر صبر کرو، بے شک یہ باتیں عزیمت کے کاموں میں سے ہیں)۔

۵۔ نبی کریمﷺ نے خود اپنے عملی نمونہ کے ذریعہ گارجین کو توجہ دلائی ہے کہ وہ نابالغ بچے اور بچیوں کی بھلائی میں دلچسپی اور برائی اور جرائم سے رکنے کی رغبت کے لئے ذہن سازی کرتے رہیں، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے:

''کنت خلف النبیﷺ یوماً، فقال: یا غلام! إنی أعلمک کلمات: احفظ اللہ یحفظک، احفظ اللہ تجدہ تجاہک، إذا سألت فاسأل اللہ، وإذا استعنت فاستعن باللہ، واعلم أن الأمۃ لو اجتمعت علی أن ینفعوک بشئی لم ینفعوک إلا بشئی، قد کتبہ اللہ لک، وإن اجتمعوا علی أن یضروک بشئی، لم یضروک إلا بشئی قد کتبہ اللہ علیک، رفعت الأقلام وجفت الصحف'' (مسند احمد حدیث نمبر: ۲۶۶۹، مسند ابییعلی حدیث نمبر: ۲۵۵۶، سنن ترمذی حدیث نمبر: ۲۵۱۶، اور اس کی سند صحیح ہے) (میں ایک دن نبی کریمﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا کہ آپ نے فرمایا: اے لڑکے! میں تجھے کچھ باتیں سکھاتا ہوں (تم ان پر مضبوطی سے عمل پیرا ہوجاؤ):اللہ کو پیش نظر رکھو، وہ تمہاری حفاظت فرمائے گا، اللہ کو پیش نگاہ رکھو، تم اسے اپنے سامنے پاؤگے، اگر مانگو تو اللہ ہی سے مانگو، اور اگر مدد طلب کرو تو اللہ ہی سے مدد لو، اور جان رکھو کہ اگر تمام لوگ متحد ہوکر تجھے کوئی نفع پہنچانا چاہے، تو وہ تجھے اس چیز کے علاوہ نفع نہیں پہنچاسکتے، جسے اللہ نے تمہارے حق میں مقدر

کررکھا ہے، اور اگر سب لوگ مل کر تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو اس چیز کے علاوہ وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے جسے اللہ نے تمہارے حق میں لکھ رکھا ہے، قلم بند کردیئے گئے اور صحیفے خشک ہوچکے)۔

اور سندی ''احفظ اللہ '' (اللہ کو پیش نظر رکھو) کی شرح میں لکھتے ہیں:

''أی أمرہ بامتثال الأوامر واجتناب الزواجر '' (حاشیۃ مسند احمد ۴۱۱،۴) (یعنی نبی کریمﷺ نے اللہ کے احکامات کی تعمیل اور منہیات سے اجتناب کا حکم فرمایا) یعنی اللہ کو پیش نظر رکھنے کا مطلب ہے کہ اس کے احکام بجالائے جائیں اور اس کی منع کردہ چیزوں سے دور رہاجائے)۔

(و):

تربیت واصلاح کے مقصد سے بچوں کو مخصوص جیلوں میں رکھنے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ وہ محفوظ اور پرامن ہوں اور ان کے کھانے پینے کا مناسب بندوبست ہو، اور ان کی صحت پر مضر اثرات مرتب نہ ہوتے ہوں، اور جیل میں بند نابالغ قیدیوں کو ہلکی پھلکی سزا دی جاسکتی ہے، جس کا مقصد اصلاح ہو، چنانچہ نبی کریمﷺ کا ارشاد ہے:''مروا أولادکم بالصلاۃ وہم أبناء سبع سنین، واضربوہم علیہا وہم أبناء عشر '' (سنن ابی داؤد حدیث نمبر: ۴۹۵، اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے) (اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جبکہ وہ سات سال کےہوں، اور ترک نماز پر ان کو مارو، جبکہ وہ دس سال کے ہوں)۔

اور فقہاء نے بھی اس بات کی صراحت کی ہے کہ بچوں کو تعزیراً سزا دی جاسکتی ہے، چنانچہ علامہ مرغینانی لکھتے ہیں:

''ولہذایعزر الصبی '' (الہدایہ کتاب الحدود، فصل فی کیفیۃ الحد وإقامتہ ۳۴۲،۲) (اور حق العبد ہونے کی وجہ سے بچہ کو تادیباً سزا دی جاسکتی ہے)۔

اور علامہ کاسانی رقمطراز ہیں:

''بہرحال تعزیر کے وجوب کی شرط تو وہ صرف عقل ہے، تو ہر عاقل جس نے اسے جرم کا ارتکاب کیا جس کی شریعت میں متعین سزا نہیں ہے، تو اسے تعزیراً سزا دی جائے گی، خواہ آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت، مسلمان ہو یا کافر، بالغ ہو یا بچہ، جبکہ وہ عاقل ہو، اس لئے کہ یہ لوگ سزا کی اہلیت رکھتے ہیں، سوائے عقلمند بچہ کے، کیونکہ اسے بطور تادیب اور اصلاح سزادی جائے گی، نہ کہ سزا کےطور پر، اس لئے کہ اس کے اندر اصلاح کی اہلیت ہے .... اور سزا کے طور پر اس کی تعزیر نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ سزا جرم کا تقاضا کرتی ہے، اور بچہ کے فعل کو جرم سے متصف نہیں کیا جاسکتا ہے، برخلاف دیوانہ اور اس بچہ کے جو ناسمجھ ہو، کیونکہ ان کے اندر نہ سزا کی اہلیت ہے اور نہ ہی تادیب کی '' (بدائع الصنائع، کتاب الحدود، فصل فی شروط وجوب

التعزیر ۷،۶۳-۶۴)۔

اور ابن نجیم حنفیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''ویقام التعزیر علیہ تأدیباً '' (الاشباہ والنظائر ص: ۲۶۵) (اور بچہ پر بطور تادیب واصلاح تعزیر قائم کی جاتی ہے)۔

اور ایک جگہ لکھتے ہیں:

''فضرب التأدیب مقید، بوصف السلامۃ لکونہ مباحاً '' (الاشباہ والنظائر ص: ۲۴۹) (چنانچہ تادیب کی مار سلامتی کی صفت کے ساتھ مقید ہے، اس لئے کہ وہ مباح ہے)۔

اور علامہ ابن فرحون مالکی (م: ۷۹۹ھ) لکھتے ہیں:

''قال ابن مزین: قلت لأصبغ: ''یؤدب الصبیان فی تعدیہم وشتمہم وقذفہم، وجراحاتہم العمد وقتلہم، قال: نعم، یؤدبون إذا کانوا قد عقلوا أو راہقوا'' (تبصرۃ الحکام ۲،۲۴۲، ط: ۱، مکتبۃ الکلیات الأزہریہ،۱۴۰۶ھ) (ابن مزین کہتے ہیں کہ میں نے اصبغ سے پوچھا: بچوں کو ان کے ظلم وزیادتی، گالی وگلوج، تہمت لگانے، قصداً زخمی کرنے اور قتل کرنے کی صورت میں سزا دی جائے گی، تو انہو ننے جواب دیا، ہاں، ان کو سزا دی جائے گی، جبکہ وہ سمجھدار ہوگئے ہوں یا قریب البلوغ ہوں)۔

اور علامہ قرافی مالکی (م: ۶۸۹ھ) تحریر فرماتے ہیں:

''الرابع من الفروق أن التعزیر تأدیبیتبع المفاسد، وقد لا یصحبہا العصیان فی کثیر من الصور، کتأدیب الصبیان والبہائم والمجانین استصلاحاً لہم مع عدم المعصیۃ'' (الفروق ۴،۱۸۰، بیروت، عالم الکتب) (حد اور تعزیر میں چوتھا فرق یہ ہے کہ تعزیر ایسی سزا ہے جو مفاسد کے ساتھ چلتی ہے، جبکہ بہت سی صورتوں میں ان کے اندر معصیت نہیں ہوتی ہے، جیسے بچے، چوپائے اور دیوانوں کو ان کی اصلاح کی خاطر معصیت نہ ہونے کے باوجود تعزیراً سزا دی جائے گی)۔

اور علامہ زکریا انصاری شافعی (م: ۹۲۶ھ) لکھتے ہیں:

''ویعزر بہ أی بالقذف صبی ومجنون میزا للزجر والتأدیب''(اسنی المطالب، کتاب الحدود ۴،۱۳۶) (اور اس کییعنی تہمت لگانے کی وجہ سے بچہ اور دیوانہ کو تعزیراً سزا دی جائے گی، جبکہ وہ سمجھ بوجھ رکھتے ہوں، زجر وتوبیخ اور اصلاح کی غرض سے)۔

اور سیوطی شافعی لکھتے ہیں:

''الصبی والمجنون یعزران، إذا فعلا ما یعزر علیہ البالغ، وإن لم یکن فعلہما معصیۃ'' (الاشباہ للسیوطی ص: ۴۹۰) (بچہ اور دیوانہ کو تعزیراً سزا دی جائے گی جبکہ وہ ایسی چیز کے مرتکب ہوں جس پر بالغ کو سزا دی جاتی ہے، اگرچہ ان کا فعل معصیت نہیں)۔

اور مرداوی حنبلی (م: ۸۸۵ھ)تحریر فرماتے ہیں:

''وما أوجب حداً علی مکلف عزر بہ الممیز کالقذف، قال فی الواضح: من شرع فی

عشر: صلح تأدیبہ فی تعزیر علی طہارۃ وصلاۃ، فکذا مثلہ زناً، وہو معنی کلام القاضی، وذکر ما نقلہ الشالنجی فی الغلمان یتمردون: لا بأس بضربہم " (الانصاف، کتاب الحدود۱۰،۲۴۲) (اور جو چیز عاقل وبالغ پر حد کو واجب کرے، اس کی وجہ سے سمجھدار بچہ کو تعزیراً سزا دی جائے گی، جیسے تہمت لگانا،''الواضح " میں لکھا ہے کہ جو دسویں سال میں داخل ہوجائے، تو طہارت اور نماز کی بنا پر بہ طور تعزیر سزا کی صلاحیت رکھتا ہے، تو یہی حکم زنا کا ہوگا، اور ''قاضی " کے کلام کا یہی مفہوم ہے، اور ''شالنجی " نے جو کلام نقل کیا ہے اسے ذکر کیا ہے کہ سرکش بچوں کو مارنے میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

اور جس طرح اللہ تعالی نے اصلاح کی خاطر شوہروں کو ہلکی پھلکی مار کی اجازت دی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ''واضربوہن فإن أطعنکم فلا تبغوا علیہن سبیلا، إن اللہ کان علیاً کبیراً'' (النساء: ۳۴) (او ران کو سزا دو، سو اگر وہ تمہاری اطاعت کریں، تو ان کے خلاف راہ نہ ڈھونڈو، بے شک اللہ بہت بلند اور بہت بڑا ہے)، اور اس جسمانی سزا کی حد نبی کریمﷺ نے ''غیر مبرح : سخت اور بڑی مار نہ ہو " مقرر کی ہے، یعنی سزا ایسی نہ ہو کہ وہ کوئی پائیدار اثر چھوڑ جائے، چنانچہ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبیکریمﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع سے فرمایا: ''واتقوا اللہ فی النساء فإنہم عندکم عوان، ولکم علیہن أن لا یوطئن فرشکم أحداً تکرہونہ، فإن فعلن ذلک، فاضربوہن ضرباً غیر مبرح" (صحیح مسلم حدیث نمبر: ۱۲۱۸) (اور خواتین کے بارے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ وہ تمہارے پاس مقید ہیں، اور ان پر تمہاراحق یہ ہے کہ تمہارے بستروں پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دے جسے تم ناپسند کرتے ہو، سو اگر وہ ایسا کریں، تو انہیں ایسی مار مارو جو دردناک نہ ہو)۔

اس پر قیاس کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ نابالغ قیدیوں سے پرمشقت کام لینا او ران کے ساتھ سخت مارپیٹ کرنا ناجائز ہے، ان کو صرف اتنی سزا دی جاسکتی ہے جس کا کوئی پائیدار اثر نہ رہ جائے او ران کی اصلاح وتربیت ہوجائے۔

اور غلطی نہ سدھارنے پر مزید سزا کی دھمکی دی جاسکتی ہے، ان پر تیز نگاہ ڈالی جاسکتی ہے اور کسی وقت کھانے سے ان کو محروم کیا جاسکتا ہے۔

اور ان سے صر ف ایسے کام لیے جاسکتے ہیں جن کا اثر ان کی ذہنی، دماغی، نفسیاتی وجذباتی اور جسمانی صحت پر نہ پڑے، او ران کا تعلق ان کی تربیت سے ہو، جیسے لڑکی سےکھانا پکانے، کشیدہ کاری وبیل بوٹے بنانے اور سلائی کڑھائی وغیرہ، اور لڑکے سے پودے وغیرہ لگانے، صنعت وحرفت سکھانے کے کام اور کاشت کاری وغیرہ کی تربیت جو رہا ہونے کے بعد باعزت زندگی گزارنے کی اہلیت ان کے اندر پیدا کرے۔

اور جیل کے اندر ان کو اتنی مدت رکھا جائے جتنی مدت میں ان کی اصلاح ہوجائے،

اور اصلاح ہوجانے کے بعد انہیں فوراً رہا کردیا جائے، چنانچہ امام ابویوسفؒ لکھتے ہیں:

''چنانچہ آپ اپنے تمام حکام کو روزانہ قیدیوں کے معاملات میں غور وفکر کرنے کا حکم دیں، سو جس کے ذمہ سزا ہو، اسے سزا دے کر چھوڑ دیا جائے، اور جس پر کوئی معاملہ نہ بنتا ہو، اس کو رہا کردیاجائے، اور ان کو حکم دیجئے کہ سزا میں حد سے تجاوز نہ کریں، اور سزا کے ساتھ ناجائز حد میں نہ داخل ہوجائیں، کیونکہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ یہ حکام تہمت اور الزام اور جرم کی بنا پر ایک شخص کو تین سو یا دوسو یا کم وبیش کوڑے لگاتے ہیں، او ریہ حلال اور مباح نہیں، اور مومن کی پیٹھ محفوظ ہے مگر ایسے حق کی وجہ سے جو بدکارییا تہمت یا نشہ یا ایسے معاملہ کے مرتکب ہونے کے سبب جس میں حد واجب نہ ہو، تعزیر کی وجہ سے واجب ہو'' (الخراج ص: ۱۶۴-۱۶۵، المکتبۃ الازہریہ للتراث)۔

تادیب وتعزیر میں فرق:

بغرض اصلاح جو معمولی سزا دی جاتی ہے اسے تادیب کہتے ہیں، جبکہ تعزیر وہ سزا ہے جو شرعاً متعین نہیں ہے، اور جسے قاضی جرم کی نوعیت اور مرتکب جرم کی حالت کے اعتبار سے طے کرتا ہے۔

بعض فقہاء کا خیال ہے کہ تعزیر اور تادیب میں فرق ہے، چنانچہ تعزیر قاضی کی طرف سے ہوتی ہے، جبکہ تادیب، استاذ، والد اور شوہر وغیرہ کی طرف سے ہوتی ہے، جیسا کہ علامہ عمرانی شافعی (م: ۵۸۷ھ) رقمطراز ہیں:

''التعزیر اسم یختص بالضرب الذییضر بہ الإمام أو خلیفتہ للتأدیب فی غیر الحدود، فأما ضرب الرجل زوجتہ، وضرب المعلم للصبی، فلایسمی تعزیراً، وإنما یسمی تأدیباً'' (البیان، کتاب الحدود، باب التعزیر۱۲،۵۳۲) (تادیب واصلاح کی خاطر جو مار حدود کے علاوہ میں بادشاہ یا اس کا نائب لگاتا ہے، وہ تعزیر کے نام سے موسوم ہے، رہا شوہر کا بیوی کو اور استاذ کا طالب علم کو مارنا، تو اسے تعزیر کا نہیں بلکہ تادیب کا نام دیا جائے گا)۔

اگر اس فرق کو تسلیم بھی کریں، تو بھی بچہ کی تعزیر میں اتنے زور سے مارنے کی اجازت نہیں ہے کہ اس کااثر باقی رہ جائے۔

شریعت اسلامی میں نابالغ قیدیوں کی اصلاح کی تدابیر درج ذیل ہیں:

۱۔ جیل کے ذمہ داران انتہائی شفقت ومحبت سے ان کو جرائم سے دور رہنے کی نصیحت کریں، چنانچہ کتاب وسنت میں بچوں کو پرشفقت اسلوب میں نصیحت کی گئی ہے، جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''ووصی بہا إبراہیم بنیہ ویعقوبیا بنیّ إن اللہ اصطفی لکم الدین فلا تموتن إلا وأنتم مسلمون'' (البقرہ: ۱۳۲) (اور ابراہیم نے اسی ملت کی وصیت اپنے بیٹوں کو کی، اور اس کی وصیتیعقوب نے اپنے بیٹوں کو کی، اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے دین اسلام کو

منتخب فرمایا، تو تم نہ مرنا مگر اسلام کی حالت پر)۔

اور نبی کریمﷺ نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور دعا دیتے ہوئے فرمایا: ''یرحمک اللہ فإنک غلیم معلم '' (صحیح ابن حبان حدیث نمبر: ۶۵۰۴، مسند احمد، ۳۵۹۸، اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے) (اللہ تجھ پر رحم فرمائے،تو سکھایا ہوا لڑکا ہے)۔

۲۔ نابالغ قیدیوں کو وقتا فوقتا صالح مربیوں کے ذریعہ نصیحت کرائی جائے، تاکہ بچے ان کے کردار اور نیک سیرتی سے متاثر ہوں، اور ان کے قول وعمل کی جامعیت سے سبق لیں، جس طرح حضرت لقمانؑ نے اپنے بچہ کو نصیحت کی، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''ولا تصعر خدک للناس ولا تمش فی الأرض مرحاً إن اللہ لا یحب کل مختال فخور'' (لقمان: ۱۸) (اور لوگوں سے بے رخی نہ کر، اور زمین میں اکڑ کر نہ چل، اللہ کسی اکڑنے والے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا)۔

اور حضرت ہودؑ نے اپنی قوم کی اصلاح کی کوشش کی: ''إذ قال لہم أخوہم ہود ألا تتقون إنی لکم رسول أمین فاتقوا اللہ وأطیعون'' (الشعراء: ۱۲۴۔۱۲۶) (جبکہ ان کے بھائی ہود نے ان کو آگاہ کیا کہ کیا تم لوگ ڈرتے نہیں، میں تمہارے لیے ایک رسول امین ہوں، تو اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو)۔

اور حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمﷺ کے پاس ایک نوجوان آیا ، اور اس نے زنا کی اجازت چاہی، سو لوگوں کو اس کی جرأت پر بڑا اچنبھا ہوا، لیکن آپﷺ نے اسے سمجھایا کہ کیا تم اپنی ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی اور خالہ کے ساتھ ایسا کرنا پسند کروگے، تو اس نے نفی میں جواب دیا، تب آپﷺ نے اسے سمجھایا کہ لوگ بھی اپنی رشتہ دار خواتین کے لئے اسے پسند نہیں کرتے، پھر نبی کریمﷺ نے اس کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر اس کے لئے اللہ تعالی سے دعا کی: ''اللہم کفر ذنبہ، وطہر قلبہ وحصن فرجہ'' (المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر: ۷۶۷۹، مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۲۲۱۱، اور اس کی سند صحیح ہے) (اے اللہ اس کے گناہ ختم کردے، اور اس کے دل پاک کردے، اور اس کی شرمگاہ کو محفوظ کردے)۔

۳۔ نابالغ قیدیوں کے سامنے نیک لوگوں کے نمونے پیش کئے جائیں، کیونکہ اسلاف کے عملی نمونے بہت ہی موثر رول ادا کرتے ہیں، اور زندگی کے رخ کو موڑ دیتے ہیں، اور انسان کو باکردار بننے کی طرف متوجہ کرتے ہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''لقد کان لکم فی رسول اللہ أسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر'' (الاحزاب: ۲۱) (اور تمہارے لیے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے، ان کے لئے جو اللہ

کی ملاقات اور روز آخرت کی توقع رکھتےہیں)۔

اور ایک جگہ ارشاد ہے:

‘‘لقد کان لکم فیہم أسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر’’ (الممتحنہ: ۶) (بے شک تمہارے لئے ان لوگوں کے اندر ـــابراہیم اور ان کے ساتھیوں کے اندرـــ بہترین نمونہ ہے، ان کے واسطے جو اللہ اور آخرت کے متوقع ہیں)۔

اورفرمایا:

‘‘أولئک الذین ہدی اللہ فبہداہم اقتدہ’’ (الانعام: ۹۰) (یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی، تو تم بھی ان ہی کے طریقہ کی پیروی کرو)۔

اور نبی کریمﷺ نے پچھلی قوم کے تین افراد کا نمونہ صحابہ کرامؓ کے سامنے رکھا، جن کے غار کا منہ چٹان سے بند ہوگیا تھا، اور انہو ننے اپنے نیک عمل کے ذریعہ اللہ تعالی سے دعا کی، اور چٹان غار کے منہ سے ہٹ گئی (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۲۲۷۲)۔

۴۔ اچھے قصے اور واقعات نابالغ قیدیوں کو سنائے جائیں، تاکہ وہ نیک کردار کے حامل افراد کی مانند بننے کی کوشش کریں، چنانچہ صحیح اور اچھے واقعات کا بچوں پر گہرا اثر پڑتا ہے، اسی لئے قرآن نے بکثرت صالحین اور ثابت قدم لوگوں کے واقعات ذکر کئے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے:

‘‘نحن نقص علیک نبأہم بالحق إنہم فتیۃ آمنوا بربہم وزدناہم ہدی وربطنا علی قلوبہم إذ قاموا فقالوا: ربنا رب السموات والأرض لن ندعو من دونہ إلہا، لقد قلنا إذاً شططا’’ (الکہف: ۱۳-۱۴) (ہم تمہیں ان کی سرگزشت ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں،یہ کچھ نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے، اور ہم نے ان کی ہدایت میں مزید افزونی عطا فرمائی، اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کیا، جبکہ وہ اٹھے اور کہا کہ ہمارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے، ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو ہرگز نہیں پکارینگے، اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم یہ حق سے نہایت ہی ہٹی ہوئی بات کہینگے)۔

اور نبی کریمﷺ نے صحابہ کرامؓ کو بنواسرائیل کے تین کردار کے واقعات سنائے کہ گنجے اور برص والے نے ٹھیک ہوکر ناشکری کی، اور پہلی حالت پر لوٹادیئے گئے، اور اندھے نے ٹھیک ہوکر اللہ تعالی کی شکرگزاری کی اور نوازا گیا (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۳۴۶۴، صحیح مسلم حدیث نمبر: ۲۹۶۴)۔

۵۔ نابالغ قیدیوں کے اندر آخرت کا تصور گہرا کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالی کے سامنے حساب وکتاب کے لئے روز آخرت میں کھڑے ہونے کا تصور انسان کے قدم کو صحیح سمت دیتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ‘‘یخافونیوما تتقلب فیہ القلوب والأبصار’’ (النور: ۳۷) (وہ ایک ایسے دن کی آمد سے اندیشہ ناک رہتے ہیں، جس میں دل اور آنکھیں سب

مضطرب ہونگے)۔

اور رسول کریمﷺ فرمایا کرتے تھے: ''اللہم لا عیش إلا عیش الآخرۃ'' (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۲۹۶۱) (الہی! زندگی تو آخرت ےکی زندگی ہے)۔

چنانچہ جب آخرت کا تصور مضبوط ہوگا، اور اللہ تعالی کے سامنے حساب وکتاب کے لئے کھڑے ہونے کا احساس جاگے گا تو جرائم سے نابالغ قیدی قدرتی طور پر خود بخود دور ہوتے جائینگے۔

(ز):

بے سہارا بچوں کو جن کے ماں باپ کا علم نہ ہو، فقہاء ''لقیط '' سے تعبیر کرتے ہیں، ''مبسوط '' میں اس کی اس طرح تعریف کی گئی ہے: ''اسم لحی مولود طرحہ أہلہ خوفاً من العیلۃ، أو فرارا من تہمۃ الریبۃ ، مضیعہ آثم ومحرزہ غانم '' (المبسوط، کتاب اللقیط۱۰؍۲۰۹) (لقیط: اس نومولود بچہ کا نام ہے، جسے اس کے گھر والوں نے غربت کے خوف سے یا زنا کی تہمت سے بچنے کے لئے پھینک دیا ہو، اس کو ضائع کرنے والا گنہگار اور اسے پناہ دینے والا ثواب حاصل کرنے والا ہے)۔

ایسے بچے کو اٹھانا واجب کفائی ہے، اور سڑک حادثات کی وجہ سے بے سہارا ہونے والے بچوں کا بھیبھی حکم ہے، اور اگر کسی نے ایسے بچہ کو نہیں اٹھایا تو وہ تمام لوگ گنہگار ہونگے، جو اس سلسلہ میں علم رکھتے تھے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''ومن أحیاہا فکأنما أحیا الناس جمیعاً'' (المائدہ: ۳۲) (اور جس نے اس کو بچایا تو گویا سارے انسانوں کو بچایا)، اس آیت سے پتہ چلا کہ نفس انسانی کو بچانا اور اس سے ہلاکت کو دور کرنا واجب ہے، چنانچہ بیضاوی رقمطراز ہیں:

''أی ومن تسبب لبقاء حیاتہا بعفو أو منع عن القتل، أو استنقاذ من بعض أسباب الہلکۃ، فکأنما فعل ذلک بالناس جمیعاً ''(تفسیر البیضاوی۲؍۱۲۴) (یعنی جو معافییا قتل سے روک کر یا ہلاکت کے بعض اسباب سے بچا کر حیات انسانی کی بقا کا سبب بنا، تو گویا اس نے تمام انسانوں کے ساتھ یہ معاملہ کیا)۔

۲۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''کلا بل لا تکرمون الیتیم'' (الفجر: ۱۷) (بلکہ تم یتیموں کی قدر نہیں کرتے)، اور ایک جگہ ارشاد ہے: ''فأما الیتیم فلا تقہر'' (الضحی: ۹) (تو جو یتیم ہے اس کو مت دبائیو)، نیز فرمایا: ''فذلک الذییدع الیتیم'' (الماعون: ۲) (وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے)۔

ان آیات سے پتہ چلا کہ یتیم بچہ کی نگہداشت اور تربیت واجب ہے، اور بے سہارا بچہ جس کے باپ ماں معلوم نہ ہوں وہ بھییتیم ہی کے درجہ میں ہے اور اس کی نگہداشت بھی واجب ہے، اور ان کو ضائع کرنا اسلامی اخوت اور انسانی رشتہ کے منافی ہے، نیز ایسا کرنا کفار ومشرکین کا وطیرہ ہے۔

اور نبی کریمﷺ کا ارشاد ہے: ‘‘لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا ’’ (سنن ترمذی حدیث نمبر: ۱۹۱۹، اور اس کی سند صحیح ہے) (ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کھائے، اور ہمارے بڑے کا احترام نہ کرے)۔

اس حدیث سےپتہ چلا کہ چھوٹے پر ترس کھانا ایمان کا تقاضا ہے، لہذا بے سہارا بچہ کی نگہداشت واجب ہے کیونکہ اس میں اس پر شفقت کا اظہار ہے، اور اسے ضائع ہونے دینے میں سنگدلی کا اعلان ہے۔

۳۔ بے سہارا بچہ کو یوں ہی چھوڑ دینا ناحق انسانی جان کا قتل ہے، اور ناحق انسانی جان کو قتل کرنا حرام ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ‘‘ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ إلا بالحق’’ (الانعام: ۱۵۱) (اور اس جان کو ناحق قتل نہ کرو، جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے)، چنانچہ ابن حزم ظاہری لکھتے ہیں:

‘‘إن وجد صغیر منبوذ ففرض علی من بحضرتہ أن یقوم بہ ولا بد، لقول اللہ تعالی:‘‘وتعانوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان’’ (المائدہ: ۲)، ولقول اللہ تعالی:‘‘ومن أحیاہا فکأنما أحیا الناس جمیعاً’’ (المائدہ: ۳۲)، ولا إثم أعظم من إثم من أضاع نسمۃ مولودۃ علی الإسلام، صغیرۃ لا ذنب لہا، حتی تموت جوعاً وبرداً، أو تأکلہ الکلاب، ہو قاتل نفس عمداً بلا شک، وقد صح عن رسول اللہﷺ: ‘‘من لا یرحم الناس لا یرحمہ اللہ’’ (المحلی، کتاب اللقیط۱۳۲،۷، بیروت، دار الفکر، اور حدیث کے لئے دیکھیے: صحیح البخاری حدیث نمبر: ۶۰۱۳، صحیح مسلم حدیث نمبر: ۲۳۱۹) (اگر چھوٹا، راستہ میں پڑا ہوا بچہ پایا گیا، تو جو اس کے پاس موجود ہے اس پر فرض ہے کہ لازماً اس کے معاملہ کو سنبھالے، اس لئے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ‘‘تم نیکی اور تقوی میں تعاون کرو، اور گناہ اور ظلم وتعدی میں تعاون نہ کرو’’، اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ‘‘اور جس نے اس کوبچایا تو گویا اس نے سب لوگوں کو بچایا’’ اور اس شخص کے گناہ سے بڑھ کر کسی کا گناہ نہیں جو اسلام پر مولود چھوٹے بے قصور بچہ کو ضائع کردے، یہاں تک کہ وہ بھوک اور ٹھنڈک سے مرجائے، یا کتے اسے کھالیں، بلاشبہ وہ قصداً نفس انسانی کو قتل کرنے والا ہے، اور رسول کریمﷺ کی صحیح حدیث میں ہے: ‘‘جو لوگوں پر رحم نہیں کرے گا، اللہ تعالی اس پر رحم نہیں کرے گا)۔

۴۔ عقلی دلیلیہ ہے کہ بے سہارا بچہ ہلاکت کے دہانہ پر کھڑا ہوا ہے، اورہلاکت کے اسباب دور کرکے زندہ انسان کو بچانا فرض ہے۔

۵۔ ابن حزم کے علاوہ بھی دیگر فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ بے سہارا بچہ کے ضائع ہونے کا گمان غالب ہو تو اسے اٹھانا واجب ہے، چنانچہ ‘‘عالمگیری ’’ میں ہے:

‘‘والالتقاط مندوب إليہ، وإن غلب على ظنہ ضياعہ كأن وجدہ فى الماء، أو بينيدى سبع، فواجب ’’ (ہندیہ، کتاب اللقیط۲،۲۸۵)(اور بچہ کو اٹھانا مستحب ہے، اور اگر اس کے ضائع ہونے کا اسے گمان غالب ہو، جیسے اسے پانی میں پایا،یا درندہ کے سامنے پایا، تو اٹھانا واجب ہے)۔

اوریہ مخفی نہیں ہے کہ ہر وہ صورت جس میں بچہ کے ضائع ہونے کا گمان غالب ہو، اس کا بھیہی حکم ہے، جیسے سخت ٹھنڈک سے اس کی ہلاکت کا گمان غالب ہو، تو ایسی صورت میں بھی بچہ کو اٹھانا واجب ہوگا۔ بے سہارا بچوں کی پرورش، ان کی تعلیم وتربیت اور ان کے لئے خاندانی ماحول فراہم کرنے کی ذمہ داری اصلاً حکومت کی ہے، چنانچہ علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

‘‘اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ نے راستہ سے اٹھائے ہوئے بچہ کے لئے نفقہ مقرر کیا، اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ راستہ سے اٹھائے ہوئے بچہ کا نفقہ بیت المال (اسلامی سرکاری خزانہ) میں ہے، اس لئے کہ وہ کمانے سے عاجز ہے اور نفقہ کامحتاج ہے، اور اگر اس پر بچہ کو اٹھانے والے نے خرچ کیا، تو وہ اپنے خرچ میں رضاکار ہوگا (سو) بچہ کے بڑے ہونے کے بعد اسے وصول نہیں کرسکتا ہے، اس لئے کہ شرعاً وہ اپنے اس عمل پر مجبور نہیں ہے، اور رضاکار وہ ہے جو شرعی طور پر کسیچیز کو وجود میں لانے پر مجبور نہ ہو (بلکہ) مختار ہو .... اور ایسا اس وجہ سے ہے کہ بچہ کو اٹھانے کی وجہ سے اسے اس قدر حق حاصل ہوتا ہے جس سے اٹھایا ہوا بچہ استفادہ کرے اور وہ حق حفاظت اور تربیت ہے، اور اس کے ذمہ میں کوئی چیز لازم کرنے کا اختیار اس کے لئے ثابت نہیں، اس لئے کہ یہ اس کے لئے مفید نہیں ’’ (المبسوط۱۰،۲۱۰)۔

اور ابن قدامہ مقدسی حنبلی لکھتےہیں:

‘‘اگر راہ سے اٹھائے ہوئے بچہ کے ساتھ کوئی مال نہ پایاگیا، تو عام اہل علم کے قول میں اٹھانے والے پر اس پر خرچ کرنا لازم نہیں، ابن منذر کا قول ہے کہ اہل علم میں سے جس کا قول ہمینیاد ہے، ان سب کا اس پر اتفاق ہے کہ راہ سے اٹھائے ہوئے بچہ کا نفقہ اٹھانے والے پر واجب نہیں ....کیونکہ اٹھانا اسے ہلاکت سے بچانا اور رضاکارانہ طور سے اس کی حفاظت کرنا ہے، لہذا یہ نفقہ کو واجب نہیں کرے گا .... اور اس کا نفقہ بیت المال میں واجب ہے، کیونکہ ابو جمیلہ کی حدیث میں حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ جاؤ وہ آزاد ہے، اور اس کا ولاء (شراکت خاندان) تیرے لئے ہے، اور ہمارے ذمہ اس کا نفقہ ہے (شرح مشکل الآثار للطحاوی۷،۳۱۵، حدیث نمبر: ۲۸۷۰، ط: موسسۃ الرسالۃ)، اور ایک روایت میں ہے کہ ہمارے ذمہ بیت المال (اسلامی سرکاری خزانہ) سے اس کا نفقہ ہے، او ر اس لئے کہ بیت المال اس کا وارث ہے، اور اس کا مال بیت المال میں جائے گا، لہذا اس کا نفقہ بیت المال پر ہے .... سو اگر بیت المال سے اس پر خرچ کرنا دشوار ہوجائے، اس

میں مال نہ ہونے کی وجہ سے، یا ایسی جگہ میں ہونے کی وجہ سے جہاں حاکم نہ ہو، یا حاکم کچھ نہ دے، تو مسلمانوں میں سے جسے اس کا حال معلوم ہو، اس پر خرچ کرنا لازم ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''اور نیکی اور تقوی کے کام میں ایک دوسرے کی مدد کرو''، اور اس لئے کہ اس پر خرچ نہ کرنے میں اس کی ہلاکت ہے، اور ہلاکت سے اسے بچانا واجب ہے، جیسے ڈوبنے سے اسے بچانا واجب ہے۔

اوریہ خرچ کرنا فرض کفایہ ہے، اور جو رضاکارانہ طور سے اس پر خرچ کرے، تو اسے کچھ نہیں ملے گا، خواہ یہ خرچ کرنے والا خوداٹھانے والا ہو یا کوئی دوسرا شخص، او راگر کوئی رضاکارانہ طور سے اس پر خرچ نہ کرے، اور بچہ کو اٹھانے والے یا دوسرے شخص نے بچہ کے مالدار ہونے کے وقت واپس وصول کرنے کی نیت سے خرچ کیا، اور ایسا حاکم کے حکم سے کیا ہو، تو راہ سے اٹھائے ہوئے بچہ کو واپس کرنا لازم ہوگا، جبکہ نفقہ دستور کے مطابق اعتدال کے ساتھ ہو، اور یہی ثوری، حنفیہ اور شافعی کا قول ہے '' (الشرح الکبیر علی متن المقنع ۳۷۵،۶، بیروت، دار الکتاب العربی)۔

اور امام مرغینانی لکھتے ہیں:

''ویسلمہ فی صناعۃ؛ لأنہ من باب تثقیفہ وحفظ حالہ'' (الہدایہ، کتاب اللقیط،۴۱۶،۲) (اور راہ سے اٹھائے ہوئے بچہ کو صنعت وحرفت سیکھنے کے لئے حوالہ کرے گا، اس لئے کہ یہ اسے ہنر مند بنانے اور اس کے حال کی حفاظت کے باب سے ہے)۔

اور شیخی زادہ حنفی لکھتے ہیں:

''وتسلیمہ فی حرفۃ، نظر لہ؛ لأنہ من باب تثقیفہ، ولہ تعلیمہ حیث شاء '' (مجمع الانہر، کتاب اللقیط۷۰۴،۱، دار الاحیاء) (اور ہنر سیکھنے کے لیے اسے حوالہ کرنے میں اس کی رعایت ہے، اس لئے کہ یہ اسے ہنر مند بنانے کے باب سے ہے، اور اسے حق ہے کہ جہاں چاہے اسے تعلیمدلائے)۔

ان فقہی نقول واقتباسات سے واضح ہے کہ بے سہارا بچوں کی پرورش، ان کی تعلیم وتربیت اور ان کے لئے خاندانی ماحول یعنی باپ کی شفقت، ماں کی ممتا کا بدل بقدر امکان فراہم کرنے کی ذمہ داری اصلاً حکومت کی ہے، اگر وہ اس معاملہ میں کوتاہی کرتی ہے تو گنہگار ہے، اور ایسی صورت مینیہ ذمہ داری سماج کی طرف منتقل ہوجائے گی، چنانچہ اگر اس کے درمیان کوئی بے سہارا بچہ ضائع ہوگیا، تو پورا سماج مجرم اور گنہگار ہے، خاص طور سے اس بے سہارا بچہ کے بارے میں علم رکھنے والے مسلمان گنہگار ہونگے، کیونکہ ان کا دین ومذہب نیکی اور تقوی میں تعاون کا حکم دیتا ہے اور برائی اور ظلم وزیادتی، عصبیت اور علاقائیت میں تعاون سے منع کرتا ہے۔

جواب نمبر: ح:

لے پالک بنانے کے لئے اپنا بچہ کسی کو حوالہ کرکے اس سے بے تعلق ہوجانا

اسلامی شریعت میں حرام ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

‘‘وما جعل أدعیاءکم أبناءکم ذلکم قولکم بأفواہکم واللہ یقول الحق وہو یہدی السبیل، ادعوہم لآبائہم ہو أقسط عند اللہ، فإن لم تفعلوا آباءہم، فإخوانکم فی الدین ومواليکم، ولیس علیکم جناح فیما أخطأتم بہ، ولکن ما تعمدت قلوبکم وکان اللہ غفوراً رحیماً ’’ (الاحزاب: ۴-۵) (اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے بیٹے بنایا،یہ سب تمہارے اپنے منہ کی باتیں ہیں،اور اللہ حق کہتا ہے، اور وہ صحیح راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے، منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت کےساتھ پکارو، یہی اللہ کے نزدیک قرین عدل ہے، اور اگر تم کو ان کے باپوں کا پتہ نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور تمہارے شریک قبیلہ کی حیثیت رکھتے ہیں، اس با ب میں تم سے جو غلطی ہوئی، اس پر تم سے کوئی مواخذہ نہیں، البتہ تمہارے دلوں نے جس بات کاعزم کرلیا اس پر مواخذہ ہے، اور اللہ بخشنے والا او رمہربان ہے)۔

ان آیات سے واضح ہے کہ اسلام لے پالک بنانے کو حرام قرار دیتا ہے، اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس میں حقائق کی تبدیلی ہے، کیونکہ اس کے اندر نسب کو بدلنا ہے، ورثہ کے حقوق ضائع کرنا یا کم کرنا ہے، او راجنبی شخص سے اختلاط رکھنے او ران سے تنہائی میں ملنے کو مستلزم ہے، اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اجنبی کے ساتھ اختلاط رکھنے کا انجام بہت ہی برا اور بھیانک ہوتا ہے، اس لئے کہ خونی رشتہ کی بنیاد پر جو تقدس اور قلبیطہارت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، وہ محض مصنوعی طریقہ سے رشتہ قائم کرنے سے نہیں ہوسکتا ہے۔

(۱) اور اگر لے پالک بنانے کے لئے بچہ حوالہ کرنے کی وجہ سے ہدیہ مل رہا ہو تو یہ حرام ہے، اور ‘‘سحت ’’ (مال حرام) کے حکم میں داخل ہے اور حرام کی مذمت کی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

‘‘وتری کثیراً منہم یسارعون فی الإثم والعدوان وأکلہم السحت لبئس ما کانوا یعملون’’ (المائدہ: ۶۲) (تم ان میں سے اکثر کو دیکھوگے کہ وہ حق تلفی، زیادتی اور حرام خوری کی راہ میں گرم روہ ہیں، کیا ہی برا ہے جو کچھ یہ کررہے ہیں)، اور بیضاوی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

‘‘وأکلہم السحت أی الحرام، خصہ بالذکرللمبالغۃ ’’ (تفسیر البیضاوی۱۳۴،۲) (اور حرام خوری میں گرم رو ہیں، مبالغہ کے طور پر اس کا ذکر خاص طور سے کیا ہے)۔

اور ایک جگہ لکھتے ہیں:

‘‘أی الحرام کالرشا من سحتہ إذا استأصلہ؛ لأنہ مسہوت البرکۃ ’’ (انوار التنزیل واسرار التاویل۱۲۷،۲) (یعنی حرام جیسے رشوت خوری میں گرم رو ہیں، ‘‘سحت ’’ کا لفظ ‘‘سحتہ ’’ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں، بیخ کنی کرنا اور جڑ سے اکھاڑ دینا، اور حرام کو ‘‘سحت’’ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ برکت سے خالی ہوتا ہے)۔

نیزیہ آزاد کو بیچ کر اس کے ثمن کو کھانے کے درجہ میں ہے، اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے:

‘‘ثلاثۃ أنا خصمہم یوم القیامۃ، ومن کنت خصمہ خصمتہ، رجل أعطی بی ثم غدر، ورجل باع حراً فأکل ثمنہ، ورجل استأجر أجیراً فاستوفی منہ ولم یوفہ أجرہ ’’ (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۲۲۷، ۲۲۷۰، سنن ابن ماجہ حدیث نمبر: ۲۴۴۲) (تین اشخاص کا فریق قیامت کے دن میں بنونگا، اور جس کا مقابل میں بنونگا اس پر میں غالب آجاؤنگا، ایک وہ شخص جو میرے نام پر عہد دے کر عہد شکنی کرے، اور دوسرا وہ شخص جو آزاد کو بیچ کر اس کا دام کھاجائے، اور تیسرا وہ شخص جو مزدور سے مکمل کام لے اور اسے پوری اجرت نہ دے)۔

(۲) البتہ اگر بچہ کو پرورش کےلئے حوالہ کرے، او رلینے والا پرورش کی نیت سے لے، اور بچہ کو اس کے ماں باپ کی طرف ہی منسوب کرے، تو اس میں بڑا اجر وثواب ہے، اس لئے کہ بچہ کی پرورش نیکی کا کام ہےجس میں لینے والا تعاون دے رہا ہے، اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ‘‘وتعاونوا علی البر والتقوی’’ (المائدہ: ۲) (اور نیکی اور تقوی کے کام میں ایک دوسرے کی مدد کرو)۔

او ریہ محتاج کے ساتھ حسن سلوک ہے، اور اللہ تعالی کاارشاد ہے:

‘‘وأحسن کما أحسن اللہ إلیک ’’ (القصص: ۷۷) (اور جس طرح اللہ تعالی نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے، اسی طرح تم بھی دوسروں کے ساتھ احسان کرو)۔

پھر اگر وہ اس صورت میں اعانت کے طور پر ہدیہ دیتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور اس کے والدین کے لئے اس کا استعمال درست ہے، اس لئے کہ یہ ایک محتاج کی امداد ہے۔

اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

‘‘وآتی المال علی حبہ ذوی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب’’ (البقرہ: ۱۷۷) (اور (نیکییہ ہے کہ) اپنے مال، اس کی محبت کے باوجود قرابت مندوں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں اور گردنیں چھڑانے پر خرچ کریں)۔

اور علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

‘‘فقد کان الأنبیاء والرسل صلوات اللہ وسلامہ علیہمیقبلون الہدیۃ ’’ (المبسوط ۱۴۰،۱) (چنانچہ انبیاء اور رسل ہدیہ قبول فرماتے تھے)۔

(۳) حد درجہ بڑھے ہوئے افلاس اور پرورش کی استطاعت نہ رکھنے کی وجہ سے کسی کو اپنا بچہ حوالہ کرکے اس سے بے تعلق ہونے کے واقعات کی روک تھام کے لئے شریعت اسلامی میں درج ذیل تعلیمات ہیں:

۱۔ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ سماجی انصاف قائم کرے اور وسائل کی منصفانہ

تقسیم کرے، تاکہ کوئی فرد بھوکا نہ رہ سکے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''إن الله يأمربالعدل والإحسان'' (النحل: ۹۰) (بے شک اللہ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے)۔

۲۔ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اس کی رعایا میں سے کوئی اگر حد درجہ افلاس کا شکار ہو، تو اس کی مدد کرے، اس لئے کہ وہ سماج کی نمائندہ ہے، لہذا سماج کی نیابت میں اس پر واجب ہے کہ محتاجوں کی مدد کرے، چنانچہ نبی کریمﷺ کا ارشادہے:

''الإمام راع ومسئول عن رعيته'' (صحيح البخاری حدیث نمبر: ۸۹۳) (سربراہ حکومت نگہبان ہے او راپنی رعایا کے سلسلہ میں جواب دہ ہے)۔

اور اس کی شرح میں ابن حجر لکھتے ہیں:

''فرعاية الإمام الأعظم حياطة الشريعة بإقامة الحدود، والعدل فی الحكم '' (سو سربراہ حکومت کی نگہبانییہ ہے کہ حدود قائم کرکے شریعت کی حفاظت کرے اور حکمرانی میں انصاف سے کام لے)، اور انصاف کے ساتھ حکمرانی اسی وقت ہوگی جبکہ محتاج کی مدد کی جائے۔

اور حضرت مقداد کندیؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ''أنا أولى بكل مؤمن من نفسه، فمن ترک دينا أو ضيعة فإلیّ، ومن ترک مالا فلورثته، وأنا مولى من لا مولى له '' (سنن ابی داؤد حدیث نمبر: ۲۹۰۰، او راس کی سند صحیح ہے) (میں ہر مومن سے اس کی جان سے زیادہ قریب ہوں، سو جو قرض یا محتاج بال بچے چھوڑ جائے، تو اس کی ذمہ داری میرے سر ہے، اور جو مال چھوڑ جائے تو اس کے ورثہ کے لئے ہے، اور میں اس کا سرپرست ہوں، جس کا کوئی سرپرست نہیں)، اور اس کی شرح میں علامہ عظیم آبادی ''فتح الودود '' کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''معنى الأولوية هنا النصرة والتولية، أی:أتولى أمورهم بعد وفاتهم وأنصرهم فوق ما كان منهم لو عاشوا'' (عون المعبود ۷۷،۸) (اس جگہ زیادہ قریب ہونے کا مفہوم مدد کرنا اور ذمہ داری سنبھالنا ہے، یعنی ان کے مرنے کے بعد میں ان کے معاملات سنبھالونگا، اور اگر وہ زندہ ہوتے اور جو کرتے اس سے بڑھ کر میں ان کے بال بچوں کی مدد کرونگا)۔

بے وارث کا ترکہ بیت المال (اسلامی سرکاری خزانہ) میں جاتا ہے، لہذا اس کے محتاج ہونے کی صورت میں بیت المال اس کی مدد کا ذمہ دار ہے، اس لئے کہ فقہی قاعدہ ہے: ''الغرم بالغنم '' (فتح القدير۴۲۱،۴، ابن امير حاج، ''التقرير والتحبير ''۲۰۲،۲، بيروت ، العلميہ۱۴۰۳ھ) (ذمہ داری نفع کے ساتھ مربوط ہے)۔

۳۔ اگر حکومت ظالمانہ ہو، یا ایسی حکومت ہو جو اپنی ذمہ داری ادا نہ کر رہی ہو، تو اس مفلس کا علم رکھنے والے سماج کی ذمہ داری ہے کہ اس کی مدد کرے، چنانچہ قرطبی لکھتے ہیں: ''والتعاون على البر والتقوييكون بوجوه: فواجب على العالم أن يعين الناس

بعلمہ فیعلمہم، ویعینہم الغنی بمالہ " (تفسیر القرطبی۶،۴۷) (اور نیکی اور تقوی کے کام پر باہمی مدد مختلف شکلو ں سے ہوگی، چنانچہ عالم پر واجب ہے کہ اپنے علم کے ذریعہ لوگوں کی مدد کرے اور انہیں تعلیم دے، اور مالدار پر واجب ہے کہ اپنے مال کے ذریعہ لوگوں کی مدد کرے)۔

نیز اس پہلو سے بھی سماج کو غور کرنا چاہئے کہ انتہائی شدید مفلس ماں باپ کا بچہ حکماً یتیم کے درجہ میں ہے، اور یتیم کی نگہداشت کا حکم قرآن مجید نے بار بار دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

''فأما الیتیم فلا تقہر" (الضحی: ۹) (سو یتیم کو مت دباؤ)۔ اور ارشاد ہے: ''کلا بل لا تکرمون الیتیم " (الفجر: ۱۷) (بلکہ تم یتیم سے عزت کا سلوک نہیں کرتے)۔

اور نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا:

''أنا وکافل الیتیم فی الجنۃ ہکذا ''، وأشار بالسبابۃ والوسطی، وفرج بینہما شیئاً'' (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۵۳۰۴، صحیح مسلم حدیث نمبر: ۲۹۸۳) (''میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا اتنے قریب جنت میں ہونگے " اور انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا، اور ان کے درمیان کچھ کشادگی پیدا کی)۔

اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ''خیر بیت فی المسلمین، بیت فیہیتیمیحسن إلیہ، وشر بیت فی المسلمین، بیت فیہیتیمیساء إلیہ " (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۳۶۷۹، اور اس کی سند میں کچھ کلام ہے) (مسلمانوں کے اندر سب سے بہتر گھر وہ گھر ہے جس مینیتیم ہو اور اس کے ساتھ بہتر سلوک کیا جاتا ہو، اور مسلمانوں کے اندر بدترین گھر وہ گھر ہے جس مینیتیم ہو، اور اس کے ساتھ برا سلوک کیاجاتا ہو)۔

نیز ارشاد ہے:

''الساعی علی الأرملۃ والمسکین کالمجاہد فی سبیل اللہ، أو القائم اللیل الصائم النہار " (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۵۳۵۳، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۹۸۲) (بیوہ اور مسکین کی خدمت کرنے والا، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے شخص یا شب بھر عبادت کرنے اور دن میں روزہ رکھنے والےزاہد کی مانند ہے)۔

اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول کریمﷺ نے فرمایا:

''إن أحب البیوت إلی اللہ بیت فیہیتیمیکرم'' (المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر: ۱۳۴۳۴، اور اس کی سند میں کلام ہے) (اللہ تعالی کی نگاہ میں سب سے پسندیدہ گھر وہ گھر ہے جس مینیتیم کی عزت کی جاتی ہو)۔

لہذا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ ہر علاقہ میں رفاہی تنظیم قائم کریں، تاکہ کوئی بیوہ،یتیم، بے سہارا اور محتاج بھوکا نہ رہے۔

۴۔ اگر محتاج کمانے پر قادر ہے تو کما کر بچوں کی پرورش کرے، چنانچہ امام محمد لکھتےہیں:

''وإن كان المحتاج بحيثيقدر على التكسب، فعليه أن يكتسب، ولايحل له أن يسأل'' (الكسب ص: ۹۰) (اور اگر محتاج اس حیثیت میں ہو کہ کمانے پر قادر ہو، تو اس کی ذمہ داری ہے کہ کمائے، اور اس کے لئے بھیک مانگنا حلال نہیں)۔

۵۔ اگر محتاج کمانے پر قادر نہ ہو، اور سماج اپنی ذمہ داری ادا نہ کرے، تو بھیک مانگ کر اپنے بچوں کی پرورش کرے، لیکن لے پالک بنانے کے لئے نہ دے، چنانچہ امام محمدؒ لکھتے ہیں:

''فأما إذا كان عاجزا عن الكسب، ولكنه قادر على أن يخرج، فيطوف على الأبواب، ويسأل، فإنه يفترض عليه ذلك، حتى إذا لم يفعل ذلك حتى هلك كان آثماً عند أهل الفقه رحمهم الله تعالى '' (الكسب، ص: ۹۱) (سو اگر کمانے سے عاجز ہو، لیکن گھر سے باہر نکل کر دروازوں کا چکر لگاکر مانگنے پر قادر ہو، تو اس پر ایسا کرنا فرض ہے، یہاں تک کہ اگر ایسا نہ کرے حتی کہ ہلاک ہوجائے، تو ایسا کرنے والا شخص فقہاء رحمہم اللہ کے نزدیکگنہگار ہے)۔

جواب نمبر ط:

معذور بچہ کے سلسلہ میں اسلامی ہدایات درج ذیل ہیں:

۱۔ الف:

بچہ خواہ معذور ہو، اس کی پیدائش پر خوش ہونا چاہئے، اور اللہ تعالی کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور معذور بچہ کی تربیت بھی فرض ہے، اور یہ تربیت اس طرح ہو کہ بچہ اسلام اور اللہ تعالی کی حکمت کو سمجھے اور حتی الامکان دینی احکام کی بجاآوری کا پابند بنے، مرض اور صحت کے فلسفہ کو سمجھے، مصائب اور آفات پر صبر کرنا سیکھے، اور معذوری میں بھی حتی الوسع عمدہ اخلاق سے آراستہ ہو، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''قوا أنفسكم وأهليكم ناراً'' (التحريم: ۶) (اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ)۔

۲۔ ب:

معذور بچہ کو اپنی مادی اغراض اور اپنے دنیوی منافع کے لئے اپنی شفقت ومحبت سے محروم کردینا بھی امانت میں خیانت ہے، اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''يا أيها الذين آمنوا لا تخونوا الله والرسول وتخونوا أماناتكم وأنتم تعلمون '' (الانفال: ۲۷) (اے ایمان والو، اللہ ورسول سے بے وفائی اور اپنی امانتوں میں خیانت جانتے بوجھتے نہ کرو)۔

اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے:

''قبل رسول اللهﷺ الحسن بن على، وعنده الأقرع بن حابس التميمى جالساً، فقال

الأقرع: إن لی عشرة من الولد، ما قبّلت منہم أحداً، فنظر إلیہ رسول اللہﷺ، ثم قال: ‘‘من لا یرحم لا یرحم’’ (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۵۹۹۷) (نبی کریمﷺ نے حضرت حسن بن علیؓ کا بوسہ لیا، اور آپﷺ کے پاس اقرع بن حابس تمیمی بیٹھے ہوئے تھے، سو اقرع نے کہا کہ میرے پاس دس اولاد ہے، میں نے ان میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا، تو اس بات پر رسول کریمﷺ نے ان کی طرف دیکھا، پھر فرمایا: ‘‘جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا)۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ کسی بچہ کو مہربانی، رحمت اور شفقت سے محروم کردینا درست نہیں، خواہ وہ معذور ہی کیوں نہ ہو۔

۳۔ ماں باپ کو سمجھنا چاہئے کہ معذور بچہ انکی بخشش کا ذریعہ ہے، لہذا ان کی خدمت اور ان کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی نہیں ہونی چاہئے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا:‘‘ما من مصیبۃ تصیب المسلم إلا کفر اللہ بہا عنہ حتی الشوکۃیشاکہا’’ (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۵۶۴۰، صحیح مسلم حدیث نمبر: ۲۵۷۲) (مسلمان کو کوئی مصیبت نہیں پہنچتی مگر اللہ تعالی اس کے ذریعہ سے اس کے گناہ مٹا دیتا ہے یہاں تک کہ کانٹا جو اسے چبھتا ہے وہ بھی اس کے گناہ کا کفارہ ہوجاتا ہے)۔

اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسو ل کریمﷺ نے ارشاد فرمایا:

‘‘منیرد اللہ بہ خیراًیصب منہ ’’ (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۵۶۴۵) (اللہ تعالی جس کے ساتھ بھلائی کا قصد کرتا ہے اسے مصیبت میں مبتلا کرتا ہے)۔

۴۔ معذور بچہ کی دیکھ ریکھ، نگہداشت اور پرورش پر خصوصی توجہ دی جائے، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے فرمایا:

‘‘من وسع علی مکروب کربۃ فی الدنیا، وسع اللہ علیہ کربۃ فی الآخرۃ’’ (صحیح ابن حبان حدیث نمبر: ۵۳۴، مسند احمد حدیث نمبر: ۷۷۰۱، او راس کی سند صحیح ہے) (جو دنیا میں مصیبت زدہ کی پریشانی دور کرے گا، تو اللہ تعالی آخرت میں اس کی بےچینی دور فرمائے گا)۔

۵۔ بچہ خواہ معذور ہو، ماں باپ کی شفقت ومحبت اور پیار کا اسی طرح مستحق ہے جس طرح صحت مندبچے، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے فرمایا: ‘‘من لا یرحم لا یرحم’’ (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۵۹۹۷) (جو رحم نہیں کرے گا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا)۔

۶۔ صحتمند بچے کی طرح معذور بچہ کے ساتھ بھی محبت اور الفت کا برتاؤ ہونا چاہئے، چنانچہ حضرت اسامہ بن زیدؓ سے مروی ہے :

‘‘کان رسول اللہ ﷺ یأخذنی فیقعدنی علی فخذہ، ویقعد الحسن بن علی علی فخذہ الآخر، ثم یضمنا، ثم یقول: اللہم ارحمہما، فإنی أرحمہما’’ (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۶۰۰۳، مسند احمد حدیث نمبر: ۲۱۷۸۷) (رسول کریم ﷺ مجھے لیتے اور اپنی ران مبارک پر مجھے بیٹھاتے اور حضرت حسن بن علیؓ کو دوسرے زانوئے مبارک پر بٹھاتے، پھر ہمیں سینہ سے لگاتے اور دعا کرتے، الہی! ان دونوں پر رحم فرماکیونکہ میں دونوں پر رحم کھاتا ہوں)۔

۷۔ معذور بچہ صبر کا موقع فراہم کرنے والا ہے، لہذا اس کی قدر ہونی چاہئے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

‘‘وبشر الصابرین الذین إذا أصابتہم مصیبۃ، قالوا إنا للہ وإنا إلیہ راجعون ’’ (البقرہ: ۱۵۵۔۱۵۶) (اور ان ثابت قدموں کو خوش خبری سنادو، جن کا حال یہ ہےکہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں)۔

لہذا ماں باپ کو معذور بچہ کی خدمت پر صبر کرنا چاہئے، اور یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالی کی تخلیق حکمت سے خالی نہیں۔

(ج):

دنیوی معاملات کادارومدار غلبۂ ظن پر ہے، لہذا جس حد تک کسی مرض سے معذور بچہ کا شفایاب ہونا بار بار کے تجربہ سے ثابت ہو، تو اس حد تک اس کا علاج کرانا واجب ہے، اگرچہ اصل علاج مستحب ہے، چنانچہ ابن تیمیہ رقمطراز ہیں:

‘‘وأما التداوی فلیس بواجب عندجماہیر الأئمۃ ’’ (الفتاوی الکبری۳؍۷) (علاج ومعالجہ جمہور ائمہ کےنزدیک واجب نہیں ہے)۔

لیکن اگر بار بار کے تجربہ سے مخصوص دوا کے ذریعہ اللہ تعالی کے حکم سے مخصوص مرض سے شفا یابی کا ماہر طبیب کو گمان غالب ہو، تو ایسی حالت میں علاج واجب ہے، اس لئے کہ نفس انسانی کی حفاظت مقاصد شریعت میں سے ہے، اور خود نبی کریم ﷺ نے علاج کروایا ہے اور دوسروں کو علاج کرانے کا حکم دیا ہے، چنانچہ ابن حزم لکھتے ہیں:

‘‘وأمرہ علیہ السلام بالتداوی نہی عن ترکہ’’ (المحلی۶؍۹۶) (اور سرکار دوعالم ﷺ کا علاج کرانے کا حکم دینا، علاج چھوڑنے سے منع کرنا ہے)۔

لہذا معذور بچہ کی شفایابی کا گمان غالب ہو تو اس حد تک علاج کرانا واجب ہے۔

***

اسلام میں بچوں کے حقوق اور ان سے متعلق احکام

مولانا مفتی راشد حسین ندوی•

الف: حضانت کے مختصر احکام:

حضانت کا معنی:حضانت کے لغوی معنی بچہ کی تربیت کرنے کے ہیں، ‘‘تربیۃ الولد’’ (شامی۲،۶۸۷)، قاموس میں ہے: ‘‘حضن الصبی حضنا وحضانۃ: جعلہ فی حضنہ أو رباہ ’’ (حضن الصبی حضنا وحضانۃ کے معنی ہیں: بچہ کو گود میں لینا،یا اس کی پرورش کرنا)۔

شرعی معنی: علامہ شامی فرماتے ہیں:

‘‘أما الشرعی، فہو تربیۃ الولد لمن لہ حق الحضانۃ کما أفادہ القہستانی ’’ (شامی۲،۶۸۷) (حضانت کی شرعی تعریفیہ ہے کہ جس کو حق حضانت ہے، اس کا بچہ کی تربیت کرنا)۔

سید سابق نے اس کی تعریفیوں کی ہے:

‘‘وعرفہا الفقہاء بأنہا عبارۃ عن القیام الخ ’’ (فقہ السنہ ۲،۴۸۱) (فقہاء نے اس کی تعریفیہ کی ہے کہ اس سے مراد نابالغ لڑکے لڑکییا اس کم عقل کی حفاظت کا کام انجام دینا ہے جو نہ تمییز کرسکتا ہو نہ اپنا کام خود سے انجام دے سکتا ہو، نیز اس کے مفادات کی خبرگیری کرنا اور اس کو تکلیف اور ضرر پہنچانے والی چیزوں سے بچانااور جسمانی، نفسیاتی اور عقلی اعتبار سے تربیت کرنا، تاکہ وہ زندگی کے تقاضوں سے نبرد آزما ہوسکے اور اس کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا سکے)۔

حضانت کا حقدار کون ہے:

اگر میاں بیوی کے درمیان رشتہ ازدواج قائم ہے، اور دونوں میا ں بیوی کی حیثیت سے رہ رہے ہیں، تو بچہ ان دونوں کے ساتھ رہے گا، اور دونوں کی شفقتوں سے لطف اندوز ہوگا، لیکن اگر دونوں کے درمیان تفریق ہوجائے، اور بچہ کو دونوں کے ساتھ رکھنا ناممکن ہوجائے تو ابتداء میں بچہ کی پرورش کا حق ماں کو دیا گیا ہے، اس لئے کہ ماں کے اندر اللہ تعالی نے فطری طو رسے بچہ کی پرورش کا خاص جذبہ پیدا کردیا ہے، جس سے اس کا باپ یقینا خالی ہوتا ہے، چنانچہ رات کو بچہ کے جگنے پر ماں خوشی خوشی جگ جاتی ہے، اس کے گیلے کپڑے بدلتی ہے، اس کو دودھ پلاتی ہے، یہ کام مردکے لئے اتنا آسان نہیں ہے، چنانچہ حدیث شریف میں واردہوا ہے:

• مدرسہ ضیاء العلوم تکیہ کلاں، رائے بریلیپوپی۔

''عن عبداللہ عمرو:أن امرأۃ قالت: یا رسول اللہ! إن ابنی ہذا، کان بطنی لہ وعاء، وحجریلہ حواء، وثدی لہ سقاء، وزعم أبوہ أنہ ینزعہ منی، فقال:أنت أحق بہ ما لم تنکحی '' (ابوداؤد کتاب الطلاق باب من احق بالولد (۲۲۷۶) مسند احمد)۔

(حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے: ایک خاتون نے کہا:اے اللہ کے رسول! میرے اس بیٹے کے لئے میرا پیٹ ظرف تھا، میری گود اس کی جائے پناہ تھی، میرے پستان اس کے لئے مشکیزہ تھے، اور اس کے باپ کا عزم ہے کہ وہ اسے مجھ سے چھین لے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب تک تم نکاح نہ کرلو اس کی زیادہ حقدار ہو)۔

حضرت ابوبکر ﷺ کا فیصلہ بھی اس مسئلہ کو صاف صاف بیان کر رہا ہے:

''عنیحییٰ بن سعید قال:سمعت القاسم بن محمد یقول:کانت عند عمر بن الخطاب امرأۃ من الأنصار، فولدت لہ عاصم بن عمر، ثم إن عمر فارقہا، فجاء عمر قباء، فوجد ابنہ عاصماً یلعب بفناء المسجد، فأخذ یعضدہ بینیدیہ علی الدابۃ، فأدرکتہ جدۃ الغلام، فنازعتہ إیاہ، حتی أتیا أبابکر الصدیق، فقال عمر: ابنی، وقالت المرأۃ ابنی، فقال أبوبکر خل بینہا وبینہ، فما راجعہ عمر الکلام ''(موطا کتاب النکاح، باب إذا فارق الرجل امرأتہ وبینہما ولد صغیر الخ (۱۲۸،۴)، وفی بعض الروایات أنہ قال لہ: ''الأم أعطف وألطف وأرحم وأحنی وأخیر وأرأف، وہی أحق بولدہا ما لم تتزوج'' (فقہ السنہ۲،۴۸۳)۔

(یحییٰ بن سعید کہتے ہیں، میں نے قاسم بن محمد کو فرماتے ہوئے سنا: حضرت عمر کی زوجیت میں ایک انصاری خاتون تھیں، ان سے حضرت عاصم ابن عمر کی ولادت ہوئی، پھر حضرت عمر نے ان کو چھوڑ دیا، تو حضرت عمر قباء آئے، او راپنے بیٹے عاصم کو مسجد کے صحن میں کھیلتے ہوئے پایا، تو حضرت عمر نے جانور پر اپنے سامنے بیٹھا کر ان کا بازو پکڑ لیا، تو بچہ کی نانی نے ان کو جالیا، اور بچہ پرنزاع کیا،یہاں تک کہ دونوں حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے، حضرت عمرؓ نے کہا: یہ میرا بیٹا ہے، عورت نے کہا: یہ میرا بیٹا ہے، تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: 'اے عمر ' عورت اور بچہ کے درمیان راستہ چھوڑ دو، تو حضرت عمرؓ نے ان سے دوبارہ گفتگو نہیں کی، بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے کہا: ماں زیادہ شفیق، مہربان مشفق، بہتر اور مروت کرنے والی ہوتی ہے، او رجب تک شادی نہ کرلے وہی اپنے بیٹے کی زیادہ حقدار ہے)۔

ماں کی غیر موجودگی میں پرورش کا حقدار کون ہوگا؟

اگر ماں کا انتقال ہوگیا ہو ، یا وہ تربیت کی اہلیت نہ رکھتی ہو، یا اس نے بچہ کے غیر محرم سےنکاح کرلیا ہو تو پرورش کا حق الاول فالاول کے اعتبار سے مندرجہ ذیل عورتوں کو ہوگا:

(۱) نانی، (۲) دادی، (۳) بہنیں، (۴) خالہ، (۵) پھوپھی، (۶) چھٹی صورت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی عورت نہ ہو، اس صورت مینیہ حق مرد عصبات کو عصبات کی تربیتکے مطابق ملے گا:

''فإن لم تكن لہ أم، فأم الأب أولى من الأخوات'' (ہدایہ مع الفتح ۱۸۵،۴-۱۸۷)۔

''فإن لم تكن'' أى لم تكن لہ أم تستحق الحضانۃ بأن كانت غير أہل للحضانۃ، أو متزوجۃ بغير محرم أو ماتت فأم الأم أولى الخ '' (فتح القدير ۱۸۵،۴)۔

لیکن ان عورتوں کا استحقاق صرف حضانت سے متعلق ہوگا، بچہ کا نفقہ کلی طور پر باپ کے اوپر ہوگا، ''والنفقۃ على الأب'' (ہدایہ ۱۸۵،۴)۔

ان عورتوں کو یہ حق ایک خاص مدت تک ہوگا، پھربچہ باپ کی پرورش میں آجائے گا، اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

بچہ باپ کی پرورش میں کب آئے گا؟

زیر پرورش اگر لڑکا ہو تو پرورش کرنے والی عورت کو (خواہ ماں ہو یا کوئی دوسری عورت) اس وقت تک پرورش کا حق رہے گا، جب تک بچہ عورتوں سے مستغنی ہوکر خود سے کھانے پینے اور استنجاء کرنے پر قادر نہ ہوجائے، اس کا اندازہ سات سال کی عمر سے لگایا گیا ہے اور فتوی اسی پر ہے، معلوم ہوا کہ سات سال مکمل ہونے پر بچہ باپ کے حوالہ کردیا جائے، ''والحاضنۃ أما أو غيرہا أحق بہ أى بالغلام حتييستغنى عن النساء، وقدر بسبع، وبہ يفتى'' (الدر المختار على ہامش رد المحتار ۶۹۵،۲)۔

اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

''ووجہہ أنہ إذا استغنييحتاج إلى التأدب والتخلق بآداب الرجال وأخلاقہم والأب أقدر على التأديب والتثقيف'' (ہدایہ مع الفتح ۱۸۷،۴) (اس کی وجہ یہ ہے کہ بچہ جب عورتوں سے مستغنی ہوجاتا ہے تو اس کو مردوں کے آداب اور اخلاق سے آراستہ ہونے کی حاجت ہوتی ہے، اور باپ کو ادب وتہذیب سکھانے کی طاقت زیادہ ہوتی ہے)۔

جہاں تک لڑکی کا تعلق ہے تو ظاہر الروایہ کے مطابق ماں اور دادی کو اس کی تربیت کا حق اس کے بلوغ تک رہتا ہے، دوسری عورتوں کو اس کے حد شہوت تک پہنچنے تک رہتاہے، اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

''ماں اور دادی لڑکی کی زیادہ حقدار ہونگی،یہاں تک کہ اسے حیض آجائے، اس لئے کہ استغناء کے بعد اسے عورتوں کے آداب جاننے کی ضرورت ہے، اور عورت اس پر زیادہ قدرت رکھتی ہے، اور بلوغ کے بعد اسے حفاظت اور بچانے کی ضرورت ہے اور باپ اس پر زیادہ قوی اور زیادہ واقف ہے .... اور ماں اور دادی کے علاوہ دوسری عورتیں لڑکی کی زیادہ حقدار ہیں،یہاں تک کہ وہ حد شہوت تک پہنچ جائے....اس لئے کہ وہ اس سے کام لینے کی قدرت نہیں رکھتی .... برخلاف ماں اور جدہ کے اس لئے کہ شرعا وہ کام

لینے پر قدرت رکھتی ہیں " (ہدایہ۴،۱۸۸)۔

ماں اور جدہ کے علاوہ کے لئے حق تربیت کی مدت ۹ سال کی مقرر کی گئی ہے، اور امام محمد سے ایک روایتیہ ہے کہ ماں اور جدہ کے لئے بھیبھی مدت مقرر کی جائے گی، کئی حضرات نے اسی روایت پر فتوی بھی دیا ہے "وغیرہما أحق بہا حتی تشتہی وقدر بسبع وبہ یفتی .... وعن محمد أن الحکم فی الأم والجدۃ کذلک، وبہ یفتی لکثرۃ الفساد (وبہ یفتی) قال فی البحر بعد نقل تصحیحہ: والحاصل أن الفتوی علی خلاف ظاہرالروایۃ" (شامی۲،۶۹۵-۶۹۶)۔

حق حضانت سے محرومی کب ہوگی؟

حق حضانت میں بچہ کے مفاد کا پورا خیال رکھا جاتا ہے، اوپر کی تفصیل سے واضح ہے کہ جب تک ماں کے پاس رکھنے میں اس کا مفاد زیادہ تھا، اسے اس کے پاس رکھنے کا حکم ہوا، پھر جب یہ دیکھا گیا کہ اس کا مفاد باپ کے پاس رکھنے میں ہے، تو اس کو باپ کے پاس کردیا گیا ہے، اسی لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس رکھنے میں بچہ کے مفادات پر ضرب لگتی ہو تو بچہ اس کے پاس نہیں رکھا جائے گا، اسی لئے حضانت کی شرائط کا ذکر کرتے ہوئے فقہاء فرماتےہیں:

"قال الرملی: ویشترط فی الحاضنۃ أن تکون حرۃ بالغۃ سوی الشرط الأخیر " (شامی۲،۶۸۷) (رملی کہتے ہیں: پرورش کرنے والی کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ آزاد عاقل بالغ قابل اعتماد اور قادر ہو، نیز وہ اجنبی شوہر سے خالی ہو، یہی شرائط آخری شرط کو چھوڑ کر مرد پرورش کرنے والے میں بھی ہیں)۔

انہیں مفادات کا خیال رکھتے ہوئے فقہاء فرماتے ہیں کہ مندرجہ ذیل۶ صورتوں میں بچہ کو حقدار کے پاس سے ہٹاکر اس کے بعد والے کے حوالہ کردیا جائے گا:

۱۔ جب وہ مرتد ہوجائے، اس لئے کہ ارتداد کے سبب اسے قید کردیا جائے گا، لہذا اس کے لئے بچہ کی نگہداشت ممکن نہیں ہوگی، "إلا أن تکون مرتدۃ فحتی تسلم لأنہا تحبس أی وتضرب فلا تتفرغ للحضانۃ " (شامی۲،۶۸۸)۔

۲۔ کسی ایسی برائی میں مبتلا ہو جس میں مشغولیت کے سبب بچہ کی دیکھ بھال کما حقہ نہ ہوسکے، مثلاً: زنا، گانا بجانا چوری وغیرہ جیسے افعال میں غرق ہو، اصل چیز کیونکہ بچہ کی تربیت میں خلل ہے، لہذا اسی میں وہ صورت بھی داخل ہے جب عبادات جیسی اچھائیوں میں استغراق کے سبب بچہ کی دیکھ بھال میں کوتاہی ہوتی ہو، "أو فاجرۃ فجوراً یضیع الولد بہ کزنا وغنا وسرقۃ ونیاحۃ .... وفی القنیۃ: الأم أحق بالولد ولو سیئۃالسیرۃ معروفۃ بالفجور ما لم یعقل ذلک، أو غیر مأمونۃ بأن تخرج کل وقت وتترک الولد ضائعاً" (الدر المختار علی ہامش الرد۲،۶۸۸)۔ "وعلی ہذا لو کانت صالحۃ کثیرۃ الصلاۃ قد استولی علیہا محبۃ اللہ تعالی وخوفہ حتی شغلہا عن الولد ولزم ضیاعہ انتزع منہ ولم ردہ"

(شامی۲،۶۸۸)۔

۳۔ ایسی لاپرواہ ہو کہ بچہ کے مفادات میں غفلت دکھاتی ہو، مثلاً ہر وقت گھر سے باہر رہتی ہو، مثلاً ہر وقت گھر سے باہر رہتی ہو، اور بچہ کو بے سہاراچھوڑ دیتی ہو، ''أو غیر مأمونۃ، ذکرہ فی المجتبی بأن تخرج کل وقت، وتترک الولد ضائعاً '' (شامی۲،۶۸۸)۔

۴۔ باندی ام ولد یا اس جیسی دوسرے کے ماتحت رہنے والی عورت ہو جس کے لئے بچہ کی دیکھ بھال ممکن نہ ہو، ''أو تکون أمۃ أو أم ولد الخ'' (ایضاً)۔

۵۔ جب وہ کسی ایسے شخص سے شادی کرلے جو بچہ کا محرم نہ ہو، ''أو متزوجۃ بغیر محرم الصغیر'' (شامی۲،۶۸۹)۔

۶۔ جب وہ حضانت کی اجرت طلب کررہی ہو، بچہ کا باپ تنگدست ہو جبکہ بعد کا حقدار مفت دیکھ بھال کرنے پر تیار ہو (ایضا وہدایہ مع الفتح ۴،۱۸۴)۔

یہ شرائط صرف ماں یا اس کے بعد پرورش کا حق رکھنے والی عورتونکے لئے مخصوص نہیں ہیں، اگر یہ خرابیاں باپ یا دوسرے مرد حقداروں میں ہوں تو بچہ ان کے بھی حوالہ نہیں کیا جائے گا، اور بعد میں خرابیاں پائی جائیں تو ان سے لے لیا جائے گا، چنانچہ اوپر عبارت گزر چکی ہے، ''قال الرملی ویشترط فی الحاضنۃ (الی) وکذا فی الحاضن الذکر سوی الشرط الأخیر'' (شامی۲،۶۸۷) (رملی کہتے ہیں: حاضنہ میں مندرجہ ذیل شرائط ہیں، (آگے ان شرائط کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں(: یہی شرائط مرد مربی کے لئے بھی ہیں سوائے آخری شرط (یعنی بچہ کے نامحرم سے شادی نہ کی ہو)کے)

اور علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں:

''ولو کان فی المحارم من الأخوۃ والأعمام من لا یؤمن علی صبی وصبیۃ بفسقہ، لیس لہ حق فی الإمساک'' (ہدایہ وفتح القدیر۴،۱۸۷) (اگر بھائیوں اور چچاؤں جیسے محارم میں کوئی ایسا ہو جس کے فسق کے سبب بچہ کے سلسلہ میں اعتماد نہ کیا جاسکتا ہو تو اسے روکنے کا کوئی حق نہیں ہوگا)۔

سوال (ب) (۱) بچوں کے حق تعلیم وتربیت کے بارے میں اسلام کی ہدایات:

اسلام میں علم کی جس قدر اہمیت وفضیلت بیان کی گئی ہے، شاید کسی اور مذہب میں اس کا تصور بھی مشکل ہے، قرآن کی ابتداء ہی لفظ ''اقرء ' سے کی گئی ہے، او رپھر تاکیداً اس کی تکرار بھی کی گئی (سورہ علق : ۱-۵)، قرآن پاک مینیہ بھی صراحت سے آیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ملائکہ پر فوقیت علمی توفق کی بنیاد پر ثابت کی گئی (سورہ بقرہ: ۳۰-۳۳)، اس کے علاوہ بھی قرآن وحدیث میں جگہ جگہ علم کی فضیلت ثابت کی گئی ہے۔

پھر حدیث میں اس کی بھی صراحت کی گئی کہ ضروری اور لابدی علوم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے: ''وعن أنس قال: قال رسول اللہ ﷺ: طلب العلم فریضۃ علی

کل مسلم" (ابن ماجہ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم) (نبی کریمﷺ کا ارشاد ہے: علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے)۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے، لیکن کثرت طرق کے سبب یہ حدیث ثابت ہے (مرقاۃ۱؍۴۳۵)۔

پھر علماء کا اختلاف ہے کہ اس حدیث میں جس علم کو فرض قرار دیا گیا ہے، اس سے کونسا علم مراد ہے؟ امام غزالی فرماتے ہیں:

''اس علم کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے جو ہر مسلمان پر فرض ہے، اس کے بارے میں بیس سے زیادہ گروہ ہوگئے ہیں، تفصیل نقل کرکے ہم بحث لمی نہیں کرتے، لیکن خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر فریق نے وجوب کو اسی علم پر محمول کیا ہے جس میں وہ مشغول ہے (احیاء علوم الدین۱؍۲۵)۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں: ''شراح کہتے ہیں: علم سے مراد وہ ہے جس کے سیکھے بغیر بندہ کو کوئی چارہ نہ ہو، جیسے خالق کی معرفت، اس کی وحدانیت کا علم، اس کے رسول کی نبوت اور نماز کی کیفیت کا علم، اس لئے کہ ان سب کا سیکھنا فرض عین ہے، رہا اجتہاد اور افتاء کے مرتبہ تک پہنچنا تو یہ فرض کفایہ ہے (مرقاۃ۱؍۴۳۴، نیز دیکھئے: ہندیہ۵؍۳۷۷، شامی۱؍۳۱، مظاہر حق ۱؍۹۶، ۹۷)۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ بقدر ضرورت علم دین کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بقدر ضرورت بچو نکو علم دین سکھلانا بھی اس کے والدین اور سرپرستوں کی ذمہ داری ہے، اس لئے کہ اگر نوعمری ہی سے بچوں کی تعلیم وتربیت نہیں کی گئی اور اس میں کوتاہی برتی گئی تو بچہ کے لئے بعد میں اس کا حصول انتہائی دشوار ہوگا، اور وہ راہ ہدایت سے بھٹک جائے گا، جس کی ذمہ داری ماں باپ پر ہوگی، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''یا أیہا الذین آمنوا قوا أنفسکم وأہلیکم ناراً'' (تحریم: ۶) (اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو (جہنم کی) اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہونگے)۔

ظاہر ہے کہ جہنم کی آگ سے گھر والوں کا بچانا اسی وقت ممکن ہے جب ان کو بنیادی شرعی علوم سے واقف کرادے، علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

''اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچانا گناہوں کو چھوڑ کر اور طاعات کو اختیار کرکے ہوگا، اور گھر والوں کو بچانا نصیحت اور تادیب کے ذریعہ ان کو اس پرآمادہ کرکے ہوسکتا ہے، روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! ہم اپنے کو بچاتے ہیں تو گھر والوں کو کیسے بچائیں، آنحضرتﷺ نے فرمایا: جس سے اللہ نے تم کو روکا ہے اس سے ان کو روکو اور جس کا حکم دیاہے اس کا حکم

دو، اس کے ذریعہ ان کی جہنم سے حفاظت ہوگی، ابن منذر اور صحیح قرار دے کر حاکم نیز ایک جماعت نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: ‘‘اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو خیر سکھاؤ اور ان کی تادیب کرو، اور ایکقول یہ ہے کہ اہل سے مراد بیوی، بچے، غلام اور باندی ہیں، اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ آدمی پر ضروری فرائض کا سیکھنا اور ان سب گھر والوں کو سکھانا واجب ہے (روح المعانی۲۸،۱۵۶)۔

اسی طرح صحیح حدیث میں آنحضرتﷺ کا ارشاد ہے:

‘‘عن عبد اللہ بن عمر قال: سمعت رسول اللہﷺ یقول: کلکم راع، وکلکم مسئول عن رعیتہ، الإمام راع ومسئول عن رعیتہ، والرجل راع فی أہلہ وہو مسئول عن رعیتہ ....’’ (بخاری کتاب الجمعہ باب الجمعہ فی القری والمدن (۸۹۳)، مسلم کتاب الامارۃ باب فضیلۃ الامام العادل (۴۷۲۴) (حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں، میں نے نبی کریمﷺ کو فرماتے ہوئے سنا : تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور اس سے اس کے زیر نگرانی رہنے والوں سے متعلق سوال کیاجائے گا، اور آدمی اپنے گھر والوں کا نگراں ہے، اور اس سے اس کے زیر نگرانی رہنے والوں سے متعلق سوال کیا جائے گا)۔

اسی طرح آنحضرتﷺ نے بچوں کی تربیت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

عن عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ قال: قال رسول اللہﷺ: ‘‘مروا أولادکم بالصلاۃ وہم أبناء سبع سنین، واضربوہم علیہا وہم أبناء عشر سنین، وفرقوا بینہم فی المضاجع’’ (ابوداؤد کتاب الصلاۃ باب متییؤمر الغلام بالصلاۃ (۴۹۵) (حضرت عمروبن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم اپنی اولاد کو نماز کاحکم دو جب کہ وہ سات سال کے ہوجائیں، اور اس کے لئے ان کو مارو جب وہ دس سال کے ہوجائیں اور ان کے بستر الگ الگ کردو)۔

مندرجہ بالا نصوص سے معلوم ہوا کہ بچوں کو دین کی بنیادی تعلیم دینا ماں باپ پر ضروری ہے، اس لئے کہ اس کے بغیر ان کی ہلاکت یقینی ہے اور بچوں کو ہلاکت سے بچانے کی ذمہ داری ماں باپ پر ہے، اسی حکم میں وہ دنیا وی علوم بھی آگئے جن کے بغیر بچونکے لئے باعزت زندگی گزارنا ممکن نہیں ہے، ہندیہ میں ہے:

‘‘علم کا حاصل کرنا فرض ہے شرائع کے بقدر، نیز جس کی حاجت کسی ضروری کام کے لئے ہو جیسے وضو نماز اور دوسرے شرعی احکام، نیز اپنے امور ومعاش کے لئے، جو اس کے علاوہ علوم ہیں وہ فرض نہیں ہیں، اگر سیکھے تو افضل ہوگا اور اگر نہ سیکھے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے ’’ (ہندیہ۵،۳۷۷)۔

۴۔ جنسی تعلیم کا مسئلہ:

جنسی تعلیم کی بعض صورتیں ایسی ہیں جن کا تعلق بنیادی دینی تعلیم سے ہے اور جس کا حاصل کرنا فرض عین ہے، مثلاً لڑکے کا یہ جاننا کہ احتلام سے غسل فرض ہوجاتا ہے، اور لڑکی کا یہ جاننا کہ حیض کیاہے اور حیض کے زمانہ میں کیا جائز ہے اور کیانہیں، وغیرہ وغیرہ۔

ظاہر بات ہے کہ اس طرح کی معلومات کا تعلق بنیادی دینی تعلیم سے ہے، اس کو حاصل نہ کیا جائے تو نماز روزہ جیسی بنیادی عبادت میں خرابی پیدا ہوجائے گی، البتہ اس طرح کے علوم سکھاتے وقت بہت احتیاط اور سنجیدگی کی ضرورت ہے، اور انہیں بچوں کو یہ امور سکھانے چاہئے کہ جو بالغ ہوچکے ہوں یاجن کے اندر ان چیزوں کو سمجھنے کی صلاحیت ہوچکی ہو۔

اس طرح کی ضروری معلومات ہمارے مدارس کےطلبہ کو تفسیر، حدیث اور فقہ کے نصاب کے تحت حاصل ہوجاتی ہیں، عصری مدارس بھییہ معلومات انہیں عناوین کے تحت فراہم کردیں تو بہت مفید ثابت ہو، جب اس طرح کی ضروری معلومات اس انداز میں ضمنی طور پر فراہم کی جاسکتی ہیں تو الگ سے جنسیات کے لئے کتاب اور پیریڈ مقرر کرنے کی کیا ضرورت ہے، اس سے تو نفسیاتی طور سے بچوں کے معصوم ذہنوں پر برا اثر پڑسکتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس کا نقصان اتنا واضح اور بدیہی ہے کہ اس کے لئے کسی دلیل کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

جہاں تک جنسی تعلیم کی فراہمی اور اس کے حق کے نام سے فحاشی اور بے حیائی سکھانے کا تعلق ہے تو اسلام فحاشی اور بے حیائی کا دشمن ہے، لہذا کسی بھی عنوان سے وہ کتنا خوشنما ہی کیوں نہ ہو، بے حیائی اور فحاشی کی اجازت اسلام میں نہیں ہوسکتی، واللہ اعلم۔

سوال (ج) شادی کی عمر:

اسلام نے شادی کی کوئی عمر مقرر نہیں کی ہے، البتہ ماں باپ اگر مناسب سمجھیں تو بچونکی شادی کم عمری میں بھی کرسکتے ہیں، اس کےکئی دلائل موجود ہیں، مثلاً صحیح روایات سےثابت ہے کہ حضرت عائشہؓ کا جب نکاح کیاگیا تو وہ صرف چھ سال کی تھیں(بخاری کتاب النکاح باب انکاح الرجل ولدہ الصغار، مسلم نکاح باب جواز تزویج الاب البکر الصغیرۃ)۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرتﷺ نے امامہ بنت حمزہ کا نکاح ان کی نوعمری میں کرایا تھا (فقہ السنہ ۲،۲۶۷)۔

کئی آیات سے بھی اس کے جواز کا اشارہ ملتا ہے، مثلاً عدت طلاق بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ جن عورتوں کا حیض بند ہوگیا ہو یا جن کو ابھی حیض نہ آیا ہو ان کی عدت تین مہینے ہوگی، ‘‘واللاتییئسن من المحیض من نسائکم إن ارتبتم فعدتہن ثلاثۃ أشہر

واللاتی لم یحضن'' (طلاق: ۴)، معلوم ہوا کہ حیض آنے سے پہلے یعنی بلوغ سے پہلے نکاح کرایا جاسکتا ہے۔

انہیں دلائل کی وجہ سے علماء کا اجماع ہے کہ باپ کے لئے اپنی نابالغ اولاد کیشادی کرنا جائز ہے (الاجماع لابن المنذر ص: ۳۹، بچوں کے احکام ومسائل، ص: ۳۸۸)۔

البتہیہ جاننا ضروری ہے کہ خاص مصالح کے تحت اس کی اجازت ضرور ہے لیکن نہ تو اس کی ترغیب دی گئی ہے نہ اس کو پسندیدہ قرار دیا گیا ہے، نہ ہییہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کا عام معمول تھا، صرف چند جزئی واقعات ملتے ہیں، لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام میں پسندیدہیہی ہے کہ شادی بالغ ہونے کے بعد کی جائے، علامہ نووی فرماتے ہیں:

''جان لو کہ امام شافعی اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں: مستحب یہ ہے کہ باپ دادا باکرہ کا نکاح نہ کرینیہاں تک کہ وہ بالغ ہوجائے اور اس سے اجازت لے لیں، تاکہ اس کی ناپسندیدگی کے باوجود اسے شوہر کی قید میں نہ ڈال دیں، .... رہی وہ صورت جب کوئی ایسی ظاہری مصلحت ہو، تاخیر سے جس کے فوت ہوجانے کا اندیشہ ہوجیسے حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے، تو اس شوہر کا حاصل کرنا مستحب ہوگا، اس لئے کہ باپ کو اپنی اولاد کی مصلحت کا حکم ہے، لہذا اسے نہیں چھوڑے گا '' (شرح مسلم کتاب النکاح)۔

یہ بات اگرچہ علامہ نووی نے شوافع کے حوالہ سے لکھی ہے، لیکن احناف اور دوسرے علماء کے اصول بھی اس کی تائید کرتے ہیں، اور بظاہر یہ بات متفق علیہ ہے۔

پھر جب اولاد بالغ ہوجائے تو اس کی شادی میں ممکنہ عجلت سے کام لینا چاہئے، تاکہ اس کو گناہ سے بچایا جاسکے، آج کل اس سلسلہ میں جو غیر معمولی تاخیر کی جاتی ہے، شرعاً یہ صحیح نہیں ہے، اور اگر اولاد کو اس تاخیر کی وجہ سے جسمانی، نفسیاتییا روحانی نقصان پہنچے گا تو اس کا وبال رکاوٹ ڈالنے والے پربھی ہوگا، اس لئے کہ احادیث میں بلوغ کے بعد جلد شادی کرادینے پر زور دیا گیا ہے، چند احادیث ملاحظہ ہوں:

عن أبی سعید وابن عباس قالا: قال رسول اللہﷺ: ''من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وأدبہ، فإذا بلغ فیلزوجہ، فإن بلغ ولم یزوجہ فأصاب إثماً فإنما إثمہ علی أبیہ'' (بیہقی شعب الایمان۶، ۴۰۰ (۸۶۶۶)۔

(حضرت ابوسعید اور ابن عباسؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: نبی کریمﷺ نے فرمایا: جس کی کوئی اولاد پیدا ہو تو اس کا اچھا نام رکھے، اسے ادب سکھائے، پھر جب بالغ ہوجائے تو اس کی شادی کردے، اور اگر وہ بالغ ہوگیا اور اس نے اس کی شادی نہیں کرائی او روہ گناہ میں مبتلا ہوگیا تو اس کا گناہ باپ پر پڑے گا)

''حضرت عمر بن خطابؓ اور انس بن مالکؓ نبی کریمﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ

آپ نے فرمایا: توریت میں لکھا ہوا ہے: جس کی بیٹی بارہ سال کی ہوجائے اور وہ اس کی شادی نہ کرے اور وہ گناہ میں مبتلا ہوجائے تو اس کا گناہ باپ پر ہوگا " (حوالہ سابق ۴۰۲،۶ (۸۶۶۹۰)۔

عن علی أن النبیﷺ قال: ''ثلاث لا تؤخرہا: الصلاۃ إذا أتت، والجنازۃ إذا حضرت، والأیم إذا وجدت لہا کفوا'' (ترمذی کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی الوقت الاول من الفضل (۱۷۱)۔

(حضرت علیؓ نبی کریمﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپﷺ نے فرمایا: تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو، نماز جب اس کا وقت آجائے، جنازہ جب وہ تیار ہوجائے، اور بے شادی کی عورت جب اس کا جوڑا مل جائے)۔

سوال (د) (۱) بچہ مزدوری کے بارے میں اسلام کا موقف:

بچوں سے متعلق احکام میں اسلام نے اس کے مفادات کا خیال رکھا ہے، او رچونکہ عقل کامل نہ ہونے کے سبب تصرفات سے نقصان اٹھا سکتا ہے اس لئے اس کو تمام تصرفات سے روک دیا گیا،یہاں تک کہ اسی ڈر سے اس کا مال بھی اس کے حوالہ نہیں کیا گیا، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''ولا تؤتوا السفہاء أموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما وارزقوہم فیہا واکسبوہم وقولوا لہم قولا معروفا، وابتلوا الیتامی حتی إذا بلغوا النکاح فإن آنستم منہم رشداً فادفعوا إلیہم أموالہم '' (سورہ نساء: ۵۔۶) (اور ناسمجھوں کو اپنے وہ مال حوالہ مت کرو جن کو اللہ نے تمہارے لئے (زندگی) کا سرمایہ بنایا ہے، او ران کو اس میں سے کھلاتے اور پہناتے رہو اور ان سے بھلائی کی بات کہتے رہو، اور یتیموں کی دیکھ بھال رکھو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں، پھر اگر تم ان میں عمر کی پختگی محسوس کرلو تو ان کے مال ان کے حوالہ کردو)۔

اور حدیث شریف میں ہے:

''رفع القلم عن ثلاثۃ:عن النائم حتییستیقظ، وعن الصبی حتییبلغ، وعن المعتوہ حتییعقل'' (ترمذی کتاب الحدود باب ما جاء فیمن لا یجب علیہ الحد (۱۴۲۳) ابوداؤد کتاب الحدود باب فی المجنون یسرق أو یصیب حداً (۴۳۹۸)۔

(تین افراد سے قلم رکھا لیا گیا ہے، سوتے شخص سے یہاں تک کہ وہ بیدار ہوجائے، بچہ سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہوجائے، اور مجنون سے یہاں تک کہ اسے عقل آجائے)۔

پھر مزدوری کے لئے اپنے کو پیش کرنا بھی ایک تصرف ہے، لہذا ناسمجھ بچہ کو اس سے روک دیا گیا ہے، البتہ اگر وہ سمجھدار ہے، بیع وشراء اور مزدوری وغیرہ کی

حقیقت سے واقف ہے تو ولی کی اجازت سے مزدوی کرسکتا ہے، ‘‘وإذا أذن ولی الصبی فی التجارة فہو فی البیع والشراء کالعبد المأذون إذا کان یعقل البیع والشراء حتیینفذ تصرفہ، وقال الشافعی لا ینفذ ’’ (ہدایہ مع تکملۃ فتح القدیر۸؍۲۳۹)۔

بچہ اگر سمجھ دار ہے اور ولی کی اجازت سے مزدوری کرتا ہے تو جائز ہے، اجازت لئے بغیر اپنے کو اجارہ پر لگاتا ہے تو اس کی اجازت پر موقوف ہے، اگر اجازت کے بغیر مزدوری کرڈالی تو کام مکمل کرنے کے بعد اس کو پوری اجرت ملے گی، اجازت ملی ہو یانہ ملی ہو، اس لئے کہ ممانعت صرف اس وجہ سے تھی کہ ابھی وہ نوعمر ہے، کام کرنے سے اس کو نقصان ہوسکتا ہے، اور اجارہ کے ذریعہ اس کا استحصال کیا جاسکتا ہے، لیکن جب وہ کام مکمل کرچکا تو اس کا مفاد اب اسی میں ہے کہ اس کو اجرت کا مستحق قرار دیا جائے، ورنہ اس کی محنت رائیگاں جائے گی اور اس کو اس سے ضرر ہوگا، علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

‘‘وأما الذییرجع إلی العاقد فالعقل وہو أن یکون العاقد عاقلا حتی لا تنعقد الإجارۃ من المجنون والصبی الذی لایعقل کما لا ینعقد البیع منہما، وأما البلوغ فلیس من شرائط الانعقاد ولا من شرائط النفاذ عندنا حتی أن الصبی العاقل لو آجر مالہ أو نفسہ، فإن کان مأذوناًینفذ، وإن کان محجوراً یقف علی إجازۃ الولی عندنا خلافا للشافعی .... ولو آجر الصبی المحجور نفسہ وعمل وسلم من العمل یستحق الأجر لہ، أما استحقاق الأجر فلأن عدم النفاذ کان نظراً لہ، والنظر بعد الفراغ من العمل سلیما فی النفاذ فیستحق الأجرۃ ولا یہدر سعیہ فیتضرر بہ’’ (بدائع الصنائع۴؍۱۸)۔

(۲) اولیاء کا بچوں سے گھریلو کام لینا:

گھر کے کام کاج بچوں سے اس خیال سے لیناجائز ہے کہ وہ کوئی ہنر سیکھ لیں، بچوں کو تہذیب وادب سکھانا ان کے اولیاء کی ذمہ داری ہے، لہذا اس خیال سے ان کو کام پر لگایا جاسکتا ہے، علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

‘‘اسی طرح باپ، وصی، قاضی، نیز اس کے معتمد کی طرف سے مزدوری پر لگانا شریعت کی طرف سے نائب ہونے کے سبب نافذ ہوگا، توباپ کو حق ہے کہ اپنے نابالغ بیٹے کو کسی کام میں لگادے، اس لئے کہ نابالغ پر اس کی ولایت اسی طرح ہے جیسے اپنے اوپر ہے، اس لئے کہ اس کو اس پر اسی طرح شفقت ہے جیسے اپنے نفس پر ہے، اور وہ اپنے آپ کو مزدوری پر لگاسکتا ہے تو بیٹے کو بھی لگا سکتا ہے، نیز دووجوہات سے اس میں نابالغ کا فائدہ ہے .... دوسری وجہ یہ ہے کہ صنعتوں میں اس کو کام کرنے کے لئے بھیجنا اس کو سنوارنے، ادب سکھانے اور مشق کرانے کے باب سے ہے، او راس میں بچہ کا فائدہ ہے، تو باپ اس کا حق رکھتا ہے، اسی طرح باپ کا وصی، اس لئے کہ وہ باپ کا پسندیدہ شخص ہے، اور دادا، اس لئے کہ باپ کی غیر موجودگی میں

وہ اس کا قائم مقام ہوتا ہے، اور دادا کا وصی، اس لئے کہ وہ اس کا پسندیدہ ہے، اور قاضی، اس لئے کہ اس کو نگراں بنایا گیا ہے اور اس کا معتمد، اس لئے کہ وہ اس کا پسندیدہ ہے، اور باپ، نیز اس کے وصی، دادا، نیز اس کے وصی کے علاوہ دوسرے ذی رحم محرم رشتہ داروں کے لئے اس کو مزدوری پر لگانا جائز نہیں ہے، جب مذکورہ لوگوں میں سے کوئی موجود ہو، اس لئے کہ ان کے علاوہ لوگوں کو بچہ پر ولایت حاصل نہیں ہے.... الا یہ کہ وہ اس کی پرورش میں ہو، تو فقہاء کے نزدیک اس کے لئے اس کو مزدوری پر لگانا جائز ہوگا، اس لئے کہ جب وہ اس کی پرورش میں ہو تو اس کو ایک طرح کی ولایت حاصل ہوتی ہے، اس لئے کہ وہ اس کی پرورش کرتا ہے اور اس کو ادب سکھاتا ہے، اور صنعتوں میں اس کو لگانا بھی ایک طرح سے ادب سکھلانا ہے، لہذا باعتبار تادیب وہ اس کا مالک ہوگا الخ '' (بدائع ۲۲،۴، ہندیہ۴۱۱،۴)۔

ان عبارات میں ادب سکھلانے کی نیت سے مزدوری پر لگانے کی اجازت دی گئی ہے تو ادب سکھانے کے مقصد سے ہلکے پھلکے گھریلو کاموں میں بدرجہ اولی انہیں لگانے کی اجازت ہوگی، خاص طور سے اس صراحت کےبعد ''لأن ولایتہ علی الصغیر کولایتہ علی نفسہ''۔

باپ اس معنی میں مالی حالت بہتر بنانے کے لئے کبھی ان کو اس طرح کے کاموں پر لگا سکتا ہے کہ ان کی کمائی خود ان کے اوپر صرف کرے، گھر کی دوسری ضروریات میں ان کی کمائی لگانا درست نہیں ہے، اگر ان کے ذاتی مصارف سے مال بچ جائے تو بچوں کے دوسرے ذاتی مال کی طرح اس کو بھی ان کے لئے محفوظ رکھا جائے گا، اور بالغ ہونے کے بعد ان کے حوالہ کردیا جائے گا، اگر باپ اس سلسلہ میں کوئی کوتاہی کرے تو قاضییہ مال محفوظ کرادے گا، لیکنیہ تمام تفصیلات لڑکوں کے متعلق ہے، لڑکیوں کو کاموں پر لگانا باپ کے لئے درست نہیں ہے، البتہ ماں اور دادی تادیب کے لئے ان سے کام کراسکتی ہیں (تفصیلی عبارت کے لئے دیکھئے:ہندیہ۵۶۲،۱، ۵۶۳، شامی۷۲۸،۲، بدائع ۴۵۹،۳، ہدایہ مع الفتح ۱۸۸،۴)۔

(۳) نابالغ بچوں کو مزدوری پر لگانا:

اوپر کی تفصیلات سے واضح ہوگیا کہ نابالغ بچوں کو باپ خاص اسباب کے تحت مزدوری پر لگا سکتا ہے، لیکن عام حالات میں اس کی کمائی اپنے اوپر صرف کرنا جائز نہیں ہے ، بلکہ اس کی کمائی خود اس پر صرف کی جائے اور جو کچھ بچے اس کو محفوظ رکھا جائے۔

لیکن اگر باپ کمائی پر قادر نہیں ہے ، خواہ وہ لاچار ہو یا کسی بیماری میں مبتلا ہو جبکہ نابالغ بچہ کی کمائی کے لائق ہوگیا ہے اور کمائی کررہا ہے، تو باپ کا خرچ اس نابالغ کےذمہ ہوگا، او راس صورت میں باپ بقدر ضرورت خرچ لے سکتا ہے:

‘‘وتجب علی موسر ولو صغیراً .... وفی الخلاصۃ: المختار أن الکسوب یدخل أبویہ فی نفقتہ، النفقۃ لأصولہ الفقراء الخ (ولو صغیراً) لأنہ کالکبیر فیمایجب فی مالہ من حق عبد فیطالب بہ ولیہ کما یطالب بنفقۃ زوجتہ’’ (شامی۲،۷۳۵)۔

سوال (۵) جب شرعی اعتبار سے نابالغ بچہ کسی جرم کا ارتکاب کرے:

شریعت نے سنگین جرائم، قتل، زنا، چوری وغیرہ کے سد باب کے لئے سخت سزائیں مقرر کی ہیں، لیکن ان سزاؤں کے نفاذ کے لئے ایک اہم شرط یہ ہے کہ ارتکاب کرنے والا مکلف یعنی عاقل وبالغ ہو، یہ شرط سب سزاؤوں کے ساتھ لگی ہوئی ہے، ملاحظہ ہو مختلف حدود کے متعلق بیان کی جانے والی شرائط:

‘‘والزنا الموجب للحد وطئ مکلف، خرج الصبی والمعتوہ’’ (الدر المختار ۳،۱۵۴-۱۵۵)۔

‘‘حد سرقۃ أخذ مکلف .... وأخرج الصبی والمجنون، لأن القطع عقوبۃ، وہما لیسا من أہلہا، لکنہما یضمنان المال’’ (شامی۳،۲۱۱)۔

‘‘ودخل فیہ نحو الزنا والقتل فی حق الصبی والمجنون، فإنہ محجور علیہما بالنسبۃ لحکمہ وہو الحد والقصاص’’ (شامی۵،۹۹)۔

‘‘وفی الأشباہ: الصبی المحجور مواخذ بأفعالہ، متضمن ما أتلفہ من المال للحال، وإذا قتل فالدیۃ علی عاقلتہ’’ (الدر المختار ۵،۱۰۱ کتاب الحجر)۔

ہندیہ میں ہے:

‘‘ولا توجب ہذہ المعانی الثلاثۃ الحجر فی الأفعال، حتی إن ابن یوم لو انقلب علی قارورۃ إنسان فکسرہا، وجب علیہ الضمان فی الحال، وإذا کان ذلک الفعل یتعلق بہ حکم یندرئ بالشبہات کالحدود والقصاص، فیجعل عدم القصد فی ذلک شبہۃ فی حق الصبی والمجنون، حتی لا یجب علیہما الحد بالزنا والسرقۃ وشرب الخمر وقطع الطریق والقصاص بالقتل، ہکذا فی العینی شرح الہدایۃ’’ (ہندیہ۵،۵۴-۵۵)۔

ہندیہ ہی میں ہے:

‘‘إذا زنی صبی أو مجنون بامرأۃ عاقلۃ وہی مطاوعۃ فلا حد علی الصبی والمجنون بلا خلاف .... وإذا زنی بصبیۃ فلا حد علیہما وعلیہ المہر الخ ’’ (ہندیہ۲،۱۵۰)۔

ان عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ شریعت نے زنا چوری، قتل وغیرہ جیسے جرائم کی جو سزائیں مقرر کی ہیں بچو نکو وہ سزائیں نہیں دی جاسکتیں، اس لئے کہ وہ مکلف نہیں ہیں، اور غیر مکلف سے قلم رکھا گیا ہے جیسا کہ پیچھے حدیث ذکر کی گئی، البتہ کسی کا مال ضائع کریں تو اس کا ضمان لازم ہوگا، چوری کریں تو مال کا ضمان دینا ہوگا، قتل کریں تو عاقلہ پر دیت ہوگی، زنا کریں تو مہر دینی ہوگی۔

پھر حکومت او رقاضی کو اختیار ہے، اگر بچہ کو جرم سے باز رکھنے کے لئے

اتنی ہی سزا کافی محسوس ہورہی ہو تو اسی پر اکتفا کی جاسکتی ہے، لیکن اگر محسوس ہو کہ صرف اتنی سزا سے جرائم کا سد باب نہیں ہوسکتا تو بطور تعزیر کچھ مزید سزا دی جاسکتی ہے، بشرطیکہ بچہ سمجھ رکھتا ہو، علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

''تعزیر کے وجوب کی شرط صرف عقل کا ہونا ہے، تو ہر ایسے عاقل کی تعزیر کی جائے گی جس نے ایسی جنایت کا ارتکاب کرلیا ہو جس کی کوئی مقرر کردہ حد نہیں ہے خواہ وہ .... بالغ ہو یا بچہ بشرطیکہ عاقل ہو....سو ائے عاقل بچہ کے کہ اس کی تعزیر تادیباً ہوگی، نہ کہ سزاکے طور پر ،اس لئے کہ ووہ اہل تادیب میں سے ہے، کیا آپ نے اس روایتکو نہیں دیکھا جس میں آنحضرتﷺ نے فرمایا: اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوجائیں اور ان کو اس کے لئے مارو جب وہ دس سال کے ہوجائیں، اور یہ تادیب اور تہذیب کے طور پر ہے، نہ کہ بطور سزا، اس لئے کہ سزا جنایت پر ہوتی ہے، اور بچہ کے فعل کو جنایت سے متصف نہیں کیا جاسکتا، برخلاف مجنون اور ناسمجھ بچہ کے اس لئے کہ وہ دونوں نہ اہل عقوبت میں سے ہیں نہ اہل تادیب میں سے '' (بدائع ۵۳۴،۵)۔

اوریہ تعزیر کن کن طریقوں سے دی جاسکتی ہے، اس کی تفصیل ہندیہ میں اس طرح کی گئی ہے:

''التعزیر قد یکون بالحبس، وقد یکون بالصفع وتحریک الأذن، وقد یکون بالکلام العنیف، وقد یکون بالضرب وقد یکون بنظر القاضی إلیہ بنظر عبوس کذا فی النہایۃ'' (ہندیہ۱۶۷،۲) (تعزیر کبھی قید کرکے ہوگی، کبھی طمانچہ لگا کر اور کان اینٹھ کر اور کبھی سخت سست کہہ کر اور کبھی مار کر اور کبھی قاضی کے ٹیڑھی نگاہ دیکھ کر)۔

خلاصہیہ ہے کہ بچے بھی جب جرم میں مبتلا ہوں تو ان کو صرف بچہ کہہ کر چھوڑا نہیں جائے گا، بلکہ جرم کے مطابق ان کو مناسب سزا دی جائے گی تاکہ صالح معاشرہ تشکیل پاسکے اور بچوں کی مناسب تادیب بھی ہوسکے، واللہ اعلم۔

سوال (و): بچوں کی جیل کے احکام:

ہم اوپر تفصیل سے بتا چکے ہیں کہ بچوں کو اصلاح اور تعزیر کے طور پر جیل میں بھی رکھا جاسکتا ہے، لیکن بچوں کو جیل میں رکھنے کا مقصد ان کی تادیب اور اصلاح ہے، لہذا تادیب کے ہر ممکن طریقہ کو اختیار کیا جاسکتا ہے جس میں ہلکی پھلکی مار پیٹ گوشمالی اور ڈانٹ ڈپٹ شامل ہے، بدائع کی عبارت میں تفصیل آچکی ہے کہ بچہ کی تعزیر تادیباً ہوتی ہے، اس کے لئے انہوں نے اس حدیث کا حوالہ دیا ہےجس میں نماز نہ پڑھنے پر بچوں کو مار لگانے کی اجازت ہے، لیکن ساتھ ہی اس میں صراحت بھی ہے کہ یہ تادیب کےطور پر ہے، سزا کے طور پر نہیں ہے، اس لئے کہ سزا جرم پر دی جاتی ہے، اور بچوں کے فعل کو جرم نہیں کہا جاسکتا۔

جہاں تک سخت مارپیٹ اور استحصال کا تعلق ہے تو بڑوں کے ساتھ اس کی اجازت نہیں ہے، تو بھلا بچوں کے ساتھ اس کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے، ہندیہ میں ہے:

''لاینبغی للقاضی أن یضرب محبوساً فی دین ولا غیرہ ولا یصفد ولا یقید ولا یغل ولا یمد ولا یجرد ولا یقیمہ فی الشمس'' (ہندیہ۳،۴۱۴)۔

(قاضی کو یہ نہیں چاہئے کہ قرض وغیرہ کی وجہ سے قید کئے ہوئے شخص کو مارے، نہ ہی اسے ہتھکڑی لگائے، نہ بیڑی ڈالے، نہ طوق ڈالے، نہ کھینچے، نہ برہنہ کرے، نہ اسے دھوپ میں کھڑا کرے)۔

سوال (ز) بے سہارا بچونکی کفالت:

جب بچہ کے ماں باپ دونوں موجود نہ ہوں تو اسلام نے ان کی خبر گیری کا عظیم الشان نظام بنایا ہے، یہ نظام اتنا مکمل ہے کہ اتنی ترقی کے باوجود دنیا کی قومیں اس کی مثال نہیں پیش کرسکتیں، چنانچہ والدین کی عدم موجودگی میں بچوں کی خبر گیری او ران کے مفادات کا خیال رکھنے کی ذمہ داری ترتیب وار اس طرح مقرر کی گئی ہے:

۱۔ اگر بچہ کے اصول موجود ہوں تو اس کے ذمہ دار وہی ہونگے، پھر دوبرابر درجہ کے اصول موجود ہوں جیسے دادا اور نانا، تو بچہ کی ذمہ داری دادا کے ذمہ ہوگی، اس لئے کہ دادا بچہ کی میراث کا حقدار ہے جبکہ نانا نہیں ہے، ''فإن تساؤوا فی القرب فالمفہوم من کلامہم ترجیحالوارث، ففی جد لأم وجد لأب، تجب علی الجد للأب فقط اعتباراً للإرث'' (شامی۲،۷۳۸)۔

۲۔ اگر بچہ کے اصول جیسے دادا اورنانا کے ساتھ حواشی جیسے بچہ کا چچا اور بھائی موجود ہوں، تو اگر فریقین میں سے کوئی فریق غیر وارث ہو تو نفقہ اصول پر ہوگا، چنانچہ دادا اور بھائی ہوں تو نفقہ دادا پر ہوگا، اور نانا اور چچا ہوں تو نانا پر ہوگا، اور اگر دونوں فریق وارث ہوں تو نفقہ دونوں پر ارث کے بقدر ہوگا (شامی۲،۷۳۸)۔

۳۔ صرف حواشی موجود ہوں جیسے چچا اور بھائی وغیرہ تو نفقہ وراثت کے بقدر انہیں پر ہوگا بشرطیکہ وہ ذی رحم محرم ہوں، غیر ذی رحم محرم پر نفقہ واجب نہیں ہوگا، ''الحواشی فقط والمعتبر فیہ الإرث بعد کونہ ذا رحم محرم '' (ایضاً)۔

اوپر بیان کردہ تفصیلات کے مطابق نفقہ اس وقت واجب ہوگا جب کہ یہ سب رشتہ دار مالدار اور شرعی اعتبا رسے غنی ہوں، لیکن اگر ان میں کوئی غریب اور تنگدست ہو تو اس وقت اس مینیہ کرینگے کہ اگر یہ دوسروں کو محروم کررہا ہو تو اس کو میت قرار دینگے، او راس کو میت قرار دینے کے بعد جو لوگ بچہ کے وارث بنتے ہوں ان پر ارث کے بقدر بچہ کا نفقہ مقرر کردیا جائے گا۔

اور اگر یہ دوسروں کو محروم نہیں کرتا تو اس کو زندہ شمار کرنے سے دوسرے وارثوں کو جس تناسب سے حصہ ملتا ہو اسی تناسب سے ان پر بچہ کا نفقہ ہوگا، ''ثم ہذا کلہ

إن كان جميع الموجودين موسرين ، فإن كان فيهم معسر، فتارةينزل المعسر منزلة الميت وتجب النفقة على غيره،وتارةينزل منزلة الحى، وتجب على من بعد بقدر حصصهم من الإرث" (شامی۲،۷۳۸، احسن الفتاوی۵،۴۷۱)۔

۴۔ اگر مذکورہ رشتہ داروں میں سے کوئی بھی نہ ہو، یا سب مسکین ہوں تو سرکاری بیت المال سے نفقہ دیا جائے گا، اس میں بھی گنجائش نہ ہو تو عامۃ المسلمین پر فرض ہے " (احسن الفتاوی۵،۴۷۲)۔

اس لئے کہ نفقہ میراث کے بقدر ہوتا ہے او رکوئی وارث موجود نہ ہو تو میراث بیت المال میں جمع کی جاتی ہے، لہذا اس کا خرچ بھی ورثاء کی غیر موجودگی میں بیت المال پر ہونا چاہئے (الشریفیہ شرح السراجیہ ،۱۱)۔

''والرابع (مما يوضع فى بيت المال) اللقطات .... وما أخذ من تركة الميت الذى مات ولم يترک وارثا .... وهذا النوع يصرف إلى نفقة المرضى وأدويتهم وهم فقراء .... وإلى نفقة من هو عاجز عن الكسب وليس له من تجب عليه نفقته" (ہندیہ۱،۱۹۱)۔

(بیت المال میں رکھی جانے والی چوتھی چیز لقطات .... نیز اس میت کا ترکہ ہے جو مرجائے اور کوئی وارث نہ چھوڑے.... اور اس قسم کےمال کو مریضوں کے خرچ اور ان کی دواؤں پر صرف کیا جائے گا بحالینکہ وہ تنگ دست ہوں .... نیز اس شخص کے نفقہ پر جو کمانے سے عاجز ہو اور کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جس پر اس کا نفقہ واجب ہوتا ہے)۔

رہاعامۃ المسلمین پر اس کا فر ض ہونا تو بچہ کا سلامت رکھنا ایک فرض کفایہ ہے، لہذا جس طرح کسی لاوارث کی تجہیز وتکفین کی ذمہ داری سب پر ہوتی ہے، اسی طرح بدرجہ اولی بچہ کے نفقہ کی ذمہ داری بھی سب پر ہوگی، ''وإن لم يكن من تجب عليه نفقته فكفنه فى بيت المال، فإن لميكن فعلى المسلمين تكفينه، فإن عجزوا سألوا الناس كذا فى الزاهدى'' (ہندیہ۱،۱۶۱)۔

سوال (ح) بچہ کو کسی کے حوالہ کردینا:

بچہ کی صحیح تربیت کرنا باپ کی ذمہ داری ہے، جیسا کہ ایک خاص عمر تک دیکھ بھال کرنا ماں کی ذمہ داری ہے، دونوں پر اپنے فریضہ کو انجام دینا ضروری ہے، نہ انجام دیں تو ان کو اس پر مجبور کیا جائے گا:

''فإن أكل وشرب واستنجى وحده دفع إليه ولو جبراً (قوله ولو جبراً) أى إن لم يأخذه بعد الاستغناء أجبر عليه كما فى الملتقى، وفى الفتح: ويجبر الأب على أخذ الولد بعد استغناءه عن الأم لأن نفقته عليه، وصيانته عليه بالإجماع" (شامی۲،۶۹۵)۔

(پھر جب وہ کھانے پینے لگے اور خود سے استنجاء کرنے لگے تو اسے باپ کے حوالہ کردیا جائے گا، خواہ جبر کرنا پڑے(مصنف کا قول خواہ جبر کرنا پڑے) یعنی اگر

باپ بچہ کے بے نیاز ہونے کے بعد اس کو نہ لے تو اس کو مجبور کیا جائے گا جیسا کہ الملتقی میں ہے، اور الفتح میں ہے: ماں سے مستغنی ہونے کے بعد باپ کو بچہ لینے پر مجبور کیا جائے گا ، اس لئے کہ اس کا نفقہ باپ پر ہے اور بالاجماع اس کی حفاظت باپ کے ذمہ ہے)۔

ان عبارات سے صاف معلوم ہوا کہ باپ بچہ کو دوسرے کے حوالہ کرکے اس سے لاتعلق نہیں ہوسکتا۔

جہاں تک ہدیہ قبول کرنے کا تعلق ہے، تویہ بھی قطعاً ناجائز اور حرام ہے، اس لئے کہ نام کچھ بھی رکھ لیا جائے یہ آزاد بچہ کا فروخت کرنا ہے اور آزاد انسان کی بیع باطل ہے، ''والعبرة فی العقود للمعانی لا للألفاظ''۔

خریدوفروخت روکنے کا طریقہ:

سوال میں وضاحت ہے کہ اس غیر انسانی فعل کی وجہ ماں باپ کی غریبی اور افلاس ہے، لہذا اس کا شرعی حل یہ ہے کہ ماں باپ مفلس ہوں تو ان کو شرعاً غیر موجود مان کر بچوں کی ذمہ داری ان کے بعد والے رشتہ داروں پر ڈال دی جائے، اور کوئی موجود نہ ہو تو اس کی ذمہ داری حکومتیا عامۃ المسلمین پر ڈال دی جائے، چنانچہ شامی کی عبارت پیچھے گزر چکی ہے، ''فلو کان فیہم معسر فتارۃینزل المعسر منزلۃ المیت'' (شامی۲،۷۳۸)، تفصیل کے لئے دیکھئے: سوال (ز)۔

علامہ حصکفی فرماتے ہیں:

''ما لم یکن ۔ الأب۔ معسرا فیلحق بالمیت، فتجب علی غیرہ بلا رجوع علیہ'' (الدر المختار ۲،۷۳۱) (جب تک کہ باپ تنگ حال نہ ہو، اس لئے کہ وہ تنگ حال ہو تو میت کے حکم میں ہوجاتا ہے اور بچہ کا نفقہ دوسرے پر ہوجاتا ہے جس کا اس سے رجوع بھی نہیں کیا جائے گا)۔

سوال (ط) بچہ کو دماغی اسپتال میں داخل کرنے کا حکم:

بچہ کا علاج معالجہ والد پر لازم ہے، لہذا باپ ضرورت کے مطابق اس کا علاج کرائے گا، آج کے عرف میں کبھی علاج کی ضرورت سے اسپتال میں ایڈمٹ کرانا پڑتا ہے، لہذا ضرورت پڑنے پر ایڈمٹ بھی کرسکتا ہے:

''وتجب النفقۃ بأنواعہا علی الحر لطفلہ یعم الأنثی والجمع (قولہ بأنواعہا) من الطعام والکسوۃ والسکنی، ولم أر من ذکر ہنا أجرۃ الطبیب وثمن الأدویۃ، وإنما ذکروا عدم الوجوب للزوجۃ، نعم صرحوا بأن الأب إذا کان مریضاً أو بہ زمانۃ یحتاج إلی الخدمۃ فعلی ابنہ خادمہ، وکذلک الابن'' (شامی۲،۷۲۸)۔

(اپنی تمام انواع سمیت آزاد پر اس کے بچہ کا نفقہ واجب ہے، بچہ میں اناث اور جمع بھی آگئے (تمام انواع سمیت)جیسے کھانا، کپڑے، رہائشی، میں نے نہیں دیکھا کہ یہاں کسی

نے ڈاکٹر کی فیس اور دواؤں کی قیمت کا ذکر کیا ہو، البتہ فقہاء نے بیوی کے لئے اس کے عدم وجوب کا ذکر کیا ہے، ہاں فقہاء نے صراحت کی ہے کہ باپ جب بیمار ہویا لاچار ہو اور اسے خدمت کی ضرورت ہو تو بیٹے پر اس کے لئے خادم مہیا کرنا واجب ہوگا او ریہی معاملہ بیٹے کے لئے بھی ہوگا)۔

ہمارا استدلال اس بات سے ہے کہ باپ پر ہمہ وقت خود نگہداشت کرنا واجب نہیں ہے، خادم سے بھییہ کام لے سکتا ہے، تو اسپتال کے تجربہ کار اسٹاف سے اس کی نگہداشت کرانا بدرجہ اولی درست ہوگا، بس شرط یہی ہے کہ بچہ کو واقعی اس کی ضرورت ہو صرف فرار حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔

اس کی دوسری دلیلیہ ہےکہ پرورش کے دوران دودھ پلانے کے لئے بچہ کو دایہکے حوالہ کرنے کا عربوں میں عام رواج تھا، خود آنحضرتﷺ کو بنو سعد میں حضرت حلیمہ کے ساتھ بھیجا گیا، فقہاء کی عبارتوں سے بھی اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، ‘‘کان لہا أن تحمل الولد إلی منزلہا فترضعہ’’ (ہندیہ۱،۵۶۱) (..... مرضعہ کو اجاز ت ہوگی کہ بچہ کو اپنے گھر لے جائے اور دودھ پلائے)۔

البتہ اگر بلا ضرورت باپ بچہ کو اسپتال میں داخل کرائے تو جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ بلوغ تک بچہ کو اپنے پاس رکھنے کا حکم ہے، بلوغ کے بعد اگر بچہ پر اطمینان ہو تو اس کو آزاد چھوڑا جاسکتا ہے، ورنہ نہیں، لڑکی ثیبہ ہو تو اس کا حکم بھی لڑکے کی طرح ہے، باکرہ ہو تو اسے اپنے پاس ہی رکھنے کا حکم ہے:

‘‘ویمسکہ ہؤلاء إن کان غلاماً حتییدرک الخ’’ (ہندیہ۱،۵۴۲)۔

‘‘والجاریۃ وغیر مأمونۃ علی نفسہا لا یخلی سبیلہا ویضمہا إلی نفسہ وإن کانت مامونۃ علی نفسہا فلا حق لہ فیہا ویخلی سبیلہا وتنزل حیث أحبت وإن کانت البالغۃ بکرا فللأولیاء حق الضم’’ (ہندیہ۱،۵۴۲)۔

***

اسلام میں بچوں کے حقوق اور ذمہ داریاں

مفتی حافظ سید صادق محی الدین فہیم•

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فطری طور پر بچوں سے محبت کے جذبات انسانی فطرت میں ودیعت کئے ہیں،یہی وجہ ہے کہ بچوں کی چاہت اور تڑپ ہر ایک کو ہو تی ہے، انسان تو انسان دیگر مخلوقات میں بھییہ جذبہ فطرتاکار فر ما ہے، اولاد اللہ تعالی کا ایک بیش بہا انعام و تحفہ ہے، بچے ماں باپ اور خاندان کے ہا تھوں میں ایک امانت ہیں، اس لئے اسلام نے ان کے حقوق کا بڑا تحفظ کیا ہے،اس حق میں پہلا حق تو یہ ہے کہ ان کی جان کی حفاظت کی جائے اور ان کی عمدہ نشوونما اور پرورش کے اسباب مہیا کئے جائیں۔ دوسرا حق والدین پر جو اولاد کا اسلام نے لازم کیا ہے وہ رضاعت و حضانت کا ہے، ماؤں پر دیانۃً واجب ہے کہ و ہ اپنے بچوں کو دودھ پلائیں، اس رضاعت کے حق کی مدت متعین ہے جو دو سال ہے، اس دوران بچے کے والد کا یہ فریضہ ہے کہ وہ بچے اور اس کی ماں کی عمدہ انداز میں کفالت کرے اور خوش دلی کے ساتھ دستور وعرف کے مطابق ان کی ضروریات کی تکمیل کرے،خاص حالات میں بچے کو اس کی ماں کے بجائے کسی اور عورت سے دودھ پلوایا جاسکتا ہے، رضاعت کی مدت میں اس فرض کی ادائیگی اسلئے ضروری ہے تاکہ بچے کی عمدہ نشوونما ہو ۔

حضانت: حضن سے مشتق ہے ،باعتبار لغت اس کے معنی پہلو ، دونوں بازو اور ان کے درمیانی حصے اور سینے کے آتے ہیں(لسان العرب، برحاشیۃ الموسوعۃ الفقہیہ۱۷؍۲۹۹)، شریعت کی اصطلاح میں حضانت کہتے ہیں بچے کے حق پرورشی کو (کشاف القناع۵؍۴۹۵، برحاشیۃ الموسوعۃ الفقہیۃ)، او ر یہ واجب ہے،اور یہ حق اسلام نے ماں باپ کے علاوہ محرم رشتہ داروں پر رکھا ہے،اور درجہ بدرجہ جن پریہ ذمہ داری عائد ہو تی ہے، اس کی تفصیل بیان کی ہے، اس تفصیل ووضاحت سے مقصود یہ ہے کہ اس حق میں کسی طرح کی کوئی کوتاہی نہ ہو بلکہ یہ حق پوری دیانت کے ساتھ بہتر اور اچھے انداز میں ادا ہو، کیونکہ اس حق کو اچھی طرح سے ادا نہ کیا جائے تو بچے کے ضائع ہو جا نے کا شدید خطرہ ہے، ماں باپ جب ایک ہونیعنی ان کے درمیان کوئی نزا ع کی وجہ سے طلاق یاخلع کی نوبت نہ آ گئی ہو تو ظاہر ہے، ماں باپ دونوں مل کر اپنی اپنی ذمہ داری نبھا تے ہوئے اور اپنا حق ادا کر تے ہوئے بچوں کی پرورش کریں گے

• سابق مفتی جامعہ نظامیہ حیدرآباد۔

لیکن جب دونوں کا رشتہ ازدواج باقی نہ رہے تو از خود یہ سوال سامنے آتا ہے کہ بچہ یا بچی اگر شیر خوار ہو یا زمانہ شیر خوارگی کی بعد کی عمر ہو تو ایسی صورت میں ان بچوں کے حقوق کی ذمہ داری کن کے سپرُد ہو گی؟ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سورۃ البقرہ میں اس کی صراحت فر مادی کہ:''مائیں اپنی اولاد کو کا مل دو سال تک دودھ پلائیں اور یہ مدت ان کیلئے ہے جو اس مدت رضاعت کو پو ری کر نا چاہتے ہیں ،مولود لہ یعنی والد پر ان کے ماں کے کھانے اور کپڑے کی دستور کے مطابق ذمہ داری رکھی گئی ہے،کسی نفس کو اس کی وسعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دی جاتی، بچے کی وجہ سے نہ کسی ماں کو ضرر پہنچایا جائے اور نہ اس کے والد کو اور وارث پر بھی اسی طرح کی ذمہ داری ہے،اگر وہ دونوں آپسی رضامندی و مشورہ سے دودھ چھڑانا طے کر لیں توان دونوں پر کوئی حرج نہیں ہے،اور اگر تم دودھ پلانا چاہو کسی غیر عورت سے تو اس میں بھی کو ئی حرج نہیں بشرطیکہ اس کا طے شدہ معاوضہ عرف و دستور کے مطابق عمدہ انداز میں اس کو ادا کردو، اللہ سے ڈرو اور جان رکھو جو کچھ تم کر رہے ہو اس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ دیکھنے والا ہے'' (البقرۃ ۲۳۳)۔

اس آیت پاک میں رضاعت و حضانت سے متعلق خصوصی احکام دئے گئے ہیں، اس آیت سے پہلے اور بعد والی آیات مینچونکہ طلاق کے احکام کا بیان ہے، عام طور پر طلاق کی وجہ بچوں کی پر ورش اور دودھ پلانے کے معاملات میں اختلاف پیدا ہو جا تا ہے،اور بسا اوقات یہ نزاع دراز ہو جاتا ہے،اسلئے اس آیت پاک میں اُس کا ایک اچھا حل پیش کیا گیا ہے،فطری طور پر دودھ پلانے کی ذمہ داری ماں کی بنتی ہے، اس لئے فر ما یا گیا ہے کہ مائیں خود اپنے بچوں کورضاعت کی کامل مدت تک دودھ پلائیں ،الاّ یہ کہ کوئی شدید عذر ہو، رشتہ ازدواج بر قرار رہے تو عام طور پر اس حق کی ادائیگی میں کو ئی مانع نہیں ہوتا، لیکن اگر رشتہ ازدواج منقطع ہو جائے تو بسا اوقات انتقام کے جذبات پر ور ش پا تے ہیناور ماں نفس کے زیر اثر فیصلہ کی بناء پر دودھ پلانے سے انکار کرسکتی ہے، اس لئے اس آیت پاک میں صراحت کر دی گئی کہ دیانۃً ماں پر یہ ذمہ داری بطور وجوب کے ہے،اس حق کی ادائیگی سے بلا کسی عذر کے انکار گناہ ہے،نکاح با قی رہنے کی صورت مینتومدت رضاعت میں دودھ پلاناماں پردیانۃً لازم ہے، شوہر سے کسی طرح کا کوئی معاوضہ و اجُرت کی طلب بھی نا جائز ہے،اور یہ حکم نکاح میں باقی رہنے والی ماں کا بھی ہے اور اس مطلقہ ماں کا بھی جو طلاق کی عدّت میں ہو،چونکہ ان دونوں صورتوں میں ان عورتونکے بنیادی مصارف کی ذمہ داری بچے کے والد پر ہے،اور اگر طلاق کی عدّت تکمیل پا چکی ہو تو اب اس عورت کو دودھ پلانے کی صورت میں اس کا معاوضہ طلب کر نے کی اجازت ہے،اس آیت پاک میں دودھ پلانے کی مدت دو سال بیان کی گئی ہے، اس پر اکثر ائمہ و فقہاء کا اتفاق ہے،امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں

مدت رضاعت ڈھائی سال ہے،ان کا استدلال اس آیت پاک ''وحملہ وفصٰلہ ثلثون شھرا''(الاحقاف: ١٥) سے ہے، اس لئے اگر کسی خاتون نے دو سال کے بعد ڈھائی سال کی مدت تک دودھ پلایا تو احکام رضاعت ثابت ہونگے، ایسا بعض فقہاء کا خیال ہے،لیکن حرمت رضاعت کے احکام کے ثبوت میں فقہاء احناف نے جمہورائمہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے یعنی دو سال کے بعد دودھ پلایا جائے تو حرمت رضاعت کے احکام ثابت نہیں ہونگے،اس اختلاف کی بناء اگر کوئی دو سال کے بعد اورڈھائی سال کے اندر دودھ پلائے تو نکاح کے باب میں احتیاط برتی جائے،یعنی رشتہ مناکحت قائم کر نے سے احتراز کیا جائے، البتہ اس مدت یعنی ڈھائی سال کے بعد بچے کو دودھ پلائے تو نا جائز ہے، جمہور فقہاء نے اسی آیت سے مدت حمل چھ مہینے اور مدت رضاعت دو سال ثابت کی ہے، کیونکہ ان تیس مہینوں میں حمل کی مدت چھ ماہ اور دودھ پلانے کی مدت چوبیس ماہ ہے، صدر بالا آیت میں حولین کاملین مذکور ہے، سورۃ لقمان آیت نمبر١٤ میں وفصٰلہ فی عامین فر مایا گیا ہے، جس سے مدت رضاعت دوسال ہونے کی تائید ہو تی ہے، سید نا علی کرم اللہ وجہہ ورضی اللہ عنہ سے بھییہی بات ثابت ہے۔

الف: اولاد سے محبت کے جذبات صرف انسانو نتک ہی محدود نہیں بلکہ یہ جذبات واحساسات دیگر تمام حیوانات میں بھی اللہ سبحانہ نے ودیعت فرمائے ہیں،یہاں تک کہ وحشی جانور بھی اپنے بچوں پر مہربان رہتے ہیں اور شفقت کا برتاؤ کرتے ہیں، بریں بنا ء اسلام میں حق حضانت کی بڑی اہمیت ہے، اسی لئے تفصیلاً اس کے احکام بیان ہوئے ہیں۔

ماں باپ کے حق حضانت کی مدت: اللہ سبحانہ و تعالی نے ماں باپ کے دلوں میں اپنی اولاد سے محبت کا بے پناہ جذبہ ودیعت کر دیا ہے، ہر دو چاہتے ہیں کہ اپنے بچوں پر اپنی محبت نچھاور کریں،اور محبت و شفقت سے پال پوس کر ان کو بڑا کرینلیکن اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ باپ کے مقابلہ میں ماں کا سینہ محبت سے زیادہ معمور بنایا گیا ہے، اس لئے کمسنی کے زمانے مینماں کو بچے کی پرورش کا حق دیا گیا ہے ، کیونکہیہ ایسا زمانہ ہے جس میں ان معصوم بچوں کیلئے محبت سے بھر پور شخصیت کی ضرورت ہو تی ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ماں کو اس کا پیکر بنایا ہے اسلئے اولاد میں اگر لڑکا ہو تو اختلاف اقوال کی بنیاد پر نو سال اورسات سال کی عمر تک ہے، لیکن مفتیٰ بہ قول پر سات سال تک، لڑکی ہو تو جوان ہو نے تک ماں کے زیر پرورش رہے گی، بعضوں نے نو سال حد مقرر کی ہے (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ٥،٦،١١٣٠) ۔

(والحاضنۃ) أماکان أو غیرھا (أحق بہ) أی بالغلام حتییستغنی عن النساء و قدر بسبع وبہ یفتی لأنہ الغالب (والأم والجدۃ) لأم أو لأب(أحق بھا) بالصغیرۃ (حتی تحیض) أی تبلغ فی ظاھر الروایۃ (الدرالمختار، کتاب النکاح، باب الحضانۃ١٣،٥٣ راجع المکتبۃ الشاملۃ)، لڑکا

جب سات سال کا ہو جائے اور لڑکی سن بلوغ کو پہنچ جائے تو ماں کا حق حضانت ختم ہو جائے گا او ریہ حق ان بچوں کے والد کو مل جائے گا،اسی طرح والد نہ ہوں تو دادا کو یہ حق دیا گیا ہے، (قولہ:ولا خیار للولد عندنا) أی إذا بلغ السن الذییںنزع من الأم یأخذہ الأب''(الدر المختار کتاب النکاح باب الحضانۃ۳۱؍۶۰)، اس منزل میں لڑکا اور لڑکی کی پر ور ش کی ذمہ داری اسلام نے باپ کو اس لئے دی ہے کہ وہ ان کی اچھے ڈھنگ سے تعلیم و تربیت کرسکے، چونکہ اس عمر میں بچوں کو تعلیم سے آراستہ کر نے اور تربیت سے نکھارنے کی سخت ضرورت ہو تی ہے، عمرکا یہ زمانہ سیکھنے اور پڑھنے کیلئے بڑی اہمیت رکھتا ہے، یہ سنہرا دور اگر گزر جا ئے تو بچے جیسی تعلیم و تر بیت کے ساتھ تیار ہو نا چاہئے تیار نہیں ہو سکتے ، اب اس زمانے میں ماں کے محبت بھرے پیار کے بجائے باپ کی مشفقانہ سر پر ستی کی ضرورت ہوتیہے ، جس میں بوقت ضرورت تادیب کر نے کی صلاحیت رکھی گئی ہے ، قدرت نے باپ میں مرد ہو نے کی حیثیت سے ایک رعب و دبدبہ رکھا ہے، جس کی وجہ سے بچے بآسانی تر بیت قبول کر تے ہیں، باپ کی زندگی پا کیزہ اور اسلامی تعلیمات سے مزین ہو تو اس کے مزید اور اچھے اثرات بچوں پر مرتب ہو تے ہیناور اس باپ کی دینداری کی وجہ بچے علم و اخلاق میں اور نکھرتے سنورتے ہیں ، الغرض اپنے بچوں کی پرورش کر نے کے اولین حقدار ، شریعت کے مقررہ مدت تک دئے گئے حق کی بناءپر ماں باپ ہیں جیسا کہ صراحت صدر سے ثابت ہے، تاہم اس مدت میں جس کو شریعت نے ماں باپ کے لئے تسلیم کیا ہے اس میں ان بچوں کی تعلیمی ،تربیتی ،جسمانی و نفسیاتی پہلو سے ماں باپ کی وجہ سے کسی ضرر کا اندیشہ ہو تو پھر ان سے ان کا یہ حق ساقط ہو جائے گا، ماں یا باپ کے فسق و فجور میں مبتلا ہو نے یا ان کے اسلام سے بر گشتہ ہو جا نے کی وجہ بچوں کے بھی فسق و فجور میں مبتلا ہو جا نے، یا ان کے مرتد ہو جانے کا خطرہ ہو، چونکہ حضانت کے لئے اسلام، بلوغ و عقل اور فاسق وفاجر نہ ہونے کی شرط ہے، اس لئے مانیا باپ مرتد ہوں یا جنون میں مبتلا ہوں یا ایسے امراض جیسے برص وغیرہ اور اس جیسے امراض جن کا متعدی ہونا ثابت ہویا جس سے لوگ نفرت کرتے ہوناور جن امراض سے محضون یعنی زیر پرورش بچوں کے اس جیسے امراض سے دو چار ہونے کا خطرہ ہو یا ایسے فسق و فجور جیسے کھلم کھلا شراب نوشی، چوری، زنا اور اسلام کے حرام کردہ لہوولعب میں مبتلا ہوں یا اس قدر بے دین اور اللہ سے بے خوف ہوں کہ نفس کے زیر اثر رہ کر بچوں پر حد درجہ ظلم ڈھاتے ہوں کہ جس کی وجہ سے بچوں کے جسمانییا نفسیاتی امراض میں مبتلا ہو جا نے کا خطرہ ہو تو ان جیسی ساری صورتوں میں ماں باپ سے ان کا یہ حق لے لیاجائے گا ''تثبت للأم النسبیۃ(ولو کتابیۃ أو مجوسیۃ) (بعد الفرقۃ إلاأن تکون مرتدۃ) فحتیٰ تسلم لأنہا تحبس (أو فاجرۃ) فجورا یضیع الولد بہ کزنا وغنا وسرقۃ ونیاحۃ کما فی البحر والنہر'' (رد

المحتار باب الحضانة۱۳،۲۰) ۔

‘‘الشروط العامة للحضانة.... البلوغ والعقل، فلا تثبت الحضانة لطفل ولا لمجنون أومعتوه لأن ہٰؤلاء عاجزون عن إدارة أمورہم وفی حاجة لمن یحضنہم فلا تؤکّل إلیہم حضانة غیرہم وہٰذا باتفاق فی الجملة .... الأمانة فی الدین فلا حضانة لفاسق لأن الفاسق لا یؤتمن، والمراد الفسق الذییضیع المحضون بہ کا لاشتہار با لشرب و السرقة والزنیٰ واللہو المحرم، إلا یکون للحاضن مرض معد أو منفر یتعدی ضررہ إلی المحضون کالجذام والبرص وشبہ ذٰلک ما یتعدی ضررہ إلی المحضون’’ (کشاف القناع ۴۹۹،۵، بحوالة الموسوعة الفقہیة۳۰۶،۱۷) (الفقہ علی المذاہب الاربع۱۱۳۵،۵) ۔

اس تناظر میں اگر ماں با پ ارتداد کے راستے پر چل پڑے ہوں یا اور کوئی ایسی مادییا روحانی تقاضوں کی تکمیل میں ماں باپ کو تاہی کا شکار ہو گئے ہو ں کہ جس کی وجہ اولاد کی جان و صحت کو یا ان کے دینیا ایمان کو کوئی خطرہ لاحق ہو گیا ہو تو اب وہ اسلام کے دئیے ہو ئے اس حق حضانت کے مستحق نہیں رہیں گے۔

ب: (۱) حق پر ورشی کا مقصود یہی ہے کہ مادی اعتبار سے بچوں کی بہتروصحیح نگہداشت ہو، ان کے کھانے کپڑے رہائش و دیگر بنیادی ضروریات جو اُن کے لئے ضروری ہینماں باپ اس کا انتظام کریں،بیماری کی صورت میں علاج و معالجہ کی ذمہ داری نبھائیناوریہ سارے امور پیار و محبت ،شفقت و مہربانی ،رافت و رحمت کے ماحول میں انجام پائیں،اور روحانی اعتبار سے دین حق پر قائم رہنے کے اسباب مہیا ہوں،ماں باپ ایسی اسلامی اقدار پر مبنی پاکیزہ زندگی گزاریں اور اپنے بچوں کیلئے دیندارانہ فضا بنائیں کہ جس میں پر ورش پاکر بچے اسلامی احکام کے مطابق زندگی گزارنے کے اہل بنیں، متقیانہ و پر ہیزگارانہ زندگی کو اپنا نصب العین بنائیں۔

اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ایک انسان اپنے رب کی معرفت حاصل کر کے مطمئن نہ ہو جائے بلکہ آگے بڑھ کر اپنے اہل و عیال کی اخروی کامیابی کی فکر کر تے ہوئے ان کے سینونکو بھی معرفت رب سے معمور کرنے کی سعی کر ے، ارشاد باری ہے اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیا ل کو اس آگ سے بچاؤجس کا ایندھن انسان اور پتھر ہونگے، جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے دئیے گئے حکم کی تعمیل کرتے ہیناور اسکی نا فر مانی نہیں کرتے (التحریم: ۶)، اس آیت پاک میں ایمان والوں کو ان کے ایک اہم فریضہ کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور ان کو ان کی بنیادی ذمہ داریاد دلائی گئی ہے کہ وہ نہ صرف اپنی اصلاح کریں اور اپنی شخصیت کو مومنانہ اعلیٰ کر دار کا حامل بنائیں اور اس کیلئے نہ صرف اپنی ذات کو اسلامی تعلیم و تربیت سے آراستہ کریں، بلکہ اپنی اولاد کو بھی اسی ایمانی واصلاحی رنگ میں رنگ دیں، تاکہ سب کی آخرت کامیاب ہو اور اپنے رب کی رضا حاصل ہو جا نے کی وجہ سے دوزخ کا ایندھن

بننے سے بچا جا سکے ، بچوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں حضرت سید نا محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب بچہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اُسے نماز پڑھنے کی تلقین کریں اور جب وہ دس سال کی عمر کو پہونچ جائے اور پھر و ہ نماز پڑھنے میں تساہل برتے تو اس کی تادیب کے لئے سرزنش کریں: ‘‘مروا صبیانکم بالصلاۃ إذا بلغوا سبعا واضربوہم علیہا إذا بلغوا عشرا’’ (سنن ا بی داؤد،۴۹۴، باب متییؤمر الغلام بالصلاۃ)۔

اللہ کے نبی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک ہے:‘‘ما نحل والد ولدا من نحل أفضل من أدب حسن’’ (سنن ترمذی کتاب البر، باب ما جاء فی أدب الولد، رقم الحدیث۱۸۷۵) (والد کی طرف سے اولاد کے لئے اچھی تعلیم وتربیت سے بہتر و افضل کوئی اور تحفہ نہیں)۔ حضرت سیدنا معاذؓ کو حضرت محمد رسول اللہﷺ نے دس باتوں کی وصیت فرمائی، اُن میں سے تین وصیتیں اولاد سے متعلق ہیں، اُن تین نصیحتوں میں سے ایک نصیحتیہ ہے:‘‘وأنفق علیٰ عیالک من طولک’’ (اپنے اہل وعیال پر اپنی بساط کے مطابق خرچ کرو)، دوسری نصیحت:‘‘ولا ترفع عنہم عصاک أدباً’’ (ادب سکھانے کے لئے اُن سے لکڑی اٹھا کرمت رکھو، یعنی تعلیم وتربیت ادب واخلاق سکھا نے کی طرف سے غفلت نہ برتو)، تیسری نصیحت:‘‘وأخفہم فی اللہ’’ (یعنی اللہ کے احکام کے بارے انکو ڈراتے رہو)(مسند احمدبن حنبل ۲۳۸،۵ رقم الحدیث۲۲۱۲۸)۔

حدیث پاک میں ارشاد ہے:‘‘طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم’’ (بیہقی شعب الایمان، مشکاۃالمصابیح۳۴،۱، کتاب العلم) (علم حاصل کرنا ہر ایک مسلمان پر فرض ہے)۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:‘‘تعلموا العلم وعلموہ الناس’’ (خود بھی علم سیکھو اور لوگوں کو بھی سکھلائو) (سنن الدارمی، باب الاقتداء بالعلماء، رقم الحدیث۲۲۱۱)، اس لئے والدین پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ خود بھی علم سیکھیں اور اپنی اولاد کو بھی علم سکھائیں۔

(۲) بچوں اور بچیوں کو کس قدر دینی تعلیم دی جائے، اور عصری تعلیم کس حد تک انکو دلائی جائے یہ ایک اہم سوال ہے، ظاہر ہے اللہ سبحانہ کی معرفت اور اخروی کا میابی کاراستہ دکھانے والا جو علم ہے وہ مقصود اصلی ہے، سورۃ العلق کی

ابتدائی آیت میں ارشاد ہے:‘‘پڑھئے اپنے رب کے نام سے جو سب کا پیدا کر نے والا ہے’’،ارشاد باری ہے: ۔ ‘‘اللہ سبحانہ سے تو اللہ کے بندونمینوہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں’’(الفاطر،۲۸)۔

ان آیات سے یہ بات واضح ہے کہ وہ علم مقصود اولین ہے جو اپنے رب کی معرفت میں ممد ومعاون ہو، اور جس سے اللہ سبحانہ کا خوف اور تقویٰ پیدا ہو۔

رسول پاکﷺ کے ارشاد پاک سے بھی اِس کی وضاحت ہوتی ہے:‘‘العلم ثلاثۃ وما

کان سوا ذلک فہو فضل: اٰ یۃ محمکۃ أو سنۃ قائمۃ، أو فریضۃ عادلۃ'' (ابوداؤد، کتاب الفرائض، با ب ماجاء فی تعلیم الفرائض) (علم تین ہینیعنی ایسے احکام جن کا حکم منصوصات سے ثابت شدہ ہو ، وہ منسوخ نہ ہوں اور معمول بہ ہوں یا وہ ایسی سنن ہوں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہونیا ایسے فرائض اور واجبات ہوں جس کو اسلام نے لازم کئے ہیناس کے علاوہ جو ہیں وہ زائد ہیں)۔

زندگی گزارنے کے سارے احکام و ہدایات کے ساتھ موت کے بعد کے مسائل جیسے میراث وغیرہیہ سب کے سب عدل پر قائم ہیں، آیت محکمہ، سنت قائمہ، فریضہ عادلہ،انکا اصل علم ہونا اِس حدیث سے ثابت ہے، بعض شار حین نے ان کے علاوہ دوسرے علوم کو علم ہی نہیں مانا، اور بعضوں نے کتاب وسنت کے بنیادی احکام کے علم کو سب کے لئے ضروری سمجھا اور اس کے علاوہ کے علم کو علم دین وشریعت کے زمرہ میں نہیں شمار کیا بلکہ ان کو سماج ومعاشرہ کی ضروریات سے متعلق رکھا ہے، یعنی ان زائد علوم کی تحصیل پر دین کا کوئی دارومدار نہیں پھر اِنْ زائد علوم میں انہیں علوم کی تحصیل مباح ہے جن سے انسانی سماج کی ضرورتیں وابستہ ہیں، اس لئے وہ علوم جو انسانی اخلاق وکردار پر ضرب لگاتی ہیں اور ان کو لہوولعب میں مشغول کرتی ہیں اور انسان کا رشتہ اللہ سے کمزور کرتی اور فکر آخرت سے ان کو محروم کرتی ہیں ان کی تحصیل مذموم وممنوع ہے، حضرت نبی پاکﷺ نے نفع بخش علم کی دعاء مانگی ہے:''اللہم إنی أسألک علماً نافعاً'' (مشکاۃالمصابیح،باب جامع الدعا ۶۲،۲ رقم الحدیث۲۴۹۸)، اور ان علوم سے پناہ چاہی ہے جو غیر نفع بخش ہیں:''اللہم إنی أعوذبک من علم لا ینفع'' (باب الاستعاذہ ۵۴،۲ رقم الحدیث۲۴۶۴)۔

کتاب وسنت کا وہ علم جو دینی واُخروی علم کہلاتا ہے اُس کے سراسرخیر ہونے اور نفع بخش ہونے میں تو کوئی کلام ہی نہیں، لیکن وہ علوم جو انسانوں کیلئے نافع ہوں اور جس سے انسانوں کی خدمت ہوتی ہو، اور ان کی بنیادی، سماجی ضروریات کی تکمیل ہوتی ہو، وہ بھی مستحسن اورمحمود ہیں، چنانچہ علوم طب ، کاشت کاری، سلائی ، کڑھائی، علوم ریاضی، وغیرہ سماجی ضروریات سے متعلق ہونے کی وجہ سے فرض کفایہ مانے گئے ہیں (مرقاۃ المفاتیح،۲۹۹،۱)، زبانوں کے اختلاف کو اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنی نشانی فرمایا ہے (الروم ۲۲،)، مختلف زبانوں جیسے عربی، فارسی، ترکی، انگریزی، ہندی، تلنگی، سنسکرت، پشتو، سندھی، بلوچی وغیرہ کا سیکھنایہ بھی مباح علوم میں شامل ہے بشرطیکہ ان کے سیکھنے کا مقصودخود نفع اٹھانا اور دوسروں کو نفع پہنچانا ہو، پھر ہر زبان کے مختلف اسالیب، لب و لہجہ جو اس کے بولنے والے کو انفرادی شناخت بخشتے ہیں، ظاہر ہے ان مختلف زبانوں کے ماہرین اور ان کے مختلف اسالیب سے واقفین امت میں

اگر ہونگے تبھی تو پیغام اسلام ان تک پہنچایا جا سکے گا، حضرت نبی پاک ﷺ سے پہلے جو انبیا ء کرام گزرے ہیں اور جو آسمانی صحائف وکتب ان پر نازل ہوئے ، وہ عبرانی وسریانی زبانوں میں نازل ہوئے ہیں ، اس سے خود مختلف زبانوں کے سیکھنے کی اہمیت واضح ہے ۔

وہ علوم جو موجودہ دور میں عصری علوم کی قبیل سے ہیں ان کے بارے میں محققینکی رائے ہے کہ علوم فلکیات (Astronomy)، ارضیات(Geology)، علم الماء (Hydrogens)، علم طب(Medical)، علم طبعیات (Physics)، علم البحر (Oceanology)، علم قانون(Law)، علم النفس(Psychology)، علم الاعضاء (Anatomy)، علم الجنین(Embryology)، علم نباتات(Botany)، علم الاخلاق(Manners)، علم الحیوانات (Zoology) وغیرہ جیسے علوم سے متعلق خود قرآن مجید میں کہیں اشارات اور کہیں تصریحات ملتی ہیں،اس سے ثابت ہے کہ علوم اسلامیہ کی تحصیل کے ساتھ دیگر مباح علوم بھی سیکھیں اور سکھا ئے جائیں تاکہ اخروی کا میابی کے ساتھ دنیا کی کامیابی بھی امت مسلمہ کو حاصل ہوسکے۔

دین کی دعوت کو دوسروں تک پہنچانے کیلئے بھی ضروری ہے کہ علوم عصریہ میں نہ صرف یہ کہ مسلمان کمال حاصل کریں بلکہ اِس دوڑمیں بھی وہ دوسروں سے آگے رہیں تاکہ اس سے خود انکو اور خلق خدا کو نفع پہنچے، علوم عصریہ میں درک، معاشی احوال کے استحکام اور احوال زمانہ سے باخبری کی وجہ ان کی بات مؤثر ہوسکے ،خاص طور پر وہ سائنسی تحقیقات جو فطرت کے پوشیدہ راز سے پردے اٹھاتی ہیں اور جس سے ایک انسان نظام فطرت کے خالق کو جانے بغیر نہیں رہ سکتا، اس طرح کے علوم سے جہانبہت سے مادی فوائد حاصل ہوتے ہیں وہیں رب کائنات کی معرفت سے ایک انسان کا سینہ سرشار ہوتا ہے اور اس کی وجہ معرفت رب سے محروم انسانوں کومعرفت الٰہی تک پہنچانے کا راستہ فراہم ہوسکتا ہے اور دنیاکے بعد کی حقیقی وابدی اُخروی زندگی کی حقیقتونکو سمجھنے اور سمجھانے میں مدد ملتی ہے،اس لئے ایسے والدین جوصاحب حیثیت ہوں اور جن کو اللہ سبحانہ نے بہت کچھ مال ودولت دے رکھا ہو، وہ اپنی اولاد کوحسب صلاحیت اسلامی وعصری علوم میں دسترس حاصل کرنے والا بنائینیا پھر بنیادی دینی تعلیم کے ساتھ،اعلیٰ سے اعلیٰ عصری علوم کی تعلیم دلوائیں تاکہ ان سے خاندان کے ساتھ خلق خدا کومادی وروحانی ہر دو طرح کانفع پہنچے ،اب رہے وہ والدین جومالی اعتبار سے متوسط ہینیا غریب ہیں تو وہ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اپنے بچوں کی بنیادی دینی تعلیم کے ساتھ اور دیگر علوم وفنون کی تعلیم کی فکر کریں۔

جہاں تک لازمی وضروری تعلیم کاسوال ہے وہ بنیادی اسلامی تعلیم وتربیت ہے، اس سے بچوں اور بچیوں ہر دوکو روشناس کرائیں اور حسب مقدرت جائز حدود میں رہتے

ہوئے جائز طور سے کمانے اورجائزومباح ضرورتوں میں خرچ کرتے ہوئے زندگی گزارنے کااہل بنائیں،یہ تو مالدار ، متوسط اور غریب ہر درجہ کے والدین پر لازم ہے ۔

(۳) اگرحکومت کسی خاص سطح تک تعلیم کو بچوں اور بچیوں کے لئے لازم قراردے تو مسلمانونپر اُ س کی پابندی شرعاً لازم نہیں رہے گی، ہاں اگر حکومت کی مقررہ سطح تک تعلیم دلانے میں بچوں کی روحانییا مادی منفعت ہو اور ان کی شخصیت کی تعمیر میں اس سے نکھار آتاہواور یہ تعلیم اسلام کے بنیادی مقاصد سے متصادم نہ ہو تومسلمانوں کو چاہئے کہ ضرورایسی سہولتوں سے استفادہ کریں،بشرطیکہ حکومت ان تعلیمی اخراجات کی کفالت کرے، اس سلسلہ میں والدین پراگر کوئی مالی بوجھ عائد ہوتا ہو اور والدین اس کے متحمل نہ ہوں، تو اس پابندی سے احتراز کیا جاسکتا ہے۔

(۴) جنس کی تعلیم، بچوں کا حق ہے یا نہیں، کیا اس کی تعلیم بھی ضروری ہے، جیسا کہ موجودہ سماج کے بعض گوشوں سے ایسی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ ظاہر ہے اسلام ایک پاکیزہ اور فطری مذہب ہے، اسلامی تہذیب،اس کی روایات فطری اقدار پر مشتمل ہیں، انسان اشرف المخلوقات ہے دیگر مخلوقات کے بالمقابل انسانوں کو عقل و فہم دی ہے، الٰہی نظام کی پابندی کا انکو مکلف بنایا گیا ہے اور ان کو تمدن بخشا گیا ہے۔ ظاہر ہے جب بچے سن بلوغ کو پہنچتے ہیں تو ان کے اندر وہ خوابیدہ طاقتیں فطرتاً بیدار ہوتی ہینجو قدرت نے مذکورہ مقصد کیلئے ودیعت فرمائی ہیں ،دین ومذہب سے اگر ان کا رشتہ جڑارہے تو وہ اس خواہش کی تکمیل کے لئے غلط راستہ اختیار نہیں کرسکینگے، اور ان کی وہ فطری طلب وخواہش انہیں جائز راستے سے اس کی تکمیل کی راہ دکھائے گی۔

قبل ازوقت بچو نکو جنسی تعلیم سے آگہی بخشی جائے تو اس کے مضر اثرات خود ان کی شخصیت پر کیا مرتب ہونگے اور سماج معاشرہ کو کیا نتائج بھگتنے پڑینگے ،اسکا اندازہ مغربی تہذیب کے دلدادہ وہ افراد نہیں کر سکتے جو مذہب بیزار اور اعلیٰ انسانی اخلاق واقدار سے عاری ہیں، جنسی جذبات انسانی شخصیت کا حصہ ضرور ہیں لیکن بجائے خود اصلاً مقصود زندگی نہینبلکہ فطرت نے ایک اعلیٰ ترین مقصد کے لئے وہ قُوٰی ودیعت کئے ہیں، اس لئے حسب ضرورت و مصلحت وبرموقع تو اس سے واقف کروایا جا سکتا ہے لیکن اس کو قبل ازوقت نصاب تعلیم میں شامل کرنے اوربچوں کو اسکی تعلیم دینے سے خطرہ اس بات کا ہے کہ شرم وحیاء کے تقا ضے رخصت ہونگے، اس سے انسانی اخلاق پر جو ضرب پڑ ے گی اور جو پاکیزہ اقدار مجروح ہونگے اس سے سماج کی پاکیزگی برقرار نہیں رہ سکے گی ،جنسی تفصیلات سے آگہی فطرت کا ایک راز ہے اور یہ راز عمر کے خاص حصہ میں فطرت کی طرف سے الہامی طورپر خود بخود کھلتا ہے، یہی کافی ہے ، ورنہ اس راز کے قبل ازوقت افشاء ہوجا نے سے تہذیب و تمّدن کی اعلیٰ قدریں باقی نہ رہ سکیں گی ،حیاء کی چادرتا ر تار ہو جائے گی، انسانی فطر ت کی

پاکیزگی حیاء کے تقاضوں کو باقی رکھنے ہی سے ممکن ہے، چونکہ حیاء ایک انسان کی پوری شخصیت کی حفاظت کر تی ہے ،سید نامحمد رسول اللہ ﷺ کا ارشا د ہے ''الحیاء شعبۃ من الإیمان'' (مصنف ابن ابی شیبہ باب ذکر الحیا ء وما جاء فیہ۸؍۳۳۴ رقم الحدیث۲۵۸۵۰) (حیاء ایما ن کے شعبوں میں ایک اہم شعبہ ہے) اور فر ما یا: ''إذا لم تستحی فاصنع ما شئت'' (السنن الکبریٰ للبیہقی باب بیان مکارم الاخلاق و معالیہا۱۰؍۱۹۲ رقم الحدیث۲۱۳۰۷) (جب حیا ء ہی ختم ہو جا ئے تو پھر جو چا ہے کرے)۔

سات سال کے آغاز سے بلوغ سے پہلے تک کا زمانہ ایک سنہرا زمانہ ہے ، اس زمانے میں بنیا دی دینی عقائد واحکام کی تعلیم دینے ،عبادات کے اہتما م کے ساتھ انسانی اعلیٰ صفات سے انکو مزین کرنے اور اخلاقی اقدار سے انکو سنوارنے، سماجی اور معاشرتی احوال سے انکو واقف کرانے کے لئے سوز وگداز، درد مندی وجگر سوزی سے انکی نشونما کرنے کی ضرورت ہے۔

البتہ مراہق یعنی قریب البلوغ بچوں اوربچیوں کو جب وہ جسمانی تغیرات و تبدیلیوں سے گزرتے ہیں اس سے انکو واقف کرا نا چاہیے تا کہ وہ نفسیاتی الجھن کا شکار نہ ہو ں اور یہ کا م ان لڑکوں کے قریبی احباب کرسکتے ہیں اورلڑکیوں کی مائیں اور وہ سہیلیاں انجام دے سکتی ہیں جو بلوغ کے مراحل سے آگے قدم بڑھا چکی ہیں،اس مادی دنیا میں ایک انسان اللہ کی دی ہو ئی نعمت عقل سے انسانوں کو در پیش ضرورتوں کو پوراکر نے کے لئے کوئی مشین بنا تاہے یا کسی مصنع میں کئی انسان اللہ کی دی ہوئی عقل کو استعمال کر کے ضرورت کی بہت سی اشیاء تیار کر تے ہیں، کمپنی ان کے استعمال کی ضروری تفصیلات بھی ان اشیاء کے خریداروں کے حوالے کر تی ہے تاکہ خریدار اُسکا صحیح استعمال کر سکیں،اگر ان ہدایات کے برعکس انکا استعما ل ہوتواس سے صحیح طورپر استفا دہ تو رہا ایک طرف، بسا اوقات نقصان و ضرر بھی ممکن ہو سکتا ہے ۔

اس لئے ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ عمر کے اس خاص حصہ میں ان بچوں کی دینی خطوط پر تر بیت کر یں، اسلامی احکام کی روسے جائزوناجائز،حلال وحرام کے درمیان فرق وامتیازکرنا سکھائیں ،خوف خدا وخوف آخرت انکے دلوں میں بٹھائیں،اللہ سبحانہ ہر آن اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے ،کا استحضار رکھنے اور اپنے اعمال کی آخرت میں جواب دہی کے تصورکو ہمیشہ تازہ رکھنے کی فکر کو دلنشین کرائیں تاکہ وہ اپنی اس جنسی صلاحیت کو غلط رخ پر نہ لے جا سکیں ،اور اپنی جوانی کو بے داغ رکھ سکیں۔

اس طرح بچوں کی پاکیزہ تربیت کرنے کی عمدہ ہدایات کے سا تھ اسلام نے فطری خواہشات کو دبایا نہیں بلکہ جائز راہ سے اسکی تکمیل کے لئے نکاح کا قانون بنایا ہے، مانباپ کا فر ض ہے کہ بلوغ کے بعد ان بچے ،بچیوں کے نکاح کا جلدازجلد انتظام کریں، اسلام نے نہ تو رہبانیتکو پسند کیا ہے، نہ ہی آزادانہ جنسی روش کی کوئی حمایت کی ہے

بلکہ ان دونوں کے درمیان افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اعتدال کی راہ بنائی ہے ۔

ج: نکاح کے باب میں جو احکام اسلام نے دئے ہینوہ بہت واضح ہیں، اولاد کا ایک حق یہ بھی ہے کہ والدین ان کے نکاح کا انتظام کریں، بلوغ کے بعد بچوں کے نکاح کا انتظام نہ کیا جائے او ر ان سے کوئی گناہ سرزد ہو تو والدین بھی اس گناہ میں شریک قرار پاتے ہیں، حدیث پاک میں ارشاد ہے:''من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وأدبہ، فإذا بلغ فلیزوجہ، فإن بلغ ولم یزوجہ، فأصاب إثما، فإنما إثمہ علی أبیہ'' (شعب الایمان للبیہقی باب حقوق الاولادوالاھلین۱۱،۱۳۷ رقم الحدیث۸۲۹۹)، اس حدیث کو گو کہ بعض شارحین نے ضعیف قرار دیا ہے، تاہم اس حدیثکی تائید دوسری حدیث سے ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ جس کی بیٹی بارہ سال کی ہو جائے اور اس نے اس کا نکاح نہیں کیا اور اس لڑکی سے گناہ کا ارتکاب ہو جائے تو اس کا گناہ باپ کو بھی پہنچے گا ''عن أنس ابن مالک رضی اللہ عنہما قال سمعت رسول اللہ ﷺیقول: فی التوراۃ مکتوب: من بلغت ابنتہ اثنتی عشرۃ سنۃ ولم یزوجہا فأصابت إثمًافإثم ذٰلک علیہ'' (شعب الایمان۱۱،۱۳۹۔ رقم الحدیث۸۳۰۳)۔

لڑکییا لڑکا جب جوان ہو جاتے ہیں تو وہ اپنی اس ضرورت کا احساس ضرور کر لیتے ہیں، لیکن حیا کی وجہ سے اظہار نہیں کرسکتے، اس لئے والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس حقیقت کا ادراک کریں اور جلد سے جلد ان کے نکاح کا بندوبست کریں۔ لڑکا جوان ہو تو وہ ازخود اپنا نکاح آپ کر سکتا ہے لیکن اگر لڑکی جوان ہو تو وہ ازخود اپنا نکاح آپ کر سکتی ہے یا نہیں اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، فقہاء احناف تو اس بات کے قائل ہیں کہ بالغہ لڑکی بھی اپنا نکاح اپنی مرضی سے کرنے کی مجاز ہے، لیکن اس کی فطری حیا اس میں مانع رہتی ہے، اس لئے بکثرت اولیاء ہی کے ذریعہ لڑکیوں کے نکاح انجام پاتے ہیں، البتہ ائمہ شوافع اس کی اجازت نہیں دیتے بلکہ ان کی رائے یہ ہے کہ ولی ان کا نکاح کرے، انعقاد نکاح کی صحت کے لئے یہ ضروری ہے، کیونکہ حدیث پاک میں وارد ہے :''لا نکاح إلا بولی وشاہدی عدل'' (المعجم الکبیر للطبرانی۱۸،۱۴۲ رقم الحدیث۲۹۹، المکتبۃ الشاملۃ) ۔

جہاں تک صغر سنی میں نکاح کرنے کی بات ہے تو اسلام نے اس کی بھی رہبری فرمائی ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالی نے ان لڑکیونکی عدت طلاق تین ماہ بتلائی ہے جو اب تک حائضہ نہیں ہو سکی ہیں، ظاہر ہے عدت کا سوال توطلاق ہی سے پیدا ہوتا ہے اور نکاح صحیح کے بغیر طلاق کا کوئی شرعی تصور نہیں، اس ارشاد سے خود نابالغہ لڑکیوں کے نکاح کا جواز ثابت ہو رہاہے، ''واللائییئسن من المحیض من نسائکم إن ارتبتم فعدتہن ثلثۃ أشہر واللائی لم یحضن'' (الطلاق ۴)۔

مشہور فقیہ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے اس آیت پاک سے ثابت کیا ہے کہ جب قرآن نے لم یحضن سے نابالغہ لڑکی کے عدت گزارنے کا حکم بیان فرمایا ہے اس سے خود

نابالغین کے نکاح کا جواز ثابت ہوتا ہے:''یجوز تزویج الصغیر والصغیرۃ إذا زوجہما الولی لقولہ تعالی:''واللائی لم یحضن'' فأثبت العدۃ للصغیرۃ وہی فرع تصور نکاحہا شرعاً'' (فتح القدیر ۳،۲۷۴)۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے کمسن لڑکے کا نکاح حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی کمسن لڑکی سے کر دیا تھا (مصنف ابن عبد الرزاق، رقم الحدیث۱۰۳۵۸) ،حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے لڑکے کا نکاح ان کی بھتیجی سے کمسنی ہی میں ہوا تھا (السنن الکبری،۱۳۸۱۷)، کمسن اولاد کانکاح اگر باپ یا دادا نے کر دیا ہے تو یہ نکاح شرعا معتبر مانا جائے گا ''إذا أنکح الصغار أبائہم جاز نکاحہم'' (مصنف ابن عبد الرزاق ۱۰۳۵۵)۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مبارک نکاح سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سے جب ہوا تو ان کی عمر چھ سال تھی، رخصتی کے وقت ان کی عمر نو سال تھی (بخاری ومسلم)۔

بزمانہ کمسنی ونابالغی نکاح کے جواز پر حضرات صحابہ کرام و تابعین عظام و شارحین امت رضی اللہ عنہم سب کا اتفاق ہے، کتاب و سنت و اجماع امت سے اس امر کے جواز کے باوجود نابالغ لڑکا یا لڑکی اپنا نکاح کر لینے کے خود مجاز نہیں،کوئی باشعور بچہ جو سن بلوغ کو نہ پہنچا ہو اور وہ اپنا نکاح آپ کرلے تو شوافع ومالکیہ کے ہاں اس کا نکاح منعقد نہیں ہوگا، البتہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ ایسے نکاح کو ولی کی اجازت پر موقوف مانتے ہیں،یعنی ولی اجازت دے تو نکاح منعقد ہو جائے گا ورنہ نہیں، نکاح کے بعد ولی کی اجازت سے پہلے اگر وہ بالغ ہو جائے تو اب اس کے بلوغ کی وجہ سے نکاح نافذ نہیں ہوگا، البتہ بلوغ کے بعد چونکہ اس کو خود ولایت حاصل ہو جاتی ہے، اس لئے اب اس کی اجازت سے بزمانہ نا بالغی کیا گیایہ نکاح جائز ہو جائے گا (بدائع الصنائع، الجزء الثالث ۲،۴۹۱)۔

بچپن کے زمانے میں کئے جانے والے نکاح میں بعض وقت بڑے مفاسد دیکھے گئے ہیں، اس لئے اس نکاح کے رواج کو فروغ نہیں دیا جانا چاہئے، بدلتے ہوئے حالات میں آگے چل کر زندگی میں کہیں بھی کوئی خرابی آسکتی ہے، اس طرح کے نکاح کے شرعی جواز کے باوجود نکاح کو زمانہ بلوغ تک مؤخر کیا جانا ہی بہتر معلوم ہوتاہے، لیکن اس جائز کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی اس کے خلاف کوئی قانون بنایا جاسکتا ہے۔

نکاح ایک فطری ضرورت ہے جس کو اپنے وقت پر انجام پا جانا چاہئے، اس سلسلے میں بڑی کوتاہی برتی جارہی ہے، موجودہ دور ترقی نے کئی اقتصادی اور تعلیمی مسائل کو شادی کی راہ میں رکاوٹ کاذریعہ بنا رکھا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، اللہ سبحانہ

وتعالیٰ کا ارشادہے:''وأنکحوا الأیامی منکم والصالحین من عبادکم وإمائکم إن یکونوا فقراء یغنہم اللہ من فضلہ واللہ واسع علیم'' (النور،۳۲) (تم میں سے جو مرد و عورت بے نکاح ہیں ان کے نکاح کا انتظام کر دو اور اپنے نیک اور صالح غلاموں اور باندیوں کا بھی، اگر وہ تنگدست بھی ہوں تو اللہ سبحانہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ تعالی کشادگی پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے)۔

اس آیت پاک نے اس مسئلہ کو آسان بنا دیا ہے، اللہ سبحانہ کا خود وعدہ ہے کہ بے نکاح افراد اللہ کی رضا کے لئے ازدواجی بندھن کو قبول کر لیں تو ان کے اقتصادی مسائل کو اللہ سبحانہ و تعالی خود حل فرمادے گا، موجودہ دور میں تہذیب مغرب نے بھی دنیا کو ایسے نظائر دئے ہیں جس سے بیک وقت دو کام جاری رکھے جانے کا ثبوت ملتا ہے، بہت سے مغربی نوجوان اور بہت سے وہ مشرقی نوجوان جو امریکہ پہنچ کر تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں، ہر دو تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے ضروری مصارف کی تکمیل کے لئے کسب معاش سے بھی منسلک ہوتے ہیں اور کئی ایک ایسے نوجوان جو مغربی تہذیب کے پرورده یا دلداده ہیں وہ اپنی تعلیم جاری رکھتے ہوئے نوجوان لڑکیوں سے تعلقاتِ عشق و محبت استوار کر لیتے ہیناور ان سے ناجائز جنسی تعلقات بھی قائم کر لیتے ہیں ، ٹھنڈے دل سے اس پر غور کیا جائے تو تہذیب نو نے محنت و کسب اختیار کر تے ہوئے سلسلہ تعلیم کو برقرار رکھنے اور ناجائز جنسی تعلق کے ساتھ تعلیم جاری رہنے کا عملی ثبوت پیش کر دیا ہے، ظاہر ہے اپنے ضروری مصارف کی تکمیل کے لئے محنت و کسب کرتے ہوئے تعلیم جاری رکھی جا سکتی ہے اور اسلام کے جائز طریقہ نکاح کو اختیار کر کے تعلیمی سفرجاری رکھا جا سکتا ہے، اس میں کوئی امر مانع نہیں ہے جب کہ پہلا غیر اسلامی ناجائز طریقہ معاشرہ کو اخلاقی گراوٹ و جنسی انارکی کی طرف لے جا رہا ہے اور دوسرا اسلامی طریقہ تعلیم جاری رکھتے ہوئے نکاح کر کے تسکین حاصل کرنے کا ہے جو انسانی زندگی اور اس کی باطنی طہارت کے ساتھ معاشرہ کی پاکیزگی پر دال ہے ،اقتصادی مسائل کے سلسلہ میں خاندان کے بزرگ اور والدین بھی بچوں کی ابتدائی ازدواجی زندگی کے ایام میں اخلاقی طور پر مالی کفالت کر کے ان کے حصول علم کی راہ کو آسان کر سکتے ہیں، چونکہ اسلام کا نظام اللہ کی رضا کے لئے باہمی تعاون کا نظام ہے، مالدار والدین کو چاہئے کہ وہ اس منزل میں اپنے بچوں کی مالی اعانت کر کے ازدواجی زندگی گزارنے مینان کی مدد کرتے ہوئے تعلیم حاصل کرنے کی راہ کو ان کے لئے آسان بنائیں، اس طرح تعلیم کی تحصیل آسان ہوگی، جب بچے خود کمانے کے قابل ہو جائیں تو وہ اپنے مصارف کا بار خود اٹھانے کے قابل ہو جائیں گے، اولاد کو بھی چاہئے کہ والدین جب ضعیف ہو جائیں اور محنت اور کسب کے قابل نہ رہیں اور ان کے ہاں مال بھی نہ ہو تو پھر وہ پوری بشاشت قلبی کے ساتھ اپنے والدین پر دل کھول کر حسب مقدرت

خرچ کریں۔

موجودہ دور کے اخلاقی انحطاط کے سبب ہونے والے جنسی جرائم و معاشرہ کی اخلاقی گراوٹ کے سیلاب بلا کے منہ پر بندباندھنے کے لئے اسلام کے جائز طریقہ نکاح کو بڑے پیمانہ پر فروغ دینے کی ضرورت ہے، اس کا بہتر اور احسن طریقہیہی ہے کہ بلوغ کے بعد بچے بچیوں کے نکاح میں ہر گز تاخیر نہ کی جائے اور نہ ہی اعلی تعلیم کی تحصیلیا اقتصادی مسائل کو اس راہ میں رکاوٹ بنایا جائے ۔

ناجائز جنسی تعلقات کے فروغ میں بر وقت نکاح کے نہ ہونے اور مخلوط تعلیم نے بھی بڑا غضب ڈھایا ہے ،اس لئے اسلامی مملکت کے ذمہ داروں کا فرض ہے کہ وہ مغربیتہذیب کے اس مخلوط تعلیمی کلچر کو جڑ پیڑ سے اکھیڑ پھینکیں، اسلامی احکامات کی پاسداری، حیا و حجاب کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے چلنے والا نظام تعلیم جاری کریں، غیر اسلامی ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ مخلوط تعلیمی اداروں سے اپنا رشتہ ناطہ توڑ لیں، ایمان عزیز ہے تو پھر اسلامی احکامات پر عمل پیرا رہتے ہوئے لڑکے اور لڑکیوں کے لئے علاحدہ علاحدہ تعلیمی ادارے قائم کرکے امکانی بلکہ یقینی مفاسد سے ملت اسلامیہ کی حفاظت کو یقینی بنائیں ۔

د: (۱) بچہ مزدوری کو بہت سے ملکوں مینقابل سزا جرم قرار دیا گیا ہے، بچے اللہ سبحانہ تعالیٰ کی نعمت، والدین، خاندان اور سماج کے ہاتھوں میں امانت ہیں، انکی حیثیت مملوک کی نہیں ہے، نہ تو وہ خرید و فروخت کی چیز ہیں ، قرآن پاک میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انکو اس عارضی و فانی دنیا میں زندگی گزارنے والوں کے لئے عارضی حیثیت ہی سے کیوں نہ ہو زینت قرار دیا ہے، اور کہیں اللہ نے اولاد کو فتنہ اور آزمائش سے تعبیر فرمایا ہے، یعنی انکے ذریعہ سے انسان کا امتحان ہوتا ہے ، خود اسکی اپنی ذات کے بارے میں بھی اور اولاد کے بارے میں بھی کہ اس نے کس حد تک حقوق کی ادائیگی میں سنجیدگی کا مظاہرہ کیا ہے۔

گلشنِ حیات کی ترو تازگی اور اس میں سکون و راحت کے اسباب میں سے ایک سبب بچے بھی ہیں، بچونکی پیدائش سے لیکر ان کے سن بلوغ کو پہنچنے تک اسلام نے ان بچوں کی عمدہ پرورش اور ان کی بہتر نشونما میں ان کی بنیادی ضروریات کے ساتھ تعلیم و تربیت کو بھی شامل کیا ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے نا بالغ بچوں کا نفقہ جبکہ ان کا مال نہ ہو اولاً والدین، پھر درجہ بدرجہ دیگر عصبات وغیرہ پر رکھا ہے،اس طرح اسلام نے بچوں کو کسب و محنت سے بے نیاز رکھا ہے، تا کہ وہ کسی ذہنی دبائو کے بغیر سکون و آرام سے محبت و شفقت کے ماحول میں پروان چڑھیں، والدینیا پھر افرادِ خاندان حسبِ موقع ان کی عمدہ تعلیم و تربیت کا نظم کریں، ان کی شخصیت کی ایسی تعمیر کریں کہ جس سے وہ سماج کے ایک

اچھے فرد ثابت ہوں، مستقبل میں ان کے ایک اچھے، دیندار و خدا ترس انسان اور ایک ماہرِ علم و فن بن کر ابھرنے مینان کے بچپن کی زندگی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، کسی عمارت کی تعمیر مینجس طرح بنیاد کی اہمیت ہے اسی طرح بچوں کی کمسنی کا زمانہ ان کی بہتر نشونماکے لئے ان کو علم و اخلاق سے آراستہ کرتے ہوئے ان کی شخصیت کی تعمیر کرنے کا ہے، بچوں کو معاشی مسائل سے دوررکھنے کا بنیادی مقصدیہی ہیکہ انکی زندگی کے یہ قیمتی لمحات ایک اہم اور بنیادی کاز مینلگیناور وہ تعلیم وتربیت سے مرصع اور عمدہ اخلاق کا پیکر بنیناور ملک کے ایک اچھے شہری اور ملت کے ایک اچھے خدمتگار ثابت ہوں، اسی لئے اسلام نے بچوں کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی ہے، سات سال کی عمر میننماز کی ترغیب اور دس سال کی عمر مینترکِ نماز کی صورت میں تادیب کے جو احکام ہیں وہ دراصل اسی مقصد کیلئے ہیں، ''مروا صبیانکم با لصلاۃ إذابلغوا سبعا واضربوہم علیہا إذا بلغوا عشرا'' (سنن ابی داؤد،۴۹۴، باب متییؤمر الغلام بالصلاۃ)، غزوئہ بدر مینجو قیدی بن کر آئے تھے انکی رہائی کیلئے مالی فدیہ کے بجائے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے کو فدیہ بنانا بھی اسی مقصد کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔

نابالغ بچوں کے والدین اگر حیات ہوں تو انکی تعلیم و تربیت اور انکے بنیادی مصارفِ زندگی کی ذمہ داری اسلام نے والد پر رکھی ہے، لیکن جو بچے اپنے والد کے سایہ عاطفت سے محروم ہوناور یتیمی کی زندگی گزار رہے ہوں انکی کفالت کی ذمہ داری درجہ بدرجہ عصبات پر رکھی گئی ہے، وہ بھی اگر اس کے اہل نہ ہونتو اسلامی مملکت کے بیت المال پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی ہے، غیراسلامی ممالک مینیہ ذمہ داری معاشرہ کے اغنیاء پر عائد کی گئی ہے، قران پاک مینیتامیٰ کے بڑے حقوق بتائے گئے ہیناور اس سے متعلق تفصیلی احکام دئے گئے ہیناور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی بڑی تاکید اور اس پر بڑی بڑی بشارتیں احادیثِ پاک میں وارد ہیں، جنت میں وہ حضرت نبی پاک سیدنا محمدرسول اللہ ﷺ کی قربت و معیت کے مستحق ہونگے (صحیح البخاری ، کتاب الطلاق ۴۸۹۲) ، اسلام نے کمزوروں کی بڑی رعایت رکھی ہے ان میں بچوں کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، کمسن بچوں کی دیکھ بھال اور انکی عمدہ کفالت کے احکام بیان کر کے انکومعاشی جھمیلوں میں پڑنے سے محفوظ رکھا ہے، بچوں کے نازک کاندھوں پر کسبِ معاش کا بوجھ لادا جائے تو ان کے تابناک اور محفوظ مستقبل کی ضمانت نہیں دی جا سکتی، مو جو دہ دور اخلاقی اقدار کے انحطاط کا دور ہے، خدا بے خوفی و آخرت فراموشی نے جہاں جرائم کو فروغ دیا ہے، وہیں معصوم و ننھے ننھے بچے بھی اسکی زد سے محفوظ نہیں رہ سکے ہیں، ساری دنیا میں بچوں کی نا قدری اور ان پر بیجا مظالم کی وجہ ایک تشویش کی لہر پیدا ہوگئی ہے ، سنجیدگی سے اس مسئلہ کے حل کیلئے کئی ایک نشستیں اکثر ممالک کے اربابِ حل و عقد نے رکھیں اور اس کیلئے منصوبہ بندی کی گئی،

چنانچہ اقوامِ متحدہ نے مورخہ ۱۴ دسمبر ۱۹۵۸ء اس سلسلے میں ایک قرار داد منظور کی اور ہر سال ۲۰ نومبر کو یومِ اطفال منانے کا اعلان کیا، دیگر اور ممالک نے بھیمختلف تواریخ مینیومِ اطفال منانے کی منظوری دی،۱۴ نومبر کو ہندوستان میں بھییومِ اطفال منایا جاتا ہے لیکنیہ ایک رسمی چیز بن کر رہ گئی، بچوں پر ہونے والے مظالم کا چونکہ اس سے کوئی مداوا ممکن نہیں تھا، اس لئے دنیا بھر میں بچوں پر ہونے والے مظالم کا خاتمہ ممکن نہیں ہو سکاہے، ساری دنیا میں عموماً اور بالخصوص ہندوستان میں بچوں کی صورتحال بڑی ابتر ہے۔

کمسِن بچوں کو کسبِ معاش کی بھٹی میں جھونکنا گویا ان کے مستقبل کو داؤ پر لگانا ہے، کمسن بچوں کے نازک کاندھوں پر کسبِ معاش کا بوجھ لادنا کئی ایک جسمانی و روحانینقصانات کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے، اس میں بچوں کے ذاتی نقصان کے ساتھ ساتھ خاندان اورملک و قوم کا نقصان بھی ممکن ہے، قدیم و جدید ہر دور میں اکثر علماء و ماہرینِ نفسیات اس بات پر متفق رہے ہیں کہ کمسن بچوں کو معاشی تگ و دو مینمشغول نہ کیا جائے، کیونکہیہ ان کی عمدہ نشو نما میں خلل انداز ہوگی، تعلیم و تربیت دینے اور عمدہ اخلاق و آداب کا ان کو خوگر بنانے میں معاشی مشغولیت بڑی رکاوٹ ثابت ہوگی، تعلیم وتربیت سے دوری، کھیل کود سے محرومی ان بچوں کی فطری آزادی کے زمانے میں ان کی عمدہ نشو نما میں سد راہ بنے گی۔

معاشی مشغولیت میں اگرمشینوں سے سابقہ ہو تو اس کے مضر اثرات دوہرے ہو سکتے ہیں، مشینوں کی آواز اور اسکی گڑگڑاہٹ دل و دماغ کو متاثر کرنے کے ساتھ سماعت و بصارت پر بھی اثر انداز ہو سکتی ہے، الغرض بچپن کا زمانہ ان بچوں کی سخت حفاظت ، دیکھ بھال او ر ان کی عمدہ تعلیم و تربیت کا نظم کرتے ہوئے ان کی نگہداشت رکھنے کا ہے، اس سلسلہ میں بعض فقہا جیسے ولوالجی نے اپنے فتاویٰ میں اورابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں صراحت کی ہے کہ بچوں کا جسم، ان کی عقل اور ان کی نفسیات کام میں مشغولیت کی اہلیت نہیں رکھتے ،کام کاج میں ان کو مشغول کرنا گویا ان کو تکلیف مالا یطاق سے دو چار کرنا ہے (الولوالجی: عبد الرشید (ت۵۴۰ھ،۱۱۴۵م) الفتاوی الولوالجیۃ، تحقیق مقداد بن موسی، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ط۱، ۲۰۰۳م۔۱۴۲۴ھ۔۳،۰۳۸۱۔ ابن حجرالعسقلانی:أحمد بن علی (ت۸۵۲ھ،۱۴۴۸م)،(فتح الباری بشرح صحیح البخاری، رتبہا محمد فؤاد عبد البا قی ، بیروت، دار المعرفۃ،۵،۳۹۶)۔

یہی وہ عوامل ہیں جو اس بات کی رہبری کرتے ہیں کہ شریعت نے بچوں پر کام کاج کی ذمہ داری نہیں ڈالی ہے، اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے ''لا یکلف اللہ نفساً إلا وسعہا'' (البقرۃ،۲۸۶) اور حدیث پاک میں وارد ہے:''رفع القلم عن ثلاثٍ:عنِ المجنونِ حتیٰیفیق، وعن الصبی حتییبلغ، وعن النا ئم حتیٰیستیقظ'' (سنن ابی

داود کتاب الحدود، رقم الحدیث۴۳۹۸) ، جہاں تک کمسن بچوں کی تربیت و پرورش کا سوال ہے اسکے ذمہ دار سب سے پہلے والد، وہ اگر نہ ہوں تو عصبات قریبہ ، یہ بھی نہ ہوں تو سماج کے مالدار اصحاب اسکے ذمہ دار بنائے گئے ہیں کہ وہ غریب خاندانوں کی اور غریب خاندان کے غریب بچوں کی کفالت کریں، حکو متیں بھی اسکی ذمہ دار ہیں کہ رعایا کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل مینوہ نمایاں رول ادا کریناور اپنے بجٹ میں رقم کا ایک معتد بہ حصہ اس مقصد کے لئے مختص کریں،اسلامی مملکت میں بیت المال اسی ذمہ داری کوپورا کرتے ہیں۔

حدیث پاکمیں وارد ہے: ــ ''کلکم راعٍ وکلکم مسؤول عن رعیتہ ،فالإمام راع وھو مسؤول، والمرأۃ راعیۃ فی بیت زوجہا وہی مسؤولۃ، والعبد راع علی مال سیدہ وہو مسؤول، فکلکم راع وکلکم مسؤول'' (صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب '' قوا أنفسکم و أھلیکم نارا '' ،رقم الحدیث۵۱۸۸)، اس حدیث پاک کی روشنی میں اس معاشرہ کا ہر فرد مسؤول ہے، اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہر ایک پر واجب ہے، ماں باپ اپنی اولاد کی اور خاندان کے افراد اپنے خاندان کے غریب بچوں کی تعلیم و تربیت کی فکر کریں اور ا ن کی تعلیمی و بنیادی ضرورتوں کی رعایت رکھیں ، ان سے اگر ذمہ داری پوری نہ ہو سکے تو سماج کے اغنیاءیا پھر حکومتیں اس فرض کی طرف توجہ کریں، اس احساس ذمہ داری میں ہر کوئی سنجیدہ ہو تو پھر کمسن بچوں کے کسب معاش میں مشغول ہونے کے واقعات میں کمی آسکتی ہے اور معاشرہ میں کمسن بچے جو اِس وقت اپنی غربت کی وجہ سے کھیل کود، پڑھنے لکھنے سے محروم اور کسب معاش کے بوجھ تلے دب کر ذہنی الجھن کا شکار ہیں، ا س کا بڑی حد تک تدارک ہوسکتا ہے، علما ء معاصرین میں محمد المبارک و عبد اللطیف بن سعید الغامدی بچوں پر کام کاج کابوجھ ڈالنے اور ان کو کسب معاش میں مشغول کرنے کے سخت مخالف ہیں، انہوں نے سورۃالبقرۃ کی آیت نمبر ۲۸۶ (لا یکلف اللہ نفساً إلا وسعہا) سے استدلال کرتے ہو ئے لکھا ہے: ـدلت الآیۃ علی عدم تکلیف الإنسان ما لا یستطیع ، و تکلیف الصغار بالعمل تکلیفاً بما لا یستطیعون ، فاجسادہم ضعیفۃ لا تقویعلی القیام بالأعمال الشاقۃ'' (حقوق الانسان للغامدی،۲۳۷)۔

احادیث پاک سے بھی انہوں نے استدلال کیا ہے:''عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال:عرضت علی رسول اللہ ﷺ فی جیش وأنا ابن أربع عشرۃ فلم یقبلنی'' (محمد بن عیسی الترمذی، ت۲۹۷ھ، ۸۹۲م، الجامع الصحیح ، کتاب الجھاد ، باب ما جاء فی حد بلوغ الرجل ومتییفرض لہ، قال الترمذی: حسن صحیح)، یہ حدیث پاک بچوں کو فوج میں بھرتی کرنے سے منع کر رہی ہے، اسی لئے رسول پاک ﷺ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کوانکی کمسنی و عدم بلوغ کی وجہ سے جہادمیں شرکت کی اجازت نہیں دی جبکہ

جہاد بھی ایک عمل ہے، ظاہرہے کام کاج کی جتنی انواع ہونگی وہ سب کی سب بچوں کے حق میں ممنوع ہونگی، اس میں بچوں کی جسمانی کمزوری، عقلی و نفسیاتی پہلوؤنکومد نظر رکھا گیا ہے۔

کسب معاش کی مشغولیت بسا اوقات بچوں کو غلط راہ پر ڈال سکتی ہے اور بچے فطری خلقت سے انحراف کی طرف قدم آگے بڑھا سکتے ہیں (دیکھئے:''تفصیل کے لئے ''نظام الاسلام۔ ـــــالاقتصاد، مبادئ وقواعد عامۃ لمحمد المبارک'' (بیروت ، دارالفکر ، ط۳،۱۹۸۱م، ص۶۰و۶۱۔ حقوق الانسان فی الا سلام للغامدی، الریاض ، مکتبۃ الملک فھد الو طنیۃ، ط ۱،۲۰۰۰ ،۲۶۳ ،۲۳۷)۔

بچوں کو معاشی مشغولیت میں مصروف کرنے کے واقعات، سابقہ ادوار میں بھی رہے ہیں اور موجودہ ترقییافتہ دور میں تواسکی شرح میں مزید اضافہ ہو گیا ہے، بعض قدیم شارحین بھی بچوں کو کا م کاج پر لگانے ، کاروبار و تجارت میں مشغول کرنے کے مؤید ہیں، لیکن انہوں نے یہ شرط رکھی ہے کہ بچے عاقل ہوں اور ممیز ہوں، مقصود یہ ہےکہ جو بچے خرید و فروخت کے معاملات میں نفع و نقصان کے درمیان تمیز کر سکتے ہوں ان کو بوقت ضرورت کام کاج میں مشغول کیا جاسکتا ہے، طفلِ ممیزکو بیع و شراء کی اجازت دی گئی ہے، البتہ بحیثیت اجیر اس کا معاملہ ولیکی اجازت پر موقوف رہے گا، حنفیہ، مالکیہ ، حنابلہ، ظاہریہ، اباضیہ، جعفریہ سب کا اس پر اتفاق ہے، اس رائے سے اتفاق رکھنے والے علماء نے ان آیات سے استدلال کیا ہے:''وابتلوا الیتامیٰ حتیٰ إذا بلغواالنکاح فإن آنستم منھم رشداً فادفعوا إلیھم أموالھم'' (النساء،۶) (یتامیٰ کو ان کے بالغ ہونے تک سدھاتے اور آزماتے رہو اور جب ان میں رشد یعنی سمجھداری ،حسن تدبیر دیکھو تو ان کا مال انکے حوالے کر دو)، یعنی اس آیت پاک مینیہ ہدایتیتامیٰ کے اولیاء کو دی ہے کہ وہ یتیم اور ممیز بچوں سے چھوٹے موٹے مالی معاملات کروائیں تا کہ ان کو آزمایا جا سکے(الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف للمرداوی۶ ،۳۶)۔ فقہاء کا ماننا ہے کہ سابقہ اور موجودہ دور کے احوال میں زمین و آسمان کا فرق ہے ، سابقہ و موجودہ دور کے بچونمیں بھی عقل و تمیز کے اعتبار سے بڑی تبدیلی دیکھی جارہی ہے ، بسا اوقات بعض اعمال کی ادائیگی میں بچے بڑوں سے پار نظر آرہے ہیں،معاشی و سماجی ہر سطح پر بچوں کو آگے لانے کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے، بچوں سے اگر معاملات کروائے جائیں تو ان کو دوسروں سے تجربہ حاصل ہوتا ہے اور آپسی تعلقات اور میل جول کی وجہ انسانیت کا احترام اور ان سے محبت انکے دل میں رسوخ پا سکتی ہے،کام کاج کا سیکھنایا کسی حرفت سے انکا وابستہ ہونا ان کے اندر مال کمانے کی اہلیت پیدا کرسکتا ہے اور کام کرتے ہوئے مسؤولیت کا شعور و احساس ان کے اندر اجاگر ہو سکتا ہے، اس لئے اہلیت کے لئے عقل و تمیز کافی ہیں ،صغیر کو بھی تصرف کی اجازت ملنی چاہئے۔ موجو دہ زمانے کی

مصلحت اسی بات کی متقا ضی ہے، جواز کی رائے رکھنے والے معاصر علماء میں عبدالفتاح ادریس، عثمان حسن ملّا، صالح العلی حسن احمدواسماعیل البدوی مشہور و معروف ہیں ، (تفصیلی بحث کے لئے دیکھیں: عمالۃ الأطفال من وجہۃ نظر اسلامیۃ لأدریس عبد الفتاح، الطفولۃ فی الاسلام مکانتہا وأسس تربیۃ الطفل لعثمان حسن ملّا،۷۳، عناصر الانتاجی لصالح العلی،۲۱۰ نظریۃ الأجور فی الفقہ الاسلامی، دمشق لِحسن احمد،۲۳ عناصرالأنتاج فی الاقتصاد الاسلامی و الاقتصاد الوضعی ''دراسۃ مقارنۃ'' لاسماعیل ابراہیم البدوی دیکھے جائیں)۔

اور وہ علماء جو تصرف صغیر کے قائل نہیں ہیں وہ تو یہی رائے رکھتے ہیں کہ کمسن و نابالغ اگر کوئی تصرف کرے تو وہ منعقد نہیں ہوگا، خواہ وہ ممیز ہو کہ غیر ممیز، ان کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ''ولا تؤتوا السفہاء أموالکم '' سے سفیہیعنی کم عقل کو اپنا مال حوالے کرنے سے منع کیا ہے، اور صدر بالا سورۂ نساء کی آیت۶ سے استدلال کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مالی تصرف کو بلوغ اور رشد کے ساتھ مربوط کیا ہے ،بطور آزمائش اور ان کی تربیت ہی کی غرض سے کیوں نہ ہو مال ان کے حوالے کرنا یا معاملات میں تصرف کی اجازت دینا غیر درست ہے (مغنی المحتاج الی الفاظ المنہاج ، بیروت ، دار الفکر ،۷،۲) ، تصرف صغیر کو جائز رکھنے والے علماء کے اس آ یت ''وأحل اللہ البیع وحرم الربوٰ'' (البقرۃ ۲۷۵) سے کئے گئے استدلال کاجواب دیتے ہوئے عدم تصرف کے قائل علماء نے کہا ہے کہ نصوص شرعیہ کے مخاطب مکلف ہیں جوعاقل وبالغ اور راشد ہوتے ہیں، اس لئے اس آیت کے حکم کو عام مان کر صغیر و کبیر سب کے لئے اس حکم کو یکساں ماننا غیر درست ہے، گو کہ اسکا اسکے قائلین نے جواب دیا ہے کہ عقود بیع و اجارہ میں تصرف صغیرکی ممانعت بذات خود مقصود نہیں ہے بلکہ اس کونقصان سے بچانے کی غرض سے ہے، چونکہ اس کی صغر سِنی و تجربہ کی کمی سے نقصان کا احتمال ممکن ہے لیکن اگر وہ صاحب سمجھ اور تمیز کی صلاحیت رکھتا ہو تو اسکے تصرفات کو درست مانا جا سکتا ہے ، اس تناظر میناگر زمانہ نا بالغی میں بچوں کو کام کاج میں لگانا ضروری ہو توبصورت مجبوری، بوقت ضرورت وبقدر ضرورت درجہ ذیل امور کی رعایت رکھتے ہوئے اس کی اجازت پر غور کیا جا سکتا ہے :

۱۔ بچوں سے جو کام لیا جائے وہ شرعاً جائز ہو۔
۲۔ بچے سمجھ بوجھ رکھنے والے ہوں۔
۳۔ بچوں کے اولیاءیاان کے وصی کی اجازت کے ساتھ ہو۔
۴۔ بچوں سے جو کام لیا جائے اس میں بچوں کی ظاہری مصلحت پیش نظر ہو۔
۵۔ بچوں سے لئے جانے والے کام کی نوعیت ، اسکی مدت اور اجرت کا تعین ہو۔
۶۔ ایسا کوئی کام ان سے نہ لیا جائے جس سے انکی تعلیم متاثر ہوتی ہو۔

۷۔ اس قدر انکو کام میں مشغول نہ کر دیا جائے کہ وہ کھیل کود کے لئے وقت نہ پا سکیں۔

۸۔ کام کی نوعیت اس انداز کی ہو کہ جس کو وہ سہار سکینیعنی ایسا کام نہ ہو کہ جس کی وجہ ان کے جسم، عقل ونفس متاثر ہوں یا پھر ان پر منفی اثرات مرتب ہوں۔

(۲) والدینیا اولیاء نا بالغ بچوں اور بچیوں سے حسب موقع و حسب ضرورت گھریلو کام کاج میں مدد لے سکتے ہیں، ظاہر ہے ان سے کام لیتے ہوئے درجہ بالا امور کو ضرور نظر میں رکھنا چاہئے، کام کاج کی ادئیگی میں اگر ان سے کوئی کوتاہی ہو یا وہ اس کام کی تعمیل نہ کر سکیں تو ان کی سرزنش نہ کرینبلکہ چشم پوشی سے کام لیں کہ اسی میں مصلحت ہے، ماہرین نفسیات نے بچوں کی ذہنی کیفیت کو عکس لینے والے کیمرہ سے تعبیر کیا ہے ، جو برتاؤ بڑوں کی طرف سے ان کے ساتھ کیا جاتا ہے وہ ان کے دل و دماغ پر مرتسم ہو جاتا ہے ، ظاہر ہے بڑوں کا برتاؤ اچھا ہو تو اچھے اثرات اور برا ہو تو اس کے برے اثرات ان کے دل و دماغ پر نقش ہو جاتے ہیں، زندگی تمام وہ اس کو بھول نہیں پاتے ، بچوں کی مثبت یا منفی شخصیت کی تعمیرمیں اس کا بڑا رول ہے، اس لئے ماں باپ کی بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی دیندارانہ و خدا ترسانہ زندگی سے اچھے نقوش چھوڑیں۔

حضرت نبی پاک سیدنا محمد رسول اللہﷺ جو انبیاء و مرسلین کے امام ہیں اور جہاں ساری مخلوقات میں اعلیٰ و ارفع فضائل و کمالات کے حامل ہیں وہیں انسانی فطرت کے بڑے نباض اور ماہر ہیں، موجودہ دور کے ماہرین نفسیات نے بچوں کی نفسیات پر تحقیق کے بعدجو رائے دی ہے، آج سے چودہ سو سال پہلے آپﷺ نے عملی طور پر انسانیت کو بچوں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کر کے انکے نفسیات کو مجروح ہونے سے بچانے کی تعلیم دی ہے، چنانچہ حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ کمسن تھے اور آپﷺ کی خدمت میں رہتے ہوئے تعلیم و تربیت پارہے تھے، ان کا کہنا ہے کہ ‘‘میں دس سال تک آپﷺ کی خدمت اقدس میں رہا ، آپ ﷺ نے کبھی مجھے ‘‘اُف’’ تک نہیں فرمایا ، آپ ﷺ نے اگر مجھے کسی کام کے کرنے کی ہدایت دی اور وہ میں نہیں کر پایا تو آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا ، اور کبھی آپﷺ نے کسی کام سے منع کیا ہو اور میں نے اسے کر لیا تو آپﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا ’’ (سنن الدارمی باب ما اکرم اللہ نبیہ۱،۱۱۴۔ رقم الحدیث۶۷) ۔ ماں باپ ہوں یا اولیاء بچوں سے گھریلو ضروری کام کاج لیتے ہوئے اس امر کو ضرور ملحوظ رکھیں۔

جہاں تک اپنے بچوں کومزدوری پر لگانے کا سوال ہے وہ اگر اچھے مقاصد کے تحت ہو تو ان کو کام پر لگایا جا سکتا ہے، اور بچوں کو کام پر لگانے کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں: ایک تو یہ کہ بچے ذہنی اعتبار سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی صلاحیت نہ

رکھتے ہوں یایہ کہ ماں باپ مالی اعتبار سے انکو اعلیٰ تعلیم دلانے کے موقف میں نہ ہوں تو بچوں کو انکی صلاحیت کے مطابق کسی پیشہیا ہنر سے جوڑا جا سکتا ہے تا کہ وہ اس ہنر یا پیشہ میں مہارت حاصل کر سکیں، دوسری وجہ ماں باپ کی غربت و تنگدستی ہے ، ظاہر ہے معاشی بنیادی ضروریات کی تکمیل والد کی آمدنی سے نہ ہو پا رہی ہو تو اس کی پا بجائی کے لئے بصورت مجبوری غریب والدین اپنے بچوں کو مزدوری پر لگاتے ہیں، لیکن ان صورتوں میں انکی بنیادی اسلامی و دینی تعلیم و تربیت سے غفلت نہیں برتی جانی چاہئے۔

(۳)اس لئے ماں باپ انتہائی غریب اور معاشی بد حالی کا شکار ہوں اور ایسے مجبور ہوں کہ وہ کمانے کے لائق نہ ہوں اور حکومت بھی ان کا تکفل نہ کرتی ہو ، ان جیسے ناگزیر حالات میں بچوں کو مزدوری پر لگایا جا سکتا ہے ، یہ ایک اضطراری صورت ہے ، لیکنبچوں کو کام پر لگاتے ہوئے ضرور اس بات کا احساس رکھنا چاہئے کہ وہ کام ایسے ہوں جس سے فی الوقت معاشی ضروریات پوری ہونے کے ساتھ اس سے بچوں کو ایسافائدہ ہو جس سے وہ مستقبل میناس کام کو اپنے لئے جائز روزگار حاصل کرنے کا ذریعہ بنا سکیں، ایسا ہرگز نہ ہو کہ موجودہ بنیادی معاشی ضروریات تو پوری ہوں لیکن بچوں کو اس کام کی وجہ سے مستقبل میں کوئی فائدہ پہنچنا ممکن نہ ہو۔

ہ: قبل از بلوغ لڑکوں یا لڑکیوں سے جرائم سرزد ہوں تو ان سے متعلق شرعی حکم کی تفصیل درج ذیل ہے:

شریعت مطہرہ کی رو سے بالغ افراد احکام کے مکلف ہیں ،نابالغ مجنون وغیرہ احکام شرع کے مکلف نہیں ، لڑکے ولڑکیوں میں بلوغ کی علامات پائے جانے پر وہ بالغ متصور ہوتے ہیں اور ان پر احکام شرع جاری ہوتے ہیں ۔ فطری طور پر بلوغ کی جو علامات ہیں وہ ظاہر نہ ہوں تو پھر کس عمر میں ان کو بالغ سمجھا جائے اور ان پر احکام شرع جاری کئے جائیں؟ اس باب میں فقہا کے درمیان اختلاف ہے، ایک قول یہ ہیکہ لڑکے اگر ۱۸ سال کے ہوجائیں تو وہ بالغ سمجھے جائینگے، لڑکیاں جب ۱۷ سال کی ہوجائیں تو وہ بالغ مانی جائینگی ، اس کو امام اعظم ابو حنیفہرحمہ اللہ(بدائع الصنائع ۷۲،۷) اور فقہاء مالکیہ نے اختیار کیا ہے (مواہب الجلیل۵۷،۵)، ان کااستدلال ان آیات پاک ‘‘ولا تقربوا مال الیتیم إلا بالتی ہی أحسن حتییبلغ أشدہ’’، اور ‘‘وابتلوا الیتامی حتیٰ إذا بلغوا النکاح فإن اٰنستم منہم رشدًا فادفعوا إلیہم أموالہم ولا تأ کلوہا إسرافا و بداراً أن یکبروا’’ سے ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پہلی آیت میں ‘‘أشدہ’’ سے مراد وہ لڑکا ہے جس کی عمر ۱۸ سال ہوجائے، دوسری آیت پاک میں ‘‘إذا بلغوا النکاح’’ سے مراد علامات بلوغ کا ظہور ہے، ان علامتوں کا ظہور نہ ہو تو پھر۱۸ سال کی عمر ہو جانے پر بلوغ کے احکام جاری ہونگے۔

اس بارے میں دوسری رائے یہ ہے کہ علامات بلوغ ظاہر نہ ہوں تو پھر ۱۵ سال کے ہونے پر وہ بالغ سمجھے جائینگے، صغیر و صغیرہ ہر دو کا یہی حکم ہے، شافعیہ ، حنابلہ اور ائمہ احناف میں امام ابو یوسف رحمہم اللہ اس کے قائل ہیں، اوریہی رائے سفیان الثوری، ابن المبارک و اسحاق رحمہم اللہ کی ہے (الأشباہ و النظائر ، المغنی والشرح الکبیر، بدائع الصنائع، شرائع الاسلام ، تحفۃ الأحوذی دیکھے جا سکتے ہیں)۔

امام شافعی رحمہ اللہ مذکورہ دوسری آیت سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں: یتا مٰی پر حجر یعنی صغر سنی، جنون یا کم عقلی وغیرہ کی بنیاد پر تصرفات مالیہ سے روکنے کی حد، بلوغ اور رشد ہے، لڑکا اور لڑکی جب ۱۵ سال کے ہوجاتے ہیں تو ان پر بالغ ہونے کے احکام ثابت ہو جاتے ہیں، ایک اور حدیث پاک کو بھی وہ استدلال میں پیش کرتے ہیں جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ غزوہ احد کے موقع پر جب ان کی عمر ۱۴ سال کی تھی تو ان کو شرکت کی اجازت نہیں دی گئی، اور جب غزوہ خندق کے موقع پر مجھے پیش کیا گیا جبکہ میں۱۵ سال کا تھا تو مجھے غزوہ خندق میں شرکت کی اجازت مل گئی (الترمذی، کتاب الجہاد باب ماجاء فی حد بلوغ الرجل و متییفرض لہ، رقم: ۱۷۱۰)۔

امام نافع بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث پاک عمر بن عبد العزیز کے سامنے بیان کی گئی جبکہ وہ خلیفہ تھے تو انہوں نے بالغ و نابالغ کے درمیان فرق کے لئے ا س حدیث پاک کو دلیل بنایا اور سارے کار پردازان حکومت کو لکھ بھیجا کہ جب کو ئی۱۵ سال کا ہوجائے تو اس پر احکامات بلوغ جاری کئے جائیں (صحیح مسلم، دار احیاء التراث العربی، بیروت۴،۲۰۵)۔

اس سے ثابت ہے کہ بلوغ کی ادنیٰ حد ۱۵ سال کی عمر کی تکمیل ہے، یہ بھی کہ ثبوت بلوغ کے لئے دراصل عقل کا پایا جاناہی مؤثر ہے ، علامات بلوغ کا ظہور بھی کمال عقل کی دلیل کے طور پر مانا گیا ہے۔

تیسری رائے یہ ہے کہ علامات بلوغ لڑکے و لڑکیوں میں ظاہر نہ ہوں تو ۱۷ سال کی عمر پوری ہونے پر بالغین کے احکام جاری ہونگے اور یہ ابن حزم الظاہری کی رائے ہے (المحلی۱،۸۸)، اکثر علماء و فقہاء نے دوسری رائے کو ترجیح دی ہے، یعنی لڑکا ہو یا لڑکی۱۵ سال کی عمر کوپہنچ جائیں تو ان کے بلوغ کا حکم لگے گا،ائمہ احناف میں صاحبین رحمہم اللہ کے ساتھ امام صاحب رحمہ اللہ سے بھی ایک رائے یہی ثابت ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ سے بھییہی قول منقول ہے (العنایۃ شرح الہدایۃ، فصل فی حد البلوغ۱۳،۲۲۸، مسند الامام الشافعی۶،۲۵)۔

نابالغ لڑکے یا لڑکی سے کسی جرم کاصدور ہو تو با لا تفاق ان پر حدود شرعیہ جاری نہیں کئے جائینگے، کتاب وسنت، اجماع اور معقول سے یہ ثابت ہے کہ صغیریا

صغیرہ سے کو ئی جرم سرزد ہو تو ان پر حدود شرعیہ کا نفاذ نہیں ہوگا، قرآن پاک کی ان آیات ''لایکلف اللہ نفساً إلا وسعہا''، اور ''لا تکلف نفس إلا وسعہا'' سے ثابت ہے کہ صغیر (نابالغ) سے جو امور سرزد ہوں جن کا وہ مکلف نہیں ہے تو وہ اس بارے میں قابل باز پرس نہیں ہے، کیونکہ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جائے گی، نبی پاک سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان ''رفع القلم عن ثلاثۃ:عن النائم حتیٰیستیقظ، وعن الصبی حتیٰیحتلم ،وعن المجنون حتیٰیفیق'' سے بھییہ ثابت ہے کہ نابالغین وغیرہ مرفوع القلم ہینیعنی وہ اپنے اعمال پرقابل مؤاخذہ نہیں اور جنایات میں بھی وہ مسؤول نہیں ہونگے، اور یہ بات قرین انصاف بھی ہے کہ کسی کو اس بات کی تکلیف نہ دی جائے جس کا وہ اہل نہ ہو۔

فقہاء شریعت اسلامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حدود سے متعلق جرائم کا اطلاق مکلف یعنی عاقل، بالغ اور اختیار رکھنے والے پر ہو گا، اور جو مکلف نہ ہو اس پر عدم اہلیت کی بناء جنایات کے صدور پر حدود شرعیہ کا اجراء نہیں ہوگا (التشریع الجنائی لعبد القادر عودہ ۱،۳۹۳)۔

قاتل اگر نابالغ ہو تو قصاص میں اس نابالغ قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا،البتہ نابالغ کے افراد خاندان پر دیت کا وجوب ہوگا ''منہا کون القاتل عاقلاً بالغاً إذ لا یجب القود علی المجنون والصبی أصلاً'' (فتح القدیر لابن الھمام، کتاب الجنایات۲۳،۱۵۹ راجع المکتبۃ الشاملۃ)۔

اس کے برعکس کوئی عاقل وبالغ فرد کسی نابالغ کو قتل کردے تو اس بالغ قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائیگا چونکہ عاقل وبالغ احکام شرع کامکلف ہے''ویقتل الکبیر با لصغیر'' (فتا ویٰ ہندیۃ ، الباب الثامن فیمنیقتل قصاصاً ومن لا یقتل۶،۳)۔

الغرض قصاص کے احکام تو مکلف یعنی عاقل وبالغ پر جاری ہونگے، غیر مکلف یعنی نا بالغ وغیر عاقل پر نہیں، البتہ نابالغ سے کسی کا قتل ثابت ہو جائے خواہ وہ عمداً یعنی جانے بوجھے ہو یا قتل غیر عمد(قتل خطاء) یعنی انجانے میں قتل ہو گیا ہو ہر دو صورت میں اس نابالغ پر دیت کا لزوم ہو گا جبکہ وہ مالدار ہو ، اگر وہ مالدار نہ ہو تو پھر دیت اسکے اولیاء اور خاندان والوں پر ہوگی اور اس نابالغ پر کفارۂ قتل بھی واجب نہیں ہوگا (الفتاویٰ الہندیۃ، الباب التاسع فی الامر بالجنایۃ۶،۳۰) جبکہ عاقل و بالغ قتل عمد کا مرتکب ہو تو قصاص جاری ہوگا اور قتل غیرعمد میں قصاص کا حکم نہیں لگے گا بلکہ دیت واجب ہوگی، قتل خطاء میں دیت کے ساتھ بالغ قاتل پر کفارۂ قتل بھی واجب ہو گا، کفارہ قتل یہ ہے: ایک غلام آزاد کیا جائے یا پھر دو ماہ کے پے در پے روزے رکھے جائیں۔

نابالغ اگر کسی دوسرے نابالغ کو کسی انسان کے قتل کرنے کاحکم دے اور وہ اس

کی بات مان کر اس کو قتل بھی کردے تو سوال یہ ہے کہ اس قتل کا ذمہ دار کس کو تسلیم کیاجائے گا؟ فقہا کی رائے یہ ہے کہ قتل کرنے والا نا بالغ ہی قتل کا ذمہ دار گردانا جائےگا، قتل کا حکم دینے والا ذمہ دار نہیں ہوگا، اس لئے قتل کرنے والے کے افراد خاندان پر ہی دیت واجب ہوگی، حکم دینے والے نابالغ کے افراد خاندان پر دیت کاوجوب نہیں ہوگا، اس لئے حکم دینے والے نابالغ کے عاقلہ سے اس رقم کی وصولی بھی نہیں کی جا سکے گی (حوالۂ سابق)۔

البتہ کوئی مکلف فرد نابالغ کو کسی انسان کے قتل کا حکم کرے اور نا بالغ اس کی تعمیل میں قتل کردے تو اس صورت میں بھی حکم کرنے والے بالغ فرد کو نہیں بلکہ نابالغ قاتل ہی کو ذمہ دار قرار دیا جائے گا،اور دیت اس نا بالغ قاتل کے اہل خاندان پر ہو گی لیکن نابالغ قاتل کے اولیاء اس دیت کی رقم، قتل کا حکم دینے والے عاقل و بالغ فرد سے وصول کرینگے (حوالۂ سابق)۔

الغرض اسلام میں انسانی جان کی بڑی اہمیت ہے، اسی لئے نابالغ سے اگر قتل کاصدور ہو تو اس سے قصاص تو نہیں لیا جائے گا لیکن دیت (خوں بہا) کا اس پر وجوب رہے گا، نابالغ کی ناسمجھی کی وجہ سے کوئی زخمی ہو جائے یا کسی کی آنکھ ضائع ہو جائے تو شریعت نے جس چیز کو واجب کیا ہے وہ اِرش یعنی مالی معاوضہ ہے ، اس مالی معاوضہ کا وجوب اس نابالغ بچے کے مال میں ہوگا، بچے کے ہاں اگر کوئی مال نہ ہو تو اس کے ہاں مال آنے تک مہلت دی جائے گی،اولیاء پر اس کی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی (فتاویٰ بزازیۃ علی ہامش الہندیۃ۶،۳۸۶) ۔

حد کانفاذ کمال اہلیتیعنی مکلف ہونے پر ہی ہوگا، تاہم صغیر پر عدم حد کے بارے میں اتفاق کے ساتھ بعضوں نے حسب ضرورت تعزیری سزا دینے کی حمایت کی ہے اور اسکے درجات بیان کئے ہیں ، دوسری مرتبہ چوری کا ارتکاب ہو تو اس کی تادیب کی جائے، تیسری مرتبہ میں اس کے ناخنوں کواس قدر رگڑا جائے کہ خون آنے لگے، چوتھی مرتبہ کی چوری پر اس کی انگلی کے پور کاٹ دئے جائیں ، پانچویں مرتبہ کی چوی پر مکلف کی طرح قطع ید کی رائے دی ہے (الروضۃ البہیۃ۲،۳۷۵) ۔

کسی نابالغ سے زنا کا ارتکاب ہو جائے تو ائمہ اربعہ کی با لاتفاق رائے یہ ہے کہ اصطلاح شریعت کے مطابق نفاذ حدود کی حیثیت سے اس کو زنا نہیں کہا جائے گا، کیونکہ اس کا عدم بلوغ نفاذ حد میں مانع ہے:''حتی إن وطأ المجنون والصبی العاقل لایکون زنا لأن فعلہما لا یوصف با لحرمۃ کذا فی محیط السرخسی'' (فتاویٰ ہندیۃ، الباب الثانی فی الزنا ، مکتبۃ الشاملۃ۲،۱۴۳)، اگر نا بالغ شادی شدہ ہو تب بھی اسے محصن نہیں سمجھا گیا اور اس بات پر تمام فقہا کا اتفاق ہے، ہردوصنف یعنی لڑکا و لڑکی دونوں کاحکم ایک ہی ہے (رد المحتار ۶،۳۳)۔

نابالغ کے متعلق زنا کے بارے میں تین صورتیں متصور ہوسکتی ہیں :

پہلی صورت ‘‘اشتراک الصغیر بالصغیرۃ فی الزنا’’ یعنی نابالغ کا نابالغہ لڑکی کے ساتھ جنسی فعل کا ارتکاب ، ظاہر ہے صراحت بالا کے مطابق ہر دو پر زنا کا حکم نہیں لگے گا اور نہ ان پر حد جاری ہوگی۔

دوسری صورت ‘‘اشتراک الصغیربا لبالغۃ فی الزنا’’ یعنی صغیر کابالغہ کے ساتھ زنا کا ارتکاب ، اس بارے میں فقہاء کی دو رائے ہیں : پہلی رائے یہ ہے کہ اس بالغہ پر بھی حد جاری نہیں ہوگی،یہ رائے حنفیہ (شرح فتح القدیر۱۵۶،۴) ومالکیہ (شرح الزرقانی۷۸،۸) کی ہے ، انہوں نے دلیل مینیہ حدیث ‘‘ادرؤا الحدود با لشبہات’’ (تحفۃ الاحوذی۶۸۹،۴) پیش کی ہے، اس لئے صغیر نے اگر کسی بالغہ عورت سے جنسی تعلق قائم کر لیا ہے اگر چہ کہ اس بالغہ عورت کی رضامندی شامل ہو، تب بھی اس بالغہ عورت سے حد ساقط ہو جائے گی (سبل السلام۱۵،۴)، کیونکہ اس صورت میں جرم کامل طور پر ثابت نہیں، اس لئے کامل سزا بھی جاری نہیں ہوگی (بدائع الصنائع ۲۳،۱۵، المکتبۃ الشاملۃ)، دوسری رائے یہ ہے کہ صغیر کے لئے تعزیر ہوگی اور بالغہ عورت پر حد قائم کی جائے گی، فقہا ء احناف میں اس دوسری رائے کے قائل ابو یوسف و زفر رحمہم اللہ ہیں اور شافعیہ بھییہی رائے رکھتے ہیں (روضۃ الطا لبین۴۱۰،۸)، حنابلہ کے ہاں اس صورت میں لڑکا اگر سترہ سال کا ہو تو اس پر حد جاری ہوگی ورنہ نہیں، اور یہی رائے ظاہریہ، امامیہ اور زیدیہ کی ہے۔

تیسری صورت اشتراک الکبیر مع الصغیرۃ فی الزنا یعنی بالغ مرد کا نابالغہ کے ساتھ زنا کا ارتکاب ، اس صورت میں بھی فقہاء کی دو رائے ہیں: پہلی رائے یہ ہے کہ صغیرہ اگر مشتہاۃ ہو تو بالغ مرد پر بالاتفاق حد ثابت ہے اور نابالغہ پر حد نہیں ‘‘ولا خلاف فی أن العاقل البالغ إذا زنی بصبیۃ أو مجنونۃ أنہ یجب علیہ الحد ولا حد علیہا’’ (بدا ئع الصنائع المکتبۃ الشاملۃ۲۳،۱۵) ۔ دوسری رائے یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں صغیرہ اگر مشتہاۃ نہ ہوتو بالغ پر حد جاری کرنے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، ایک رائے یہ ہے کہ بالغ پر حد قائم کی جائے گی، نابالغہ پر نہیں، البتہ اس کی تادیب کی جائے گی، احناف کییہی رائے ہے (شرح فتح القدیر)، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ سے بھی ایک روایت اسی طرح ثابت ہے اور امام اوزاعی بھییہی رائے رکھتے ہیں، نابالغہ پر عدم حد کی دلیل ‘‘رفع القلم’’والی حدیث سے لائی ہے اور دوسری رائے یہ ہے کہ بالغ مرد اگر کسی غیر مشتہاۃ سے زنا کرے تو بالغ مرد پر بھی حد جاری نہیں ہوگی، کیونکہ غیر مشتہاۃ جماع اوراس کے مبادیات کے قابل نہیں، اس لئے اس پر زنا کا اطلاق نہیں ہوگا ،‘‘لأن الصغیرۃ التی لا تصلح للجماع، لا تصلح لدواعیہ لأنہا غیر مشتہاۃٍ’’ (العنایۃ شرح الہدایۃ۳۶۹،۵)، مالکیہ سے بھی ایک دوسری روایت اسی طرح کی ہے (شرح الزرقانی۷۶،۸) ۔

اس لئے بعضوں نے اس رائے کو ترجیح دی ہے کہ زانی اگر بالغ ہو تو اس پر حد جاری کی جائے، موطوءہ مشتہاۃ ہو کہ غیر مشتہاۃ،کیونکہ سزاؤں کی مشروعیت ثابت شدہ زنا پر ثابت ہے جبکہ وہ مکلف سے سرزد ہو، اس میں معاشرہ میں رہنے والے انسانوں کی عزت و آبرو کا تحفظ ہے خواہ وہ بالغ ہوں کہ نابالغ، بالغین پر تو حد جاری کی جائے ، نابالغ کی تادیب کی جائے، ایک فریق بالغ اور دوسرا فریق نا بالغ ہواور شبہات کی بنیادپر بالغ سے بھی حد کو ساقط کر دیا جائے تویہ نابالغین کے ساتھ زنا کے واقعات کے وقوع پر حوصلہ افزائی کا باعث بنے گا، جبکہ زنا کا جرم بالغ کے ساتھ بالغ کا ہو تو اتنا ضرر و نقصان کا اندیشہ نہیں جتنا کہ ایک بالغ کا نا با لغ کے ساتھ اس جر م کی وجہ سے ممکن ہے، جسمانی، نفسیاتی اور اخلاقی اعتبار سے ایک نابالغ پر کیا اثرات مرتب ہو سکتے ہیں اس کا احساس ضروری ہے ، بچوں سے اگر جرم زنا سرزد ہو خواہ وہ آپسی رضامندی سے ہو یا جبر سے، ہر دو صورت میں بچوں پر حد تو جاری نہیں ہوگی لیکن رضا مندی سے ہونے والے زنا کی صورت میں خوب تادیب کی ضرورت ہے، البتہ ان بچوں کی دینی نہج سے تعلیم و تربیت کے ساتھ خاص طور پر اس طرح کے جرائم کی قباحت و شنا عت ان کے ذہن نشین کر وائی جائے، اس کے باوجود کسی نا بالغ یا نابالغہ سے باربار اس جرم کا ارتکاب ثابت ہو تو قاضئ اسلام اس جرم کی مناسبت سے تعزیری سزا جاری کر سکتا ہے، جہاں تک زنا با لجبر کا تعلق ہے وہ تو معصوم بچوں پربے نہایت ظلم ہے، بچے معصوم ہوتے ہیں اور ان معصوم بچوں کے ساتھ اس طرح کا جرم ان کی معصومیت کا پردہ چاک کرنے کے ساتھ ان کو جسمانی ونفسیاتی عوارض مینجھونکنے کے مترادف ہے، اس کے جو مضر اثرات ہیں بالغ کا بالغ کے ساتھ زنا کا جرم کرنے سے کہیں زیادہ خطرناک اور شرمناک ہیں ، زنا بالجبر کے شکار بچوں کے ساتھ حکومت و سماج کے ذمہ داروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کو خصوصی تحفظ فراہم کریں اور ان پر ہونے والے اس ظلم کے مضر اثرات کے تدارک کا خصوصی اہتمام کریں اور اس بات کی تفہیم کریں کہ معاشرہ کے کچھ درندہ انسان ا س طرح کے ہو سکتے ہیں ، سارے انسان ایسے درندہ صفت نہیں ہوسکتے تاکہ ان کے معصوم ذہن پر نفسیاتی اعتبار سے ان جیسے درندہ انسانوں پر قیاس کر کے معاشرہ میں رہنے والے سارے ا نسانوں کی تصویر جو اُن کے دل و دماغ میں بن سکتی ہے اس کا تدارک ہوسکے، اور معصوم بچوں کو اچھی صحبت اختیار کرنے کی اور سماج کے برے انسانوں سے دور رہنے کی تلقین کی جائے، کمسن بچوں کو مراہق لڑکوں اور بالغ انسانوں کے ساتھ تنہائی اختیار کرنے کا موقع نہ دیں، تعلیم کے لئے معلمین کے پاس بچوں کو پڑھاتے ہوئے بھی مطمئن نہ رہیں بلکہ ان پر بھی نظر رکھیں کیونکہ اس گوشہ سے بھی بعض مرتبہ بڑے دل آزارانہ و غیر انسانی حرکات کے صدور کا اظہار ہوا ہے، معلم بھی ایک انسان ہے وہ بھی شیطان و نفسِ امارۃ کے نرغہ میں پھنس سکتا ہے،

تنہائی کا موقع کسی شیطانی فعل کے لئے اس کو آمادہ کر سکتا ہے اس لئے حدیث پاک میں کسی نوجوان مرد کو کسی نوجوان عورت کے ساتھ خلوت و تنہا ئی سے منع کیا گیا ہے کیونکہ وہاں تیسرا شیطان موجود ہوتا ہے ''لایخلون رجل بامرأة فإن ثالثہما الشیطان'' (السنن الکبری للنسائی۵،۳۸۷)۔

موجودہ دور اخلاقی اعتبار سے بڑے انحطاط کا شکار ہے، دین و مذہب سے دوری ، خوف خدا و خوف آخرت سے غفلت کی وجہ سےاس وقت سماج اور معاشرہ میں جرائم کا وقوع بہت بڑھ گیا ہے، بالغ افراد کے ساتھ ساتھ نابالغ بچے بھی جرائم کے مرتکب ہیں، اور یہ مسئلہ اس وقت عالمگیر صورت اختیار کر گیا ہے، حکومتوں کے لئے بھییہ ایک بہت بڑا چیلنج ہے، ا س پر قابو پانے کے لئے اسلام نے جو ہدایات دی ہیں وہ سرمۂ بصیرت بنا لینے کے قابل ہیں۔ بچے اللہ کی امانت ہیں ان کی تعلیم و تربیت اور ان کے حقوق کی رعایت اور ان کے ساتھ شفقت و محبت کا برتاؤ ، اچھے برے کی تمیز، حق و باطل میں فرق کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے ، حلال و حرام کے احکام ، جائز و ناجائز کی تعلیم، بڑوں کا احترام ، چھوٹوں کے ساتھ شفقت ، مصائب و مشکلات کی صورت میں رجوع الی اللہ ہونے اور خوف خد ا اور خوف آخرت کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں اپنے کئے ہوے اعمال کی مسؤولیت کے استحضار کی تلقین ، صبر و برداشت، تحمل و بردباری ، سنجیدگی و متانت ، عفو و درگذر، چشم پوشی وغیرہ جیسے عالی صفات سے ان کو مزین کرنے سے معاشرے میں وقوع پذیر جرائم کادائمی سد باب ممکن ہو سکتا ہے کیونکہیہی بچے کل بڑے ہونگے اور جرائم اور برائیوں سے پاک ماحول میں ان کی تربیت ہو گی تو وہ بچپن میں بھی جرائم سے محفوظ رہیں گے اور بڑے ہو کر بھی نہ صرف جرائم سے نفرت کریں گے بلکہ معاشرہ کو بھی جرائم سے پاک و صاف رکھنے میں نمایاں رول ادا کرینگے، اس لئے حکومتوں کی ذمہ داری ہے اورحکومتوں کے ساتھ سماج کے اچھے شہری بھی اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ وہ صدر بالا امور کو بچوں کی تعلیم و تربیت میں شامل کر کے دیر پا اچھے نتائج کی امید رکھیں، بچوں میں پیدا ہونے والے جرائم کاعلاج تووقتی طور پر حسب حال تربیت اور حسب ضرورت تعزیری سزاؤں کے ذریعہ ان بچوں کی تادیب کر کے اس پر قابو پایا جا سکتا ہے، دیر پا حل کیلئے تو اسلامی احکامات و اخلاقی تعلیمات کی طرف رجوع ہوئے بغیر ممکن نہیں ہے ، اس لئے صدر بالا اسلامی ہدایات پر عمل آوری کو یقینی بنا یا جانا ضروری ہے ، عصری درسگاہوں میں بھی بچوں کو ان ہدایات عالیہ سے روشناس کرانا ضروری ہے، بچے خواہ کسی مذہب کے ماننے والے کیوں نہونکیونکہیہ مسئلہ کسی ایک مذہب کے ماننے والوں کا نہیں بلکہ معاشرہ میں رہنے والے سارے انسانوں کا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک ہمارے گھرانے انسانی اعلیٰ اخلاق کے پاسدار تھے اور مدارس میں نصابی تعلیم کے ساتھ اخلاق و انسانیت پر

مبنی اعلیٰ اقدار کی تعلیم نصاب میں شامل تھی، معاشرہ میں جرائم کی شرح نہ ہونے کے برابر تھی اور معاشرہ جرائم سے بڑی حد تک پاک وصاف تھا ، اور جب سے ہمارے گھرانوں سے اعلیٰ اخلاق رخصت ہو گئے ہیں بچوں کی اخلاقی تعلیم و تربیت سے بے توجہی ہو گئی ہے اور اخلاقی تعلیم کو جب سے نصاب تعلیم سے خارج کردیا گیاہے اس کے بعدسے یہ برے دن دیکھنے کو مل رہے ہیں۔

و: مجرمانہ ذہن رکھنے والے بچوں کی سرزنش اوراصلاح کے لئے بچوں کی جیلیں جو قائم ہیں اور ان جیلوں میں بچوں سے پر مشقت کام لئے جاتے ہینیا سخت مار پیٹ کی جاتی ہے تواس سلسلہ میں بھی اسلام کی ہدایات واضح ہیں، اسلامی نقطہ نظر یہ ہے کہ جرم کی وجہ سے اس کی انسانیحیثیت ختم نہیں ہو جاتی، اس لئے جو انسانی حقوق ہیں ان سے تو ان کو محروم نہیں کیا جا سکتا ، البتہ ثبوت جرم پر حسب دستور سزا دی جاسکتی ہے، لیکن دستوروقانون سے رو گردانی کرتے ہوئے یا انسانی حقوق سے محروم کرتے ہوئے جو سزا دی جائے گی اسلام اس کی حمایت نہیں کرتا، جیسا کہ آج کل قیدیوں کا طبقہ بھی ظلم و ستم کا شکار ہے۔ ذرائع ابلاغ کے ذریعہ جو روح فرسا خبریں انسانوں تک پہنچ رہی ہیں وہ دل دہلا دینے والی اور ان پر ہونے والے مظالم کا اندازہ قائم کرنے کیلئے کے لئے کافی ہیں، جب عاقل و بالغ اور مکلف قیدیوں کے لئے حقوق متعین ہیں اور جرم کی مناسبت سے سزاؤں کے اجراء کو روا سمجھا گیا ہے اور ان کے جرم سے زائد ان کو ایذاء پہنچانے والے غیرانسانی سلوک سے منع کیا گیا ہے تو پھرظاہر ہے نابالغ لڑکے و لڑکیوں سے جرائم کا صدور ہو تو ان کے ساتھ اور زیادہ انسانی سلوک کو ملحوظ خاطر رکھنا بے نہایت ضروریہے، بچوں سے جرائم کے صدور کی صورت میں صراحت صدر کے مطابق حدود شرعیہ تو ان پر جاری نہیں ہوں گے، البتہ جواب ‘‘ہ ’’ میں ذکر کردہ صراحتوں کو ملحوظ رکھنا چاہئے ، اسی سے جرائم پر قابو پایا جا سکتا ہے، دائمی ودیرپا نتائج کے لئے اسلامی ہدایات کے مطابق بچوں بلکہ بڑوں کی بھی تعلیم و تربیت ہو، اوروقتی طور پر اس مسئلہ کے حل کے لئے حسب جرم بچوں کو تعزیری سزائیں دی جا کر جرائم کے سدباب کی راہ اپنائی جائے۔ تربیت کی بڑی اہمیت ہے، اس تناظر میں جرم کی مناسبت سے ایسے کام لئے جا سکتے ہیں جو ان کے لئے قابل برداشت ہوں، نا قابل برداشت حد تک ان پر مشقت ڈالی جائے تو یہ انصاف و قانون کے مغائر ہونے کے ساتھ انسانیت کے بھی منافی ہوگا ایسی مار پیٹ کی بھی اسلام اجازت نہیں دیتا جس سے وہ جسمانییا نفسیاتی عوارض کا شکار ہو جائیں، ایسے تحقیر آمیز سلوک سے کوئی فائدہ تو حاصل نہیں ہوسکتا، البتہ الٹے یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے ان بچوں میں نفرت کے جذبات پرورش پائیں اور جرائم سے دوری اختیار کرنے کے بجائے اور مزید جرائم کے لئے ان کا ذہن تیار ہو جائے، اس لئے ایسی سزاؤں کے نفاذ کی حمایت نہیں کی جاسکتی جس سے نا بالغ بچوں کی منفی شخصیت

تیار ہو، اس کے برعکس ایسا سلوک روا رکھنے کی ضرورت ہے جس سے ان کے اندر ایک مثبت رجحان پیدا ہو۔

موجودہ حالات کے تناظر مینبچوں کی جیلوں میں ان کو کیسی سزائیں دی جائیں ، کیسا دل آزارانہ سلوک کیا جائے، اور کیسی ان کے ساتھ نفرت و تحقیر برتی جائے ، ذمہ دارانِ جیل کا اس پر غور و خوض سے کہیں زیادہ ان کی تربیت پر خصوصی توجہ کو ضروری سمجھا جائے اور مجرم بچوں سے نفرت و تحقیر کا برتاؤ کرنے کے بجائے ان سے محبت و شفقت کا رویہ اختیار کیا جائے، اور ان کو یہ احساس دلایا جائے کہ جرم نا پسندیدہ ہے ، مجرم نا پسندیدہ نہیں۔ اس طرز عمل کی وجہ سے انشاء اللہ وہ بچے جرائم سے نفرت کرنے اور ان سے دور ی اختیار کرنے کے لئے اپنے آپ کو آما دہ کر لیں گے ، اس خصوص میں ان کی عمدہ تربیت کرنے کے لئے روزانہ دروس رکھے جائیں، دین و مذہب اور انسانیت کی بنیادپر پاکیزہ اصول کی پاسداری کرنے اور خدا ترسانہ مزاج و طبیعت بنا نے میں ان کو اس سے بڑی مدد ملے گی۔

ز: وہ بچے جو بے سہارا ہوجاتے ہیں اس کے کئی اسباب میں سے چند اسباب یہ ہو سکتے ہیں کہ وہ اپنے ماں باپ سے بچھڑ جائیں،یا وہ بچے جو ولادت کے بعد کسی وجہ سے پھینک دئے جاتے ہینیا اور کوئی وجہ بھی ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے وہ ماں باپ کی شفقت و محبت کے سائے سے محروم ہو جاتے ہیں، ان جیسے بچوں کی گذر بسر اور ان کی ضروریات زندگی کی کفالت، تعلیم و تربیت وغیرہ جیسے بہت سے مسائل سامنے آتے ہیں، ظاہر ہے ان بچوں کو ایسے ہی بے یار ومددگار چھوڑا نہیں جا سکتا لیکن سوال یہ ہے کہ ان کے ان مسائل کاحل کیسے ہو؟ اور اس کے ذمہ دار کون قرار پائینگے ؟

ایسے بچے جن کو پیدائش کے بعد پھینک دیا گیا ہو اس کو شریعت کی اصطلاح میں ‘‘لقیط ” کہتے ہیں، بسا اوقات تنگ دستی وغربت یا تہمتِ زنا سے بچنے کے لئے چھوٹے بچوں کو پھینک دیا جاتا ہے۔ ان بچوں سے متعلق اسلام نے خصوصی احکامات دیئے ہیں ، جس کسی کو ایسا بچہ ملے وہ اسکی حفاظت کا ذمہ دار ہے، کسی ایسی بڑی شاہراہ پر ایسا بچہ نظر آجائے جہاں سے کئی افرادگزرتے ہوں اور بہت سے افراد کی نظر اس پر پڑسکتی ہواور کسی نہ کسی کے اس بچے کو اٹھا لینے کا یقین ہو تو ایسے بچے کا اٹھانا اور اس کی نگہداشت وپرورش کرنا فرض کفایہ ہے، یعنییہ نہ اٹھانے کا گنہگار نہیں ہوگا، لیکن اگر کسی ایسی جگہ پر پڑا ہو جہاں سے عام طور پر لوگوں کا گزرنا زیادہ نہیں ہوتا ایسے بچے کو اس جگہ سے نہ اٹھایا جائے تو اس کی ہلاکت کا یقین ہو تو پھر اس کو اٹھانا اور اس کی حفاظت وپرورش کرنا فرض عین ہوجائے گا ‘‘التقاطہ فرض کفایۃ إن غلب علیٰ ظنہ ہلاکہ لو لم یرفعہ، ولو لم یعلم بہ غیرہ ففرض عین’’ (الدر المختار علیٰ ہامش ردالمحتار۴؍۲۶۹ کتاب اللقیط المکتبۃ الشاملۃ)۔

مقصود یہ ہے کہ اس بچے کی جان ضائع ہونے سے بچ جائے، ایسے بچے کو اٹھانا فرض کفایہ ہو یا فرض عین جب بچہ کو کسی نے اٹھا لیا ہے تو اب اس کی پرورش اور اس کی نگہداشت اس پر لازم ہو جاتی ہے ، اٹھانے والے کو اٹھا لینے کے بعد دوبارہ اس کواسی جگہ واپس ڈال دینایا کہیں اور چھوڑدیناشرعاً منع ہے، ''و ینبغی أن یحرم طرحہ بعد التقاطہ لأنہ وجب علیہ با لتقاطہ حفظہ فلا یملک ردہ إلی ما کان علیہ'' (البحر الرائق، کتاب اللقیط۴۱،۷۰)۔

اب ایک اہم سوال یہ رہ جاتا ہے کہ جس بچہ کو اٹھایا گیا ہے اس کو کس دین و مذہب سے منسوب کیا جائے؟ آیا مسلمان سمجھا جائے یا غیر مسلم؟

فقہاء کرام نے اس سلسلہ میں واضح رہبری کی ہے اسکی روشنی میں اس مسئلہ کوبآسانی حل کیا جا سکتا ہے، ملنے والا بچہ مسلم آبادی میں پایا گیا ہو اور اس بچے کا اٹھانے والا بھی مسلم ہو تو اس بچے کو بھی مسلمان مانا جائے گا ،خواہ وہ مسلم ملک ہو یا غیر مسلم (فتح القدیر، کتاب اللقیط۱۳،۳۵۴)، اس لئے غیر اسلامی ممالک کی مسلم بستیوں میں وہ بچہ ملے اور اٹھانے والا بھی مسلمان ہو تو اس پر ضرور عمل ہو۔ اٹھانے والا اگر غیر مسلم ہو اور آبادی مسلمانوں کی ہو تب بھییہی حکم ہوگا جو اوپر مذکور ہوا ہے ''ولو وجدہ ذمی فی مصر من أمصار المسلمین وفی قریۃ من قراہم یکون مسلما'' (بدائع الصنائع ۵،۲۹۱)۔

اوپر ذکر کردہ دونوں صورتوں کے برعکس اگربچے کا اٹھانے والا بھی غیر مسلم ہو اور وہ غیر مسلم آبادی مینیا غیر مسلموں کے مذہبی مقامات یا اس کے قرب میں پایا گیا ہو تو اسے غیر مسلم سمجھا جائے گا، بعض فقہاء نے اس میں مسلم و غیر مسلم کے درمیانفرق کیا ہے یعنی اگر بچہ مسلم ملک میں پایا جائے خواہ وہ کسی جگہ ملے ، دار(اسلامی ملک) کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو مسلمان مانا جائے گا ''کان اللقیط الموجود فی دارالإسلام مسلماً تبعاً للدار'' (شرح الزیادات۶،۲۱۰۱)، اسلام چونکہ دین فطرت ہے اسلئے لقیط کے بارے میں واجد یعنی پانے والے اور دار یعنی اسلامی ملک مینیا غیراسلامی ملک کی مسلم بستی میں پائے جانے کا اعتبار راجح ہے، اس لئے ملنے والا بچہ دارالکفر (غیر اسلامی ملک) میں پایا جائے تو وہاں آبادی کا اعتبار مانا گیا ہے۔ اگر وہ غیر مسلم آبادی میں ملے اور اٹھانے والا بھی غیرمسلم ہو تو اس بچے پر کافر ہونے کا حکم مانا جائے گا ، لیکن اگر مسلم آبادی میں وہ بچہ ملے اور وہ بچے کو اٹھانے والا بھی مسلمان ہو تو اس کے مسلم ہونے کا حکم لگے گا (بدائع الصنائع ۴۱،۶۷، المکتبۃ الشاملۃ)۔

کسی ایسے بچے کے بارے میں مسلم و غیر مسلم میں تنازع ہو ، دونوں بھی اس کے اٹھانے کے دعویدار ہوں اور وہ دونوں اس کی پرورش و پرداخت، نگرانی و حفاظت کرنا چاہتے ہوں اور یہ معاملہ حاکم عدالت کی پیشی میں پہنچ گیا ہو تو حاکم کو چاہئے کہ

اس حق کو مسلم کے لئے تسلیم کرے اور یہ فیصلہ دے، کیونکہ ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے، اس کا خاندان اور ماحول اس کو باطل کی طرف لے جانے کا سبب بنتا ہے ''کل مولود یولد علی الفطرة فأبواہ یہودانہ و ینصرانہ ویمجسانہ'' (المعجم الکبیر للطبرانی۱،۲۸۳ رقم الحدیث۸۲۸)، اس لئے اس کو مسلم مانا جائے اورمسلم ہی کے سپرد کیا جائے، یہی بات قرین انصاف ہے اور اس میں اس بچے کی دین ودنیا کی بھلائی ہے (الدر المختار مع رد المحتار ۶،۴۲۵)۔

ایسا بچہ جس کے بارے میں دعویدار دو مسلم یا دو غیر مسلم ہوں اور وہ دونوں مسلم یا دونوں غیر مسلم اس کی پرورش وپرداخت کرنے کے متمنی ہوں تو قاضی کو چاہئے کہ لقیط کے لئے جس میں فائدہ محسوس ہو اس کے حق میں فیصلہ دے ، وجوہ ترجیح میں دین و دیانت، تقویٰ و پرہیزگاریا مادی اعتبار سے خوشحالی و تونگری کو پیش نظر رکھ کر لقیط کے حق مینجو صورت بہتر ہو سکتی ہو اس کو اختیار کرے اور اس کا فیصلہ دے ۔

لقیطیعنی جس بچے کو اٹھایا گیا ہے اس کی پرورش اور اس کی بنیادی ضروریات کی کفالت تو اس کے اٹھانے والے کا حق ہے ، اس کو عمدہ انداز سے نبھائے اور اس کے ساتھ رحمت و مہربانی ، شفقت و محبت کا برتاؤ رکھے لیکن اس کے باوجود اس کو یہ حق نہیں دیا گیا ہے کہ اس کی نسبت اپنی طرف کرے اور اس کو اپنا بیٹا اور اپنے آپ کو اس کا والد بتائے ۔ عام طور پر موجودہ دور میں لا ولد جوڑوں کا دوسروں کے بچوں کو لے کر یا ایسے مراکز سے جہاں ایسے لاوارث بچے دستیاب ہوں قانونی کاروائی کر کے حاصل کر نے کا رواج عام ہے ، ان سے اکثر یہ غلطی سرزد ہوتی ہے کہ اس بچے کو اپنی طرف منسوب کر لیتے ہیں اور ان کا ماں باپ ہونا ظاہر کرتے ہیں ، اس کی اجازت گو کہ غیر مسلم ممالک کے قانون میں درست قرار دی جاتی ہے لیکن اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اُن کے والدین کا نام معلوم ہو تو انصاف کی بات یہی ہے کہ ان کے والدین ہی کی طرف ان کو منسوب کیا جائے ، اور اگر ان کا اتہ پتہ نہ چل سکے تو ان کو اپنا دینی بھائییا دوست مانا جائے ''ادعوہم لآبائہم ہو أقسط عند اللہ، فإن لم تعلموا آبآئہم فإخوانکم فی الدین ومواليكم'' (الاحزاب۵)، بعض احادیث میں اس غلط انتساب پر بڑی سخت وعید وارد ہے، لقیط سے متعلق یہ وہ احکام ہیں جن پر عمل اسلامی ممالک میں تو آسان ہے لیکن غیر اسلامییا جمہوری طرز کے ممالک میں ان پر عمل آوری بظاہر ممکن نہیں، ا گر ملکی قانون و دستور کی روشنی میں مذکورہ صدر وضاحتوں کے ساتھ عمل کرنے میں آسانی ہو تو اسی پر عمل کیا جائے ، غیر اسلا می ممالک کے مسلم باشندگان کے لئے اگر حکومت سے اس طرح کے مسائل میں تعاون حاصل نہ ہو تو اپنے طور پر ان جیسے بچوں کی حفاظت و صیانت کا عمدہ اور بھر پور نظم کرینتاکہ اس مسئلہ پر قابو پایا جاسکے۔

ظاہر ہے ایسے بچے حکومت اور قوم کے ہاتھوں ایک امانت ہیں، ان کے صاحب شعور ہونے تک ان کی مالی کفالت کریناور ان کی تعلیم وتربیت کا نظم رکھیں، ملک پر حکومت کرنے والوں کی بڑی بھاری ذمہ داری ہے کہ رعایا کی حفاظت و نگہداشت اور مالی وسائل سے محروم افراد کے لئے زندگی گذارنے کے ذرائع مہیا کریں، اس لئے ایسے بچوں کے لئے ادارے قائم کئے جائیں جہاں ان کو ہر طرح کا تحفظ ملے اور ماں باپ سے بچھڑ جانے کی بڑی حد تک تلافی ہو سکے، حکومتیں اگر اس ذمہ داری کے نبھانے سے پہلو تہی کریں تو سماج کے دردمند اصحاب ثروت کو آگے آنا چاہیئے اور ایک ایسا منصوبہ تیار کرنا چاہئے جس سے اس طرح کے بچوں کو سہارا مل سکے اور ان کے لئے ایک ایسا ماحول فراہم کرنا چاہیے جو اُن کے لئے خاندانی ماحول کی جگہ لے سکے۔

قدیم سے یتیم خانوں کانظام رہا ہے، اب بھی شہروں میں کہیں کہینیتیم خانے موجود ہیں لیکن وہ پہلے کی طرح کار کرد نہیں ہیں ان کو کار کرد بنانے کی ضرورت ہے، جہاں یتامیٰ اور بے سہارا بچوں کی دیکھ بھال و نگہداشت کے ساتھ ان کی تعلیم و تربیت اور ان کی بنیادی ضروریات کی کفالت کا انتظام ہو اور ان اداروں پر ایسے افرادکو سربراہ مقرر کیا جائے جو دین و تقویٰ، دیانت وامانت کے پیکر ہوں اور جن کے دل انسانی درد سے معمور ہوں۔

موجودہ دور میں دینی مدارس، خاص طور پر جمہوری ممالک میں چلنے والے یہ ادارے اس ضرورت کو بڑی حد تک پوری کر رہے ہیں ۔

البتہ وہ بچے جو نومولود ہوں یا اتنے کمسن ہوں کہ وہ اپنی ضروریات آپ خود پوری نہ کرسکتے ہوں تو ان کی پر ورش کی ذمہ داری ان کو اٹھانے والے نبھائینیا ان کی پرورش کے لئے ایسے مراکز قائم کریں جہاں صحیح معنی میں ان کی نگرانی و دیکھ بھال ہو سکے، مغربی تہذیب نے ‘‘بے بی سنٹرس ’’ کی بنیاد ڈالی ہے، عورتوں و مردوں کے درمیان مساوات کا خوش کن نعرہ، غیر اسلامی و غیر فطری نظام زندگی کی پسندیدگی نے اس طرح کے مراکز قائم کرنے پر ان کو آمادہ کیا ہے، ماں باپ اپنے چھوٹے بچوں کو ایسے مراکز کے حوالے کر سکتے ہینیا نہیں ؟ اور اگر کر سکتے ہیں تو فقہاء کے درمیان کچھ شرائط کے ساتھ اختلافی نوعیت کی آراء کتب فقہ میں ملتی ہیں ، اس بحث کے قطع نظران بچوں کے لئے جو بے سہارا ہونے کے ساتھ نو مولود ہوں یا سات سال سے کم عمر کے ہوں ان کے لئے ایسے مراکز قائم کئے جائیناور ان بے بی سنٹرس کوانسانی بنیادوں پر دیندارانہ ماحول میں چلانے کا انتظام کیا جائے تاکہ انسانیت کی اس سے ایک بہت بڑی خدمت ہو اور اللہ کے ہاں باز پرس سے ہم بچ جائیں۔

ح: رزق و روزی کی ذمہ داری اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے ، اس لئے افلاس و تنگدستی کی وجہ بچوں کو قتل کردینے سے منع کیا گیا ہے، ارشاد باری

ہے:''ولا تقتلوا أولادکم خشیۃ إملاق نحن نرزقہم وإیاکم إن قتلہم کان خطأًکبیراً'' (بنی اسرائیل ٣١)۔

اور ایک جگہ ارشادہے: ''ولا تقتلوا أولادکم من إملاق نحن نرزقکم وإیاہم'' (الانعام١٥١)۔

حدیث پاک میں وارد ہے کہ ''شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ ایک انسان اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کردے کہ وہ ہمارے ساتھ روزی میں شریک ہوگا '' (صحیح البخاری ، تفسیر سورۃ البقرۃ) ۔

رزق وروزی کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ بہتر جانتے ہیں کہ کس کی روزی کشادہ کی جائے یا کس کی روزی مینتنگی کی جائے ، ظاہر ہے اولاد ایک امتحان ہے اور بہت بڑی نعمت بھی ہے جیسے اللہ نے ہم کو جسمانی و ذہنی صلاحیتوں سے نوازا ہے اسی نے بچوں کو بھی وہی صلاحیتیں بخشی ہیں، بہت ممکن ہے وہ آگے چل کر اپنے لئے اور اپنے ماں باپ و خاندان کے لئے رزق و روزی میں فراوانی کا ذریعہ بن جائیں،یہ بھی ممکن ہے ان کی روزی بھی کشادہ نہ ہو ، بہر صورت افلاس کی غرض سے اپنے بچوں کو کسی اورکے حوالے کر دینا شرعاً پسندیدہ نہیں۔ غربت و تنگدستی ہو یا خوشحالی، بساط بھر کوشش کرکے جائز روزی حاصل کرنا اور اپنی حیثیت کے مطابق بچوں پر خرچ کرنا اللہ کو پسند ہے، اس لئے خود ان کی پرورش کرنا چاہئے کیونکہ دنیا میں اور کوئی صحیح معنٰی میں ماں باپ کی جگہ نہیں لے سکتا، وہ جو اپنے بچوں کو کسی کے حوالے کرتے ہیں وہ خود نا پسندیدہ ہے، چہ جائے کہ بچوں کو کسی کے حوالے کر کے ان سے کوئی مالی ہدیہ قبول کیا جائے، ظا ہر ہے یہ اورزیادہ مذموم ہے، انسانی بچے مال تجارت نہیں ہیں کہ ان کو خریدایا بیچا جائے ، ہدیہ کے عنوان ہی سے اس کو اگر جائز کردیا جائے تو بچوں کی خریدو فروخت کا ایک ناجائز دروازہ کھل جائے گا اور یہ بھی ایک بازارمیں بیچی وخریدی جانے والی چیزہو کر رہ جائینگے، جبکہ بچوں کی خرید و فروخت کا دروازہ کھل چکا ہے فرق یہ ہے کہ ان کو ماں باپ فروخت نہیں کر رہے ہیں لیکن انسان دشمن کتنے ہی ایک ریاکٹ اس وقت اس جرم میں ملوث ہیں۔ جو بچے گم ہو جاتے ہیں ان میں سے بہت سے اس کربناک راستے سے گذارے جاتے ہیں،یہ خودایک بہت بڑا المیہ ہے، اسکا تدارک ہونا چاہئے ،اس لئے غربت و افلاس کی بنیاد پر ماں باپ اگر یہ کام کرنا چاہیں تو ان کو اس کی اجازت نہیں دی جانی چاہئے۔

بعض تنگدست و غریب ماں باپ کے حوالے سے اپنی غربت کی وجہ اپنے بچوں کو ایک بار سمجھتے ہوئے کہیں کہیں فروخت کرنے کے واقعات بھی اخبارات کی زینت بنتے ہیں جو بہت مذموم ہے ۔

اغوا شدہ اور فروخت شدہ بچے بلاشبہ آزاد ہیں، جاہلیت کے طریقہ سے جنہوں نے

بھی اس کو حاصل کیا ہے اولاً وہ اس کے مجاز نہیں، ثانیاً اس کی وجہ سے وہ غلام نہیں ہوجاتے، ایسے بچے اگرچہ کہ غیر مسلم ممالک ہی کے کیوں نہ ہوں وہ حُرابن حُر ہینان کا کوئی مالک نہیں بن سکتا۔

ایسے واقعات کی روک تھام کے لئے سخت قوانین مدون کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ایسے مجرمین کوکیفر کردار تک پہنچایاجاسکے، ماں باپ اگر یہ کام کرتے ہوں تب بھی اس کی شناعت کم نہیں ہو سکتی اس لئے ان کو بھی اس حرکت سے باز رکھا جانا ضروری ہے، البتہ ایسے غریب ماں باپ کو اس کی قباحت سے واقف کروایا جائے ، بوقت ضرورت تادیب کیلئے ان کو سزا بھی دی جاسکتی ہے، سماج کے ذمہ داروں اور کار پردازان حکومت کا بھی فرض ہے کہ ان غریب ماں باپ اور ان کے غریب بچوں کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کا سامان کریں، اس طرح سماج میں ان جیسے واقعات کے وقوع پر روک لگ سکتی ہے اور بڑی حد تک اس مسئلہ پر قابوپایا جاسکتا ہے۔

ط: انسان کی صحیح و سلامت خلقت اللہ کی نعمت ہے ، ایک انسان کا صحیح و سلامت پیدا ہو جانا اوراللہ کی بخشی ہوئی ساری جسمانی نعمتوں کے ساتھ وجود کا پا جانا یہ اللہ کی بخشش و عطا کے بغیر کہاں ممکن ہے ، جسمانی کوئی نقص خلقی طور پر باقی رہ جائے تو دنیا کی کونسی طاقت ہے جو اِس کمی کی تلافی کر سکے، بچے جہاں خلقی طور پر صحیح الاعضاء پیدا ہوتے ہینوہیں کچھ بچے خلقی اعضاء میں کمی کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں اور یہ کمی کبھی ذہنی طور پر بھی ہوتی ہے اور کبھی جسمانی طور پر بھی، ایسے بچے ماں باپ کے لئے ایک مسئلہ بنتے ہیں اور ان کی پرورش و پرداخت میں ماں باپ کو بڑے امتحان سے گذرنا پڑتا ہے، لیکنیہ بھی چونکہ اللہ کی مرضی و مشیت ہی سے ہوتا ہے اس لئے ماں باپ اللہ کی رضا پر راضی رہتے ہوئے ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور ان کی ساری بنیادی ضرورتوں کو پوری کرتے ہیں ، بسا اوقات یہ مرحلہ دشوار کن ہوجاتا ہے تو ایسے بچوں کو ماں باپ کسی دماغی دواخانوں مینیا ایسے بچوں کی نگہداشت کرنے والے اداروں میں رکھوا دیتے ہیں، ایسے بچوں کو علاج کی غرض سے یا ان کی نگہداشت کی غرض سے ان کو وہاں داخل کرواتے ہینتو شرعاً کوئی حرج نہیں، ماں باپ ان کے علاج ومعالجہ کے اپنی حیثیت کے مطابق پابند ہیں ، ان کی حیات زندگی کی سلامتی کی حد تک اطباء کے مشورہ سے دوا دارو کی جانی چاہئے ، چونکہ ایسے بچے ماں باپ کا امتحان ہو تے ہیں جس قدر وہ ان کے ساتھ ہمدردانہ سلوک رکھتے ہوئے ان پر اپنی محبت نچھاورکرینگے اللہ کے ہاں اس کی بڑی قدر و قیمت ہوگی، راضی برضا رہ کر ایسے بچوں کی پرورش و پرداخت سے اللہ کے ہاں مرا تب قرب میں اضافہ ہوگا ۔ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے کسی بندے کے لئے کوئی ایسا مقام و مرتبہ دینا چاہتے ہیں ، جس کوبندہ اپنے عمل کے ذریعہسے اس تک نہیں

پہنچ سکتا تو حق سبحانہ و تعالیٰ اس کو جسمانییا مالییا اولاد کی طرف سے آزمائش میں اتار کر اس کو صبر کی توفیق بخش دیتے ہینیہاں تک کہ اس کو اس مرتبہ پر فائز کر دیتے ہیں جو اس کو دینا چاہتے ہیں (المعجم الکبیر للطبرانی٢٢،٣١٨ رقم الحدیث٨٠١)۔

اسلام نے مریضوں کے بڑے حقوق بیان کئے ہیں ، صحتمند اولیاء و اقرباء کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ مریضوں اور خلقی اعتبار سے معذوروں کی بنیادی ضروریات کا ہر طرح لحاظ رکھیں ۔ صحت و تندرستی جن کو نصیب ہے اس کا شکرانہ ایکیہ بھی ہے کہ وہ معذور افراد اور خاص طور پر معذور بچوں کی ہر طرح سے مدد کریں، ان کے ساتھ نرمی و محبت سے پیش آئیں، ان کے ساتھ کھیل کود میں شریک ہو کر ان کا دل بہلائیں ۔

حدیث پاک میں وارد ہے:''الخلق عیال اللہ وأحب عباد اللہ إلی اللہ أنفعہم لعیالہ'' (فصل فی نصیحۃ الولاۃ ووعظہم٦،٤٣) (ساری مخلوق ایک طرح سے اللہ سبحانہ کا کنبہ و قبیلہ ہے، اللہ کو وہ بندے زیادہ محبوب ہیں جو اللہ کی مخلوق کے ساتھ محبت رکھیں اور ان کے ساتھ عمدہ سلوک کریں)۔

بعض علماء معاصرین نے کتاب و سنت کے آثار کی روشنی میں معاقینیعنی معذور و مجبور بچوں کی دیکھ بھال و خدمت کو بہت بڑے اجر و ثواب کا موجب گردانا ہے، جس طرح مریضوں کی عیادت کرتے ہوئے ان کے لئے دعا کرنا اور ان سے اپنے لئے دعا کی خواہش کرنا جیسے اجر وثواب کا موجب ہے، اس سے کہیں زیادہ معاقینیعنی معذوروں اور ایسے بچوں کی عیادت وخدمت بے نہایت اجر و ثواب کا موجب ہے اور یہ عمل اپنے گناہوں کے لئے کفارہ کا ذریعہ ہے، کیونکہ مریض کی دعا ملائکہ کی دعا جیسی ہوتی ہے ''إذا دخلت علیٰ مریض فمرہ أن یدعولک فان دعاء ہ کدعاء الملائکۃ'' (سنن ابن ماجۃ، باب ما جاء فی عیادۃ المریض١،٤٦٣ رقم الحدیث١٤٤١) ۔

مغربی ممالک اور ان کی تہذیب کے جہاں بہت سے نقصانات ہیں وہیں وہ بعض خوبیوں کے مالک بھی ہیں ، وہ مسلمان تو نہیں ہیں لیکن اسلام کی بہت سی خوبیوں کو انہوں نے اپنا لیا ہے ، انہیں میں سے ایک بیماروں کی خدمت اور خاص طور پر ذہنی و جسمانی اعتبار سے معذور افراد اوربچوں کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ رکھتے ہوئے ان کو سہولت پہنچانے کی غرض سے زر کثیر خرچ کر کے ایسے ادارے قائم کئے ہیں جہاں ان کی نگہداشت کی جاتی ہے اور ان کی ساری بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے ساتھ طبی اعتبار سے کیسے ان کو سہولت بخشی جا سکتی ہے اور کیسے ان کو کھیل کود کے وسائل فراہم کر کے ان کو خوش کیا جا سکتا ہے ، اس طرح اور وہ سارے ذرائع جو ان کو راحت پہنچا سکتے ہیں ایسے اداروں میں ان کو اختیار کیا جاتا ہے ، اور ان کی خدمت کرنے والی نرسس کو خصوصی تربیت دی جاتی ہے تا کہ وہ خوشدلی کے ساتھ انسانی بنیادوں پر ان معذوروں کی دیکھ بھال کریں۔

دنیا کے اور معاملات میں جو کہ گمراہی کا باعث بنتے ہیں مغرب کی اندھی تقلید میں آنکھ بند کر کے اس کو قبول کیا جاتا ہے اور اس کو اپنے تہذیب کا حصہ بنا لیا جاتا ہے، اور ان کے ہاں انسانی خدمت کی بنیاد پر ہونے والے کاموں کو اپنایا نہیں جاتا جبکہ حدیث پاک میں وارد ہے''الحکمۃ ضالۃ المؤمن فحیث وجدہا أحق بہا'' یعنی حکمت ، علم اور ہرطرح کے خیر کے اور انسانیت کو نفع پہنچانے والے سارے کام ایمان والوں کا گمشدہ خزانہ ہے، جہاں بھی وہ مل جائے ایمان والے اس کے زیادہ حقدار ہیں۔

اس تناظر میں جہاں جہاں غیر اسلامی ممالک ہی میں کیوں نہ ہو مسلمان رہتے ہیں اور جہاں جہاں وہ حکمران ہینان کا فرض ہے کہ وہ انسانی بنیادوں پر ایسے مراکز قائم کریں ، اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے اس کو عمدہ انداز میں چلائیں اور مغرب سے کہیں زیادہ اپنے قائم کردہ ایسے اداروں کو مفید و نفع بخش بنائیں ، بڑی خوشی کی بات ہے اور یہ بات قابل تقلید بھی ہے کہ سعودی فرمانروا خادم الحرمین الشریفین نے ایسے معذوروصحتمند، مجبور بچوں کی خصوصی نگہداشت اور ان کی عمدہ تعلیم وتربیت کی غرض سے ایک ادارے کا قیام عمل میں لایا ہے جس کا نام ''کلیۃ الملکۃ رانیۃ للطفولۃ فی الجامعۃ الہاشمیۃ'' رکھا ہے اور جہا ں مغربی اداروں سے کہیں زیادہ سہولتوں کا اہتمام ہے، ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اور ممالک اسلامیہ اور دیگر مسلمانوں کو آگے آنا چاہئے اورا نسانیت کی خدمت کا عملی نمونہ چھوڑنا چاہئے۔

***

بچوں کے حقوق –فقہ اسلامی کی روشنی میں

مفتی محمد عثمان بستوی•

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين ومن تبعهم بإحسان إلييوم الدين، أما بعد!

انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے اور ساری کائنات اسی کے لئے سجائی وبسائی گئی ہے اور اس کا قیام اور اس کی رونق وآبادی اسی وقت تک انسان جب تک اپنے مولی کی مرضی کے مطابق اپنی زندگی گزارتا رہے اور جس وقت انسان اس دنیا کو شرو فساد سے بھر دےگا اس وقت اس دنیا کے وجود کو بھی ختم کردیا جائے گا، دنیا کو باقی رکھنے کے لئے انسان کا درست ہونا لازم ٹھہرا، او رانسان کو درست رکھنے کے لئے اللہ تعالی سے اپنے رسولوں اور اپنی کتابوں کو بھیجنے کا دستور قائم کیا، اللہ کے ان پیغمبروں اور اس کی کتابوں نے انسانوں کو خود اپنی زندگی صحیح ودرست رکھنے کی ہدایت دی، اسی طرح سےاپنےبچوں کو بھی فکر کرنے کی ہدایت دی، اور بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے اصول وضوابط وضع کئے، بچے کی پیدائش کے بعد سب سے پہلے اذان واقامت کے الفاظ سنوانے کاحکم دیا گیا، اور جب بولنے لگے تو سب سے پہلے قرآن کی تعلیم کا حکم دیا گیا تاکہ بچہ اول وہلہ میں اپنے رب کے نام پاک سے آشنا ہو، اسی طرح اولیاء او رتربیت کرنے والوں کو بچوں کے ہر قسم کے دینی ودنیاوی ضرر سےمحفوظ رکھنے کا حکم دیا گیا جس کے لئے نظام حضانت وضع کیا گیا، پھر بچوں کی تعلیم وتربیت کا مکلف کیا گیا،یہ سب احکامات انسانوں کی فلاح وبہبود کے لئے دیئے گئے۔

بچوں کی پرورش کے سلسلہ میں اسلامی ہدایات:

(۱) پہلے مرحلہ میں بچوں کی پرورش ان عورتوں سے کروانے کی ہدایت دی گئی ہے جو رشتہ میں سب سے قریب ترین ہوں، کیونکہ پرورش کے معاملہ میں شریعت مطہرہ نے عورتوں کی فطری نرمی اور شفقت اور چھوٹے بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں ان کی طبعی صلاحیت اور ان کے جذبات کی رعایتکرتے ہوئے عورتوں کو اولیت دی ہے: ‘‘الأصل فيها النساء لأنهن أشفق وأرفق وأهدى إلى تربية الصغار’’ (بدائع۳؍۴۵۶)، چنانچہ حضرات فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ حق پرورش میں ماں سب سے پہلے مقدم ہے، پھر اس کے بعد جو رشتہ کے اعتبار سے سب سے قریب تر ہو، چنانچہ ماں کے بعد نانی، پرنانی

• ریاض العلوم گورینی، جونپور۔

وغیرہ، نانیوغیرہ نہ ہو ں تو دادی، پردادی وغیرہ، دادی وغیرہ نہ ہوں تو بہن، بہن کے بعد خالہ، خالہ کے بعد پھوپھیاں، تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

''إن امرأة قالت یا رسول اللہ ﷺ إن ابنی ہذا کان بطنی لہ وعاء وحجری لہ حواء وثدیی لہ سقاء ویزعم أبوہ أنہ ینزعہ منی فقال رسول اللہ ﷺ أنت أحق بہ ما لم تنکحی'' (احمد)، ''قضی أبوبکرؓ بعاصم بن عمرؓ لأمہ .... وقال إن ریحہا وفراشہا خیر لہ حتییشب أو تتزوج'' (بیہقی)، ''وقال النبی ﷺ (فی قصۃ جعفر وعلی لبنت حمزۃ):''الخالۃ والدۃ'' (احمد، بدائع الصنائع۳،۴۵۷-۴۵۸)۔

فقہاء فرماتے ہیں:

''تثبت للأم، ثم بعد الأم أم الأم وإن علت، ثم أم الأب وإن علت ثم الأخت، ثم الخالات، ثم العمات'' (تنویر الابصار مع در المختار ۵،۲۵۳-۲۶۳)۔

اگر کسی بچہ کی پرورش کے لئے کوئی مستحق پرورش خاتون موجود نہ ہو تو پرورش کا حق ان مردوں کو حاصل ہوگا جو عصبہ ہوں، اور ان میں جو وارث ہونے کے اعتبار سے مقدم ہوگا وہی پرورش کے حق میں بھی مقدم ہوگا، چنانچہ مستحق پرورش مردوں کی تربیت درج ذیل ہے:

والد، پھر دادا، پردادا، وغیرہ، پھر بھائی، پھر بھتیجہ، پھر چچا، چچازاد بھائی اپنے چچا زاد بھائی کی پرورش کا حق رکھتا ہے، لیکن چچازاد بہن کی پرورش کا نہیں، البتہ اگر چچازاد بہن بہت چھوٹی ہو، غیر مشتہات ہو تواس سے پرورش کرائی جاسکتی ہے۔

''ثم العصبات بترتیب الإرث إن لم یکن للصغیر أحد من محارمہ النساء فیقدم الأب، ثم الجد، ثم الأخ، ثم بنوہ، ثم العم، ثم بنوہ، سوی فاسق ومعتوہ وابن عم لمشتہاۃ وہو غیر مامون، ثم إذا لم یکن عصبۃ فلذوی الأرحام ''(درمختار ۵،۲۶۳-۲۶۴)۔

(۲) بچوں کو ہرقسم کے دینی، جسمانی، اخلاقی ضرر سے محفوظ رکھنے کے لئے پرورش کرنے والوں کو کچھ شرائط کا پابند بنایا گیا ہے، جس میں کچھ شرطیں وہ ہیں جس کے پابند مرد وعورت دونوں ہیں، کچھ شرطیں ایسی ہیں جو پرورش کرنے والی عورتوں کے ساتھ خاص ہیں، اور کچھ شرطیں ایسی ہیں جو پرورش کرنے والے مردوں کے ساتھ خاص ہیں، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

وہ شرائط جو پرورش کرنے والے مرد وعورت کے درمیان مشترک ہیں:

مشترکہ شرائط کل پانچ ہیں (۱) بالغ ہونا، (۲) عاقل ہونا، (۳) پرورش پر قدرت رکھنا، (۴) پرورش کرنے والے کی اخلاقی کمزوریوں سے بچے کے محفوظ رہنے کا اطمینان ہونا، (۵) شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں اسلام کا ہونا۔ البتہ حنفیہ غیر مسلمہ سے پرورش کی اجازت دیتے ہیں بشرطیکہ بچہ اس کے دین سے متاثر ہونے کی اہلیت نہ رکھتا

ہو، لہذا اگر پرورش کرنے والے کی دینی واخلاقی برائی سے بچہ کے متاثر ہونے کا خطرہ ہوتو حق پرورش نہ ہوگا (المعتصر من الفقہ الاسلامی۷،۷۲۶۔۷۲۷)۔

وہ شرائط جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں:

(۱) پرورش کرنے والی عورت بچے کے اجنبی سے نکاح نہ کرے، (۲) پرورش کرنے والی عورت بچے کی ذی رحم محرم ہو، (۳) باپ کی تنگدستی کی صورت میں مفت پرورش کرنے سے انکار نہ کیا ہو، (۴) بچے کو لے کر کسی ایسے گھر میں قیام پذیر نہ ہو جس میں بچے سے نفرت وبغض رکھا جاتا ہو (المعتصر من الفقہ الاسلامی۷،۷۲۸۔۷۲۹)۔

وہ شرائط جو مردوں کے ساتھ خاص ہیں:

(۱) پرورش پانے والا بچہ اگر لڑکی ہے اور وہ حد شہوت کو پہنچ گئی ہے تو پرورش کرنے والے کا محرم ہونا ضروری ہے، (۲) پرورش کرنے والے مرد یعنی باپ، دادا وغیرہ کے پاس ایسی عورت موجود ہو جو پرورش پانے والے بچہ کی پرورش کرسکے (المعتصر من الفقہ الاسلامی۷،۷۲۹۔۷۳۰)۔

مسقط حضانت کے اسباب:

یعنی وہ اسباب جن کی وجہ سے پرورش کا استحقاق رکھنے والی عورت یا مرد کا استحقاق ساقط ہوجاتا ہے:

(۱) بچہ کے غیر ذی رحم محرم سے نکاح کرلے، (۲) بچہ کی پرورش پر اجرت طلب کرے، جبکہ بچہ کے ذی رحم محارم میں سے کوئی دوسری عورت بلا اجرت پرورش پر راضی ہو، (۳) کسب وغیرہ کی وجہ سے بکثرت باہر نکلتی ہو جس سے بچہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو، (۴) ایسے فسق وفجور میں مبتلا ہو کہ اس سے بچہ کے ضیاع کا خطرہ ہو، (۵) اگر فاسقہ کے پاس بچہ کے ضیاع کا خطرہ نہ ہو تو اس کے پاس اتنی عمر تک چھوڑا جائے گا جس میں برے اخلاق سے متاثر ہونے کا اندیشہ نہ ہو، (۶) کافرہ کے پاس اتنی مدتک تک چھوڑا جائے گا جس میں اس کے دین سے متاثر ہونے کا خطرہ نہ ہو، (۷) مرتدہ یعنی خدا نخواستہ کوئی مسلمان عورت شیعہ، قادیانی وغیرہ ہوجائے تو اگر وہ جیل میں ہے تو حق پرورش ساقط ہوجائے گا، ورنہ اتنی عمر تک حق باقی رہے گا جس میں اس کے دین سے متاثر ہونے کا خطرہ نہ ہو، (۸) جب بچہ کی عمر سات سال اور بچی کی عمر نو سال ہوجائے تو عورتوں کا حق پرورش ساقط ہوجائے گا، اسی طرح سے جب بچہ بالغ ہوجائے تو مردوں کا حق پرورش ختم ہوجائے گا، البتہ اگر بچہ ناقص العقل، یا مجنون وغیرہ ہے تو ایسی صورت میں بلوغ سے مردوں کا حق حضانت ساقط نہ ہوگا، (۹) لڑکی کا حق پرورش، مردوں کو حاصل ہونے کے لئے مرد کا امین اور قابل اعتماد ہونالازم ہے، لہذا اگر پرورش کرنے والے بھائی، چچا وغیرہ پر اگر ان کے فسق وخیانت کی وجہ سے اطمینان نہ ہو تو ان کا حق پرورش ختم ہوجائے گا، (۱۰) میکہ اور مقام عقد کے علاوہ بچہ

کو اتنی دور لے جانے سے بھی حق پرورش ساقط ہوجائے گا کہ بچہ کا والد بچہ کو دیکھ کر اسی دن واپس نہ ہوسکے، (۱۱) پرورش کرنے والے مرد یا عورت کا کسی ایسے جسمانی مرض میں مبتلا ہونا بھی حق پرورش ختم ہونے کا سبب ہے جس سے پرورش پانے والے بچہ کے متاثر ہونے کا خطرہ ہو، (۱۲) شہر میں رہنے والے بچہ کو دیہات میں منتقل کرنے سے بھی حق پرورش ختم ہوجائے گا، جبکہ وہ دیہات مقام عقد نکاح اور میکہ نہ ہو یعنی کسی ایسی جگہ منتقل کرنے سے حق پرورش ساقط ہوجائے گا جس جگہ بچہ کے جسمانی واخلاقی فساد وبگاڑ کا خطرہ ہو (ماخوذ از: احسن الفتاوی۴۵۷،۵-۴۶۰، الفقہ الاسلامی۷،۷۳۰، البدائع ۳،۴۵۹-۴۶۲ وغیرہا من الکتب الفقہیہ)۔

''ذہب الحنفیۃ إلی أن حضانۃ النساء علی الذکر تظل حتییستغنی عن رعایۃ النساء لہ فیأکل وحدہ ویشرب وحدہ ویلبس وحدہ وقدر ذلک بسبع سنین وبہ یفتی، وتظل الحضانۃ علی الأنثی قائمۃ حتی تبلغ بالحیض، إذا کانت الحاضنۃ الأم أو الجدۃ أما غیر الأم والجدۃ فإنہن أحق بالصغیرۃ حتی تشتہی وقدر بتسع سنین وبہ یفتی وعن محمدؒ أن الحکم فی الأم والجدۃ کالحکم فی غیرہما فتنتہی حضانۃ النساء مطلقاً علی الصغیرۃ عند بلوغہا حد الاشتہاء الذی قدر بتسع سنین، والفتوی علی روایۃ محمد لکثرۃ الفساد'' (الموسوعۃ الفقہیہ۵،۳۱۴، شامی۵،۲۶۸)۔

حاصلیہ کہ پرورش سے مقصود بچہ کی حضانت دینی اور اخلاقی تربیت ہوتی ہے، لہذا جن صورتوں میں بچہ کے ضیاع، دینی واخلاقی فساد کا خطرہ ہو ان صورتوں میں حق پرورش ساقط ہوجائے گا، بچہ کے ضیاع کا سبب خواہ دنیوی انہماک ہو یا دینی انہماک وہ مسقط حضانت ہے، اسی طرح دینیفساد خواہ عملی ہو یا اعتقادی ہر دو مسقط حضانت ہے، اور جب بچہ اپنے مربی کے پاس محفوظ نہ رہے تو ایسی صورت میں کسی بھی صالح شخص سے بچہ کی پرورش کروائی جاسکتی ہے، جس میں بچہ کی ذہنی جسمانی، اخلاقی حفاظت اتم درجہ میں ہوسکے، چنانچہ احسن الفتاوی میں ہے: لہذا اہل صلاح جس شخص کو اصلح سمجھیں اس کی تحویل میں لڑکی دیدیں (احسن الفتاوی۵،۴۵۸)۔

اسلام میں بچوں کی تعلیم وتربیت کے بارے میں بنیادی ہدایات:

بچوں کے اولیاء اور ذمہ داران کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ بچہ کو اپنے پاس امانت خیال کرتے ہوئے اس کو ایسے علوم وفنون سے آراستہ ومزین کیا جائے جس سے اس کے معاد ومعاش دونوں صحیح اور درست ہوجائیں، اور بچوں کو ان تمام خرابیو ناور برائیوں سے دور رہنے کی فکر کرنا اور کوشش کرنا اسی طرح سے واجب کیا گیا ہے جس طرح سے خود اپنے کو برائیوں سے دور رہنے کا پابند کیا گیا ہے، ایک روایت میں ہے کہ جب ''یا أیہا الذین آمنوا قوا أنفسکم وأہلیکم'' والی آیت نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے عرض کیایا رسول اللہ ﷺ اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کی فکر تو سمجھ میں آگئی مگر ہم اہل وعیال

کو کس طرح جہنم سے بچائیں ، تو رسول اللہﷺ نے فرمایا: اس کا طریقہیہ ہے کہ اللہ تعالی نے تم کو جن کاموں سے منع فرمایا ہے ان کاموں سے ان سب کو منع کرو جن کاموں کے کرنے کا تم کو حکم دیا ہے تم اہل وعیال کو بھی ان کاموں کا حکم دو، تو یہ عمل ان کو جہنم کی آگ سے بچا سکے گا۔

حضرات فقہاء نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہر شخص پر فرض ہے کہ اپنی بیوی اور اولاد کو فرائض شرعیہ اور حلال وحرام کے احکام کی تعلیم دے اور اس پر عمل کرانے کی کوشش کرے، ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالی اس شخص پر اپنی رحمت نازل کرے جو کہتا ہے کہ اے میری بیوی بچوں تمہاری نماز، تمہارا روزہ، تمہاری زکوۃ، تمہارا مسکین، تمہارے پڑوسی امیدہے کہ اللہ تعالی ان سب کو اس کے ساتھ جنت میں جمع فرمائینگے، تمہاری نماز، تمہارا روزہ وغیرہ فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کا خیال رکھو اس میں غفلت نہ ہونے پائے، بعض بزرگوں نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب میں وہ شخص ہوگا جس کے اہل وعیال دین سے جاہل وغافل ہوں (معارف القرآن ۸،۳۰۵)۔

اورابن امیر الحاج نے اپنی مشہور کتاب المدخل میں باب تربیت الاولاد کے ضمن میں فرمایا:

‘‘بچہ اپنے والدین کے پاس امانت ہوتا ہے اور اس کا قلب ہر قسم کے نقش ونگار سے خالی قیمتی سادی موتی کی طرح پاک وصاف ہوتا ہے، جس کی طرف اس کو مائل کیا جائے اس کو قبول کرنے والا ہوتا ہے، لہذا اگر اس کو خیر کا عادی بنایا جائے اور اسکی تعلیم دی جائے تو اسی پر اس کی نشو ونما ہوگی، اور وہ دنیا وآخرت کے اعتبار سے نیک بخت ہوجائے گا۔ اس کے والدین، اساتذہ وغیرہ سب اس کے ثواب میں شریک ہونگے، او راگر اس کو برائی کا عادی بنادیا گیا، اس کی تربیت نہ کرکے بیکار چھوڑ دیا گیا تو بدبخت اور ہلاک ہوجائے گا، اور اس کے اولیاء بھی گناہ میں شریک ہونگے، اولیاء کی ذمہ داری، دنیوی آگ کی طرح نار جہنم سے بھی حفاظت کرنے کی ہے، لہذا اس کو اچھے اخلاق کی تعلیم دی جائے برے ساتھیوں سے دور رکھا جائے ، اسباب عیش وزینت کا عادی نہ بنایا جائے ’’ (المدخل لابن الحاج ۴،۳۱۱)۔

بچوں کو دینی تعلیم دینا:

ہر انسان کے ذمہ اتنا علم دین حاصل کرنا جس کے ذریعہ وہ اپنی زندگی اسلام کے مطابق گزار سکے فرض عین ہے، او رپورے علم دین کو حاصل کرنا فرض کفایہ (انعام الباری۲،۲۹)، اسی طرح سے اپنے زیر تربیت بچو نکو اتنا علم دین سکھلانا جس کے ذریعہ وہ اپنی زندگی اسلام کے مطابق گزار سکیں فرض وواجب ہے، او راس سے زائد علوم دینیہ کی تعلیم فرض عین تو نہیں لیکن فرض کفایہ ہوگی، چنانچہ علامہ نووی نے اس سلسلہ

مینیہ صراحت کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے :

‘‘والدین اور تمام سرپرستوں کے ذمہ بچوں کو ان امور کی تعلیم دینا واجب ہے جس سے ان کے اعتقاد اور عبادت، نماز، روزہ وغیرہ صحیح ودرست ہوجائیں، اسی طرح ان کو محرمات مثلاً بدکاری، چوری، غیبت، جھوٹ وغیرہ کی شناعت سے بھی واقف کرانا لازم ہے، اس کی دلیل آپ ﷺ کایہ پاک ارشاد ہے: ‘‘مروا أولادکم بالصلاۃ الخ’’ (الفواکہ الدوانی۲،۱۶۴، المجموع ۱،۵۰)۔

اسی طرح سے احکام القرآن للجصاص اور الجامع لأحکام القرآن میں بھی اپنے آل واولاد کو دینی تعلیم دینے کی وجوب کی صراحت ہے۔

‘‘تحت قولہ تعالی:‘‘قوا أنفسکم وأہلیکم ناراً ’’ قال الحسن تعلمہم وتأمرہم وتنہاہم، قال أبوبکر ہذا یدل علی أن علینا تعلیم أولادنا وأہلینا الدین والخیر وما لا یستغنی عنہ من الآداب’’ (احکام القرآن للجصاص ۳،۶۲۴، الجامع لاحکام القرآن ۱۸،۱۹۵) (اللہ تعالی کے پاک ارشاد ‘‘قوا أنفسکم الآیہ کے تحت امام ابوبکر نے فرمایا کہ ہمارے ذمہ اپنے اہل وعیال کو دین اور بھلائی کی تعلیم دینا واجب ہے)۔

بقدر ضرورت دنیوی تعلیم:

اتنی دنیوی تعلیم جس کی ضرورت عام لوگوں کو پیش آتی ہے جس کے بغیر چارہ کار نہیں تو اس کا بھی سیکھنا سکھانا ضروری ہے، مفتی محمد تقی صاحب عثمانی فرماتے ہیں: بعض دنیاوی علوم بھی فرض کفایہ ہیں مثلاً کھانا پکانے کا علم، علاج ومعالجہ کا علم، کپڑا سینے کا علم، اسی طریقے سے بہت سے علوم جن کے اوپر انسان کی دنیاوی زندگی موقوف ہے وہ فرض کفایہ ہے، لہذا اگر کوئی شخص انسانیت کی خدمت کی نیت سے ان علوم کو حاصل کرے تو وہ بھی باعث اجر وثواب ہے (انعام الباری۲،۳۰)، لہذا بچے کو دنیاوی علوم جو خود اس کے لئے مفید ہوں اور دوسرے لوگوں کے کام آئیں سکھلانا باعث اجر وثواب بہرحال ہے، چنانچہ الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

‘‘وینبغی أن یعلمہ أیضاً من أمور الدنیا مایحتاج إلیہ من السباحۃ والرمی وغیر ذلک مما ینفعہ فی کل زمان بحسبہ، قال عمرؓ علموا أولادکم السباحۃ والرمایۃ ومروہم فلیثبوا علی الخیل وثباً’’ (الموسوعۃ الفقہیہ۱۳،۱۲)۔

حاصلیہ کہ بچوں کو جن دنیاوی امور کی زمانے کے لحاظ سے ضرورت اور حاجت محسوس ہو اس کی تعلیم دینا چاہئے، لیکن مخرب اخلاق اور مفسد دین علوم جن کی آج کے زمانہ میں بڑی کثرت اور بہتات ہے ان کا سیکھنا سکھلانا حرام وناجائز ہے، مثلاً گانا بجانا اور مصوری کے علوم وغیرہ۔

بچے کو اچھے روزگار کا شوق دلانا، مربی پر اہم ترین ذمہ داریہ ہے کہ بچے کو آزاد وخود مختار کام پر ابھارا جائے، خواہ یہ صنعت وحرفت سے متعلق ہو یا زراعت

وکاشتکاری سے یا تجارت وکاروبار سے، انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام بھی آزاد اور اپنے پسندیدہ خود مختار کام کیا کرتے تھے، اور بعض ہنر وصناعت میں مہارت حاصل کرتے تھے، اور اس طرح ان مقدس ہستیوں نے امتوں اور قوموں کے لئے آزاد ہنر اور کسب حلال میں ایک شاندار نمونہ چھوڑا ہے، چنانچہ حضرت نوحؑ نے کشتی بنانا سیکھا اور اللہ تعالی نے انہیں کشی بنانے کا حکم دیا جیساکہ سورہ ہود میں ہے: ''واصنع الفلک بأعیننا ....'' ۔

خود حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''إن أفضل الکسب کسب الرجل من یدہ'' (امام احمد)، یعنی انسان کی بہترین کمائی اس کے اپنے ہاتھ کی کمائی ہے، نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وإن اللہ یحب العبد المحترف '' (ترمذی)، یعنی اللہ تعالی ایسے بندے کو پسند فرماتے ہیں جو پیشہ حرفت والا ہو، مزید برآں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ'' (طبرانی ، بیہقی)، یعنی دوسرے فرائض کی طرح حلال کمانابھی ایک فرض ہے (تربیت اولاد ۵۵۱)۔

حضرت عمرؓ ہی وہ بزرگ ہیں جنہو ننے غرباء وفقراء کو اس بات سے روکا کہ وہ وہ کام کاج چھوڑ کرلوگوں کے صدقات وخیرات پر تکیہ کرکے بیٹھ جائیں، چنانچہ فرمایا: اے غرباء وفقراء کی جماعت! اچھائیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاؤ اور مسلمانوں پر بوجھ نہ بنو، اور یہ کام ابتدائی عمر میں ہی ہوسکتا ہے، لہذا مربی کو چاہئے کہ بچے کو نوعمری میں ہی بعض صنعت وحرفت سکھائے تاکہ وہ اپنی زندگی کے لئے کمائی کرسکے، او راپنے دست وبازو کی محنت اور پیشانی کے پسینہ سے روزی کماسکے۔ ابن سینا نے بچے کو صنعت وحرفت سے متعلق امور کی تعلیم اور محنت ومشقت کے کام کاج سکھانے کے بارے میں فرمایا ہے:''بچہ جب قرآن کریم پڑھ کر فارغ ہو اور لغت کے بنیادی اصول یاد کرلے تو پھر یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ کیا کیا کام کاج کرسکتا ہے اس کے مطابق اس کی رہنمائی کرنا چاہئے، چنانچہ اگر وہ کتابت پسند کرتا ہو تو لغت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ رسائل، تقاریر اور لوگوں کی بات چیت وگفتگو وغیرہ بھی پڑھانا چاہئے اور حساب کی مشق کرانا چاہئے او راس کو عدالتوں میں لے جائیں اور اس کی خوشخطی کا خیال رکھنا چاہئے اور اگر کوئی اور کام کرنا ہو تو اس کو اس نوعیت کے کام میں مشق کرانا چاہئے (تربیت الاولاد ۵۵۲۔۵۵۳)۔

بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں ملکی قوانین:

اگر حکومت بچے اور بچیوں کی تعلیم کے لئے کوئی قانون لازم کرتی ہے تو اگر اس قانون کی پابندی کی صورت میں کوئی حکم شرعی پامال ہوتا ہے تو ایسی صورت میں ''لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق'' کے ضابطہ سے قانون کی پابندی شرعاً لازم نہ ہوگی، لیکن اگر حکومتی قانون پر عمل کرنے سے کوئی حکم شرعی فوت نہ ہوتا ہو تو جہاں

ممکن ہو مصالح کی رعایت کرتے ہوئے ملکی قوانین کی اتباع کرنی چاہئے۔

‘‘أما لأن طاعۃ الإمام فیما لیس بمعصیۃ واجب، لأن کل من یسکن دولۃ فإنہ یلتزم قولاً أو عملاً بأن یتبع قوانینہا وحینئذیجب علیہ اتباع أحکامہا مادامت تلک القوانین لا تجبرہا علی معصیۃ دینیۃ’’ (معارف القرآن ۶؍۶۲۳، احکام القرآن للتھانوی۵؍۴۳)۔

بچوں کو جنسی تعلیم دینا:

بچوں کی عمر کے مناسب جو تعلیم مفید وضروری ہوں اس عمر میں وہ تعلیم دی جائے اور عمر کے جس حصے میں جو تعلیم فساد وبگاڑ کا سبب بن سکتی ہو اس سے احتراز کرنا واجب وضروری ہے، لہذا بچے جب قریب البلوغ ہوجائیں تو وہ مسائل واحکام جو جنس سے متعلق ہیں ان احکام کا سیکھنا مفید اور لازم وضروری ہیں، اور عمر کے ایسے حصے میں جب ان مسائل کی تعلیم جو جنسی مسائل سے متعلق ہیں مفید ہونے کے بجائے مضر ہونے کا خطرہ ہو تو اس عمرمیں اس کی تعلیم سے احتراز ضروری ہے، لیکن جنس سے متعلق آج کل کے مروج امور جو شہوانی وحیوانی خیالات کو برانگیختہ کرنے اور جذبات کو بے قابو کرنے کا سبب وذریعہ ہوتے ہیں ان کا سکھلانا کسی بھی حال میں جائز نہیں، بلکہ ان سے دور ہی رکھنا لازم وضروری ہے، مثلاً آرٹ اور مصوری کے علوم وغیرہ۔ تربیت الاولاد میں ہے کہ بہت سے مربی حضرات یہ دریافت کرتے ہیں کہ کیا مربی کے لئے جائز ہے کہ بچے سے صاف صاف وہ تمام مسائل بیان کردے جو اسے بالغ ہونے سے پہلے اور بالغ ہونے کے وقت پیش آتے ہیں، تو شرعی دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مربی اپنے بیٹے بیٹی کو ایسے امور بتلا سکتا ہے جن کا تعلق جنس اور شہوت سے ہو، بلکہ بعض دفعہ ان کا بتلانا واجب ہوجاتا ہے جبکہ کوئی شرعی حکم اس پر مرتب ہوتا ہے، چنانچہ بہت سی آیتوں میں جنسی اتصال وملاپ کا تذکرہ ملتا ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ انسان نطفہ سے پیدا ہوا ہے، اس کے علاوہ زنا وغیرہ کا بھی ذکر ملتا ہے، نیز بعض آیتیں نہایت وضاحت کے ساتھ یہ بتلا رہی ہیں کہ انسان کو اپنی شرمگاہ کی حفاظت کس سے کرنا چاہئے اور کس سے نہیں، اور یہ کہ رمضان میں ہمبستری کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور حالت حیض میں عورتوں سے دوری اختیار کرنا چاہئے تو یہ سب چیزیں جنس اور خواہش نفس ہی سے متعلق ہیں، پس اگر بچہ سن شعور کو پہنچ جائے اور اس کا استاذ ومربی ان حقائق کو اس کے سامنے بیان نہ کرے تو وہ ان آیات کو کیسے سمجھے گا، اس کے علاوہ یہ قرآن کریم کی دعوت تدبر کے بھی خلاف ہے، اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں: ‘‘کتاب أنزلناہ إلیک مبارک لیدبروا آیاتہ ولیتذکر أولو الألباب’’ (سورہ ص)، بلکہ قرآن کریم ایسے لوگوں پرنکیر کرتا ہے جو قرآن کریم پڑھ کر ان آیتوں پر غور نہیں کرتے، چنانچہ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں: ‘‘أفلا یتدبرون القرآن أم علی قلوب أقفالہا’’ (محمد)، اس سے ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے قرآن کریم دیگر علوم ومعارف پر مشتمل ہے اسی

طرح ضرورت کے مطابق جنسی مسائل پر بھی مشتمل ہے، لہذا ان مسائل کو بھی سمجھنا ضروری ہے۔

لیکن عمر کے ہر حصے سے متعلق احکام کی تعلیم اسی کی مناسبت سے دیجئے، لہذا یہ قطعاً نامعقول بات ہے کہ آپ دس سال کی عمر کے بچے کو جنسی ملاپ کے اصول بتلائیں، لڑکی کو یہ جنسی مسائل سکھانے کا کام ماں کو انجام دینا چاہئے لیکن اگر کسی لڑکی کی ماں موجود نہ ہو تو اس کی جگہ کوئی اور عورت یہ کام انجام دیدے تو بہتر ہے۔

یہ بات بھی خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ جذبات کے اس بے قابو سیلاب او ربے راہ روی کے اس تباہ کن منجدھار سے پورے عالم کو آج دین اسلام کا نظریہ جنس ہی بچاسکتا ہے، کاش کہ مسلمان اس فلسفہ کو سمجھتے اور اپنی متاع گم شدہ دوبارہ حاصل کرتے (تربیت الاولاد ۳۹۸،۴۰۰)۔

بچوں کا نکاح اور اس سے متعلق اسلامی تعلیمات:

اس سلسلہ میں چند احادیث کریمہ نقل کی جاتی ہیں:

(۱) ''عن حاتم بن إسماعیل قال: سمعت عبد الله بن ہرمز قال: قال رسول اللہﷺ إذا جاءکم من ترضون دینہ وخلقہ فانکحوہ، إلا تفعلوا تکن فتنۃ فی الأرض وفساد عریض'' (احکام القرآن ۴۸۵،۱)۔

(۲) ''ذکر البیہقی من حدیث مسلم بن إبراہیم قال رسول اللہﷺ: من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وأدبہ فإذا بلغ ولم یزوجہ فأصاب إثماً فإنما إثمہ علی أبیہ'' (بیہقی۴۰۱،۶)۔

(۳) ''ثلاثا لا تؤخرہا:الصلاۃ إذا دخل وقتہا، الجنازۃ إذا حضرت، والأیم إذا وجدت لہا کفواً'' (ترمذی کتاب الصلاۃ)۔

مذکورہ بالا احادیث کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی معقول وجہ اور عذر نہ ہو تو شریعت مقدسہ کی نگاہ میں بلوغ کے بعد نکاح میں تعجیل مطلوب ومقصود ہے، اور بلوغ کے بعد جلد ازجلد نکاح کردینا عفت وطہارت اور معاشرہ کی پاکیزگی کا سبب وذریعہ ہے، البتہ اگر نکاح میں تاخیر کی کوئی معقول وجہ ہو اور نکاح کے فی الفور وجوب کے اسباب (دواعی معصیت) نہ ہوں تو تاخیر کرنا جائز ہے، مثلاً بچے کا اعلی تعلیم میں مشغول ہونا اور معصیت میں ابتلاء کا خطرہ نہ ہونا، اس وقت نکاح میں تاخیر کرنا جائز ہے، لیکن اگر معصیت میں ابتلاء کا خطرہ اور ظن غالب ہو تو پھر نکاح میں تاخیر کی گنجائش نہیں، فی الفور نکاح کرنا واجب ہے، کیونکہ اعلی تعلیم کا حصول زیادہ سے زیادہ فرض کفایہ ہوگا، اور معصیت سے بچنا بہرحال فرض عین ہے، اور فرض عین کا فرض کفایہ پر مقدم ہونا ظاہر ہے۔

''ویکون واجباً عند التوقان فإن تیقن الزنا إلا بہ فرض ہذا إن ملک المہر والنفقۃ وإلا فلا إثم بترکہ (قولہ عند التوقان) والمراد شدۃ الاشتیاق أی بحیثیخاف الوقوع فی الزنا لو لم

یتزوج،قلت کذا فیمایظہر لو کان یمکنہ منع نفسہ عن النظر المحرم أو عن الاستمناء بالکف فیجب التزوج وإن لم یخف الوقوع فی الزنا، (قولہ فإن تیقن الزنا الخ) أی بأن کان لا یمکنہ الاحتراز عن الزنا إلا بہ ....''(شامی۴،۶۳-۶۵ ملخصا)۔

حاصلیہ کہ اگر معصیت میں ابتلا کا ظن غالب یایقین ہو تو شادی کو موخر کرنا کسی حال میں جائز نہیں فی الفور نکاح کردینا واجب ولازم ہے، البتہ اگر معصیت میں ابتلاء کا خطرہ نہ ہو تو اگر تاخیر کی کوئی وجہ معقول ہو تو نکاح کو موخر کرنے میں کوئی کراہت نہیں، اور بلا وجہ نکاح کو موخر کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

کمسنی (قبل البلوغ) کے نکاح کا حکم:

شریعت مقدسہ قبل البلوغ نکاح میں بہت سے مفاسد کی وجہ سے اس کی تائید وہمت افزائی تو نہیں کرتی ہے لیکن بہت سے مصالح کے پیش نظر اولیاء کو اپنے زیر تربیت بچوں کے نکاح کی نابالغی کی حالت میں اجازت دیتی ہے اور قبل البلوغ نکاح کے جو مفاسد ہیں اس کا سد باب خیار بلوغ وغیرہ سے کرتی ہے، لہذا کم سنی میں اگر نکاح کرنے کی کوئی معقول وجہ موجود نہ ہو تو بہت سے مفاسد کی بنا پر ایسا کرنا شرعاً ناپسندیدہ اور حماقت وجہالت پر مبنی عمل ہوگا، البتہ اگر کوئی معقول وجہ موجود ہو تو شریعت کی دی ہوئی رخصت کے مطابق کم سنی کی نکاح میں کوئی حرج نہیں، خود حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نکاح نبی پاکﷺ سے چھ یا سات سال کی عمر میں ہوا تھا، اسی طرح حضرت سلمہؓ کا نکاح آپﷺ نے حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی سے کردیا تھا جبکہ دونوں چھوٹے بچے تھے۔

''فزوجہ رسول اللہﷺ بنت حمزۃ وہما صبیان صغیران فلم یجتمعا حتی ماتا'' (احکام القرآن ۲،۶۲)۔

حضرت تھانویؒ نے اصلاح انقلاب امت میں نابالغی کی حالت میں نکاح کرنے سے بہت سختی کے ساتھ منع کیا ہے، اور تفصیل سے اس کے مفاسد پر کلام کیا ہے (اصلاح انقلاب امت ۲،۴۳)۔

نابالغی کی حالت میں نکاح پر تفصیلی کلام حضرت مفتی محمد تقی صاحب عثمانی کی کتاب ہمارے عائلی مسائل صفحہ ۱۵۷-۱۸۹ پر موجود ہے، وہ فرماتے ہیں: یہ صحیح ہے کہ کم عمری میں شادی کرلینے کی اسلام نے کہیں ہمت افزائی نہیں کی ہے کیونکہ بعض اوقات اس طرح کی شادیوں سے بہت سے مفاسد کھڑے ہوجاتے ہیں۔

بچہ مزدوری کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات اور اس کا موقف:

شریعت اسلامیہ نے بچوں کی پرورش اور ان کے نان ونفقہ اور تعلیمی ضروریات وغیرہ کی فراہمی کو ان کے اولیاء اور ذمہ داروں پر لازم کیا ہے، اور بچوں کو کمانے ومزدوری کرنےو غیرہ سے تعلیمی ودیگر اعلی مقاصد کے لئے بالکل فارغ کردیا ہے، لہذا

بلا کسی ضرورت کے بچوں کو تعلیمی وتربیتی مشاغل سے ہٹاکر کام کاج ومزدوری میں لگانا اصول شریعت کے بالکل خلاف ہے، یہاں تک کہ بعض فقہاء نے والد کو اس کی اجازت ہی نہیں دی کہ وہ بچوں کو مزدوری وغیرہ پر لگائیں، کیونکہ والد وغیرہ کے ذمہ خود اپنی اور بچوں کی ضروریات کے لئے کمانا فرض ہے۔

''جاز إجارتہ لأمہ فقط'' (درمختار ۵۵۹،۹)۔

''الکسب قد یکون فرضاً وہو الکسب بقدر کفایۃ لنفسہ وعیالہ وقضاء دیونہ ونفقتہ'' (ہندیہ۳۴۸،۵)۔

بچوں کے کمانے کے سلسلہ میں اسلامی تعلیم وہ ہے جس کو منتقا شرح مؤطا وغیرہ میں بیان کیا گیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

اسلام نے بچوں کو کمانے کی ذمہ داری سے فارغ رکھنے کو مستحب قرار دیا ہے، اوراس سلسلہ میں حضرت امام مالکؒ نے حضرت عثمان غنیؓ کا ایک اثر نقل کیا ہے کہ غیرہنر مند باندیوں کو کمانے پر مجبور نہ کرو، ورنہ وہ اپنی آبرو کے ذریعہ کمائی کرےگی، اسی طرح بچوں پر بھی کمانے کا بوجھ نہ ڈالوورنہ وہ چوری کرینگے، جب اللہ تعالی نے ان کو معاف رکھا ہے تو تم بھی معاف ہی رکھو (دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ۲۴۲،۳۴)۔

بچوں سے والدین اور اولیاء کا گھر کے کام کاج لینا:

بچوں کی تربیت اور ان کی عادت ڈالنے کے لئے بچوں کی صلاحیت کے مطابق اس حد تک گھر کے کام کاج لینا جس سے ان کی صحت اور تعلیم وغیرہ پر کوئی فرق نہ آئے تو اولیاء اور ذمہ دار کا ایسا کرنا جائز ہی نہیں بلکہ بہتر ہے۔

''فإن بلغہ حد الکسب للأب أن یؤجرہ أو یدفعہ فی حرفۃ لیکتسب وینفق علیہ من کسبہ لو کان ذکراً'' (شامی۳۳۷،۵)۔

''إجارۃ الصغیر جائزۃ کإجارۃ الأم الصغیر لأن فیہا صونا عن الفساد بکونہ مشغولاً بعملہ'' (شامی۵۶۰،۹)۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ واضح ہوگیا کہ بچوں سے گھر کے کام کاج لینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ان کی حیثیت سے زائد ان پر بوجھ نہ ڈالا جائے اور دیگر اعلی مقاصد میں خلل واقع نہ ہو (تفصیل کے لئے دیکھئے: تربیت الاولاد۱۵۶-۱۵۷)۔

صنعت وحرفت کی تعلیم:

بچوں کو ان کی صلاحیت اور ان کے رجحان کے مطابق تعلیم کے ساتھ ساتھ کوئی ہنر اور صنعت وغیرہ کا طریقہ بھی سکھلاتا رہے، حضرات علماء نے اس کی تاکید کی ہے کہ بچوں کو تعلیم کے ساتھ ساتھ کوئی ہنر بھی سکھلاتا رہے۔

''دفع غلامہ أو ابنہ لحائک مدۃ کذا لیعلمہ النسج وشرط علیہ کل شہر کذا جاز ''

(شامی۹؍۵۸)۔

''فإن بلغہ کان للأب أن یوجرہ أو یدفعہ فی حرفۃ لیکتسب وینفق علیہ من کسبہ .... أی الممنوع إیجارہا للخدمۃ ونحوہا مما فیہ تسلیمہا للمستاجر بدلیل قولہم: لأن المستاجر یخلو بہا وذا لا یجوز فی الشرع وعلیہ فلہ دفعہا لامرأۃ تعلمہا حرفۃ کتطریز وخیاطۃ مثلاً '' (شامی۵؍۳۳۷، شامی۹؍۵۶۰)۔

تربیت الاولاد میں ہے کہ وہ بچے جو تعلیم میں فوقیت لے جاتے ہیں (یعنی جو ذہین اور محنتی ہوں) اگر وہ تعلیم کو آخری منزل تک پہنچانا چاہتے ہوں تو ان کو تعلیم ہی میں مصروف رکھنا چاہئے، بشرطیکہ چھٹیوں کے موقع پر اپنے ذوق وپسند کے کام کاج اور صنعت وحرفت سیکھتے رہیں، کیونکہ انہیں نہیں معلوم کہ آئندہ کیا کیا حوادثات وپریشانیاںپیش آنے والی ہیں، مربی کے لئے ضروری ہےکہ وہ سمجھے کے بچہ کس پیشے کی طرف مائل ہے اور کیا کام اس کے مناسب ہے اور زندگی کے کن آرزوؤں اور مقاصد کا خواہاں ہے، کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ بچے ذکاوت وطاقت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، لہذا سمجھدار مربی وہ ہے جو بچے کو اس کی جگہ رکھے جو اس کے مزاج کے موافق ہو (تربیت الاولاد ؍۵۵۶)۔

معاشی ضرورت پوری کرنے کے لئے یا بہتر کرنے کے لئے بچوں سے مزدوری کروانا:

معاشی ضرورت پوری کرنے کے لئے والدین کو حق ہے کہ بچہ اگر مزدوری کے لائق ہوگیا ہے تو اس کو مزدوری پر لگائیں، البتہ معاشی ضرورت کو بہتر بنانے کے لئے بچوں کو مزدوری پر لگانا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے، حاصل یہ کہ جب بچہ مزدوری کے لائق ہوجائے تو اس کی عمر کے مناسب کامونکے لئے ضرورت کے وقت مزدوی پر لگانے کی اجازت ہے، اور بلا ضرورت شدیدہ بچوں کو مزدوری پر لگاکر ان کو تعلیمی مقاصد سے دور رکھنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہونےکی وجہ سے بہت ہی ناپسندیدہ ہے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے۔

''لیس لأحد أن یستخدم الصغیر بدون عوض ما عدا للأب والجد والوصی وہؤلاء استخدامہ علی سبیل التہذیب والریاضۃ... وللأب أن یعیر الصغیر للتعلیم من أستاذ أو تعلم حرفۃ أو صناعۃولیس لہ أن یعیرہ لغیر ذلک کما أنہ لیس لأب الصغیر أن یعیر مالہ'' (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام لعلی حیدر ۱، ۳؍۵۹۰)۔

معاشی بدحالی کی صورت میں بچہ مزدوری:

معاشی بدحالی کی صورت میں جب انسان اپنی پوری کوشش کےباوجود اپنے اور اپنے زیر کفالت بچوں کے لازمی اخراجات کے بقدر کمائی نہ کرسکے اور بچوں سے مزدوری کرانے کے علاوہ لازمی ضروریات کی تکمیل کی کوئی صورت نہ رہ جائے تو بچہ کی عمر وصحت کے موافق مجبوراً کسی کام مینلگاکر مزدوری کرانے کی شرعاً

اجازت ہے، لیکن اس صورت میں بھی صنعت وحرفت کے کام میں لگانا جس سے دونوں مقصد حاصل ہو بقدر ممکن ضروری ہے تاکہ بچے کا مستقبل ہر طرح سے برباد نہ ہو۔

دین اسلام میں بچوں کو سزا دینےکے اصول وضوابط:

اصلیہ ہےکہ بچے کےساتھ نرمی وپیار کا برتاؤ کیا جائے، چنانچہ امام بخاریؒ اپنی کتاب ‘‘الادب المفرد ’’ میں روایت کرتے ہیں کہ نرمی اختیار کرو اور سختی وفحش گوئی سے بچو، اور آجریؒ روایت کرتے ہیں کہ سکھاؤ لیکن سختی نہ کرو۔

خطا کار بچے کو سزا دینے میں اس کی طبیعت کی رعایت کی جائے، بچے ذکاوت وسمجھداری میں ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوتے ہیں، لہذا بعض کو اصلاح وتنبیہ کے لئے ان کی طرف ترچھی نگاہوں دیکھنا بھی کافی ہوتا ہے جبکہ دوسرا بچہ سزا میں سختی اور ڈانٹ ڈپٹ کا محتاج ہوتا ہے، اور کبھی مربی کو اصلاح ونصیحت ڈانٹ ڈپٹ میں ناکامی کے بعد ڈنڈے کے استعمال کی ضرورت پڑتی ہے، غرض مربی کو سزا دینے میں نہایت حکمت سےکام لینا چاہئے اور ایسی سزائیں دینا چاہئے جو اس کی ذکاوت اور مزاج کے موافق ہو۔

سزا دینے میں تدریج سےکام لینا چاہئے، یعنی مربی پہلے معمولی سزا دے اور سخت سزا بالکل آخری مرحلہ میں اختیار کرنا چاہئے جس کا مطلب یہ ہے کہ اصلاح کرنے اور سزا دینے کے چند مراتب ومراحل ہیں جنہیں مربی کو مارپیٹ سےپہلے اختیار کرنا چاہئے۔

بچوں کو سزا دینے کے شرائط:

(۱) مربی کو مارپیٹ کی طرف اس وقت متوجہ نہیں ہونا چاہئے جب تک وہ تنبیہ اور ڈانٹ ڈپٹ کے تمام وسائل بروئے کار نہ لےآئے۔

(۲) مربی کو چاہئے کہ سخت غصہ کی حالت میں بچے کو ہرگز نہ مارے جس سےبچے کو جسمانی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

(۳) نیز مربی کو چاہئے کہ بچے کو ایسی جگہ پر نہ مارے جہاں مارنے سے ایذا ونقصان کا خوف ہو، جیسے چہرہ، سر، سینہ اور پیٹ وغیرہ، چنانچہ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا: چہرے پر مت مارو (ابوداؤد)۔

(۴) سزا کےابتدائی مراحل میں زیادہ سخت اور تکلیف دہ مار نہ ہو بلکہ ہلکی پھلکی معمولی چھڑی سے ہاتھ پاؤں وغیرہ پر مارنا چاہئے، اور اگر بچہ چھوٹا ہو تو دوتین قمچیوں سے زیادہ نہیں مارنا چاہئے۔

(۵) جب تک بچہ دس سال کی عمر کو نہ پہنچ جائے اس حدیث کی بنا پر جو پہلے گذر چکی ہے کہ اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جبکہ وہ سات سال کے ہوجائیں اور نماز نہ پڑھنے پر ان کو مارو جب کہ وہ دس سال کے ہوجائیں۔

(۶) غلطی کا صدور بچے سے پہلی مرتبہ ہوا ہو تو اسے اس جرم سے توبہ کا موقع

دینا چاہئے اور اس کا عذر قبول کرنا چاہئے۔

(۷) مربی بچہ کو خود مارے یہ ذمہ داری اس کے کسی بھائییا ساتھی کے سپرد نہ کرے تاکہ باہم لڑائی جھگڑا نہ ہو۔

(۸) بچہ جب بلوغ کی عمر کو پہنچ جائے اور مربییہ محسوس کرے کہ تنبیہ وزجر کے لئے دس چھڑیاں مارنا کافی نہیں تو وہ اس پر اضافہ بھی کرسکتا ہے، اور تکلیف دہ مار بھی لگاسکتا ہے اور بار بار بھی مارسکتا ہے، یہاں تک کہ وہ محسوس کرے کہ بچہ صحیح راستہ پر آگیا ہے، اور اب بالکل سیدھے راستہ پرٹھیک ٹھاک چل رہا ہے (تربیت الاولاد ۴۴۰۔۲۴۴)۔

نابالغ بچوں کی سزائیں:

نابالغ بچوں سے جو جرائم سرزد ہوتے ہیں ان جرائم کی شرعی سزائیں بچوں پر نافذ نہ ہونگی خواہ بچے ممیز ہوں یا غیر ممیز، اور اسی طرح سے بلوغ کے بعد بھی نابالغی کے جرائم کی سزا نہیں دی جائے گی، لیکن بچوں کی تربیت واصلاح کے لئے جرائم کے لحاظ سے خود بچوں کو صحت اور عمر کا خیال کرتے ہوئے تعزیری سزائیں دینا شرعاً جائز ہے۔ حضرات فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہےکہ نابالغ مجرم کی تعزیر جائز ہے، لیکن شرعی سزا دینا جائز نہیں، اس لئے کہ وہ مکلف نہیں ہے، لیکن اگر بچہ اتنا چھوٹا ہو کہ جو سمجھ نہ رکھتا ہو اس کو تعزیری سزا دینا بھی جائز نہیں، البتہ بچے کے ممیز وسمجھدار ہونے کے بعد جرائم، عمر، صحت وغیرہ کو خیال کرکے مناسب سزا دینا جائز ہے، اسی طرح اگر بچے سے کسی کا کوئی مالی نقصان ہوجائے تو اس کی بھرپائی بچے کے مال سے کی جائے گی۔

''لقد قسم الفقہاء مراحل الصغر إلی قسمیں رئیسین: الأول الصغیر غیر الممیز وہذا لا یطبق علیہ الحدود والقصاص، ولکن یؤدب علی ما ارتکب بما یتناسب بما صغر سنہ بالتوبیخ والضرب غیر المتلف وأما إذا ارتکب الصغیر فعلا من شأنہ إتلاف مال الغیر وجب علیہ ضمان ما أتلفہ من مالہ وکذا لو قتل إنساناً خطأ وجبت الدیۃ فی مالہ، وہذا ہو البدأ العام الذییحدد علاقۃ الصغار بالعقوبات'' (الموسوعہ ۳۳،۷۲)۔

بچوں کے جرائم پر سخت سزائیں دینا:

بچوں کی تربیت کے لئے ان کو سزا دینے سے متعلق آپﷺ کی جو پاکیزہ تعلیمات ہیں ان میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کی سزاؤں میں جرم، عمر، صحت ہر ایک کا لحاظ کرنا ضروری ہے، نہ تو بہت سخت سزائیں دینا جائز ہے اور نہ ہی ناقابل تحمل کام لینا،یا ان کی مارپیٹ شرعاً کسی چیز کی اجازت نہیں، البتہ قید وبند کی سزا نابالغ کو بھی دینا مصلحت کے مطابق جائز ہے، حاصل یہ کہ بچوں کو سزا دینے میں ان کی تربیت پیش نظر رہے بس۔

بے سہارا بچونکے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات:

بے سہارا بچے جن کے والدین اعزاء واقارب میں سے کسی کا پتہ نہ ہو یا پتہ توہو لیکن وہ اس دنیا میں موجود نہ ہوں یا موجود ہوں لیکن اپنی بے حسی وسنگدلی کی وجہ سے ان سے قطع تعلق کرچکے ہوں تو ایسے بے سہارا بچوں کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات بڑی روشن ہیں، ان پر یتیمولقیط وغیرہ سے متعلق روایات واحکام صادق آئینگے، لقیط کی تعریف شریعت میں ہر اس بچے پر صادق آتی ہے جس کو تنگدستییا تہمت وغیرہ کی وجہ سے اس کے گھر والوں نے پھینک دیا ہو، ایسے لاوارث بچوں کاحکم شریعت مینیہ ہے کہ اگر اس کی جان کا بچنا کسی معین شخص کے حاصل کرنے پر موقوف ہو تو اس معین شخص کا اس کو حاصل کرکے پرورش کرنا فرض عین ہے، لیکن اگر کسی معین شخص پر اس کی جان کی حفاظت موقوف نہ ہو تو فرض کفایہ ہے، اور اگر جان کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اس کو حاصل کرکے پرورش کرنا بڑی فضیلت وثواب کا کام ہے، اس سلسلہ میں نبی پاکﷺ کے ارشادات اور فقہاء کے کلام اس کے بعد ملاحظہ فرمائیں:

(۱) یتیم کی کفالت کرنے والے کے سلسلہ میں آپﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں دونوں اس طرح ساتھ ہونگے جیسے کہ شہادت اور بیچ کی انگلی:''أنا وکافل الیتیم فی الجنۃ ہکذا، وقال بأصبعیہ السبابۃ والوسطی '' (بخاری شریف ، کتاب الادب)۔

(۲) ایک روایت میں آپﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مسلم یتیم بچے کو قبضہ میں لے کر اس کے کھانے پینے کا نظم کرے تو اسے اللہ تعالی جنت میں ضرور داخل کرے گا:''من ضم یتیماً بین أبوین مسلمین إلی طعامہ وشرابہ حتییغنیہ اللہ وجبت لہ الجنۃ'' (مجمع الزوائد ۸،۱۶۱)۔

(۳) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آپﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی نظر میں سب سے اچھا گھر وہ ہے جس گھر میں کوئییتیم باعزت طریقے پر رہتا ہو۔

(۴) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ مسلمانوں کا سب سے اچھا گھرانہ وہ ہے جس مینیتیم کے ساتھ حسن سلوک کیاجاتا ہو، اور سب سے بدترین گھرانہ وہ ہے جس مینیتیم کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو:''خیر بیت فی المسلمین بیت فیہیتیمیحسن إلیہ وشر بیت فی المسلمین بیت فیہیتیمیساء إلیہ'' (ابن ماجہ)۔

مذکورہ بالا فضائل یتیم بچوں کی پرورش اور ان کی دیکھ بھال سے متعلق ہیں اور یتیم اس بچے کو کہا جاتا ہے جس کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا ہو گرچہ والد کے علاوہ دادا، چچا، نانا، ماموں جیسے قرابت دار غمگسار لوگ موجود ہوتے ہیں تو جب صرف والد کو کھونے والے بچے کےساتھ حسن سلوک کرنے کے یہ فضائل ہیں تو اس بچے کے ساتھ

جس کا اس دنیا میں کوئی سہارا موجو دنہ ہو حسن سلوک کے یہ فضائل بدرجہ اولی حاصل ہونگے، ''اللقیط إذا حرص الإسلام علی مصلحۃ من فقد واحداً من أبویہ فإنہ یحرص أیضاً علی اللقیط الذییستقبل الحیاۃ فی ظروف أصعب تقطعت بہ الأسباب وہا ہو ذا یستقبل الحیوۃ وحدہ'' (اولادنا ،۳۲۲)۔

لاوارث بچوں کے سلسلہ میں حکومت کی ذمہ داری:

لاوارث بچوں کے سلسلہ میں شریعت اسلامیہ کی تعلیم کے مطابق لاوارث بچوں کے اخراجات حکومتی خزانے سے پورے کئے جائیں گے، حکومت ہی اصل میں ایسے بچوں کی ذمہ داراور دیکھ ریکھ کروانے کی پابند ہے، لہذا جہاں اسلامی حکومت او راس کے تحت بیت المال قائم ہو وہاں لقیط کا نفقہ بیت المال کے ذمہ ہوگا، چنانچہ حضرت عمرؓ کا معمول مبارک یہی تھا کہ بیت المال سے ایسے لوگوں کا نفقہ ادا فرماتے تھے:''أن عمرؓ کان إذا أتی باللقیط فرض لہ مائۃ درہم وفرض لہ رزقاً یأخذہ ولیہ کل شہر، وکان یوصی بہم خیراً، ویجعل إرضاءہم ونفقتہم فی بیت المال'' (الطبقات الکبری ،۲۲۴)۔

چنانچہ تربیت الاولاد میں ہے: اسی طرح حکومت کا یہ بھی فریضہ ہے کہ وہ لاوارث بے سہارا بچوں کی کفالت کرے، اگر کوئی لاوارث بچہ مل جائے تو اس کی دیکھ بھال کرے، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے کیا تھا (تربیت الاولاد،۲۴۷)۔

لاوارث بچے کے سلسلہ میں سماجی ذمہ داریاں:

حکومت چونکہ عوام وسماج کی نمائندہ ہوتی ہے تو اگر وہ اپنے فرائض کو ادا کرے تو بہتر ہے، ورنہ لاوارث بچوں کی دیکھ بھال او راس کی تربیت او ر اس کے اخراجات عامۃ الناس کے ذمہ لازم ہوگی، البتہ پرورش کے لئے بچے کو جس نے پہلے حاصل کیا ہے اس کو رکھنے کا وہی زیادہ حقدار ہے۔

''ومعنی ذلک تحول المجتمع لیصیر أبا لہذا للقیط فیملأ بذلک الفراغ الناشی عن فقد والدیہ .... ومایترتب علی ذلک من إعدادہ إعداد ا یفید المجتمع الذی جعل منہ عضوا نافعاً، فاللقیط ہو مجہولو النسب، یعیشون فی رعایۃ الإسلام وذمتہ وہم إخوان المسلمین'' (اولادنا ،۳۲۳)۔

لاوارث بچوں سے متعلق چند احکام :

جس بچے کا کوئی وارث نہ ہو اور اس کے اولیاء ذمہ داراوں نے بچے کو کسی جگہ ڈالدیا ہو تو اس سے متعلق مندرجہ ذیل احکام ہیں:

(۱) اگر بچے کی ہلاکت کااندیشہ ہو تو ایسی صورت میں اولیاء اور ذمہ دار قتل کے گنہگار ہونگے۔

ویأثم طارحہ وتارکہ إن ہلک وینسحب علیہ قولہ تعالی: ''ولا تقتلوا أولادکم خشیۃ إملاق'' (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ،۲۷۶)۔

(۲) اگر لاوارث بچہ کی جان بچنا کسی متعین شخص کے اٹھانے پر موقوف ہو کہ

اگر وہ نہ اٹھائےتو بچہ کی جان جانے کا ظن غالب ہو تو ایسی صورت میں بچہ کا اٹھانا فرض عین ہے:''وإذا کان المکان خالیاً لا یوجد فیہ غیرہ فیکون التقاطہ فرض عین، ومثلہ فی الحکم رویۃ أعمی علیوشک الوقوع فی البیر'' (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ،٢٧٦)۔

(٣) اور اگر لاوارث بچہ جس کی ہلاکت کا اندیشہ ہو اس کے اٹھانے والے بہت سے حضرات موجود ہوں تو ان سب کے ذمہ اس کا اٹھانا فرض کفایہ ہے، اگر کوئی ایک اٹھاکر اس کی حفاظت کرے گا تو سب گناہ سے بچ جائینگے، ورنہ اس کی ہلاکت کی صورت میں سب گناہ گار ہونگے (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ،٢٧٦)۔

(۴) ایسے بچےکے اخراجات حکومتی خزانے سے پورا کرنا ضروری ہے، اگر حکومت اپنے فریضے سے لاپرواہی برتے تو عامۃ الناس کے اوپر اس کے ضروری اخراجات کی فراہمی لازم ہے:''ونفقۃ اللقیط علی ولی الأمر ففی الحدیث الشریف عن أبی ہریرۃ أن النبیﷺ قال:أنا أولی بالمؤمنینمن أنفسہم'' (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید،٢٧٧)۔

(۵) ایسا لاوارث بچہ کسی کا غلام نہیں بلکہ آزاد ہوگا (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ،٢٧٧)۔

(۶) کسی کو بھی پرورش کرنے والے سے زبردستی لینے کا کوئی حق نہیں، البتہ اگر بچہ کو منتقل کرنے میں اس کا دینی نفع ہو اور اس کے پاس باقی رکھنے میں اس کا دینی ضرر ہو تو پھر ایسی صورت میں منتقل کردیا جائے گا:''ولیس لأحد أن یأخذہ قہراً لأن سبق حق الحفظ لواجدہ لسبق یدہ وینبغی أن ینزع منہ إن لم یکن أہلاً لحفظہ'' (الفقہ الحنفی،٢٧٧)۔

(٧) بچے کے والد کا علم اگر کسی دلیل سے نہ ہو تو اس بچے کو کسی کا بیٹا قرار دینا شرعاً حرام وناجائز ہے:ولا یجوز للملتقط أن ینسبہ إلی نفسہ لقولہ تعالی ''ادعوہم لآبائہم وہو أقسط عند اللہ'' (الفقہ الحنفی،٢٧٧)۔

اپنا بچہ کسی دوسرے کے حوالہ کرنا:

بچے کی جان اور اس کے نسب کی حفاظت اور اس کو ہرقسم کے دینی ودنیاوی ضرر سے محفوظ رکھنا یہ والدین کا فریضہ ہے، او روالدین کے لئے کوئی ایسی صورت اختیار کرنا شرعاً حرام وناجائز ہے، جس سے بچے کی جان اور اس کا نسب خطرے میں پڑجائے، اسی طرح سے ہر ایسی صورت بھی شرعاً حرام وناجائز ہے جس میں بچے کے دینییا دنیوی ضرر کا ظن غالب ہو، لہذا اپنا بچہ کسی دوسرے کے حوالہ کرکے اس سے اس طرح سےبے تعلق ہوجانا کہ بچہ کسی دوسرے کی طرف منسوب ہونے لگے تو یہ بچے کے قتل کے مترادف ہونے کی وجہ سے شرعاً حرام وناجائز ہے، اسی طرح اپنا بچہ کسی دوسرے کے حوالہ کرنے میں اس کا دینی ضرر واضح ہو اگرچہ نسب وغیرہ محفوظ رہے اور دنیوی نفع بھی ہو تو بھی بچے کو کسی دوسرے کے سپرد کرنا جائز نہیں۔

اللہ تعالی نے فرمایا:

‘‘ادعوہم لآبائہم وہو أقسط عند اللہ فإن لم تعلموا آباءہم فإخوانکم فی الدین ومواليکم ولیس علیکم جناح فیما أخطأتم بہ ولکن ما تعمدت قلوبکم وکان اللہ غفوراً رحیماً’’ (سورہ احزاب: ۵)۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

‘‘من ادعی إلی غیر أبیہ وہو یعلم أنہ غیر أبیہ فالجنۃ علیہ حرام ’’ (متفق علیہ)۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

‘‘لا ترغبوا عن أبائکم فمن رغب عن أبیہ فہو کفر’’ (متفق علیہ، تفصیل کے لئے دیکھئے: رد المحتار ۳۵۸،۵)۔

البتہ اگر بچہ کو دوسرے کے حوالہ کرنے کی صورت میں اس کے نسب کا کوئی خطرہ نہ ہو اور نہ ہی اس کا کوئی دینی ضرر ہو بلکہ دینی ودنیوی ہر اعتبار سے بچے کا نفع ہو تو ایسی صورت میں بچہ کو دوسرے کے سپرد کرنا شرعاً جائز ہے ،کیونکہ پرورش میں اصل مقصود بچے کو ہر قسم کے دینی ودنیوی ضرر سے محفوظ رکھنا او راس کے ہر طرح کے نفع کا خیال رکھنا ہے۔ اسی وجہ سے جن صورتوں میں بچے کے دینی ودنیوی اخلاقی ضرر کا پہنچنا یقینی ہوجائے ان صورتوں میں پرورش کرنے والوں کا حق پرورش ساقط ہوجاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حق پرورش اسقاطات کی قبیل سے ہے بشرطیکہ اس میں بچے کا کوئی ضرر نہ ہو۔

خلاصہیہ ہے کہ بچہ دوسرے کے حوالہ کرنے میں اگر اس کا دینی دنیاوی نفع ہو اور کوئی ضرر نہ ہو تو بچہ کو دوسرے کے حوالہ کرنا شرعاً جائز ہے۔

بچہ حاصل کرنے والوں کی طرف سے ملنے والا ہدیہ:

بچہ دے کر اس کا عوض وصول کرنا شرعاً حرام وناجائز ہے، اگر اس کو بچہ کا عوض مانا جائے تو یہ بیع باطل ہونے کی وجہ سے ثمن لینا حرام ہوگا اور اگر اس حق پرورش منتقل کرنے کا عوض مانا جائے تو یہ حق مجرد کا عو ض ہے جس کا لینا شرعاً باطل ہے، لہذا بچہ کے بدلہ میں حاصل کیا جانے والا عوض کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔

‘‘بطل بیع ما لیس بمال کالدم والمیتۃ والحر .... لأنہ معصیۃ فیجب رفعہا’’ (شامی ۲۳۵،۷-۲۹۱)۔

البتہ بچہ کو اس کی دینی ودنیاوی نفع کو ملحوظ رکھ کر دوسرے کو سپرد کرنے کی صورت میں بچے کے والدین وپرورش کرنے والوں کے درمیان اگر ان سے تعلق قائم ہوجاتا ہے او روہ ‘‘تہادوا تحابوا ’’ کے تقاضے سے بلا کسی جبر واکراہ سے اپنی رضا وخوشی سے بچے کے والدین کو کچھ ہدیہ وہبہ کریں تو ہدیہ وہبہ شرعاً جائز ہے، اس کی ممانعت کی کوئی وجہ نہیں (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید۳۹۴،۲)۔

افلاس کی وجہ سے ضائع ہونے والے بچوں کے تحفظ کا طریقہ:

جب بچوں کو فروخت کرنے کا سبب معلوم ومتعین ہے تو اس کا سد باب اس

کےازالہ سے ہی ہوگا اور جب سبب کا افلاس ہونا ظاہر ہے تو ایسے واقعات کی روک تھام افلاس کو دور کرنے سے ہوگی، جس کے لئے اسلام نے اولاً حکومت کو پابند کیا کہ ایسے بچوں کے وظیفے جاری کئے جائیں، اور دوسرے لوگوں کو افلاس کو دور کرنے کے لئے صدقہ وغیرہ پر ترغیب دےکر افلاس کے خاتمے کی کوشش کی گئی، چنانچہ امام طبرانی رسول اللہﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی نے مالدار مسلمانونکے مال میں اتنی مقدار کا نکالنا فر ض کیا جو ان کے فقراء کو کافی ہو، اور فقراء بھوک اور بے لباسی کا شکار مالداروں کی کوتاہی کی وجہ سے ہوتے ہیں، سن لو اللہ تعالی ان کا سخت حساب لے گا اور ان کو دردناک عذاب دے گا (تربیت الاولاد،٢٥١)۔

افلاس کے سد باب کا اسلامی تصور:

(١) وظیفے کا دستور:

اسلام نے خاندان والوں کو بچہ پیدا ہونے پر وظیفہ دینے کا نظام رائج کیا ہے، چنانچہ مسلمانوں کے یہاں جو بچہ بھی پیدا ہوگا خواہ وہ بچہ حاکم کا بیٹا ہو یاملازم کا، مزدور کا ہو یا بازاری کا سب کو وظیفہ دیا جائے گا، چنانچہ ابوعبیدہ اپنی ''کتاب الاموال '' میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ہر پیدا ہونے والے بچہ کے لئے وظیفہ مقرر کرتے تھے جو اس کے باپ کی طرح اسے بھی ملتا تھا، جس کی مقدار سو درہم تھی، او ربچہ جیسے جیسے بڑھتا جاتا اس طرح اس کا وظیفہ بھی بڑھتا جاتا، حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے بھی اور دیگر خلفاء نے بھی اس پر عمل کیا۔

''قال:وكان ديوان حمير على حدة وكان يفرض لأمراء الجيوش والقرى فى العطاء ما بين تسعة آلاف وثمانية آلاف وسبعة آلاف على قدر ما يصلحهم من الطعام وما يقومون به من الأمور، قال:وكان للمنفوس إذا طرحته أمه مائة درهم فإذا ترعرع بلغ به مائتين فإذا بلغ زاده" (كتاب الخراج لابييوسف،٤٦، دار المعرفه للطباعه والنشر بيروت لبنان)۔

(٢) اسلام نے اس مسلمان کو مسلمان شمار نہیں کیا جو خود پیٹ بھر کر رات گزارے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو اور اس کو اس کی خبر بھی ہو، چنانچہ بزار وطبرانی رسول اکرمﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا جو پیٹ بھر کر رات گذارے اور اس کا پڑوسی اس کے پڑوس میں بھوکا پڑا ہو اور اس کومعلوم بھی ہو (مشکوۃ شریف،٤٢٤، حدیث: ٤٩٨٥)۔

(٣) اس کے برخلاف اسلام نے اس کی حاجت روائی، امداد اور اس کے خوش کرنے کو بہترین نیکی اور بڑا اونچا عمل قرار دیا ہے، چنانچہ امام طبرانی اپنی کتاب ''معجم اوسط'' میں حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا:

''أفضل الأعمال إدخال السرور على المومن كستر عورته أو أشعبت جوعته أو قضيت

لہ حاجۃ'' (اعمال میں افضل ترین عمل مومن کو خوش کرنا ہے خواہ اس کی ستر پوشی کردو یا اس کی بھوک کا مداوا پیٹ بھراکر کردو یا اس کی حاجت پوری کردو)۔

(۴) تنگی اور سختی کے وقت اسلام نے بھوکوں اور فاقہ مستوں کی امداد کو اہم فریضہ قرار دیا ہے، چنانچہ امام بخاریؒ حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر الصدیقؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اصحاب صفہ فقیر وغریب لوگ تھے، رسول اکرمﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس دوآدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے کو اپنے ساتھ لے جائے اور جس کے پاس چار کا کھانا ہو وہ اپنے ساتھ پانچوینیا چھٹے آدمی کو لے جائے۔

(۵) اور امام مسلم حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہو تو اسے چاہئے کہ اسے اس شخص کو دیدے جس کے پاس سواری نہیں ہے او رجس کے پاس فالتو توشہ اور کھانے کا سامان ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اسے اس شخص کو دیدے جس کے پاس کچھ کھانے کو نہیں، پھر رسول اللہﷺ نے مختلف مال کی اقسام کا تذکرہ کیا (تربیت الاولاد ۲۵۱، ۲۵۲)۔

معذور بچوں کی نگہداشت:

معذور بچے صحت مند بچوں کےمقابل میں اپنے والدین واعزہ واقارب کی شفقت ومحبت کے زیادہ محتاج ومستحق ہوتے ہیں، کیونکہ ان کا بچپنہ تو شفقت ومحبت کا متقاضی ہے ہی جیسا کہ آپﷺ نے ارشاد فرمایا:''لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا ویأمر بالمعروف وینہی عن المنکر'' (مشکوۃ شریف: ۴۲۳، حدیث : ۴۹۶۴)۔

اسی طرح سے اس کا معذور ہونا بھی شفقت ومحبت کا متقاضی ہے جیسا کہ اس سلسلہ میں آپﷺ نے ارشاد فرمایا: ''إن المسلم إذا أعاد أخاہ المسلم لم یزل فی خرفۃ الجنۃ حتییرجع'' (مسلم باب عیادۃ المریض)۔

''ما من مسلم یعود مسلماً غدوۃ إلا صلی علیہ سبعون ألف ملک حتییمسی وإن عادہ عشیۃ إلا صلی علیہ سبعون ألف ملک حتییصبح وکان لہ خریف فی الجنۃ'' (ترمذی کتاب الجنائز)۔

اور کمزور ومصیبت زدہ افراد کا تعاون اخلاق کریمانہ میں سے ہے، آپﷺ کے اخلاق میں شمار کیاگیا۔

''تحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق الخ'' (مسلم ۸۸،۱)، وجوہات مذکورہ سےمعلوم ہوا کہ معذور بچہ صحت مند بچوں کے مقابل میں زیادہ قابل ترس وترحم ہے، لہذا بغیر کسی سخت مجبوری کے بچہ کو دوسری جگہ منتقل کرنا اور ان کی پرورش سے اپنی جان چھڑانایہ شرعی ذمہ داریوں سے فرار ہی کہلائے گا، معذور بچوں کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہئے اس کی تفصیل ''تربیت اولاد کے اسلامی نظام''

میں موجود ہے، جس کا خلاصہ یہ ہےکہ بچے میں اگر کوئی جسمانی نقص یا عیب ظاہر ہو مثلاً پاگل پن، لنگڑا ہونا، اندھا ہونا وغیرہ تو ماں باپ بھائی بہن رشتہ دار دوست احباب سب کے سب اس کے ساتھ محبت والفت کا معاملہ کریں تاکہ نبی کریمﷺ کے اس فرمان پر عمل ہوسکے۔

معذور بچوں کا علاج ومعالجہ:

بچے انسان کا جزو ہوتے ہیں اسی وجہ سے اپنی جان کی طرح سے ان کی جان کی بھی حفاظت شرعاً واجب ولازم قرار دی گئی ہے، تو جس طرح سے خود کو زندہ رکھنا اور معرض ہلاکت کے اسباب سے دور رکھنا واجب ہے، اسی طرح سے اپنی اولاد کو بھی ہلاکت کی جگہوں سے بچانا واجب ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ جو حکم خود اپنا ہوتا ہے وہی حکم اپنے بچوں کا بھی ہوتا ہے،تو جس طرح اپنا علاج ومعالجہ سنت ہے، واجب نہیں، اسی طرح سے اپنے چھوٹے بچوں کا بھی علاج ومعالجہ واجب تو نہیں لیکن سنت ضرور ہوگا، حضرات فقہاء نے علاج ومعالجہ کو اسباب ظنیہ میں سے شمار فرما کر اس کےوجوب کی نفی کی ہے، البتہ اس کی سنیت کو ثابت کیا ہے، کیونکہ آپﷺ نے خود علاج کیا ہے اور علاج کروانے کا حکم بھی دیا ہے۔

''عن أبی ہریرۃؓ عن النبیﷺ ما أنزل اللہ داء إلا أنزل اللہ شفاء'' (بخاری کتا ب الطب)، ''لأن الولد جزء منہ وإحیاءہم واجب کإحیاء نفسہ'' (الفقہ الاسلامی۷٫۷۷۵)۔

''عن أبی الدرداءؓ قال: قال رسول اللہﷺ: إن اللہ أنزل الداء والدواء وجعل لکل داء دواء فتداووا ولا تداووا بالحرام'' (ابوداؤد کتاب الطب)۔

لہذا اپنی استطاعت کے بقدر اپنے معذور بچوں کے علاج ومعالجہ کی فکر کرنا سنت اور باعث ثواب ہے، اور کوئی بھی انسان اپنی استطاعت سے زیادہ مکلف نہیں، فقط واللہ اعلم۔

***

بچوں کے حقوق واحکام –شرعی نقطۂ نظر

مفتی شاہد علی قاسمی•

اسلام نے بچوں کے تعلق سے واضح احکام دیئے ہیں، غور کیاجائے کہ جب بچہ مادر رحم ہی میں ہوتا ہے، تو اس کی حفاظت او رنگہ داشت کی تعلیم دی گئی، بلاوجہ اسقاط کی سخت ممانعت کی گئی، اور جب بچہ دنیا میں آنکھیں کھولتا ہے تو سب سے اہم مسئلہ اس کی غذا کا سامنے آتا ہے، کیونکہ اس عمر میں بچہ ہر طرح کی غذا استعمال نہیں کرسکتا، اسے دودھ چاہئے، ڈبے کے دودھ کے بجائے عورت کا دودھ مفید ہوتا ہے، اور اپنی ماں کا دودھ ملے تو یہ سب سےبہتر ہوتا ہے، اس لئے اللہ تعالی نے بچہ کی ماں کو صاف ہدایت دی کہ وہ بچہ کو دوسال دودھ پلائے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''والوالداتیرضعن أولادہن حولین کاملین لمن أراد أن یتم الرضاعۃ'' (البقرہ: ۲۳۳) (مائیں اپنے بچوں کو مکمل دوسال دودھ پلائیں،یہ حکم اس کے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پورا کرنا چاہے)۔

غذائی ضرورت کے علاوہ اسے گود لینا، پیار دینا، بول وبراز کی صفائی کرنا، دیکھ بھال کرنا اور اس طرح کے مختلف کام ہیں، جن کو انجام دینے کی اولین ذمہ داری اس کی ماں پر رکھی گئی، علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

''الأصل فیہا النساء، لأنہن أشفق وأرفق وأہدی إلی تربیۃ الصغار '' (بدائع الصنائع۳٫۴۵۶، ط: مکتبہ زکریا دیوبند)۔

حضانت کیا ہے؟

الف: بچوں کی مصلحتوں کی نگرانی، موذی اور مضر چیزوں سے حفاظت اور جسمانی، نفسیاتی اور عقلی تربیت کہ وہ مقتضیات زندگی کی تکمیل کرسکیں، اور اپنے فرائض ادا کرنے کے اہل ہوجائیں، اسے شریعت کی اصطلاح میں ''حضانت '' کہا جاتا ہے (الاحکام الفقہیہ فی المذاہب الاسلامیہ الأربعۃ للشیخ محمد عساف ۴۳۵٫۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ بچہ کی جسمانی نشوونما اور اس کے لئے متوازن غذا کی فراہمی، پیار ومحبت والا سلوک، اخلاقی قدروں کو پامال کرنے والے امور سے اجتناب، تعلیمی وتربیتی پہلو کا خیال ''حضانت '' کے بنیادی عناصر ہیں، اس لئے شریعت نے بچہ کی پرورش کا حق جنہیں دیا ہے اگر ان میں مذکورہ تمام یا بعض امور کا فقدان ہو تو ان کا

• المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

حق پرورش ساقط ہوجاتا ہے۔

پرورش کے حق دار لوگ:

بچہ کی پرورش کی سب سے زیادہ حق دار ماں ہے، جس نے نو مہینہ پیٹ مینرکھا، پھر ولادت کی تکلیف اٹھائی، اور پھر منجانب اللہ اس کے دل میں بچہ کی محبت کوٹ کوٹ رکھ دی گئی، ظاہر ہےایسی ذات کےعلاوہ اور کون بچہ کی پرورش کی حق دار ہوسکتی ہے؟ اگر ماں کا انتقال ہوجائے، یا وہ حق پرورش کے معیار پر پورا نہ اترتی ہو یا شرعاً دوسری رکاوٹ ہو تو حق پرورش نانی کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، اس کے بعد دادی پھر پردادی، اس کے بعد بہن، بہن کے بعد خالہ ، خالہ کے بعد پھوپھیوں کا درجہ ہے۔ بہن، خالہ اور پھوپھی مینیہ تفصیل بھی ہے کہ ماں باپ دونوں کی شرکت سے جو رشتہ ہو وہ مقدم ہے، اس کے بعد ماں شریک اور اس کے بعد باپ شریک کا درجہ ہے (ہدایہ۲،۴۳۴، ۴۳۵، باب حضانۃ الولد)۔

اگر خواتین میں کوئی مستحق نہ ہو تو پھر حق پرورش ان مردو نکی طرف لوٹے گا جو عصبہ رشتہ دار ہوں، اور ان رشتہ داروں میں جو وارث ہونے کے اعتبار سے مقدم ہوگا، وہی حق پرورش کا بھی ذمہ دار ہوگا، چنانچہ فقہاء نے مردوں میں حق پرورش کی ترتیبیوں لکھی ہے: باپ، دادا، پردادا (اوپر تک) اس کے بعد حقیقی بھائی، پھر باپ شریک بھائی، پھر بھتیجہ، اس کے بعدباپ شریک بھائی کا لڑکا، پھر باپ شریک چچا، اس کے بعد چچا زاد بھائی، پھر باپ شریک چچا کا لڑکا، بشرطیکہ جس کی پرورش کی جارہی ہو وہ لڑکا ہو، لڑکی نہ ہو، ان کے بعد باپ کے چچا، او ردادا کے چچا وغیرہ کا حق ہے (بدائع الصنائع ۴،۲۳)۔

پرورش کے حق دار کو حق پرورش اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ حق پرورش کی ادائیگی پر قادر ہو، اگر قادر نہ ہو بایں طور کہ اس کے پاس ‘‘ضیاع ولد ’’ کا غالب گمان ہو تو اس کا حق پرورش ختم ہوجائے گا، اور اس کے بعد والے کی طرف منتقل ہوجائے گا، علامہ شامی فرماتے ہیں:

‘‘والحاصل أن الحاضنۃ إن کانت فاسقۃ فسقاً یلزم منہ ضیاع الولد عندہا سقط حقہا، وإلا فہی أحق بہ إلی أن یعقل فینزع منہا’’ (رد المحتار۵،۲۵۴، باب الحضانۃ)۔

البتہیہ بات قابل غور ہے کہ ‘‘ضیاع ولد ’’ سے کیا مراد ہے؟ اس کی بعض صورتیں تو واضح ہیں، جیسے پرورش کرنے والی بچہ کو مناسب وقت نہ دیتی ہو، اس لئے بچہ کو مناسب وقت پر نہ تو غذا ملتی ہو، اور نہ اس کی دیکھ ریکھ ہوپاتی ہو، اس کے نتیجہ میں بچہ بیمار رہتا ہو، اس طرح کی بعض اور دوسری صورتیں ہیں جو ‘‘ضیاع ولد ’’ کی باعث ہیں، ‘‘ضیاع ولد ’’ کی وہ صورتیں جہاں اشتباہ ہو کہ یہ صورت ‘‘ضیاع ولد ’’ میں داخل ہینیا نہیں؛ تو اس سلسلہ میں نصوص وعبارات فقہیہ کے علاوہ عرف اور موجودہ حالات کو

بھی فیصلہ کن مانا جائے گا۔

اگر کسی خاندان میں پڑھنے لکھنے کا رجحان بہت زیادہ ہو، او رسب تعلیمیافتہ ہوں، ظاہر ہے ایسے ماحول میں کوئی مناسب تعلیم حاصل نہ کرسکے، تو یہ اس خاندان کے ماحول کےمطابق عیب سمجھا جائے گا، لہذا اگر بچہ کی ماں اس اعتبار سے لاپرواہی برتتی ہو، اور تعلیم دلانے کیطرف متوجہ نہ ہو تو یہ اس خاندان کے اعتبار سے ‘‘ضیاع ولد ’’ کے دائرہ میں آجائے گا۔

ایسی صورت میں اس کا حق پرورش ختم ہوجائے گا، اور بچہ اسے حوالہ کیا جائے گا جو حق پرورش رکھنے والوں میں بچہ کی تعلیم کی رعایت رکھ سکے، اسی طرح جس حق پرورش رکھنے والے کے پاس بچہ کے اخلاق بگڑ جانے کا اندیشہ ہو، یا تو بے دینی کا ماحول ہو، یا کوئی اور وجہ ہو تو بھییہ ‘‘ضیاع ولد ’’ کے دائرہ میں آئے گا، اور اس کا حق پرورش دوسرے کی طرف منتقل ہوجائے گا، یا بچہ کو اس انداز سے رکھا جاتا ہو کہ وہ نفسیاتی مریض ہوجائے، جیسے اس گھر میں مارپیٹ کا ماحول ہو، اور بچہ کے نفسیاتی طورپر دہشت زدہ ہوجانے کا خوف ہو تو یہ بھی ‘‘ضیاع ولد ’’ کے دائرہ میں آئے گا، اور اس کا حق پرورش دوسرے کی طرف منتقل ہوجائے گا۔

خلاصہیہ کہ بچہ کی مضرت کے وہ تمام پہلو جس کی فقہاء نے صراحت کی ہے، اور مضرت کے وہ پہلو جو عرف وعادات ناس اور سماجی نقطہ نظر سے مضرت کے دائرہ میں آتے ہوں وہ سب ‘‘ضیاع ولد ’’ کے دائرہ میں ہیں، اور اس کی بنیاد پر اس کا حق پرورش دوسرے کی طرف منتقل ہوجائے گا۔

ان سب کے علاوہ حق پرورش حاصل ہونے کی چند شرائط ہیں، اگر ان شرطوں میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو اس کا حق حضانت ساقط ہوجائے گا۔

وہ شرطیں درج ذیل ہیں:

۱۔عاقل وبالغ ہو، نابالغ اور عقل وہوش کے اعتبار سے غیر متوازن (معتوہ) اور مجنون وغیرہ کو حق پرورش حاصل نہ ہوگا۔

۲۔ پرورش کرنے والی عورت بچہ کی ذو رحم محرم رشتہ دار ہو۔

۳۔ عورت نے بعد میں کسی ایسے مرد سے نکاح نہ کیا ہو جو اس بچہ کا محرم نہ ہو۔

۴۔ پرورش کا حق دار مرد زیر حضانت مشتہاۃ بچی کا محرم ہو۔

۵۔ مرد وعورت جس کو حق پرورش حاصل ہو وہ امین اور قابل اعتماد ہوں۔

۶۔ عورت کا ایسا مشغلہ نہ ہو جس سے بچہ کا ضیاع لازم آتا ہو۔

۷۔ عورت مرتد نہ ہوگئی ہو۔

بعض فقہاء نے یہ بھی شرط لگائی ہے کہ حاضن یا حاضنہ فاسق نہ ہو،لیکن

حافظ ابن قیم کا خیال ہے کہ فسق جتنا عام ہے اس کے تحت اس قسم کی شرط لگانا بچوں کے حق میں مفید نہ ہوگا، اس لئے کہ اکثر اوقات فاسق وفاجر ماں باپ بھی اپنے بچوں کے لئے فسق وفجور کی راہ کو پسند نہیں کرتے (فقہ السنہ۲،۳۴۲)، حقیقتیہ ہے کہ ابن قیم کی رائے عین قرین قیاس ہے، جیسا کہ علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں:

''الأم أحق بالصغیرة وإن کانت سیئة السیرة معروفة بالفجور ما لم تعقل ذلک '' (البحر الرائق۴،۲۸۲)۔

امام ابوحنیفہؒ کایہ بھی قول ہے کہ جب تک بچوں میں دین کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا نہ ہوجائے کافرہ ماں کو بھی بچہ پر حق پرورش حاصل ہے (ہدایہ۲،۴۳۷)۔

بچوں کے حق تعلیم وتربیت کی بابت بنیادی ہدایات:

ب (۱): رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لأنیؤدب الرجل ولده خیر من أن یتصدق بصاع'' (ترمذی، باب ما جاء فی أدب الولد، ابواب البروالصلة)۔

''ما نحل والد ولداً أفضل من أدب حسن '' (ترمذی، باب ما جاء فی أدب الولد)۔

''کفی بالمرء إثماً أن یضیع من یقوت'' (ابوداؤد، باب ما جاء فی صلة الرحم)۔

''أدبوا أولادکم علی ثلاث خصال: حب نبیکم وحب آل بیته وتلاوة القرآن '' (تنویر شرح الجامع الصغیر، حرف الہمزہ مع الہاء)۔

ان احادیث سے واضح ہے کہ بچوں کی تعلیمی واخلاقی تربیت باپ کے فرائض میں داخل ہے، اور اس میں کوتاہی عند اللہ قابل مواخذہ ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''یا أیہا الذین آمنوا قوا أنفسکم وأہلیکم ناراً'' (التحریم: ۶)۔

اس آیت کے ذیل میں علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

''واستدل بہا علی أنہ یجب علی الرجل تعلم ما یجب من الفرائض وتعلیمہ لہؤلاء'' (روح المعانی۱۵،۲۳۲)۔

نیز اس آیت کے ذیل میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

حضرات فقہاء نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر شخص پر فرض ہے کہ اپنی بیوی اور اولاد کو فرائض شرعیہ اور حلال وحرام کے احکام کی تعلیم دے، اور اس پر عمل کرانے کے لئے کوشش کرے (معارف القرآن ۸،۵۰۲)۔

ان تفصیلات کی روشنی مینیہ بات واضح ہے کہ بچو نکو جاہل رکھنا اور دین کی بنیادی باتوں سے ناآشنا رکھنا مجرمانہ غفلت ہے، جو قابل مواخذہ ہے۔

دینی تعلیم اور عصری تعلیم کس حد تک ضروری ہے؟

ب(۲): جو فرائض وواجبات انفرادی طور پر ہر شخص پر عائد ہوتے ہیں، ان کا جاننا ضروری ہے، سیکھنے کی عمر بچپن سے شروع ہوجاتی ہے، اس لئے بلوغ سے

پہلے ہی تعلیمی سلسلوں کا آغاز ضروری ہے، علامہ نووی نے اس سلسلہ میں امام شافعی اوران کے اصحاب کا چشم کشا قول نقل کیا ہے، فرماتےہیں:

''قال الشافعی وأصحابہ رحمہم اللہ تعالی:علی الآباء والأمہات تعلیم أولادہم الصغار ما یستعین علیہ بعدالبلوغ، فیعلمہ الولی الطہارۃ والصلاۃ والصوم ونحوہا، ویعرفہ تحریم الزنا واللواط والسرقۃ وشرب المسکر والکذب والغیبۃ وشبہہا، وقیل: ہذا التعلیم مستحب، والصحیح وجوبہ وہو ظاہر نصہ '' (المجموع شرح المہذب۱،۶۴)۔

اصل علم وہ ہے جس سے اللہ کی معرفت حاصل ہو، جیسا کہ آیت کریمہ: ''إنما یخشی اللہ من عبادہ العلماء''(فاطر: ۲۸) کے اشارۃ النص سے بھی معلوم ہوتا ہے، علوم عصریہ دوسرے درجہ کا علم ہیں، جو وسیلہ اور ذریعہ کی حیثیت رکھتے ہیں، کیونکہ علوم عصریہ سے دنیوی زندگی کو فائدہ پہنچتا ہے، اور دینی علوم سے آخرت کی اصل زندگی سنورتی ہے، ''چہ نسبت خاک را با عالم پاک ''مقولہ کےمطابق علوم دینیہ اور علوم عصریہ میں کوئی مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے انسان مختلف چیزوں کا محتاج ہوتا ہے، ان چیزوں کو وجود میں لانے کے لئے علم کی ضرورت پیش آتی ہے، اس لئے ضروری اور انسانی سماج کو کام آنے والے مفید علوم کو حاصل کرنا ''فرض کفایہ '' کے دائرہ میں آئے گا، جیسا کہ علامہ شامی نے اس کی صراحت کی ہے۔

''وأما فرض الکفایۃ من العلم فہو کل علم لا یستغنی عنہ فی قوام أمور الدنیا کالطب والحساب'' (رد المحتار۱،۱۲۶)۔

اس عبارت میں اشارہ موجود ہے کہ ہرہر بچہ کے لئے علوم عصریہ لازم نہیں ہے، تاہم تمام بچوں کا اس سے الگ تھلگ رہنا بھی ناروا ہے، فی زمانہ مختلف اعتبارات سے علوم عصریہ خصوصاً سائنس وٹکنالوجی کی کافی اہمیت ہے، آج جو ملک اس میدان میں آگے ہے اس کا مقام بلند ہے، دوسرےملکوں کی جبین نیاز اس کے سامنے خم ہے، اس لئے فی زمانہ اس کی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے، تاہم کسی بھی بچہ پر علی التعیین عصری تعلیم کے حصول کو لازم قرار نہیں دیا جاسکتا، البتہ یہ بات ضرور کہی جاسکتی ہے کہ باعزت زندگی گزارنے اور زندگی کی گاڑی آگے چلانےکے لئے جس حدتک عصری تعلیم کی ضرورت پیش آسکتی ہو اسے ضرور حاصل کیا جائے، اور سماجی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے جس حد تک عصری تعلیم سے واقفیت ضروری ہے اس حد تک علم حاصل کرنا سماج میں رہنے والے لوگوں پر اجتماعی طور پر ضروری ہے، جسے فقہ کی زبان میں ''فرض کفایہ '' کہا جاتا ہے۔

ایک خاص سطح کی تعلیم کا لزوم:

ب(۳): حکومت جس سطح تک تعلیم لازم کرنے کی بات کہہ رہی ہے، وہ عصری

تعلیم ہے، ہندوستان جیسے ملک میں جہاں مسلمانوں کو مختلف چیلنجس کا سامنا ہے حکومت کی بات مان لینا زہر ہلاہل سےکم نہیں، کیونکہ قانون کو ماننے کے نتیجہ میں دینی مدارس کی کارکردگی متاثر ہوگی، مسلم بچے مدرسوں سے کم جڑینگے، دینی مدارس جو حفاظت اسلام کے لئے قلعوں کے مانند ہیں، اپنی افادیت کھودینگے، اور آہستہ آہستہ سینکڑوں مدارس کے بند ہوجانے کا اندیشہ رہے گا، اور اس پس منظر میں ہندوستانی مسلمانوں کا دین وایمان خطرہ میں پڑ جائے گا، اس لئے اگر حکومت اس طرح کا کوئی قانون بناتی ہے تو اس کی مخالفت ناگزیر ہوگی، اور اس کے خلاف آواز اٹھانا پوری ملت کی ذمہ داری ہوگی۔

بچوں کے لئے جنس کی تعلیم کا نظم:

ب(۴): جنس کی تعلیم دراصل برائی کو محفوظ طریقہ پر رائج کرنے کی کوشش ہے، اسلام آیا ہے برائی کو مٹانے کے لئے، نہ کہ برائی کو پھیلانے کے لئے، بلوغ سے پہلے جنس کی تعلیم بچوں کو وقت سے پہلے ہی بالغ بنادینے کی ایک کوشش ہے، جس سے بچنا ضروری ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''ولا تقربوا الزنا، إنہ کان فاحشۃ وساء سبیلا'' (الاسراء: ۳۱)۔

اللہ تعالی نے صرف زنا ہی سے منع نہیں کیا، بلکہ زنا کے قریب جانے سے بھی منع کیا، اسی لئے شریعت نے دواعی زنا کو بھی حرام قرار دیا، تاہم ایک مضبوط سبب کے دائرہ میں ضرور ہے، اس لئے راقم الحروف کے نزدیک نابالغی مینجنس کی تعلیم کی اجازت نہیں ہوگی۔

اس سلسلہ میں اسلام کی ہدایتیہ ہے کہ بچوں کو جنس کی تعلیم کی بجائے اخلاقی تعلیمات سے بہرہ ور کیا جائے، علمی تربیت کے ساتھ ساتھ اخلاقی تربیت بھی کی جائے، دانش گاہوں میں ہر ایسی تربیت اور ہر ایسی تعلیم سے بچاجائے جو بچوں میں بگاڑ وفساد اور فواحش ومنکرات کو پھیلانے کا سبب بنیں۔

شادی کی عمر اور سرپرستوں کی ذمہ داریاں:

ج: جب بچہ یا بچی بالغ ہوجائے تو باپ کی ذمہ داری ہے کہ اس کی شادی کرادے، اگر باپ یا باپ نہ ہو تو دوسرے ولی اقرب نے اس سلسلہ میں کوتاہی کی، اور لڑکا یا لڑکی نے برائی کا ارتکاب کرلیا تو اس گناہ میں لڑکا یا لڑکی کے علاوہ اس کا باپ اور سرپرست بھی شامل ہوگا، جیسا کہ حدیث ذیل سے معلوم ہوتا ہے:

''عن ابن سعد وابن عباس قال: قال رسول اللہ ﷺ: من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وأدبہ، فإذا بلغ فلیزوجہ فإن بلغ ولم یزوجہ، فأصاب إثما، فإنما إثمہ علی أبیہ'' (مشکوۃ، باب الولی فی النکاح کتاب النکاح)۔

لہذا اس مسئلہ کی بابت اسلامی ہدایات واضح ہیں، کہ شادی کرانا باپ پر عائد ہونے

والی ذمہ داریوں میں ایک اہم ذمہ داری ہے، او راس سلسلہ میں کوتاہی اور غفلت قابل گرفت ہے۔

شادی کی عمر کیا ہے؟ اس سلسلہ میں قرآن مجید کے اشارۃ النص سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عمر زمانہ بلوغ ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: ‘‘إذا بلغوا النکاح ’’ (النساء: ۶)۔

اللہ تعالی نے بلوغ کی عمر کو نکاح کی عمر سے تعبیر کیا ہے، گویا نکاح کا اصل وقت یہی ہے، اور حدیث بالا میں تو واضح ہدایت موجود ہے کہ جب لڑکا بالغ ہوجائے تو شادی کرادو، گویا شادی کی اصل عمر یہی ہے۔ تاہم اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ بلوغ سے پہلے شادی جائز نہیں ہے، اسلام نے عمر کی تحدید نہیں کی ہے، عمر کے کسی بھی مرحلہ میں شادی کی جائے تو شادی صحیح ہوجاتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا تو اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چھ سال تھی، اسی طرح شادی کی آخری عمر کیا ہوگی؟ اس کی بھی کوئی تحدید نہیں ہے، نکاح صغیر کیبابت علامہ نووی فرماتے ہیں:

‘‘قال النووی: أجمع المسلمون علی جواز تزویج الأب بنتہ البکر الصغیرۃ لہذا الحدیث’’ (مرقاۃ المفاتیح۶،۲۰۶)۔

جب نکاح کی عمر کی اسلام میں تحدید نہیں تو اس میں تحدید کی کوشش کرنا مداخلت فی الدین سمجھا جائے گا، اور کوئی تحدید کر بھی دے تو یہ ناقابل قبول ہوگا، عقلی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو اس کی تحدید نہ ہونا ہی مصلحت کے عین مطابق ہے۔

دوسری حقیقتیہ بھی ہے کہ شریعت کی نگاہ میں بالغ ہونے کے بعد جتنا جلد ہوسکے نکاح کردینا چاہئے، بلوغ سے پہلے بلا کسی مصلحت شادی کرنا پسندیدہ بات نہیں ہے، او ربالغ ہونے کے بعد بلامعقول وجہ تاخیر کرنا بھی ناپسندیدہ ہے۔ معاشی موقف بلند ہونے تک شادی میں تاخیر کرنا غیر معقول وجہ ہے، اگر لڑکا نان ونفقہ اور سکنی پر قادر ہے تو یہ نکاح پر قدرت کے لئے کافی ہے، مزید معاشی استحکام کا انتظار او راس کے لئے کافی تاخیر انتہائی ناپسندیدہ بات ہے، جس کے بہت زیادہ مفاسد سامنے آتے ہیں۔

بچہ مزدوری:

د (۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

‘‘لا تکلفوا الصغیر الکسب، فإنہ إذا لم یجد سرق’’ (موطا امام مالک، باب الامر بالرفق بالمملوک) (بچہ پر کمائی کرنے کی مشقت نہ ڈالو، اس لئے کہ اگر وہ کبھی کمائی نہ کرسکے تو چوری کرے گا)۔

حدیث میں کمائی سے جوڑنے کی ممانعت تربیتی نقطہ نظر سے ہے، جیسا کہ حدیث کا آخری ٹکڑا خود اس کی وضاحت کررہا ہے، البتہ اس مینیہ اشارہ ضرور موجود ہے کہ

بچوں کو کمائی میں لگانا پسندیدہ نہیں ہے، دوسری طرف بچو نکی تعلیم وتربیت کی بابت تاکیدی احادیث بھی متعدد ہیں، چند صفحات قبل عنوان:''بچوں کے حق تعلیم وتربیت کی بابت بنیادی ہدایات '' میں ان احادیث کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، ان احادیث کا تقاضا ہے کہ باپ کی اہم ترین ذمہ داریوں میں ایک بچہ کو تعلیمیافتہ بااخلاق انسان بنانا ہے، اگر معقول عذر کے بغیر بچوں کو مزدوری مینلگادیا گیا اور وہ دین واخلاق سے نابلد رہا تو اس کا گناہ اس کے باپ اور سرپرست پر ہوگا، جیسا کہ یہ حکم آیت کریمہ :''یا أیہا الذین آمنوا قوا أنفسکم وأہلیکم ناراً'' (التحریم: ۶) سے مستفاد ہوتا ہے، چنانچہ علامہ آلوسیؒ نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا:

''واستدل بہا علی أنہ یجب علی الرجل تعلم ما یجب من الفرائض وتعلیمہ لہؤلاء '' (روح المعانی۱۵،۲۳۲)۔

''ہولاء '' کے لفظ میں بچے بھی شامل ہیں، گویا ان بچوں کو ضروری علوم دینیہ سے آراستہ کرنا واجب ہے، ورنہ ان کے سرپرست گناہ گارہونگے، اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ بلاوجہ بچو نکو مزدوری میں لگانا انتہائی نامناسب بات ہے۔

مسئلہ کا دوسرا رخ یہ ہے کہ کیا شرعی نقطہ نظر سے بچہ کو مزدری پر لگانا جائز ہے یانہیں؟ اس سلسلہ میں چند صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ مزدوری پرلگانے سے بچہ تعلیم وتربیت سے نابلد رہ جائے، اور اسے مزدوری پر لگانے کے لئے معقول عذر نہ ہو تو پھر مزدوری پر لگانا درست نہیں ہوگا، البتہ اس کا درجہ حرمت کا نہیں ہوگا، کراہت کے دائرہ میں آئے گا، اوپر مذکور دلائل سے یہی حکم سامنے آتا ہے۔

۲۔ بچہ سے اس طرح مزدوری کرائی جائے کہ اس کی تعلیم وتربیت کے لئے وقت نکالا جاتا ہو، اور دونوں کام اوقات تقسیم کرکے کرائے جاتے ہوں، تو اگر ایسا معاشی مجبوری کے تحت کیا جائے، تو پھر یہ صورت بلاکراہت جائز ہوگی، اور اگر کسی مجبوری کے بغیر باپ محض معاشی بہتری کے لئے کرائے تو یہ صورت جائز تو ہوگی، لیکن ناپسندیدہ غیر مستحسن سمجھی جائے گی۔

۳۔ اگر گھریلو حالات ایسے ہوں کہ بچوں کو مزدوری پر لگائے بغیر چارہ کار نہ ہو تو یہ مجبوری کی صورت ہے، اور مجبوری کے احکام معمول کے حالات سے مختلف ہوتے ہیں، مجبوری کی وجہ سے اس کی اجازت ہوگی، فقہاء کی عبارتوں سےمعلوم ہوتا ہے کہ بچہ کو مزدوری پر لگانا جائز ہے، ہندیہ کی عبارت ہے:

''والأب والجد أبو الأب أو وصیہما إذا آجر الصغیر فی عمل من الأعمال التییقدر علیہ الصغیر جاز'' (ہندیہ۴،۳۳۶)۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

‘‘فللأب أن یواجر ابنہ الصغیر فی عمل من الأعمال’’ (بدائع الصنائع۴؍۲۱)۔

فقہاء کی عبارات غالباً ایسی مزدوری کی بابت ہیں جو وقتی ہو، ایسی مزدوری نہیں جو پورے وقت کو محیط ہو، اور اس کو تعلیم وتربیت کا موقع ہی نہ ملے۔

۴۔ بچہ کو ایسے کام سے لگایا جائے جو حرفت وپیشہ سے متعلق ہو، اور اس کام سے بچہ کو کوئی ہنر آجائے تو اس کی اجازت ہوگی، البتہ اس کا خیال ضروری ہے کہ اس کیتعلیم وتربیت کا بھی خیال رکھا جائے، علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

‘‘إن إیجارہ فی الصنائع من باب التہذیب والتأدیب والریاضۃ وفیہ نظر للصبی، فیملکہ الأب (بدائع الصنائع۴؍۲۱)، واستعمالہ فی الصنائع نوع من التأدیب فیملکہ من حیث أنہ تأدیب’’ (حوالہ سابق)۔

خلاصہیہ کہ بلامعقول عذر بچہ کو مزدوری پر لگانا ناپسندیدہ ہے، اور کراہت کے دائرہ میں ہے، اور معقول عذر کے ساتھ جائز ہے، اور جن صورتوں مینکراہت ہے اگربچہ مزدوری کرہی لے تو اجرت حلال رہے گی۔

اولیاء اولاد بچوں سے کس حد تک گھریلو کام لے سکتے ہیں؟

د(۲):اس سلسلہ میں اصولی بات وہی ہے جو اوپر گذری کہ تعلیم وتربیت میں خلل کے بغیر بچوں سے ایسا کام کرواسکتے ہیں جو ان کی طاقت وقدرت میں ہو، لیکن اگر کام اس طرح لیا جائے کہ تعلیم وتربیت کے لئے وقت نہ مل سکے، یا طاقت سے زیادہ کام لیاجائے تو یہ درست نہیں اور یہ صورت کراہت کے دائرہ میں آئے گی، تفصیلی بات اس سے پہلے آچکی۔

بچوں کو پیشہ ورانہ کام سکھانا:

ماقبل میں علامہ کاسانی کی تحریر گزر چکی ہے کہ بچوں کو پیشہ ورانہ کام سکھاسکتےہیں، کیونکہیہ بھی تربیت کا ایک حصہ ہے، کہ اس پیشہ سے جڑ کر بچہ آئندہ اپنی معاش بہتر کرسکتا ہے، لیکن تعلیم وتربیت سے نابلد رکھنا درست نہیں ہے، تعلیم وتربیت کے لئے وقت کی تنظیم ضروری ہے، ورنہ اولیاء بچہ اس کے ذمہ دار سمجھے جائینگے، اور عند اللہ قابل مواخذہ ہونگے۔

معاشی بدحالی اور بچوں کو مزدوری پر لگانا:

د (۳): اگر والدین معاشی بدحالی کے شکار ہوں، اور دووقت کا کھانا میسر نہ ہو، یا بنیادی ضروریات زندگی پوری نہ ہوتی ہوں اور وہ کمائی پر بھی قادر نہ ہوں تو ان کا نفقہ ان کے اصول وفروع اور ذو رحم محرم رشتہ داروں پر واجب ہوگا، کس پر کب واجب ہوگا؟ اس کی تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں، اسی طرح بچہ کا نفقہ اس کے باپ، دادا، ماں اور اس کے محرم رشتہ داروں پر واجب ہوتا ہے، اس کی تفصیلات بھییہاں ترک کی جاتی ہیں، سردست اہم مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایسے بچے اور اس کے مجبور والدین کی کفالت

کے لئے نہ تو ان کے محرم رشتہ دار تیار ہوں اور نہ کسی رفاہی اور خیراتی ادارے سے ایسا کچھ نظم ہو تو کیا بچوں کو کمائی کرنے میں مشغول کیا جاسکتا ہے؟

اگر واقعیہ صورت ہو تو ایسی مجبوری کی حالت میں اسلام نے بچہ کو کسب معاش سے نہیں روکا ہے، علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

''فللأب أن یواجر ابنہ الصغیر فی عمل من الأعمال '' (بدائع الصنائع۴،۲۱)۔

اسی طرح والدین بچوں کو سخت مجبوری کے بغیر بھی ایسے کاموں میں لگاسکتے ہیں جس کا تعلق کسی ہنر اور فن سے ہو، جیسے ویلڈنگ، سلائی، مختلف مشینوں کی مرمت وغیرہ، کہ عام طور پر بچوں کو یومیہ،یا ہفتہ وارییاماہانہ کچھ دیا بھی جاتا ہے، اور بچے کام بھی سیکھ لیتےہیں،اس طرح یہ صورت بچوں کے مستقبل کو برباد کرنے میں داخل نہیں ہوگی۔ بلکہ مجبور ماں باپ کا بچوں کو ایسے کام سے جوڑنا اور انہیں ہنر مند بنانا تادیب وتربیت کا ایک حصہ ہے، علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

''واستعمالہ فی الصنائع نوع من التأدیب فیملکہ من حیث أنہ تأدیب'' (بدائع الصنائع ۴،۲۱)۔

جو والدین مجبور نہ ہوں، اور وہ بچوں کو اچھی تعلیم دلا سکتے ہوں، پھر بھی جہالت، دین سے دوری، علم کی اہمیت سے ناواقفیت اور معاشی موقف کو مزید مستحکم کرنے کے لئے بچوں کو ایسے کام پر لگائیں جو کسی ہنر اور فن سے متعلق نہ ہو تو یہ صورت دانستہ بچوں کو ضائع کرنے اور ان کے مستقبل کو خراب کرنے میں داخل ہے، اس لئے یہ صورت جائز نہ ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''الرجل راع علی أہلہ وہو مسئول عن رعیتہ'' (بخاری: حدیث نمبر: ۸۹۳)۔

بچوں کی تعلیم وتربیت میں لاپرواہی اور انہیں بلامجبوری جاہل رکھنا بچوں کے تئیں عائد ہونے والی ذمہ داریوں سے راہ فرار اختیار کرنے کے مترادف ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''یا أیہا الذین آمنوا قوا أنفسکم وأہلیکم ناراً'' (التحریم: ۶)۔

''اہل '' میں بیوی کے ساتھ بچے بھی داخل ہیں، اگر بچوں کی تربیت کی فکر نہ کی گئی ہو، اور باپ نے بلا مجبوری مزدوری میں لگا کر بچہ کو دین سے دور رکھا تو اس آیت کی رو سے ایسا باپ مجرم ہے۔

نابالغ لڑکے اور لڑکیوں کو جرائم کے ارتکاب پر سزائیں:

ہ۔ اسلام میں جتنی حدود ہیں، جیسے زنا کی سزا، چوری کی سزا، وغیرہ، ان تمام میں نفاذ حدود کے لئے بالغ ہونے کی شرط لگائی گئی ہے، غارت گری سے متعلق نفاذ سزا کی شرائط ذکر کرتے ہوئے علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

''منہا أن یکون بالغاً فإن کان صبیاً .... فلاحد علیہ'' (بدائع الصنائع۹،۳۶۱)۔

چوری سے متعلق علامہ کاسانی ہی فرماتے ہیں:

''أما ما یرجع إلی السرقۃ فأہلیۃ وجوب القطع، وہی العقل والبلوغ'' (بدائع الصنائع۹،۲۸۲)۔

زنا کی سزا نافذ ہونے کی شرائط بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''الصبی أو المجنون إذا وطئی امرأۃ أجنبیۃ لا حد علیہ'' (بدائع الصنائع۹،۱۸۳-۱۸۴)۔

علامہ کاسانی ہی کا بیان قتل پر قصاص جاری ہونے کی شرائط کے بارے میں ہے:

''أما الذییرجع إلی القاتل فخمسۃ:أحدہا أن یکون عاقلاً، والثانی:أن یکون بالغاً'' (بدائع الصنائع ۱۰،۲۳۶، کتاب الجنایات)۔

غرضیکہ قتل پر قصاص کا معاملہ ہو، چوری، زنا بالجبر، زنا بالرضا، ڈاکہ زنی وغیرہ پر حدود کے نفاذ کی بات ہو تو ان سب صورتوں میں بالغ ہونا ضروری ہے، کیونکہ نابالغ جب تک بالغ نہ ہوجائے، وہ اصولی طور پر احکام شریعت کا مکلف نہیں بنا ہے، ہاں اگر نابالغ نے ایسا جرم کیا جو مال سے متعلق ہو جیسے کسی کا مال غصب کرلیا، چوری کرلیا،کسی کا مال ضائع کردیا، وغیرہ، تو ان صورتوں میں نابالغ سے بعینہ وہ مال وصول کیا جائے گا اور موجود نہ ہو او روہ مال مثلی ہو تو اس کا مثل اور مثلی نہ ہو تو اس کی قیمت وصول کی جائے گی، اگر بچہ چوری کرلے تو اس پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ شامی فرماتے ہیں:

''لأن القطع عقوبۃ، وہما (الصبی والمجنون) لیسا من أہلہا، لکنہما یضمنان المال'' (رد المحتار ۶،۱۳۷، کتاب السرقہ)۔

نابالغ لڑکے اور لڑکیوں پر گو کہ حدود (مقررہ سزائیں) نافذ نہیں کی جائینگی، تاہم تعزیر وتادیب کا دروازہ کھلا ہوا ہے، نابالغ کی تعزیر جائز ہے،علامہ حصکفی فرماتےہیں:

''الصغر لا یمنع وجوب التعزیر فیجری بین الصبیان'' (الدر المختار علی ہامش الرد ۴،۱۳۰)۔

البتہ علامہ حصکفی کا رجحان یہ بھی ہے کہ اگر بچہ کا جرم حق اللہ سے متعلق ہو تو تعزیر کی اجازت نہیں ہوگی، چنانچہ مذکورہ عبارت کے بعد فرماتے ہیں:

''ولو کان حق اللہ تعالی بأن زنی أو سرق منع الصغر منہ'' ۔

تاہم متعدد فقہاء نے نابالغ کی تعزیر کی اجازت دی ہے، جیسا کہ علامہ شامی نے علامہ سرخسی کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا:

''إن الصغر لا یمنع وجوب التعزیر'' (رد المحتار۴،۱۳۰)۔

اسی طرح علامہ حصکفی نے نابالغ کو محبوس اور قید میں ڈالنے کی بابت کہا:

''ویحبس فی دین علی الطفل والد ووصی، وللتأدیب بعض یصور''۔

اس کے تحت علامہ شامی وضاحتی نوٹ تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وحبس الصبی للتأدیب بعض المشائخ تصوروا'' (دیکھئے: الدر المختار ورد المحتار ۱۲۴،۸ فصل فی الحبس)۔

بہرحال! قید میں ڈالنے کی سزا ہو یا کوڑے مارنے کی سزا یا کچھ اور، نابالغ کی تادیب کے لئے اس کی اجازت ہوگی، البتہ تادیب کرتے ہوئے قتل کردینے،یا اس جرم پر بالغ شخص کو جو سزا دی جاتی ہو اتنی سزا نابالغ کو نہیں دی جاسکتی۔

جہاں تک مسئلہ ہے نابالغوں کے ارتکاب جرائم اور اس کے بڑھتے ہوئے رجحان کا کہ کس طرح اس پر قابو پایاجاسکتا ہے، اسلام کا امتیازی وصف ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ جرائم کے ارتکاب پر سخت سزائیں مقرر کی، بلکہ ان اسباب کو اختیار کرنے کا حکم دیاجن کی پابندی سے جرائم کے ارتکاب کا خاتمہ یا کم ازکم اس مینکافی حد تک کمی واقع ہوجاتی ہے، چنانچہ اگر شراب نوشی پر کوڑے کی سزا ہے تو اس سے پہلے اس کے اسباب پر روک لگائی گئی، شراب بنانے کی کوئی فیکٹری مسلمان نہیں بنا سکتا، کوئی مسلمان دکانوں میں شراب نہیں رکھ سکتا، کوئی مسلمان اسے خرید نہیں سکتا، پھر ان اسباب سے پہلے اسلام نے مسلمان کے دلوں اور ان کی سوچ وفکر کی طرف خصوصی توجہ دی، شرب خمر پر آخرت کی بربادی اور اللہ کے سخت ناراض ہونے کی وعید سنائی گئی، عبادت کے عدم قبول کی دھمکی دی گئی،مسلمان جو اللہ کے حکم کا پابند ہوتا ہے، وہ یقینا اس طرح کی دھمکیوں اور اللہ کی ناراضگیوں سے بچنے کے لئے خلوت میں بھی ارتکاب جرم سے پہلے ہزار بار سوچتا ہے، اور حتی الامکان بچنے کی کوشش کرتا ہے، اسی طرح زنا، ڈاکہ زنی، قتل وغیرہ میں بھی اسلام نے اولاً دلوں کے اصلاح کی کوشش کی، پھر اسباب جرم پر روک لگایا،پھر خدانخواستہ جرم کا ارتکاب ہوہی جائے تو سخت اور عبرت ناک سزا مقرر کی، تاکہ جرم کے رسیا لوگ بھی سخت سز اکے تصور سےکانپ اٹھیں، اور ارتکاب جرم سے پہلے بھی ہزار بار سوچنے پر مجبور ہوں۔

ان تفصیلات کی روشنی میں جرائم کے سدباب کے لئے درج ذیل صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں:

۱۔ بچوں کی اخلاقی تربیت، اس کے لئے اسکولوں میں اخلاقیات پرمبنی کتابوں کو نصاب میں شامل کرنا۔

۲۔ جرائم کے اسباب قریبہ پر پابندی لگانا، جیسے شراب کی فیکٹری او رفواحش کے اڈے کوبند کرنا، اسی طرح ان اسباب پر روک لگانا جو عام طور پر جرم کے پنپنے اور اس کے وجود میں آنے کا سبب بنتے ہیں، جیسے لڑکیوں کا تنہا ایسے لباس میں نکلنا جو مردوں کے لئے پرکشش ہو، لڑکے اور لڑکیوں کے مخلوط رہنے کے کم سے کم مواقع پیدا کرنا، جیسے لڑکوں کے لئے علاحدہ تعلیم کا کیمپس اور لڑکیوں کے لئے الگ کیمپس،

اجتماعات میں بھی اس کی تدبیر اختیار کرنا وغیرہ۔

۳۔ نابالغوں کو جنس کی تعلیم نہ دی جائے۔

۴۔ انٹرنیٹ کے ایسے سائٹ پر روک لگانا جس میں فواحش ومغلظات بھرے ہوئے ہیں، اس کے علاوہ دوسرے اسباب جو اخلاقی انارکی پیدا کرتے ہیں ان سب پر روک لگانا۔

۵۔ تمام اسباب روکنے کے باوجود کوئی بچہ جرم کا ارتکاب کرے تو اس کی سخت تنبیہ وتادیب کی جائے، البتہ یہ تادیب بچہ کی قوت برداشت کے دائرہ میں ہو، اسی طرح جیل کی سزا اتنی مدت کے لئے ہو جو اس مجرم نابالغ کے لئے موثر ہوسکے۔

نابالغوں پر سزائیں نافذ کرنے کی کیفیت اور حد:

و: ظاہر ہے کہ بچونکو کسی بھی جرم پر وہ سزائیں نہیں دی جاسکتیں جو سزائیناسی جرم پر بالغ کو دی جاتی ہیں، کیونکہ وہ ابھی تک احکام شرعیہ کا مکلف نہیں ہوئے ہیں، جب کہ تمام حدود کے نفاذ کے لئے مکلف ہونا ضروری ہے، البتہ تعزیر کی جائے گی، اور یہ تعزیر تادیب کے طور پر ہوگی، نہ کہ عقوبت کے طور پر، اور تادیب میں اصول یہ ہے کہ اس کی کیفیت معتاد طریقہ پر ہو، اور کیفیت معتاد سے مراد یہ ہےکہ ہڈی توڑی نہ جائے، ذہنی ٹارچر نہ کیا جائے، ایسی سزا نہ دی جائے جو موت کا سبب بن جائے، یا نفسیاتی مریض بن جائے، جیسا کہ حدیث شریف میں بیوی کی تادیب کرتے ہوئے ضرب مبرح کی ممانعت کی گئی ہے، اور ضرب غیر مبرح کی اجازت دی گئی ہے، اسی طرح باپ اولاد کی اور استاذ اپنے شاگردوں کی تادیب کرتے ہوئے سرزنش کرتا ہے، اسی طرح جیل میں قید نابالغوں کو تادیب کرتے ہوئے مناسب سرزنش کرسکتا ہے، لہذا جیل میں محبوس بچوں کو سخت مارنا اور ان سے پرمشقت کام کرانا ان بچوں پر ظلم ہے۔

جہاں تک ان بچوں کی اصلاح کی تدابیر کی بات ہے توبنیادی طور پر ان کی اصلاح کی وہی صورت ہوگی جو صورت ماں باپ اپنے بچوں کے تئیں اختیار کرتے ہیں،یعنی جس طرح ماں باپ بچوں کی غلطی پر سرزنش کرتے ہیں، اسی طرح ان بچوں کی سرزنش کی جائے، جس طرح ماں باپ شفقت کا برتاؤ کرتے ہیں، اسی طرح وقفہ وقفہ سے جیل میں محبوس بچوں کے ساتھ شفقت کا معاملہ کیا جائے، نیز ان بچوں کی اصلاح کا اہم ذریعہ جیل ہی میں بچوں کے تعلیمی انتظام کا ہے،یعنی حکومت ان کے لئے تعلیم کا نظم کرکے او راس میں اخلاقیات پر مبنی کتابوں کو شامل نصاب کرکے بچوں کی سوچ وفکر میں تبدیلی لانے کی کوشش کرے۔

بے سہارا بچوں کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری:

ز: والدین کے بچھڑ جانے یا گذر جانے یا ولادت کے بعد ماں باپ کی طرف سے پھینک دیئے جانے یاکسی اور سبب سے بچے بے سہارا ہوجائیں تو اولاً بچے کے قریبی رشتہ داروں کو تلاش کرنا چاہئے، تاکہ نفقہ ودیگر ضروریات کی بابت انہیں پابند کیا

جائےجیسا کہ اسلام نے رشتہ داروں پر اس طرح کی پابندیاں عائد کی ہیں، تاہم اگر اس بچہ کا کوئی رشتہ دار نہ ملے، یا ملے لیکن ذمہ داری اٹھانے کے لئے تیار نہ ہو تو اولاً حکومت وقت کی ذمہ داری ہے کہ ایسے باشندگان وطن کے لئے کھانے پینے، علاج ومعالجہ، تعلیم وتربیت ودیگر ضروریات کا نظم کرے، رسول اللہﷺ نے فرمایا:

''فالسلطان ولی من لا ولی لہ'' (ترمذی شریف: حدیث نمبر: ۱۱۰۲)۔

اور رسول اللہﷺ نے فرمایا:

''أنا ولی من لا ولی لہ'' (سنن النسائی الکبری، حدیث نمبر: ۶۳۵۴)۔

اس لئے ایسے بچوں کی نگہداشت اور ان کی تمام ضروریات غذائی وتعلیمی ودیگر حکومت وقت پر عائد ہونگی، اگر حکومت لاپرواہی برتے، یا سرے سے اس کا کوئی نظم نہ رکھے تو یہ حکومت کی نااہلی ہے، اگر معاملہ ایسا ہی ہو، منجانب حکومت اس کا نظم نہ ہو تو بچہ جہاں ہو وہاں کے لوگوں کی اجتماعی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی پرورش وپرداخت کا خیال رکھیں، تاہم یہ قانوناً واجب نہیں، بلکہ یہ اخلاقی فریضہ ہے، اس لئے اگر لوگ اس کی پرورش وپرداخت کرنے سے انکار کردیں تو کم ازکم کچھ لوگ ایسے ضرور تیار ہوں جو قرض کے طور پر ایسے بچوں پر خرچ کریں، اور جب آئندہ حکومت سے، یا بچوں کے اولیاء جو مستقبل میں مل جائیں سے، یا کسی رفاہی ادارہ سے اخراجات مل جائیں تو یہ لوگ اپنی لگائی ہوئی رقم وصول کرلیں، اس سلسلہ میں علامہ ابن قدامہ مقدسی فرماتے ہیں:

''إن اللقیط إذا لم یوجد معہ شیئی لم یلزم الملتقط بالإنفاق علیہ فی قول عامۃ أہل العلم .... وتجب نفقتہ فی بیت المال بقول عمرؓ فی حدیث أبی جمیلۃ:اذہب فہو حر، ولک ولاؤہ، وعلینا نفقۃ .... فإن تعذر الإنفاق علیہ من بیت المال لکونہ لامال فیہ، أو کان فی مکان لا إمام فیہ، أو لم یعط شیئاً فعلی من علم حالہ من المسلمین الإنفاق علیہ .... ولأن فی ترک الإنفاق علیہ ہلاکہ، وحفظہ عن ذلک واجب'' (المغنی۸؍۳۵۵)۔

نیز علامہ نووی فرماتے ہیں:

''وجب علی الإمام أن ینظم جماعۃیکون ہو أحد أفرادہا تتولی الإنفاق علیہ علی سبیل الإقراض، حتی إذا ظہر لہ مال أو ولی شرعی موسر أو استطاع الکسب أمکن رد ما أنفق علیہ'' (المجموع شرح المہذب ۱۶؍۱۵۵)۔

ح: اس وقت دنیامیں کوئی غلام نہیں ہے، تمام انسان مرد وعورت، بچہ، جوان اور بوڑھا سب آزاد ہیں، اور آزاد شخص کی خرید وفروخت حرام ہے، او ربیع باطل ہے، علامہ حصکفی فرماتےہیں:

''بطل بیع ما لیس بمال .... کالدم .... والمیتۃ .... والحر'' (الدر المختار مع الرد

۲۳۵،۷)۔

جو حکم بیع کا ہے وہی ہبہ کا بھی ہے یعنی ہبہ کیا جائے تو یہ بھی باطل ہے، علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

''فلا تجوز ہبۃ ما لیس بمال أصلاً کالحر والدم '' (بدائع الصنائع ۱۶۹،۵)۔

لہذا حد درجہ افلاس ہو، حد درجہ مجبوری ہو اس کے باوجود کوئی باپ اپنے بچہ کو کسی اور کے ہاتھ فروخت نہیں کرسکتا، او رنہ ہبہ کرکے اسے مالک بنا سکتا ہے۔

اگر فروخت اور ہبہ کئے بغیر دوسرے کو حوالہ کردے، اور وہ شخص غیر انسانی اور غیراسلامی حرکت کئے بغیر بچہ کی پرورش وپرداخت کرے جس طرح لے پالک اور منہ بولا بیٹا کا معاملہ ہوتا ہے، تو اس میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت زید بن حارثہؓ کو رسول اللہﷺ نے اپنی تحویل میں لیا، اور لے پالک کی طرح معاملہ کیا، ظاہر ہے کہ اس صورت میں متبنی بچہ تمام انسانی حقوق رکھتا ہے، اور پرورش کرنے والا نہ تو اس کا مالک ہوتا ہے، اور نہ اس بچہ کا حقیقی باپ کہلاتا ہے، بچہ کے والدین وہی کہلاتے ہیں جو حقیقی ماں باپ ہیں، اسی لئے بچہ جب پرورش کرنے والے کے گھر جوان ہوجاتا ہے تو پردہ وغیرہ کے احکام بھی جاری ہوجاتے ہیں، اس لئے بچہ کو ایسے شخص کے حوالہ کیا جاسکتا ہے جو بچہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرے جو لے پالک کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

اگر بچہ کو ایسے شخص کے حوالہ کیا جائے جس کے بارے مینیقین ہو کہ وہ بچہ کے ساتھ غیر انسانییا غیر شرعی حرکت کرے گا، جیسےیہیقین ہو کہ بچہ لینے والا اسے کہیں اور بیچ دے گا، یا غلام جیسا معاملہ کرے گا، یا جنسی استحصال کرے گایا اسے بندھوا مزدور بنائے گا، یا گداگری کے لئےاستعمال کرے گا، یا اس طرح کا کوئی اور غیر انسانی وغیر اسلامی عمل کرے گا تو ایسے شخص کےحوالہ کسی بچہ کو کرنا ناجائز اور حرام ہوگا، جیساکہ فقہاء نے غلام کے بارے میں لکھا ہے کہ اگر مالک غلام اپنے غلام کو کسی ایسے شخص کے ہاتھ بیچے جو لواطت کی بری عادت میں مبتلا ہو تو ایسے شخص کے ہاتھ بے ریش غلام کو بیچنا جائز نہ ہوگا (الدر المختار علی ہامش الرد ۵۶۰،۹۔۵۶۱ کتاب الحظر والاباحۃ)۔

اگر مذکورہ باتوں کا یقین نہ ہو، لیکن ظن غالب ہو، یعنی دوسرے قرائن سے اندازہ ہو کہ بچہ کے ساتھ مذکورہ غیر انسانی وغیر اسلامی عمل کیاجائے گا تو بھی بچہ کو ایسے شخص کے حوالہ کرنا جائز نہ ہوگا، کیونکہ طہارت، نمازاور روزہ وغیرہ کے متعدد مسائل میں غالب ظن پر حکم لگایا جاتا ہے، گویا شریعت نے ظن غالب کو بھییقین کے قائم مقام مانا ہے، اس لئے بچہ ایسے ہی شخص کے حوالہ کیا جاسکتا ہے، جہاں لے پالک جیسا برتاؤ کیا جائے۔

اگر بچہ ایسے شخص کے حوالہ کیا جائے جسے مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق بچہ دینا جائز ہے، تو اس سے ہدیہ لینا اور ہدیہ کی رقم سے اپنے مزید بچہ کی پرورش کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر یہ معاملہ مشروط ہو تو ہدایہ لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ مشروط صورت میں ہدیہ بچہ کا عوض سمجھا جائے گا، او ربچہ کا عوض لینا ناجائز ہے، جیسا کہ آزاد شخص کی بیع کی ممانعت وحرمت ہے، اگر ہدیہ کی بات مشروط نہ ہو، لیکن اس کا عرف ہو تو بھی ہدیہ لینا ناجائز ہے، جیسا کہ مشہور قاعدہ ہے، ''المعروف عرفاً کالمشروط شرعاً'' (الاشباہ والنظائر،۲۷۸)۔

اگر ہدیہ لینا نہ تو معاہدہ کے مطابق ہو، اور نہ اس کا عرف ہو اور بچہ لینے والا بچہ دینے والے کو بطور تعاون اپنی خوشی ومرضی سے ہدیہ دے تو اس کی اجازت ہوگی، کیونکہ ہدیہ کی حقیقتیہی ہے کہ کوئی دوسرے کو بلاعوض کوئی چیز دے، اور مالک بنا دے، علامہ تمرتاشی غزی حنفی لکھتے ہیں:

''ہی تملیک العین مجانا'' (تنویر الابصار مع الدر والرد کتاب الہبہ)۔

بچوں کو دوسرے کے حوالہ کرنے کی روک تھام:

اس مسئلہ کا بنیادی رشتہ معاش سے ہے، کوئی بھی باپ مجبوری کے بغیر اپنا بچہ دوسرے کے حوالہ نہیں کرتا ہے، معاشی مجبوری کے نتیجہ میں ایک باپ کا بچہ کو دوسرے کے حوالہ کرنا ایک لمحہ فکریہ ہے، اس سلسلہ میں اسلام کی ہدایت واضح ہے، اسلام نے اہل ثروت اور اہل وسعت کو حکم دیا کہ ایسے مجبور وقلاش لوگوں کا مالی تعاون کریں، غور کیا جائے کہ جب مکہ سے صحابہ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو وہ خالی ہاتھ تھے۔ رسول اللہﷺ نے انصاری صحابہ پر مہاجرین صحابہ کو تقسیم کردیا، ان کے درمیان مواخات کا رشتہ قائم فرمادیا، اس میں سبق ہے کہ سماج کے اصحاب وسعت مفلوک الحال لوگوں کا ضرور خیال رکھیں، اسی طرح اسلام نے زکوۃ کو رکن اسلام قرار دے کر غرباء ومساکین کے تعاون کی بہترین صورت پیش کی، اس پس منظر میں امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی زکوۃ دینے میں ایسے علاقہ کے لوگوں کا ضرور خیال رکھیں جہاں کے مسلمان انتہائی پستی میں ہیں، جیسا کہ آفات وحادثات میں مسلمان متحرک ہوکر آفت زدہ مسلمانوں کی مدد کرتے ہیں، اسی طرح مسلمان پسماندہ علاقہ کے لوگوں کی زکوۃ سے خصوصی مددکریں، مذکورہ دوصورتوں کے علاوہ تیسری صورت یہ ہے کہ اب تقریباً ہر ملک میں کچھ نہ کچھ رفاہی ادارے کام کررہے ہیں، جہاں چھوٹے بچوں سے لے کر بوڑھوں تک کے لئے کفالت کاانتظام ہے، ایسے مفلوک الحال باپ کی ایسے اداروں تک رہبری کی جائے، بشرطیکہ اس ادارہ میں غیر اسلامی تربیت نہ ہوتی ہو، اس کے علاوہ بھی موقع ومحل کےاعتبار سے بعض اور صورتیں بھی سامنے آسکتی ہیں۔

معذور بچوں کو ہسپتال میں رکھنا:

ط: اگر بچہ جسمانییا ذہنی ودماغی اعتبار سے معذور ہو،پیدائشی معذور ہو یا پیدائش کے بعد معذور ہوگیا ہو تو اس کا علاج کرانا لازم ہے یا نہیں؟ فقہاء کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ علاج کرانا واجب نہیں ہے، بلکہ بہتر وافضل ہے، جیسا کہ تحریر ذیل سے بھی معلوم ہوتا ہے:

''صام ولم یأکل حتی مات، ومن امتنع من التداوی حتی مات لم یأثم'' (الاختیار لتعلیل المختار ۱۷۴،۴، لمجد الدین ابی الفضل الحنفی)۔

لیکن حقیقتیہ ہے کہ بنیادی طور پر بیماری کی نوعیت تین ہوسکتی ہے:

الف: اس بیماری کا علاج دستیاب ہو، اور علاج سے شفاء یقینییا ظن غالب کے درجہ میں ہو، جیسے ہاتھ ٹوٹنے پر اس کا علاج، پھر اس سے فائدہ تقریبایقینی ہوتا ہے، عام طور پر موسم کے بدلنے سے نزلہ زکام اور کبھی موسمی بخار آتا ہے، ایسی بیماری کا علاج کافی آسان ہے، اوراس کی دواؤں سے فائدہ یقینی نہ بھی ہو تو کم ازکم ظن غالب کے درجہ میں ضرور ہوتا ہے، ایسی صورت میں علاج کرنا لازم وواجب ہوگا، اور علاج سے غفلت برتنے والا مجرم سمجھا جائے گا۔

ب: ایسی بیماری لاحق ہو جس کا علاج سے ختم ہونا امر موہوم ہو یا اس کے قریب قریب ہو، جیسے کینسر آخری اسٹیج میں ہو، اورچند ڈاکٹروں نے اب دواؤں کے غیر موثر ہونے کی شہادت دے دی ہو، ایسی صورت میں علاج نہ کرانے کی اجازت ہوگی۔

ج: تیسری صورت یہ ہے کہ اس بیماری کا علاج دستیاب ہو، فائدہ یقینییا ظن غالب کے طور پر نہ ہو، بلکہ دونوں پہلو برابر ہو، یعنی مریض علاج کی صورت میں تندرست بھی ہوسکتا ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دوا بالکل اثر نہ کرے، ایسی ہی صورتوں کے بارے میں فقہاء نے علاج کو مستحسن اور صرف بہتر قرار دیا ہے، الاختیار نامی کتاب کی مذکورہ بالا عبارت کا منشا بھییہی معلوم ہوتا ہے۔

پس ایسے معذور بچوں کی بیماری اور اس کے لئے دستیاب علاج کی بابت غور کیا جائے کہ علاج کس درجہ موثر ہوگا؟ اسی اعتبا رسے بچوں کے اولیاء پر علاج کی ذمہ داری لازم ہوگی،یعنی بعض صورتوں میں علاج کرانا لازم ہوگا، بعض صورتوں میں مستحسن اور مستحب ہوگا اور بعض صورتوں میں محض جائز ہوگا جیسا کہ سطور بالا میں اس کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

رہایہ مسئلہ کہ کیا مصروف ماں باپ ایسے معذور بچوں کو ہسپتال میں داخل کرسکتے ہیں؟ اگر یہ کام بغرض علاج ہو تو اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے، اور اگر محض نگہداشت اور اپنا دامن بچانے کے لئے ہو تو کیا اس کی اجازت ہوگی؟ راقم الحروف کے نزدیک اس کا جواب مبتلی بہ کے حالات پر موقوف ہے، اگر معذور بچہ کے والدین مصروف ہوں، اور ملازمت کی مجبوری میں بچہ کی صحیح دیکھ ریکھ نہ کرسکتے

ہوں، تو پھر بچہ کو ہاسپٹل کے حوالہ کردینا درست ہوگا، کہ یہ دو شر میں سے اخف کا ارتکاب کرنا سمجھا جائے گا، جیسا کہ مشہور فقہی قاعدہ ہے: ‘‘الضرر الأشد یزال بالضرر الأخف’’ (الاشباہ والنظائر، ۲۵۸) اور اگر ایسی مجبوری نہ ہو تو بچہ کو ہاسپٹل کے حوالہ کرنا جائز نہ ہوگا، کیونکہ بچہ کا حق ماں باپ پر ہے کہ وہ اس کی دیکھ ریکھ کریں، اور یہ حق شریعت نے دیا ہے، جیسا کہ بعض فقہاء نے صراحت کی ہے کہ حق پرورش بچہ کا حق ہے، فقیہ ابواللیث، ہندوانی، ابن ابی لیلی، ابو ثور وغیرہ اسی کے قائل ہیں، علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

‘‘وہو قول ابن أبی لیلی وأبی ثور تجبر، واختارہ أبو اللیث والہندوانی من مشائخنا، لأن ذلک حق الولد’’ (فتح القدیر ۳۳۱،۴)۔

واضح ہو کہ پہلی صورت جس میں بچہ کو ہاسپٹل کے حوالہ کرنا جائز ہے، اس میں بھی وقفہ وقفہ سے ماں باپ کا بچہ سے ملنا ضروری ہے۔

***

اسلام میں بچوں کے حقوق اور ان سے متعلق اصول واحکام

مولانا محمد منصف بدایونی•

(الف) اسلام میں بچوں کے حق پرورش کے سلسلے میں بنیادی ہدایاتیہ ہیں کہ بچہ ماں کی پرورش میں رہے، اگر ماں نہ ہوتو نانی کو حق ہے کہ وہ پرورش کرے، اگر نانی بھی نہ ہو تو دادای پرورش کرے، پھر بہن کو حق پرورش حاصل ہے، پھر خالہ پھر پھوپھی وغیرہ اور اگر مذکورہ عورتیں نہ ہو تو حق پرورش باپ کو حاصل ہوگا پھر دادا کو پھر چچا کو عصبات کی ترتیب سے۔

''ثم إذا لم یکن عصبۃ فلذوی الأرحام'' (لہ العصبات) أی إن لم یکن للصغیر أحد من محارمہ النساء (شامی۵،۲۶۴)۔

(ثم العصبات بترتیبہم) یعنی إن لم یکن للصغیر أحد من محارمہ من النساء واختصم فیہ الرجال فأولاہم بہ أقربہم تعصیباً'' (البحر۴،۲۸۶)۔

پھر جس شخص کو حق پرورش حاصل ہے اگر بچہ کو اسے دینے میں آئندہ چل کر خرابی کااندیشہ ہو تو اس صورت میں ایسے شخص کو سپرد کیا جائے گا جہاں ہر طرح کا اطمینان ہو، ''والحاصل أن الحاضنۃ إن کانت فاسقۃ فسقاً یلزم منہ ضیاع الولد عندہا سقط حقہا'' (الشامی۵،۲۵۴)۔

(۱) حق پرورش کی مدت:

حق پرورش لڑکے میں صرف سات سال تک رہتا ہے، جب لڑکا سات سال سے زیادہ کا ہوجائے تو باپ بچے کو لے سکتا ہے اور اگر لڑکی ہے تو اس کی پرورش کا حق نوسال تک رہتا ہے، اگر نو سال سے زیادہ عمر کی ہوجائے تو باپ اسے لے سکتا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: فتاوی شامی۵،۲۶۸)۔

عمر کے جس مرحلے میں ماں باپ کو پرورش کا اولین حقدار سمجھا گیا ہے اگر بچوں کو ان کے حوالے کرنے میں تربیتی، جسمانی،یا نفسانی پہلو سے مضرت کااندیشہ ہو تو ماں باپ کو حق پرورش سے محروم کیاجاسکتا ہے۔

(۲) حق حضانت سے محرومی کی صورتیں:

(۱) ماں مرتدہ ہوجائے، (۲) فاحشہ یا مغنیہ ہوجائے،(۳) چوری کرنے والی ہو، (۴) نوحہ کرنے والی ہو، (۵) یا بچہ سے لاپرواہ ہوجائے کہ گھر سے ہر وقت نکلتی رہتی

• مفتی واستاذ حدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ، جامع مسجد امروہہ۔

ہو مثلاً وہ غاسلہ ہو، قابلہ ہو اور بچہ کو یونہی گھر پر بغیر کسی نگہداشت کے چھوڑ جاتی ہو، (۶) بچہ کی ماں کسی ایسے شخص سے نکاح کرے جو بچہ کا محرم نہ ہو، (۷) والد کے تنگ دست ہونے کے وقت بغیر اجرت کے حضانت کے لئے تیار نہ ہو۔

مذکورہ صورتوں میں ماں کو حق پرورش سے محروم کردیا جائے گا، کیونکہ اس بچہ کا تربیتی پہلو سے نقصان ہے کہ ماں کے پاس رہنے سے بچہ کے اندر بھیہ بری عادتیں پیدا ہوجائینگی اور اگر ماں نے دوسرا نکاح بچہ کے غیر محرم سے کرلیا تو وہ عورت اپنے شوہر کی خدمت میں رہے گی اور بچہ پر توجہ کم ہوگی اور شوہر بھی زیادہ شفقت سے پیش نہیں آئے گا جس سے اس کے جسمانی پہلو سے مضرت کا اندیشہ ہے، اور اگر کوئی عورت نہ ملے جو بچہ کی پرورش کرسکے تو حق حضانت باپ کو حاصل ہوگا۔

‘‘وتثبت للأم النسبیۃ والکتابیۃ أو بعد الفرقۃ إلا أن تکون مرتدۃ أو فاجرۃ فجوراً یضیع الولد بہ کزنا وغناء وسرقۃ ونیاحۃ، أو غیر مأمونۃ ذکرہ المجتبی بأن تخرج کل وقت وتترک الولد ضائعاً .... أو متزوجۃ بغیر محرم الصغیرأو أبت أن تربیہ مجاناً’’ (در مختار مع الشامی۵،۲۵۳ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

اسی طرح والد میں اگر مذکورہ عیوب پیدا ہوجائیں تو وہ بھی حق حضانت سے محروم ہوجائے گا، البتہ اگر کسی اجنبیہ عورت سے شادی کرلے تو حق حضانت ساقط نہیں ہوگا (دیکھئے: فتاوی ہندیہ۱،۵۹۲، البحر الرائق۴،۲۸۵)۔

مشتہاۃ بچی جس کے ماں باپ نہ ہوں تو اس کے چچا زاد بھائیوں کو تو حق حضانت حاصل ہی نہیں ہے، اگر اس کے بھائیوں اورچچاؤں پر بھروسہ نہ ہو تو قاضییا ذمہ دار حضرات اس کو ایک امانت دار، عادل اور ثقہ عورت کے حوالے کرینگے جو بالغ ہونےتک اس کی نگہداشت کرے گی۔

‘‘حتی لو کانت الإخوۃ والأعمام غیر مأمونین علی نفسہا أو مالہا لا تسلم إلیہما وینظر القاضی امرأۃ ثقۃ عدلۃ أمینۃ فیسلمہا إلیہا إلی أن تبلغ ’’ (شامی۵،۲۶۴)۔

‘‘ثم العصبات بترتیب الإرث فیقدم الأب ثم الجد ثم الأخ الشقیق .... سوی فاسق ومعتوہ وابن عم لمشتہاۃ وہو غیر مأمون’’ (شامی۵،۲۶۳)۔

بچہ کس کے حوالے کیا جائے؟

جب ماں یا باپ کا حق حضانت ساقط ہوجائے تو اس کے بعد والے ولی کے حوالے کیا جائے گا اور درجہ میں سب اولیاء برابر ہوں تو بچہ اس ولی کے حوالے کیاجائے جو متقی اور پرہیزگار ہو یا پھر وہ عمر رسیدہ ہو ‘‘وإذا اجتمعوا فالأورع ثم الأسن’’ (شامی۵،۲۶۴)۔

(ب) (۱) اسلام میں بچوں کے حق تعلیم وتربیت کے بارے میں بنیادی ہدایاتیہ ہیں کہ جب پیدا ہوتو اس کو نہلا کر داہنے کان میں اذان دے اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے،

‘‘ہرگاہ طفل پیدا شود نامس بریدہ غسل دادہ پارچہ پوشانند واز پارچہ زرد احتراز نمایند ومسنون است کہ بگوش راست اذان وبگوش چپ اقامت مثل اذان واقامت نماز گویند (مالابد منہ،۱۷۵)۔

کلمہ شہادت اور آیات توحید اس کو سکھائیں، نماز سکھائیں تاکہ سات بر س کا ہونے تک نماز سیکھ لے اور جب سات برس کا ہوجائے تو نماز کی تاکید کریں اور دس برس کا ہوجائے تو نماز نہ پڑھنے پر تنبیہ کریں:

‘‘قال رسول اللہﷺ: مروا أولادکم بالصلاۃ وہم أبناء سبع سنین واضربوہم علیہا وہم أبناء عشر سنین’’ (مشکوۃ،۵۸)، رہن سہن میں تمیز سکھائیں بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت کی تلقین کریں، کھانے پینے کپڑے وغیرہ جملہ امور مینطریقہ سنت پر چلائیں، حسن، بخل، حرص، تکبر، دھوکا، فریب، جھوٹ، غیبت، بہتان وغیرہ اخلاق رزیلہ سے بچائیں، ایثار، سخاوت، تواضع، متانت، صبر وتحمل، توکل وغیرہ کا عادی بنائیں، علم دین سکھائیں، اکل حلال کا انتظام کریں، غرض ہر شعبہ زندگی درست کرنے کی فکر وکوشش کریں (فتاوی محمودیہ۲۹،۹۸ مکتبہ محمودیہ میرٹھ)۔

‘‘العلم ثلاثۃ: آیۃ محکمۃ أو سنۃ قائمۃ أو فریضۃ عادلۃ وما سوی فہو فضل’’ (مشکوۃ،۳۵)۔

‘‘وقال مجاہد:قوا أنفسکم وأہلیکم بتقوی اللہ وأدبوہم’’ (بخاری شریف۲،۷۳۰) (اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو خدا کے خوف اور تقوی کی تلقین کرو اور انہیں ادب واخلاق سکھاؤ)۔

(۲) علم دین ایک مسلمان کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہے، بغیر علم دین کے آدمی کا مشیت خداوندی کے مطابق زندگی گزارنا مشکل ہے، سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی اس کا تعلق علم ہی سے ہے، ‘‘اقرأ باسم ربک الذی خلق’’ (علق: ۱)، اللہ کے رسولﷺ نے علم دین کے حصول پر بہت زور دیا ہے او راپنے علم دین کا سیکھنا جس سے وہ بآسانی احکام خداوندی کو بجالاسکے فرض قرار دیا ہے: ‘‘طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم’’ (ابن ماجہ،۲۰)، لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے بچوں کو ضروریات دین سےواقف کرائیں اور تعلیمات اسلامیہ سے بہرہ ور کرائیں، جن بچوں میں علوم دینیہ کی رغبت ہو انہیں دینی اداروں میں داخل کرنا چاہئے، علماء کرام اور اسلام نے علوم دنیویہ کو شجر ممنوعہ قرار نہیں دیا، بلکہ قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے اور اس کی توصیف فرمائی ہے، لیکن دنیویہ علوم فرض اور واجب کے دائرہ میں نہیں آتے بلکہ ان کی حیثیت فضیلت اور تطوع کی ہے۔

‘‘العلم ثلاثۃ: آیۃ محکمۃ ...’’ (مشکوۃ،۳۵)، اس حدیث کے ذیل میں ملا علی

قاریؒ فرماتے ہیں اور جو علوم ان کے علاوہ ہیں جیسے علم عروض، علم طب، انجینئرنگ اور علم نجوم تو ان کی حیثیت فضیلت اور تطوع کی ہوگی (مرقاۃ۱؍۴۵۶)۔

فتاوی ہندیہ میں ہے کہ علم کا طلب کرنا فرض ہے اور جس علم کی ایک آدمی کو ضرورت پڑتی ہے اس کا سیکھنا فرض ہے، جیسے وضوء، نماز کے احکام، بنیادی شرائع احکام کا علم، رہا معاش کا علم اور اس کے چیزوں کا علم تو وہ فرض نہیں ہے (ہندیہ۵؍۲۷۷ اتحاد)۔

خلاصہیہ ہے کہ علم دین جو ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے، اس کے حصول کے بعد دنیوی علوم حاصل کرنا ممنوع نہیں ہے بلکہ اس کی بھی اجازت ہے، لیکن شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے اور اس کے احکام کی پابندی کرتے ہوئے، چونکہ یہ دور سائنس اور ٹکنالوجی کا ہے تو ایک مسلمان کے لئے جد ید تعلیم کا حصول بھی ضروری ہوگا، تاکہ مسلمان زندگی کے میدان میں پیچھے نہ رہے او راحساس کمتری کا شکار نہ ہوں اور اس کے معاش کا مسئلہ بھی حل ہوجائے، البتہ لڑکیوں کو اتنے علوم عصریہ سکھلانا کہ حساب وغیرہ سے واقف ہوجائیں کافی ہے، کیونکہ ان کے ذمہ نہ ملازمت کا حصول ہے اور نہ معاش کا مسئلہ ہے، ‘‘وعلی المولود لہ رزقہن وکسوتہن بالمعروف ’’ (سورہ بقرہ: ۲۳۳)۔

(۳) حکومت کی طرف سے لازم کی گئی تعلیم، ضروری دینی تعلیم میں رکاوٹ نہ بنے تو مسلمان اسے حاصل کرسکتے ہیں۔

اگر حکومت کسی سطح تک تعلیم کو بچوں اور بچیوں کے لئے لازم قرار دے دے تو دیکھا جائے گا کہ یہ اسلامی تعلیمات سیکھنے میں رکاوٹ تو نہیں بن رہا ہے اگر اس کے التزام سے بچے علوم دینیہ سے محروم ہوسکتے ہیں تو اس کا التزام مسلمانوں کے ضروری نہیں ورنہ دین کی بنیادی ضروریات سے متعلق علم حاصل کرنے کے بعد کسی بھی تعلیم خواہ عصری علوم ہی کیوں نہ ہو حاصل کرنے کی اجازت ہے، بلکہ اکثر علوم ایسے ہیں کہ آدمی نیک نیت کے ساتھ ان کے ذریعہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرسکتا ہے۔ اور اس کے تابع ہوکر دنیاوی منافع بھی حاصل ہوجائینگے، البتہ لڑکیوں کے لئے اتنا سیکھنا جائز ہے کہ وہ حساب وکتاب جان لیں فقط۔

دنیاوی علم حاصل کرنے کی شرطیں:

اسلامی شریعت میں جدید اعلی تعلیم کا حصول چند شرطوں کے ساتھ مباح ہے:(۱) کسی حرام کا ارتکاب لازم نہ آئے، (۲) وہ علوم کسی ایسے امر سے متعلق نہ ہوں جن کی شریعت میں ممانعت آئی ہے جیسے سحر، تصویر سازی، رقص وسرور، میوزک سانگ (گانا بجانا)، (۳) وہ معرفت خداوندی میں معین ومددگار ہوں اس میں رکاوٹ نہ ہوں جیسا کہ سورہ عل کی ابتدائی آیتوں کا مفہوم ہے،(۴) وہ علوم عصری خشیت خداوندی اور تقوی میں

معین ومددگار ہو، ارشاد ربانی ہے: ‘‘إنما یخشی اللہ من عبادہ العلماء ’’ (سورہ فاطر: ۲۸) (اللہ تعالی سے اس کے بندوں میں سے وہ ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں)۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک کا قول ہے:

‘‘لایقع موقع الکسب علی العیال شئی ولا الجہاد فی سبیل اللہ’’ (مقدمہ کتاب الزہد)۔

بعض علوم عصریہ کا حصول بھی فرض کفایہ ہے:

ایک دور ایسا گزرا ہے کہ مسلمان علوم عصریہ میں بھی دنیا کی امامت کررہے تھے اور ان علوم وفنون میں اپنا لوہا منوایا تھا جب علم وہنر کا نام لیا جاتا ہے تو ہم فخریہ کہتے ہیں کہ ان میں ہمیں اولیت حاصل ہے، بغداد، قرطبہ، غرناطہ اور قاہرہ علوم وفنون کے مرکز رہے ہیں، اہل یورپ ان کی درسگاہوں میں تعلیم پاتے تھے، پوپ سادس وثانی نے اپنی تعلیم قرطبہ کی اسلامی درسگاہ میں پائی (مسلمانوں کے عروج وزاول کےاسباب،۷۲-۷۳)۔

آج عرب ممالک کو خاصا مالدار سمجھا جاتا ہے اور یہ مالداری پیٹرول کے سبب ہے، لیکن کتنے افسوس کا مقام ہے کہ نہ تو ان کے پاس یہ صلاحیت ہے کہ وہ نئے چشموں کو تلاش کرسکیں اور نہ یہ اہلیت ہے کہ نکلتے ہوئے پیٹرول کی صفائی کا کارخانہ قائم کرسکیں، افغانستان وغیرہ کئی ممالک میں ایسے بیش قیمت معدنیات ہیں جن سے ان کی تقدیر بدل سکتی ہے۔

ہمارے پاس نفری قوت مال ودولت اور معدنیات کی کمی نہیں ہے، اگر کمی ہے تو تکنیکی صلاحیتوں کی ہے، اگر یہ کمی نہ ہوتی تو آج مسلمان اور خصوصاً عرب نت نئے ہتھیاروں، جدید ترین اسلحوں اور تکنیکی صلاحیتوں سے لیس ہوتے تو اسرائیل جیسی معمولی ریاست ان کو آنکھ دکھانے کی ہمت کرسکتی تھی؟ حالانکہ قرآن میں مسلمانوں کو صاف صاف حکم دیا گیا ہے: ‘‘وأعدوا لہم ما استعطتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترہبون بہ عدو اللہ وعدوکم لا تعلمونہم واللہ یعلمہم’’ (سورہ انفال) (اور جس قدر تم سے ہوسکے طاقت (ہتھیاروں) سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھوں کہ اس کے ذریعہ سے تم اپنا رعب جمائے رکھو ان پر جو اللہ کے اور تمہارے دشمن ہیں، تم ان کو نہیں جانتے اللہ تعالی ان کو جانتا ہے)۔

لہذا مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو ان علوم عصریہ میں مہارت حاصل کرے جن سے یہ ضرورت پوری ہوسکے، اسی طرح وہ علوم عصریہ جن کا تعلق اصلاح معاش، کسب حلال اور اصلاح بدن سے ہے مثلاً تجارت وعلم طب تو ان کا سیکھنا اور ان میں مہارت حاصل کرنا فرض کفایہ ہے (شامی۱،۱۲۲ زکریا ، مطلب فی فرض الکفایہ)۔

(۴) جنسی تعلیم شریعت کی نظر میں:

علی الاطلاق ممنوع نہیں ہے بلکہ ضرورت کے وقت اس کی بھی تعلیم دی جاسکتی ہے اور دی گئی ہے، چنانچہ جب حضرت عمرؓ کے زمانے میں اکسال سے غسل واجب ہونے اور نہ ہونے میں اختلا ف ہوگیا تو حضرت عمرؓ نے ایک صحابیؓ کو حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا، تاکہ معلوم کریں کہ اس بارے میں حکم کیا ہے تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ غسل واجب ہے۔

''عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت:إذا جاوز الختان الختان وجب الغسل فعلتہ أنا ورسول اللہ ﷺ فاغتسلنا'' (ترمذی۱،۳۰)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کےو قت اس طرح کے مسئلہ کے بارے میں معلوم کرنا اور بتلانا ممنوع نہیں ہے، ایک دوسری حدیث میں بھی اس طرح کا مسئلہ مذکور ہے:

''عن أبی ہریرۃ عن النبیﷺ قال: إذا قعد بین شعبہا الأربع وألزق الختان بالختان فقد وجب الغسل'' (ابوداؤد۱،۲۸)۔

اللہ تعالی نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ بچہ یا بچی جیسے جیسے بڑے ہوتےہیں انہیں جنسی ضروریات کا علم خود بخود ہوجاتا ہے، لیکن بعض باتیں ایسی بھی ہیں کہ ان کا علم نہیں ہوپاتا تو اس کے بارے میں اسلام کی ہدایتیہ ہے کہ ان باتوں کو عورتیں قریبی رشتہ دار یامتقی پرہیزگار عورتوں سے معلوم کریں اگر ان کو معلوم ہوں، یا اپنے شوہروں سے معلوم کریں اگر وہ جانتے ہوں، ورنہ اپنے شوہروں کے ذریعہ علماء کرام سے معلوم کرالیں اور اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو پردہ کا اہتمام کرتے ہوئے علماء کرام سے رجوع کریں۔

لیکن موجودہ دور میں جو جنسی تعلیم کا طریقہ ہے یعنی پرائمری اور مڈل اسکول کے سطح کے طلبہ اور طالبات کو جنسی تعلیم دینا اور انہیں صنفی اعضاء کے وظائف کے بارے میں بتلانا یہ دراصل مغربی ایجنڈہ ہے، یہ نہ صرف اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے بلکہ خود ہماری ملکی روایاتاور مشرقی اقدار کے بھی خلاف ہے، غیر قانونی تعلیمات کو محفوظ طریقہ پر انجام دینایہ تو گناہ اور برائی کی دعوت ہے جو اسلامی نقطہ نظر سے قطعاً جائز نہیں ہے، نیز یہ سماج کے لئے اخلاق اور صحت دونوں ہی اعتبار سے تباہ کن ہے۔

(ہ) بچوں اور بچیوں کے نکاح کے سلسلہ میں شریعت کی طرف سے عمر کی کوئی قید نہیں ہے، والدین بچوں کا نکاح نابالغی میں بھی کرسکتے ہیں او ربالغ ہونے کے بعد بھی، البتہ شریعت نے نکاح کے کچھ درجات متعین کئے ہیں، بعض حالات میں نکاح کو فرض قرار دیا ہے، یہ اس وقت ہے جب کہ شادی کے بغیر گناہ میں مبتلا ہونے کا یقین ہو، اگر گناہ میں مبتلا ہو یا ظن کے درجے میں ہو تو اس وقت واجب ہے، بشرطیکہ مہر اور

نان ونفقہ پر قادر ہو، اگر یقین ہو کہ نکاح کے بعد ظلم وناانصافی میں مبتلا ہوجائے گا، حقوق زوجیت ادا نہ کرسکے گا تو نکاح کرنا حرام اور اگر ظلم وناانصافی میں مبتلا ہوجائے گا، حقوق زوجیت ادا نہ کرسکے گا تو نکاح کرنا حرام ہے اور اگر ظلم وناانصافی کا گمان ہو تو مکروہ تحریمی ہے اور حالت اعتدال میں، سنت مؤکدہ ہے اگر ان درجات کا لحاظ کیا جائے تو آدمی افراط وتفریط سے بچ سکتا ہے۔

''وللولی نکاح الصغیر والصغیرۃ جبراً ولو ثیباً لزم النکاح '' (درمختار مع انسانی۱،۱۹۲)۔

''وأما صفتہ فہو أنہ فی حالۃ الاعتدال سنۃ مؤکدۃ وحالۃ التوقان واجب وحالۃ خوف الجور مکروہ'' (ہندیہ۱،۳۳۲ اتحاد)۔

نکاح کے سلسلہ میں ایک حق یہ ہے کہ بالغ لڑکوں اور لڑکیوں کی رائے معلوم کر لی جائے،جو ان کی رضامندی کو نظر انداز کرتے ہیں تو یہ بھی درست نہیں ہے، کیونکہاگر لڑکی لڑکے کے مزاج کے مطابق نہیں ہے تو طلاق کی نوبت آجاتی ہے اور کبھی لڑکی خلع لینے پر مجبور ہوجاتی ہے، بہرحال رضامندی کے بغیر رشتہ ازدواج میں باندھنا گناہ ہے، ہاں اگر وہ ماں باپ کے اختیار کردہ رشتہ پر رضامندی ظاہر کرتے ہوں تو اجازت کی ضرورت نہیں۔

''لایجوز نکاح أحد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من أب أو سلطان بغیر إذنہا بکراً کانت أو ثیباً فإن فعل ذلک فالنکاح موقوف علی إجازتہا فإن أجازتہ جاز وإن ردہ بطل'' (ہندیہ۱،۳۵۳ اتحاد)۔

آج کل اعلی تعلیم کے شوق نے والدین کو اس فریضہ سے غافل کررکھا ہے، لڑکوں اور لڑکیوں کی عمر کالج اور یونیورسٹی کے چکر میں ڈھل جاتی ہے اور تیس پینتیس برس تک پہنچ جاتی ہے، کتنے ہی خاندان اس سیلاب میں ڈوب چکے ہیں اور کتنے ہی لڑکے لڑکیاں غلط راستہ پر چل پڑے ہیں، حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے کہ لڑکی جوان ہوجائے اور بلا کسی عذر کے یونہی بغیر شادی کے رہے، اب اگر خدانخواستہ اس سے گوئی گناہ سرزد ہوجائے تو اس کا وبال والدین پر ہوگا۔

'' اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے یہاں بچہ پیدا ہو تو اس کا اچھا نام رکھنا چاہئے اور اس کو ادب سکھلانا چاہئے پھر جب وہ بالغ ہوجائے تو چاہئے کہ والدین ا س کا نکاح کردیں، اگر اس کا نکاح نہیں کیا اور وہ گناہ میں مبتلا ہوگیا تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہوگا '' (مشکوۃ،۲۷۱)۔

لہذا شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب لڑکا او رلڑکی بالغ ہوجائیں تو فوراً ان کا نکاح کردیا جائے تاکہ افراط وتفریط سے محفوظ ہوسکیں۔

(د) (۱): بچوں کے مزدوری کے سلسلہ میں اسلام کا موقف:

یہ ہے کہ بچوں کو اس سے بچایا جائے اور اس کے بجائے ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا جائے کیونکہ تعلیم دلوانا والدین کی ذمہ داری ہے، ''بخاری شریف '' میں ہے:

''کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ'' ۔

(۲) والدین بچوں کے نگہبان بھی ہیں، لہذا ان کی صحیح تربیت کریں، مزدوری میں لگنے سے وہ حصول علم سے یکسر محروم ہوجائینگے حالانکہ ضروریات دین کا سیکھنا فرض ہے، ''طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم '' (ابن ماجہ،۲۰)۔ علم معاشرہ کو ایک خوشگوار اور تابناک مستقبل کی طرف لے جاتا ہے اور غلط رسم ورواج کے خلاف ایٹمی ہتھیار ثابت ہوتا ہے۔

(۳) والدین اولاد سے اس حد تک کام لے سکتے ہیں جس میں ان کا کسی قسم کا نقصان نہ ہو، بلکہ وہ ان کے لئے مفید ہو مثلاً بچوں سے کہا جائے کہ وہ اپنا کام خود کریں، حدیث میں آتا ہے کہ حضرت انسؓ نے کم عمری میں آپ کی خدمت کی ہے، لیکن آپ نے کبھی ایساکام نہیں لیا جو مشقت بھرا ہو، اگر غلطی ہوگئی تو ڈانٹا بھی نہیں۔

اپنی ملازمت بڑھانے کےلئے بچوں سے مزدوری کرانا ان کے مستقبل کو پامال کرنا ہے، اور سنہرے تعلیمی مواقع سے محروم کرنا ہے، لہذا معیشت میں اضافہ کے لئے مزدوری کرانا جائز نہیں۔

(۴) البتہ مجبوری کے وقت بچوں سے مزدوری کرائی جاسکتی ہے، بشرطیکہ ان کے حقوق واجبہ ضائع نہ ہوں، یعنی ان کی تعلیمی رعایت کے ساتھ اور ان کی جسمانی نشو ونما کی رعایت کے ساتھ مزدوری کرائی جاسکتی ہے اور ان کو اتنا ہنر والے کام بھی سکھا دیا جائے جس سے وہ ضرورت کے وقت چار پیسے حاصل کرسکیں اور اپنا گزارہ کرسکیں (بہشتی زیور۴،۴۳ بحوالہ محمودیہ)۔

(ہ) شریعت میں جرائم کا ارتکاب کرنے پر حدود مقرر ہیں، اور تعزیری سزائیں بھی مقرر ہیں، اگر نابالغ لڑکوں اور لڑکیوں سے جرائم سرزد ہوں، مثلاً قتل وغارت گری، چوری زنا بالجبر، زنا بالرضا، وغیرہ تو ان پر حد تو نہیں ہے، البتہ ان پر تعزیری سزائیں عائد کی جائینگی تاکہ وہ جرائم کا ارتکاب کرنے سے باز آجائیں، ''إن الحد لا یجب علی الصبی والتعزیریشرع علیہ'' (تاتارخانیہ۶،۳۹۸)۔

''واتفق الأئمۃ المذاہب علی أنہ لا یجب الحد علی الصبی والمجنون ....لقولہ علیہ السلام: رفع القلم عن ثلاث:عن الصبی حتییکبر وعن النائم حتییستیقظ وعن المجنون حتییفیق'' (الفقہ الاسلامی۵،۷۷۴) ، البتہ قتل کی صورت میں دیت واجب ہوگی، اگر اس کے پاس مال ہو تو اس کے مال سے واجب ہوگی او راگر اس کے پاس مال نہ ہو تو عاقلہ پر دیت واجب ہوگی، اور قتل خطا کی صورت میں کفارہ واجب نہیں۔

''ولا قصاص فیما بین الصبیان وعمد الصبی وخطأہ سواء عندنا حتی تجب الدیۃ فی

الحالین فیکون ذلک فی مالہ فی فصل العمد ولا کفارۃ علیہ فی الخطأ عندنا" (ہندیہ۶،۴)۔

اوریہ تعزیری سزا ارتکاب جرم کے بقدر ہوگی اور یہ قاضی کی رائے پر موقوف ہوگا کہ وہ جرم اور مجرم کے احوال میں غوروفکر کرکے سزا تجویز کرے خواہ قتل ہی کیوں نہ ہو۔

''أما الحنفیۃ فقالوا: إن التعزیر إذا کان حقاً شخصیا لإنسان فہو واجب لا عفوفیہ لأن حقوق العباد لیس للقاضی إسقاطہا وإن کان حقا للہ تعالی فہو مفوض إلی رأی الإمام إن ظہر لہ المصلحۃ فیہ أقامہ وإن ظہر عدم المصلحۃ أو علم انزجار الجانی بدونہ یترکہ أی أن العفو فیہ للإمام" (الفقہ الاسلامی۶،۱۹۶)۔

بچوں کے جرائم کے انسداد کے لئے شریعت نے ہدایت دی ہے کہ والدین اپنے بچوں کی نگہداشت کریں، ان کو اخلاق حسنہ اور دین سکھائیں اور ان کی صحیح تربیت کریں، ارشاد باری تعالی ہے: ''یاأیہا الذین آمنوا قوا أنفسکم وأہلیکم ناراً وقودہا الناس والحجارۃ''، اس آیت میں اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچانے کاحکم ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ خود بھی ایسے گناہ سے بچیں جو ان کو جہنم تک لے جانے والے ہو ناور اپنے گھر والوں کو بھی ایسے کاموں سے بچائیں، اس سے معلوم ہوا کہ بچوں کی تربیت اور نگہداشت پر پوری توجہ دینی چاہئے، صالح زندگی گزارنے کی ترغیب بھی دیتے رہیں، نیز عقائد میں پختگی پیدا کرنے کی تعلیمات دی جائے، موجودہ زمانے میں بچوں کی نگہداشت اور زیادہ ضروری ہے، اس لئے کہ اس زمانے میں بچوں کو بگاڑنے والے بہت سے سامان چپہ چپہ میں موجود ہیں، ٹیلی ویزن، ریڈیو، وی سی آر، انٹرنیٹ وغیرہ، جب بچہ قدرے ہوشیار ہوجاتا ہے اور والدین او ربڑوں کو ٹی وی دیکھتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ بھی ٹی وی دیکھنے لگتا ہے، والدین خود تو کیا بچتے اپنی اولاد کو بھی اس فحش کے مناظر دیکھنے سے نہیں روکتے، طرح طرح کے فحاشیت پر مبنی مناظر ٹی وی پر نشر ہوتے ہیں، اور بچے اس کو دیکھتے ہیں، رفتہ رفتہ اس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو ان فلم اسٹاروں کے مانند بنانے کی خواہش ان کے دل میں پیدا ہوجاتی ہے، پھر وہ جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ بچوں کو گھر کے اندر بھی اور گھر کے باہر بھی انتہائی احتیاط کے ساتھ نگرانی کی جائے اور ان کی نفسیات کو ذہن میں رکھ کر ان کی اصلاح وتربیت کے لئے مثبت تدابیر اختیار کی جائیں (اولاد کی پرورش میں مشکلات اور ان کا حل،۲۱۹)۔

(و) انسانوں کو جرائم سے روکنے اور مجرموں کو زجر وتوبیخ کے لئے ضرورتاً قید وبند کی اجازت ہر قانون وشریعت میں دی گئی ہے، اصلاح کی ضرورت کے پیش نظر نصوص میں بھی اس کی اجازت دی گئی ہے، ارشاد ربانی ہے: ''إنما جزاء الذینیحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الأرض فساداً أو یقتلوا أو یصلبوا أو تقطع أیدیہم وأرجلہم من خلاف أو

ینفوا من الأرض " (یہی سزا ہے ان لوگوں کو جو لڑتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے او ردوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو کہ ان کو قتل کیا جائے یاسولی چڑھائے جاوینیا کاٹے جاویں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے یا دور کردیئے جائیں اس جگہ سے) (معارف القرآن ۳،۱۱۴ ، ادارۃ المعارف کراچی)۔

مجرم کو قید میں ڈالنا یہی ان کا زمین سے نکالنا ہے، امام اعظم ابوحنیفہؒ کییہی رائے ہے (معارف القرآن ۳،۱۲۲)۔

لیکن قید میں ڈالے جانے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ اب ہر ناروا سلوک کا مستحق ہوگیا اور دیگر حقوق انسانی کے قابل نہیں رہا، بلکہ وہ تمام انسانوں کی طرح اپنے مذہبی حقوق نیز جسمانی حقوق، اسی طرح سماجی حقوق یا اخلاقی حقوق کا برابر طور پر مستحق رہتا ہے، خلاصہ یہہے کہ جرم کتنا ہی سنگین ہو قیدیوں کے انسانی حقوق برقرار رہینگے، لہذا مجرمانہ ذہن رکھنے والے بچوں کی سرزنش اور اصلاح کے لئے جیلوں میں ان سے پر مشقت کام لینا صحیح نہیں ہے، بلکہ ان کو ایسی سزا دی جائے کہ جس سے ان کو ذہنی اور جسمانی نقصان نہ ہو او ریہ قاضی کیرائے پر موقوف ہوگا جیسی مصلحت سمجھے ویسی ہی سزا دے، البتہ اگر بچہ کی عمر ۱۰ سال سے کم ہو تو اس صورت میں اس پر تعزیر عقوبت بھی جاری نہیں کی جائے گی، البتہ وہ تعزیر تادیبی کا مستحق ہوگا، ''فیعزر کل عاقل ذکراً أو أنثی مسلماً أو کافراً بالغاً أو صبیاً عاقلاً لأن ہؤلاء غیر الصبی من أہل العقوبۃ أما الصبی فیعزر تادیباً لا عقوبۃ'' (الفقہ الاسلامی۶،۱۹۲)۔

''أما الحنفیۃ فقالوا إن التعزیر إذا کان حقا للہ تعالی فہو مفوض إلی رأی الإمام إن ظہر لہ المصلحۃ فیہ أقامہ وإن ظہر عدم المصلحۃ أو علم انزجاراً الجانی بدونہ یترکہ أی أن العفو فیہ للإمام " (الفقہ الاسلامی۶،۱۹۶)۔

قاضی حسب ذیل امو رمیں سے کسی کے ذریعہ بھی سزا دے سکتا ہے(الفقہ الاسلامی۶،۱۹۳)۔

''تعزیر بقدر جنایت ہوتی ہے اور جانی (جنایت کرنے والے) کے احوال کے مطابق ہوتی ہے، حاکم کے اجتہاد سے یا تو سخت کلامی سے یا قید سے یا پٹائی سے یا اعراض کرنے اور توجہ ہٹانے سے یا اس کو مجلس سے اٹھانے اور بھگانے اور اس کو ظالم نالائق جیسے الفاظ کہہ کر بے عزت کرکے او راس کا چہرہ کالا کرنے اور اس کے گناہ کا اعلان کرانے اور پٹائی کے ساتھ اس کو گھمانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اور اس کو کھانے، پینے، وضو کرنے اور نماز پڑھنے سے نہیں روکا جائے گا اور تعزیر میں داڑھی کاٹنا یا کوئی عضو کاٹنا اور زخمی کرنا حرام ہے اور اس کو سخت سزا تعزیراً دی جاسکتی ہے اور مناسب ہے اس کو لوگوں میں مشہور کردینا " (الفقہ الاسلامی۶،۱۹۳)۔

اسی طرح نابالغوں اور بالغوں کو الگ الگ قید خانہ میں رکھا جائے گا، ورنہ اور

مفاسد پیدا ہونگے اور ان کی اصلاح کے لئے یہ تدابیر اختیار کی جائینگی کہ ان کے قید کے زمانہ میں تعلیم وتربیت کاانتظام کیا جائے اور ان کو کوئی ہنر بھی سکھادیا جائے، اس سے ان کی بہتر اصلاح ہوسکے گی اور مابعد قید وہ بہتر طور پرشہری بن کر زندگی گزار سکینگے۔

(ز) جو بچے والدین سے بچھڑجانے یا ولادت کے بعد ماں باپ کی طرف سے پھینک دیئے جانے یا کسی اور سبب سے بے سہارا ہوجاتے ہیں اسلام میں ان کے تعلیم وتربیت کے بارے مینیہ ہدایات ہیں کہ اگر کہیں بچہ پڑا ہو ا ملے تو اس کو اٹھا لینا مستحب ہے، اس لئے کہ اٹھا لینے میں اس کو زندگی بخشنا ہے اور یہ افضل اعمال میں سے ہے، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

''ومن أحیاہا فکأنما أحیا الناس جمیعاً'' (سورہ مائدہ: ۳۲)، حدیث میں ہے: ''أن رجلاً أتی سیدنا علیاً رضی اللہ عنہ بلقیط فقال ہو حر ولأن أکون ولیت من أمرہ مثل الذی ولیت أنت کان أحب إلی من کذا وکذا، عد جملۃ من أعمال الخیر فقد رغب فی الالتقاط وبالغ فی الترغیب فیہحیث فضلہ علی جملۃ من أعمال الخیر علی المبالغۃ فی الندب إلیہ '' (بدائع ۲۹۱،۵)۔

لقیط کےہلاک ہونے کااندیشہ ہو تو فرض کفایہ ہے، اور اگر نہ اٹھانے میں اس کے ہلاک ہونے کا غالب گمان ہو تواٹھانا فرض کفایہ ہے، جیسے اگر کوئی شخص کسی اندھے کو دیکھے کہ وہ کنویں میں گرجائے گا تو اس کو کنویں میں گرنے سے بچانا فرض ہوگا (البحر الرائق۳۴۱،۵)۔

لقیط آزاد کے حکم میں ہوگا:

اور وہ آزاد ہوگا اور آزادی کے تمام احکام اس پر نافذ ہونگے، اس لئے تمام اولاد آدم میں اصل آزادی ہے، ''وہو حر لأن الأصل فی بنی آدم ہو الحریۃ فیترتب علیہ أحکام الأحرار'' (البحر ۳۴۱،۵)۔

لقیط پر خرچ کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، اور اس کا نفقہ بیت المال سے جاری ہوگا، اس لئے کہ وہ کمانے سے عاجز ہے، نہ اس کے پاس مال ہے، نہ کوئی رشتہ دار ہے تو اپاہج کے مشابہ ہے، ''ونفقتہ من بیت المال وہو المروی عن عمر وعلی رضی اللہ عنہما ولأنہ مسلم عاجز عن الکسب ولا مال لہ ولا قرابۃ فأشبہ المقعد الذی لا مال لہ ولا قرابۃ'' (البحر ۲۴۲،۵)، اور اگر اٹھانے والا خود خرچ کررہا ہے قاضی کی اجازت کے بغیر تو اس کی جانب سے تبرع مانا جائے گا اور اگر قاضی کی اجازت سے خرچ کررہا ہے تو بالغ ہونےکے بعد بچے کے مال سے طلب کرسکتا ہے (البحر ۲۴۲،۵)۔

لقیط کی حفاظت کا حق اٹھانے والے کو ہے:

او راگر کوئی اس کو لینا چاہتا ہے تو ملتقط کی اجازت کے بغیر نہیں لے سکتا ہے

کیونکہ حفاظت کا حق اسی کے لئے ثابت ہوا ہے، ‘‘ولا یأخذ منہ أحد أی لا یأخذ اللقیط من الملتقط أحد بغیر رضاہ لأنہ ثبت حق الحفظ لہ لسبق یدہ’’ (البحر ۲۴۲،۵)، اور خاندانی ماحول فراہم کرنے کے لئے اس کو اس کے ساتھ کردیا جائے گا جو اس کی پرورش کررہا ہے۔

اگر کوئی دعویدار آگیاتو لقیط اس کے حوالے کردیا جائے گا، البتہ اگر کوئی دعوی کرے گا تو اس کےدعوی کو قبول کرلیا جائے گا، کیونکہ اس میں اس کے نسب کی حفاظت ہوجائے گی اور اس کے تعلیم وتربیت کا بھی انتظام اچھی طرح سے ہوجائے گا اور ہلاکت سے بھی بچ جائے گا۔

لقیط اگر مسلم آبادی کے علاقے میں ملے تو وہ مسلمان ہوگا، اگر لقیط کا مدعی مسلمان ہے تو وہ بھی مسلمان سمجھا جائے گا، اور اگر ذمی ہے تو اس کا نسب ذمی سےثابت ہوگا، البتہ وہ مسلمان رہے گا اگر ذمیوں میں نہ پایا گیا ہو، کیونکہ اس میں بچہ کا نفع ہے اور ذمی قرار دینے میں اس کا ضرر ہے، اور اگر ذمی نے بینہ سے ثابت کردیا ہے کہ وہ اسی کا بچہ ہے تو وہ اسی ذمی کے دین پر رہے گا۔

‘‘وہہنا فی التصدیق وإثبات النسب نظر من الجانبین جانب اللقیط بشرف النسب والتربیۃوالصیانۃ من أسباب الہلاک وغیر ذلک، وجانب المدعی بولد یستعین بہ علی مصالحہ الدینیۃ والدنیویۃ، حتی لو ادعی شیئینیتصور انفصال أحدہا عن الآخر فی الجملۃ وہو نسب الولد وکونہ کافراً ویمکن تصدیقہ لکونہ نفعاً للقیط وہو کونہ ابنا لہ ولایمکن تصدیقہ فی الآخر لکونہ ضررا بہ وہوکونہ کافراً’’ (بدائع ۲۹۳،۵ زکریا)۔

(ح) اگر کوئی اپنا بچہ کسی کو بغرض حضانت دے دے، تو یہ درست ہے، شریعت میں اس کی اجازت ہے، آپﷺ نے حضرت علیؓ کو بطور پرورش کے لے لیا تھا، حضرت ابوطالب کی تنگی کو دیکھتے ہوئے، اسی طرح اگر کوئی کسی کو اپنا متبنی بنانا چاہے تو یہ بھی درست ہے۔

آپﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو اپنی متبنی بنایا تھا، لیکنیہ بھییاد رکھنا چاہئے کہ متبنی کے وہی احکام ہونگے جو پردہ کے سلسلہ میں ایک اجنبی کے ہوتے ہیں ، متبنی حقیقی بیٹا نہیں ہوجاتا، لہذا بالغ ہونے کے بعد اس سے پردہ کرنا ضروری ہے، نہ وہ میراث کا مستحق ہوتا ہے اور نہ اس سے نکاح حرام ہوتا ہے اور اس کو اپنی طرف منسوب کرنا بھی صحیح نہیں ہے، ‘‘وما جعل أدعیاءکم أبناءکم، ادعوہم لآبائہم’’ (سورہ احزاب) (اللہ تعالی نے تمہارے متبنی کو تمہارا بیٹا نہیں بنادیا، بلاؤ تم ان کو ان کے باپو نکی طرف نسبت کرکے)۔

اولا بچوں کی پرورش اور نان ونفقہ باپ کے ذمہ ہے ‘‘ولطفلہ الصغیریعنی تجب النفقۃ والکسوۃ علیہ لأولادہ الصغار الفقراء لقولہ تعالی:وعلی المولود لہ رزقہن وکسوتہن

بالمعروف، والمولود لہ ہو الأب فأوجب علیہ رزق النساء لأجل الأولاد فلأن تجب علیہ نفقۃ الأولاد بالطریق الأولی " (تبیین۳،۳۲۵)، ہاں اگر والدین اتنے تنگ دست ہوں کہ پرورش کرنے میں دشواری ہو، ان کی پرورش پر قادر نہ ہو تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کے رشتہ دار مالدار ہوں وہ پرورش کریں، جیسے چچا، دادا، دادی وغیرہ، ''وعلی ہذا لو کان للمعسر أولاد صغار ولمیقدر علی إنفاقہم تجب نفقتہم علی من تجب علیہ لولا الأب کالأم والأخ والعم لہ یرجع بہ إذا أیسر'' (شامی زکریا۵،۳۰۹)۔

لیکن افلاس کی وجہ سے اور پرورش کی استطاعت نہ رکھنے کی وجہ سے اولاد کو دوسرے کے سپرد کردینا اور اس سے بے تعلق ہوجانا اور اس کے بدلے میں ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہیہ گویا اولاد کو بیچنا ہے ہدیہ کی صورت میں، کیونکہ کوئی چیز ہدیہ دے کر اس کا بدلا لیا جائے تو صورتاً ہدیہ ہے لیکن بیع کے درجہ میں ہے، کیونکہ فقہاء نے صراحت کی ہے لفظ ہبہ سے بھی بیع منعقد ہوجاتی ہے اور یہ ہدیہ لینا درحقیقت قیمت لینا شمار کیا جائے گا، کیونکہ قاعدہ ہے:''المعروف کالمشروط'' ۔

(ط) اگر بچے ذہنی طور پر معذور پیدا ہوں، یاپیدا ہوتے ہی معذور ہوجائیں تو ان کی پرورش اور نگرانی والدین کے ذمہ ہے، البتہ اگر ان کو علاج کے لئے کسی ہسپتال میں داخل کردیا جائے تو یہ درست ہے، لیکنیہ بغرض علاج ہو فرار اختیار کرنے کے لئے نہ ہو،کیونکہ اپنی پرورش کی ذمہ داری سے فرار اختیار کرنا اور بچوں سے بالکل بے تعلق ہوجانا یہ بچوں پر شفقت کے خلاف ہے، اللہ کے رسولﷺ نے بچوں پر شفقت نہ کرنے پر وعید ارشاد فرمائی ہے: ''من لم یرحم صغیرنا فلیس منا ....'' (جو چھوٹوں پر رحم وشفقت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے)۔

حدیث شریف میں علاج کرانے کی وضاحت وارد ہے، ''عن أبی ہریرۃ قال قال رسول اللہﷺ ما أنزل اللہ داءً إلا أنزل بہ شفاءً'' (مشکاۃ،۳۸۷) (اللہ کے رسولﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں نازل کی اللہ نے کوئی بیماری مگر یہ کہ اس سے شفا کو بھی نازل کیا ہے)۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دوا کرانا جائزہے لیکن والدین کی ذمہ داری ہے کہ ایسے ہسپتال میں علاج کے لئے داخل کرائیں جہاں سے روزانہ یا وقفہ وقفہ سے ان کی دیکھ ریکھ کرسکے اگر ملازمت پیشہ ہو ورنہ وہیں قیام کریں اور اپنے بچوں کو شفقت سے محروم کرکے راہ فرار اختیار نہ کریں، الغرض ایسے معذور بچوں کا خرچہ اور نگرانی والدین کے ذمہ ہے والدین خصوصاً باپ کا اس سے اعراض اور پہلو تہی کرنا جائز نہیں ہے۔

''إذا کان الولد عند الحاضنۃ فلأبیہ حق رؤیتہ بأن یخرج الصغیر إلی مکان یمکن الأب أن یراہ فیہ کل یوم'' (الفقہ الاسلامی۷،۶۹۹) (جب بچہ پرورش کرنے والی عورت کے پاس

ہو اس کے باپ کو اس بچہ کو دیکھنے کا حق ہے، وہ عورت بچہ کو کسی ایسی جگہ نکال دیا کرے جہاں سے دیکھنا ممکن ہو روزانہ)۔

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

''ایک شخص کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں، نہ باپ کے پاس مال ہو اور نہ بچوں کے پاس، تو کیا پھر بھی باپ پر بچوں کا خرچہ لازم ہے؟ اگر والد کسب پر (محنت ومزدوری پر) قادر ہو تو اس پر خرچ لازم ہے، وہ محنت ومزدوری کرے گا اور بچوں پر خرچ کرے گا اپنی وسعت وطاقت کے بقدر اور اگر وہ کمانے اور بچوں پر خرچہ کرنے سے انکار کرے تو حکومت کی جانب سے اس پر جبر کیا جائے گا، پھر بھی نہ کمائے تو قید کردیا جائے گا، (یہاں تک کہ کمانے اور خرچ برداشت کرنے پر راضی ہوجائے)، دیگر دیون مینقید نہیں کیا جائے گا اور اگر والد اپاہج وغیرہ ہونے کے سبب کمانے پر قادر نہ ہو تو لوگوں سےسوال کرے اور اولاد پر خرچ کرے '' (التاتارخانیہ۵؍۴۱۶)۔

***

بچوں کے حقوق – شریعت اور حقیقت کی روشنی میں

مولانا رحمت اللہ ندوی•

اولاد کے حقوق:

والدین کی تمناؤں کا مرکز، ان کی آہ نیم شب ونالۂ سحر کا گداز، انکے تن بدن کا ایک جزء، ان کی مادی وروحانی توانائیوں کا راز، اولاد ہے، اولاد ہی والدین کے بڑھاپے کا سہارا اور صدقۂ جاریہ بنتی ہے، لہذا والدین پر اولاد کے یہ حقوق عائد ہوتے ہیں:

(۱) اولاد کی طلب اور حصول حلال اور مسنون طریقہ سے ہو، یعنی بغیر نکاح یا غیر اللہ سے سوال کرکے نہ ہو۔ (۲) اولاد کی پیدائش کو خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، اللہ کی نعمت اور امانت سمجھے۔ (۳) اچھا اور پسندیدہ نام رکھے۔ (۴) ممکن ہو تو عقیقہ کرے۔ (۵) ختنہ کرے۔ (۶) صفائی ستھرائی کا خیال رکھے۔ (۷) دوسال کے بعد دودھ چھڑائے۔ (۸) ماحول کو بہتر اور سازگار بنائے۔ (۹) گھر میں لہو ولعب کے ایسے اسباب اور سامان مہیا نہ کرے جو بے حیائی کا سبب اور بداخلاقی کا ذریعہ بنیں۔ (۱۰) کھلانے پلانے اور راحت وآرام پہنچانے کے ساتھ نیک لوگو ناور بزرگوں، اسلام کے شہبازوں کے قصے اور کہانیاں سنائے، اور ایسی لوریاں دے جو توحید اور حقیقت پر مبنی ہوں۔ (۱۱) قرآنی آیات، دعائیں اور اذکار وغیرہ سکھائے۔ (۱۲) اسلام کے آداب اور طریقے، بڑوں کے ادب وتعظیم کے اطوار بتائے۔ (۱۳) جب پڑھنے کے لائق ہوجائے تو دینی تعلیم وتربیت کے لئے کسی ایسے ادارہ کا انتخاب کرے جو بہتر اور مناسب ہو۔ (۱۴) جب باشعور (دس سال کا ہوجائے) تو بستر الگ کردے۔ (۱۵) سات سال کی عمر میں نماز کی تاکید کرے اور پابندی کروائے، دس سال کا ہوجانے پر اگر نماز چھوڑے تو سزادے۔ (۱۶) زمانہ کی ایسی بری صحبت اور عادتوں سے بچائے جو مفسد اخلاق ہوں، اگر ماں باپ کی بری عادتوں سے بگڑنے کا اندیشہ اور متاثر ہونے کا امکان ہو تو وہ اس سے تائب ہوکر انہیں ترک کردیں ۔ (۱۷) اولاد کو بے کاری سے بچائیں اور باعزت وحلال کسب معاش کا طریقہ سکھائیں۔ (۱۸) بلوغ پرکسی دیندار گھرانے میں باکردار ودیندار لڑکی سے یا لڑکی ہو تو لڑکے سے نکاح کرے۔ (۱۹) نکاح کے بعد بھی اس کی خیر خواہی سے منہ نہ موڑے او راس پر شفقت ومحبت کی نگاہ رکھے۔ (۲۰) عام حالات میں اولاد (لڑکے اور لڑکی) کے درمیان دادودہش اور عطیات وبخشش میں مساوات اور انصاف ملحوظ رکھے۔ خصوصی حالات ا س سے

• دار العلوم ندوة العلماء لکھنؤ۔

مستثنی ہیں (اسلامی حقوق وواجبات ،۲۴۔۲۹)۔

اسی طرح شفقت وکشادہ دلی کے ساتھ پرورش، حلال اور طیب روزی سے پرورش، کھیلنے اور خوش رہنے کے کافی مواقع فراہم کرنا، بالغ ہونے پر شادی میں جلدی کرنا بھی اولاد کے حقوق میں ہیں (مزید تفصیلات ''فن تعلیم وتربیت '' ،۱۵۵۔۱۵۶ میں دیکھیں)۔

والدین کے ذمہ اولاد کا سب سے بڑا حق ان کی صحیح تعلیم وتربیت ہے، اور تربیت کہتے ہیں ان کے اندر دین واخلاق کو پروان چڑھانا اور فروغ دینا، اولاد رحمت بھی ہے اور زحمت بھی بن سکتی ہے، اولاد دلجمعی کا سبب بھی ہے اور فتنہ بھی برپا کرسکتی ہے، اولاد شجر بار آور بھی ہے اور خاردار بھی ثابت ہوسکتی ہے، اس لئے اولاد کی طرف سے غفلت برتنا اور اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا برابر ہے، ان کے حقوق میں غفلت وکوتاہی پر روز قیامت باز پرس ہوگی۔

اگر ہم اولاد کے حقوق امانت ودیانت کے ساتھ ادا کرینگے تو قوی امید ہے کہ اولاد فرمانبردار، صالح اور حق شناس ہوگی، دنیا میں والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کی راحت اور آخرت کے لئے دعاؤں کا ذریعہ اور ثواب کا ذخیرہ بنے گی۔

اس کے علاوہ ولادت سے بلوغ تک دیگر اور حقوق بھی ہیں اور ان کی تفصیلات، اور ان سے متعلق مستقل احکام ومسائل ہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: تربیۃ الاولاد فی الاسلام للشیخ عبد اللہ ناصح علوان،تحفۃ المودود باحکام المولود، علامہ ابن قیم، نیز بچوں کے احکام ومسائل مولانا فیصل احمد ندوی)۔

لیکن نہ سب کا احاطہ مقصود ہے اور نہ ہی وہ ہمارے موضوع کے تحت ہیں، اس لئے بچوں کی پرورش، تعلیم وتربیت، نکاح، مزدوری اور تعزیر وسزا نیز لاوارث بچوں کی پرورش اور انکی تعلیم وتربیت میں حکومت وسماج کی ذمہ داریاں، جو والدین ناداری کی وجہ سے اپنے بچوں کو معاضہ لے کر ان سے لاتعلق ہوجاتے ہیں اور پرورش کے لئے دوسروں کے حوالہ کردیتے ہیں، ان کے مسائل اور ذہنی وجسمانی طور پر معذور بچوں کی پرورش اور ان کی مسلسل نگہداشت وعلاج کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات وغیرہ پر ہی سوالنامہ کی روشنی میں اکتفا کیا جائے گا۔

حق حضانت (پرورش کا حق):

''فقہ کی اصطلاح میں نابالغ لڑکے یا نابالغ لڑکی،یا کم عقل بالغ لڑکے اور لڑکی جن میں تمیز کی صلاحیت نہ ہو، کی پرورش، انکی مصلحتوں کی نگرانی، موذی اور مضر چیزوں سے حفاظت اور ایسی جسمانی، نفسیاتی اور عقلی تربیت کہ وہ مقتضیات زندگی کی تکمیل کرسکے اور اپنے فرائض ادا کرنے کا اہل ہوجائے ''حضانت '' ہے (قاموس الفقہ ،۲۶۲۔۳)۔

اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ حق پرورش میں ماں سب سے پہلے اور مقدم

ہے،اس کے بعد پھر جو رشتہ کے اعتبار سے زیادہ قریب ہو .... اگر خواتین میں کوئی مستحق نہ ہو تو پھر حق پرورش ان مردوں کی طرف لوٹے گا جو عصبہ رشتہ دار ہوں اور ان رشتہ داروں میں جو وارث ہونے کے اعتبار سے مقدم ہوگا وہی حق پرورش کا بھی ذمہ دار ہوگا.... اگر ایک ہی درجہ کے ایک سے زیادہ مستحق پرورش موجود ہوں اور وہ سب پرورش کے خواہاں ہوں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ورع وتقوی اور اس کے بعد کبر سنی کی بنا پر ترجیح دی جائے گی، جبکہ حنابلہ کے نزدیک قرعہ اندازی سے کام لیا جائے گا، لڑکی کے عصبہ رشتہ داروں میں اگر کوئی محرم موجود نہ ہو تو یہ ذمہ داری قاضی کی طرف منتقل ہوجائے گی کہ وہ جسے مناسب سمجھے اس کے حوالہ کردے۔

ماں، دادی اورنانی کو اس وقت تک لڑکوں کا حق پرورش حاصل ہوگا جب تک کہ خود ان میں کھانے پینے، استنجا کرنے او رکپڑے پہننے وغیرہ کی صلاحیت پیدا نہ ہوجائے، اور سات سال مفتی بہ قول ہے ، اس کے بعد باپ کے حوالہ کردیئے جائینگے، لڑکیاں ہوں تو بالغ ہونے کے بعد باپ کے حوالہ کردی جائینگی۔

حق پرورش صرف ماں کا حق نہیں، بلکہ بچہ کا بھی حق ہے، لہذا اگر عورت اس شرط پر خلع کرے کہ وہ حق پرورش سے دست بردار ہوجائے گی تو خلع درست ہوجائے گا، لیکنیہ شرط باطل ہوجائے گی، اور عورت کا حق پرورش باقی رہے گا، ہاں اگر عورت خود بچہ کی پرورش نہ کرنا چاہے اور بچہ کی بقا کا انحصار ماں پر نہ ہوں تو ماں کو پرورش پر مجبور نہیں کیا جائے گا (قاموس الفقہ ۳،۲۶۶-۲۶۷، بدائع الصنائع ۴،۴۰ کتاب الحضانہ، احسن الفتاوی۵،۴۵۹)۔

حضانت کے شرائط:

اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ میاں بیوی کی جدائی کے وقت بچہ ہے تو اس کی ماں کو پرورش کا حق ہے جب تک کہ دوسرا نکاح نہ کرے، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ماں، بچے کے حق میں سب سے زیادہ مشفق ہوتی ہے اور تربیتی معاملات میں مرد سے زیادہ واقف ہوتی ہے، اس میں برداشت کا مادہ زیادہ رہتا ہے، اور اس کے لئے زیادہ وقت بھی دےسکتی ہے، لیکن حضانت کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہیں:

۱۔ عقل:کسی پاگل یاکم عقل کو حضانت کا حق نہیں، اس لئے کہ ایسا شخص ذمہ داری نہیں نبھا سکتا۔

۲۔ بلوغ: کسی نابالغ کو یہ حق نہیں، کیونکہ وہ شرعاً خود کسی کی پرورش میں ہوتا ہے۔

۳۔ نگہداشت: پرورش کی صلاحیت اور اس پر قدرت، لہذا نابینا، شدید مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے معذور کو حضانت کا حق نہیں، سفر پر رہنے کی وجہ سے دشواری پیش آرہی ہو تو اس کو بھی حق نہیں۔

۴۔اخلاق وعادات کا اچھا ہونا: فاسق وفاجر کو حق نہیں، کیو نکہ اس سے بچہ کے بگڑنے اور بددین ہونے کا خطرہ ہے۔

علامہ ابن قیمؒ نے اس شرط کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ یہ شرط ماننے کی صورت میں نظام عالم کے درہم برہم ہوجانے اور ملت کے مصیبت میں پڑجانے کا اندیشہ ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے بیچ کی راہ اس طرح نکالی ہے کہ ایسا فسق نہ ہو جس سے بچے کے بگڑنے کا خطرہ ہو، اگر عورت فسق وفجور میں مبتلا ہے اور بچہ اتنا باشعور ہے کہ اس طرح کی باتوں کا احساس رکھتا ہے تو دین واخلاق کی حفاظت کی خاطر بچہ اس عورت سے لے لیا جائے گا۔

۵۔ مسلمان ہونا: کسی کافر رشتہ دار کو مسلمان بچے کی حضانت کا حق حاصل نہیں، لیکن احناف نے اس شرط سے اختلاف کیا ہے، کیونکہ حضانت میں بچے کو کھلانا پلانا اور اس کی دیکھ بھال کرنا مقصود ہے اور یہ کام کافر عورت بھی کرسکتی ہے، البتہ احناف کے یہاں بھییہ شرط ہے کہ وہ مرتد نہ ہو۔

۶۔ حضانت کا حق رکھنے والی عورت کی شادی کسی ایسے شخص سے نہ ہوئی ہو جو بچے کے لئے اجنبی ہو، اس لئے کہ اس سے بچہ کا حق ادا نہ ہونے کا خطرہ موجود رہتا ہے، اگر اس کی شادی بچے کے کسی قریبی رشتہ دار سے ہوئی ہے مثلاً بچے کے چچا کے ساتھ، تو اس صورت میں حضانت کا حق اس کے لئے باقی رہے گا (تحفۃ المودود باحکام المولود)۔

حق حضانت کے سقوط کی صورتیں:

مندرجہ ذیل صورتوں میں حق حضانت ساقط ہوجائے گا:

* بچہ کے غیر ذی رحم محرم سے نکاح کرلینا۔

* پرورش پر اجرت طلب کرنا جبکہ بچہ کے ذی رحم محارم میں سے کوئی عورت بلا اجرت پرورش پر راضی ہو۔

* کسب وغیرہ کی وجہ سے بکثرت باہر نکلنا، جس سے بچہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔

* فسق وفجور میں مبتلا ہونا کہ بچہ کے ضیاع کا خطرہ ہو، اگر خطرہ نہ ہو تو اتنی عمر تک فاسقہ عورت کے پاس چھوڑا جائے گا جس میں برے اخلاق سے متاثر ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

* کافرہ کے پاس بھی چھوڑنے کا یہی حکم ہے۔

* مرتدہ سے بچہ واپس لے لیا جائے گا، اور دوبارہ اسلام قبول کرنے کے لئے قید میں رکھا جائے گا اور پٹائی بھی کی جائے گی،یہاں تک کہ دوبارہ اسلام قبول کرلے، اگر

اسلام قبول کرلے تو بچہ اس کے سپرد کردیاجائے گا (احسن الفتاوی۵،۴۵۹۔۴۶۰)۔

حق حضانت رکھنے والی عورتوں کی ترتیب:

اس پر تو اجماع ہے کہ سب سے زیادہ حضانت کا حق ماں کو ہے، اگر اس کاانتقال ہوجائے یا حضانت کی مذکورہ شرائط میں سے کسی شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے اس کا حق باقی نہ رہے تو حضانت کا حق رکھنے والی عورتوں کی ترتیب اور تفصیل مینیہاں کچھ اختلاف ہے جو حسب ذیل ہے:

فقہ حنفی:

ماں، نانی، دادی، مختلف بہنیں (حقیقی، اخیافی(ماں شریک)، علاتی (باپ شریک)، اسی طرح مختلف خالائیں، بھانجی، بھتیجی، مختلف پھوپھیاں، وراثت کی ترتیب کے مطابق عصبہ۔

فقہ شافعی میں ترتیبیہی ہے، اس فرق کے ساتھ کہ علاتی بہن، علاتی خالہ، علاتی پھوپھی اخیافی پر مقدم ہے۔

فقہ مالکی:

ماں، نانی، مختلف خالائیں (اوپر کی طرح)، دادی، مختلف بہنیں، پھوپھی، بھانجی، موصی لہ (جس کو وصیت کی جائے) پھر عصبہ وراثت کی ترتیب کے مطابق۔

فقہ حنبلی:

ماں، نانی، اور اس کے بعد اس کی مائیں، باپ، دادی، اس کے بعد اس کی مائیں، دادا، پھر اس کی مائیں، مختلف بہنیں، مختلف خالائیں، مختلف پھوپھیاں، پھر اسی ترتیب پر ماں کی خالائیں، پھر باپ کی خالائیں، پھر باپ کی پھوپھیاں، اسی ترتیب پر بھانجیاں او ربھتیجیاں، چچا زاد بہن، پھوپھی زاد بہن اسی تفصیل کےمطابق۔ وراثت کی ترتیب کے مطابق عصبہ (بچوں کے احکام ومسائل،۲۳۰، نیز بدائع وشامی)۔

حق حضانت رکھنے والے مردوں کی ترتیب:

مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق اگر کوئی عور ت بچے کی حضانت کے لئے نہ ملے تو پھر جیسا کہ گزرا وراثت میں جو بطور عصبہ کے وارث ہوتے ہیں، ان کو اسی ترتیب سے حضانت کا حق ہوگا:

باپ، دادا (آگے اوپر تک)، بھائی، بھائی کی اولاد (نیچے تک)، چچا، چچاکی اولاد، لیکن کوئی بچی جو اس عمر کو پہنچ چکی ہو کہ اس سے شہوت پیدا ہوسکتی ہے تو ایسی بچی کسی نامحرم وارث کے حوالہ نہیں کی جائے گی،یہ متفقہ مسئلہ ہے، ہاں! چھوٹی بچی کا حق حضانت اس کو حاصل ہوگا۔

(مسئلہ) اگر حضانت کا حق کسی شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے ختم ہوجائے، پھر وہ رکاوٹ دور ہوجائے تو حضانت کا حق واپس ملے گا۔

تعلیم وتربیت:

اسلام بچہ کی تربیت کا جو تصور رکھتا ہے وہ نہایت جامع، وسیع اور ہمہ گیر وعالمگیر ہے، وہ چاہتا ہے دینی، اخلاقی، جسمانی، عقلی وذہنی، معاشرتی، حسی، جذباتیوجبلی، نفسیاتی اور جنسی ہر طرح بچہ کی ایسی مکمل تربیت کی جائے کہ مکمل طور پر اس کی شخصیت کی تعمیر ہوسکے اور وہ ایک آئیڈیل بن سکے (تربیۃ الاولاد فی الاسلام للشیخ عبد اللہ ناصح علوان، الاولاد وتربیتہم فی ضوء الاسلام للشیخ محمد بن مقبل،۶۹۔۱۳۳، حلال وحرام مولانا خالد سیف اللہ رحمانی،۴۵۸۔۴۶۵، بچوں کی تربیت، مولانا سراج الدین ندوی،۱۰۷۔۱۳۳)۔

دینی تربیت:

تربیت کے مختلف شعبوں میں سب سے اہم دینی اور اسلامی تربیت ہے ، جس میں مبادیات دین کی تعلیم، عبادات کی ترغیب، حلال وحرام کی تفہیم، قرآن مجید کا پڑھنا وغیرہ داخل ہے، دینی تربیت میں ابتداء کلمہ طیبہ سے ہو، بچہ کے اندر نبی کی محبت، اطاعت کا جذبہ، آل بیت کی محبت اور قرآن مجید کی تلاوت سے شغف پیدا کیا جائے، صحابہ کرام، سیرت نبوی اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے غزوات کی بھی تعلیم اپنے بچوں کو دیں۔

اخلاقی تربیت:

اخلاقی تربیت، دینی تربیت کا ایک حصہ ہے، اسلام میں فطری طور پر اس کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، حدیث شریف میں ہے کہ ''کسی شخص نے اپنی اولاد کو اچھے اخلاق وآداب سے بہتر عطیہ نہیں دیا، اور یہ کہ ''اپنی اولاد کو تہذیب وشائستگی سکھاؤ ''۔

ایک روایت میں ہے کہ جب بچہ نوسال کا ہوجائے تو اس کا بستر علاحدہ کردیاجائے، تیرہ سال میں نماز، روزہ کے لئے سرزنش کی جائے، سولہ سال کی عمر میں اس کی شادی کردی جائے، پھر اس کا ہاتھ پکڑے اور کہے میں نے تجھے اخلاق سکھادیئے، تعلیم دے دی اور تمہارا نکاح کردیا، اب میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ تو دنیا میں میرے لئے فتنہ کا یا آخرت میں عذاب کا باعث بنے (مسند ابن حبان عن انسؓ)۔

اسی اخلاقی تربیت کے پیش نظر آپ ﷺ نے والدین کو کسی ایسی حرکت سے منع فرمایا ہے جو بچہ کے معصوم اور سادہ ذہن پر اپنا غلط نقش چھوڑ جائے، چنانچہ ارشاد ہوا کہ جو شخص بچہ کو کہے یہ لے لو، پھر اسے نہ دے تو یہ بھی جھوٹ ہے۔

اخلاق وکردار نسل انسانی کا سب سے قیمتی اثاثہ ہے، اگر کوئی قوم اخلاق سے محروم ہوجائے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے تعمیر وترقی سے ہمکنار نہیں کرسکتی، اس کے برخلاف بااصول وباکردار قوم کو کوئی طاقت زیر نہیں کرسکتی۔

اخلاق وکردار سے مزین کرنے کا سب سے سنہرا دور بچپن کا دور ہے، اس عمر

میں جسمانی نشو ونما کے ساتھ کردار بھی نشو ونما پاتا ہے، ابتداء ہی سے بچے کی نشو ونما کے مختلف پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اس کی اخلاقی تربیت پر بھی توجہ دینا چاہئے، (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: بچوں کی تربیت از مولانا سراج الدین ندوی ،۱۱۴-۱۱۸)۔

جسمانی تربیت:

عقل وفہم، اخلاق وشائستگی اور فکر وعقیدہ کی درستگی اور اعتدال کے لئے سب سے بنیادی اور مادی ضرورت انسان کی جسمانی صحت اور اعتدال ہے، اسلام نے اس گوشہ کو بھی تشنہ نہیں رکھا، بلکہ اس سلسلہ میں واضح ہدایات دی ہیں، اسی لئے بیمار آدمی کو تندرست آدمی پر زیادہ آمد ورفت کرنے سے منع کیا گیا ہے، ہر مرض کو قابل علاج قرار دیا اور علاج کی ترغیب دی، نشانہ بازی، گھوڑ سواری، اور تیراکی کو ذکر الٰہی کےحکم میں رکھا ہے، اور عیش کوشی سے پرہیز، جفا کشی اور تیراندازی کا حکم دیا گیا ہے۔

یہ ہدایات مسلمانو نکے ہر طبقہ کے لئے ہیں اور صلاحیت واستعداد کے لحاظ سے بچے اور جوان اس کے زیادہ مخاطب ہیں، کیونکہ ان کے اندر جسمانی ریاضت، چستی اور پھرتی پیدا کرنے کی زیادہ صلاحیت ہے (حلال وحرام مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ،۴۶۲-۴۶۳)۔

جنس کی تعلیم اور اس کی تربیت:

جنسی خواہش ہر انسان میں ودیعت کی گئی ہے اور یہ بہت طاقتور جبلت ہے، اگرانسان یا معاشرہ اس بے پناہ قوت کو قابو میں نہ رکھ سکے تو وہ بہیمیت (حیوانیت) بلکہ دیوانگی کے درجے تک پہنچ جاتا ہے، اگر انسان کو صحیح جنسی شعور حاصل ہوجائے تو معاشرہ جنت نشان بن جاتا ہے، ہر بچہ میں تجسس کا فطری جذبہ موجود رہتا ہے، وہ ہر چیز کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش میں رہتا ہے؟ کیسے ہے؟ کس لئے ہے؟ تلاش وجستجو کا یہی جذبہ جنسی امور میں بھی کارفرما ہوتا ہے۔

بچونکی جنسی تجسس کو کچلنا یا اس سلسلہ میں غلط رہنمائی دینا نہایت غیر حکیمانہ عمل ہے، جس کے برے نتائج کسی نہ کسی شکل میں ضرور سامنے آتے ہیں، اس لئے بچے کو اپنے ذہن میں جنس سے متعلق پیدا ہونےوالے سوالات کا اطمینان بخش جواب چاہئے، بچے جب جنسی مسائل سے متعلق کچھ پوچھتے ہیں تو ہمارے گھرانوں اور اسکولوں میں عموماً چار طریقے اختیار کئے جاتے ہیں:

۱۔ بچے کو ڈانٹ ڈپٹ کر یا سزا دے کر بالکل خاموش کردیا جاتا ہے، یہ ایک جاہلانہ رویہ ہے، جس کے بڑے خطرناک نتائج نکل سکتے ہیں، آپ خود سوچئے کہ جس چیز کے بارے میں آپ کو معلومات حاصل کرنے کا اشتیاق ہو اور آپ کو جھڑک دیا جائے تو آپ کا اشتیاق ختم نہیں ہوگا بلکہ اور بڑھ جائے گا۔

۲۔ دوسرا طریقہیہ اختیار کیا جاتا ہے کہ بچے کو غلط سا جواب دے کر خاموش کردیا جاتا ہے، اس انداز سے سوچنے والے حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ فی الوقت تو بچے کو کسی نہ کسی طرح خاموش کردیا جائے، بڑا ہو کر وہ سب کچھ خود ہی جان جائے گا، مگر یہ طریقہ بھی پہلے طریقہ سے کم خطرناک نہیں ہے، کیونکہ اس سے تو بظاہر بچہ مطمئن ہوجائے گا، لیکن کل جب آپ کا جھوٹ کھلے گا تو وہ ہمیشہ کے لئے آپ سے اعتماد کھودے گا اور دوسرے ذرائع سے معلومات فراہم کرے گا اور یہ جنسی ذخیرہ علم اس کی آئندہ زندگی میں بہت مہلک ثابت ہوسکتا ہے۔

۳۔ تیسرا طریقہیہ اپنایا جاتا ہے کہ بلاتکلف تمام باتیں من وعن پوری تفصیل کے ساتھ بچے کو صاف صاف بتادی جائیں،یہ مغربی انداز فکر ہے اور مغرب زدہ لوگ اس نقطہ نظر کے بڑے حامی ووکیل ہیں، ان کی دلیلیہ ہے کہ جب بچے کو سب کچھ بتادیا جائے گا تو اس کا تجسس ختم ہوجائے گا اور مزید جانکاری کا اشتیاق باقی نہیں رہے گا، مگر یہ دلیل حقیقت کے منافی ہے، جب آپ بچے کو سب کچھ بتادینگے تو اس کا اشتیاق وتجسس ختم نہیں ہوگا بلکہ وہ مزید بھڑک جائے گا اور وہ آپ کی باتوں کو پرکھنے کے لئے عملی تجربے کی طرف بڑھے گا، جس کی خطرناکی کا آپ خود انداز ہ لگاسکتے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ مغرب زدہ گھرانوں کے بچوں میں فحاشی وآوارگی زیادہ پائی جاتی ہے اولاً تو وہاں حیاء وعصمت کا کوئی تصور نہیں، پھر ٹی وی، سنیما اور رقص وسرور کے مخرب اخلاق پروگرام ان کی آوارگی میں مزید اضافہ کرتے ہیں، والدین کی آزاد خیالی اور جنسی بے حجابی آگ پر تیل کا کام کرتی ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ جنسی امور سے متعلق تسلی واطمینان کے نام پر بچے کو تمام تفصیلات بتاکر ہم اس کی جنسی دلچسپی کو حد اعتدال سے بڑھا دیتے ہیں۔

۴۔ مذکورہ بالا تینوں طریقونکے بجائے بہترین طریقہیہ ہے کہ جنسی مسائل کے سلسلہ میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کی جائے، جنسی سوال کرنے پر بچے کو ڈانٹنے ڈپٹنے یا غلط سلط جواب بتانے یا بلا تکلف پوری تفصیل بتانے کے بجائے بچے کو ذہنی سطح کے مطابق آسان زبان میں اس کے سوال کا مختصر جواب دیا جائے، مثلاً بچہ اگر یہ سوال کرے منی کہاں سے آگئی؟ تو اسے اس طرح سمجھایا جائے کہ اللہ میاں نے ہر چیز پیدا کی ہے، اس نے منی کو بھی پیدا کیا ہے، تم نے دیکھا ہوگا کہ مرغی انڈا دیتی ہے، بکری بچہ دیتا ہے، اسی طرح عورت بچے کو جنتیہے اور یہ سب اللہ میاں کے حکم سے ہوتا ہے۔

جنسی معلومات کی مقدار:

بچے کو کس حد تک جنسی معلومات فراہم کی جائیں؟ اس کا انحصار بچے کی عمر، صلاحیت اورجنسیات سے متعلق اس کے تجسس کی شدت پر ہے، اگر عمر بڑھنے کے

ساتھ ساتھ سلیقہ مندی وترتیب سے بچے کو جنسی معلومات فراہم ہوتی رہیں تو دور بلوغ اور اس کے بعد بچہ کوئی خاص دقت محسوس نہیں کرتا، ورنہ عمر کے ہیجان خیز حصے میں اس کی بے راہ روی کا سخت اندیشہ ہوتا ہے۔

اسلام نے جنسیات سے متعلق جو ہدایات وتعلیمات دی ہیں، ان کو پیش نظر رکھا جائے، بچوں سے ان پر عمل کرایا جائےتاکہ ان میں جنسی ہیجان پیدا نہ ہوسکے، فحش اور گندے لٹریچر بچوں کو بالکل نہ پڑھنے دیئے جائیں، پاکیزہ اور تعمیری کتابیں، رسائل اور اخبارات گھر پر منگائے جائیں تاکہ بچوں کا تعلق انہیں سے رہے، بچوں کے لئے دلچسپ مشاغل فراہم کئے جائیں، ان کے شب وروز کے مشاغل پر گہری نگاہ رکھی جائے، واہیات اور لغو باتوں اور فراغت وعدم فرصت کا موقع نہ دیاجائے۔

آج ہمارے معاشرے میں جنسی ہیجان کا سب سے بڑا سبب موبائل او رانٹرنیٹ ہے، بچوں کو ان سے دور رکھا جائے، نگاہ ونظر کے آداب سکھائے جائیں، انہیں بتایا جائے کہ غیر محرم عورتوں کو دیکھنا گناہ ہے۔

جب بچے آٹھ دس سال کے ہوجائیں تو ان کے بستر الگ الگ کردیئے جائیں، ایک ہی بستر پر کئی کئی بچوں کو سلانا (خصوصاً سردیوں کے موسم میں ایک لحاف کے اندر) جنسی تحریک کا سبب بن سکتا ہے۔

جنسی اختلاط بھی جنسی انارکی کا ایک بڑا سبب ہے، قریب البلوغ بچوں کو باہمی میل ملاپ سے دور رکھا جائے، ایک ہی خاندان یا پڑوس کے لڑکے لڑکیوں کامیل ملاپ تعلیمیا ہوم ورک کے نام پر ملاقاتوں کا سلسلہ نہایت خطرناک ہے، والدین اس پر گہری نظر رکھیں اور حکمت عملی سے انہیں ایک دوسرے کے قریب نہ رہنے دیں۔

مخلوط تعلیم بھی جنسی بے راہ روی کا ایک بڑا سبب ہے، کاش! ہمارے ماہرین تعلیم اس طرف توجہ دیں اور دونوں جنسوں کی اعلی تعلیم کے لئے الگ الگ کالجز اور یونیورسٹیاں کھولی جائیں، بہرحال والدین اپنے بچوں کو مخلوط تعلیمی اداروں سے دور رکھیں۔

بچوں کو شروع ہی سے ساتر لباس کی عادت ڈالنی چاہئے، چست اور باریک لباس سے ان کی طبیعت میں نفرت پیدا کرنا چاہئے، شریفانہ لباس کی خوبیاں بیان کرکے انہیں اس کا عادی بنانا چاہئے، فیشن زدگی کے سیلاب کی رو سے انہیں بہنے سے روکنا چاہئے۔

بے پردگی، جدت اور فیشن کے نام پر مغرب نے بے حیائی کی جو سوغات ہمیں دی ہے، اسے حقارت سے ٹھکرادیجئے، اپنی اخلاقی تعلیمامت پر فخر کیجئے، احساس کمتری کے خول سے نکلئے، مغرب کی اندھی تقلید کے بجائے اسلامی تعلیمات پر شرح صدر کے ساتھ عمل کیجئے، بچوں کو کورانہ تقلید اور مغرب کی فیشن پرستی کے نقصانات سے آگاہ کرتے رہئے۔

اگر آپ نے صبر وتحمل اور دوراندیشی سے بچوں کی تربیت کا اہتمام کیا تو یقینا وہ آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک، روح کی تسکین، اور دل کا سرور بن کر ابھرینگے اور اگر ایسا نہ کرسکے تو پھر بڑے ہوکر ناقابل علاج درد سر بن جائینگے (بچوں کی تربیت ۱۳۳۔۱۴۲ ملخصاً، نیز حلال وحرام ۲۹۷ بہ عنوان 'جنسی بے راہ روی کا سد باب')۔

دینی اور عصری تعلیم:

ہم مسلمانوں کا دینی تجربہ اہل مغرب سے مختلف ہے، ہم جس دین کے پیروکار ہیں،وہ علم تحقیق اور جستجو کا راستہ نہیں روکتا بلکہ اس کی راہ اپنانے کو لازم قرار دیتا ہے، علم کا مصدر اللہ کی ذات ہے، اللہ تعالی نے ان حقائق کا علم وحی کے ذریعہ انسان تک پہنچادیا، جن کی تحصیل حواس وقیاس سے ممکن نہیں، اسی طرح بے یقینی کے گرداب سے نکال کر اور تشکیک کی حالت میں معلق رہنے کی اذیت سے بچاکر ہمیں ایمان کی مضبوط بنیاد دے دی ہے، وحی کے ذریعہ حاصل ہونے والا علم ان کمزوریوں کو دور کرتا ہے جو ہمارے حسی اور قیاسی ذرائع حصول علم میں موجود ہیں، وحی کے ذریعہ حاصل ہونے والے بنیادی علم سے ہم خدا، انسان اور کائنات کی حقیقت دریافت کرکے ان کے باہمی رشتہ کا سراغ لگا سکتے ہیں او رانسان وکائنات کی غایت تخلیق کا علم حاصل کرسکتے ہیں(اسلامی نظام کے خدوخال۱۹۔۲۰ ملخصاً)۔

مقدار تعلیم:

علم کی کوئی مقدار اور انتہاء نہیں، حدیث شریف میں ہے: ''منہومان لا یشبعان: منہوم فی العلم لا یشبع منہ ومنہوم فی الدنیا لا یشبع منہا'' (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)(دوحریص کبھی سیر نہیں ہوتے، علم کا حریص اور دنیا کا حریص)۔

حضرت عیسی علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ علم کب تک حاصل کرنا چاہئے؟ فرمایا: گود سے لے کر گور تک، البتہ زندگی گزارنے کے لئے جن بنیادی علوم کی روزمرہ ضرورت پڑتییا پڑسکتی ہے، ان کا سیکھنا ضروری ہے، خواہ وہ امور یا ضروریات دین سے متعلق ہوں یا دنیا سے تعلق رکھتے ہوں۔

جبری تعلیم:

اسلام میں تعلیم کو جو اہمیت حاصل ہے، اس کا اندازہ لگانے کےلئے یہی کافی ہے کہ اسلام ایک خاص حد میں ''جبری تعلیم '' کا حامی ہے، اس لئے اس نے تعلیم حاصل کرنے کو مسلمانونکا مذہبی فریضہ قرار دیا ہے، ''طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم '' اور جو فرائض ہوں ان میں جبر سے کام لینا ہے، پھر چھوٹے بچوں کی تعلیم کو اسلام نے خصوصی اہمیت دی ہے، دینی تعلیم کے علاوہ ایسی ضروری دنیوی اور عصری تعلیم دلانا بھی والدین کا فریضہ ہے جو اولاد کی زندگییا ان کی معیشت کے لئے ناگزیر ہو (حلال وحرام ۴۶۱۔۴۶۲ ملخصاً)۔

حکومت بلا کسی خاص مذہب، دین اور عقیدہ کو مسلط کئے، اپنے ہر شہری اور باشندہ کے لئے اجباری تعلیم دلاسکتی ہے، کیونکہ ابتدائی تعلیم وتربیت سے ہر شہری کو آراستہ کرنا، بالغان کی تعلیم وتربیت کا بندوبست کرنا، بلا لحاظ مذہب وملت، رنگ ونسل ہر ایک کو اس کی صلاحیت کے مطابق تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم کرنا، نادار طلبہ کی تعلیم کے لئے وظائف ومراعات کا نظم کرنا، ذہنیا جسمانی حیثیت سے معذور بچوں کے لئے ان کے مناسب حال تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا، اور اس سلسلہ میں سہولیات فراہم کرنا، حکومت اور مملکت کے واجبات وفرائض میں شامل ہے (فن تعلیم وتربیت،۲۷۔۲۸ ملاحظہ کریں، نیز''اسلامی تربیت،۱۵۹۔۱۶۱)۔

اگر حکومت بچو ناور بچیوں کی تعلیم کسی سطح تک لازم قرار دے اور کوئی بات ایمان وعقیدہیا اخلاقیات کے منافیہیا بے راہ روی وانحراف کا باعث نہ ہو تو شرعاً اس کی پابندی مسلمانوں پر لازم ہوگی۔

کمسنی کا نکاح:

نکاح معاشرتی زندگی کا سب سے اہم مسئلہ ہے اور اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لئے اس نے زندگی کے تمام مسائل کا فطری حل پیش کیا ہے، انہیں مسائل میں ایک مسئلہ بچوں کے نکاح کی اجازت کا بھی ہے، کیونکہ بسااوقات خاندان، نابالغ بچوں اور بالخصوص نابالغ بچیوں کی مصلحت کا تقاضا بچپن میں شادی کردینا ہوتا ہے، اور یہ طریقہ قدیم سے چلا آرہا ہے، اسلامی نقطہ نظر سے اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے، اسلام میں کمسنی اور نابالغی کے نکاح کو زیادہ بہتر قرار نہیں دیا گیا ہے، بلکہ اس کی گنجائش رکھی گئی ہے اور اجازت دی گئی ہے، ابن شبرمہ اور ابن اصم کے علاوہ تمام محدثین اور فقہاء نکاح نابالغان کے جواز کے قائل ہیں، قرآن کریم کی متعدد آیات سے اس اجازت کا پتہ چلتا ہے (مثلاً سورہ طلاق کی آیت: ۴، سورہ نور آیت: ۳۲، سورہ نساء: ۱۲۷۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے چھوٹی عمر (چھ سال) میں نکاح کیا، او راپنی چچا زاد بہن امامہ بنت حمزہ کا نکاح حضرت ابوسلمہ کے لڑکے عمر سے کیا، اس وقت دونوں چھوٹے تھے، اسی طرح متعدد صحابہ سے بھییہی بات ثابت ہے۔

واضح رہے کہ اسلام میں صرف اس کی اجازت ہے کوئی ترغیب نہیں دی گئی ہے، بلکہ بہتر اور پسندیدہیہی ہے کہ بچوں کی شادی بلوغ کے بعد کی جائے۔

نابالغی کی حالت میں نکاح کی اجازت کی دوبنیادی مصلحتیں ہیں:

۱۔ بعض اوقات اخلاقی بگاڑ کااندیشہ ہوتا ہے، نکاح کی وجہ سے ایک جائز راہ کھل جاتی ہے، اور یہ بات اسے ناجائز رخ پر جانے سے بچاتی ہے، اگر ایسے حالات سامنے ہوں اور ۱۸؍سال تک نکاح کو روکے رکھا جائے تو اس سے بہت سے اخلاقی مفاسد پیدا ہوسکتے ہیں اور یہ اخلاقی بگاڑ بیک وقت صحت جسمانی کے لئے بھی مضر ہے اور

ساتھ ہی ساتھ سماج کے دوسرے لوگ بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔

۲۔ دوسری اہم مصلحت یہ ہےکہ بعض دفعہ باپ لب گور ہوتا ہے، ظاہری حالات کے تحت اندیشہ ہے کہ اس کے بچوں کو یتیمی کا داغ لگنے والا ہے اور اس کی موت کے بعد خاندان میں ایسے ذمہ دار اور دیانت دار لوگ نہیں ہیں جن سے امید رکھی جائے کہ وہ مناسب رشتہ تلاش کرکے اس کے بے سہارا بچوں کو شادی کردیں (حقائق اور غلط فہمیاں،۱۶۰۔۱۶۵ ملخصا، بچوں کے احکام ومسائل،۳۸۹، اولادنا فی ضوء التربیۃ الاسلامیہ ،۱۷۔۲۲، اسلام کا قانون نکاح ،۱۴۷۔۱۴۸، الموسوعۃ الفقہیہ۲۷،۳۱۔۳۲)۔

علامات بلوغ:

بلوغ کی ایک علامت تو مرد وعورت کے درمیان مشترک ہے، وہ ہے بیداربیا نیند کی حالت میں انزال منی، کچھ علامتیں مثلاً حیض آنا اور حاملہ ہونا عورتو ں کے ساتھ مخصوص ہیں، اگر یہ علامات عام عادت کے لحاظ سے بروقت ظاہر نہ ہوں تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک لڑکے کے لئے ۱۸،اور لڑکی کے لئے ۱۷،سال کی عمر کا اعتبار ہے، جبکہ ائمہ ثلاثہ بشمول قاضی ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک لڑکی اور لڑکا دونوں کے لئے بلوغ کی عمر ۱۵،سال ہے اوراسی پر فتوی ہے (قاموس الفقہ ۲،۳۲۷، مزید تفصیل ودلائل کے لئے ''بچوں کے احکام ومسائل،۴۰۹۔۴۱۱ ملاحظہ کریں)۔

بچہ مزدوری:

بچہ مزدوری موجودہ حالات میں بڑی اہمیت اختیار کرگیا ہے، اس سلسلہ میں اسلامی نقطہ نظر یہ ہے کہ نابالغ بچوں کو کسب معاش پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، لہذا اگر باپ کمانے پر قادر ہو تو کما کر بچوں کا نفقہ ادا کرے گا اور اگر کمانے پر قادر نہ ہوتو قرض لے کر نفقہ ادا کرے گا، تاکہ بچے زیور علم سے آراستہ ہوسکیں۔ عالمگیری میں ہے:

''اگر تنگ دست شخص کا نابالغ لڑکا ہو اور وہ شخص کمانے پر قادر ہو تو اس پر واجب ہے کہ کسب معاش کرے اور بچوں کی ضروریات پوری کرے، اگر وہ کمانے اور بچوں کی ضروریات پوری کرنے سے انکار کرے تو اسے اس پر مجبور کیا جائے گا، یا قید کرلیا جائے گا اور اگر کمانے پر قادر نہ ہو تو قاضی اس کا نفقہ متعین کردے گا اور ماں کو حکم دے گا کہ وہ شوہر کے نام پر قرض لیتی رہے اور بعد میں مرد سے اسے وصول کرلے (قاموس الفقہ ۱،۵۴۰بحوالہ عالمگیری۱،۵۶۱)۔

اسی طرح بالغ ہونے کے بعد بھی جب تک لڑکے طلب علم مینمشغول رہیں اور کسب معاش سے عاجز ہوں، ان کا نفقہ باپ کے ذمہ رہے گا، اوران کی ذمہ داری ہوگی کہ ان کا نفقہ ادا کرتے رہیں۔

معلوم ہوا اسلام بنیادی طور پر اس کے خلاف ہے کہ بچوں کو تعلیم وتربیت کے

بجائے مزدوری پر لگایا جائے اور اس طرح اس کے مستقبل کو ضائع کرکے رکھ دیا جائے، البتہ مجبوری کی صورتیں اس سے مستثنی ہیں (قاموس الفقہ۵۴۶)۔

ہدایہ میں ہے:

''ونفقۃ الأولاد الصغار علی الأب، لایشارکہ فیہا أحد'' (ہدایہ ثانی ۴۴۴، کتاب النفقات)

(چھوٹے بچوں کا نفقہ تنہا باپ کے ذمہ ہے، اس میں کوئی شریک نہیں ہے)۔

چھوٹے بچوں اور بچیوں سے کام لینے اور خدمت کرانے کا حق صرف ماں، دادی اور نانی کو ہے، دیگر عورتوں مثلاً بہنیں، خالائیں اور پھوپھیاں وغیرہ کو یہ حق حاصل نہیں، کیونکہ مقصود (تعلیم) حاصل نہیں ہوگا، جیساکہ ہدایہ اور اس کے حاشیہ سے معلوم ہوتا ہے (ہدایہ۲،۴۳۵ باب حضانۃ الولد ومن أحق بہ)۔

ناچیز کے نزدیک بچوں سے ان کی حیثیت اور قدرت سے بالا تر کام لینا،یا مسلسل کام لینا، جس سے تعلیم وتربیت کا مقصد فوت یا متاثر ہوجائے، درست نہیں، لیکن اگر انکی تعلیم وتربیت میں خلل پید کئے بغیر ہلکا پھلکا کام جو ان کی عمر اور معیار کے مطابق اور جسمانی وذہنی نشو ونما میں معاون ہو، یا وہ تعلیم وتربیت کا جز ہو تو اس میں کوئی مضائقہ اور حرج نہیں۔

اسی طرح جب بچہ باشعور ہوجائے یا تعلیم کا کوئی مرحلہ مکمل کرلے اور آگے تعلیم جاری رکھنا نہ چاہے یا والدین اور سرپرست پڑھانا نہ چاہینیا خواہش کے باوجود مالی وسائل مہیا نہ ہوں تو کام سکھانا اور ہنر مند بنانا، والدین کی ذمہ داری اور بچہ کا حق ہے تاکہ وہ شریفانہ اور حلال ذریعہ معاش اختیار کرے، باعزت زندگی گزار سکے، خاندان، والدین اور حکومت پر بوجھ اور بار نہ بنے، خلاصہ کلام یہ کہ عمر کے ایک خاص مرحلہ میں ہنر سکھانا اور کام پر لگانا والدین کی ذمہ داری ہے اور بچوں سےکام لینے کی عدم اجازت کا دار ومدار تعلیم وتربیت میں نقص آنے یا خلل پیدا ہونے پر ہے۔

بچوں کو سزائیں:

اسلام نے جرائم پر قدغن لگانے کے لئے دو طرح کی سزائیں مشروع کی ہیں، حدود وقصاص اور تعزیرات، حدود کو شریعت نے حق اللہ کے طور پر مقررکیا ہے، جرم ثابت ہوجانے کے بعد حاکم یا امیر کو ساقط کرنے یا نافذ نہ کرنے کا اختیار نہیں رہتا، جبکہ تعزیرات میں شریعت نے کوئی سزا متعین نہیں کی ہے بلکہ سزا کو جرم اور مجرم کے لحاظ سے سزا دینے والے کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے، وہ جو سزا مناسب اور کارگر تصور کرے دے، یہ سزا زجر وتوبیخ، ضرب وتادیب، قید وبند، ضبطی وقرقی وغیرہ میں سے کوئی بھی ہوسکتی ہے ، پھر فرد کی عمر، تعلیم، مقام ومرتبہ کے اعتبار سے الگ الگ ہوسکتی ہے (تربیۃ الاولاد فی الاسلام)۔

بچہ کو ترک صلاۃ اور طہارت پر یا فرائض وغیرہ کی تعلیم کے لئے ولی پر اس

کی تادیب کے وجوب پر اتفاق ہے، سات سال کی عمر میں زبانی تادیب اور دس سال کی عمر میں ضرب سے تادیب ہوگی، اگر اصلاح کے لئے ضرب ناگزیر ہو۔

ولایت تادیب کا حق امام یا اس کے نائب، مخصوص ولی خواہ باپ ہو یا دادا یا کوئی وصییا قاضی کی طرف سے مقرر کردہ نگراں ہو، کو ہے، استاذ ولی کی اجازت سے تادیب کرسکتا ہے، اسی طرح شوہر بیوی کی تادیب ان چیزوں میں کرسکتا ہے جن کا تعلق حقوق زوجیت سے ہو۔

بچہ کے ولی (باپ یا دادا یا کوئی وصییا قاضی کا مقرر کردہ شخص) کی تادیب ضرب (مارپیٹ) وعید (ڈرانا دھمکانا) تعنیف (سرزنش کرنا) کے ذریعہ ہوگی۔

طریقہ تادیب اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوگا، چنانچہ بچہ کو اداء فرض کا حکم اور منکرات سے نہی پر تادیب زبانی، پھر وعید پھر تعنیف پھر ضرب کے ذریعہ ہوگی۔

اتلاف کے ارادہ سے تادیب کی ممانعت پر فقہاء کا اتفاق ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۰؍۱۹-۲۵ مادہ تادیب)۔

تادیبیا تعزیر کی مقدار میں اختلاف ہے، اگر معتاد تادیب پر ہلاک ہوجائے تو امام شافعی کے علاوہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ضمان نہیں ہے، کیونکہ امام حد اور تعزیر کا مامور اور پابند ہے (ایضاً۲۵، نیز موسوعہ ۱۲؍۲۵۴-۲۸۶ پر تعزیر کا مفصل بیان دیکھیں)۔

فقہاء کرام نے صِغر کے مراحل کو دو بنیادی حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ صغیر غیر ممیز، اس پر کوئی بدنی عقوبت سرے سے نافذ نہ ہوگی، کیونکہ وہ غیر مکلف ہے۔

۲۔ صغیر ممیز، اس پر حدود وقصاص کا نفاذ نہیں ہوگا، لیکن اس کے عمر کے لحاظ سے مناسب تادیب ہوگی، جیسے توبیخ، ضرب غیر متلف۔

اگر صغیر کسی کا مال تلف کردے تو ضمان واجب ہوگا، اسی طرح اگر قتل خطا کا ارتکاب کرے تو اس کے مال میں دیت واجب ہوگی،یہ وہ عام اصول ہے جس کا تعلق صغیر کے عقوبات سے ہے (الموسوعۃ الفقہیہ۲۷؍۳۳ مادہ صغیر، مزید تفصیل کے لئے مادہ جنایت، دیت، قصاص دیکھیں)۔

نابالغ بدکار کی سزا:

امام مالکؒ فرماتے ہیں: اگر کوئی عورت کسی نابالغ لڑکے کے ساتھ بدکاری کرے، لڑکا اس عمر میں ہو کہ جماع کرسکتا ہو، لیکن احتلام نہ ہوا ہو، تو اس عورت پر زنا کی حد جاری نہ ہوگی، کیونکہ ان کے نزدیکیہ زنا نہیں ہے، لیکن نفس فعل چونکہ حرام ہے لہذا موجب تعزیر ہے۔

مغنی میں ہے کہ نابالغ لڑکی اگر قابل وطی ہے تو اس پر حد زنا کا اجرا ء ہوگا،

لیکن اگر اس کے قابل نہیں ہے لیکن اس سے کوئی وطی کرتا ہے تو کہا گیا ہے کہ یہ فعل موجب حد ہے، کیونکہیہ فعل ایک انسان کی شرمگاہ میں ہوا ہے، لہذا یہ ایسا ہی ہے کہ جیسا کہ بالغ عورت کیشرمگاہ میں ہو، ایک قول اس کے برخلاف ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر لڑکی۹؍سال سے کم عمر کی ہو تو اس میں حد نہیں ہے، کیونکہ ایسی لڑکی کی طرف میلان ہی نہیں ہوتا، اور لڑکا دس سال سے کم ہو تو اس کے ساتھ کسی عورت کی بدکاری کرنے سے اس پر حد نہ ہوگی۔

صاحب مغنی نے ان اقوال پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر وطی ممکن ہو تو صحیح بات یہ ہے کہ طرفین میں سے جو مکلف ہے، اس پر حدو اجب ہوگی اور اس میں عمر کی تحدید درست نہیں (اسلام میں جرم وسزا ، ۱؍۲۶۱-۲۶۲ ڈاکٹر عبد العزیز عامر (اردو ترجمہ)، التشریع الجنائی الاسلامی۲؍۳۵۶-۳۵۷)۔

نابالغ راہزن کی سزا:

''اگر راہزنوں میں کوئی نابالغ ہو تو صاحبین کے نزدیک کسی پر حد کا اجراء نہ ہوگا، لیکن امام ابویوسف کہتے ہیں کہ اگر راہزنی کا ارتکاب عملاً نابالغ نے کیا ہو تو کسی پر بھیحد نہ ہوگی، لیکن اگر جرم کا ارتکاب کسی اور نے کیا ہو تو بالغوں پر حد کا اجراء ہوگا '' (الکاسانی۷؍۹۱)۔

''اگر ان میں کوئی ایک نابالغ ہو تو باقی سے حد ساقط ہوجائے گی،یہ امام ابوحنیفہ اور زفر کی رائے ہے، امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر مال صرف نابالغ نے لیا ہو تو کسی پر حد نہیں ہے اور اگر بالغوں نے بھی لیا ہو تو ان پر حد کا اجراء ہوگا اور نابالغ کو حد کی سزا نہ ہوگی، کیونکہ جب متبوع سے ساقط ہوجائے تو تابع سے بدرجہ اولی ساقط ہوگی (الجوہرۃ النیرہ۲؍۳۶۷، اسلام میں جرم وسزا ۱؍۳۴۲ کا حاشیہ)۔

بچونکو قید کرنا:

حبس وقید کی سزا بچوں کو دی جاسکتی ہے، لیکن ان کا قید خانہ بالغوں سے الگ ہو، او ران سے کوئی پرمشقت کام نہ لیا جائے، عام حالات میں بچوں کو قتل نہیں کیا جائے گا، البتہ اگر وہ اتنا سیانا (ہوشیار) ہو کہ حکومت اسلامی کے خلاف سازش اور تدبیر کرتا یا شریک رہتا ہو تو قتل بھی کیا جاسکتا ہے (نئے مسائل اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ''قیدیوں کے حقوق ''۱۱۷-۱۲۱)۔

ضرب کی سزا:

جسمانی سرزنش کے سلسلہ میں ان باتوں کا خیال رکھنا چاہئے کہ اس کا استعمال آخری طریق کار کے طور پر اس وقت کرنا چاہئے جب فہمائش، پند وموعظت اور ڈانٹ ڈپٹ وغیرہ سے کام نہ چل سکے، بعض مربی والدین اور اساتذہ حد سے گزر جاتے ہیں، اور تادیب کو تعذیب بنادیتے ہیں جو نفسیاتی اعتبار سے نہایت نقصان دہ اور مضر ہے۔

ابوداؤد اور حاکم کی روایت کے الفاظ میں :

‘‘.... واضربوہم علیہا وہم أبناء عشر سنین ’’ (....جب دس سال کے بچے ہوجائینتو ان کو نماز چھوڑنے پر مارو)، سورہ نساء میں ناشزہ (نافرمان) عورتوں کو موعظت، بستر سے علاحدگی والی تدبیر کے موثر نہ ہونے پر آخری تدبیر ‘‘واضربوہن ’’ کا حکم ہے، معلوم ہوا کہ ضرب کی سزا بھی اسلام نے قائم رکھی ہے لیکنیہ آخری مرحلہ ہے۔

عقوبت ضرب کی شرطیں:

واضح رہے کہ عقوبت ضرب کے لئے حسب ذیل شرطوں کا لحاظ ضروری ہے:

۱۔ ضرب، آخری طریقۂ تادیب ہے، لہذا اس سے قبل والے تمام تادیبی وسائل جب ختم ہوجائیں تبھی اس کو اختیار کیا جائے۔

۲۔ شدید غضب اور غصہ کی حالت میں نہ مارا جائے، مبادا لڑکے کو ضرر لاحق ہوجائے، حضور ﷺ کی وصیت ‘‘لا تغضب ’’ پر عمل کیا جائے۔

۳۔ تکلیف دہ اور نازک مقامات پر مارنے سے اجتناب کیا جائے، جیسے سر، چہرہ، سینہ، پیٹ اور شرمگاہ۔ حدیث : ‘‘لا تضرب الوجہ ’’ اور ‘‘---ارموہا واتقوا الوجہ ---’’ اور ‘‘لا ضرر ولا ضرار ’’ دلیل ہے۔

۴۔ بچہ کو دس سال سے قبل نہ مارا جائے اور مقصد اصلاح ہو۔

۵۔ معلم یا مربی خود ضرب لگائے،دوسرے لڑکے کو حکم نہ دے اور ذریعہ نہ بنائے، ورنہ کینہ پیدا ہوگا۔

۶۔ ضرب کسی معصیت پر ہو جس کا وہ مرتکب ہے۔

۷۔ آلہ ضرب ہلکا اور چھوٹا ہو، تاکہ بچہ کو بڑے نقصانات لاحق نہ ہوں۔

۸۔ ضرب کا استعمال زیادہ اور سنگدلی کے ساتھ نہ ہو، ورنہ بچہ کی نفسیات پر منفی اثر پڑے گا۔

۹۔ بلوغ سے قبل ایک سے تین ضرب اور قریب البلوغ کو ضرورت پر دس تک ہو، اس سے تجاوز نہ کرے۔

‘‘لایجلد أحد فوق عشر أسواط إلا فی حد من حدود اللہ ’’، سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد اضافہ بھی کرسکتا ہے۔

۱۰۔ پہلی بار کی غلطی اور چوک پر توبہ تلافی اور معذرت کا موقع دیا جائے اور عہد وپیمان لیا جائے (تربیۃ الاولاد فی الاسلام ، اسالیب التربیۃ الاسلامیہ فی تربیۃ الطفل ۶۶،۶۷، اسلامی تربیت،۲۲۲۔۲۲۵، الاولاد وتربیتہم فی ضوء الاسلام،۱۶۰۔۱۶۱)۔

جرائم کی روک تھام میں اصلاحی تدابیر:

جرائم کی روک تھام اور بچوں میں مجرمانہ رجحان کے سد باب کے لئے مندرجہ ذیل اصلاحی تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہے:

۱۔ والدین بچوں کی تربیت اسلامی نہج اور دینی اصول تربیت کی روشنی میں کریں، تربیت میں کسی کوتاہییا کسی قسم کی غفلت نہ برتیں، بلکہ اپنی ذمہ داری کو پوری طرح محسوس کرکے نبھانے کی کوشش ہو۔

۲۔ خاندان اپنا وظیفہ تربیت ادا کرے، ماحول سازگار بنائے، اخلاق وفضائل اور صالح ماحول فراہم کرے تاکہ بچہ اسی بہتر ماحول میں نشو ونما پائے اور پروان چڑھے۔

۳۔ سماج کا جو کردار بچوں کی تربیت میں ہے وہ اسے ادا کرے تاکہ والدین اور خاندان کی کوششیں رائیگاں نہ جائیں، سماج اور ماحول ہی میں مختلف عمر کے بچے پرورش پاتے ہیں، لہذا تربیت میں اس کا کردار فعال اور سرگرم ہونا چاہئے۔

۴۔ حکومت بچوں کے لئے تعلیم وتربیت، اور اخلاقیات کی تعلیم کا ماحول بنائے، اچھے تربیتی ادارے قائم کرے، سماج کی ان خرابیوں کا ازالہ کرے جو بگاڑ پیدا کرتے ہیں، بچوں پر منفی اثرات ڈالتے اور ان کا ذہن ودماغ مجرمانہ اور کردار جابرانہ وبدبختانہ بناتے ہیں، اگر بچوں کے اولیاء وسرپرستان، ان کا خاندان، سماج اور حکومت بچوں کی تربیت میں اپنا اپنا کردار ادا کریں اور اپنی ذمہ داریوں کو نبھائیں تو پھر اچھا ماحول پیدا ہونے اور جرائم کی شرح گھٹنے اور مٹنے کے سوا فروغ پانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

متییبلغ البنیانیوماً تمامہ إذا کنت تبنیہ وغیرکیہدم

(عمارت کی تعمیر کسی دن بھی مکمل نہیں ہوسکتی جبکہ تم تعمیر کرو اور دوسرا مسمار کرے) (اسلامی سماج کی ذمہ داریاں کے لئے ''الاولاد وتربیتہم فی ضوء الاسلام ۵۹۔۶۳ ملاحظہ کریں، نیز فن تعلیم وتربیت،۲۶)۔

لاوارث بچوں کی پرورش او ران کی تعلیم وتربیت:

اسلام نے اپنی زندہ جاوید شریعت اور پاکیزہ تعلیمات کے ذریعہ اوصیاء اور تیمم سے قرابت کا تعلق رکھنے والے حضرات کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کے ساتھ حسن سلوک کریں، اس کی کفالت، رہنمائی ونگرانی کریں، اس کی تعلیم وتربیت پر توجہ دیں تاکہ وہ اخلاقی خوبیوں اور نفسیاتی فضائل سے آراستہ ہوکر مکمل لطف ومہربانی اور شفقت واخلاص کے زیر سایہ پروان چڑھے، اس سلسلہ میں کئی آیات اور احادیث ہیں، (مثلاً سورہ بقرہ: ۲۲۰، نساء: ۹، ضحی،۹، ماعون: ۱۔۲)۔

حضرت قتادہؒ کا قول ہے:

''کن للیتیم کالأب الرحیم'' (یتیم کے لئے شفیق باپ بن جاؤ)، ایک صاحب نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی سنگ دلی کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''إن أردت أن یلین، فامسح رأس الیتیم،و أطعم المسکین'' (التفسیر المنیر۳۰،۲۸۹ سورۃ الضحی) (اگر چاہتے ہو کہ دل میں نرمی پیداہو تو یتیم کے سرپر دست شفقت پھیرو، اور مسکین کو کھانا کھلاؤ)۔

متعدد احادیث میں اس کی ترغیب دی گئی ہے، مثلاً:

۱۔ ‘‘من وضع یدہ علی رأس الیتیم رحمۃ، کتب اللہ لہ بکل شعرۃ مرت علیہیدہ حسنۃ’’ (احمد وابن حبان) (جو شخص کسییتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرے گا تو اللہ تعالی اس کے ہاتھ کے نیچے ہر بال کے بدلہ ایک نیکی لکھ دے گا)۔

۲۔ ‘‘من قبض یتیماً بین المسلمین إلی طعامہ وشرابہ حتییغنیہ اللہ تعالی، أوجب اللہ تعالی لہ الجنۃ البتۃ، إلا أن یعمل ذنباً لا یغفر لہ’’ (ترمذی) (جو شخص مسلمانوں کے مابین کسییتیم کو اپنے کھانے اور پینے میں شریک کرے یہاں تک کہ اللہ تعالی اس کو بے نیاز کردے، تو اللہ تعالی اس کے لئے جنت کو لازمی طور پر واجب کردے گا الا یہ کہ وہ کوئی ایسا گناہ کرے جس کی معافی نہیں)۔

۳۔ ‘‘أنا وکافل الیتیم فی الجنۃ کہاتین، وأشار باصبعیہ السبابۃ والوسطی’’ (ترمذی) (میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہونگے (یہ فرما کر)آپ نے اپنی دونوں انگلیوں انگشت شہادت اور بیچ والی سے اشارہ فرمایا)۔

ان کے علاوہ الہی اوامر اور نبوی توجیہات ہیں جو یتیم کی نگہبانی اور کفالت کا فائدہ دیتی ہیں، فقر ومحتاجگی کی حالت اور مادی بے سروسامانی کے عالم میں حکومت پر اس کی دیکھ ریکھ، کفالت اور خرچ لازم ہے، تاکہ وہ انتشار، ضیاع اور بے کاری وتعطلی سے محفوظ رہے (تربیۃالاولاد فی الاسلام ۱،۱۳۶۔۱۳۸، ۳۳۵۔۳۳۶)۔

یتیم کی نگرانی وکفالت کی اصل ذمہ داری تو ذوی الارحام اور اقرباء پر ہے، اگر یہ ان کو اپنی اولاد کی طرح محبت وشفقت دیں اور ملاطفت کا خصوصی معاملہ کریں تو وہ نفسیاتی اور اخلاقی احوال کے لحاظ سے اچھے ہونگے۔

اعزہ واقارب میں اوصیاء نہ ہونے کی صورت میں مسلم حکومت پر ان کی سرپرستی اور معاملہ کی درستگی اور تعلیم وتربیت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، ایک صاحب حضرت عمرؓ کے پاس ایک لاوارث بچہ لے کر آئے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: ‘‘نفقتہ علینا وہو حر ’’ (اس کا خرچ ہمارے ذمہ ہے اور وہ آزاد ہے)۔

اسلام کا یہ طرز عمل اور حسن سلوک ہر لاوارث اور یتیم بچہ کے لئے ہے، ضرورت ہے کہ اس کو سماج کے ہم وطن اور نیک لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے، تاکہ وہ اپنی ذمہ داریاں انجام دینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں، کیونکہ بچہ کے نفسیاتی انحراف کا ایک بڑا محرک فقر وفاقہ اور محرومی کا احساس ہے، جو اس کے اندر نفسیاتی پیچیدگی اور احساس کمتری پیدا کرتا ہے، اسی وجہ سے فقر کو قریب بہ کفر بتایا گیا ہے، ‘‘کاد الفقر أن یکون کفراً’’، اور حضور اکرمﷺ نے اپنی دعاؤں میں اس سے پناہ مانگی ہے: ‘‘اللہم إنی أعوذ بک من الکفر والفقر’’ (ایضاً،۳۳۵۔۳۳۷)۔

سماج میں بڑھتی بے روزگاری کا اسلامی حل:

اسلام نے بے روزگاری کی جملہ اقسام کا حل پیش کیا ہے، خواہ وہ کسی مضطر

ومجبور کی بے روزگاری ہو یا کسی کاہل وکسل مند کی۔

مضطر ایسا پریشان شخص جو کام کرنا چاہتا ہے اور اس کی قدرت بھی رکھتا ہے، لیکن کام کے مواقع نہیں ملتے، اس کو دو چیزوں سے پورا کیا جاسکتاہے، (۱) حکومت پر کفالت واجب ہے کہ اسے کام کے مواقع فراہم کرے، (۲) سماج پر اس کا تعاون ضروری ہے جب تک کہ اسے کام نہ ملے۔

کسل مند، جو کام کرسکتا ہے لیکن کرنا نہیں چاہتا، حکومت ایسے شخص پر نگاہ رکھے، فہمائش اور نصیحت کرے، اور خیر ومنفعت سمجھائے، پھر بھی کام نہ کرے تو قوت کا استعمال کرے اور کام تھوپ دے، حضرت عمرؓ کو کچھ ایسے ہی متوکلین ملے جو ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: تم جھوٹے ہو، متوکل وہ ہے جو زمین میں بیج ڈال دے، پھر اللہ پر بھروسہ کرے، اور فرمایا: تم میں سے کوئی روزی تلاش کرنے سے ہرگز نہ بیٹھا رہے کہ یہ دعا کرے، ''اللھم ارزقنی'' حالانکہ اسے معلوم ہے کہ اللہ تعالی سونے اور چاندی کی بارش نہیں کرتا۔

معلوم ہوا کہ اسلام میں زکوۃ حاجت براری اور کام کرنے کے لئے دی جاتی ہے، نہ اس کے لئے کہ زکوۃ کاہلی کا محرک اور توکل کا سبب بن جائے۔

اگر عاجزی وبے بسیبا بوڑھاپا اور سن رسیدگیبا بیماری وغیرہ بےروزگار ی کا سبب ہو تو حکومت پر ان حضرات کے حق کی رعایت اور بہتر وباعزت زندگی گزارنے کے راستے کی ضمانت اور سچی کفالت کا طریقہ مہیا کرنا ضروری ہے، خواہ وہ مسلم ہو یا غیرمسلم۔

حضرت عمرؓ نے ایکیہودی بوڑھے کو بھیک مانگتے دیکھا تو بیت المال سے وظیفہ مقرر کردیا، اسی طرح ایک عیسائی کوڑھی کا تکفل بیت المال سے کیا تاکہ اس کا علاج ہوسکے اور وہ باعزت جی سکے (تفصیل کے لئے ''تربیۃ الاولاد فی الاسلام ۱۳۴،۱ دیکھیں، نیز کتاب الخراج للقاضی ابویوسف)۔

والدین کا بچہ سے لاتعلق ہونا:

افلاس وغربت اور پرورش پر عدم قدرت واستطاعت کی وجہ سے اپنا بچہ دوسرے کے حوالہ کرکے اس سے لاتعلق ہوجانے کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ اولاً تو یہ انسانیت کے خلاف ہے، ثانیاً والدین کی شفقت اور سرپرستی جس کی ضرورت بچہ کو رہتی ہے اور یہ اس کا حق ہے، اس کے مغائر ہے، پھر زندگی میں بچہ پر بڑے ہوکر خصوصاً جب والدین بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں، اس وقت والدین کی خدمت اوراطاعت، اعانت ونصرت لڑکے پر لازم ہے، لاتعلق ہونے کی صورت میں ہر ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی اور اپنے حقوق کی حصولیابی سے محروم ہوجائے گا، پھر اگر اس کی اجازت دے دی جائے تو نتائج بڑے سنگین ہونگے، نہ والدین، والدین رہ جائیں اور نہ بچہ، بچہ رہ

جائے گا، نہ اعتماد قائم رہے گا،اور نہ اعتبار، نفع اندوزی اور منفعت ومفاد پرستی کا مزاج بن جائے گا، ایک قابل ذکر پہلو یہ بھی ہے کہ مرنے کے بعد وراثت اور دیگر احکام کا نفاذ نہ ہوپائے گا، لہذا اس کی اجازت کسی صورت اور کسی حالت میں بھی نہیں دی جاسکتی، اگر اسلامی نظام تکافل کو پیش نظر رکھ کر اسے قابل عمل بنایا جائے تو اس کی ضرورت پیش ہی نہیں آئے گی، کیا افراد اور سماج کو گھن لگ گیا ہے کہ کوئی اپنا تعاون پیش کرنے اور ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنے پر آمادہ ہی نہیں؟ اگر ایسا ہے تو پھر وہ انسانی سماج نہیں بلکہ جنگل کا راج ہے، جہاں خونخوار درندے اور جانور منہ پھاڑے ایک دوسرے کو نگل جانے کے لئے تیار بلکہ بے تاب ہیں،یا وہ جونک کی طرح ہے جو انسانی خون چوس کر اسے بے جان بنا دیتی ہے، حیرت ہے کہ یہ دنیا کس رخ پر جارہی ہے، اور حساس ودردمند حضرات، یا حکومتیں اور اس کے ارباب کہاں خواب غفلت میں مست ہیں، اور انہیں صرف اپنی فکر، اپنا نفع اور مادی لذت ومنفعت ہی عزیزہے۔

اصلاحی تدابیر:

ایسے افسوسناک واقعات کی روک تھام اور شرمناک رجحان پر قدغن لگانے کے لئے ضرورت ہے کہ ہم، ہمارا سماج، ہماری حکومت، سب مل کر اصلاحی تدبیریں اختیار کریں،انسان میں اس کی سوئی ہوئی انسانیت بیدارکی جائے، اس کے ضمیر کو جھنجھوڑا جائے، اس کے خفتہ جذبات کو بھڑکایا جائے، بچہ کی تربیت شروع ہی سے اسلامی اصولوں کے مطابق کی جائے تاکہ اس کا ذہن، دماغ اور سوچ وفکر اسلامی، انسانی، مثبت، تعمیری ہو، وہ تخریبی ذہن اور مجرمانہ کردار سے دور رہے، اخلاق، فضائل، غمخواری وغمگساری، اخوت ومحبت، انسانیت وشرافت، باہم اتحاد والفت، اعانت ونصرت کا درس دیاجائے، ان چیزوں کی خوبیاں اور فوائد بیان کئے جائیں، آخرت کی فکر، خدا کا خوف اور نیکی پر اجر وثواب، دنیا میں بھی اچھے صلہ وجزاء کا سبق دیا جائے اور رجحان پیدا کیا جائے، یہ بتایا جائے کہ وقتی اور عارضی فائدہ کو سامنے رکھنا، ہر چیز میں اپنا دنیوی مفاد پیش نظر رکھنا، ایثار وترجیح سے کام نہ لینا، جانوروں کی صفت ہے، سماج منکرات کی روک تھام کرے، نیکیوں کو رواج اور جگہ دے، حکومت قانون بنائے اور اس پر عمل کو یقینی بنائے، اصلاح کے لئے فکر مند ہوکر اس کے مراحل پر عمل کرے، مجرم ذہن رکھنے والے افراد کو عبرت ناک سزا دے، تو امید قوی ہے کہ ایسے واقعات پیش نہ آئینگے۔

معذور بچوں کی پرورش اور ان کا علاج:

ذہنیا جسمانی طور پر معذور بچوں کی پرورش اور حتی الامکان ان کا علاج ضروری ہے، فرار اختیار کرنا یا فراغ حاصل کرنا درست نہیں، لیکن چونکہ گھر میں نگہداشت کی سہولت نہیں ہوتی، لہذا ہسپتال میں بغرض نگہداشت اور مناسب علاج کے رکھا

جائے گا، لیکن ان کے پاس والدین میں سے کوئی نہ کوئی رہے تاکہ اولاد اور والدین کا رشتہ کم یا ختم نہ ہونے پائے، اور بچہ بھی ان کی شفقت سے محروم نہ رہے، اگر ہسپتال میں رکھ کر علاج کا خرچ ناقابل برداشت ہو اور شفایابی کے روشن امکانات نہ ہوں یا ماہر اطباء نے مایوسی ظاہر کردی ہو تو علاج واجب نہیں، البتہ بالکل علاج بند کردینا بھی مناسب نہیں، ''لعل اللہ یحدث بعد ذلک أمراً''۔

علاج کے سلسلہ میں اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ کے فیصلے تحریر کئے جاتے ہیں:

* علاج کے سلسلہ میں اصل حکم یہ ہے کہ وہ جائز ہے، کیونکہ قرآن کریم اور قولی وعملی سنت میں اس کی مشروعیت بیان ہوئی ہے، نیز شریعت کے مقاصد کلیہ میں سے ایک مقصد یعنی حفاظت جان اس سے وابستہ ہے، لیکن اشخاص واحوال کے فرق سے علاج کےا حکام میں فرق ہوتا ہے۔

چنانچہ:

* اگر علاج نہ کرنے سے مریض کی جان جانے کا اندیشہ ہو یا کسی عضو کے ضائع ہونے یا اس کے معذور ہوجانے کا اندیشہ ہو یا متعدی امراض کی صورت میں دوسروں تک مرض منتقل ہونے کا ڈر ہو تو ایسے شخص پر علاج واجب ہے۔

* اگر علاج نہ کرنے سے جسمانی کمزوری پیدا ہونے کا اندیشہ ہو لیکن اوپر پہلیحالت میں بیان کردہ کوئی صورت پیش نہ آتی ہو تو ایسے مریض پر علاج کرانا مستحب ہے۔

* اگر مذکورہ بالا دونونحالتیں نہ ہوں تو پھر علاج کا درجہ اباحت کا ہے۔

مایوس کن حالت میں علاج:

الف: اسلامی عقیدہ کے مطابق مرض اور شفاء اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے، دوا علاج صرف اسباب ہیں، جنہیں اللہ نے اس کائنات میں رکھا ہے، اللہ کی رحمت سے مایوسی جائز نہیں، اللہ کے اذن سے شفاء کی امید باقی رہنی چاہئے۔

ڈاکٹروں اور مریض کے متعلقین کا فرض ہے کہ مریض کی ہمت مضبوط بنائے رکھیں، شفاء یا عدم شفاء کی توقع سے قطع نظر کرتے ہوئے مریض کی نگہداشت اور اس کی جسمانی ونفسیاتی تکلیف میں تخفیف کے لئے مستقل کوشاں رہیں۔

ب: مریض کی جس حالت کو علاج سے مایوسی تصور کیا جاتا ہے، وہ دراصل محض ڈاکٹروں کےاندازے ہوتے ہیں، اور ہر دور وعلاقہ میں طب کے موجودہ امکانات اور مریض کے حالات کے پیش نظر ہوتا ہے (فقہ اکیڈمی جدہ کے شرعی فیصلے ۲۱۱۔۲۱۲، قرار داد: ۷،۵،۶۷)۔

ولی علی النفس پر صغیر کا علاج، ڈاکٹری اور ختنہ ضروری ہے، کیونکہیہ بچہ کی صحت سے متعلق لازمی امور ہیں، اگر چھوٹے بچے کی زندگی بچانے کے لئے آپریشن

کی سخت اور فوری ضرورت ہو اور ولی علی النفس موجود نہ ہو تو ولی علی المال یا کسی بھی عام مسلم کے لئے اجازت دینے کا اختیار ہوگا، کیونکہ آدمی کو بچانا ہر مسلمان پر واجب ہے (موسوعہ فقہیہ۲۷،۲۳)۔

معذور بچوں کے علاج ومعالجہ کا ترک اسی صورت میں کیا جائے گا جبکہ مریض کی املاک سے اس علاج کا جاری رکھنا ممکن نہ ہو، نہ ورثہ ان اخراجات کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور نہ علاج کو جاری رکھنے کے لئے کوئی اور ذریعہ میسر ہو (اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے فیصلے،۲۱۹)۔

شریعت اسلامی میں انسانی جان کی بڑی اہمیت ہے، اور حتی المقدور اس کی حفاظت خود اس شخص کا اور دوسروں کا فریضہ ہے، لہذا متعلقین کا علاج اور تیمارداری کی زحمت سے نجات پانے کےلئے تدبیر کرنا یا قدرت کےباوجود علاج ترک کرنا جائز اور درست نہیں ہے (ایضاً،ملخصاً)۔

***

بچوں کے حقوق کے لئے تعلیم وتربیت کا نظام اور سد جرائم کی تدبیریں

مفتی تنظیم عالم قاسمی•

بنیادی طور پر انسانی زندگی کے تین درجات ہیں: ایک بچپن کا جس کا سلسلہ بلوغ تک باقی رہتا ہے اور جس میں انسان دوسروں کا محتاج رہتا ہے، دوسرے شباب کا جو بلوغ کے بعد شروع ہو تا ہے اور عام طور پر چالیس پینتا لیس سال پر ختم ہو جاتا ہے ، تیسرے بڑھا پے کا جس کا آغاز جو انی کے بعد ہو تا ہے اور موت تک رفیق سفر رہتا ہے، ان تینوں درجات میں بلوغ سے قبل کا جو مرحلہ ہے اس میں چوں کہ انسان مکلف نہیں ہو تا اس لئے فرائض و واجبات کے احکام اس سے وابستہ نہیں ہیں تا ہم دیگر نو عیتوں کے مسائل و احکام اس سے مر بوط ہیں جن میں سے بعض کا تعلق خود بچوں سے ہے جیسے وراثت، جنایت، نسب، نکاح وطلاق، بوقت موت ان کی تدفین اور غسل وطہارت، دودھ پیتے بچوں کے پیشاب، ان کے لعاب اور قے کی طہارت وعدم طہارت، با شعور اور ہو شمند بچوں کی نماز،زکوۃ، روزہ، حج، ان کی امامت، شہادت ، وکا لت ان کے معاملات اور دیگر مسائل اور بعض کا تعلق بچوں کے والدین، ان کے اولیاء اورسرپرستوں سے ہے جیسے بچوں کی حضانت، ان کی صحیح پر ورش وپر داخت، ان کی تعلیم وتربیت، اچھے نام کا انتخاب، ختنہ، عقیقہ، ان کے مال کی خرید وفروخت، ان کی دینی ذھنی و جسمانی نشو و نما کی دیکھ بھال و غیرہ متعد د ایسے احکام ہیں جن کے مخاطب بچوں کے اولیا ء اور سر پرست ہیں ۔

بچوں کے مسائل خواہ خود ان کی ذات سے مربوط ہوں یا ان کے والدین اور اولیاء سے، ان تمام کو کتاب و سنت میں اصولی طور پر بیان کر دیا گیا ہے جن کی تشریح و تفصیل حضرات فقہا ء اور محدثین نے بعد میں درج کیا اور مسائل کی درجہ بندی کرتے ہوے امت کی مکمل رہنمائی فرمائی،یہی وجہ ہے کہ کتب فقہ میں جہاں جوانوں اور بوڑھوں کے احکام سے متعلق جزئیات وتفصیلات موجود ہینوہیں بچوں اور نا بالغوں کے احکام بھی شرح و بسط کے ساتھ پائے جا تے ہیں اور فقہ کی ہر کتاب میں ان کے مسائل پر مستقل ابواب بندی کی گئی ہے بلکہ بعض لوگوں نے بچوں کے احکام پر مشتمل کتاب ہی تصنیف کر دی ہے ، جن میں علامہ محمد بن محمود استروشنی (متوفی: ۶۳۲ھ) کی کتاب ‘‘جامع أحكام الصغار’’، علامہ ابن قیم جو زی (متوفی۷۵۱ھ) کی کتاب ‘‘ تحفتہ المودود

• استاذ حدیث دارالعلوم سبیل السلام حیدر آباد۔

بأحکام المولود" اور ڈاکٹرعبداللہ نا صح علوان (متوفی : ۱۴۰۸ھ) کی تصنیف "تربیتہ الأولاد فی الإسلام" بطور خاص قابل ذکر ہے۔

آج کے بد لتے ہو ے حالات نے جہاں زند گی کے دوسرے شعبوں میں نئے مسائل پیدا کئے ہیں، بلوغ سے قبل کی زندگی سے متعلق بھی بہت سے ایسے مسائل رونما ہوئے ہیں جو حل طلب ہیں، اسلامک فقہ اکیڈمی لائق صد تحسین ہے کہ دیگر مسائل کے ساتھ بچوں سے متعلق ان جدید مسائل کو بھی موضوع بحث بنایا اور اس مو ضوع پر اجتماعی غور و خوض کے لئے اہل علم اور ارباب افتاء کو دعوت دی، خاص طور سے بچوں کے حقوق کا مسئلہ بہت اہم اور قابل توجہ ہے، اس لئے عالمی سطح پر ان کے حقوق کے تحفظ پر کا فی زور دیا جارہا ہے اور ان کے لئے قوانین اور اصول و ضابطے و ضع کئے جار ہے ہیں، کیونکہ بچے ہی مستقبل کے معمار ہو تے ہیں، اگر ان کے مفادات کا تحفظ کیا جا ئے اور ان کی ذھنی، فکر ی اور جسمانی پرورش ونگرانی صحیح خطوط پر کی جائے تو مو جودہ معاشرہ اور سماج صحیح سمت کی طرف اپنا رخ پھیر سکتا ہے۔

(الف) حق حضانت اور اس سے محرومی کے اسباب:

بچوں کے حقوق میں سے "حضانت "ایک اہم حق ہے، یہ لفظ حضن سے مشتق ہے جس کے معنی پہلو ، سینہ اور دونوں بازو کے درمیانی حصہ کے ہیں اور شریعت میں ایسی پرورش و پر داخت کو حضانت کہا جا تا ہے جس میں بچے کے مفاد ومصالح کی مکمل حفاظت کی گئی ہو، اسلام کی نظر میں اسے ایک حق کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے جو با لترتیب بچے کے قریبی رشتہ داروں سے وابستہ ہو تا ہے ، اس حق کے تسلیم کرنے کاسبب بچوں کا صغر اور احتیاج ہے، بچے اس قابل نہیں ہو تے کہ اپنی ضرورت خود پوری کر سکیں ، اپنے مفادات کا تحفظ اور مقتضیا ت زندگی کی تکمیل کر سکیں ، شروع میں انہیں کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے چلنے پھر نے اور بولنے کی بھی طاقت نہیں ہوتی، ان کی مثال زمین سے نکلتے ہوئے نرم ونازک پودے کی ہے جس کی نگہداشت از حد ضروری ہے، ورنہ اس کے ضائع ہو جا نے کا قوی امکان ہوتا ہے، اسی طرح بچوں کی جسمانی طبعی اور فکری ضروریات کی اگر تکمیل نہ کی جائے تویہ بھی ضائع ہو جائیں گے، اس لئے ان کی حفاظت اور پرورش و پر داخت کی ذمہ داری بچے کے والدین اور ان کے اولیاء پر ڈال دی گئی ہے تاکہ وہ ان کی نازک طبیعت اور مزاج کی رعا یت کرتے ہوئے اس طرح دیکھ بھال کریں کہ بعد میں خود ان میں اپنی کفالت کی اہلیت پیدا ہوجائیں اور وہ ایک کا مل انسان بن کر اپنی زند گی گزار سکیں۔

ایک شخص اپنے شروع بچپن میں سب سے زیادہ محتاج ہو تا ہے ، انسانی زندگی کا یہ مرحلہ ایسا ہو تا ہے جب وہ کسی چیز کی صلاحیت نہیں رکھتا ، اس لئے اس مو قع پر ان کو محبت و شفقت اور نرم روی کی شدید ضرورت ہو تی ہے اور یہ وصف ماں کی ذات

میں بدرجۂ اتم مو جود ہو تا ہے، اسی بنیاد پر شریعت نے سب سے پہلے حضانت اور پرورش کا حق ما ں کو دیا ہے ، ایک ماں کو فطری طور پر اپنے بچے سے جو پیار ہو تا ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں ہو سکتا ، وہ اپنی اولاد کی پر ورش و پر داخت کی خاطراپنی راحت اور اپنی جان تک قربان کر دیتی ہے، یہ جذبہ دوسروں میں نہیں پایا جاتا، شریعت نے ان کی ممتا اور طبعی صلاحیت و میلان کی رعا یت کرتے ہو ئے ان کو دیگر عورتوں پر ترجیح دی۔ ماں نہ ہو تو نا نی اور نانی بھی نہ ہو تو اس کی اوپر اسی جہت کی کوئی بھی عورت ہو تو اس کو حق حضانت حاصل ہو گا۔ ماں کی جہت میں کوئی عورت نہ ہو تو دادی کو اسی ترتیب کے ساتھ حاصل ہوگا، دادی کے بعد بہن اور بہن کے بعد خالہ اور پھر پھوپھیوں کا درجہ ہے، اگر خواتین میں کوئی مستحق نہ ہو تو مردوں میں وہ لوگ مستحق ہونگے جو بچے کے قریبی عصبہ رشتہ دار ہوں، ان میں وہی ترتیب ہوگی جو وراثت کے جاری ہونے میں ہوتا ہے، لہذا پہلے باپ، دادا، پردادا، اوپر تک پھر بھائی بھتیجہ و غیرہ، اگر یہ نہ ہوں تو چچا، چچازاد بھائی، ان کے بعد باپ کے چچا اور دادا کے چچا و غیرہ کو حق ہے، پھر ان تمام رشتہ دارونمیں قوت قرابت کا اعتبار ہے، پہلے حقیقی پھر علاتی اور اخیا فی مستحق ہونگے جیسا کہ تقسیم میراث میں تر تیب ہے۔

ایک بچہ صغرسنی میں ماں کی ممتا اور اس کی شفقت و محبت کا محتاج ہو تا ہے اور اس مرحلے میں ماں ہی صحیح طور پر اس کی پرورش کر سکتی ہے، اس لئے لڑکوں کو سات سال کی عمر تک اور لڑکیوں کی بلوغ تک پر ورش کی ذمہ داری ماں کو اور اس کے نہ ہونے پر یکے بعد دیگرے دیگر عورتوں کو سو نپی گئی ہے، اس عمر کے بعد تعلیم و تربیت تہذیب و ثقافت اور آداب واخلاق کے ساتھ شادی بیاہ کی ضرورت پیش آتی ہے اور یہ فریضہ باپ بہتر طور پر انجام دے سکتاہے، اس لئے ہوش وحواس سنبھا لنے کے بعد ماں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اب بچے کو باپ کے حوالے کر دیں تا کہ عمر کے حساب سے تعلیم و تربیت اور اخلاقیات کا انتظام ہو سکے گو یا حق حضانت کے سلسلے میں شریعت کی بنیادی ہدایاتیہ ہیں کہ صغر سنی مینیعنی ہوش و حواس سنبھالنے سے پہلے ماں اور اس کے بعد باپ حضانت کا مستحق ہے ،شریعت نے ایک بچے کی ضرورت اور اس کی نزاکتوں کا خیال کر تے ہوے یہ تقسیم کیا ہے ، اب بنیادی طور پر ماں کی ذمہ داری ہے کہ بچپن میں ہر ممکن بچے کی صحت، اس کی صحیح اصولوں پر پر ورش و پر داخت اور اس کی ابتدائی تر بیت کا انتظام کرے، اس پر اپنی محبت و شفقت نچھاور کرے اور جہاں تک ہوسکے بچے کو آرام وراحت پہنچانے کی فکر رکھے، اس ذمہ داری کے نبھانے میں اگر ماں سستی اور کوتاہی کا مظاہر ہ کر ے جس سے محسوس ہو کہ اس کے دل میں بچے سے کوئی خاص دلچسپی نہینیا اس سے بچے کے جسم و صحت اور ذہن و دما غ پر غلط اثر مر تب ہو سکتا ہے ایسے وقت ماں کا حق حضانت ختم ہوجائے گا اور ترتیب

مذکور کے مطابق دوسرے کی طرف یہ حق منتقل ہوگا۔

حضرات فقہاء نے ماں کے حق حضانت ختم ہو نے کے جو اسباب بیان کئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱ ۔ ماں نے طلاق یا شوہر کی وفات کے بعد بچے کے غیر محرم سے شادی کر لی ہو یا بچے کے محرم سے ہی کی ہو مگر وہ بچے سے بغض رکھتا ہو، اس حالت میں ماں اپنے بچے کی صحیح طرح پرورش کر سکتی ہے اور نہ اسے اپنی محبت دے سکتی ہے، اس لئے حق حضانت کی مصلحت ختم ہو جا نے کے سبب اس کا حق ساقط ہو جا ئے گا ۔

۲۔ ماں کسی اچھے یا برے کام میں اس قدر مصروف ہو جائے کہ بچے کے لئے وقت نکا لنا دشوار ہو جیسے ماں دایہیا غسالہ ہویا مزدوری اور کام کا ج کے لئے کثرت سے یا ہر جانا ہو تا ہو یا وہ زانیہ اور گیت گا نے والی ہو یا چوری کرنے اور نوحہ خوانی کا غلط پیشہ اس نے اختیار کیا ہو، ان تمام صورتوں میں حق حضانت ختم ہو جائے گا ۔

۳۔ ماں بینائی سے محروم ہو یا سخت بیمار اور پر یشان حال ہو یا کافی عمر دراز ہو نے کی وجہ سے ضعیف ہو ان صورتوں میں پر ورش کی قدرت باقی نہیں رہتی، لہذا اس طرح کی تمام صورتوں مینحق حضانت سے ماں محروم رہے گی۔

۴۔ ماں اگر بد دین، کتا بیہ کا فرہ فا سقہ یا غلط عادتوں کی حامل ہو تو بچہ جب ہو ش سنبھال لے اور اس کی فکر پر غلط چھاپ پڑنے کا اندیشہ ہونے لگے تو ماں کا حق سا قط ہو جا ئے گا۔

۵۔ ماں کو اگر جنون یا جذام یابرص و غیرہ متعدی مرض لا حق ہو جا ئے تو اس سے بھی ماں کا استحقاق ختم ہو جائے گا اس لئے کہ بچہ ان کے حوالے کرنے میں اس کے ضیاع اور شدید نقصان کا اندیشہ ہے۔

أحق الناس بحضا نۃ الصغیر حال قیام النکاح و بعد الفرقۃ الأم (خانیہ علی ہامش الہندیہ۱/۴۳۳)

کتب فقہیہ کی عبارتوں میں غور کر نے سے بنیادی طور پر معلوم ہو تا ہے کہ ماں کے لئے حضانت کا اولین حق تسلیم کئے جانے کی وجہ اس کی شفقت و محبت اور اس میں پائی جا نے والی فطری تڑپ ہے اور شروع عمر میں بچے کو اسی کی ضرورت بھی ہوتی ہے اور شریعت کا مقصد اس کی جسمانی و ذھنی اچھی پر ورش و پر داخت ہے، لیکن اگر ماں کو حوالہ کرنے میں بچے کی صحیح پر ورش نہ ہو سکتی ہو یا اس کو جسمانی ذہنی عقلییا نفسیا تی طور پر شدید نقصان کا اندیشہ ہو تو ماں کو حق حضانت دیئے جانے کی جو علت ہے وہ ختم ہوگئی، اس لئے اس کا حق بھی ختم ہو جا ئے گا اور ماں یا اس کے بعد یکے بعد دیگر ے دیگرعورتیں اس کے سبب حق حضانت سے محروم کردی جا ئینگی، البتہ سات سال کی عمر تک پڑھنے یا تر بیت پانے کی کوئی خاص عمر نہیں ہوتی ہے۔ بچہ

اس عمر میں نہ پڑھ سکے یا تربیت نہ پاسکے تو اس کی وجہ سے اس کا مستقبل تاریک نہیں ہوگا،یہ کمی بعد میں پوری کی جاسکتی ہے اور ماں کو حق حضانت دینے میں اس کی تعلیم وتربیت پیش نظر بھی نہیں، اس لئے ماں اگر اپنی دیگر ذمہ داریاں مکمل طور پر نبھار ہی ہیں اور تعلیم و تربیت کی طرف تو جہ نہیں دیتی ہے تو اس کے سبب اس کا حق سا قط نہیں ہو گا (تفصیل کے لئے دیکھئے: رد المحتار ۵۵۵،۳، ۵۵۷، الفقہ الاسلامی وادلتہ۷،۷۳۱)۔

سات سال کے بعد لڑکوں کا اور لڑکیوں کا بلوغ کے بعد حق حضانت باپ کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، اس لئے کہ اب یہ عمر کا ایسا مرحلہ ہے جب دیگر چیزوں کے ساتھ اس کی تعلیم و تربیت پر خاص تو جہ دیا جا نا ضروری ہے، اس مرحلے میں اگر اس کی صحیح تر بیت نہ کی گئییا اس کی صحیح تعلیم کا نتظام نہ کیا گیا تو بعد مینیہ کمی پوری نہیں کی جاسکتی، چنا نچہ ماں کے مقابلے میں باپ پر ایک گونہ ذمہ داری کا اضافہ ہو گیا اور وہ ہے بچے کی صحیح پر ورش و پر داخت یعنی اس کی جسمانی عقلی ذھنی نفسیاتی حفاظت کے ساتھ ساتھ اس کی حسب استطاعت بہترین تعلیم و تربیت کا انتظام، اگر باپ ان فرائض سے راہ فرار اختیار کر تا ہے تو اسے بھی حق حضانت سے محروم کردیا جا ئے گا، مگر اس شرط کے ساتھ کہ بچے کی ضروری تعلیم و تر بیت سے بھی اس کی عدم دلچسپی بالکل واضح ہو اور اس کے علاوہ دوسرا ولییا قریبی رشتہ دار موجود ہو جو بچے کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرسکے جیسے بچے کی ماں اگر با حیات ہے اور وہ بچے کی تعلیم وتربیت سے مکمل دلچسپی ر کھتی ہے اور اسے اس پر قدرت بھی حا صل ہے تو یہ حق باپ کے بجائے ماں کی طرف ہی لوٹ جا ئے گا تاکہ بچے کا بھلا ہو سکے جیسے چھوٹے بچے کی شادی کا حق ولی اقرب کو ہے لیکن ولی اقرب اگر اتنا دور ہے کہ اس کی رائے سے استفادہ نہیں کیا جا سکتا تو خود بخود و لی ابعد کی طرف یہ حق منتقل ہو جاتا ہے، اس لئے کہ جس بنیاد پر یہ حق دیا گیا تھا وہ وجہ باقی نہیں رہی، دور حاضر کے مشہور فقیہ علامہ و ہبہ زحیلی کی مذکورہ عبارت سے یہی معلوم ہوتا ہے جو انہوں نے شامی (۲/۸۸۰) کے حوالے سے لکھا ہے، خلاصہ یہ کہ اگر باپ کے پاس بچہ رکھنے میں بچے کو جسمانی ذھنی نفسیاتی تعلیمی و تر بیتی نقصان ہو نے کا اند یشہ قوی اور ظن غالب ہو تو مانکی طرح ان کا بھی حق سا قط ہوجائے گا ۔

ب۔ بچوں کے لئے دینی وعصری تعلیم کاانتظام:

بچہ نرم ونازک پود کی طرح ہے جیسی اس کی تربیت کی جائے گی ویسے ہی بعد میں اس کا مزاج بنے گا، اگر صغر سنی میں اس کو تو حید ورسالت، جنت و جہنم، آخرت اور دیگر عقائد کا پختہ درس دے دیا جائے اور دینی سا نچے میں اس کو ڈھال دیا جا ئے تو بعد میں الحاد و دہر یت کیمسموم ہوا اسے متاثر نہینکر سکے گی، اس لئے والدین اور با

لخصوص با پ یا اس کے دیگر اولیاء کی ذمہ داری ہے کہ جیسے ہی بچہ جسما نی اور عقلی اعتبار سے تعلیم وتعلم کے لائق ہوجا ئے اسے قرآن کریم کی تعلیم دے، رسول اکرم ﷺ سے محبت کرنا سکھائے، انبیائے کرام صحابۂ عظام اور بزرگوں کی سیرت سے واقف کرائے ، نماز، روزہ، زکوۃ، ذکر واذکار، وضو، غسل اور آداب واخلاق کی تعلیم دے اور اتنی حد تک دینی تعلیم سے آراستہ کر دے جس سے بنیادی طور پر اس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پہچان پیدا ہو سکے اور فرائض و واجبات پر عمل کرنے مینکوئی دشواری پیدا نہ ہو، احادیث میں اپنی اولاد کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کی بطور خاص تاکید کی گئی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

‘‘أدبوا أولادكم وأحسنوا أدبهم’’ (ابن ماجہ۳۶۷۱:)۔

(اپنے بچوں کو ادب سکھاؤ اور ان کی اچھی تربیت کرو)۔

‘‘علموا أولادكم وأهليكم الخيروأدبوهم’’ (مصنف عبد الرزاق)۔

(اپنے بچوں کو اور گھر والوں کو خیر کی تعلیم دو اور ان کو ادب سکھاؤ)۔

‘‘أدبوا أولادكم على ثلث خصال:حب نبيكم و حب آل بيته و تلاوة القرآن فإن حملة القرآن فى ظل عرش الله يوم لا ظل إلا ظله’’ (طبرانی)۔

(اپنے بچوں کو تین باتیں سکھاؤ :اپنے نبیﷺ سے محبت، ان کے اہل بیت سے محبت اور قرآن پاک کی تلاوت، اس لئے کہ قرآن کے حاملین اس دن اللہ کے عرش کے سائے میں ہونگے جس دن اس عرش کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا)۔

ان ہی احادیث کی بنیاد پر فقہاء اور اہل نظر نے ولی پر بچوں کی تعلیم و تربیت کولازم قرار دیا ہے:

‘‘يجب على الو لى تأ ديب الصغار بالآ داب الشر عية التى تغرس فى نفس الطفل الأخلاق الكر يمة والسلوك القويم’’ (الموسوعة الفقهية۲۷/۲۳)

تعلیم وتربیت کے وجوب میں لڑکا اور لڑکی کے درمیان کو ئی فرق نہیں ہے، ضروری حد تک دونوں کو دینی تعلیم سے واقف کرانا جس سے دونوں اپنے اپنے مسائل سے واقف ہوسکیں ضروری ہے، آج دینی تعلیم و تربیت سے کنارہ کشی اختیار کر نے کے سبب بچے بگڑ رہے ہیں، ان میں خوف خدا ہے، نہ خوف آخرت، نہ بڑوں کا ادب اور نہ اخلاق وکردار، وہ مجرمانہ زندگی میں حد سے آگے بڑھے ہوئے ہیں اور اس میں خود ان کے ماں باپ کا بنیادی رول ہے جنہوں نے دینی تعلیم وتربیت کے فرائض ادانہیں کئے اور احکام شریعت کی تفہیم میں پہلوتہی سے کا م لیا، آج سارے مسلمان اپنے بچوں کو عصری تعلیم سے آراستہ کرنے کی فکر میں ہیں، اسکو لس کا لجس اور اعلی سے اعلی تعلیم کے لئے ہرجتن کر تے ہیں، حا لانکہ عصری تعلیم دلانا محض مباح کا درجہ رکھتا ہے، دور حا

ضر کے تقاضوں کی تکمیل کے لئے عصری تعلیم دی جا سکتی ہے، مگر وہ فرض یا و جوب کے درجے میں نہیں ہے جب کہ دینی تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنا اور اس کا مناسب انتظام کرنا ماں باپ پر فرض ہے۔

اگر حکومت کسی سطح تک کی تعلیم کو بچوں اور بچیوں کے لئے لازم قرار دے تو حکومت کی پالیسی مسلمانوں کے لئے بھی لازم ہوگی، اس لئے کہ تعلیم فی نفسہ بہتر چیز ہے خواہ وہ عصری ہی کیوں نہ ہو، اس سے سوچ و فکر مینبالیدگی پیدا ہوتی ہے اوربہتر طور پر جینے کا ڈھنگ آتا ہے ، حکومت کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ مصالح عامہ، عدل و انصاف اور ضرر و ضرار سے بچانے کے لئے قوانین و ضع کرے، شرعا مسلمانوں پر ان قوانین کی پابندی لازم ہو گی بشر طیکہ وہ قوانین شریعت کے خلا ف نہ ہوں، مشہور محقق ڈاکٹر یو سف قر ضاوی لکھتے ہیں :

''إن الذینیخالفون القانون الذییحفظ الحقوق و یقر العدل ویقیم میزانہ ھٰؤلاء یعتبر ون شرعا مخالفین للدین نفسہ لأن الدینیأمر بطاعۃ مثل ھٰذہ القوانین التنظیمیۃ ما دامت بالمعروف وفی غیر معصیۃ'' (فتاویٰ معاصرہ ۱؍۵۹۷)۔

البتہ حکومت سے مطالبہ کیا جا ئے کہ بالغ اوربا ہوش لڑکیوں کے تعلیمی ادارے علحدہ قائم کئے جا ئیں، اس لئے کہ اسلامی احکام کے مطابق لڑکا اور لڑکی جب اس عمر کو پہنچ جا ئیں کہ ان کے اندر نفسیانی خواہشات پیدا ہونے لگیں تواب ان دونوں کا ایک ساتھ رہنا اٹھنا بیٹھنا حرام ہے، کیوں کہ اس صورت مینفتنہ اور برائی کا اندیشہ ہے، شریعت نے سد باب کے طور پر با ہوش لڑ کیوں سے دور رہنے کا حکم دیا ہے، مخلوط تعلیم میں چوں کہ نشستیں ایک ساتھ ہو تی ہیں، ایک دوسرے کے قریب ہونے کے مواقع کثرت سے پیش آتے ہیں، قوی امکان ہے کہ دونوں اخلاقیات کی حدوں کو پار کر کے برائی اور بے حیائی میں مبتلا ہو جا ئیں اور آج کے دور میں مخلوط تعلیم گا ہوں مینانسانیت سوز اس طرح کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں جن سے معلوم ہو تا ہے کہ یہ طریقۂ تعلیم نہا یت غلط ہے، اس لئے مسلمان اجتماعی طور پر حکومت سے مطا لبہ کریں کہ وہ عورتوں کے لئے علاحدہ اسکولس کا لجس اور دیگر ادارے قائم کرے، اگر حکومت مسلم عورتوں کو مخلوط تعلیم گاہوں میں پڑھنے پر مجبور کر ے تو اس کی مخالفت کی جا ئے گی اور اس قا نون پر عمل نہیں کیا جا ئے گا، مشہور حدیث ''لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق'' سے یہی مفہوم نکلتا ہے۔

عمر کے حساب سے بچوں کے جذبات مختلف ہو تے ہیں، ان کی عمر اور جذبات کے اعتبار سے ان کو تعلیم دی جانی چاہئے، لہذا بلوغ سے قبل صغر سنی میں جب کہ ان کے اندر نفسا نی خواہشات پیدا نہیں ہوتی ہیں اور طبیعت میں جنس کا ابھار نہیں ہوتااس مرحلے میں بچوں کو جنسی تعلیمنہیں دینی چا ہئے، اس سے ان کا ذہن آلودہ ہوگا اور تعلیم

کے بجائے جنسیات کی طرف دل ودماغ منتقل ہو گا جو ان کے لئے بڑا نقصان دہ ہے، ہاں البتہ اگر بچہ بلوغ کی عمر کو پہنچ جا ئے یا کم ازکم مراہق ہوجائے تو ضروری حد تک جنس کی تعلیمدینے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ بسا اوقات بتانا استاذ یا والدین پر واجب ہو جاتا ہے جیسے قرآن کی بہت سی آیات میں جماع، صحبت اور اتصال و ملاپ کا تذکرہ ہے، اس میں انسان کے نطفے سے پیدا ہونے کا اور زنا و غیرہ کا تذکرہ ہے، شرمگاہوں کی حفاظت کا تذکرہ ہے، حیض و نفاس کا تذکرہ ہے، ان آیات کے افہام و تفہیم کے وقت جنس اور خواہشات کی تعلیم دینی ہی ہوگی، ورنہ مسائل سمجھائے نہیں جا سکتے، قرآن سے زیادہ احادیث میں جنسیات کی تشریح ہے اور وہ اس لئے بھی کہ مردوں عورتوں کے ملاپ سے ہی دنیا کا تصور ہے اور اس ملاپ سے بہت سارے احکام وابستہ ہیں تو اسلام جو ایک کامل مذہب ہے اس میں اسے کیسے نظر انداز کیا جا سکتا تھا ورنہ اس کی تعلیم ادھوری رہ جا ئے گی جو بڑا نقص ہے، مدارس عربیہ میں عمر کے جس مرحلے میں جنس کی بحث آتی ہے بچے با شعور ہو جا تے ہیں، ان کو ضروری حد تک جنس کی تعلیم دینے میں کو ئی حرج نہیں لیکن اسکولس میں نیچے کے کلاس میں ہی کمسن بچے اور بچیوں کو اس طرح کی تعلیم شروع کردی جاتی ہے جس سے اخلاقیات پر بہت برا اثر مرتب ہو تا ہے، خاص طور پر اس لئے بھی کہ وہاں بچے اور بچیاں دونوں ایک ساتھ رہتے ہیں، اس طرح کے مخلوط ماحول میں قطعا جنس کی تعلیم مناسب نہیں اور پھر وہاں ضرورت اور عمر کا بھی لحا ظ بھی نہیں رکھا جاتا، بچے جیسے جیسے بڑے ہوں اور جیسی ضرورت ہو ان کو اخلاقیات کے حدود میں رہتے ہوئے جنس کی تعلیم دی جا سکتی ہے اور اگر کسی مسئلہ کو سمجھنا اسی پر مو قوف ہے تو پھر ان کا یہ حق ہو گا کہ وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا جا ئے ورنہ یہ بخل اور حق تلفی شمار ہوگا ۔

ج۔ بچے اور بچیوں کا نکاح اور شرعی ہدایات :

نکاح ایک طبعی ضرورت ہے، فطری طور پر انسان میں اس کی طرف دل کا میلان ہو تا ہے اور یہ سب اللہ کی جانب سے ہے، مگر یہ ضرورت بلوغ کے بعد پیش آتی ہے، اس لئے نکاح کا بہترین وقت بلوغ کے بعد ہے جب کہ نفسانی خواہشات میں ابھار اور جنسی تسکین کی دل میں امنگ پیدا ہوتا ہے، تاہم بلوغ سے قبل بھی شادی کرانے میں کوئی حرج نہیں، خاص طور پر جب کہ صغر سنی میں نکاح کرانے میں بچے اور بچیوں کی منفعت ہو، مثال کے طور پر کسی پا کیزہ اور نیک خاندان میں کوئی بچی ہے اور اندیشہ ہے کہ بلوغ کی عمر کا انتظار کرنے سے بچی ہاتھ سے چلی جا ئے گی، اس کا نکاح دوسری جگہ ہو جا نے کا امکان ہے، لہذا اپنے نا با لغ بچے کا رشتہ اس مصلحت اور حکمت کی بنیاد پر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، شریعت نے اولیا ء کو اسی حکمت کے تحت ولایت اجبار کا حق دیا ہے حالانکہ بچہ نکاح کا مفہوم سمجھنے پر بھی قادر نہیں، ولی اس کیطرف سے

ایجاب وقبول کرتا ہے، اس کے با وجود شریعت نے اسے درست قرار دیا ہے تاکہ کفاء ت کا تحفظ ہوسکے، اس لئے کہ ہر دور میں کفو دستیاب نہیں ہوتا، احادیث و روایات سے بھی بچپن کیشادی کی تا ئید ہو تی ہے، چنانچہ حضرت عائشہ ؓ سے رسول اکرم ﷺ نے چھ سال کی عمر میں نکاح کیا تھا (صحیح بخاری: ۵۱۳۳)، حضرت قدامہ بن مظعون کی شادی حضرت زبیر ؓ کی صاحبزادی سے ان کی پیدائش کے دن ہو ئی تھی (مرقاۃ المفاتیح۶،۲۰۶)، حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ نے اپنے لڑکے کی شادی اپنی بھتیجی سے بچپن میں ہی کرادی تھی (السنن الکبری حدیث نمبر: ۱۳۸۱۷)، حضرت عروہ ابن زبیرؓ کا اپنے کم سن لڑکے کی شادی حضرت مصعب ؓکی کم سن لڑکی سے کرانے کا واقعہ بھی کتابوں میں موجود ہے (مصنف بن عبدالرزاق ۱۰۳۵۸) ۔

اس طرح کے آثار و واقعات کی وجہ سے محدثین نے اپنی کتابوں مینولد صغار کے نکاح کرانے پر مستقل باب ہی قائم کیا ہے، خود قرآن کریم نے نا با لغہ کی عدت گذارنے کا طریقہ ‘‘واللاتی لم یحضن’’ (سورہ نساء : ۱۴) میں مہینے کے ذریعے بیان کیا ہے جس سے صاف طور پر بلوغ سے قبل شادی کے جا ئز ہو نے کا ثبوت ملتا ہے، اسی لئے مشہور شارح حدیث علامہ نووی ؒ نے اس مسئلہ پر اجماع نقل کیا ہے کہ بچپن میں شادی کرانا جا ئز ہے :

‘‘أجمع المسلون علی جواز تز و یج الأ ب بنتہ البکر الصغیرۃ’’ (مرقاۃ المفاتیح۶/۲۰۶)۔

(باپ کا اپنی بیٹی کا نکاح بچپن میں کرا دینے کے جواز پر مسلمانوں کا اجماع ہے)۔

بچپن میں نکاح کے جواز پر اجماع ہے اور اس میں کسی کا اختلاف بھی منقول نہیں، جہاں تک مسئلہ استحباب اور بہتری کا ہے، ظاہر ہے کہ بلوغ کے بعد نکاح کرانے میں مقصد کی تکمیل کے ساتھ ساتھ طبی اعتبار سے بھی بہتر ہے، صغر سنی میں نکاح سے ضرر لا حق ہو سکتا ہے اور ضرر سے بچانا ولی کی ذمہ داری ہے، بعض مصالح کی بنیاد پر نکاح کا جواز عدم استحباب کی منافی نہیں، بالکل کم سنی میں شادی بیاہ کا رواج بہتر نہیں ہے، اسے ختم کرنا چا ہئے اور یہ طریقہ بھی صحیح نہیں ہے کہ بلوغ کے بعدلمبی عمر تک بچے یا بچیوں کو نکاح کے لئے انتظار کر ایا جا ئے جیسا کہ بعض علاقوں میں مختلف مقاصد کے لئے ایسا کیا جا تا ہے، کہیں تعلیم تکمیل کے انتظار میں، کہیں ملازت لگنے اور کہیں گھر کی تعمیر کے انتظار میں، کہیں بہنوں کی شادی کے انتظار میں اور کہیں والدین بچے یا بچیوں کی تعلیم پر خرچ ہونے والی رقم واپس ہونے کے انتظار میں ایسا کیا جا تا ہے اور اس کے بہت مضر اثرات معا شرے پر مرتب ہو تے ہیں، بے حیائی اور برائی کا چشمہ ابل پڑتا ہے، اسی لئے رسول اکرم ﷺ نے جوان ہو نے کے ساتھ ہی نکاح کے بندھن سے بندھ جانے کا حکم دیاہے۔

‘‘یا معشرا لشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتز وج فإ نہ أغض للبصر وأحصن للفرج’’ (صحیح بخاری)۔

بالغ ہونے کے ساتھ ہی نکاح کردینے سے بچے کے جذبات پاک رہتے ہیں اور ان کیتوجہ فعل حرام کی طرف نہیں جاتی، ماں باپ پر بچے کا حق جیسے ان کے اچھے نام کا انتخاب، عقیقہ، تعلیم و تربیت اور بہتر جسمانی نشوو نما کی تد بیر ہے ویسے ہی بلوغ کے بعد جتنا جلد ہو سکے نکاح کرادینا بھی ایک اہم حق ہے بشر طیکہ مہر اور نان و نفقہ پر قدرت حاصل ہو اور لڑکی کا جسم صحت اور وطی کا متحمل ہو اور رشتہ بھی شرعی نقطہ نظر سے مناسب ہو، اگر لڑکے یا لڑکی کا جسم شادی کے لائق نہینیا مناسب رشتہ میسر نہ ہو تو کچھ دنوں تک انتظار کیا جا سکتا ہے مگر غلط مقاصد کے لئے نکاح کی تا خیر درست نہیں، اس سے فساد عریض کا اندیشہ ہے جس کا سدباب ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔

د ۔ بچہ مزدوری اور شرعی نقطہ نظر:

شریعت نے انسان کو ان ہی چیزوں کا مکلف بنایا ہے جن کی اس میں طاقت اور وسعت ہے، بچہ چوں کہ محتاج، کمزور اور نا اہل ہوتا ہے اس لئے اس کے نان نفقہ، علاج ومعالجہ اور دیگر تمام ضروریات کی تکمیل کا ذمہ دار باپ کو قرار دیا گیا ہے، باپ پر واجب ہے کہ بقدر استطاعت بچے کی جسمانی وذہنی نشوو نما، اس کی صحت و تندرستی، نشاط اور چستی پیدا کرنے کے جو بھی اسباب ہوں انہیں اختیار کرے، اسے صحیح غذا، قابل رہائش مکان اور قابل استعمال لباس مہیا کرے، یہ وجوب اس وقت تک ہے جب تک وہ از خود کمانے کے لائق نہیں ہوجاتا ہے: ‘‘فعلیہنفقتہم إلی أن یبلغ الذکر حد الکسب وإن لم یبلغ الحلم’’ (فتح القد یر۴/۲۱۶)۔

اولاد سے ہمدردی کا تقاضہ یہ ہے کہ بچپن میں ان کو دنیا کمانے کے لئے استعمال نہ کیا جائے، یہ عمر تعلیم و تربیت کے لئے بہتر وقت ہو تا ہے، اس وقت بچے کا ذہن صاف ستھرا، حا فظہ قوی اور تعلیم میں خوب نشاط ہوتا ہے، اسی جانب معلم اول رسول اکرم ﷺ نے اشارہ کرتے ہوئے ار شاد فرمایا :

‘‘العلم فی الصغر کالنقش فی الحجر’’ (بیہقی)۔

(بچپن میں علم حا صل کر نا ایسا ہے جیسے کہ پتھر پر نقش کر دینا)۔

اس لئے ذریعہ معاش اگر تنگ اور محدود بھی ہو پھر بھی سرپرستوں کو چا ہئے کہ بچوں کو پڑھنے لکھنے، اعلی تعلیم حاصل کرنے اور اخلاق وآداب سیکھنے کے لئے وقف کردیں اور کوئی ایسا کام ان سے ہر گز نہ کرائیں جس سے ان کے قوی جسمانی وذہنی متا ثر ہو تے ہوں، لہذا بچوں کو گداگری کے لئے استعمال کرنا، ان کو چوری، زنا کاری و غیرہ بری عاتوں میں ملوث کرنا حرام اور جرم عظیم ہے جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے، ہاں البتہ گھر کے چھوٹے موٹے کام اور معمولی خدمت ان کی و سعت کے

اعتبار سے لی جا سکتی ہے جیسے باپ کا اپنے بیٹے سے جسمانیخدمت، بازار سے سودا سلف لانے کی خدمت، خرید و فروخت اور دوسری خارجی و گھر یلو خدمات، حضرت عمر و بن شعیب ؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیایا رسول اللہ! میرا شوہر مجھ سے میرا بیٹا چھین لینا چاہتا ہے حالانکہ وہ میرے لئے پینے کے پانی کا انتظام کرتا ہے اور مختلف انداز سے مجھے نفع دیتا ہے، آپ ﷺ نے اس بچے کو اختیار دیا جس کے ساتھ چا ہے رہے، اس بچے نے اپنی ماں کے ساتھ رہنے کو پسند کیا وہ لے کر چلی گئی (مشکوۃ صفحہ ۲۹۳) ۔

اس عورت نے اپنے بچے سے مختلف طرح کی خدمات لینے کا ذکر کیا مگر رسول اکرم ﷺ نے کو ئی نکیر نہیں فرمائی اس سے معلوم ہو تا ہے کہ معروف طریقے پر بچوں سے اس طرح کے نجی اور گھر یلو کام کرانے میں کوئی حرج نہیں ہے، مگر ایسا کام جس کی ان میں طاقت نہ ہو جا ئز نہیں،یہ سر اسر ظلم اور بے رحمی ہے، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا : ''للمملوک طعامہ وکسوتہ ولا یکلف من العمل إلا ما یطیق''(صحیح مسلم)۔

(غلام کے لئے کھانا اورکپڑا ہے اور اس کو ایسے کام کا مکلف نہ بنایا جا ئے جس کی اس میں طاقت نہ ہو)۔

اندازہ کیجئے کہ غلام جس کے رقبہ اور وجود پر مکمل قدرت اور ملکیت حاصل ہے، بحیثیت انسان اس کے ساتھ بھی محبت و ہمدردی کی تعلیم دی گئی ہے اور طاقت سے زیادہ بوجھ لا دنے اور بھاری کام لینے سے منع کیا گیا ہے تو پھر اولاد کا کیا حکم ہوگا، ظاہر ہے کہ بچے اپنے ماں باپ کی شفقت وہمدردی اور محبت کے بے حد محتاج ہو تے ہیں، ان کے مشفقانہ بر تائو سے ان کو حو صلے ملتے ہیں اور ان کا مستقبل تابناک ہوتا ہے، اس لئے ایک باپ اور ولی کو چاہئے کہ بلا ضرورت شدیدہ محض اپنے آسائش اور راحت کے اسباب جمع کرنے، معیار زندگی کو بہتر بنانے اور دولت و جا ئداد جمع کرنے کی غرض سے بچے سے مزدوری نہ کرائے اور نہ کسی کا روبار میں مصروف کرے، اس سے اس کی تعلیمی زندگی متاثر ہوگی، حالانکہ ایک باپ کی طرف سے بیٹے کے لئے سب سے بہتر ین تحفہ بہتر تعلیم و تربیت ہے:''ما نحل والد ولدہ من نحل أفضل من أدب حسن'' (ترمذی)۔

ہاں اگر کوئی شخص لاچار ومجبور ہے، نان نفقے کا انتظام نہیں ہو سکتا ، نہایت کسمپرسی میں زندگی گھری ہوئی ہے جیسے کسی کا اپا ہج ہونا، نہایت ضعیف و کمزور ہونا کہ مزدوری بھی نہیں کر سکتا یا بیمار ہونا و غیرہ اورو ہاں کوئی شخص معاش کا انتظام بھی نہیں کر سکتا ہے تو اس کے لئے بدرجہ مجبوری اپنے بچوں سے مزدوری

کرانے کی گنجائش ہے، لیکن اس کے لئے بھی بہتر ہے کہ بچوں کو پارٹ ٹائم کا م کرائے اور باقی اوقات حصول تعلیم کی تاکید کرے اور ایسے امورمیں انہیں مصروف رکھے جن سے یہ بچے ذھنی اخلاقی ذھنی و جسمانی طور پر پروان چڑھ سکیں، آج کل اس طرح کے مواقع بہت موجود ہیں کہ خالی اوقات اگر تھوڑی بہت محنت کرلی جا ئے تو اتنا معاش حاصل کیا جا سکتا ہے جس سے پورے گھر والے زندگی گزار سکتے ہیں، چنانچہ اسکولس اور کا لجس کے بہت سے طلبہ آج اپنی فیس اور دیگر اخراجات کا اسی طرح خود سے انتظام کر لیتے ہیں اور وہ گھر والوں پر بوجھ نہیں بنتے، تاہم اگر جزوی مزدوری و کسب معاش سے ماں باپ کے نفقے کا انتظام نہیں ہو سکتا تو مکمل طور پر ہو شمند بچوں کو کام پر لگایا جا سکتا ہے جس کی ان میں طاقت واستطاعت موجود ہو لیکنیہاں بھی ضروری ہوگا کہ ان کو اتنا موقع فراہم کیا جائے جس میں کسی کے پاس جا کر ضروری تعلیم حا صل کرسکیں، مشہور فقیہ علامہ کا سانیؒ لکھتے ہیں :

‘‘للأب أن یؤاجر ابنہ الصغیر من عمل من الأعمال’’ (بدائع الصنائع ۲۲،۴)۔

(والد کے لئے گنجا ئش ہے کہ وہ اپنے نا بالغ لڑکے کو کسی کام پر ملازم ر کھوائے)۔

لیکن چھوٹے اور نابالغ بچوں سے مزدوری و ملازمت کرانے کا حق صرف باپ یا دادا ہی کو ہے دیگر او لیا ء کو یہ حق حا صل نہیں ، کیوں کہ باپ اور دادا میں شفقت مکمل طور پر پا ئی جا تی ہے ، وہ اپنے بچے کوبد رجہ مجبوری ہی اس کام پر لگا سکتا ہے، دیگر او لیا ء مینیہ و صف نہیں پایا جاتا ہے، اس لئے امکان ہے کہ بلا ضرورت بچے کو اس کا م پر لگائے یہی وجہ ہے کہ شریعت نے بہت سے احکام میں باپ دادا اور دیگر او لیاء میں فرق بیان کیا ہے جیسے نابالغ بچوں کے مال میں تصرف کا حق صرف باپ اور دادا کو دیا گیا ہے دیگر اولیاء کو نہینیا ولایت اجبار بطور الزام صرف باپ دادا کے لئے ثابت ہے دیگر اولیاء کو یہ حق حاصل نہیں، اسی لئے فتاوی ہند یہ میں بچوں سے مزدوری کرانے کے سلسلے میں صرف باپ اور دادا کا ہی تذکرہ کیا گیا ہے :

‘‘والأب والجد أبو الأب أو وصیھا إذا آجر الصغیر فی عمل من الأعمال التییقدر علیہا الصغیر جاز’’ (فتاوی ھندیہ: ۳۳۶۴) ۔

(باپ ، حقیقی دادا یا ان کا وصی جب بچے کو ایسے کام پر اجرت پر لگائے جس کی اس میں طاقت ہو درست ہے)۔

اسلام غالب بن کر طلوع ہوا ہے یہ اپنے متبعین کو اعلی ذہن اور اعلی دماغ رکھنے کی تعلیم دیتا ہے ، مختلف علوم و فنون میں مہارت پیدا کرنے کے ذریعہ ساری اقوام میں امتیاز اور تفوق حا صل کر نے کی تعلیم شریعت نے مسلمانوں کو دی ہے، یہ ہرگز پسند نہیں کہ دوسری قومیں سائنس اور ٹیکنا لوجی میں ترقی کر کے دنیا پر حکومت کریں اور

مسلمان عیش و عشرت میں مبتلا ر ہیں اور نتیجتا وہ دوسرے کے محکوم بن جا ئیں، اس لئے اسلام مسلمانوں کو دینی علوم وفنون کے ساتھ عصری ٹکنا لوجیوں مینمہارت پیدا کر نے کی ترغیب دیتا ہے، پھر یہ مذہب بچوں کو مزدوری کر نے اور کمتر درجے کے ہنر اور پیشے اختیار کرنے کی کس طرح تعلیم دے سکتا ہے، تاہم اگر بچوں کو پڑھانے اور اعلی تعلیم دینے کی کوشش کی جائے اور وہ کو شش کا میاب نہ ہو سکے یا تعلیم کے لئے ماحول سا ز گا ر نہ ہو تو بچوں کو پیشہ و رانہ کام سکھانے کے لئے کا م سے لگا یا جا سکتا ہے ۔

ہ ۔ نابالغ پر سزا کا نفاذ :

اسلام کی نظر میں ایک شخص بالغ ہو نے سے پہلے مکلف نہیں ہوتا، نماز، روزہ، زکوۃ اور دیگر عبادات ا س سے وابستہ نہیں ہیں، اسی طرح اگر وہ کوئی مجرمانہ حرکت کرتا ہے تو اس کے عمل اور فعل کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے، لیکن اگر با لغ ہونے سے قبل بچوں کو اسی طرح آزاد چھوڑ دیا جا تا تو ان کے حوصلے بلند ہو تے اور سزا کے خوف نہ ہونے کی و جہ سے جرائم میں بے تحاشہ اضافہ ہو تا اور اس سے معاشرے کا نظام متا ثر ہوتا، اس لئے شریعت نے بچوں کے لئے اعتدال کی راہ اختیار کی ہے، ان پر بڑوں کی طرح حدود و قصاص نافذ نہیں کئے گئے، کیوں کہ حدود وقصاص وہیں نافذ ہوتے ہیں جہاں جرائم کی قباحت و شناعت معلوم ہو اور پھر اپنے شعور سے اسے انجام دیا جائےاور یہ عموما بلوغ کے بعد ہو تا ہے، اس سے پہلے ایک شخص میں پختہ شعوری نہیں پائی جاتی گویا جرائم تو پائے گئے لیکن ان کے پیچھے شعور کار فرمانہیں جس کی وجہ سے انجام اور نتیجے پر انسان کی نظر رہتی ہے اور اس میں ڈر اور خوف پایا جاتا ہے اور اگر ایک شحص پختہ شعور ہے اور پھر وہ جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی جسارت کی وجہ سے یقینا وہ سزا کا مستحق ہے، تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ بچوں پر بلوغ سے قبل حدود وقصاص نافذ نہیں کئے جائیں گے، اس لئے کہ حدود وقصاص کے نفاذ کے لئے جہاں عاقل کا ہونا شرط ہے وہیں بالغ ہونا بھی ضروری ہے، علامہ ابن ہمام قصاص کی شرائط لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

‘‘منها كون القاتل عاقلا بالغا إذ لا يجب القود على الصبى أصلا’’ (فتح القدیر۹؍۱۳۸)۔

(قصاص کی شرائط میں قاتل کا عاقل و بالغ ہونا ہے، چنانچہ نابالغ پر قصاص بالکلیہ واجب نہیں)۔

بچہ اگر کسی کو قتل کر دے تو مقتول کا خون رائگاں نہیں جا ئے گا، بلکہ دیت واجب ہوگی، اگر بچے کے پاس مال ہو تو اسی کے مال سے دیت واجب ہوگی، ورنہ اس کے سرپرستوں کے ذمہ ادائیگی واجب ہوگی معلوم ہوا کہ بچوں سے صرف قصاص ساقط ہوگا دیت ساقط نہیں ہوگی، ہاں البتہ حدود بالکلیہ نافذ نہیں ہونگے۔

بلوغ سے قبل بنیادی طور پر بچوں کو دومرحلے پیش آتے ہیں: ایک بے شعوری کا جس کوصبی غیر ممیز کہا جاتا ہے اور دوسرا شعور کا جس کو صبی ممیز کہا جاتا ہے، چھ سات سال کی عمر تک عام طور پر بچوں کو کوئی شعور نہیں رہتا، قتل، چوری، زنا، تہمت وغیرہ جرائم سے بالکل واقف نہیں رہتے، اس لئے ان کی توبیخ اور سرزنش بھی نہیں کی جاسکتی، ایسے بچوں کو اصلاح نفس اور تربیت کے لئے جیلیا قید خانے میں نہیں ڈالا جاسکتا ہے، ان بچوں کے والدین اور سرپرستوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کی بہتر انداز میں تربیت کریں اور افہام و تفہیم کے ذریعہ جرائم کی قباحت ونفرت ان کے دل میں پیدا کریں۔ صاحب بدائع الصنائع لکھتے ہیں:''بخلاف المجنون والصبی الذی لایعقل لأنهما لیسا من أهل العقوبۃ ولا من أهل التأدیب'' (بدائع الصنائع ،۶۳۷)۔

البتہ صبی ممیز کہ جس میں شعور پیدا ہوجاتا ہے اگرچہ حدود وقصاص ان پر نافذ نہیں ہونگے مگرجرائم کے سدباب کے لئے عمر کے حساب سے ان کی تعزیر کی جا سکتی ہے، اگر جرم ہلکے درجہ کا ہے تو سخت کلامی، ڈانٹ ڈپٹ یا ہلکی مار پیٹ سے تنبیہ کردی جائے اور جرم سخت، سنگین ہو تو قیدخانے میں ڈال دینا چاہئے، تاکہ عام لوگ ان کی شرارتوں سے محفوظ رہیں اور جیل میں ان کے نفس کی اصلاح ہوسکے، رسول اکرم ﷺ نے بچوں کو نماز،نہ پڑھنے پر بغرض اصلاح ہلکی مار کی ہدایت دی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ با شعور بچوں کی بغرض تادیب تعزیر کی جا سکتی ہے (بدائع الصنائع۶۳،۷)۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں :

''ولا یحبس الصبی إلا بطریق التادیب لئلا یتجاسر إلی مثلہ إذاباشر شیئا من أسباب التعدی قصدا فلو خطأ فلا'' (شامی۱۲۳،۸)۔

صاحب تاتارخانیہ لکھتے ہیں :

''ثم قد یکون التعزیر بالحبس وقد یکون بالصنع وتحریک الأذن وقد یکون بالکلام العنیف وقد یکون بالضرب'' (تاتارخانیہ۲۳،۵)۔

ان تمام عبارتوں کا ماحصل یہ ہے کہ صبی ممیز کو جرم اور عمر کے حساب سے حدود وقصاص کے نفاذ کے علاوہ دوسری سزائیں دی جاسکتی ہیں: ڈانٹ ڈپٹ، اظہار غضب، سخت کلامی، ہلکی مار پیٹ اور قید وبندکی صعوبتیں، تادیب واصلاح نفس کی غرض سے یہ تمام صورتیں درست ہیں، تاہم سزا کی کوئی ایسی صورت اختیار نہ کی جائے جس سے ظلم محسوس ہو، لہذا بچے کواگر قید خانے میں ڈالا جائے تو صرف اتنے دنوں تک کے لئے جس سے اس کی تادیب ہوجائے، کیونکہیہی مقصود ہے، اگر کوئی بچہ فطرتا ہی شریر ہو اور کوئی حکمت عملی اس کے حق میں کا رگر نہ ہو، یہاں تک کہ قید خانہ سے چھوٹنے کے بعد پھر ان ہی جرائم میں سرگرم ہو جاتا ہو تو اس کے حق میں بہتر ہے کہ اس کے بلوغ تک قید خانہ مینڈال دیا جائے، پھر بعد میں چھوڑنے کے بعد دوبارہ ان

جرائم کا ارتکاب کرے تو بڑوں کی طرح حدود وقصاص کا نفاذ عمل میں آئے گا ۔

آج کل ہندو ستان یا دوسرے ممالک میں بچوں کے جرائم سے لوگ اس لئے بھی پر یشان ہیں کہ ان ممالک میں۱۸ سال سے کم عمر والے کو بچہ ہی تصور کیا جا تا ہے، حالانکہ حقیقتاً وہ بالغ اور پختہ نفس ہوتا ہے، ۱۸ سال میں بالغ ہو نے کا قانون بہت سے لوگوں کو سزا کے نفاذ سے تحفظ فراہم کرتا ہے، نتیجتاً ان کے حو صلے جرائم کے باب مینبلند ہو جاتے ہیناور فساد عام ہو تا ہے، اسلام میں ایسا نہیں ہے بلکہ ہر وہ شخص جس کو بلوغ کے آثار ظاہر ہوں یا پندرہ سال کی عمر کو پہنچ جا ئے ، خواہ لڑکا ہو یا لڑکی وہ بالغ تصور کیا جا ئے گا اور وہ اسلامی قوانین کا مکلف ہوگا، جرائم پیش آنے کی صورت میں حدود و قصاص کے اصول اس پر جا ری ہوں گے (شامی۹،۱۸۶)، سمینار کو حکومت وقت سے سفارش کر نی چاہئے کہ بلوغ کی موجودہ عمر کو گھٹا کر پندرہ سال کر ے تاکہ بچوں کے ذریعے پیش آنے والے جرائم پر روک لگائی جا سکے۔

و ۔ جیلوں میں بچوں سے با مشقت کام :

بچوں کو قید کرنے کا مقصد اصلاح اور تادیب وتر بیت ہے، بڑوں کی طرح ان کو سزا دینا مقصد نہیں ہے، اس لئے جیل اور قید خانے میں ان کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کیا جائے گا جو بڑوں کے ساتھ کیا جاتا ہے، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:''وفی المحیط للقاضی حبس الصبی الفاجر تادیبا لا عقوبا لئلا یماطل حقوق العباد فإن الصبییؤدب لینزجر عن الأفعال الذمیمۃ'' (شامی۴،۳۸۵)۔

لہذا بچوں کو کسی ایسے کام کا مکلف نہ بنا یا جا ئے جس میں اذیت اور سزا کا پہلو ہو، بلکہ قید کر نے والے حکام پر لازم ہے کہ بچوں کی جسمانی و ذھنی نشوو نما کے لئے تدا بیر اختیار کی جائیں، صحت بخش غذا، صاف شفاف پانی، کھلی آب وہوا، موسم کے لحاظ سے کپڑے، بہتر علاج ومعالجہ کا انتظام کیا جائے، ورزش وتفریح اور کھیل کود کی سہولتیں فراہم کی جائیں، ان کی ذہنی تربیت کے لئے دینی واخلاقی پر وگرامس منعقد کئے جائیں، ان کی تعلیم کے لئے اچھے تعلیمی ادارے قائم کئے جائیں، الغرض بچونکی شخصیت میں نکھار پیدا کر نے اور اعلی کردار کا حامل انسان بنانے کے لئے جو بھی طریقے ہوسکتے ہیں انہیں اختیار کرنا حکومت پر واجب ہے، تعلیم و تر بیت اور تہذیب و تزکیہ کے ساتھ ساتھ ان کی جسمانی نشوونما پر خاص نظر رکھی جائے، ان سے کوئی ایسا کام لینا درست نہیں جس سے ان کی صحت متاثر ہو تی ہو اور نہ ان کے ساتھ کوئی ایسا برتائو درست ہے جو ان کی عقل ودماغ اور جسمانی نشوونما کے حق میں غیر مفید اور مضرہو، لہذا تنگ وتاریک کو ٹھریوں میں انہیں مقید کرنا درست نہیں، علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

''ولا یجو زالحبس فی مکان یمنع فیہ المحبوس الطعام والشراب أو فی مکان حار أوتحت الشمس أو فی مکان بارد أو فی بیت تتوسد نوافذہ و فیہ دخان'' (فتح القدیر ۷/۲۶۰)۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:''الجس الشرعی لیس ھو السجن فی مکان ضیق إنما ھو تعویق الشئی ومنعہ من التصرف بنفسہ'' (فتاوی ابن تیمیہ۵؍۳۹۸)۔

ان عبارتوں سے معلوم ہو تا ہے کہ قیدیوں کو تنگ جگہوں میں رکھنا، کھانے پینے سے روکنا، نہا یت گرم یا ٹھنڈی جگہ رکھنا، دھوپ میں کھڑا کر دینا، دھواں والے گھر میں محبوس کرنا اور اس طرح کی دوسری غیر انسانی حرکتیں کرنا عام قیدیوں کے ساتھ بھی درست نہیں، بچوں کے ساتھ بدرجہ اولی جا ئز نہیں ہوگا، بچوں کی اصلاح کی غرض سے ان سے ایسا کام لیا جا سکتا ہے جن میں مشقت نہ ہو، تعب وتھکن کا احساس ہی ان کی تربیت واصلاح کے لئے کا فی ہے۔

بنیادی طور پر بچوں کوجیل مینرکھنے کا مقصد ان کی سر زنش اور ذہن سازی ہے نہ کہ عقوبت اور تعذیب نفس، اس لئے:

الف : مقید بچوں کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے جس سے ان کی عزت نفس میناضافہ ہو اور وہ معاشرہ مینباوقار زندگی گزار سکیں۔

ب: بچوں کو سزائے موت، عمر قیدیا کسی طرح کی جسمانی سزا نہیں دی جائےگی۔

ج: مقید بچوں کوبالغ قیدیوں سے الگ رکھا جائے ۔

د : ملزم بچوں کوجلد ازجلد عدالتی کا رروائی کے لئے پیش کیا جائے۔

س: ضرورت اور جرائم کے بقدر ہی محبوس رکھا جائے۔

ف : کتاب کا پی قلم اور دوسرے آلات علم مہیا کئے جائیں۔

ق : مخرب اخلاق اور فحش لٹریچر سے انہیں دور رکھا جائے ۔

بہرحال قید خانوں میں بچوں کے لئے ایسا انتظام ہو جس سے ان کی جسمانی ، ذھنی، اخلاقی اور دینی اعتبار سے نشو و نما ہو سکے اور وہ قید خانے مینبھی رہ کر اعلی سے اعلی تعلیم حاصل کر سکیں ۔

ز۔ لا وارث بچے کا شرعی حکم:

ایسا بچہ جس کا کوئی وارث نہ ہو جیسے کو ئی عورت زنا کی تہمت کے خوف یا والدین اپنی غربت و محتا جگی کے سبب بچے کو کہیں پھینک دے یا کسی حا دثے میں ماں باپ ختم ہو جائینیا کسی اور و جہ سے بچہ لا وارث ہو جا ئے ، اس کا کوئی ولییا قریبی رشتہ دار نہ ہو تو سارے مسلمانوں کا اجتماعی فریضہ ہے کہ اس بچے کی پرورش وپر داخت اور تعلیم و تربیت کا انتظام کریں، اگر کچھ لوگوں نے بھی مل کر یہ ذمہ داری اٹھالی تو دیگر حضرات سے فریضہ ساقط ہو جا ئے گا ورنہ سارے لوگ گنہگار ہونگے، کسی لاوارث بچے کو پالنا اس کی دیکھ بھال کرنا اور اس کی ضرورت کی تکمیل کرنا بہت اونچا عمل ہے، ایک بچے کو زندہ رکھنے کی کوشش ساری انسانیت کو زندہ رکھنے کی کوشش کی طرح ہے، ''ومن أحیاھا فکأنما أحیا الناس جمیعا'' (المائدہ: ۳۲)۔

مشہور فقیہ عصر ڈاکٹر وھبہ زحیلیؒ لکھتے ہیں:

''الالتقاط عند الحنفیۃ مندوب إلیہ وہو من أ فضل الأعمال؛ لأنہ یترتب علیہ إحیاء النفس، ویکون فرض کفایۃ إن غلب علی الظن ھلاک الولد لو لم یأخذہ، کأن وجد فی مغارۃ ونحوہا من المہالک، لحصول المقصود بالبعض وہو صیانتہ'' (الفقہ الاسلامی و ادلتہ ۷۶۴،۵، ہندیہ۷۶۴،۲)۔

فقہی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عام حا لات میں جب کہ لاوارث بچے کے ضیاع کا اندیشہ نہ ہو تو اس کو لینا اور ہم پیالہ بنانا مستحب ہے اور اگر ضیاع کا اندیشہ ہو، تاہم دوسرے کی نظر بھی اس بچے پر ہو تو فرض کفایہ اور نہ اٹھانے کی صورت میں ضیاعیقینی ہو تو فرض عین ہوگا، یعنی دیکھنے والے پر فرض ہے کہ اسے اپنی جگہ سے اٹھالے اور بقدر استطاعت اس کی پرورش کا انتظام کرے، بنیادی طور پر ایسے لاوا رث بچے کی کفالت حکومت کی ذمہ داری ہے ، حضرت ابوجمیلہ کی حدیث میں حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا تھا:''اذھب وعلینا نفقتہ'' (صحیح بخاری: ۲۶۶۱) (اس کو لے جائو اور اسکا نفقہ ہمارے ذمہ ہے)۔ یہ اس وقت ہے جب کہ لاوارث بچے کے پاس کوئی مال نہ ہو، اگر اس کے پاس مال ہو تو اسی کے مال میں سے خرچ کیا جائے گا، نان نفقہ، علاج و معالجہ اور دوسری ضروریات کی کفالت حکومت کرے گی، لیکن پانے والا شخص اپنے گھر میں رکھے گا تاکہ اس کو علیحدگی کا احساس نہ ہو اور اسے خاندانی ماحول فراہم ہو سکے، دیگر بچوں کے ساتھ کھیلنے کودنے اور رہنے سہنے سے جسمانی فکری و ذھنی نشوو نما بہتر ہوگی اور لاوارث ہونے کے ضرر سے محفوظ رہے گا، اسلام نے شفقت ومحبت کی تعلیم دی ہے اوربے سہارا کو سہارا دینے والوں کی بڑی حوصلہ افزائی کی ہے، رسول اکرم ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:أنا وکافل الیتیم لہ ولغیرہ فی الجنۃ ھکذا وأشار بالسبابۃ والوسطی'' (میں اور کسییتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح قریب قریب رہوں گا جس طرح شہادت اور اس کے ساتھ کی انگلیاں)۔

یتیم صرف اپنے باپ کے سائے سے محروم رہتا ہے، اس کی ماں یا دیگر رشتہ دار موجود رہتے ہیں پھر بھی ان کی پرورش اور کفالت کرنے کی اس قدر تاکید ہے تو لاوارث بچہ جس کا کوئی سہارا نہیں اس کی دیکھ ریکھ اور پرورش و پر داخت کی کس قدر فضیلت ہوگی اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، حدیث مذکور میناپنے رشتہ دار یتیموں کے ساتھ ساتھ غیر کے یتیموں کی بھی پرورش پر ابھار ا گیا ہے، مقصد ہے کہ دنیا میں کوئی بھی بچہ بے سہارا یتیم اور لاوارث ہو، مسلمانوں کو اس کے ساتھ شفقت ومحبت نرمی اور حسن سلوک کا معاملہ کرنا چاہئے، جس طرح ایک انسان اپنی اولاد کو محبت کی نظروں سے دیکھتا ہے، ان کی تمام ضروریات کی تکمیل کر تا ہے، ٹھیک اسی طرح ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جا نا چاہئے، اس سے وہ بے سہارا بچہ ضائع ہونے سے محفوظ رہے گا، جو اللہ کی نظر میں بڑا کار خیر اور موجب اجرو ثواب ہے، ارشاد باری ہے :''تعاونوا

علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان" (المائدہ: ۲)۔

اگر لاوارث بچے کے پاس کوئی مال نہ ہو اور نہ بیت المال میں اتنی گنجائش ہو کہ اس طرح کے بچوں کی پرورش کی جا سکے یایہ واقعہ ایسے ممالک میں ہو جو غیر اسلامی ہیں جہاں بیت المال کا نظام نہیں ہو تا جیسے ہندوستان و غیرہ تو ان جگہوں میں دیکھا جا ئے گا کہ حکومت کے پاس اس طرح کے بچوں کی پرورش کا کوئی نظم ہے یا نہیں، اگر نظم ہے تو بچے کو اسی ادارے کو حوالے کر دینا بہتر ہے بشرطیکہ اس پر مکمل اطمینان ہو جیسے ہندوستان میں بے بی سنٹر کے نام سے حکومت کی نگرانی میں ایسے ادارے قائم ہیں جہاں بچوں کی صحیح پرورش و پرداخت پر خصوصی نظر ر کھی جا تی ہے، اگر حکومت کی جا نب سے کوئی ایسا انتظام نہ ہو، البتہ رفاہی اداروں کی جا نب سے نجی طور پر لاوارث بچوں کی دیکھ بھال کے لئے نظم ہو تو وہاں سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے اور اگر اس طرح کی کوئی شکل نہ ہو تو بچے کو اٹھانے والا خود ذمہ دار ہوگا، اپنی اولاد کی طرح اس کی بھی کفالت کرے گا اور اس کے تمام اخراجات اس کے ذمے واجب ہوں گے بشرطیکہ اس کی گنجائش ہو اور اگر وہ خود محتاج ہو تو سماج کے تمام مسلمانوں پر اس کی ذمہ داری عائد ہوگی ۔

''یقوم المسلمون بکفایتہ نفقۃ لا قرضا لأنہ محتاج عاجز وإن قام بھا بعضھم اندفع الحرج عن الباقین... لأن فی ترک الإنفاق علیہ ہلاکہ وحفظہ عن ذلک واجب کإنقاذہ من الغرق" (الموسوعۃ الفقہیۃ۳۵،۳۲۴)۔

جس نے سب سے پہلے بچے کو دیکھایا اٹھایا ہے اس کا اولین حق ہے کہ وہ بقدر وسعت اس کی پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت کا انتظام کر ے اور اس کے حق میں اپنے اندر جذبہ خیر پیدا کرے، اگر اس کے پاس بچے کو چھوڑے جا نے میں بچے کے جسمانی وذھنی ودینی نقصان کا اندیشہ ہو محتاجگییا فسق و فجور کے سبب تو اس سے بچہ لے کر کسی ایسے شخص کو دے دیا جائے گا جو اس کا بہتر انتظام کرسکے ''والظاہر أن النزع فیہ واجب کما لو کان الملتقط فاسقا یخشی علیہ منہ الفجور باللقیط فینزع منہ قبیل حد الاشتہاء''(شامی۴،۲۷۰)۔

ح۔ بچے کی خرید و فروخت :

بچے کی خرید و فروخت کی جتنی صورتیں آج رائج ہیں وہ سب حرام اور گناہ عظیم کے باعث ہیں،یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اپنی رضامندی سے خود اپنی ہی اولاد کو فروخت کرتا ہے تو یہ بھی حرام اور نا جا ئز ہے، اس لئے کہ یہ آزاد کی بیع ہے جو متفقہ طور پر ممنوع ہے، حدیث قدسی ہے ، اللہ تعالی فرماتے ہیں: ''ثلاثۃ أ نا خصمہم یوم القِیامۃ رجل أ عطی بی ثم غدر، ورجل باع حرا فأکل ثمنہ، ورجل استاجر أجیرا فاستوفی منہ ولم یعطہ أجرہ" (صحیح بخاری: ۲۲۲۷)۔

(میں قیامت کے دن تین لوگوں کو اپنا فریق بنائوں گا: ایک وہ شخص جس نے میرے ساتھ دھوکہ کا معاملہ کیا، دوسرا وہ شخص جس نے آزاد آدمی کو بیچا اور اس کی کمائی سے اپنے پیٹ کی آگ بجھایا اور تیسرا وہ جس نے کام پر کسی آدمی کو رکھا اور جب اس نے اس کا کا م پورا کر دیا تو اس نے اس کی پوری اجرت نہیں دی)۔

شریعت نے اپنا بیٹایا بیٹی بطور ہدیہ دوسرے کو دینے کی اجازت دی ہے جس پرفقہی کتابوں میں تبنی اور متبنی کے لفظ سے بحث کی گئی ہے ، ظاہر ہے کہ دوسرے کی اولاد کو اپنی اولاد بنا کر رکھنے کی اجازت ہے تو دوسرے کو اپنی اولاد کا دینا اور ہدیہ کر نا بھی درست ہوگا، چوں کہ ایک مسئلہ دوسرے سے جڑا ہوا ہے، رسول اکرم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو اپنا بیٹا بنا لیا تھا، قرآن نے زمانۂ جا ہلیت کے مطابق بیٹے کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کر نے سے منع کیا لیکن متبنی بنانے سے منع نہیں فرمایا اور اس پر سب کا اتفاق ہے ۔

‘‘وأمر من تبنى أحدا لا ينسبه إلى نفسه وإنما ينسبه إلى أبيه إن كان له أب معروف” (الموسوعة الفقهية ۱۰،۱۲۱)۔

البتہ لینے والے پر واجب ہوگا کہ نہ تو عرف میں اس بچے کو اپنی طرف منسوب کرے اور نہ راشن کارڈ یا دیگر کا غذات میں اس کو اپنے بیٹے سے تعبیر کرے اور دینے والے کی بھی ذمہ داری ہے کہ ان تمام چیزوں پر کڑی نظر رکھے ، اولاد کسی کو ہدیہ دے کر بے تعلق ہو جا نا درست نہیں ہے ، اس لئے کہ بچے کی پرورش و پرداخت، تعلیم و تربیت اورا صلاح نفس بنیادی طور پر باپ کی ذمہ داری ہے ، لہذا یہ درست نہیں ہو گا کہ بچہ دے کر اپنے آپ کو لا تعلق کر لے ، ہدیہ کے طور پر بچہ دے دینے سے والدین کا ذمہ سا قط نہیں ہو گا ، دوسرے کو دینے کے بعد بھی ان پر واجب ہو گا کہ وہ ہبہ کردہ بچے پر مشفقانہ نظر رکھیں، اگر لینے والا شخص اس کو غلط مقاصد کے لئے استعمال کر رہا ہے یا اس کی تعلیم و تربیت کاا نتظام نہیں کر تا یا فسق و فجور میں مبتلا ہو سکتا ہے تو ان تمام صورتوں میں والد بچے کو فورا اپنے قبضے میں لے لے ، جسمانی دینییا ذہنی نقصان کے ساتھ کسی کو ہدیہ بھی درست نہ ہوگا ۔پھر کسی کو بچہ حوالہ کر نے کی وجہ صرف غربت اور افلاس ہی نہیں ہے بلکہ اس کی دوسری و جہیں بھی ہو سکتی ہیں ، جیسے خاندان میں کوئی شحص اگر بچہ سے محروم ہے تو تعاون کے طور پر اسے اپنا بچہ حوالے کیا جا سکتا ہے، اسی طرح والدین جس علاقے میں ہوں وہاں تعلیم و تربیت کا بہتر انتظا م نہ ہو یاوہاں کی فضا بچے کی جسمانی نشوو نما کے لئے بہتر نہیں ہے توتعلیم و تربیت اور اچھی نشوونما کی غرض سے دوسرے علاقے میں موجود خاندان کے افراد کو دیا جا سکتا ہے ، اسی طرح غربت وافلاس کی وجہ سے کوئی شخص پر ورش پر قادر نہ

ہو اور دوسرا شخص بچہ لینے پر آمادہ ہو تو اسے بھی دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ لینے والے کی نیت فا سد نہ ہو جیسے گداگری ،مزدوریا گھر کی صفائی ستھرائی اور کام کاج کے لئے لینا، اگر کسی بھی طرح معلوم ہو جائے کہ لینے والے کی نیت صحیح نہیں ہے تو اس کو بچہ حوالہ کرنا درست نہ ہوگا، بچہ ہدیہ دیتے ہوئے کسی عوض کاطے کرنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ ہبہ با لشرط ہے جو حکما بیع ہے اور بچے کی بیع حرام ہے اور اگر عوض کی شرط نہ بھی لگا ئی جائے پھر بھی ہدیہ کے طور پر جو رقم دی جائے گی وہ بھی میرے خیال میندرست نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ حقیقتایہ اس کا عوضہ ہی ہے جس کو ہدیہ کا نام دے دیا گیا ہے، نام بدل دینے سے حقیقت نہیں بدل جاتی ہے، اگر بچہ لینے والا بچے کے والد کی غربت وافلاس پر رحم کھا کر ہدیہ دے رہا ہے تو سوال یہہے کہ یہ غربت تو بچہ لینے سے پہلے بھی تھی، اس وقت کیوں نہیں دیا، بچہ لیتے وقت اچانک یہ محبت اور جذبہ خیر کیونجاگ اٹھا، اس سے معلوم ہو تا ہے کہ یہ دراصل اسی بچہ کا عوض ہے جس کو ہدیہ کے نام سے دیا جا رہا ہے، ہاں البتہ بچہ لیتے وقت ہدیہ نہ دیا جائے، کچھ دن گذر جا نے کے بعد از خود بچہ لینے والا بچے کے والد ین کی غربت پر ترس کھا کر ہدیہ دے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

بچہ کی پرورش و پرداخت کے لئے شریعت نے اولا لو گوں کو کسب معاش کی تا کید کی ہے، سست انسان اللہ کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہے، وہ جو اپنی کما ئی سے خود کھاتا ہے اور دوسروں کی پرورش بھی کرتا ہے، اس کے لئے بڑے اجرو ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اور اگر کوئی شخص نہایت درجے کا مفلس ہو اور اس میں کمانے کی بھی طاقت نہ ہو یا اس کی کمائی زیر تربیت افراد کے نفقے کے لئے کا فی نہ ہو تو زکوۃ وصدقات کے مال سے اخراجات پورے کئے جا سکتے ہیں، حکومت اسلامیہ کو چاہئے کہ وہ ایسے معذور و محتاج افراد کے لئے بیت المال سے و ظائف جا ری کر ے یا کم از کم زکوۃ کے نظام کو متحرک و مستحکم بنائے، اگر مسلم معاشرے میں صرف زکوۃ کا نظام بہتر ہو جا ئے تو ایک انسان کو کبھی بھوکا سونے کی نوبت نہیں آئے گی، اس کے علاوہ جو رفاہی ادارے ہیں ان کوفورا متحرک ہو نا چاہئے اور ایسے افراد پر نظر ر کھتے ہوئے ان کی مدد کی صورت نکالنی چاہئے، اگر کو ئی ایسا ادارہ نہ ہو تو اہل ثروت مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ غربت و محتاج افراد تعاون کرتے ہوئے ہمدردی کا ثبوت دیں، اس طرح با ہمی تعاون سے نہ تو بچہ بیچنے کی نوبت آئے گی اور نہ ہی اس طرح کے گھنائو نے واقعات رونما ہونگے۔

ط ۔ معذور بچوں کا حکم:

بچوں کا نفقہ، علاج و معالجہ اور ان کی مکمل نگہداشت باپ کی ذمہ داری ہے، باپ خواہ مالدار ہو یا غریب حسب استطاعت بچوں کے تمام اخراجات باپ کے ذمہ لازم ہے، اگر بچہ بیمار ہو جائے تو اس کا علاج باپ پر واجب ہے، باپ کے لئے یہ جا ئز نہیں کہ اپنی

اولاد کو بیماری میں مبتلا چھوڑ کر وہ اپنے کا م میں مگن رہے، طاقت کے باو جود اس کے علاج کی کوشش کر ے اور نہ اس کی نگرانی اور دیکھ ریکھ کی طرف تو جہ دے، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فر مایا : کفی بالمرء إثما أن یضیع من یقوت'' (ابودائود) ۔

(انسان کے گنہگار ہونے کے لئے اتنی سی بات کافی ہے کہ وہ ان لوگوں کو ضائع کر دے جن کے نان و نفقہ کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے)۔

ضائع کر نا خواہ نان ونفقہ نہ دینے کی وجہ سے ہو یا بیمار پڑنے کے بعد علاج نہ کر نے کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے، اس سے صاف معلوم ہو تا ہے کہ بچہ کی جسمانییا ذھنی معذوری کی وجہ سے اپنی توجہ کو ان سے ہٹا لینایا خاطر خواہ محبت نہ کرنا جا ئز نہیں،یہ سراسر بچے کے ساتھ ظلم اور نا انصافی ہے ، شریعت نے ماں باپ کو ہر حال میں مکلف بنا یا ہے کہ وہ اپنی اولاد کے ساتھ مشفقانہ بر تائو کریں ،انس و محبت میں کوئی کمی نہ ہو نے دیں، اس محبت اور انس کا تقاضا ہے کہ بچہ اگر اپا ہج یا معذور ہو تو جہاں تک ہو سکے اس کا علاج کرا ئے ، قدرت کے باوجود علاج ترک کرنا ہر گز جا ئز نہیں، علاج و معالجہ کی کوئی حد متعین نہیں کی جا سکتی، بلکہ اس کا تعلق قدرت اور استطاعت سے ہے اور قدرت ہر ایک کی الگ الگ ہو تی ہے ، اس میں مالی قدرت بھی داخل ہے اور دوڑ دھوپ کی بھی ، باپ کے پاس مال ہی نہ ہو یا مال ہو لیکن وہ خود ضعف کا شکار ہو یا خود مریض اور اپاہج ہو اور کوئی ایسا شخص نہیں جو اس کا تعاون کرے، ظاہر ہے کہ ایسے وقت اپاہج اور معذور بچے کا علاج وہ نہیں کر سکتا ، اس صورت مینوہ ما خوذ نہیں ہوگا، ملازمت یا دیگر مصروفیات کی وجہ سے وقت کا نہ ملنا عذر میں داخل نہیں ہے، عام طور پر باپ کسب معاش کرتا ہے اور عورتیں گھر میں رہتی ہیں، باپ کی غیر مو جود گی میں ماں اس کی نگرانی کرے اور جب باپ ڈیوٹی سے واپس آئے تو نگرانی اور دیکھ بھال میں ماں کا ہاتھ بٹائے، وہ بچہ باپ کی شفقت اور ماں کی مامتا دونوں کا محتاج ہے اور دونوں کے اشتراک سے بچے کو راحت مل سکتی ہے ، ماں باپ کی خدمت کی نوعیت الگ الگ ہے جیسے ماں کے ذمہ ہے اس کو کھلانا پلانا ،موافق غذا تیار کرنا، بضرورت تیل و غیرہ مالش کرنا، کپڑے صاف کرنا، نہلانا دھلانا و غیرہ اور باپ کی ذمہ داری ہے علاج کے لئے مختلف ڈاکٹر وں کے پاس لے جا نا، دوا فراہم کرنا، موافق غذا وغیرہ مہیا کرنا، تاہم اگر ماں باپ دونوں ملازم ہوں یا گھر سے اچھی نگہداشت کسی ہا سپٹل میں ہو سکتی ہو تو اس میں بغرض علاج و راحت شریک کیا جاسکتا ہے، جیسے بہت سے شہروں میں ایسے ہا سپٹل کھل گئے ہیں جو خصوصی طورپر معذور و اپاہج بچوں کے لئے ہی ہیں ، بچوں کی راحت رسانی کے لئے وہاں مکمل انتظام ہو تا ہے، بعض ادارے حکومت کی جانب سے مفت خدمت پر مامور ہیں اور بعض میں فیس لی جا تی ہے دونوں جگہ جسب صوابدید شریک کرنا درست ہوگا، مشہور فقہی قواعد ''الأمور بمقاصدها،

الضرورات تبیح المحظورات، الأمر إذا ضاق اتسع" وغیرہ سے اس کی تائید ہوتی ہے، مگر ماں باپ پر یہ لازم ہو گا کہ فرصت ملنے کے ساتھ ہی وہ بچے سے ملاقات اور حالات معلوم کرنے کے لئے ہاسپٹل جا تے رہیں اور اپنے بچے پر مشفقانہ نظر رکھیں، ایسا برتائو ہر گز نہ ہو جس سے اس کی لاتعلقی، بے تو جہی اوربوجھ کا احساس ہو ورنہ یہ اپنے بچے سے فرار متصور ہو گا جوجا ئز نہیں۔

واضح رہے کہ بچے کا جسمانییا ذھنی معذور ہونا اللہ کی طرف سے ایک آزمائش ہوتی ہے جس پر صبر کرنے میں بے پناہ اجرو ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے ، اس لئے ماں باپ کے حق میں ایسا بچہ زحمت ہی نہیں بلکہ رحمت کا پہلو بھی رکھتا ہے ، اس پہلو پر ماں باپ کی نظر رہے تو مصیبت بہت آسان ہو جاتی ہے، ایک روایت میں ہے کہ کسی بندۂ مؤمن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا بلند مقام طے ہوجاتا ہے جس کو وہ اپنے عمل سے نہیں پاسکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو جسمانییا مالی تکلیفیا اولاد کی طرف سے کسی صدمہ اور پریشانی میں مبتلا کردیتا ہے، پھر اس کو صبر کی توفیق دے دیتا ہے، یہاں تک کہ ان مصائب وتکالیف اور ان پر صبر کرنے کی وجہ سے اس کو اس بلند مقام پر پہنچا دیتا ہے جو اس کے لیے پہلے سے طے ہوچکا تھا (مسندِ احمد وابوداؤد)۔

اس مضمون پر مشتمل متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماری، دکھ اور مصیبت انسان کے لیے صرف زحمت ہی نہیں بلکہ رحمت بھی ہے، ظاہری طور پر اگرچہ یہ چیزیں پریشان کن ہوتی ہیں مگر درحقیقت ان کے ذریعہ کسی خیر اور بھلائی کا فیصلہ کیا جاتا ہے، جہاں تک انسان کی نظر نہیں پہنچتی اور وہ جزع فزع میں مشغول ہوجاتا ہے، حالانکہ شریعت نے تاکید کی ہے کہ بندوں کو چاہیے کہ مصیبت کے وقت صبر و تحمل سے کام لیں، بیماری اور دوسری تکلیفوں اور مصیبتوں کو خدائی تنبیہ سمجھتے ہوئے اپنی اصلاح کی فکر اور کوشش میں لگ جائیں،اگر کوئی گناہ یا نافرمانی سرزد ہوئی ہو تو فوراً اس سے توبہ واستغفار کرنا چاہیے۔

بہرحال ماں باپ اپنے معذور اور اپاہچ بچے کو اپنے لئے بوجھ نہ سمجھیں اور انہیں ترچھی نظر وں سے نہ دیکھیں بلکہ محبت و شفقت اور ہمدردی کا مظاہرہ کریں، خدمت اور علاج میں حتی الا مکان کسی طرح کی کو تا ہی سے کام نہ لیں، گھر میں رہتے ہو ئے اس کی بہتر خدمت اور علاج ہوسکتا ہے تو گھر میں رکھنا چا ہئے اور اگر کسی بھی وجہ سے ہاسپٹل میں رکھنا اس کے حق میں بہتر ہو تو رکھا جا سکتا ہے، تاہم والدین کے لئے لا تعلق ہو جانا جا ئز نہیں،یہ سراسر بے رحمی اور ظالمانہ رویہ ہے جس کی قرآن وحدیث میں سخت مذمت آئی ہے ۔

***

بچوں کے حقوق– قرآن وسنت کی روشنی میں

مولاناحافظ کلیم اللہ عمری مدنی•

جواب:الف: شریعت میں حضانت کا اولین حق ماں کو ہے , بچے سن شعو ر (۷سال) کو پہنچنے تک (بلا تفریق لڑکے اورلڑکیاں) ماں کے پاس رہیں گے اورپرورش پائیں گے, البتہ طلاق یا خلع کی صورت میں انہیں سن شعور کو پہنچنے پر اختیار دیا جائے گا کہ وہ ماں باپ میں سے جس کے پاس چاہیں رہیں، انہیں مجبور نہیں کیا جاسکتا، البتہ عورت اگر دوسری شادی کرلے تو حق حضانت ختم ہو جائے گا اور شوہر کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ ان بچونکو اپنے پاس رکھ لے (أنت أحق بہ مالم تنکحی زوجا)(رواہ ابوداؤد: ۲۲۷۶ ، انظر: فتاوی للامام النووی۲۱۵،۱) (مطلقہ کو حق حضانت حاصل ہوگا بشرطیکہ وہ دوسری شادی نہ کرلے)۔

بالفرض بچوں کی ماں کا انتقال ہوجائے یا وہ غلط راہ پر چلنا شروع کرد ے ,بچوں کی پرورش سے انکار کردے یا اس کے حوالہ کرنے میں دینی، تعلیمی، جسمانی، تربیتی پہلو سے نقصان کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں حق حضانت نانی، پرنانی اور اوپرتک یا بچہ کی بہن یا خالہ کے لئے ہوگا، اسی طرح اسلام میں نادار اور مفلس بچوں کی پرورش وکفالت کا نظا م بیت المال سے ہوتاتھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ۱۸ھ میں لاوارث اور گمنام بچوں کے لئے دودھ پلانے اور دیگر مصارف کا انتظام بیت المال سے کیا، چنانچہ ان کے مصارف کے لئے اولا ۱۰۰ درہم سالانہ مقرر فرمایا، پھر سال بہ سال ترقی ہوتی جاتی تھی اور اس طرح یتیموں کی پرورش اور اگر ان کی جائیداد ہوتی تو اس کی حفاظت کا نہایت اہتمام کرتے تھے اور اکثر اس کو تجار ت کے ذریعہ ترقی دیتے تھے (الفاروق، مولانا شبلی نعمانی،۱۹۷)۔

ان بچونکے سارے اخراجات باپ کے ذمہ ہوں گے, اس کی مقدار باپ کی اپنی حیثیت کے مطابق ہوگی, لڑکوں کا نفقہ بلوغ تک باپ کے ذمہ واجب ہے لیکن بچی کا نفقہ اس کی شادی تک باپ کے ذمہ واجب الاداء ہوگا۔

اگر بچہ کو اس کے حوالہ کرنے میں تعلیمی، تربیتی، جسمانییانفسیاتی پہلو سے بچہ کے لئے مضرت کا اندیشہ ہو تو اسلامی بیت المال یا رفاہی اداروں کے ذریعہ ان بچوں کی کفالت وتعلیم وتربیت کا انتظام کرنا ہوگا، تا کہ یہ بچے ضائع نہ ہوں، مثال کے طورپر

• استاذ ومفتی جامعہ دارالسلام، عمرآباد ۔

باپ شرابی،کبابی ہو، بچوں اور بچیوں کا محافظ نہ ہو، یا بچیوں کی ناموس کے ساتھ کھلواڑ کررہا ہو، بچوں کو بلا ضرورت مارتا ہو، یا جسمانییا روحانی اذیت دیتا ہو یا دین کے خطرے میں پڑجانے کا اندیشہ ہو، کسی نصرانی وغیرہ کے حوالہ کرنے پر مصر ہو یا بچوں کو فروخت کرنے کی کوشش کررہا ہو، یا بچوں کی ماں بھی اخلاقی، دینی اعتبار سے گراوٹ کا شکار ہو، یا بد چلن ہو یا قادیانیتیا لا مذہبیت وغیرہ کا شکار ہو تو ایسی صورت حال میں بچوں کے مفاد کی خاطر، تحفظ شریعت کو مقدم رکھتے ہوئے والدین کو حق حضانت سے محروم کیا جاسکتا ہے اور ان بچوں کی کفالت وتربیت اسلامی بیت المال یا اسلامی تحریکات وجمعیات کی سرپرستی میں ہوگی، مذکورہ صورت میں والدین سے پرورش کا حق ساقط ہوجائے گا، تحفظ شریعت کو ہر حال میں ترجیح حاصل ہوگی ۔

بچوں کے حق تعلیم وتربیت کے بارے میں بنیادی ہدایات:

جواب: ب، ١۔ اسلام کی نظر میں تعلیم وتعلم کو بڑی اہمیت ہے، بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ یہ ایک ایسا دین ہے جس سیکھنے اور سکھانے کو لازم اور فرض قرار دیا ہے، تعلیم کی اہمیت کے لئے اتنا کافی ہے کہ قرآن کریم کی پہلی آیتیں جو نازل ہوئیں ہیں، وہ علم سے متعلق ہیہیں۔

مذہب اسلام کی خصوصیات میں سے سب سے اہم خصوصیت تعلیم اور تعلم ہے، پہلی وحی کا آغاز بھی پڑھنے پڑھانے سے ہی متعلق ہے، ارشاد باری تعالی ہے:''اقرأ باسم ربک الذی خلق خلق الإنسان من علق إقرأ وربک الأکرم الذی علم بالقلم، علم الإنسان ما لم یعلم'' (سورہ علق) (پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیداکیا، تو پڑھتا رہ تیرا رب بڑے کرم والا ہے جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتاتھا)۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:''طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم'' (سنن ابن ماجہ: ٢٢٤) (علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر (خواہ مرد ہو یا عورت) فرض ہے)۔

یہ بات تاریخی طورپر ثابت ہے کہ مسلمانوں کے بچے جو مساجد ومدارس کی طرف حصول علم کے لئے رخ کرتے تو وہ مال ودولت صرف نہیں کرتے تھے، بلکہ بعض زمانوں میں حکومت کے خرچ پر وہ علم حاصل کرتے تھے او رعلماء سلف تعلیم کے میدان میں لوگوں کو اجرت ومعاوضہ لینے سے منع بھی کرتے تھے, اس طرح علم عہد نبوت سے ہی ترقی کے منازل طے کرتا رہا۔

اسلامی نقطہ نظر سے بچہ میں شعور پیدا ہو تو اسی وقت سے ایمان کی بنیادی باتیں اور ارکان اسلام سمجھانے کا حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: افتتحوا علی صبیانکم أول کلمۃ بلا إلہ إلا اللہ'' (جامع

الاحادیث للسیوطی۳۹۱۰,) (اپنے بچوں کو سب سے پہلے کلمہ لا الہ الا اللہ سکھاؤ) ۔

بلکہ پیداہونے والے بچہ کے کان میں اذان دینا مسنون ہے , تاکہ سب سے پہلے اس کے کان میں حق وتوحید کی آواز پہنچے اوریہ بھی ارشاد ہوا کہ جب بچہ سات سال کا ہوجائے تو نماز کا حکم دو، اور نماز نہ پڑھنے پر ان کو مارو جب وہ دس سال کے ہوجائیں تو ان کے بستر بھی الگ کردو (سنن ابوداؤد: ۴۹۵، حسن صحیح)۔

حضرت علیؓ نبی کریمﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ اپنے بچوں کو تین باتیں سکھاؤ:اپنے نبی سے محبت، آل بیت سے محبت اور قرآن کریم کی تلاوت، اس لئے کہ قرآن کریم کے حاملین اللہ تعالی کے عرش کے سائے میں انبیاء کرام اور نیک لوگوں کے ساتھ ہونگے، جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا(الجامع الصغیر للسیوطی۱،۵۲ ، ضعفہ الالبانی فی السلسلۃ الضعیفۃ: ۲۱۶۱)۔

بچوں اور بچیوں کو کس قدر دینی وعصری تعلیم دینا ضروری ہے؟

جواب: ب،۲۔ اسلام کا نقطہ نظر علم کے تعلق سے یہ ہے کہ افضل علم علوم شریعت ہیں جن کا حاصل کرنا اولین فریضہ ہے، جیسے توحید اور اس کی تین قسمیں, ارکان ایمان واسلام کی اجمالی تعلیم، تلاوت قرآن کریم، نماز اور اس کے آداب واحکام وغیرہ کا بنیادی علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، نیزیہ علم بھی سکھانا ضروری ہے کہ اللہ تعالی بندوں کے سارے تصرفات سے واقف ہے , وہ علیم وخبیر ہے , اس کے پاس کوئی چیز مخفی نہیں , ذرہ ذرہ کا علم رکھتا ہے , یہ سب دین کی بنیادی باتیں ہیں جن کا سیکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے ,قیامت برحق ہے , حساب وکتاب , جنت وجہنم برحق ہے , بروز قیامت ایمان وعمل صالح کی بنیاد پر ہی کامیابی حاصل ہوگی، ورنہ نافرمانوں کے حق میں عذاب الہی بہت سخت ہوگا,نماز کی پابندی, اس کے شروط وآداب وغیرہ سے واقفیت بھی ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے ۔

اسی طرح ہر وہ علم جو کائنات اور انسانیت کے لئے مفید ہو اس علم کاحاصل کرنا بھی مشروع ہے لیکن فرق مراتب کے ساتھ، علوم شریعت پہلے نمبر پر ہیں اور عصری علوم جن سے اسلام اور انسانیت کا فائدہ مقصود ہو دوسرے نمبر پر، دور حاضر میں عصری علوم کی ضرورت و افادیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا،اعلی تعلیم کا حصول فرض کفایہ ہے، وسائل وذرائع مہیا ہو نتو ضرور تعلیم حاصل کی جائے ورنہ نہیں۔

چوتھی صدی تک عصری اور دینی علوم کی تفریق نہیں تھی، ایک ہی مدرسہ (بغداد)سے امام غزالیؒ وابن حزمؒاور بوعلی سیناؒ وغیرہم فارغ ہوتے تھے، نیز اس امت کی امتیازی شان یہ ہے کہ وہ لوگوں کو نفع پہنچانے کے لئے برپا کی گئی ہے اور امت کی تاریخیہی بتاتی ہے کہ وہ ہمیشہ دوسروں کے لئے نفع بخش ثابت ہوئی اور ان کا ہاتھ ہمیشہ اوپرہی رہا , دنیا والوں نے مسلم قوم کی خدمات وایجادات سے فائدہ اٹھایا ۔

حکومت کی طرف سے بچوں اور بچیوں کے لئے لازمی تعلیم اور مسلمانوں کے لئے اس کی پابندی:

جواب: ۳۔ موجودہ دور تعلیم وتعلم کا دور ہے , ناخواندگی وجہالت کو دور کرنے کے لئے حکومتی سطح سے جو کوششیں ہورہی ہیں وہ مستحسن ہیں، مثال کے طورپر آج کے دور میں۱۲ویں تک کی عصری تعلیم، اسکول کی تعلیم لازمی ہے , دنیا کے ہر میدان میں اتنا علم تو فی الوقت ضروری ہے، لہذا حالات وزمانے کے مطابق مفاد عامہ کی خاطر جو وسائل وذرائع خود حکومتوں کی طرف سے میسر ہیں , اس سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے , خاص کر ہندوستان کے اکثر علاقوں میں مفت تعلیم کا نظم , تعلیم بالغاں کا انتظام، کتابوں اور وسائل واسباب کی فراہمی کے ساتھ علم کے دروازے کھلے ہیں , ان سے ضرور فائدہ اٹھایا جائے۔ اور حکومت کی طرف سے لازمی تعلیم کا قانون قابل عمل ہے , اس کی پابندی بھی مسلمانوں کے لئے ہرحال میں لازم ہے , اس سے پوری طرح مستفید ہونا لازم ہے ,آج کے دور میں کم سے کم بارہویں تک کی تعلیم بچوں اور بچیوں کے حق میں ضروری ہے۔

جنس کی تعلیم اور اسلامی ہدایات:

جواب: ۴۔ اسلام کی نظر میں مربی کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی اولاد کو ایسی باتیں ضرور بتائے جن کا تعلق بلوغت کے بعد کی ہے جیسا کہ علامات بلوغت، احتلام اور اس کے آداب واحکام، جنابت اور اس سے متعلق احکام شریعت، غسل جنابت اور طریقہ وغیرہ جن کا ہر مسلم مردوعورت کو سیکھنا لازم ہے، قرآن کریم میں بے شمار آیات میں انسان کی تخلیق اور اس کے مراحل کا تذکرہ ہے، زنا اور اور اس کی حرمت کا اعلان ہے، شرمگاہ کی حفاظت کو ایمان والوں کی پہچان بتایا ہے، محرمات ابدیہ اور غیر ابدیہ کا تذکرہ، حیض اور احکام حیض، نفاس اور اس کے احکام وغیرہ کے تفصیل شریعت میں موجود ہیں، تاکہ بچے سن شعور کو پہنچنے کے بعد ان حقائق سے واقف ہوں تاکہ عملی زندگی میں بچوں کا فائدہ ہو, یہاں دوباتیں قابل توجہ ہیں:

۱۔ عمر کے ہر حصے سے متعلق احکام کی تعلیم اسی کی مناسبت سے دی جائے اور مربی ہم جنس ہو,لڑکوں کے مسائل اساتذہ حل کریں اور لڑکیوں کے مسائل استانیاں بتائیں۔

۲۔ بچیوں کو جنسی مسائل سکھانے کا کام ماں، خالہ یا کوئی معلمہ ومربیہ انجام دے سکتی ہے، اگریہ صورت ممکن نہ ہو تو ماں کی بجائے کوئی اور عورت ہی انجام دے، اس طرح کے مسائل اختلاط مرد وزن کے ساتھ ہر گز نہ ہو، ڈر ہے کہ مصالح کے مقابلہ میں مفاسد کا غلبہ زیادہ ہوگا۔

نکاح کے بارے میں بچے اور بچیوں کے حقوق :

جواب: ج۔ ارشاد ربانی ہے:''وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ'' (الروم۲۱ :) (اللہ کی نشانیوں مینسے ہے کہ تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے آرام پاؤ، اس نے تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی قائم کردی،یقینا غور وفکر کرنیوالوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں)، مطلب یہ ہے کہ اگر مرد اور عورت کی جنس ایک دوسرے سے مختلف ہوتی تو ان سے وہ سکون کبھی حاصل نہ ہوتا جو ایک ہی جنس ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔

یہ نکاح زوجین کے مابین ایک معاہدہ ہے جس میں ایک طرف سے کفالت اور پرورش کی ذمہ داری ہے تو دوسری طرف سے اطاعت وفرمانبرداری اور یہ نکاح درحقیقت ایک دائمی معاہدہ ہے۔

کم سنی میں نکاح :

قال اللہ تعالی:''وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَاۗىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ'' (سورہ طلاق: ۴) (تمہاری (مطلقہ) عورتیں جو حیض سے ناامید ہوچکی ہوں اگر تم کو (ان کی عدت کے بارے میں) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور جن کو ابھی حیض نہیں آیا ہے (ان کی عدت بھییہی ہے))۔

مذکورہ آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نابالغہ کا نکاح جائز ہے،ورنہ اس کی طلاق اور عدت کا بیان ہی نہ ہوتا، نیز حدیث شریف میں صحیح ترین روایتوں کی روشنی مینیہ ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر ؓ نے حضرت عائشہ ؓ کا نکاح کم سنی میں ہی کیا تھا، اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی، اور نو سال کی عمر میں ان کی رخصتی عمل میں آئی (بخاری،مناقب الانصار، باب تزویج النبی عائشہ، مسلم، باب تزویج الاب البکر الصغیرۃ، انظر التمہید۱۹/۹۸)، شیخ ابن عثیمین ؒ نے فرمایا کہ جس بچی کی عمر نوسال ہو اس کی رضامندی نکاح کے لئے مشروط ہے، یہی رائے شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ کی بھی ہے۔

اس بات پر علماء کا اتفاق رہا ہے کہ لڑکے یا لڑکی کے بلوغ سے قبل ان کا باپ مصلحت راجحہ کے تحت دونوں میں سے کسی کو بھی نکاح پر مجبور کرسکتا ہے، مثال کے طورپر موزوں رشتہ کے چھوٹ جانے کا اندیشہ، ولی کی شدید علالت، معاشی مجبورییا جذبہ خیر خواہی وغیرہ کے تحت ولی کو یہ حق ہے کہ وہ نابالغ بچوں او ربچیوں کا نکاح کرادے۔

امام مالک ؒ اور امام شافعی ؒ اور بعض دوسرے فقہاء کرام کے نزدیک بلوغت کے بعد اس نکاح کو ختم کرنے کا لڑکی کو حق حاصل نہ ہوگا , اور امام ابوحنیفہ ؒ کی رائے یہ ہے کہ نابالغ لڑکی اور لڑکے کا نکاح باپ دادا کردے تو بلوغ کے بعد انہیں اختیار نہ ہوگا , اس لئے کہ ان کی سوجھ بوجھ شفقت ومحبت شک وشبہ سے بالاتر ہے , البتہ عصبات میں سے

کوئی نکاح کردے تو ایسی صورت میں بلوغت کے بعد ان بچوں کو اس نکاح کے باقی رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار باقی رہے گا۔

نکاح کے تعلق سے بچو ں اور بچیونکی رضامندی جاننا آج کے دور میں ضروریہے، ان کی مرضی کے بغیر شادی کرنا یا انہیں مجبور کرنا صحیح نہیں ہے، خصوصا ایسے نکاح (خنساءؓ جو ثیبہ تھی)کو نبی کریمﷺ نے رد فرمایا جس میں شادی کرنے والے کی رغبت نہیں تھی (سنن ابی داؤد: ۲۱۰۱ صحیح)، نیز باکرہ سے بھی اجازت کے ساتھ ہی نکاح کی کاروائی کو آگے بڑھانا چاہیے, ورنہ تجربات شاہد ہیں کہ ایسے نکاح جو بچیوں کی مرضی جانے بغیر کی گئی شادی خانہ آبادی بربادی کے دہانہ پر ہی ٹہری ہے، اللہ حفاظت فرمائے۔

بالغ لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی میں غیر معمولی تاخیر شرعا غیر مناسب ہے، اسلامی تعلیم تو یہ ہے: إذا أتاكم من ترضون دينہ وخلقہ فزوجوہ إلا تفعلوا تكن فتنۃ فی الأرض و فساد عريض " (الجامع الصغير ۱،۵۷) (ایسا شخص جس کی دینداری اور اخلاق سے تم راضی ہو، اس کا پیغام نکاح آئے تو فورا اس کا پیغام قبول کرلو، اگر تم ایسا نہیں کروگے تو زمین میں فتنہ برپا ہوگا اور بڑا فساد قائم ہوگا)۔

مذکورہ حدیث میں مناسب پیغام کے ساتھ نکاح کی تیاری کرنے کا حکم ملتا ہے اور یہ تنبیہ بھی ہے کہ تاخیر کی وجہ سے امت میں فتنوں کے دروازے کھلنے کا شدید اندیشہ بھی ہے، غیر معمولی تاخیر کی وجہ سے بدکاری , اور فحاشی عام ہوتے ہوئے دور حاضرمیں ہم دیکھ بھی رہے ہیں۔

بچہ مزدوری کے بارے میں اسلام کا موقف:

جواب: د، ۱۔ ارشاد باری تعالی ہے:"وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْس اِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ وَالِدَة بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَاسَلَّمْتُمْ مَّآاٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاتَّقُواالله وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ الله بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْر" (البقرۃ: ۲۳۳) (اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائینیہ (حکم) اُس شخص کیلئے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق باپ کے ذمے ہو گا، کسی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی (تو یاد رکھو کہ) نہ تو ماں کو اُس کے بچے کے سبب نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اُس کی اولاد کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے، اور اسی طرح (نان نفقہ) بچے کے وارث کے ذمے ہے اور اگر دونوں (یعنی ماں باپ) آپس کی رضا مندی اور صلاح سے بچے کا دودھ چھڑانا چاہیں تو اُن پر کچھ گناہ نہیں، اور اگر تم اپنی اولاد کو

دودھ پلوانا چاہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ تم دونوں پلانے والیوں کو دستور کے مطابق اُن کا حق جو تم نے دینا طے کیا تھا دیدو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس کو دیکھ رہا ہے)۔

مذکورہ آیت کی روشنی میں بچوں کی کفالت بلوغت تک باپ پر واجب ہے, بچے قابل رحم ہوتے ہیں , ان کی تربیت وتعلیم اور کفالت گھر کے سرپرستوں پر حسب استطاعت واجب ہے , یہاں تک کہ طلاق وخلع کی صورت میں بھی لڑکوں کی کفالت بلوغت اور لڑکیوں کی کفالت شادی تک باپ کے ذمہ واجب الاداء ہے , جب سے بچہ ماں کے کوکھ میں داخل ہوتا ہے، اسی وقت سے اس کی مکمل رعایت اسلام میں ہے، اگر ماں کسی سبب سے دودھ پلانے پر راضی نہ ہوتو کسی اور عورت سے اجرت پر دودھ پلوانے کا تذکرہ بھی مذکورہ آیت میں وارد ہے، باپ پر بچہ کی کفالت یا نان ونفقہ واجب ہے، البتہ باپ کی کوئی خاص مجبوری ہو یا کوئی مرض ہویا فقر وفاقہ کا شکار ہو،یا اس کی وفات ہوجائے تو ایسی صورت میں باپ کے بعد دادا، بھائی، چچا وغیرہ عصبات کی فہرست کے مطابق حسب مراتب ددھیال کے لوگ حق کفالت کے ذمہ دار ہونگے، البتہ حق حضانت میں ماں کے بعد نانی، خالہ وغیرہ کو اولویت حاصل ہے۔

یعنی اسلام بچوں پر شروع سے ہی نہایت مہر بان ہے، اس کی ساری ذمہ داریاں بچوں کے والد یا سرپرست کے ذمہ واجب قرار دیتا ہے، بلوغت سے قبل کمانے کی کوئی ذمہ داری بچوں پر نہیں ڈالتا ہے، ابتداء اسلام میں نادار اور مفلس بچوں کی پرورش وکفالت کا نظا م بیت المال سے ہوتاتھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ۱۸ھ میں لاوارث اور گمنام بچوں کے لئے دودھ پلانے اور دیگر مصارف کا انتظام بیت المال سے کیا تھا، چنانچہ ان کے مصارف کے لئے اولا ۱۰۰ درہم سالانہ مقرر فرمایا، پھر سال بہ سال ترقی ہوتی جاتی تھی اور اس طرح یتیموں کی پرورش اور اگر ان کی جائیداد ہوتی تو اس کی حفاظت کا نہایت اہتمام کرتے تھے اور اکثر اس کو تجار ت کے ذریعہ ترقی دیتے تھے (الفاروق : ۱۹۷)۔

اسلامی تعلیمات میں کم عمری میں کسی بھی قسم کی محنت ومزدوری کی ممانعت کی گئی ہے، جہاد جو اسلام کا ایک اہم رکن ہے، اس کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ وہ بچوں کو اس میں شرکت کی اجازت نہیں دیتے تھے،جب جہاد میں شرکت کی اجازت نہیں دی جاتی تو بچہ مزدوری کی اجازت کیسے ہوگی، لہذا بچوں کا نان نفقہ کا انتظام والدین پر ہے، اگر والدینیہ فرض سرانجام نہیں دے سکتے تو یہ حکومت اور ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان بچوں کو وظیفہ مقررکرے اور تعلیم وتربیت کا معقول بند وبست کرے، نیز حضرت عمرؓ کے عہد میں تمام بچوں کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا گیا تھا جو ان کے والدین کو ادا کیا جاتا تھا، یتیم اور لاوارث بچوں کے لئے

وظیفے کے علاوہ تعلیم وتربیت اور نگہداشت کے لئے الگ انتظام تھا۔

نابالغ بچے اور بچیوں سے گھر کا کام لینے، اپنی معاشی ضروریات پورا کرنے کے لئے مزدوری کرانے یا کوئی پیشہ ورانہ کام سکھانے کے لئے کام پر لگانے کا حکم:

جواب: د،۲۔ والدینیا سرپرست نابالغ بچوں اور بچیوں سے اپنے گھر کے کام کاج (جو ان کی قدرت وبس میں ہو) لینے میں شرعا کوئی قباحت تو نہیں ہے، البتہ نابالغ بچوں کی کفالت یا نان ونفقہ باپ اور سرپرستوں کے ذمہ ہی واجب ہے، معاشی ضروریات بہتر بنانے کے لئے بچوں کو مزدوری پر لگانا درست تونہیں ہے، جیسا کہ حکومت ہند کی جانب سے بھی سخت قوانین نافذ کئے جاتے ہیں کہ ۱۴ سال تک کے بچوں کو کام پر لگانا قانونا جرم ہے، بلوغت سے قبل بچوں کو کسی پیشہ ورانہ کام سکھانے کے لئے لگانا درست نہیں ہے، بچوں کو اس مرحلہ میں تعلیم دلانا ضروری ہے، جب کہ حکومتیں مختلف اسکیم کے تحت بچوں کی تعلیم کو آسان کررہی ہیں، ناخواندگی کو ختم کرنے کی پوری کوششیں کی جارہی ہیں،لہذاایسی صورت مینان اسکیموں سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔

انتہائی غربت اور معاشی بدحالی کی صورت میں نابالغ بچوں کو مزدوری پر لگانا :

جواب: د، ۳۔ ایسی صورت حال میں اسلامی اخوت کے تحت مسلم برادری پر واجب ہے کہ ان ناداروں اور مفلسوں کی مدد کرے، تکافل اجتماعی کی شکل میں ان کی مدد کی جائے، یعنی رفاہی اور دینی جذبے کی تحت ان غریب بچوں کی کفالت کی جائے، ان کی تعلیم کا انتظام کیا جائے، سچی بات تو یہ ہے کہ ایک صالح معاشرہ انسان کے لیے بہت بڑی نعمت ہے، انسان کے چین وسکون اور آرام وراحت میں معاشرے کا بہت اہم رول ہوتا ہے، صالح معاشرے کے ذریعہ انسان کی بہت ساری ضرورتیں پوری ہوسکتی ہیں، اس کی زندہ مثال نبی کریمﷺ کے دور کا اور خلفاء راشدین کا مدنی معاشرہ ہے، جہاں دین کی خاطر سب کچھ قربان کرکے آئے ہوئے، مہاجرین کا دل وجان سے استقبال کیاگیا، رسول اللہ ﷺ جب مہاجرین وانصار کے درمیان بھائی چارگی کرائی تو انصار نے مہاجرین کے ساتھ اپنے حقیقی بھائی کی طرح برتاؤکیا، ان کی ضرورتوں کا پوراپورا خیال رکھا، ان کی اجنبیت کو دور کیا اور ایسی ایثار وقربانی اور لطف وکرم کی مثالینقائم کردیں جن کی نظیر تلاش کرنا ممکن نہیں ہے۔

نبی کریمﷺکا تربیتیافتہ معاشرہ ایک مثالی اسلامی معاشرہ تھا، جس میں افراد کی تربیت اس طرح کی گئی تھی کہ وہ اپنے سے زیادہ دوسروں کے لیے جینے والے بن گئے، دورِ جاہلیت کی ساری بری خصلتوں ، منفی عادتوں اور ظاہری وباطنی عیوب و نقائص سے انہیں اس حد تک پاک کیاگیاتھا کہ وہ پوری دنیا میں سب سے ممتاز اور سب کے لیے مثال بن گئے، نبی کریمﷺنے فرمایا:''مومن معاشرہ ایک عمارت کی مانند ہے، آپ

ﷺ نے اپنی انگلیوں کے درمیا ن دیگر انگلیوں کو داخل کرکے ارشاد فرمایا: عمارت کا ہر حصہ دوسرے حصے کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھتا ہے " (بخاری: ۴۸۱)۔

البتہ بعض خاص حالات میں کوئی مدد کرنے والا نہ ہو، اسلامی بیت المال، صاحب خیر کا تعاون، حکومتی تعاون وغیرہ میسر نہ ہو تو معاشی مجبوری کی وجہ سے بچہ کو کسی مناسب کام پر لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ وہ کام ان کی طاقت سے باہر نہ ہو۔

نابالغ بچے اور جرم وسزا:

جواب: ہ۔ اسلامی شریعت کے اصول کے مطابق قصاص کے قانون میں کسی نابالغ بچہ یا مجنون یا کھوسٹ بوڑھے شخص سے قصاص نہیں لیا جائے گا، ان کے عمد کو بھی خطا پر ہی محمول کیا جائے گا، اس کی علت یہ ہے کہ وہ غیر مکلف ہیں، غیر مکلف پر حدود قصاص نافذ نہیں کیا جاسکتا، ارشاد نبویﷺ ہے یعنی تین افراد سے سے شرعی تکالیف اٹھالی گئی ہیں: بچہ یہاں تک کہ بالغ ہوجائے، سونے والا جاگ جائے، اور مجنون فاقد العقل افاقہ تک پہنچے (سنن ابی داؤد: ۴۴۰۳ صحیح)، البتہ ایسے مجرموں کی سزا حاکم وقت یا عدالت شرعی کی صواب دید کے مطابق تعزیراتیا آداب سکھانے کے لئے مناسب سزائیں دی جاسکتی ہیں۔

امام حمویؒ نے فرمایا: ''الولد یحبس تأدیبا لا عقوبۃ'' (نابالغ بچہ کو قید میں رکھنا ادب سکھانے کی غرض سے ہوگا نہ کہ سزا دینے کے لئے)، نیز بدائع الصنائع میں ہے: ''حبس الأولاد والتلامیذ لیس علی وجہ العقوبۃ لہم لأنہم لیسوا أہلا للتکلیف وإنما ہو علی وجہ التہذیب والاستصلاح لہم" (بدائع الصنائع ۶۴٫۷، نہایۃ المحتاج ۲۱٫۸، المبسوط ۹۱٫۲۰) (طلبہ اور نابالغ بچوں کو قید میں رکھنا بطور سزا نہیں ہے، اس لئے کہ وہ سزا کے لائق نہیں ہیں، بلکہ یہ تادیبی کاروائی ہے)۔

اسلامی آداب میں سے پہلا ادب یہ ہے کہ بچوں کے ساتھ نرمی اور پیارکا طریقہ اپنایاجائے، محبت کی جائے، جیساکہ امام بخاری کی کتاب الأدب المفرد مینیہ روایت موجود ہے کہ نرمی اختیار کرو، اور سختی اور فحش گوئی سے بچو، البتہ خطاکار بچوں کو سزا دینے کے بعض شرائط بھی ہیں، ان کا لحاظ رکھا جائے، اس لئے کہ بعض بچے ذکاوت وسمجھداری میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، بعض بچوں کو ترچھی نگاہوں سے یا غصہ سے کچھ ڈانٹنا بھی کافی ہوجاتا ہے،کبھی سختی کی ضرورت پڑتی ہے، تو ایسی صورت حال میں:

۱۔ مربی کو سزا دینے کے وقت حکم شرعی کو مد نظر رکھنا چاہئے (چہرے پر مت مارو) (سنن ابی داؤد)۔

۲۔مار پیٹ کی ضرورت اس وقت ہو جب کہ ڈانٹ ڈپٹ کے تمام طریقے بروئے کار لائے گئے ہوں اور وہ بے سود ثابت ہوں۔
۳۔غصہ کی حالت میں نہ مارا جائے کہ کہیں جسمانی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔
۴۔ہلکی پھلکی مار معمولی چھڑی سے ماری جائے۔
۵۔دس سال سے کم عمر بچوں کو جسمانی سزا دینے کی اجازت نہ ہوگی۔
۶۔غلطی پہلی بار ہوئی ہوتو تنبیہ کی جائے گی , اصلاح کے نبوی طریقے اپنائے جائیں۔
۷۔عدالتوں کے فیصلوں سے قبل تھانوں کی سزا پر روک لگائی جائے، اس لئے کہ بہت سے ملزم مجرم کی طرح مارے پیٹے جاتے ہیں، بسا اوقات تھانے میں تھانیدار ان ملزموں پر گولی بھی چلاتے ہیں اور ملزم نابالغ عدالت میں لے جانے سے قبل ہی شہید ہوجاتے ہیں۔

البتہ نابالغ بچوں سے (سوال میں مذکور) جرائم سرزدہوں تو ایسی صورت میں قاضییا حاکم اپنی صوابدید کے مطابق سزا تجویز کرینگے، اور یہ سزا بلوغت سے قبل ادب سکھانے کے لئے ہوگی، البتہ بلوغت کے بعد سزا کی نوعیت حدود وتعزیرات کے ضمن میں ہوگی، جمہوری حکومتوں(ہندوستان) میں تقریبا اٹھارہ سال سے قبل کے جرائم کی سزا میں رعایتیں کی جاتی ہیں۔

نوٹ۔ جرائم پرقابو پانے کا اسلامی طریقہیہ ہوگا کہ اخلاقیات کے پہلو پرزوردیا جائے، ترغیبات پر مشتمل طریقوں کی تعلیم عام ہو، سیرت نبویﷺ کے درخشاں پہلووں کو اجاگرکیا جائے، صحابہ اور تابعین کی زندگی سے سبق آموز پہلووں کو ان کے سامنے رکھا جائے، ترغیب وترہیب کے ابواب سے استفادہ ہو۔

نابالغ بچوں کی سرزنش کے لئے جیلیں :

جواب: و۔ جمہوری ممالک کے قوانین الگ ہیں، اسلامی نظام کچھ اور ہیں، پھر بھی ان نابالغ قیدیوں کواتنی ہی سزا دی جاسکتی ہیں جس کے وہ متحمل ہوں، شریعت کا اصول یہ ہے کہ کسی کو اس کی طاقت سے بڑھکر تکلیف نہ دی جائے، (تکلیف مالا یطاق لایجوز)، ان قیدیوں کے ساتھ انسانیت کے پہلوں کو مد نظر رکھ کر ان کے ساتھ معاملہ کیا جائے، انتہائی پرمشقت کام نہ لیا جائے، نمازوں کی پابندی کا موقع دیا جائے، صلہ رحمی سے نہ روکاجائے، ان مجرموں کے ساتھ اخلاقی لحاظ سے بہتر سے بہتر سلوک کیا جائے کہ وہ اخلاق حسنہ سے متاثر ہوکر اپنی اصلاح خود کرلیں۔

قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ ان نابالغ مجرموں کے قید خانے بالغ مجرموں کے قید خانے سے جدا ہونا ضروری ہے کیونکہ قوی احتمال ہے کہ بروں کی صحبت سے نابالغ قیدی متاثر ہونگے،

صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کند

نیز سلف صالحین خصوصا امرد (بے ریش)نوجوانونکی صحبت سے منع کرتے تھے, امام مالک بن انسؒ حدیث کی مجلس میں بے ریش جوانوں کو اجازت نہیں دیتے تھے، امام احمدؒ بے ریش نوجوانوں کی صحبت سے روکتے تھے , خواہ و ہ قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو, لہذا فتنوں کے سد باب کیخاطر نالغ بچوں کے لئے الگ قید خانے کا نظم کیا جائے, تاکہ مختلف قسم کے مفاسد کا روک تھام کیا جائے۔

ان قیدیوں کی عمر او ر ان کی جسمانی حالت کے اعتبارسے مناسب سزا تجویز کی جائے، ہلکی پھلکی مار ماری جائے، چہرہ پرنہ مارا جائے، بدترین سزاؤوں سے اجنتاب کیا جائے، ان سے کام کی نوعیت بھی وہی ہوگی جس کے وہ متحمل ہوں، بچوں کی ذاتیصلاحیتوں کی بنیاد پر صنعت وحرفت کے میدان میں کام آنے والے ہنر، یاتعلیم کے میدان میں ترقی کی راہیں فراہم کی جائیں، اصلاح کے لئے اچھے خیرخواہ مربی کا انتظام ہوجو دین ودنیا کی صحیح تعلیم وتربیت دے سکے، جو بھی طریقہ نرمی کا ہو اسے اپنایا جائے، سختی سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا، ترغیب کے تمام اسالیب نبویﷺ استعمال کئے جائیں، صبح وشام تذکیر وتزکیہ وتربیت کا طریقہ اپنایا جائے، خصوصا مسلم قیدیوں کو قیام اللیل کا پابند بنایا جائے کہ نماز کی بدولت ان کی اصلاح ہوجائے جیساکہ ارشاد باری تعالی ہے:''اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَ لَذِکْرُ اللہ اَکْبَرُ وَاللہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ'' (سورۃ العنکبوت: ۴۵) (اے محمدﷺ!) یہ کتاب جو تمہاری طرف وحی کی گئی ہے اس کو پڑھا کرو اور نماز کے پابند رہو کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بُری باتوں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر بڑا (اچھا کام) ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُسے جانتا ہے)۔

حقیقت مینیہ قید خانے اصلاح خانے ہونے چاہئے، جہاں ایک بگڑے ہوئے انسان کو مکمل انسان بنایا جاسکتاہے،تنہائی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مختلف مربیوں کی خدمات حاصل کی جائیں، دلوں کی صفائی کے لئے کارآمدطریقے اپنائے جائیں، حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے گفتار وکردار کے ذریعہ قید خانہ میں لوگوں کے مابین اپنے حسن اخلاق کے ذریعہ اصلاح کا کام کیا، خوابوں کی تعبیر سنانے سے قبل توحید کاپیغام عام کیا، شرک کی شناعت کو خوب کھو ل کھول کربیان کیا , نیز نبی کریمﷺ کے دور میں قیدخانے کی حیثیت سے مسجد کا استعمال ہوتا تھا, نماز کیپابندی , ضروریات کا خیال رکھاجاتاتھا, اخلاق نبوی سے متاثر ہوکر غیر مسلم قیدی اسلام کے آغوش میں پناہ لینے کے لئے تیار ہوجاتے تھے , مسلمانوں کے کریمانہ سلوک سے مشرف بہ اسلام ہوتے تھے, صحابہ کرامؓ نے خود بھوکے رہ کر اپنے قیدیوں کو کھلایا پلایا تھا , انسان کے کردار سازی میں اخلاق کا بڑا اہم

رول ہوتا ہے , اخلاقیات کا باب روشن ہوتو مخالف اسلام بھی اسلام کا شیدائی بن جاتا ہے , آج کے قید خانے صرف اور صرف تعذیب خانے بن گئے ہیں , جیسے ابو غریب قید خانہ وغیرہ مجرم قید خانے سے باہر آنے کے بعد مزید سرکش بن کر نکلتا ہے , یا ناکارہ بن کر باہر نکلتا ہے , بسا اوقات ملزم کئی سالوں کے بعد بھی جرم ثابت نہ ہونے کی وجہ سے با عزت بری ہوجاتا ہے اور کسی کام کا نہیں ہوتا , دور حاضر میں ایک طرف اخلاقیات کا فقدان ہے تو دوسری طرف جرائم کی بہتات ہے , جرائم کو بعض لوگوں نے پیشہ کے طورپر اپنایا ہے , اعلی سطح پر یہی ذریعۂ معاش بھی ہے , ملکی اور بیرونی سطح پر جرائم کا وسیع جال پھیلا دیا گیا ہے , ضرورت اس بات کی ہے کہ روئے زمین کو ہر قسم کے فسادات سے پاک کیا جائے اور اسے چمنستان بنانے کی بھر پور کوشش کی جائے ۔ واللہ المستعان

بے سہارا بچوں کے لئے تعلیم وتربیت کا نظم اور حکومت کی ذمہ داریاں:

جواب: ز۔ بے سہارا بچوں کی حفاظت، نگہداشت ان کی تعلیم وتربیت حکومت کی اور سماج کی بھی اہم ذمہ داری ہے، یتیم خانوں سے، رفاہی اداروں سے خدمات حاصل کی جائیں، ویلفیرایسوسی ایشن وغیرہ کے ذریعہ ان بچوں کی تربیت کی جائے، اگر ان کی طرف صحیح توجہ نہ دی جائے تو مسئلہ خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔

حکومت کی ذمہ داریوں میں ان بے سہارا بچوں کی پرورش بھی شامل ہے، حکومت ہر اس بچہ کی کفیل ہے جس کا کوئی کفیل نہ ہو، والی نہ ہو، سرپرستی کی ذمہ داری حکومت وقت پر عائد ہوتی ہے، پورے ملک میں ایسے جال بچھایا جائے کہ کوئی بے سہارا سڑک پر بھیک مانگتے ہوئے نظر نہ آئے , اسی طرح سماج کے اہل خیر کی بھی مسؤلیت ہے کہ وہ رفاہی ادارہ قائم کریں،یتیم خانہ بنوائیں، جہاں قیام وطعام کے ساتھ تعلیم وتربیت کا بھرپور نظم ہو،جیساکہ بہت سارے اہل خیر حضرات نے اس سلسلہ میں اوقاف چھوڑی ہیں، سرائے بنوائے، مسافر خانہ بنائے، یہ بھی صدقہ جاریہ ہے، اس پر بھی صاحب دولت وثروت کو متوجہ ہونا چاہیئے، اور صالح معاشرہ وسماج کی ذمہ داری میں شامل ہے، بعض اہم ادارے اس سلسلہ میں کوشاں ہیں، متحرک بھی ہیں، اس کڑی کی توسیع ہونی چاہئے، تاکہ بے سہارا بچوں کی تعلیم وتربیت صحیح طورسے انجام پائے۔

غربت وافلاس کی حالت میں بچوں کو فروخت کرنا:

جواب:ح۔ فقر وفاقہ بھی اللہ کی طرف سے ایک آزمائش ہے، مومن کو ہر طرح کے حالات میں صابر وشاکر رہنا چاہئے، خصوصاوالدین کی انتہادرجہ کی کوشش تویہ ہوکہ خود پرورش کریں، کسی کو اپنا بچہ حوالہ نہ کریں، البتہ جب حالات ناگفتہ بہ ہوں، بچہ کی پرورش کی استطاعت بالکل ہی نہ ہو،والدین کا فقر وفاقہ، یا مرض وغیرہ بچوں کی پرورش میں رکاوٹ ہوتو کسی کو لے پالک بنانے کے لئے خواہشمند لوگوں کو اپنے بچوں

کو بلا معاوضہ حوالہ کرنا درست ہوگا , ویسے تامل نادو حکومت اور دیگر اداروں کی طرف سے ایسے بچوں کی کفالت وغیرہ کا نظم موجود ہے، مجبوری کی صورتوں میں سے ایک صورت بچہ کووقتی طورپر حکومتی اداروں کے حوالہ بھی کیا جاسکتاہے,جب حالات درست ہوں تو والدین بچوں کو اپنی سرپرستی میں دوبارہ لے سکتے ہیں, پھر بھی ان اداروں پر پوری طرح اطمینان کا اظہار نہیں کیا جاسکتا، ماں سے بہتر گود کسی کا ہونہینسکتا، صبر وضبط کے ساتھ ماں باپ قربانی دیں، محنت ومزدوری کریں، اللہ پر بھروسہ رکھیں، تقوی کی زندگی لازم کرلیں، مشکل کشا تو صرف اللہ ہی ہے، اسی سے خیر کی امید رکھیں،یقینا اللہ مسبب الاسباب ہے راہیں ہموار کرے گا، یقین کی کمی نہ ہو تو ضرور ممکن ہے کہ ان معصوموں کی بدولت اللہ تعالی سب کے لئے روزی کے دروازہ کھول دے گاجس راستہ کا انسان تصور بھی نہیں کرسکتا اسی غیبی راہ سے چھپر پھاڑ کرروزی دینے والا وہ قادر مطلق ہے: ''ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً ویرزقہ من حیث لا یحتسب'' (سورہ طلاق: ۲، ۳)، لہذابچوں کو کسی کے حوالہ کرنے کی سوچ نہ آنے دیجائے, اور نہ ہی کسی سے ان بچوں کا معاوضہ لینا کا تصورذہن میں آئے , چونکہ یہ بھی ایک طرف بچہ فروخت کرنے کے مترادف ہی توہے , جب اللہ نے اولاد دی ہے تو ضرور اس کے رزق کا بھی نظم فرمائے گا, یہ بھییاد رہے کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے کہ شیطان ہمیشہ فقر وافلاس کا خوف دلاتے رہتا ہے، اس سے متاثر نہیں ہونا چاہیے، چنانچہ ارشادباری ہے: '' اَلشَّیْطٰنُیَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَاءِ (البقرہ: ۲۶۸) (شیطان تمہیں محتاجی اور فقر وفاقہ سے ڈراتا ہے اور وہ تمہیں برائی کا حکم دیتا)۔

مذکورہ صورت حال میں اسلامی معاشرہ آگے بڑھے, شریعت میں تکافل اجتماعی کی جو شکلیں موجود ہیں , ایک دوسرے کی ہمدردری، خیرخواہی، غم خواری، باہمی تعاون کا جذبہ، صلہ رحمی، صدقہ وخیرات کی اہمیت اجاگرکرنا، ایثار کے سبق کو عام کرنا وغیرہیہ صورتیں ہیں جو غربت وافلاس کے خاتمہ کے لئے معاون ثابت ہوں گی, ان شاء اللہ

ذہنییا جسمانی طورپر معذور بچوں کے علاج ونگہداشت کا مسئلہ:

جواب: ط ۔ معذور بچوں کا وجود یقینا اللہ کی طرف سے ایک آزمائش ہے، والدین کی ذمہ داری میں ان کا خیال رکھنا , دیکھ بھال کرنا ,حتی المقدور علاج ومعالجہ کی پوری کوشش کرنا، اللہ کی حکمت و مصلحت سمجھ کر اللہ کے فیصلے سے راضی رہ کر اسی سے اجر وثواب پانے کی امید میں تا حیات پرورش کرنا، والدین کا حق ہے، اس سے راہ فرار اختیار کرنا، کسی ہسپتال یا اداروں کا حوالہ کرنا شرعا واخلاقا اور عقلا درست نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں کسی قسم کی ادنی کوتاہی، حیلہ سازییقینا جرم عظیم ہوگا، اللہ تعالی

کے پاس جواب دینا ہوگا، مومن ہر حال میں اللہ کا صابر وشاکر بندہ بن کرزندگی گذارے، شریعت پر عمل کی صورت میں اللہ تعالی ہر مسئلہ کو آسان بنا دے گا، وقتی مسائل زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ بدل جائیں گے، اس قسم کے خیال، سوچ اور فکر مادی دور کے پیداوار ہیں، آج اخلاقیات کا فقدان عام ہے، مادی دوڑ میں سبقت لے جانے کی کوشش میں انسان ان معذوروں سے راہ فرار اختیار کرنا چاہتا ہے، معذور بچوں کا حتی المقدور خدمت کرنا، آخری سانس تک ان کا ساتھ دینا والدین سرپرست، قریبی رشتہ داروں، اور ذمہ داروں کی ذمہ داریوں میں شامل ہے، نبی کریمﷺ کا فرمان ہمیشہ سرآنکھوں پر رہے، ''ہل تنصرون وترزقون إلا بضعفائكم'' (رواہ البخاری: ۲۷۳۹) (تمہاری مدد اور روزی کا انتظام تمہارے اپنے ضعیفوں، معذورں کی بدولت ہی کی جاتیہے)، لہذا ان قرآنی آیات واحادیث شریفہ پر یقین کامل ہوتو ضرور اللہ تعالی کی مدد شامل حال ہوگی، ان شاء اللہ۔

وصلی اللہ علی سیدنا محمد وبارک وسلم، والحمد للہ رب العالمین۔

***

موجودہ حالات میں بچوں کے حقوق اور آداب

مولانا محمد عمران ندوی•

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین، أما بعد!

تربیت اولاد کو اسلام نے جو اہمیت دی ہے اس کااندازہ ان نصوص سے ہوتا ہے جو اس کے متعلق وارد ہیں، کلام پاک میں ارشاد باری تعالی ہے:

''یا أیہا الذین آمنوا قوا أنفسکم وأہلیکم ناراً'' (التحریم: ۶) (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو آگ سے بچاؤ)، اسی طرح دوسری جگہ ارشاد باری تعالی ہے: ''وأمر أہلک بالصلاۃ واصطبر علیہا'' (طہ: ۱۳۲) (اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور خود بھی اس کی پابندی کریں)۔

اسی طرح حدیث پاک میں بچے کی تربیت کو والد کی طرف سے دیئے جانے والے عطیات میں سب سے افضل عطیہ قرار دیا گیا ہے، ''وعن أیوب بن موسی عن أبیہ عن جدہ عن النبیﷺ قال: ما نحل والد ولداً من نحل أفضل من أدب حسن'' (رواہ الترمذی) ۔

(حضرت ایوب بن موسیؒ اپنے باپ دادا کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی والد نے کسی بچے کو اچھے ادب سے زیادہ اچھا عطیہ نہیں دیا)۔

علماء کرام نے تو تربیت اولاد کے عنوان سے مستقل باب قائم کرکے اس کے متعلق احادیث کو جمع کیا، ان تمام نصوص سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام نے اپنے پیروؤں کی توجہ تربیت اولاد کی طرف خاص سے مبذول کرائی ہے، اوربچیوں کی پرورش اور تربیت پرتو آپ نے جنت میں اپنی رفاقت کی بشارت بھی دی ہے، یہاں تک کہ باندی اور غلام کی تربیت کرنے اور تہذیب سکھانے پر دوہرے اجر کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔

بچوں کے حق پرورش کے سلسلہ میں اسلام کی بنیادی ہدایات:

۱۔ بچوں کے حق پرورش کے سلسلہ میں اسلام کی بنیادی ہدایاتیہ ہیں کہ بچے کی پرورش، تعلیم وتربیت اس طریقہ سے کی جائے کہ وہ ضائع اور برباد نہ ہونے پائیں، لہذا بچے جب تک اپنی ضروریات سے خود فارغ نہ ہونے لگیں اس وقت تک ماں کے پاس رہینگے، بعض فقہاء کرام نے اس کی مدت سات سال رکھی ہے اور بعض حضرات نے

• مہتمم جامعہ اسلامیہ انوار العلوم، اورنگ آباد۔

استنجاء وغیرہ سے فراغت کی بات کہی ہے، حق حضانت میں ماں کو حق تقدم حاصل ہے، اس کے بعد ترتیب وار نانی دادی، بہن، خالہ، پھوپھی وغیرہ ہیں، جیسا کہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

''والأم والجدة أحق بالغلام حتییأکل وحدہ ویشرب وحدہ ویلبس وحدہ ویستنجی وحدہ والخصاف، قدر الاستنجاء لسبع سنین اعتباراً للغالب والأم والجدة أحق بالجاریۃ حتی تحیض'' (ہدایہ۲،۴۳۵)۔

پھر جب بچہ اپنی ضروریات سے فراغت میں خود کفیل ہوجائے تو اس کو والد کے پاس لایا جائے گا اور والد اس کے تعلیم وتربیت کا انتظام کرے گا اور مردوں والے اوصاف اس کو سکھائے گا اور جب بچہ بالغ ہوجائے گا تو اس کو اختیار ہوگا، چاہے تو والد کے پاس رہے یا چاہے تو والدہ کے پاس او ربچی کے متعلق یہ احکام ہیں کہ وہ بالغ ہونے تک ماں نانی دادی وغیرہ کے پاس رہے گی اور بالغ ہونے کے بعد وہ والد کے پاس لائی جائے گی تاکہ وہ اس کو تحفظ فراہم کرے اور اس کی شادی کرے۔

اسلام میں بچونکے حق تعلیم وتربیت کے بارے میں بنیادی ہدایات:

۲، الف۔ کلام پاک میں اللہ رب العزت کا پاک ارشاد ہے: ''یا أیہا الذین آمنوا قوا أنفسکم وأہلیکم ناراً'' (التحریم: ۶) (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ)، ''وأمر أہلک بالصلاۃ واصطبر علیہا'' (طہ: ۱۳۲) (اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور خود بھی اس کا اہتمام کریں)، ''وکان یأمر أہلہ بالصلاۃ والزکوۃ وکان عند ربہ مرضیاً'' (مریم: ۵۵) (وہ (اسماعیل) اپنے متعلقین کو نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے کا حکم کرتے رہتے تھے اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے)، اسی طرح احادیث میں اولاد کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔

حدیث پاک میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''عن عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ ﷺ: مروا أولادکم بالصلاۃ وہم أبناء سبع واضربوہم علیہا وہم أبناء عشر وفرقوا بینہم فی المضاجع'' (جامع الاصول۵،۸۷، رقم الحدیث: ۳۲۴۳) (آپ ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوجائیں اور جب دس سال کے ہوجائیں تو نماز چھوڑنے پر ان کو مارو اور ان کے بستر الگ کردو)۔

ان نصوص سے واضح طور سے دین کے فرائض اور اچھے اخلاق کی تعلیم دینے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے اور ساتھ مینیہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علم سے مراد کون سی چیزیں ہیں۔

۲، ب۔ ضروری تعلیم کی مقدار یہ ہے کہ قرآن کریم صحیح طریقہ سے پڑھایا

جائے، عقائد اسلام کی تعلیم اس طرح دی جائے کہ ہر ہر عقیدہ پر بچوں کو پختہ یقین حاصل ہوجائے، نماز کے پورے مسائل ، روزہ، زکوۃ، حج کے پورے پورے مسائل اور جس طریقۂ کسب معاش میں اس کو لگانے کا ارادہ ہو اس کے مسائل شرعیہ، ماں باپ، بیوی اور متعلقین کے حقوق کی تعلیم وغیرہ۔

دوسری چیز ادب اور تہذیب سکھائی جائے، ادب اور تہذیب سے مراد موجودہ زمانہ کی بدتمیزیاں نہیں ہیں بلکہ اسلامی تعلیم کے مطابق لوگوں سے ملنا جلنا، بات کرنا، بڑوں کا ادب کرنا، چھوٹوں پر شفقت کرنا، اسلامی لباس پہننا، اسلامی طریقہ پر کھانا پینا، برے اخلاق مثلاً جھوٹ، غیبت، چوری وغیرہ سے بچوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرنا وغیرہ۔

عصری تعلیم سے مراد انگریزی تعلیم نہیں ہے، جس میں سینکڑوں روپیہ کا خرچ بیچارے غریب باپ پر لازم ہوجائے، انگریزی تعلیم دلانا اولاد کو جائز مقصد کے لئے تو جائز ہے مگر واجب اور ضروری نہیں، البتہ جو لوگ اپنے لڑکوں کو انگریزی تعلیم زیادہ سے زیادہ دلارہے ہیں وہ دوباتوں پر ضرور غور کرلیں: ایکیہ کہ انگریزی تعلیم اس طرح دلائیں کہ غیر اسلامی ماحول اور کافرانہ تہذیب وتمدن کا زہریلا اثر بچوں کے دماغ اور اوضاع واطوار کو خراب نہ کردے۔ اگر اس کا خیال نہ رکھا گیا تو اس زہریلے اثر سے بچے جس قدر بداعمالیوں کا ارتکاب کرینگے اس کے ذمہ داروالدین بھی ٹھہرینگے۔

عصری تعلیم سے مراد عام طور سے ریاضی، سائنس، تاریخ، جغرافیہ وغیرہ کے مضامین مراد لیے جاتے ہیں، ان مضامین سے کم سے کم اتنی واقفیت ضروری ہوا کرتی ہے کہ اپنے ضرورت بھر کا حساب کتاب کرلے، مادری زبان کے علاوہ ایک ملکی زبان میں لکھنے پڑھنے پر قدرت رکھتا ہو، اور ان مضامین سے اتنی واقفیت ہو کہ زمانے کو سمجھ سکے، اس لئے کہ فقہاء کرام کا مشہور قول ہے: ‘‘من جہل بأہل زمانہ فہو جاہل’’ (رسم المفتی) (جو اپنے زمانہ سے ناواقف ہو وہ جاہل ہے)۔

علماء کرام اور مفتیان کرام کی ذمہ داریوں میں سب سے اہم ذمہ داری لوگوں کی رہنمائی کا ہے اور جو مفتییا عالم زمانہ کے لوگوں اور ان کے حالات اور معاملات سے واقف نہ ہو تو وہ رہنمائی کا فریضہ کیسے ادا کرے گا۔

عصری اور دینی تعلیم کے متعلق احقر اپنی ایک رائے اہل علم حضرات کے سامنے پیش کرنے کی جسارت کرتا ہے، وہ یہ کہ تعلیم کو عصری اور دینی عنوان سے تقسیم کرنے کے نتائج آج کل بالکل واضح ہوکر سامنے آچکے ہیں، ایک طرف ہمارے بہت سے عصری درسگاہوں کے طلبہ ہیں جن کو اپنے نبی کا نام نہیں معلوم چہ جائیکہ پیدائش اور مقام پیدائش اور مقام ہجرت، دوسری طرف دینی درسگاہوں سے فارغ ہونے والے مفتیا ن کرام ہیں جن میں اکثر کو ریاضی سے اتنی واقفیت نہیں ہوتی ہے کہ میراث کا مال تقسیم کرسکیں، حالانکہ علم الفرائض کو آپﷺ نے خاص طور پر اہمیت دی ہے او راس کو

سیکھنے پر آمادہ کیا ہے، اور اس کو آدھا علم بھی کہا گیا ہے۔ دونوں صورتحال بڑی افسوس ناک ہے، عصریطلبہ کو دین کی بنیادی تعلیمات نہایت ضروری ہیں، اسی طرح دینی درسگاہوں کے طلبہ کے لئے عصری علوم سے واقفیت بھی ضروری ہے اور دونوں درسگاہوں کے نصاب اتنے زیادہ ہیں کہ مزید کسی کتاب کی کوئی گنجائش نہیں، لہذا دونوں نصابوں کو تمام لوازمات کے ساتھ ضم کرنا ممکن نہیں ہے، البتہ دونوں کے ماہرین بیٹھ کر یہ طے کردے کہ عصری علوم کے کون سے مضامین بنیادی ہیں اور کون سے زائد، اسی طرح دینی علوم میں کون سے مضامین بنیادی حیثیت کے حامل ہیں او رکون سے زائد، دونوں میں سے کچھ تخفیف کرلی جاتی اور پھر دونوں کو ضم کرکے ایسا نصاب مرتب کردیا جاتا کہ دسویں تک تمام طلبہ ایک ساتھ پڑھتے اور دسویں کے بعد جس طرح کچھ بچے سائنس سے، کچھ کامرس سے، کچھ آرٹس سے پڑھنے کا پہلا فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ عصری شعبوں میں جانے والے طلبہ بھی دین کی بنیادی معلومات سے ناواقف نہ رہتے اور دینی شعبوں میں لگنے والے طلبہ بھی عصری تعلیم کی بنیادی تعلیم سے نابلد نہ رہ جاتے۔

اور دوسرا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں طبقوں کے درمیان کمیونیکیشن گیپ (Communication Gap) نہ ہوتا، آج تو اتنا خلا ہوگیا ہے کہ دینی درسگاہ سے فارغ شدہ حضرات کی زبان بڑی مشکل سے عصری تعلیم گاہوں سے فارغ لوگ سمجھ پاتے ہیں، اس طرح یہ دونوں طبقے ایک دوسرے سے دن بدن دور ہوتے چلے جارہے ہیں جو مناسب نہیں ہے۔

حکومت کی طرف سے ایک سطح تک کی تعلیم کو بچوں اور بچیوں کے لئے لازم قرار دینا:

۳۔ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے احقر دوچار باتیں عرض کرنا ضروری سمجھتا ہے، سب سے پہلی بات یہ عرض کرنی ہے کہ موجودہ تعلیمی نظام اور نصاب (Education System & Sylabus) کس نے بنایا ہے اور کیوں بنایا ہے، کیایہ تعلیمی نظام ونصاب واقعی بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کے لئے بنایا گیا ہے یا کسی اور مقصد کے لئے، آئیے ذرا تاریخ کے اوراق کو پلٹتے ہیں اور صلیبی جنگوں کے زمانے میں چلتے ہیں۔

صلیبی جنگوں کے دوران مغربی دنیا کو یہ تجربہ ہوا کہ مسلمانوں کا شیرازہ خواہ کتنا ہی منتشر ہو او ران کے باہمی اختلافات ونزاعات کتنے ہی سنگین ہوں، لیکن جب ان کے مشترک دشمن کی طرف سے جنگ مسلط کی جاتی ہے تو وہ متحد ہوجاتے ہیں، ان کی ایمانی غیرت وحمیت بھڑک اٹھتی ہے اور خدا کے راستے میں شہید ہوجانے کا شوق وجذبہ ان کے دلوں میں موجزن ہوجاتا ہے، چنانچہ مغربی دنیا کے رہنماؤں نے اس ایمانی طاقت وقوت کی رگوں کو کاٹنے اور ا س کے سرچشموں اور سوتوں کو خشک کرنے کے لئے

تعلیم وتربیت کا طریقہ اختیار کیا، ایسے ہی تعلیمی نظام سے بے راہ روی پھیل رہی ہے اور نوجوان سندیافتہ ہونے کے باوجود بے کردار اور غیر مہذب نظر آتے ہینیعنی ان کے اندر اخلاق کی وہ روشنی نہیں پیدا ہورہی جس کی ایک تعلیمیافتہ انسان سے توقع کی جانی چاہئے تھی،طلبہ تعلیم گاہوں سے ایسے حیوان بن کر نکلتے ہیں جن کو دوسروں کی کوئی فکر نہیں، لغزش اور گناہوں کے تمام تصور سے عاری جائز اور ناجائز طریقہ سے دولت جمع کرنے کی ہوس، مزاج تعمیر سے کہیں زیادہ تخریبیت، اور تشدد کا گرویدہ ، یہ نہ اچھے شہری ہیں اور نہ ہی اچھے انسان، او ریہ سب تعلیم کے نام پر کرنا نہایت آسان معلوم ہوا۔

چنانچہ مغربی دنیا نے اسکولوں، کالجوں اور تعلیمی اداروں کا ایک جال پھیلا دیا، اس کے لئے انہوننے ایک خاص نصاب تعلیم تیار کیا، جس میں ایسے مضامین شامل کئے گئے جس سے تعلیم حاصل کرنے والے مسلم طلبہ اپنی روشن تاریخ اور شاندار ماضی کی طرف سے بدگمان ہوں اور اس کی طرف ذلت وحقارت آمیز نگاہوں سے دیکھیں۔ اور اسلامی تشخص کے اہم عناصر سے محروم ہوجائیں، اس نظام تعلیم وتربیت کے اثر سے ان کے قلب، نظر اور ذہن ودماغ میں فساد پیدا ہو، ان کی عقلیں مغرب اور مغربی تہذیب ومدنیت کی چمک دمک سے مسحور ومرعوب ہوں، وہ اس کے گرویدہ اور رسیا بن جائیں، اور پھر تعلیم سے فراغت کے بعد مغرب ان کو اپنے سامراجی منصوبوں کی تکمیل کے لئے استعما ل کرے یا پھر اپنے ملک اور معاشرہ میں مکمل طور پر ان کو ضم کرلے اور وہ اپنے معاشرہ سے الگ تھلگ ہوجائیں، مغربی دنیا کا تیار کردہ نظام تعلیم وتربیت ایسی کتب پر مشتمل ہے جن میں اسلام اور اسلامی عہد پر حملہ کیا گیا ہے۔

بقول حضرت مولانا علی میاںؒ: ایسا تعلیمی نظام جس کی بنیاد میں دین وشریعت سے بغاوت ہو اس کو شرعاً کیسے لازم کیا جاسکتا ہے ، لازم کرنا تو دور کی بات ہے احقر تو پڑھنے اور پڑھانے کا روادار نہیں۔

بچوں کے لئے جنس کی تعلیم:

۴۔ جنسیات کے متعلق اسلام کی بنیادی ہدایات حیا اور عفت ہیں، جنسی عمل ایک فطری تقاضا ہے اور فطرت نے اس کو پورا کرنے کا فطری طریقہ اور فطری محل بھی بنایا ہے۔

اسلامی ہدایات کے مطابق جنسی خواہشات کی تکمیل کا محل صرف بیوی اور باندی ہے، جو ان دومحل سے تجاوز کرے گا وہ اللہ کے مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنے والا شمار ہوگا، اور زانی کہلائے گا جس کے متعلق احکام خداوندی ہے: ‘‘ولا تقربوا الزنا إنہ کان فاحشۃ وساء سبیلاً’’ (بنی اسرائیل: ۳۲) (او رپاس نہ جاؤ زنا کے، وہ ہے بے حیائی اور بری راہ ہے)، او راس کی سزا شریعت میں رجم یاپھر سوکوڑے متعین ہے، جنسی

خواہشات کی تکمیل میں شریعت بے راہ روی کو گوارا نہیں کرتی ہے اور عورت اور مرد دونوں کو نکاح کے بعد ہی کسی طرح کے تعلقات قائم کرنے کی اجازت دیتی ہے، اور دونوں کو ایک دوسرے کا وفادار بن کر رہنے کو لازم قرار دیتی ہے، اور دونوں کے تعلقات کی نوعیت کو ''ہن لباس لکم وأنتم لباس لہن'' (وہ تمہارے لئے بمنزلہ لباس ہیں او رتم ان کے لئے بمنزلہ لباس ہو) سے واضح کرتی ہے، جس طرح لباس انسان کی ستر پوشی کرتا ہے اسی طرح عورت مرد کے لئے ستر پوش ہے اور مرد عورت کے لئے ستر پوش ہے۔

دوسری چیز جو بنیادی حیثیت کی حامل ہے وہ حیا ہے، اسلام جائز محل میں بھی جنسی خواہشات کی تکمیل میں بے حیائی کو پسند نہیں کرتا ہے اور اس کو خلوت کا فعل قرار دیتا ہے، او راس میں اتنی سختی کرتا ہے کہ بچوں کے سامنے ان چیزوں کا اظہار بھی معیوب سمجھتا ہے، چہ جائیکہ عوامی جگہوں، سواریوں، سڑکوں اور تعلیمی اداروں میں۔

اگر جنسی تعلیم کے عنوان سے حیا اور عفت کی تعلیم دینی مراد ہو اور جنسی تعلق کا جائز محل اور صحیح مصرف بتانا مقصود ہو تو مبارک ہے یہ قدم اور اگر اس عنوان سے بے حیائی اور بدچلنی کو فروغ دینا ہو اور طلبہ کو جنسی آوارگی پر ابھارنا اور اکسانا ہو اور ان کی تولیدی صلاحیت کو وقت سے پہلے استعمال کراکے نسل انسانی کی جڑ کاٹنی ہے تو ایسے علم کو علم کہنا لفظ علم کی صرف توہین نہیں بلکہ ظلم عظیم ہے۔

مخلوط تعلیم نے تعلیمی اداروں کا جو حال کررکھا ہے وہ کسی عقلمند سے مخفی نہیںK.G سے لے کر P.G تک کے طلبہ کا جائزہ لیا جائے تو بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ تعلیم کا معیار کہاں سے کہاں گیا،Co-education کے نام پر بچوں کو کن سرگرمیوں میں لگادیاگیا ہے، وہ کسی صاحب بصیرت سے مخفی نہیں ہے، ایسے حالات میں اگر جنسی تعلیم کے نام سے ایکSubject (مضمون) کا اور اضافہ کردیا جائے تو پھر گویا بارود کو آگ لگانا ہوگا، ابھی تک تو ہمارے دانش ور حضرات مخلوط تعلیم کا ہی رونا روہے تھے کہ ایک دھماکہ جنسی تعلیم کے عنوان سے کردیا گیا۔

مرد وزن کے اختلاط نے تعلیمی اداروں کو جہاں لاکر کھڑا کردیا ہے اور تعلیم کو جس انحطاط سے دوچار کردیا ہے کہ اب تو ان تعلیمی اداروں کے افادیت پر سوالیہ نشان لگنے شروع ہوگئے ہیں اور تھوڑی موڑی کسر رہ گئی ہے تو اس کو جنسی تعلیم کے عنوان سے پورا کرلیا جائے گا اور تعلیمیافتہ حضرات کی ایسی کھیپ نکلے گی جن کو دیکھ کر حیوان بھی شرمائینگے۔

نکاح کے بارے میں بچے اور بچیوں کے حقوق کے متعلق اسلامی ہدایات:

۵۔ اولاد کے بالغ ہونے کے بعد ان کی شادی کرنا والدین کی ذمہ داریوں میں سے

ایک اہم ذمہ داری ہے، اور شرعی حکم تویہی ہے کہ اولاد کے بالغ ہوتے ہی اس کا نکاح کردیا جائے، اور اگر وقت پر نکاح نہیں کیا گیا او راولاد کوئی برائی کرتی ہے تو اس کا وبال والدین پر ہی آئے گا جیسا کہ احادیث مبارکہ میں آپﷺ کا پاک ارشاد وارد ہوا ہے:

*''عن أبی سعید وابن عباس قالا قال رسول اللہﷺ: من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وأدبہ فإذا بلغ فلیزوجہ فإن بلغ ولم یزوجہ فأصاب إثما فإنما إثمہ علی أبیہ'' (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، مشکوۃ: ۲۷۱)۔

* ''وعن عمر بن الخطاب وأنس بن مالک عن رسول اللہﷺ قال فی التوراۃ مکتوب من بلغت ابنتہ اثنتی عشرۃ سنۃ ولم یزوجہا فأصابت إثماً فإثم ذلک علیہ'' (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، مشکوۃ: ۲۷۱) (آپﷺ نے ارشاد فرمایا: توراۃ میں لکھا ہے: جس کی بچی بارہ سال کی ہوگئی اور اس نے اس بچی کی شادی نہیں کی اور اس بچی نے کسی قسم کی برائی کا ارتکاب کرلیا تو اس کا گناہ اس کے والد کے سر ہوگا)۔

دوسری بات: بچوں کا رشتہ طے کرتے وقت ان کی رضامندی ضروری ہوگی، ان کی مرضی کے بغیر ان پر اپنی مرضی تھوپنا جائز نہیں ہوگا اور اگر رشتہ تھوپ بھی دیا گیا تو بچوں کو اس کے قبول کرنے نہ کرنے کا اختیار ہوگا، جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے:

''وعن خنساء بنت حذام أن أباہا زوجہا وہی ثیب فکرہت ذلک فأتت رسول اللہﷺ فرد نکاحہا''رواہ البخاری وفی روایۃ ابن ماجۃ ''نکاح أبیہا'' (مشکوۃ: ۲۷۰) (حضرت خنساء بنت حذام سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کی شادی کردی اور ان کو ناپسند ہوا اور یہ ثیبہ تھیں، تو آپﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور پوری بات بتائی تو آپﷺ نے ان کا نکاح رد کردیا،یہ تو بخاری کی روایت ہے اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ ان کے والد کا کیا ہوا نکاح رد کردیا)۔

اسی طرح بچوں کو اس بات کا پابند کیاگیا ہے کہ وہ اولیاء کے ذریعہ ہی سے اپنے نکاح کی کاروائی کرائیں تاکہ ان کی طرف بے حیائی منسوب نہ ہو، اس کے متعلق حدیث پاک میں بڑی ڈانٹ آئی ہے:

''عن عائشۃ أن رسول اللہﷺ قال أیما امرأۃ نکحت نفسہا بغیر إذن ولیہا فنکاحہا باطل فنکاحہا باطل فنکاحہا باطل'' رواہ الترمذی (مشکوۃ: ۲۷۱) (آپﷺ نے ارشاد فرمایا جو عورت اپنا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر کرلے تو اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے)۔

اب اپنییہ بات کہ بعض برادریوں میں بہت کم عمری میں نکاح کردیا جاتا ہے تو وہ

صرف نکاح ہوتا ہے، رخصتی نہیں ہوتی ہے، رخصتی کی رسم تو بلوغ کے بعد ہی ادا کی جاتی ہے اور اس کا رواج بھی اب کم ہوتا جارہا ہے، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد یہ کم عمری کیشادی کی رسم خود بخود ختم ہوجائے گی، اسلامی تعلیمات میں تو کم عمری کی شادی درست ہے اور فقہاء احناف کے یہاں اس کی باقاعدہ ضرورت بیان فرمائی گئی ہے، صاحب ہدایہ رقم طراز ہیں:

''لأن النکاح یتضمن المصالح ولا تتوفر إلا بین المتکافیین عادةً ولا یتفق الکفو کل زمان فأثبتنا الولایة فی حالة الصغر إحرازاً للکفو'' (ہدایہ۲،۳۱۶)(اس لئے کہ نکاح بہت سے مصالح کو متضمن ہوتا ہے اور عام طور سے تمام مصالح مکمل طور سے اسی وقت حاصل ہوسکتے ہیں جب دونوں میں برابری اور ہم آہنگی ہو اور اس طرح کے رشتہ ہر دم دستیاب نہیں رہتے، اسی وجہ سے ہم بچپن کے زمانے میں ولایت ثابت کی ہے)، کم عمری کی شادی نہ تو پہلے بری تھی اور نہ اب بری رسم ہے، بلکہ اس کو لوگوں کے سامنے برا بنا کر پیش کیا گیا ہے، مقاصد کیا ہیں اس کویہاں بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

لیکن حالات اور ماحول کو دیکھتے ہوئے احقر کی رائے یہ ہے کہ کم عمری میں شادی کرنے کے جو مضر اثرات بتائے جارہے ہیں وہ بہت کم ہیں، اس نقصان کے مقابلے جو کم عمری میں شادی نہ کرنے سے واقع ہورہے ہیں، اس لئے کہ جاہلوں اور تعلیمی اداروں سے دور بچوں کی تو بات کیا کیا جائے، اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں کا جو ماحول ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، طلبہ کی تمام کوششوں اور سرگرمیوں کا محور طالبات ہیں اور یہی حال تقریباً طالبات کا بھی ہے، تعلیم وتعلم سے کچھ لینا دینا نہیں سوائے چند کے، اور شریعت اسلامی اس قسم کی سرگرمیوں کو جو نامحرم کے ساتھ ہو حرام کہتی ہے، اللہ تعالی کا پاک ارشاد ہے: ''ولا متخذی أخدان ومن یکفر بالإیمان فقد حبط عملہ وہو فی الآخرة من الخاسرین'' (المائدہ: ۵)۔

اسی طرح ایک چھوٹی سی قباحت گوارا کرکے ایک بہت بڑی برائی سے بچوں کو بچایا جاسکتا ہے۔

اب رہی بات بالغ ہونے کے بعد بھی لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی میں غیر معمولی تاخیر کی تو یہ بات بالکل مناسب نہیں ہے، ہاں کبھی تعلیمیا کسی اور بڑے مقصد کے لئے والدین اپنے بچوں کے کیریر کے لئے تھوڑی موڑی تاخیر کردیتے ہیں تو اس کی گنجائش موجود ہے، اور فقہاء کرام کے ان تصریحات سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جس میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ افرا دکے اعتبار سے نکاح کے احکام ہونگے، کسی کے لئے فرض، کسی کے لئے واجب اور کسی کے لئے سنت اور مستحب :

''اورنہایہ میں ہے کہ اگر زنا میں ملوث ہونے کا اتنا خطرہ ہے کہ نکاح کے بغیر بچنا ممکن نہیں تو نکاح کرنا فرض ہوگا اور ظلم کے خدشہ کے وقت مکروہ ہوگا، اور رہی

بات حالت اعتدال کی تو داؤد ظاہری اور ان کے رفقاء اس بات پر ہیں کہ انفاق اور وطی پر قادر شخص پر فرض عین ہے، ‘‘فانکحوا ما طاب لکم من النساء’’ سے استدلال کرتے ہوئے، ہمارے مشائخ کے درمیان اختلاف ہے، کہا گیا ہے کہ فرض کفایہ ہے او رکہا گیا ہے کہ واجب کفایہ ہے، ایک قول مستحب کا ہے، ایک قول سنت مؤکدہ کا ہے ’’ (مرقاۃ۶؍۳۳۷)۔

فقہاء نے نکاح کی بابت جہاں علماء کرام کے اختلافات پر بحث کی ہے وہاں نکاح کی ان مختلف شرعی حیثیتوں کو بھی تفصیل کے ساتھ واضح فرمایا ہے اور باعتبار حکم فقہی اس کی آٹھ صورتیں ذکر کی ہیں:

۱۔ حقوق نکاح کی ادائیگی پر قدرت کے ساتھ، اگر شہوت کا غلبہ اس درجہ کا ہے کہ خواہش کو پورا کرنے کے لئے گناہ میں پڑجانا یقینی ہے تو نکاح فرض ہے۔

۲۔ حقوق نکاح کی ادائیگی پر قدرت کے ساتھ ، اگر اس درجہ شہوت کا غلبہ ہے کہ گناہ میں پڑنا یقینی تو نہیں لیکن ظن غالب اس کا ضرور تو نکاح کرنا واجب ہے۔

۳۔ حقوق نکاح کی ادائیگی پر قدرت کے ساتھ اگر غلبہ شہوت نہیں ہے بلکہ اعتدال ہے تو نکاح سنت موکدہ ہے۔

۴۔ حقوق نکاح کی ادائیگی اور ادائیگی سنت اور نکاح سے وابستہ مقاصد کے حصول کی نیت کے ساتھ مستحب ہے، جبکہ شہوت اعتدال کے درجہ میں بھی نہ ہو بلکہ خواہش بہت کم ہو۔

۵۔ حقوق نکاح کی ادائیگی کے ساتھ بغیر کسی نیت کے مباح ہے خواہ شہوت درجہ اعتدال میں ہو یا اس سے کمتر۔

۶۔ حقوق نکاح کی ادائیگی پر عدم قدرت کا یقین ہو تو حرام ہے۔

۷۔ حقوق نکاح کی عدم ادائیگی کا ظن غالب ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔

۸۔ حقوق نکاح کی ادائیگی پر قدرت کے ساتھ مال ودولت، حسن، حسب ونسب وغیرہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے نکاح کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

یہ تھیں فقہاء کرام کی تصریحات جن کی روشنی میں احقر اپنی حقیر رائے پیش کرتا ہے، ہر آدمی اپنی اولاد کے رجحانات سے واقف ہوتا ہے، اگر اس کو محسوس ہو کہ شادی میں تاخیر کرنے کی صورت میں میرے بچے برائی میں ملوث ہوجائینگے تو اس کے لئے ضروری ہوگا کہ ان بچوں کی جلدی شادی کردے اور اگر وہ محسوس کرے کہ اس کے بچے اپنی تعلیمیا اپنے مقصد کے حصول میں سنجیدہ ہیں اور برائی میں ملوث ہونے کا امکان نہیں ہے تو دوچار سال تاخیر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

بچہ مزدوری:

د۔ حدیث میں ہے: ‘‘عن عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ أن رجلاً أتی النبیﷺ فقال: إن لی مالا وإن والدییحتاج إلی مالی قال أنت ومالک لوالدک إن أولادکم من أطیب کسبکم

کلوا من کسب أولادکم" (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ (مشکوۃ: ۲۹۱) (آپ ﷺ کے پاس ایک صاحب آئے اور عرض کیا میرے پاس مال ہے اور میرے والد کو میرے مال کی ضرورت ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے، یقینا اولادیں تمہاری بہترین کمائی ہیں، لہذا اپنی اولاد کی کمائی میں سے کھاؤ)۔

اس حدیث پاک سے اتنی بات واضح ہوتی ہے کہ اولاد کی کمائی باپ کے لئے حلال طیب ہے اور اس میں اس کو تصرف کرنے کا اختیار ہے اور اولاد کا اطلاق بڑے چھوٹے سب پر ہوتا ہے۔

اور فقہاء کرام کی عبارتوں سے اس کی وضاحت بھی ہوتی ہے کہ ماں باپ نانی اور دادی کو اپنے چھوٹے بچوں سے خدمت لینا بھی جائز ہے اور مزدوری سے لگانا بھی درست ہے، جیسے کہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

''ماں دادی اور نانی کے سوا جو خواتین بچی کی پرورش کرینگی ان کو پرورش کا حق اس وقت تک ہوگا جب تک بچی حد اشتہا کو نہ پہنچ جائے، اور جامع صغیر میں ہے: یہاں تک کہ وہ خود کفیل ہوجائے، اس لئے کہ ماں نانی اور دادی کے علاوہ خواتین اس بچی سے خدمت نہیں کراسکتی ہیں اور نہ ہی مزدوری پر لگاسکتی ہیں، لہذا بچی کو جوعورتوں کے پاس رکھنے کا مقصود حاصل نہیں ہوگا برخلاف ماں نانی اور دادی کہ ان کو خدمت لینے اور مزدوری پر لگانے کا اختیار ہے شرعاً " (ہدایہ۲،۴۳۵ باب الحضانۃ)۔

اسی طرح علامہ کاسانی اپنی کتاب بدائع الصنائع میں لکھتے ہیں:''لکن فی تأدیبہا استخدامہا وولایۃ الاستخدام غیر ثابتۃ لغیر الأمہات من الأخوات والخالات والعمات فتسلمہا إلی الأب احترازاً عن الوقوع فی المعصیۃ'' (بدائع الصنائع ۳،۴۵۹) (لیکن بچیوں کو آداب سکھانے میں خدمت لینا لازم آتا ہے لیکن خدمت لینے کا حق ماں کے علاوہ بہنوں، خالاؤں اور پھوپھیوں کو شرعا حاصل نہیں ہے، لہذا بچی کو باپ کے حوالے کردیا جائے گا معصیت سے بچنے کے لئے)۔

اسی طرح علامہ ابن الہمام اپنی کتاب فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

''ماں، نانی اور دادی کے سوا کوئی خاتون اس بچی سے خدمت لینے پر شرعاً قادر نہیں ہے، اور عورتوں کے کام جیسے روٹی پکانا، کھانا پکانا، سوت کاتنا ، کپڑے دھونا وغیرہ ہیں او ریہ سب کام عملاً کراکے ہی سکھایا جاتا ہے اور عملاً کرانے میں خدمت لینا لازم آتا ہے، اورخدمت لینے کی شرعی حقدار ماں ، نانی اور دادی کے سوا کوئی نہیں ہے ، او ران خواتین کو یہ حق ہے کہ اس بچی کو اجرت پر بھی لگاسکتی ہیں " (فتح القدیر۴،۳۳۴)۔

حدیث پاک اور فقہاء کرام کی عبارتوں سے رہنمائی لیتے ہوئے احقر اس نتیجہ پر

پہنچا ہے:

۱۔ بچہ مزدوری کے متعلق اسلام کا موقف جواز کا ہے۔

۲۔ والدین، نانی اور دادی بچیوں سے گھر کا کام اس حد تک لینگی کہ بچیاں گھریلو کاموں یعنی کھانا پکانا، سلائی، کڑھائی، صاف صفائی میں ماہر ہوجائیں، اور مذکورہ حضرات اپنی معاشی ضروریات پورا کرنے کے لئے ان سے مزدوری کراسکتے ہیں، اسی طرح ان کو کوئی پیشہ ورانہ کام سکھانے کے لئے کام سے لگاسکتے ہیں۔

۳۔ انتہائی غریب والدین اپنی معاشی بدحالی کی بنا پر بچوں کو مزدوری پر لگاسکتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ شریعت نے والدین کی شفقت پر اعتماد کیا ہے، اور یہ تسلیم کیاہے کہ والدین اپنی اولاد کے مستقبل کے متعلق زیادہ متفکر اور حد درجہ سنجیدہ ہوتے ہیں اور حکومت کے مقابلے اپنے بچوں کے زیادہ خیر خواہ ہوتے ہیں اور حقیقت بھیہی ہے، اور شریعت اسلامی نے والدین کو اپنی اولاد کے متعلق پورا اختیار دیا ہے، اور اولاد کو والدین کے پاس ایک امانت کے طور پر دیا ہے اور آخرت کے مواخذہ سے ڈرایا ہے اور بنیادی باتوں کی رہنمائی بھی کردی ہے کہ کتنی چیزیں سکھانا نہایت ضروری ہے، جیسے عقائد اور فرائض کی تعلیم ضروری قرار دی ہے اور باقی معاشیات میں والدین کے لئے آزادی ہے کہ وہ اپنے بچوں سے جو پیشہ چاہیں کرالیں۔

خلاصہیہ ہے کہ جس تعلیم کے حرج کے نام پر یہ بچہ مزدوری پر پابندی لگارہے ہیں وہ تعلیمی نصاب کا ایک ایسا اسکینر (Scanner) ہے کہ جب بچہ اس سے گذر جائے گا تو اس کے اندر جو شرم وحیا او رمذہب کے جراثیم ہیں وہ مرجائینگے اور بچہ بے حیاء اور لادین بن کر نکلے گا، لہذا ان کی کوشش ہے کہ کوئی بچہ اس اسکینر سے بچنے نہ پائے، اسی منصوبے کی تکمیل کے لئے آئے دن مدارس پر کچھ نہ کچھ اعتراض کیا جارہا ہے، اور اب لازمی حق تعلیم قانون پاس ہوا ہے، جس کا واحد نشانہ مدارس اور مکاتب کے طلبہ ہیں۔

نابالغ بچے اور جرائم:

ہ۔ شرعاً بالغ ہونے سے پہلے اگر بچوں سے جرائم سرزد ہوں تو ان پر سزا جاری نہینکی جائے گی، بلکہ تعزیراً تھوڑی سزا دی جائے گی، جیسا کہ حدیث پاک میں مذکور ہے:

‘‘وعن عمران بن حصین أن غلام أناس فقراء قطع أذن غلام لأناس أغنیاء فأتی أہلہ النبیﷺ فقالوا: إنا أناس فقراء، فلم یجعل علیہم شیئاً’’ (رواہ ابوداؤد: مشکوۃ۲)۔

‘‘لأن عاقلتہ کانوا فقراء وجنایۃ الصبی علی العاقلۃ لأنہا خطأ إذ لم تصدر عن اختیار صحیح ولہذا لا یقص منہ فی القتل والفقراء لا ینحملون الدیۃ والظاہر أن الجانی کان صبیاً حراً’’

(مرقاۃ۷؍۶۳)۔

(حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ غریب لوگوں کے ایک بچے نے امیر لوگوں کے ایک بچے کا کان کاٹ لیا تو شکایت لے کر اس کے گھر والے آپﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان لوگوں نے کہا: ہم غریب لوگ ہیں توآپﷺ نے ان پر کچھ بھی لازم نہیں کیا۔ صاحب مرقاۃ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اس بچے کے عاقلہ فقیر تھے اور بچے کی جنایت عاقلہ پر ہوتی ہے، اس لئے کہ وہ خطا ہوتی ہے، کیونکہ وہ صحیح اختیار کے ساتھ صادر نہیں ہوئی، اسی وجہ سے تو قتل میں اس سے قصاص نہیں لیا جاسکتا اور فقراء دین کے متحمل نہیں ہوتے اور ظاہر حال سے یہ بات معلوم ہورہی ہے کہ بچہ نابالغ اور آزاد تھا)۔

حدود پانچ ہیں:چوری کی سزا، زنا کی سزا، تہمت لگانے کی سزا، شراب پینے کی سزا اور نشہ آنے کی سزا، قتل کی سزا، تمام سزاؤں کے وجو ب کے لئے عقل اور بلوغ شرط ہے جیسا کہ فقہاء کرام کی تصریحات موجود ہیں۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

‘‘قذف کے احصان کے پانچ شرائط ہیں جس میں عقل اور بلوغ بھی ہیں، اس لئے کہ بچے اور مجنون سے زنا متصور ہی نہیں ہے تو ان کا کسی پر زنا کی تہمت لگانا جھوٹ بولنے کی طرح ہے، لہذا تعزیر واجب ہوگی نہ کہ حد ’’ (بدائع)۔

اسی طرح سے علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

‘‘بچےیا پاگل نے جب کسی عورت سے زنا کیا اور عورت نے ان کی مطاوعت کی تو نہ ان پر حد جاری ہوگی اور نہ اس کے اوپر ’’ (فتح القدیر۵؍۳۵۸)۔

اسی طرح سے علامہ ابن ہمام بچے کے چوری کے متعلق فرماتے ہیں:

‘‘اور عقل اور بلوغ کا ہونا نہایت ضروری ہے، اس لئے کہ جنایت محقق ہی نہیں ہوتی ان کے بغیر اور ہاتھ کاٹنا جنایت کی سزا ہے ’’ (فتح القدیر۵؍۳۴۰)۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

‘‘چھوٹے بچے کو تعزیراً نہیں ماریںگے بلکہ تادیباً ماریںگے ’’ (البدائع ۵؍۵۳۴)۔

اسی طرح سے بچے کے قتل کے متعلق علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

‘‘اور اگر جن لوگوں نے قتل کیا ہے اس میں بچہ یا پاگل ہے تو عاقلہ پر دیت واجب ہوگی، اگرچہ ہتھیار سے قتل کیا ہو، اس لئے کہ بچہ اور مجنون ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جن پر قصاص واجب ہو، لہذا ان کا قتل عمد بھی قتل خطا ہے ’’ (البدائع ۶؍۵۶۶)۔

ان نصوص اور فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں احقر کی رائے یہ ہے کہ بچوں سے صادر ہونے والے جرائم پر ان کو سزا نہیں دی جائے گی بلکہ نابالغ ہونے کی بنیاد پر

ان کو معاف کیا جائے گا۔

رہی بات دور حاضر میں پھیلنے والے جرائم کے رجحان کی تو اس کے لئے اصلاح معاشرہ کی فکر کی جائے اور بڑوں کو ان جرائم سے روکا جائے او راسلامی سزائیں شرعی طور پر نافذ کی جائیں، اس لئے کہ بڑوں کو جو کرتا دیکھتے ہیں بچے بھی وہی کرتے ہیں، جرائم پر مبنی فلمیں روکی جائیں، پورا معاشرہ بگڑا ہوا ہے، لہذا بچے بھی بگڑ گئے ہیں، معاشرے کو ٹھیک کیا جائے، بچے بھی ٹھیک ہوجائینگے، معاشرے کو ٹھیک کئے بغیر بچوں کو درست کرنا ممکن نہیں ہے، او ربچوں کی اخلاق کی درستگی کی ذمہ داری اسلام نے والدین پر ڈالی ہے، اگر والدین اپنے بچوں کو اچھے اخلاق سے آراستہ دیکھنا چاہتے ہیں تو ان کو پہلے خود بااخلاق بننا پڑے گا۔

ہاں ایک متبادل کے طورپر اچھے اقامت گاہوں کا قیام کیا جاسکتا ہے، تعلیمی اداروں میں پڑھنے والے بچوں کے لئے (Islamic Hostels) قائم کرکے اچھے اور بااخلاق حضرات کی خدمات حاصل کی جاسکتی ہیں جو ان بچوں کی تربیت اور نگرانی کریں۔

اس لئے کہ اچھی صحبت کا اثر ہوا کرتا ہے، تعلیمی اداروں کے لئے اساتذہ مقرر کرتے وقت صلاحیت کے ساتھ صالحیت بھی دیکھی جائے، کیونکہ اساتذہ جس کردار کے ہونگے طلبہ بھی اسی طرح کے ہونگے۔

و۔ بچوں کو جیلوں میں بچوں سے پرمشقت کام لیے جاتے ہیں اور سخت مارپیٹ کی جاتی ہے، ایسی جیلوں میں جو نابالغ ہیں ان کے احکام یہ ہیں کہ ان کو پرمشقت کام اور مارپیٹ سے دور رکھا جائے اور ان کو لکھنے پڑھنے کا موقع فراہم کیا جائے، جو لکھنے پڑھنے میں دلچسپی نہ لیں ان کو کوئی ہنر سکھایا جائے او راچھا ماحول فراہم کیا جائے، اس لئے کہ فقہاء کرام بچوں کو تعزیراً مارنے سے بھی منع فرماتے ہیں، علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

''وأما شرط وجوبہ: فالعقل فقط فیعزر کل عاقل ارتکب جنایۃ لیس لہا حد مقرر، سواء کان حراً أو عبداً، ذکرا أو أنثی، مسلماً أو کافراً، بالغاً أو صبیاً بعد أن یکون عاقلاً لأن ہؤلاء من أہل العقوبۃ إلا الصبی العاقل فإنہ یعزز تأدیباً لا عقوبۃ لأنہ من أہل التأدیب'' (بدائع الصنائع ۵،۵۳۴، باب التعزیر)۔

(رہی بات سزا کے وجوب کی تو عقل کافی ہے، لہذا ہر عاقل جس نے کسی ایسی جنایت کا ارتکاب کیا جس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہے، چاہے وہ آزاد ہو یا غلام ہو، مرد ہو یا عورت ہو ، مسلمان ہو یا کافر ہو، بالغ ہو یا نابالغ ہو، اس کی تعزیر کی جائے گی، اس لئے کہ یہ سب سزا کے مستحق ہیں ، سوائے عقلمند بچے کہ اس لئے کہ اس کو سزا دینگے ادب سکھانے کے لئے نہ کہ سزا دینے کے لئے ، اس لئے کہ وہ اہل تادیب میں سے

ہے)، اور تجربہ بھی ہے کہ عموماً مارپیٹ سے اصلاح نہیں ہوتی ہے، بلکہ بچوں میں ضد پیدا ہوجاتی ہے پھر ان کا ذہن منفی بن جاتا ہے اور پھر ہر چیز کے اندر ان کو منفی پہلو ہی نظر آتا ہے۔

عام طور سے ایسے بچے بہت ذہین ہوتے ہیں، اگر اخلاق ومحبت سے ان کو کوئی ہنر سکھایا جائے یا تعلیم دی جائے تو بہت جلد سیکھ لیتے ہیں،یہ بچے تو کسی حادثے کی وجہ سے یا غلط صحبت کی وجہ سے غلط راہوں پر نکل پڑتے ہیں، اگرا چھی صحبت ملتی ہے اور شفقت ومحبت ملتی ہے تو یہ بچے اپنی پرانی روش چھوڑ کر سیدھی راہ پر لگ سکتے ہیں۔

لیکنیہ کام صرف سرکار کے بس کا نہیں ہے، اصلاحی کام کرنے والی تنظیمیں آگے بڑھ کر تعاون کرتی ہیں تو اس کے بڑے خوشگوار نتائج برآمد ہونگے۔

ز۔ وہ بچے جو کسی حادثہ، والدین کے فوت ہوجانے یا ان سے بچھڑ جانے یا ولادت کے بعد ماں باپ کی طرف سے پھینک دیئے جانے کی وجہ سے بے سہارا ہوجاتے ہیں اسلام ایسے بچوں کو اٹھانا، اس کی پرورش کرنا اور کوئی دعویدار ہو تو اس کے حوالے کرنے کی کوشش کرتا ہے، مثلاً صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

''والالتقاط مندوب إلیہ لما فیہ من إحیائہ وإن غلب علی ظنہ ضیاعہ فواجب '' (ہدایہ۲،۶۱۱)۔

(گرے پڑے بچے کو اٹھانا مندوب ہے، اس لئے کہ اس عمل میں اس کو زندگی بخشنا ہے او راگر ظن غالب ہو کہ وہ بچہ ضائع ہوجائے گا تو اس کو اٹھانا واجب ہوگا)۔

اگر کوئی شخص دعوی کرتا ہے کہ یہ بچہ میرا ہے تو اسلام اس کے دعوے میں کوئی مزاحمت نہیں کرے گا اور حتی الوسع کسی خاندان سے منسلک کرنے کی کوشش کرے گا، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

''اگر کسی دعوی کرنے والے نے دعوی کیا کہ یہ میرا لڑکا ہے تو اس کی بات مان لی جائے گی، استحسان کی وجہ یہ ہے کہ یہ اقرار بچے کے حق میں ہے جس سے اس کو فائدہ ہوگا اور اس کی وجہ سے بھی اس سے وہ نسب سے مشرف ہوجائے گا اور نسب ثابت نہ ہونے پر وہ بچہ عار محسوس کرے گا '' (ہدایہ۲،۶۱۲)۔

اور بچہ کا نفقہ بیت المال پر ہوگا، جیسے کہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

''نفقتہ فی بیت المال ہو المروی عن عمر وعلی ولأنہ مسلم عاجز عن التکسب ولا مال لہ ولا قرابۃ فأشبہ المقعد الذی لا مال لہ'' (ہدایہ۲،۶۱۲) (او راس بچہ کا نفقہ بیت المال کے ذمہ ہوگا اور یہی مروی ہے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے اور اس لئے بھی کہ وہ مسلم ہے اور کمانے سے عاجز ہے او راس کے پاس مال بھی نہیں اور نہ کوئی قرابت ہے، لہذا وہ اس اپاہج (معذور) کی طرح ہوگیا جس کے پاس مال نہیں ہے)، پھر بچے کو اٹھانا

اور اس پر خرچ کرنا ثواب کا کام بتایا ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

''اور وہ بچہ اٹھانے والا اس پر خرچ کرنے میں متبرع ہوگا ولایت نہ ہونے کی وجہ سے، الا یہ کہ قاضی اس کو حکم دے تو پھر وہ اس پر قر ض ہوگا '' (ہدایہ۲،۶۱۲)۔

حدیث پاک میں ہے:

''عن سہل بن سعدؓ قال قال رسول اللہﷺ أنا وکافل الیتیم ہکذا وأشار بالسبابۃ والوسطی ، وفرج بینہما'' (حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ آپﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا اس طرح ہونگے اور آپ شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا اور تھوڑا سا کھلا رکھا دونوں کے درمیان)۔

اس حدیث پاک میں تو یتیم کی کفالت پر صرف جنت کیبہی بشارت نہیں ہے بلکہ آپ کی رفاقت کی بھی بشارت ہے، شریعت اسلامی پہلے تو نسب ثابت کرنے کے لئے کوشش کرتی ہے، پھر خاندان کے حوالہ کرنے کی کوشش کرتی ہے اور آخر میں اس کا نفقہ بیتالمال سے جاری کرکے کسی کو اس کا ولی بناتی ہے اور پھر پرورش کرنے والے کو جنت میں آپ کی رفاقت کی بشارت دیتی ہے۔

ح۔ گارجین حد درجہ بڑھے ہوئے افلاس اور پرورش کی استطاعت نہ رکھنے کی وجہ سے کسی کو اپنا بچہ حوالہ کرسکتے ہیں، بسااوقات تو افلاس بھی نہیں ہوتا ہے اور پرورش کی استطاعت بھی ہوتی ہے لیکن پھر بھی اپنی اولاد رشتہ داروں میں ان کے حوالے کردیتے ہیں جن کو اولاد نہیں ہوتی، وہ اس کو اپنی اولاد کی طرح پرورش کرتا ہے۔

خود حضورپاکﷺ نے حضرت علیؓ کو چچا ابوطالب سے مانگ کرلیا تھا اور حضرت جعفر کو اپنے چچا حضرت عباسؓ کے حوالے کرایا تھا، اسی طرح حضرت زید بن حارثہ کو بھی آپ نے پالا تھا اور اپنی متبنی بنایا تھا، یہا ں تک کہ لوگوں نے زید بن محمد کہنا شروع کردیا تھا جس کی اصلاح قرآن پاک نے فرمائی۔

دوسری بات ہدیہ قبول کرنا بچہ دینے کے عوض تو اس میں بھی بظاہر کوئی قباحت نظر نہیں آرہی ہے، ا س لئے کہ اس میں تینوں کا فائدہ ہے، بچے والے کا تھوڑا بوجھ کم ہوجاتاہے، بنا بچہ والے کو ایک بچہ مل جاتا ہے اور بچہ کو تعلیم وتربیت اور ترقی کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔

بچوں کے ساتھ ہونے والے حادثات کے لئے الگ سے کوئی تحریک چلانے کے بجائے اصلاح معاشرہ کی کوشش کی جائے، اس لئے کہ یہ کوئی جزوی مسئلہ نہیں ہے، بلکہ معاشرہ کے ساتھ جڑا ہوا ہے، افراد کے اندر حد سے بڑھی ہوئی خود غرضی اور نفع خوری ہییہ سب کاموں کی محرک بنتی ہے، انسان مال کے حصول میں اندھا بن جاتا ہے، اس کے دل میں رحم نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی اور وہ بچوں کے ساتھ اس طرح کے

سنگ دلانہ برتاؤ کرتا ہے، وہ چند روپے کے خاطر معصوم بچوں کا اغوا کرتا ہے اور فروخت کردیتا ہے، اس کے روک تھام کے لئے عمومی اصلاح کی کوشش کرنی ہوگی، بلا تفریق مذہب وملت سب کو مل کر انسانیت کے فلاح کی کوشش کرنی ہوگی۔

شریعت اسلامی تو اس طرح سے بچوں کے خریدوفروخت ہی حرام اور ناجائز قرار دیتی ہے، اور کسی آزاد کو غلام بنا کر بیچنا بڑے گناہوں میں سے ایک گناہ ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

ط۔ وہ بچہ جو ذہنییا جسمانی طو رپر معذور پیدا ہوتے ہینیا بعد میں معذور ہوجاتے ہیں تو بعض اوقات ایسے بچوں کو دماغی ہسپتال میں داخل کردیا جاتا ہے جس کا مقصد علاج سے زیادہ ان کی نگہداشت ہوتی ہے، ایسے بچوں کے بارے میں اسلامی تعلیماتیہ ہیں کہ ان کا نفقہ تاحیات والدین پر رہے گا اور ظاہر الروایہ کے مطابق صرف باپ پر رہے گا، جیسے کہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

‘‘وفی ظاہر الروایۃ کل النفقۃ علی الأب بقولہ تعالی وعلی المولود لہ رزقہن وکسوتہن وصار کالولد الصغیر’’ (ہدایہ۲،۴۴۷)۔

(اور ظاہر الروایہ میں ہے کہ پورا نفقہ والد کے ذمہ ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالی کا قول ہے: مولود لہ پر ان کا کھانا کپڑا ہے، لہذا چھوٹے بچے کی مانند ہوگیا)۔

اب رہی بات ہسپتال میں داخل کردینا، ماں باپ کا اپنی ذمہ داری سے غفلت برتنا یا فرار اختیار کرنا متصور نہیں ہوگا، اس لئے کہ بچہ کی وجہ سے والدہ کو پریشان نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ فقہاء کرام کی تصریحات سے وضاحت ہوتی ہے، اگرچہ وہ رضاعت کے متعلق ہے، صاحب ہدایہفرماتے ہیں:

‘‘اگر چھوٹا بچہ شیرخوار ہوتو ماں پر دودھ پلانا لازم نہیں ہے، اس وجہ سے بھی کہ ہوسکتا ہے کہ وہ دودھ پلانے سے معذور ہو، لہذا جبر کرنا درست نہیں، او ریہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ کے اس قول کی تفسیر بھییہ ہے کہ ‘‘والدہ کو بچے کی وجہ سے نقصان نہیں پہنچایا جائے گا’’ والدہ کی ناگواری کے بعد اس کے اوپر رضاعت لازم کرنا یہ تو حکم بیان کیا گیا جبکہ کوئی دودھ پلانے والی موجود ہو، رہی بات اگر کوئی دودھ پلانے والی موجود نہیں ہے تو ماں کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا تاکہ بچے کو ضائع ہونے سے بچایا جائے’’ (ہدایہ۲،۴۴۴)۔

اس عبارت سے بات بالکل واضح ہوتی ہے کہ اگر بچے کودودھ پلانے والی کی کوئی متبادل ہے تو پھر ماں کو مجبور نہیں کیا جائے گا، اسی طرح اگر معذور بچے کی دیکھ ریکھ کے لئے کوئی متبادل ہے تو پھر ماں کو اس کی پرورش کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا۔

اور آج کل ہسپتالوں کی شکل میں اس کا بہترین متبادل موجود ہے اور اگر والد کو

اس کی خدمت اور پرورش کے لئے مجبور کیا جاتا ہے تو وہ معاش کے کمانے کے لائق نہیں رہے گا، جس کی وجہ سے اس معذور بچے کے ساتھ ساتھ دوسرے بچوں اور گھر کے افراد کو کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے، لہذا اگر بچہ کی نگہداشت کے لئے ہسپتال میں بھرتی کردیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہوگا، اور والدین کا اپنی ذمہ داریوں سے غفلت یا فرار اختیار کرنا متصور نہیں ہوگا۔

اب رہی بات کس حد تک علاج کرنا واجب ہے، صحت یابی کی امید تک علاج کرانا واجب ہوگا، اگر یہ بات معلوم ہوجائے کہ یہ مرض قدرتی اور فطری ہے، علاج سے درست نہیں ہوسکتا پھر علاج کرانا ضروری نہیں ہوگا، ورنہ آج کل کے ڈاکٹروں کی مانیں تو ان کا حال تو یہ ہے کہ مریض کے انتقال کے بعد بھی کئی کئی دن I.C.U میں صرف اس وجہ سے رکھتے ہیں تاکہ ذرا بل لمبا بن جائے، تو ایسے ماحول میں ایسے اخلاق باختہ ڈاکٹروں سے کیا رائے اور مشورہ لیا جائے، اور اس بات کی کیا امید ہے کہ وہ درست مشورہ دینگے۔

***

اسلامی قانون میں بچوں کے حقوق

قاضی محمد کامل قاسمی•

حضانت کا معنی بچہ کی پرورش کرنا ہے۔

حضانت کا مقصد شفقت ومہربانی کے ساتھ بچہ کی حفاظت کرنا، اس کی جسمانی نشو ونما کا خاص خیال رکھنا، اسے اچھے اخلاق سکھانا برے اخلاق وعادات سے محفوظ رکھنا، اسے زیور تعلیم سے آراستہ کرنا، لڑکے کو اس کی ضروریات سے متعلق ہنرو کمالات سکھانا اور اس کے اندر مردانہ خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کرنا، لڑکی کو عورتوں کے اخلاق وآداب کی تعلیم دینا اور امور خانہ داری میں مہارت وکمال پیدا کرنا وغیرہ ہے۔

اسی لئے بچے حضانت کے لئے کچھ وقت عورتوں کے پاس اور کچھ وقت مردوں کے پاس رکھے جاتے ہیں، ان کی کچھ ذمہ داریاں عورتوں پر ڈالی گئی ہیں کچھ مردوں پر۔

حضانت کی بنیاد شفقت پر ہے اور عورتیں مردوں کے مقابلہ میں زیادہ شفیق ومہربان ہوتی ہیں اور بچوں کی پیدائش کے بعد ان کی پرورش کے لئے زیادہ موزوں ہوتی ہیں، اسی لئے حضانت کے سلسلہ میں ان کو مقدم رکھا گیا ہے۔

شرائط حضانت:

۱۔ حاضنہ بچہ کی ذی رحم محرم ہو، اس لئے کہ حضانت کی بنیاد شفقت پر ہے، اور ذی رحم محرم ہی شفقت کے لئے مختص ہے، پھر ذی رحم محرم میں بھی حاضنہ الاقرب فالاقرب کی بنیاد پر مقدم ہوگی، لہذا ذی رحم محرم عورتوں میں بچہ کی پرورش کی ماں سب سے زیادہ حقدار ہوگی، پھر نانی، پھر دادی، اسی طرح اوپر تک، حقیقی بہن، پھر ماں شریک بہن (اخیافی بہن)، پھر باپ شریک بہن (علاتی بہن)، پھر حقیقی بہن کی بیٹی (بھانجی)، پھر ماں شریک بہن کی بیٹی، پھر باپ شریک بہن کی بیٹی، پھر حقیقی خالہ، پھر ماں شریک خالہ، پھر باپ شریک خالہ، پھر حقیقی بھائیکی بیٹی (بھتیجی) پھر ماں شریک بھائی کی بیٹی، پھر باپ شریک بھائی کی بیٹی، پھر حقیقی پھوپھی، پھر ماں شریک پھوپھی، پھر باپ شریک پھوپھی وغیرہ۔

۲۔ وہ بچہ کے غیر محرم کے نکاح میں نہ ہو۔

۳۔ وہ کسی ایسے عمل میں مشغول نہ ہو کہ اس کی مشغولیت کی وجہ سے بچہ

• دار القضاء آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ ، جنوبی دہلی۔

ضائع ہوجائے، جیسے زنا، گانا بجانا اور چوری وغیرہ،یا وہ ایسی نیک پارسا ہو کہ اس پر اللہ تعالی کی محبت اور اس کے خوف کا ایسا غلبہ ہو کہ وہ بچہ سے ایسی غافل ہوجائے کہ جس سے بچہ کا ضائع ہونا لازم آتا ہو، یا وہ عورت کسی امر مباح کی وجہ سے گھر سے باہر جاتی ہو جیسے دائی، میت کو غسل دینے والی ہو وغیرہ،یہی حکم گھر سے باہر جاکر ملازمت کرنے والی خواتین کا بھی ہونا چاہئے۔

۴۔ حاضنہ فاسقہ فاجرہ نہ ہو۔

۵۔ عصبہ ہونا یعنی جن صورتوں میں مردوں کو حق حضانت حاصل ہوتا ہے ان صورتوں میں انہی مردوں کو حق حضانت حاصل ہوگا جو بچہ کے عصبہ ہوں، اور عصبات الاقرب فالاقرب کی بنیاد پر مقدم ہونگے، سب سے پہلے باپ کو حق حضانت حاصل ہوگا، پھر دادا، پھر پردادا وغیرہ اوپر تک، پھر حقیقی بھائی، پھر باپ شریک بھائی، پھر حقیقی بھائی کا بیٹا، پھر باپ شریک بھائی کا بیٹا، پھر حقیقی چچا، پھرباپ شریک چچا، پھر حقیقی چچا کا بیٹا، پھر باپ شریک چچا کا بیٹا، بچہ اگر لڑکا ہو تو چچا کے بیٹے کے سپرد کیا جائے گا اور اگر لڑکی ہو تو چچا کے بیٹے کے سپرد نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ وہ اس بچی کا محرم نہیں ہے، کیونکہ چچا کے بیٹے کے لئے اس لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے۔

۶۔ اگر محضونہ لڑکی ہے اور حاضن مرد ہے تو اس کا حاضن ایسا عصبہ ہو کہ اس پر اس لڑکی کے متعلق بھروسہ کیا جاسکے۔ لہذا اگر حاضن عصبہ کے فسق اور اس کی خیانت کی وجہ سے اس پر بھروسہ نہ کیا جاسکے تو اس عصبہ کو اس محضونہ پر حق حضانت حاصل نہ ہوگا۔ حتی کہ اگر بھائی اور چچا حاضن ہو جن پر اس محضونہ کی جان ومال اور عزت نفس کے متعلق بھروسہ نہیں کیا جاسکتا تو محضونہ ان کے سپرد نہیں کی جائے گی۔

ایسی صورت میں قاضی کسی مسلمان، دیندار اور قابل اعتماد عورت کو تلاش کرے گا، پھر اس لڑکی کو اس عورت کے سپرد کرے گا۔

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ حق حضانت کے حاصل ہونے کا مدار بچہ کے جسمانی، نفسیاتی، اخلاقی، تعلیمی اور تربیتی منافع کے حصول پر رکھا گیا ہے۔ اور جہاں کہیں محضون کاان میں سے کسی کا نقصان ہو وہاں سے حق حضانت ساقط ہوجاتا ہے۔

(ب۔۱): اسلام میں بچوں کے حق تعلیم وتربیت سے متعلق ہدایات:

مذہب اسلام نے بچہ کی پیدائش کے بعد ماں باپ یا دگررشتہ داروں کو سب سے پہلی ہدایتیہ دی ہے کہ نومولود کے کانوں میں مسنون طریقہ پر اذان واقامت کہیں، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت حسن ؓ کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کے الفاظ خود ارشاد فرمائے (مجمع الزوائد)۔

دوسری ہدایتیہ ہے کہ بچہ کے تالو میں کوئی چیز ملے جس کو تحنیک کہتے ہیں۔

تیسری ہدایتیہ ہے کہ بچہ کا اچھا نام رکھا جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''حق الولد علی الوالد أن یحسن اسمہ ویحسن أدبہ'' (بیہقی بحوالہ معارف الحدیث۶،۲۹) (باپ پر بچہ کا یہ حق بھیہے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو حسن ادب سے آراستہ کرے)۔

چوتھی ہدایتیہ ہے کہ پیدائش کے ساتویں دن بچہ کا عقیقہ کیا جائے اور اس کے سرکے بال منڈوایا جائے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

''عن أبی ہریرۃؓیقول کنا فی الجاہلیۃ إذا ولد لأحدنا غلام ذبح شاۃ ولطخ رأسہ بدمہا فلما جاء اللہ بالإسلام کنا نذبح شاۃ ونحلق رأسہ ونلطخہ بزعفران'' (ابوداؤد، کتاب الضحایا،۳۹۳)۔

(حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ہم لوگوں کا دستور تھا کہ جب ہم میں سے کسی کے یہاں لڑکا پیدا ہوتا تو وہ بکرا یا بکری ذبح کرتا اور اس کے سر کو اس کے خون سے رنگ دیتا، پھر جب اللہ تعالی نے ہمیں مذہب اسلام عطا کیا تو رسول اللہ ﷺ کی تعلیم وہدایت کے مطابق ہمارا طریقہیہ ہوگیا کہ ساتویں دن ہم عقیقہ کی بکرییا بکرا ذبح کرتے اور بچہ کا سر صاف کرکے اس کے سر پر زعفران لگادیتے)۔

پانچویں ہدایتیہ ہے کہ بچہ کا ختنہ کیا جائے، حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے پانچ باتوں کو ''خصال فطرت '' میں شمار کیا ہے، ان میں سے ایک ختنہ بھی ہے، کیونکہ ختنہ سے جسم کی نظافت اور صفائی ستھرائی میں مدد ملتی ہے۔

بچوں کی ابتدائی تعلیم:

بچہ جب بولنا شروع کرے تو سب سے پہلے لاإلہ إلا اللہ یعنی اللہ تعالی کی وحدانیت کا کلمہ اس کی زبان سے ادا کرایا جائے، یہ ہدایت سید الکونین حضرت محمد ﷺ نے اس حدیث پاک میں دی جسے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے روایت کیا ہے:

''قال رسول اللہ ﷺ : افتتحوا علی صبیانکم أول کلمۃ بلا إلہ إلا اللہ ولقّنوہم عند الموت لا إلہ إلا اللہ'' (بیہقی بحوالہ معارف الحدیث۶،۳۲) (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بچوں کو زبان کھولنے کے بعد سب سے پہلے کلمہ ''لا إلہ إلا اللہ '' کہلواؤ اور موت کے وقت لا إلہ إلا اللہ کی تلقین کرو)۔

دوسری حدیث میں ہے:

''قال رسول اللہ ﷺ:مرواأولادکم بالصلاۃ وہم أبناء سبع سنین واضربوہم علیہا وہم أبناء عشر وفرقوا بینہم فی المضاجع'' (مشکوۃ ،۸۵) (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جبکہ وہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائیں اور جب دس سال کی

عمر کے ہوجائیں تو نماز نہ پڑھنے پر ان کو مارا کرو، اور دس سال کی عمر ہوجانے کے بعد ان کے بستر الگ اور جدا کرکے سلاؤ)۔

حدیث شریف میں صرف نماز کے لئے حکم دینے کا ذکر ہے لیکن اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اسے نیکیوں میں لگادینا چاہئے، نماز سب سے بڑی اور بنیادی نیکی ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کا حکم کرنے سے قبل نماز کے مسائل اور احکام سے بھی اس کو واقف ہوجانا چاہئے، کیونکہ اگر پہلے سے بچہ نماز اور اس کے مسائل کو جانتا نہیں تو نماز کا حکم دینے کے بعد بھی نماز ادانہیں کرسکے گا جس سے ثابت ہوا کہ نماز کے احکام کی تعلیم سات سال سے پہلے مکمل ہوجانی چاہئے تاکہ پھر نماز کا حکم کیا جائے۔

حدیث میں دوسری بات یہ فرمائی گئی کہ بچہ کی عمر جب دس سال ہوجائے تو اسے سختی کے ساتھ نماز کا صرف حکم ہی نہیں دیا جائے گا، بلکہ نماز میں سستی کرنے پر ہلکی قسم کی پٹائی بھی کی جائے گی۔

حدیث شریف میں تیسری بات یہ فرمائی گئی کہ دس سال عمر ہوجانے کے بعد بچوں کو الگ بستر میں سلایا جائے، والدین کے بستر میں نہ رکھا جائے۔

حدیث پاک کی اس تیسری بات سے واضح ہوگیا کہ دس سال یا اس سے زائد عمر کی اولاد کو بے حیائی کے مناظر سے دور رکھا جائے تاکہ وہ بگڑے نہیں۔

بچوں میں اچھے اخلاق سے رغبت کیسے آئے؟

بچونمیں اچھے اخلاق سے رغبت پیدا کرنے کے لئے کتاب الآداب کے ابواب سلام، استیذان، مصافحہ ، معانقہ، عطاس، تثاؤب، البر والصلۃ، الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، الحب فی اللہ ومن اللہ، الرفق والحیاء وحسن الخلق، کی تعلیم دینی چاہئے (مشکوۃ۳۳۳-۳۹۷، اور معارف الحدیث جلد۲ اور جلد ۶کی بھی)۔

شریعت میں اخلاق کی اہمیت:

رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم میں ایمان کے بعد جن چیزوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور انسان کی سعادت کو ان پر موقوف بتلایا ہے ان میں سے ایکیہ بھی ہے کہ آدمی اخلاق حسنہ اختیار کرے او ربرے اخلاق سے اپنی حفاظت کرے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے جن مقاصد کا قرآن کریم مینذکر کیا گیا ہے، ان میں ایکیہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ کو انسانوں کا تزکیہ کرنا ہے اور ا س تزکیہ میں اخلاق کی اصلاح اور درستی کی خاص اہمیت ہے۔ حدیث کی مختلف کتابوں میں خود آپ ﷺ سے یہ مضمون روایت کیا گیا ہے کہ میں اخلاق کی اصلاح کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں یعنی اصلاح اخلاق کا کام میری بعثت کے اہم مقاصد اور میرے پروگرام کے خاص اجزاء میں سے ہے۔

(ب-۲): بچوں اور بچیوں کو اتنی دینی تعلیم دینا ضروری ہے کہ جس سے عقائد کا صحیح علم ہوجائے، نماز، روزہ وغیرہ فرائض کے احکام معلوم ہوجائیں اور جس مشغلہ کو وہ اختیار کرنا چاہیں اس کے مسائل سے واقف ہوجائیں۔

عصری تعلیم روزگار سے جڑی ہوئی ہے اور اس سے روزگار کے مواقع فراہم ہوتے ہیں اور حلال روزگار اختیار کرنا ایک دینی فریضہ ہے، حدیث پاک میں:

''عن عبد اللہ قال قال رسول اللہ ﷺ: طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ'' (مشکوۃ، باب الکسب وطلب الحلال فصل ثالث،۲۴۲) (حضرت عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حلال روزگار کی تلاش وجستجو فرض ہے (نماز، روزہ، وغیرہ) فرائض کے بعد)۔

لہٰذا عصری تعلیم کو حسب ضرورت واستطاعت حاصل کیا جائے، لیکنیہ ضروری ہے کہ اسکول وکالج ایسا ہو کہ ا س میں بچوں کے عقائدواخلاق کی درستگی پر بھی خاص توجہ دی جاتی ہو، ان کے عقائد بگڑنے اور اخلاق خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو، او رحدیث میں جس عمر سے بچوں کے بستر کو الگ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اس عمر سے ان کی تعلیم گاہ بھی الگ الگ ہو مخلوط نظام نہ ہو۔

(ب-۳): اگر حکومت کسی سطح تک کی تعلیم کو بچوں اور بچیوں کے لئے لازم قرار دے تو مسلمانوں کے لئے شرعاً اس کی پابندی لازم نہیں ہے۔

(ب- ۴): جنسی تعلیم سے متعلق اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے اپنے سترہویں فقہی سمینار (برہان پور، ایم پی) میں جو تجویز پاس کی تھی وہ بہت موزوں اور مناسب ہے۔

ج: اسلامک فقہ اکیڈمی نے کئی سمیناروں میں نکاح کے مسائل کو موضوع بحث بنایا اور تجاویز پاس کی ہیں، ان میں نکاح کے بارے میں بچے او ربچیوں کے حقوق سے متعلق تجاویز بھی ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اسلام نکاح کو استوار اور پائیدار دیکھنا چاہتا ہے اور ایسی ہدایات دیتا ہے جن پر عمل کرنے سے نکاح اپنے مقاصد کو پورا کرے اور میاں بیوی تاحیات خوش گوار زندگی گزار سکیں۔

لڑکایا لڑکی جب بالغ ہوجائے تو شریعت نے انہیں اپنی ذات کے بارے میں تصرف اور نکاح کے سلسلہ میں رشتہ کے انتخاب کا حق دیا ہے۔ یہ حریت شخصیہ شریعت اسلامیہ کے امتیازات میں سے ہے، بلکہ آج مغرب ومشرق کی بہت سی قوموں نے عورتوں کو جو حقوق دیئے ہیں وہ انہی اسلامی تعلیمات سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے۔ عاقل وبالغ لڑکا یا لڑکی کو ولی کی مرضی کے بغیر خود اپنا نکاح کرنے کا حق حاصل ہے، البتہ لڑکا اور لڑکی کو چاہئے کہ اپنے اولیاء کے انتخاب کردہ رشتہ کو ترجیح دیں، کیوں کہ اولیاء کی

شفقت ومحبت اور ان کے تجربہ کی وجہ سے عموماً یہی امید ہے کہ اولیاء نے ان کے لئے رشتہ کا انتخاب کرتے وقت ان کے مفاد کا پورا پورا لحاظ کیا ہوگا، اور بہتر یہ ہے کہ اولیاء لڑکا اور لڑکی کی رضامندی سے نکاح ہو۔

اولیاء کی جانب سے بالغ لڑکییا لڑکے کے کو ان کی خواہش اور رضا کا خیال کئے بغیر کسی رشتہ پر مجبور کرنا قطعاً جائز نہیں، لہذا اولیاء کا اپنی رائے پر اصرار اور اس پر مجبور کرنے کے لئے طرح طرح کی دھمکیاں دینا، اسلام کے دیئے ہوئے حقوق سے محروم کرنے کی ناروا کوشش ہے، جو کسی طرح درست نہیں ہے۔

نکاح کے منعقد ہونے یا نہ ہونے کا تعلق نکاح کے وقت رضامندی کے اظہار سے ہے، لہذا اگر بالغ لڑکے یا لڑکی نے نکاح کے وقت رضامندی کا اظہار کردیا تو نکاح منعقد ہوجائے گا۔

اگر قاضی شرعی اور قضا کا کام کرنے والے اداروں وذمہ داروں کے سامنے یہ بات بتحقیق ثابت ہوجائے کہ اولیاء نے بالغہ لڑکی کے نکاح کے سلسلہ میں جبر وزبردستی سے کام لیا ہے، او راس کو مجبور کرکے بوقت نکاح ہاں کرالیا ہے، اور لڑکی رشتہ ہوجانے کے بعد اس رشتہ کو باقی وبرقرار رکھنے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہے اور فسخ کا مطالبہ کرتی ہے اور شوہر اسے نہ بطور خود جدا کرتا ہے اور نہ خلع وطلا ق پر آمادہ ہے تو قاضی شرعی کو دفع ظلم کی غرض سے فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

عاقلہ بالغہ لڑکی اپنے نکاح میں کفاء ت یا مہر کے مطلوبہ معیار کا لحاظ نہ کرے تو اولیاء کو قاضی کے ذریعہ تفریق کا حق حاصل ہوگا۔

جس لڑکی کا نکاح باپ یا دادا نے نابالغی میں کردیا ہو وہ نکاح لازم ہے، الا یہ کہ وہ لڑکی اس وجہ سے اس نکاح کو پسند نہ کرے کہ باپ دادا نے اس کا نکاح کسی لالچ میں آکر یا لاپرواہی سے کام لے کر یا بدتدبیری کے ساتھ کردیا ہے، یا ولی اعلانیہ فاسق ہے تو اس کو قاضیکے ذریعہ حق تفریق حاصل ہے۔

باپ اور دادا کے علاوہ دوسرے اولیا ء کا کرایا ہوا نکاح درست ہے، البتہ اگر لڑکی اس نکاح پر مطمئن نہ ہو تو بوقت بلوغ اس نکاح کو فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

کنواری لڑکی کے لئے اس حق (خیار بلوغ) کا استعمال بوقت بلوغ ضروری ہے، بشرطیکہ بلوغ سے پہلے ا س کو نکاح کا علم ہوچکا ہو اور حکم شرعی کا بھی علم ہو، بصورت دیگر اس کو یہ اختیار نکاح کا علم ہونے تک یا مسئلہ کا علم ہونے تک باقی رہے گا۔

شوہردیدہبیعنی ثیبہ لڑکی کو یہ حق (خیار بلوغ) اس وقت تک حاصل رہے گا جب تک کہ اس کی طرف سے رضامندی کا اظہار نہ ہو، خواہ یہ اظہار صراحتاً ہو یا قرائن کے ذریعہ، اسی طرح یہ حق واختیار اس وقت تک رہے گا جب تک کہ اس کو مسئلہ کا یا نکاح

کا علم نہ ہو۔

جن عورتوں کو بڑی عمر کی وجہ سے حیض آنا بند ہوگیا اور جن کو کم عمری کی وجہ سے حیض آیا ہی نہیں، اللہ تعالی نے ان کی عدت طلاق تین مہینہ بیان کی ہے، قرآن کریم میں ہے:

''واللآئییئسن من المحیض من نسائکم إن ارتبتم فعدتہن ثلاثۃ أشہر واللآئی لم یحضن''(سورہ طلاق: ۴) (اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے ناامید ہوگئیں اگر تم کو شبہ رہ گیا تو ان کی عدت تین مہینے ہے، اور ایسے ہی جن کو حیض نہیں آیا)۔

پہلے نکاح ہوتا ہے طلاق کی نوبت اس کے بعد آتی ہے، تو جس عورت کو طلاق کے وقت تک بھی حیض نہیں آیا تو اس سے پہلے (نکاح کے وقت) اسے حیض آیا ہی نہیں، اس میں پیدائش سے لے کر حیض آنا شروع ہونے سے پہلے تک کا پورا وقت داخل ہے اور قرآن کریم نے کسی وقت کی تحدید وتعیین نہیں کی، اس کا صاف مطلب ہے کہ پیدائش سے لے کر حیض آنا شروع ہونے سے پہلے تک کبھی بھی لڑکی کا نکاح کرنا جائز ہے، اور یہی حکم لڑکے کا ہونا چاہئے۔

امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے ''باب إنکاح الرجل ولدہ الصغار '' او ردلیل میں مندرجہ بالا آیت پیش کرکے لکھا ہے کہ اللہ تعالی نے بلوغ سے مطلقہ کی عدت تین مہینے مقرر کی ہے۔

باب مینیہ حدیث پیش کی ہے کہ:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے ان سے نکاح کیا تو وہ چھ سال کی لڑکی تھی، اور ان کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا گیا تو وہ نوسال کی لڑکی تھی اور وہ آنحضرتﷺ کے پاس نوسال رہی (بخاری، باب انکاح الرجل ۱۱۹۱،۲)۔

علامہ نوویؒ شارح مسلم نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ باپ اپنی باکرہ صغیرہ بیٹی کا نکاح کردے، تو وہ جائز ہے، ''أجمع المسلمون علی جواز تزویجہ بنتہ البکر الصغیرۃ، لہذا الحدیث'' (مسلم باب جواز تزویج الاب البکر الصغیرۃ۴۵۶،۱)۔

قاموس الفقہ میں لکھا ہے کہ ''حسب مراتب ودرجات تمام ہی اعزہ میں شفقت ہوتی ہے، اور بعض دفعہ نابالغی میں ایسا موزوں رشتہ ہاتھ آجاتا ہے کہ اس کا کھودینا بچو نکے لئے نقصان سے خالی نہیں، اس لئے دوسرے اولیاء کے لئے بھی اسے نابالغ بچو نکے نکاح کرنے کی گنجائش ہونی چاہئے '' (قاموس الفقہ ، ولایت۳۳۰،۵)۔

اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ اسلام میں بہت کم عمری میں نکاح کردینا جائز ہے، لیکنیہ بات بھی مدنظر رہنی چاہئے کہ ولایت اور کفاء ت کے مسائل کا جومقصد ہے وہ

فوت نہ ہونے پائے۔

(د -۱): اسلام نے بچوں کے بچپن کو ان کی تعلیم وتربیت کے لئے خاص کیا ہے او رانہیں اس زمانہ میں فکر معاش وکسب معاش سے آزاد وبے فکر رکھا ہے، ان کی تعلیم وتربیت او رمعاش کی تمام تر ذمہ داری ان کے ماں باپ وغیرہ پر ڈالی ہے، تاکہ ان کی جسمانی اور دماغی نشو ونما صحیح طور پر ہوسکے اور ایسا صالح معاشرہ وجود میں آئے جسے اسلام چاہتا ہے، جو اس تعلیم وتربیت کے بغیر ممکن نہیں ہے جسے مذہب اسلام نے مقرر کیا، اس کی کچھ جھلک گذشتہ صفحات میں پیش کی گئی، ان کے معاش یعنی نفقہ کی ذمہ داری سے متعلق تفصیل درج ذیل ہے، اس سے صاف واضح ہے کہ مذہب اسلام بچوں سے مزدوری کرانا نہیں چاہتا ہے۔

بچونکے نفقہ کی ذمہ داری:

قاموس الفقہ میں ہے:

نفقہ واجب ہونے کا دوسرا سبب قرابت ورشتہ داری ہے، پھر قرابت کی بھی مختلف صورتیں ہیں، ان میں سب سے اہم قرابت ولاء ہے، قرابت ولاء سے اولاد اور والدین ہیں، کیونکہ اولاد اور والدین کی حیثیت ایک دوسرے کے لئے ان کے وجود کے ایک حصہ کی ہے۔

فی الجملہ اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہونے کے سلسلہ میں فقہاء امت کا اجماع واتفاق ہے، یہ خود قرآن سے بھی ثابت ہے، اسی لئے بچہ کے دودھ پینے کی اجرت باپ پر واجب قرار دی گئی (طلاق: ۶)، بلکہ ان عورتوں کی کفالت بھی باپ کے ذمہ رکھی گئی جو اس کے بچہ کی پرورش کرنے میں مشغول ہوں اوران کو دودھ پلاتی ہوں (البقرہ: ۲۳۳)، یہ حدیث سے بھی ثابت ہے، حضرت ابوسفیانؓ اخراجات کی ادائیگی میں کسی قدر تنگی سے کام لیا کرتے تھے، ان کی بیوی حضرت ہندہؓ نے آپﷺ سے اس تنگی کی شکایت کی، اور دریافت کیا کہ کیا میں شوہر کی اجازت کے بغیر ان کے مال میں سے خرچ کرسکتی ہوں؟ آپﷺ نے فرمایا کہ اتنی مقدار لے سکتی ہو جو تمہارے اورتمہارے بچہ کے لئے کفایت کرجائے، ''خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف''۔

کن صورتوں میں اولاد کا نفقہ واجب ہوگا اور کب واجب نہیں ہوگا؟

علامہ ابن ہمامؒ نے اس کو بہت بہتر تجزیہ کے ساتھ بیان فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی چار حالتیں ہوسکتی ہیں:

۱- باپ مالدار ہو، بچے نابالغ ہوں، تو لڑکوں کے کمانے کے لائق ہونے تک اورلڑکیوں کی شادی تک باپ پر نفقہ کی ذمہ داری ہوگی، اور باپ کو تنہا کفالت کی ذمہ داری اٹھانی پڑے گی، اور اگر بچے خود بھی صاحب استطاعت ہوں اور مال ان کے پاس

موجود ہو، تو باپ ان ہی کا مال ان پر خرچ کرسکتا ہے، اوراگر مال ان کی دسترس میں نہ ہو اور قاضی کی اجازت سے باپ (اپنا مال) خرچ کرے یا اس نیت سے خرچ کرے کہ یہ پیسے بچے کی جائیداد سے وصول کرنے ہیں اور اس نیت پر گواہ بھی بنالے تو بعد کو جب بچہ کا مال حاصل ہوجائے وہ اس میں سے اپنا پیسہ وصول کرسکتا ہے، اوراگر قاضی کا فیصلہ بھی نہ ہوا ور بعد میں وصول کرنے کی نیت پر گواہ بھی نہ بنایا ہو تو قانوناً وہ اپنے پیسے واپس نہیں لے سکتا، اور دیانۃً اگر پہلے ہی سے واپس لینے کی نیت رہی ہو تو لے سکتا ہے۔

۲- دوسری صورت یہ ہے کہ باپ مالدار ہو اور اولاد بالغ ہوں تو اگر بچے خود اپنی کفالت کے لائق اور صاحب معاش ہوں تو ان کی کفالت باپ کے ذمہ نہ ہوگی، اگر بچے محتاج ہوں تو:

الف: نکاح تک لڑکیوں کی نفقہ باپ کے ذمہ ہوگا، اسی طرح شادی شدہ لڑکیاں مطلقہ یا بیوہ ہوجائیں تب بھی باپ ان کے نفقہ کا ذمہ دار ہوگا۔

ب: لڑکے مفلوج، نابینا، فاتر العقل یامعذور ہونے کی وجہ سے کسب معاش کی صلاحیت نہیں رکھتے ہوں، یا ابھی حصول تعلیم میں مشغول ہوں، تو ان کا نفقہ بھی باپ کے ذمہ ہوگا۔

۳- تیسری صورت یہ ہے کہ باپ خود محتاج اورنفقہ ادا کرنے کی پوزیشن میں نہ ہو، بچے نابالغ ہوں لیکن مالدار، یا نابالغ ہو ناور مالداد یا خود کسب معاش کے لائق، ان صورتوں میں باپ پر نفقہ کی ذمہ داری نہیں ہوگی۔

۴- چوتھی صورت یہ ہے کہ باپ محتاج ہو، بچے بھی نابالغ ومحتاج ہوں یا بالغ ہوں لیکن کسب معاش نہیں کرسکتے، تو باپ کو کسب معاش کرنا چاہئے اور نہ کرے تو اسے اس پر مجبور کیا جائے گا، اور اس پر مجبورکرنے کے لئے اسے قید کی سزا بھی دی جاسکتی ہے، پھر اگر باپ کفالت نہ کرسکتا ہو اوردادا یا ماں یا ماموں یا چچا اس کی کفالت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں تو ان لوگوں پر اس کی کفالت واجب ہوگی اور وہ اس پر مجبور کئے جائینگے، البتہ جب اس کے والد کے حالات بہتر ہوجائیں تو ان قرابت داروں کو حق ہوگا کہ وہ اپنے کئے ہوئے اخراجات اس کے والد سے وصول کرلیں، دادا اور ماں دونوں خوش معاش ہوں، تو دونوں کو حصہ میراث کی نسبت سے نفقہ بھی ادا کرنا ہوگا، یہ ظاہر مذہب ہے، اورامام ابوحنیفہؒ کے ایک قول کے مطابق تنہا دادا پر نفقہ کی ذمہ داری ہوگی، کیونکہ دادا باپ کے درجہ میں ہے۔

اگر کفالت کی کوئی صورت نہ ہو؟

اگر باپ غریب ہو، نفقہ ادا کرنے سے عاجز ہو اور کفالت کی کوئی اور راہ نہ ہو تو آخری درجہ میں بعض حضرات کی رائے ہے کہ نفقہ کی ذمہ داری بیت المال پر ہوگی،

اور امام خصافؒ کے نزدیک ایسی صورت میں لوگوں سے سوال کرنے اور اس طرح بچوں کی ضرورت پوری کرنے کی تدبیر اختیار کی جائے گی (قاموس الفقہ ۵؍۲۱۱ تا ۲۱۳ نفقہ)۔

خلاصہیہ ہے کہ اسلام نے بچوں کی تعلیم وتربیت اوران کی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کی ذمہ داری باپ ودیگر قرابت دار اور بیت المال وغیرہ پر رکھی ہے، اگر ان میں سے کوئی نہ ہو، یا وہ اس ذمہ داری کو انجام دینے سے عاجز یا غافل ہوں یا والدین انتہائی معاشی بدحالی میں مبتلا ہوں، نہ وہ خود کمانے کے لائق ہوں، نہ حکومت ان کا تکفل کرتی ہے، پیشہ اور نہ کام کو سکھانے کے لئے کام سے لگایا جاسکتا ہے۔

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ:

''إن لم يبلغ حد الكسب فإن بلغه كان للأب أن يؤجره أو يدفعه فى حرفة ليكتسب'' (شامی۲؍۶۷۰، ۶۷۱)۔

البتہ جو ماں باپ اپنی معاشی ضروریات پوری کرسکتے ہوں انہیں اپنی معاشی ضرورت پورا کرنے یا بہتر بنانے کے لئے بچوں سے مزدوری کرانے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ بچوں کی کفالت خود ان کے ذمہ ڈالی گئی ہے۔

و:شریعت نے جن چیزوں کے ارتکاب سے منع کیا ہے ان کے ارتکاب کی وجہ سے نابالغ پر کوئی جسمانی حد واجب نہیں ہوگی، چنانچہ اگر وہ عمداً بھی کسی کو قتل کردے تو قتل خطا ہی سمجھا جائے گا (قاموس الفقہ صبی،۴؍۲۱۷)۔

لہذا سوالنامہ میں مذکور جرائم قتل، غارت گری، چوری، زنا بالرضا یا زنا بالجبر وغیرہ اگر نابالغ لڑکوں یانابالغ لڑکیوں سے سرزد ہوجائیں تو ان پر شرعی سزائیں جاری نہیں کی جائے گی، البتہ ان کے اولیاء ان کو تنبیہ کریں۔

ایمان کے بعد انسان کی زندگی کو سنوارنے اور فلاح کے مقام تک اس کو پہنچانے میں چونکہ سب سے بڑا دخل اللہ تعالی کے خوف وخشیت اور آخرت کی فکر کو ہے، اس لئے رسول اللہﷺ نے اپنی امت میں ان دوچیزوں کو پیدا کرنے کی خاص کوشش کی ہے، کبھی اس خوف وفکر کے فوائد اور فضائل بیان فرماتے اور کبھی اللہ تعالی کے قہر وجلال اور آخرت کے ان سخت احوال کو یاد دلاتے جن کییاد سے دلوں مینیہ دونوں کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں تاکہ دلوں میں رقت اور گداز کی کیفیت پیداہو، دنیا سے دلبستگی کم ہو، اور آخرت کی فکر بڑھے، اور آدمی اللہ تعالی کی رضا اور اخروی فلاح کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائے، اس طرح کی حدیثیں کتب حدیث میں ''کتاب الرقاق ' کے عنوان کے تحت درج کی گئی ہیں، ان کو اور غضب، کبر اور ظلم کے ابواب او ربرے اخلاق کے دنیوی واخروی نقصانات بچوں کو خوب اچھی طرح سمجھا کر ذہن نشیں کرادیئے جائیں، مشکوۃ میں۴۳۳ تا ۴۵۹ میں ان امور سے متعلق احادیث درج ہیں اورحضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے معارف الحدیث جلد ۲ میں کتاب الرقاق وکتاب الاخلاق سے متعلق احادیث کو

جمع کردیا ہے اس کو بھی زیر تعلیم رکھا جائے۔ بچوں کی جیل میں بھی ان کی اصلاح کے لئے ان حدیثوں کی تعلیم دی جائے۔

ز: جو بچے بے سہا را ہوجاتے ہیں، خواہ کسی حادثہ میں ان کے والدین کے گذر جانے یا والدین سے بچھڑ جانے نیز ولادت کے بعد ماں باپ کی طرف سے پھینک دیئے جانے کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے، ان پر فقہ کی اصطلاح لقیط کا اطلاق ہونا چاہئے۔

لقیط (لاوارث بچہ):

''لقیط '' عربی زبان میں فعیل کے وزن پر ہے اور یہ اسم مفعول ملقوط کے معنی مینہے: یعنی ایسا بچہ جس کو اٹھالیا گیا ہو، فقہ کی اصطلاح میں ایسے نابالغ بچہ کو کہتے ہیں جو پڑا ہوا ملے، اس کے والدین کا پتہ نہ ہو او روہ نابالغ ہو گو باشعور ہو، اللقیط ہو الصغیر الصبی غیر البالغ وإن کان ممیزاً، چونکہ عام طور پر کوئی شخص اپنے بچہ کو فقر ومحتاجییا تہمت زنا کی وجہ سے ہییوں پھینک دیتا ہے اس لئے سرخسی نے اس کی بھی قید لگائی ہے۔

ایسے بچہ کو لے لینا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، اگر کسی نے نہیں اٹھایا اور اس کی جان چلی گئی تو اس علاقہ کے تمام لوگ گناہ گار ہونگے، اور اگر کسی نے اٹھالیا تو وہ تو ایک انسان کی زندگی بچانے کی وجہ سے ثواب کا مستحق ہوا اور دوسرے لوگ بھی گناہ سے بچ جائینگے۔

لقیط کے احکام:

ایسے بچہ کے احکام درج ذیل ہیں:

اسے آزاد تصور کیا جائے گا نہ کہ غلام، کیوں کہ حضرت عمرؓ نے ایک لقیط کے بارے میں اسی طرح کا حکم فرمایا تھا۔

اگر وہ مسلمانوں کے علاقہ میں پایا جائے تو مسلمان تصور کیا جائے گا اور اگر ایسی آبادی میں پایا جائے جو خالص غیر مسلموں کی ہو تو اگر کسی مسلمان نے اس کو اٹھایا او راپنے زیر پرورش رکھا تب وہ مسلمان تصور کیا جائے گا اور اگر وہ غیر مسلم کے زیر پرورش ہو تو اس کا ہم مذہب متصور ہوگا۔

جس شخص نے اس لقیط کو اٹھایا ہے وہ بمقابلہ دوسروں کے اس کی پرورش کا زیادہ حق دار ہوگا۔

جہاں اسلامی حکومت اور اس کے تحت بیت المال قائم ہو وہاں لقیط کا نفقہ بیت المال کے ذمہ ہوگا، چنانچہ حضرت عمرؓ کا معمول مبارک یہی تھا کہ بیت المال سے ایسے لوگوں کا نفقہ ادا فرماتے تھے۔

اگر اس پر کسی کا خون بہا واجب ہو اور خون بہا (دیت) کی نوعیت ایسی ہو کہ

جس میں اس کے رشتہ دار یا ہم پیشہ شریک تعاون ہوتے ہیں (جن کو فقہ کی اصطلاح میں عاقلہ کہا جاتا ہے) تو بیت المال خون بہا ادا کرنے میں اس کا معین ومددگار ہوگا۔

اگر اس کا نسب کسی سے ثابت نہیں ہوا تو حکومت کو اس پر ولایت حاصل ہوگی، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی سلطان ہے، ''السلطان ولی من لا ولی لہ ''۔

لقیط کا نسب:

اگر لقیط کو اٹھانے والا یا کوئی اور مرد لقیط سے نسب کا دعوی کرے اور اسے اپنا بیٹا قرار دے تو گو اس کے پاس کوئی گواہ وثبوت نہ ہو لیکن اگر بظاہر اس کی تکذیب کیبھی کوئی وجہ نہ ہو تو اس لقیط کا نسب اس شخص سے ثابت ہوجائے گا، کیونکہ اس میں لقیط کا بھی فائدہ ہے کہ وہ مجہول النسب نہ رہے گا اور شرافت نسب بھی حاصل ہوسکے گی اور خود دعوی کرنے والے کے لئے بھی فائدہ ہے کہ اسے اس سے تقویت حاصل ہوگی اور جس دعوی میں مدعی کا فائدہ ہو اور دوسرے کا نقصان نہ ہو تو اسے بلا ثبوت بھی قبول کیا جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص اس سے ثبوت نسب کے سلسلہ میں ثبوت شرعی پیش کردے تو پھر اس سے نسب ثابت ہوگا اور اگر ایک سے زیادہ اشخاص نے اس سے نسب کا دعوی کیا اور گواہان بھی پیش کردیئے کہ ترجیح کی کوئی صورت باقی نہ رہے تو پھر دونوں ہی سے اس کا نسب مانا جائے گا، اور نسب کے احکام جاری ہونگے۔

ہا نیہ تمام تفصیل اس صورت میں ہے جب مرد نے نسب کا دعوی کیا ہو، اگر عورت نسب کی مدعی ہو اور اسے اپنا بیٹا قرار دیتی ہو تو جب تک شوہر یا دایا کے ذریعہ اس کی تصدیق نہ ہوجائے یا وہ گواہان پیش نہ کردے نسب ثابت نہ ہوگا، کیونکہ عورت کا دعوی نسب صرف اس کی ذات سے متعلق نہیں بلکہ وہ اگر کسی کو اپنا بیٹا قرار دیتی ہے تو گویاوہ اپنے شوہر کو بھی اس کا باپ قرار دیتی ہے۔

اگر کسی بچہ کے بار ے میں دوعورتیں ثبوت نسب کی مدعی ہوں اور گواہان پیش کردیں تو وہ دونوں ہی خواتین اس کے لئے ماں کے حکم میں ہونگی۔

مسلمان ''کافر لقیط بچہ '' کو بھی اٹھا سکتا ہے (قاموس الفقہ جلد ۴، لقیط)۔

دوا علاج کا شرعی حکم:

دیگر امور کی طرح بچوں کے علاج کے سلسلہ میں بھی ماں باپ ان کے ولی ہیں۔

''الموسوعۃ الفقہیہ میں چھوٹے یا مریضیا اپاہج ومعذور بچہ کی خدمت خود کرنا یا کسی اور سے کرانا باپ پر واجب لکھا ہے، اگر بچہ فقیر ہو ، عنوان ہے: ''خدمۃ الوالد للولد وعکسہ ''۔

''وتجب علیہ الخدمۃ أوالا خدام لولدہ الصغیر أو المریض أو العاجز، إذا کان فقیراً''

(الموسوعۃ الفقہیہ۱۹؍۳۸، ۳۹)۔

حضانت وپرورش کے دوران بچہ کی نفسیاتی کیفیت کا بھی اسلام نے خاص خیال رکھا ہے، اسی لئے اسلام نے یہ شرط لگائی ہے کہ حاضنہ محضون کے غیر محرم کے نکاح میں نہ ہو، کیونکہ سوتیلے باپ کی طرف سے اسے ذلت وحقارت سے دوچار ہونا پڑے گا، کتب فقہ مینیہ صراحت بھی ہے کہ مفتی کو صاحب بصیرت ہونا چاہئے تاکہ وہ مجنون کے لئے زیادہ خیرخواہ کی رعایت رکھ سکے، اگر محضون کا سوتیلا باپ اس کے حق میں زیادہ خیر خواہ ثابت ہو، حاضن کی بیوی اسے حاضنہ کے اجنبی شوہر سے زیادہ ستاتی ہو تو بچہ کو اس حاضنہ سے نہ لیا جائے، اس کی قدرے تفصیل شرائط حضانت کی شرط ۶ کے بعد شامی (۶۴۰؍۲) کے حوالہ سے گذرچکی ہے۔

بیمار ومعذور دلجوئی، شفقت اور ہمدردی وخیرخواہی کا صحت مند وتندرست سے زیادہ محتاج ہوتا ہے اور ماں باپ کا اس سلسلہ میں کوئی بدل نہیں ہوسکتا، لہذا جو بچے ذہنییا جسمانی طور پر معذور پیداہوتے ہینیا پیدائش کے بعد معذور ہوجاتے ہیں، ان کی پرورش، خدمت، نگہداشت اور علاج ماں باپ سے جتنا ہوسکے کرنا چاہئے او ران کو باپ کی شفقت اور ماں کی ممتا سے محروم نہیں کرنا چاہئے، ان کے علاج یا نگہداشت کے لئے ہسپتال میں داخل کرانے کی ضرورت ہو تو داخل کرایا جائے اور ان کی دلجوئی وہمدردی کے لئے ماں باپ یا قریبی اعزہ میں سے باری باری کسی کو ان کے پاس رہنا چاہئے، محض اپنی ذمہ داری سے فراغ یا فرار حاصل کرنے یا اپنے عیش وآرام کی قربانی دینے سے بچنے کے لئے ایسے بچوں کو دماغی ہسپتال یا کسی دوسرے ہسپتال میں داخل نہیں کرانا چاہئے، ہذا ماعندی واللہ اعلم بالصواب۔

***

اسلام میں بچوں کے حقوق اور ان سے متعلق احکام

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی•

بچوں پر ظلم وزیادتی کی کہانی نئے دور کی پیداوار نہیں بلکہ اس کی تاریخ قدیم ہے، اندوہناک صورت حال کا سامنا زمانۂ جاہلیت سے ہوتا رہا ہے، اس انمول امانت کو برباد کرنے کا ارتکاب کبھی تو فقر وفاقہ کے خوف سے کیا جاتا اور کبھی انسانیت سوز رسم اور شرم وحیاء کے مارے انجام دی جاتی، قرآن کریم نے دونوں صورتحال کا تذکرہ کیا ہے:

''لا تقتلوا أولادکم خشیۃ إملاق نحن نرزقہم وإیاکم إن قتلہم کان خطأ کبیراً'' (بنی اسرائیل: ۳۱) (اپنی اولاد کو فقر وفاقہ کے خوف سے قتل مت کرو، ہم ان کو بھی اور تم کو بھی کھلاتے ہیں،یقینا ان کا قتل گناہ کبیرہ ہے)۔

''إذا بشر أحدہم بالأنثی ظل وجہہ مسوداً'' (نحل: ۵۸) (جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی بشارت دی جاتی تو اس کا چہرہ کالا پڑجاتا)۔

ایک عرصے تک بچوں پر ظلم وجور کا سلسلہ چلتا رہا، اسلام کی روشنی سے انسانیت کو اس لعنت بد سے نجات ملی، ہر ایک کو اس کے مناسب حقوق نواز کر دنیا کو عدل وانصاف اور اعتدال وتوازن کی خوبیوں سے بہرہ ور کردیا گیا، پھر قلب ونگاہ میں بچوں کے تئیں وہی چاہت اور وہی تڑپ امڈ پڑی، جو پہلے انبیاء جیسی بزرگ ہستیوں میں بھی پائی جاتی تھی، نتیجہیہ ہوا کہ شفقت پدری، مادری ممتا، اور اہل قرابت کی بھرپور محبت سے پرمسرت کلیاں کھلنے لگیں، لیکن رفتہ رفتہ اسلامی احکام سے غفلت، مغرب کے برپا کیے نظام کی پاسداری ایسی بڑھی کہ زمانہ جاہلیت کا وہی نقشہ ابھرنے لگا جس کی بیخ کنی کے لئے کن کن پیرایہ بیان کو اختیار کیا گیا تھا، آج حقوق کا نعرہ بلند کرنے والے ہی بچوں کو گری پڑی چیز کا درجہ دے کر بے بی سینٹر میں توپہنچا سکے مگر وہ حقوق جو فطرت کا تقاضا تھے اور اپنے پرایے کی وہ پہچان جو انسانوں کا انسان ہونے کے لئے طرہ امتیاز تھی وہ نواز نہ سکے، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ دنیا کا چپہ چپہ اس نظر بد کا شکار ہوچکا ہے، مگر یہ کہنا بھی حق بجانب ہوگا کہ ساری دنیا کے نظریات وخیالات میں بڑی تیزی سے تبدیلی آرہی ہے، کچھ بعید نہینیورپ کا بھیجا ہوا ابلیسی سوغات، مسلم سماج کی ان روحوں کوبھی پامال نہ کردے جو ابھی بہت حد تک پاکیزہ

• استاذ حدیث مدرسہ حسنیہ کایم کلم،کیرالہ۔

سمجھی جاتی ہیں، قبل اس کے کہ اس پوزیشن سےسابقہ ہو اسلامی ہدایات وتعلیمات کو آشکارا کردینا ضروری ہے اور فی الوقت ان حقوق کی بازیابی کے لئے جو دبی دبی سی کوشش ہورہی ہے اس کو رہنما خطوط مہیا کرنا ضروری ہے تاکہ کامیابی کی کچھ منزلیں طے کی جاسکیں، مندرجہ ذیل سطور میں بچوں کے ان ہی پامال حقوق کے تئیں اسلامی ہدایات سے روشناس کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔

حق پرورش اور اسلامی ہدایات:

حق پرورش کے سلسلہ میں شریعت نے ''شفقت ومصلحت '' کو اساس بنایا ہے جس شخص میں شفقت ومحبت فطری طور پر زیادہ ہو بچہ کی پرورش اسی کا حق ہے، حضانت کے مستحقین کو بیان کرتے ہوئے فقہاء نے یہ ترتیب قائم کی ہے:

''أحق الناس بحضانۃ الصغیر حال قیام النکاح وبعد الفرقۃ الأم، فإن ماتت الأم أو تزوجت فأم الأم فإن ماتت أو تزوجت فأم الأب، فإن ماتت أو تزوجت فالأخت لأب وأم، فإن ماتت أو تزوجت فالأخت لأم'' (خانیہ علی الہندیہ۱؍۴۲۲، فصل فی الحضانہ، ط: احیاء التراث العربی بیروت)۔

(بچے کی پرورش کے لئے ماں، نکاح باقی رہنے کی حالت میں اور تفریق کے بعد زیادہ حقدار ہے، پس اگر ماں کاانتقال ہوجائے یا دوسرا نکاح ہوجائے تونانی زیادہ حقدارہے، پس اگر وہ مرجائے یا شادی کرلے تو دادی زیادہ حقدار ہے، پھر اگر وہ مرجائے یا شادی کرلے تو حقیقی بہن زیادہ حق دار ہے، اگر حقیقی بہن مرجائے یا شادی کرلے تو ماں شریک بہن زیادہ حقدار ہے)۔

اس کے بعد کچھ اختلاف بھی پایا جاتا ہے، بعض نے خالہ کو علاتی بہن پر مقدم رکھا ہے اور بعض نے علاتی بہن کو مقدم کیا ہے، بہنوں کے بعد خالاؤنکو حق حضانت ہے اور سب سے آخر میں پھوپھیاں حق دار ہیں (فتح القدیر۴؍۳۳۲، باب الحضانہ، زکریا)۔

اس تفصیل میں ایک چیز قدر مشترک یہ ہے کہ جن پرورش کرنے والیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ سب محارم ہیں، نیز انہی خواتین کو مقدم کیا گیا ہے جن میں مادہ شفقت دوسری کی بنسبت زیادہ ہے، صاحب ہدایہ، اور صاحب فتح القدیر وغیرہ تعلیل وتوجیہ کرتے ہوئے بار بار ''لأنہا أشفق'' اور ''لأنہا أوفر شفقۃ'' لکھتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''شفقت'' سب سے بنیادی عنصر ہے جس کا لحاظ اس حق کو ادا کرنے میں رکھا گیا ہے۔

اگر شفقت والی محرم عورتیں نہیں ہیں تو پھر یہ حق مردوں کو ملتا ہے، مردوں میں ترتیب عصبہ والی اختیار کی گئی ہے، ''فإن لم تکن للصبی امرأۃ من أہلہ فاختصم فیہ الرجال فأولاہم أقربہم تعصیباً؛ لأن الولایۃ للأقرب'' (ہدایہ علی فتح القدیر۴؍۳۳۳، کتاب الحضانۃ، ط: زکریا دیوبند)۔

(اگر بچے کی پرورش کی خاطر مستحق خاتون نہیں ہے اور مردوں کے مابین اس

بابت نزاع ہو تو عصبہ ہونے کے لحاظ سے جو اقرب ہے وہی زیادہ مستحق ہے، اس لئے کہ ولایت اقرب کے لئے ہوتی ہے)۔

یہی وجہ ہے کہ محرم عورتیں خواہ ماں ہو یا اس کے علاوہ دوسری عورتیں جب شریعت میں مقررہ عرصہ تک پرورش کرکے فارغ ہوجاتی ہیں تو اسی ولایت کی بنا پر بلوغ تک یا اگر لڑکی ہے تو شادی تک اپنے پاس رکھنے کا حق ہے۔

اس میں بھی شفقت ہی پنہاں ہے، یہ شفقت کبھی تو محرمیت کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی ولایت کی وجہ سے، مردوں کے سلسلہ میں صرف اتنا ملحوظ رکھا گیا ہے کہ اگر بچیاں زیر پرورش ہیں تو ان کو کسی غیر محرم کے پاس نہیں رکھا جاسکتا جیسے چچا زاد بھائی،یا آزاد کرنے والا آقا وغیرہ، غیر محرم ہونے کی وجہ سے ان کو حق حضانت نہیں ہے، البتہ بچہ ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

عصبہ نہ ہونے کی صورت میں احناف کے نزدیک ذوی الارحام پرورش کے مستحق ہوتے ہیں:

‘‘فی الفتاوی الصغری: فإن لم یکن عصبۃ فإلی ذوی الأرحام علی الترتیب ’’ (فتح القدیر۳۲۳،۴،باب الحضانۃ، ط: زکریا) (فتاوی صغری میں ہے: اگر عصبہ نہیں ہے تو ترتیب سے ذوی الارحام مستحق ہونگے)۔

ذوی الارحام سے مراد محرم ذوی الارحام ہیں (شامی۶۹۴،۳ باب الحضانۃ)۔

غالباً شافعیہ کے یہاں بچیوں کی پرورش میں بھی محرم کی شرط نہیں ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷۳۰۹،۱۰)۔

شاید اس مکتب فکر میں مدار استحقاق میراث پر ہے یا محرمیت پر، محرمیت کا تعلق عورتوں سے ہے، ارث کا تعلق مردوں سے، نیز وارث ہونے کے لئے محرم ہونا ضروری نہیں،یہی وجہ ہے کہ ذوی الارحام شافعیہ کے نزدیک پرورش کے مستحق نہیں ہیں، اس لئے کہ ان کاحصہ میراث میں نہیں ہوتا ہے۔

اسی طرح حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک پرورش کرنے والی خاتون کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، کیونکہ ان میں اعتبار شفقت کا ہے اور وہ کافرہ مینبھی اتنی ہی ہوگی جتنی مسلمان ماں میں،لیکن شافعیہ وحنابلہ اسلام کی شرط لگاتے ہیں، اس لئے کہ بغیر اسلام ایک شخص کو دوسرے پر ولایت حاصل نہیں ہوسکتی۔

البتہ پرورش کرنے والے مرد کے لئے حنفیہ بھی مسلمان ہونے کی قید لگاتے ہیں، چونکہ مالکیہ کے نزدیک عورتوں کی عدم موجودگی میں مردوں کو حق ہوتا ہی نہیں ہے، اس لئے ان کے یہانیہ مسئلہ زیر بحث نہیں ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷۳۰۷،۱۰)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے یہاں حق پرورش کا مدار محرم عورت پھر عصبہ وارث، بعدہ محرم ذوی الارحام پر ہے جبکہ شافعی کے نزدیک محرمیت بعدہ ارث

بنیاد ہیں، مالکیہ صرف محرمیت کو مدار بناتے ہیں۔

ضیاع کا خوف نہ ہو:

پرورش کی بابت دوسری اہم ہدایتیہ ہے کہ بچہ، پرورش کرنے والے کے یہاں رہ کر ضائع نہ ہو، اگر ضیاع کا خطرہ ہے تو اس کو حق حضانت سے محروم کردیا جائے گا، اس لئے کہ حضانت ایک امانت ہے، امانت کو ضائع کرنا صحیح نہیں ہے، اس کی مختلف شکلوں کو شامی وغیرہ میں واضح کیاگیا ہے۔

اگر ماں مرتد ہوگئی تو اس کو حق حضانت نہیں ہے، کیونکہ اب اس کو قید کیا جائے گا اس صورت میں وہ بچے کی پرورش کے لئے فارغ نہیں رہ سکتی۔

یافسق وفجور میں اس طرح منہمک ہے کہ بچہ کے ضیاع کا خوف ہے تب بھی حق حضانت نہیں ہوتا ہے۔

''أو فاجرة فجوراً یضیع الولد بہ، فالمراد بہ فسق یضیع الولد بہ .... علی ہذا لوکانت صالحۃ کثیرۃ الصلاۃ قد استولی علیہا محبۃ اللہ تعالی وخوفہ حتی شغلاہا عن الولد ولزم ضیاعہ انتزع منہا '' (شامی۳،۶۸۸، باب الحضانۃ، ط: رشیدیہ پاکستان)۔

(یایہ کہ ماں فاجرہ ہو کہ بچہ اس کی وجہ سے ضائع ہوجائے، فسق سے یہی مراد ہے کہ بچہ اس سے ضائع ہوجائے، اسی بنیاد پر اگر وہ صالح ہے، بہت نماز پڑھتی ہے، اس پر اللہ کی محبت اور اس کا خوف اتنا غالب ہے کہ بچے سے غافل ہو جاتی ہے اور ضیاع لازم آئے تو اس سے لے لیاجائے گا)۔

اسی طرح پرورش کرنے والی کے لئے شرط ہے کہ غیر مامون نہ ہو، اس لئے کہ اس وقت بھی ضیاع کا اندیشہ ہے، درمختار میں ہے:

''یا غیر مامون ہو بایں طور کہ کل اوقات باہر رہے، اس سے مراد اکثر اوقات ہے، اس لئے کہ مدار اس بات پر ہے کہ بچہ ضائع نہ ہو، بچہ چوں کہ امانت کے حکم میں ہے، امانت کو ضائع کرنے والا امین نہیں ہوتا ہے، نیز گھر سے باہر نکلنا معصیت میں منحصر نہیں ہے کہ سابقہ عبارت کافی ہوجائے؛ اس لئے کہ کبھی بغیر معصیت کے لئے نکلنا ہوتا ہے جیسا کہ دایہ ہو، میت کو غسل دینے والی ہو، یاحمام میں غسل کی خدمت پر مامور ہو، وغیرہ'' (درمختار علی رد المحتار ۳،۶۸۸، باب الحضانۃ، رشیدیہ پاکستان)۔

ضرر کا اندیشہ نہ ہو:

اسلام میں جہاں جلب منفعت کی اہمیت ہے اس سے زیادہ دفع مضرت اہم ہے، ہر ایسی صورت جس میں بچے کو ضرر ہو شریعت میں اس کو منع کردیا گیا، خواہ وہ ضرر دینی ہو یا جسمانی، اسی لئے حق پرورش رکھنے والی عورتیں خواہ وہ ماں ہی کیوں نہ ہوں اگر خدانخواستہ مسلمان نہیں ہیں تو اسی وقت تک پرورش کی حقدار ہیں جب تک کہ بچہ میں اس کے دین کو سمجھنے کا شعور نہ ہوا ہو، او راندیشہ کفر ومعصیت نہ ہو، ورنہ

اس سے بچہ لے لیا جائے گا۔

‘‘الحاضنۃ الذمیۃ ولو مجوسیۃ کمسلمۃ ما لم یعقل دینا أو إلی أن یخاف الکفر فینزع منہا وإن لم یعقل دینا’’ (درمختار علی رد المحتار۶۹۴،۳ باب الحضانۃ) (پرورش کرنے والی ذمی عورت خواہ وہ مجوسیہ ہو مسلم عورت کی طرح ہے جب تک کہ بچہ دین کو نہیں سمجھتا، الا یہ کہ کفر کا خوف ہو تو چاہے دین کو نہ سمجھتا ہو اس سے بچہ لے لیا جائے گا)۔

یہاں دینی ضرر کی وجہ سے حق پرورش ساقط ہوگیا، اسی طرح اگر ان محرم عورتوں میں سے کوئی کسی غیر نسبی اجنبی سے نکاح کرلے تو اب بچہ کو دنیاوی ضرر کا خدشہ ہے کہ مراسم خسروانہ وبزرگانہ کے بجائے معاملہ اجانب برتا جائے گا جس کی بنا پر بچے کو تکلیف ہوگی۔

اسی طرح پرورش کرنے والی ایسے لوگوں کے مابین سکونت رکھتی ہے جو بچہ کا خیر خواہ نہیں بلکہ حسد وبغض رکھنے والے ہیں تو حق حضانت سے محروم کردی جائے گی، درمختار میں ہے:

‘‘ویسقط حقہا بنکاح غیر محرمہ، وکذا بسکناہا عند المبغضین لہ ’’ (درمختار ۶۹۴،۳ باب الحضانہ) (عورت کا حق بچے کے غیر محرم سے نکاح کرنے کی وجہ سے ساقط ہوجاتا ہے، اسی طرح ایسے لوگوں کے پاس سکونت کرنے سے جو بچے سے بغض وعناد رکھنے والے ہوں)۔

علامہ شامی نے اس پر ایک تبصرہ کیا ہے جو نقل کرنے کے قابل ہے:

‘‘مفتی کے لئے مناسب ہے کہ صاحب بصیرت ہو تاکہ بچے کےحق میں جو نافع ہو اس کی رعایت کرے، اس لئے کہ کبھی بچہ کا قریبی رشتہ دار اس سے بغض کرنے والا اور موت کی تمنا کرنے والا ہوتا ہے، اس کا سوتیلا باپ مشفق ہوتا ہے، اس کے اوپر اس کا فراق شاق گزرتا ہے، تو قریبی محرم چاہتا ہے کہ بچہ کو اس سے لے لے اور تکلیف اس کو اور اس کی ماں کو پہنچائے، یا اس کے نفقہ سے کھائے وغیرہ۔

کبھی قریبی رشتہ دار کی بیوی ہوتی ہے جو سوتیلے باپ سے کئی گنا زیادہ ایذا دیتی ہے، اور کبھی اس کی اولاد ہوتی ہے جن کی وجہ سے ساتھ رہتے ہوئے فتنہ کا خوف ہوتا ہے، پس جب مفتی وقاضی کو ان میں سے کچھ معلوم ہو تو ماں سے بچے کا لینا حلال نہیں ہے، اس لئے کہ پرورش کا مدار تو بچہ کے نفع پر ہے ’’ (شامی۶۹۵،۳، باب الحضانۃ، ط: رشیدیہ پاکستان)۔

اس لئے ہر ایسی صورت جس میں شفقت ومحبت ختم ہوجائے، یا بے توجہی کی بنا پر بچہ ضائع ہوجائے یا تکلیف وایذا رسانی کا سامنا ہو تو حق پرورش سے محروم کردیا جائے گا، اور اس سے نیچے قریبی رشتہ دار کو یہ حق دیا جائے گا، خلاصہ یہ :

(۱)حق پرورش رکھنے والی خاتون کسی غیر نسبی اجنبی سے نکاح کرے تو اس

سے یہ حق ساقط ہوجائے گا۔

(۲) ایسا شغل خواہ جائز کام کی بنا پر ہو یا ناجائز امور میں انہماک کی وجہ سے جس کی بنا پر بچہ کے ضیاع کا خوف ہے تو پرورش کا حق ساقط ہوجائے گا۔

(۳)پرورش کرنے والے کے جسم میں کوئی ایسا مرض ہو جو بچہ کو متاثر کرنے کا سبب ہو مثلاً ایڈز جیسے امراض، توحق پرورش ساقط ہوجائے گا۔

(۴)پرورش کرنے والے کی نیت صاف نہ ہو، مثلاً وہ ضرر پہنچانا چاہتا ہےجس کو قرائن سے معلوم کیا جاسکتا ہے بایں طور کہ اس کی بیوی ہو جوبچہ کے حق میں مخلص نہ ہو، یا اس کی اولاد ہو جن سے معصیت وغیرہ کا خوف ہو یا پھر اس کی نیت میں محض اپنا فائدہ ہو، بچہ کا نفع مقصود نہیں تو بھی حق پرورش ساقط ہوجائے گا۔

(۵)کسی ایسی مصیبت میں مبتلا ہو جس کی وجہ سے پرورش پر قدرت باقی نہ رہے جیسے جنون کے مرض کا شکار ہوگیا،یا پرورش کنندہ خود ہی محتاج حضانت ہے تو کسی نومولود کی پرورش ایسے اشخاص کو نہیں دی جاسکتی۔

(۶)اگر زوجین کے مابین تفریق ہوگئی، اور دونوں آپس میں اجانب ہوچکے ہیں تو ماں کو یہ حق نہیں کہ ایسی جگہ بچہ کی پرورش کرے جہاں تک رسائی باپ کے لئے مشکل ہو، ہاں اپنے وطن میں جہاں اس سے نکاح ہوا ہے وہاں جاسکتی ہے لیکن کسی دوسرے شہر یا آج کے دور میں دوسرے ملک جہاں اس کی شادی بھی ہوئی تھی، ظاہر ہے وہاں تک پہنچنا ایک باپ کے لئے دشوار گزار عمل ہے، اس لئے اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی،یہ تو ماں کی بابت ہوا، دوسری خاتون کو بالکل اجازت نہیں ہوگی کہ کوئی اور جگہ پرورش کرے، خلاف ورزی کی صورت میں حق حضانت سے محروم ہوجائے گی (درمختار ۶۹۸،۳ باب الحضانہ، رشیدیہ، پاکستان)۔

محور (ب):

(۱) اسلام میں بچوں کی تعلیم وتربیت:

قرآن کریم اور احادیث رسول میں بچوں کی تعلیم وتربیت پر بہت زور دیاگیا ہے، قرآن کہتا ہے: ‘‘قوا أنفسكم وأہلیکم ناراً’’ (التحریم: ۶) (اپنے اہل وعیال کو جہنم سے بچاؤ)۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

‘‘ما فعل والد ولداً من نحل أفضل من أدب حسن ’’ (ترمذی۱۶،۲، ابواب البر والصلۃ، باب ما جاء فی ادب الولد) (کسی والد نے بچہ کو اچھے ادب سے زیادہ بہتر عطیہ نہیں دیا)۔

ایک اور روایت میں ہے:

‘‘ما ورّث والد ولداً خیراً من أدب حسن’’ (طبرانی الاوسط، کما فی مجمع الزوائد ۱۰۶،۸، کتاب الادب، باب تادیب الأولاد)۔

ابیہ تمام چیزینجو ایک انسان کو جہنم سے محفوظ رکھتی ہیں، ان کی تعلیم دینا

ایکباپ کی ذمہ داری ہے۔

(۱) اسی لئے سب سے پہلے درستگی عقائد کی تعلیم دی جائے، کیونکہ اس کے بغیر نجات ممکن نہیں، حدیث میں آتا ہے:

‘‘افتحوا علی صبیانکم أول کلمۃ لا إلہ إلا اللہ’’ (کنز العمال ۱۶؍۴۴۱، حدیث نمبر: ۴۵۳۳۲، عن ابن عباس) (اپنے بچوں کی تعلیم کلمہ لا الہ إلا اللہ سے شروع کرو)۔

(۲) ایمان کے بعد اعمال خیر وشر سے باخبر کرنا بھی لازم ہے، اس لئے کہ بدوں اس کے جہنم سے حفاظت مشکل ہے، حدیث میں ہے:

‘‘مروا أولادکم بامتثال الأوامر واجتناب النواہی فذلک وقایۃ لہم ولکم من النار’’ (ابن جریر بحوالہ تربیۃ الاولاد۲؍۲۸۰) (اپنی اولاد کو اوامر پر عمل کرنے اور نواہی سے رکنے کی تعلیم دو، اس میں ان کے لئے اور تمہارے لئے جہنم سے حفاظت ہے)۔

اسی بنیاد پر ایک حد تک جبری علم کو لازم کیا گیا، حدیث میں ہے: ‘‘طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم’’ (ابن ماجہ، ص: ۲۰ فضل العلماء)، یہ انہی اعمال کا علم ہے جن پر نجات وکامیابی کا مدار ہے۔

(۳) اطاعت وامتثال کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ حب نبی ان کے دلوں میں پیوست کی جائے، حضرت علیؓ سے مرفوعاً مروی ہے:

‘‘أدبوا أولادکم علی ثلاث خصال: حب نبیکم، وحب آلہ بیتہ، وتلاوۃ القرآن ’’ (طبرانی بحوالہ تربیۃ الاولاد۲؍۶۸۱، ط: دار السلام بیروت)، (اپنی اولاد کو تین باتوں کا ادب سکھاؤ: اپنے نبی سے محبت، آل نبی سے محبت اور تلاوت قرآن)۔

امام غزالی کا فرمان ہے:

‘‘الصبی أمانۃ عند والدیہ، وقلبہ الطاہر جوہرۃ نفیسۃ فإن عوّد الخیر وعلّمہ نشأ علیہ وسعد فی الدنیا والآخرۃ’’ (تربیۃ الاولاد۲؍۲۷۹، ط: دار السلام بیروت) (بچہ والدین کے پاس امانت ہے، اس کا صاف ستھرا قلب قیمتی اور نفیس جوہر ہے، اگر خیر کا عادی بنادیا گیا اور اس کی تعلیم دی گئی تو اسی پر نشاۃ ہوگی اور دنیا وآخرت میں سعات حاصل ہوگی)۔

(۴) اخلاق وآداب سے آراستہ کرنا بھی ایک والد کا فریضہ ہے، کیونکہ بچپن کے اثرات دل ودماغ پر زندگی بھر چھائے رہتے ہیں، اگر بچپن میں ہی اخلاق کو پاکیزہ نہیں بنایا گیا تو بعد میں ان کو سنوارانا مشکل ضرور ہوتا ہے۔

لہذا کھانے پینے کے آداب، ملنے جلنے کا سلیقہ، آنے جانے کا ڈھنگ، اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ، گفت وشنید کے آداب، ہنسی مذاق کا معیار، مبارکبادی وخوش آمدید کہنے کے آداب، عیادت وتعزیت حتی کہ کھانسنے وجمائی کے آداب تک سکھانا حقوق میں شامل ہے۔

نیز بتادینا کافی نہیں بلکہ عملی طور پر مشق کرانے سے اچھی طرح ذہن نشیں ہوگا، لہذا عملی تربیت بھی ضروری ہے، حضورﷺ کی تعلیمات میں جہاں علمی ہدایات

ملتیہیں عملی تربیت کا باب بھی بہت وسیع ہے، حضورﷺ نے حکم دیا:

‘‘مروا أولادکم بالصلاۃ وہم أبناء سبع سنین واضربوہم علیہا وہم أبناء عشر وفرقوا بینہم فی المضاجع ’’ (ابوداؤد۱؍۷۱ کتاب الصلاۃ، باب: متییومر الغلام بالصلاۃ) (اپنی اولاد کو جب وہ سات سال کے ہوجائیں تو نماز کا حکم کرو، اور دس سال کے ہوجائیں تو نماز کے ترک پر مارو، اور فراش الگ الگ کردو)۔

دس سال میں نماز چھوڑنے کا علم ایک باپ کو اس وقت ہوگا جبکہ وہ اس کے عمل کی نگہداشت رکھے گا، خود رسول اللہﷺ نے اپنے ماتحت بچوں اور بچیوں کی تربیت اسی انداز میں فرمائی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا مشہور واقعہ ہے، انہو ننے ایک شب اپنی خالہ حضرت میمونہ کے گھر گزاری ہے تاکہ رسول اللہﷺ کی شب بیداری کی کیفیت کا مشاہدہ کرسکیں، اور جس طرح نبی کو کرتے دیکھیں اپنی زندگی کو اسی کےمطابق ڈھالیں، اس رات حضور نے جو اعمال کیے ان کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب نبیﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو میں آپ کی بائیں جانب کھڑا ہوگیا، تو حضور نے ان کی گوشمالی بھی کی اور سرپکڑ کر دائیں جانب کردیا (بخاری۱؍۱۱۸، کتاب الصلاۃ، باب وضوء الصبیان)۔

حضرت عمر بن ابی سلمہ جو کہ آپ کے ربیب ہیں، ان کو حضور نے جب دیکھا کہ کھانا بے ترتیبی سے کھا رہے ہیں تو تنبیہ فرمائی: ‘‘أدن بنيّ، فسم اللہ وکل بیمینک وکل مما یلیک’’ (ابوداؤد۲؍۵۳۰ کتاب الاطعمہ، باب الاکل بالیمین) (بیٹے قریب ہوجاؤ، بسم اللہ پڑھو، داہنے ہاتھ سے او راپنے سامنے سے کھاؤ)۔

اسی طرح ایک بچی نے بغیر بسم اللہ کھانا کھانا شروع کردیا تو اللہ کے رسولﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا (ابوداؤد ۲؍۵۲۹ کتاب الاطعمہ، باب التسمیہ علی الطعام)۔

اس طرح کے بہت سے واقعات رسول اللہﷺ کی زندگی میں تربیت کے باب میں ملتے ہیں جن سے ہم اس ذمہ داری کی اہمیت کو محسوس کرسکتے ہیں۔

(۲) بچوں کے لئے عصری تعلیم:

اسلام میں جس بنیادی تعلیم کو ضروری قرار دیا گیا ہے اس کا تعلق علم دین سے ہے جس سے مذہب پر چلنا آسان ہوجائے، اور آخرت کی منزل سہل ہوجائے، عصری تعلیم کی افادیت سے انکار نہیں کیاجاسکتا، اس کے جواز بلکہ اس کے حصول کی جدوجہد کو نکارہ نہیں بن سکتا، نہ اسلام نے کبھی مخالفت کی ہے اور نہ ہی اسلام کے منشور میں داخل ہے، لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کسب معاش کا ذریعہ ہے، معاشی مقصد کے لئے حصول بڑی اچھی بات ہے مگر بچپن کا زمانہ جو اصل میں دل

ودماغ کو سنوارنے کا اور ایک بڑے مقصد کے لئے ہموار کرنے کا زمانہ ہوتا ہے، اس وقت کا سکھایا ہوا پوری زندگی کے لئے نقش کالحجر ثابت ہوتا ہے،لہذا زمانہ طفولت کی عمر گراں مایہ کو حقیقی علم میں لگانا ضروری ہے، اس سے بے بہرہ رکھ کر معاشی تگ ودو کے لئے تیار کرنا بالکل نامناسب رویہ بلکہ ایمان واسلام کے لئے مہلک ومضر بھی ہے، اس لئے ناقص رائے میں ماں باپ کی ذمہ داری کی بجائے بالغ ہونے کے بعد خود اس کی اپنی ذمہ داری پر چھوڑنا ہی زیادہ مناسب ہوگا۔

گارجین باپ پر تعلیم کی بابت یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ بچپن ختم ہوتے ہی ایک بچہ پر کیا واجبات عائد ہوتے ہیں، مثلاً نماز کی فرضیت، طہارت کی فرضیت، غسل کا وجوب، روزے کی فرضیت اس بابت اتنی تعلیم بچپن میں ہونا ضروری ہے کہ بالغ ہونے پر وہ خود کفیل ہو، کسی کی شدید حاجت باقی نہ رہے۔

(۳) حکومت کی طرف سے جبری قانون:

زندگی گزارنے کے لئے جن امور کی ضرورت ہوتی ہے، ان کی افادیت اپنی جگہ مگر بنیادی ضرورت کے بقدر شرعی علوم کے حصول کے بعد بلکہ یوں کہا جائے تو بجا ہوگا کہ ایک طبقہ کم ازکم اعلی علوم کے حصول میں مشغول رہ سکیں جو کہ فرض کفایہ کے درجے میں ہیں۔

اگر حکومت کی طرف سےعصری تعلیم پر مجبور کیا جاتا ہے تو چونکہ ‘‘فرض عین’’ علم حاصل کیا جاچکا ہے، اور فرض کفایہ کےحصول میں ایک گروہ مشغول ہے اب باقی لوگوں کے لئے حصول وعدم حصول دونوں ہی مباح ہیں، ادھر قانون نے جن امور کو حاصل کرنے کےلئے مجبور کیا ہے وہ معصیت نہیں ہے، لہذا ایسے وقت وہ عصری علم لازم وضروری ہوجائے گا، لیکن عملاً یہ ممکن نظر نہیں آتا کہ حکومت کی جبری تعلیم کو لازم کیا جائے تو دین کی بنیادی تعلیم جو فرض عین ہے، اور نہائی تعلیم جو کہ فرض کفایہ ہے حاصل کرنے والے افراد بھی ملینگے، اس لئے ایسے قانون کو ماننے سے شریعت کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے، لہذا اس قانون کو ماننا بھی لازم نہیں۔

(۴) جنسی تعلیم:

جنسی آگاہی سیکھنے سکھانے پر موقوف نہیں؛ بلکہ دوسرے طبعی امور کی طرح انسان کی فطرت میں ودیعت کردیا گیا ہے، اس منزل پر پہنچ کر خود ہی ادراک ہوجاتا ہے، لہذا صنفی امور کو آشکارا کرنا بالخصوص بچو ناور بچیوں کو اس سے آشنا کرنا، نہ یہ کہ اسلام کےخلاف ہے، بلکہ اخلاقی اقدار کے لئے سم قاتل ہے، رسول اللہﷺ کی تعلیم تو یہ ہے کہ جب بچے اور بچیاں دس سال کے ہوجائیں تو بستر الگ کردو، کیوں کہ اب صنفی شدبد ہونے والی ہے، آج دنیا اخلاقی قدروں کی جس گراوٹ کو بھگت رہی ہے ایسے ہی امور کی دین ہے، حیاء سوزی کا ایسا ننگا ناچ کھیلا گیا کہ انسان وجانور کا فرق تک اٹھتا

جارہا ہے، حیا کا بیش بہا پاکیزہ خزانہ تقریباً نذر آتش ہوچکا ہے، خاکستر میں دبی چنگاری پر پانی ڈالنے کے مترادف ہوگا کہ جنسی تعلیم کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

محور (ج):

بچپن کی شادی اور اسلامی ہدایات:

اسلام میں جس طرح بڑوں کی شادی جائز ہے، اسی طرح بچوں کی شادی بھی جائز ہے، لیکن بچے ایجاب وقبول نہیں کرسکتے، اس لئے اس کی طرف سے ولی ایجاب وقبول کرے گا، اولیاء اگر باپ ودادا ہیں تب تو ولایت اجبار حاصل ہوگی،یعنی خواہ نابالغ راضی ہو یا نہ ہو ہر صورت میں نکاح منعقد ہوجائے گا حتی کہ بالغ ہونے کے بعد بھی اس کو فسخ نہیں کیا جاسکتا ہے۔

''وللولی إنکاح الصغیر والصغیرة جبراً ولو ثیباً، ولزم النکاح ولو بغبن فاحش أو زوجہا بغیر کفؤ إن کان الولی أباً أو جدا'' (درمختار علی رد المحتار ۳۳۰،۲ کتاب النکاح، رشیدیہ پاکستان) (ولی کو صغیر وصغیرہ کا خواہ ثیبہ ہی ہو جبراً نکاح کرانا جائز ہے، نکاح لازم ہوگا، اگرچہ غبن فاحش کے ساتھ نکاح کیا ہو یا غیر کفو میں ہوا ہو اگر ولی باپ یا دادا ہے)۔

صرف شرط اتنی ہے کہ ولی مجبر ''سوء اختیار '' میں مشہور ومعروف نہ ہو۔

البتہ باپ ودادا کے علاوہ کسی دوسرے نے نکاح کرایا ہے تو نکاح صحیح ہوگا بشرطیکہ غیر کفومیں نہ ہو اور غبن فاحش کے ساتھ نہ ہو، مگر لازم نہیں ہوگا بلکہ بلوغ کے بعد خیار فسخ حاصل ہوگا (درمختار علی رد المحتار ۳۳۱،۲ کتاب النکاح، رشیدیہ پاکستان)۔

امام شافعیؒ کے نزدیک صغیرہ اگر باکرہ ہے تب تو ولی کو نکاح کرنے کی اجازت ہے بلکہ ولایت اجبار ہے، لیکن وہ ثیبہ ہے تو اس کی رضا سے نکاح ہوگا اور صغیرہ کا اذن معتبر ہے نہیں، اس لئے کوئی بھی نہیں کراسکتا (الفقہ المنہجی۶۴،۲)۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نکاح بھی صغر سنی میں ہوا، بعض علماء نے فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے، مگر حقیقتیہ ہے کہ یہ حکم عام ہے، قدامہ بن مظعون نے حضرت زبیر کی لڑکی سے اس دن نکاح کیا جس دن وہ پیدا ہوئی، صحابہ کے علم مینیہ بات تھی مگر کسی نے انکار نہیں کیا، ابن ہمام نے ''واللائی لم یحضن '' سے بھی نکاح صغیر پر استدلال کیا کہ صغیرہ کے لئے عدت کا اثبات اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے نکاح ہوسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ علامہ نووی نے اجماع نقل کیا ہے (مرقاۃ۲۶۱،۶ کتاب النکاح، باب الولی فی النکاح واستئذان المرأۃ، الفصل الاول)۔

بچپن کی شادی کے بعد جو مفاسد ومضار بیان کئے جاتے ہینیقینا قابل توجہ ہیں، مگر فقہاء نے ان کو بھی حاصل کیا ہے اور یہ کہ یہ مفاسد وطی کی وجہ سے لازم آتے

ہیں، اگر عورت وطی کی متحمل نہیں،یا کسی مضرت یا مفسدہ کا خطرہ ہے تو وطی کرنا جائز نہیں ہے، عالمگیری مینہے:

''صغیرہ کے دخول کے وقت کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ جب تک بالغ نہ ہو دخول نہیں کرے گا، اور کہا گیا ہے کہ جب نوسال کی ہوجائے تو دخول کرے گا، اسی طرح بحر میں ہے، اور اکثر مشائخ فرماتےہیں ، اس سلسلہ میں سال کا اعتبار نہیں، اعتبار طاقت کا ہے، اگر فربہ وسمین ہے، مردوں کی طاقت ہے، اس سے مرض کا خوف نہیں ہے تو شوہر کے لئے جائز ہے کہ دخول کرے چاہے نو سال کی نہ ہو '' (عالمگیری۱،۲۸۷، کتاب النکاح، الباب الرابع فی الاولیاء)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر مضرت ومفسدہ کا خطرہ ہے تو نکاح کی اجازت ہوگی، وطی کی اجازت نہیں ہوگی، البتہ صحابہ کے دور میں معمول کی شادی جو ہوتی تھی وہ بلو غ کے بعد ہی ہوتی تھی، اس لحاظ سے بعد البلوغ ہی نکاح کرنا بہتر وافضل ہوگا۔

محور (د):

(۱) بچہ مزدوری:

بچپن کا زمانہ حصول تعلیم کے لئے نہایت ہی موزوں وقت ہے، اس لئے تعلیم وتربیت کو زمانہ طفولیت میں کافی اہمیت سے دیکھا گیا ہے، رسول اللہﷺ کی مجلسوں میں صحابہ کا اپنے بچوں کو لے کر جانا بہت سی روایات میں موجود ہے، امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں ایک باب قائم فرمایا ہے، ''باب متییصح سماع الصغیر ''، اور اس میں محمود بن الربیع اور حضرت ابن عباسؓ کے تحصیل علم کا تذکرہ کیا ہے (بخاری۱،۱۷ کتاب العلم)۔

اس لئے والد کا فرض منصبی ہے کہ اپنی اولاد کی بچپن میں ہی تعلیم وتربیت کریں، اگر والد بے روزگار ہے یا کسب معاش کی صلاحیت نہیں ہے، نیز کوئی دوسرا قریبی رشتہ دار بھی نہیں ہے تو لوگوں سے مانگ کر اپنے بچوں کی پرورش کرے۔

''الرابع أن یکونوا فقراء وہم صغار أو کبار عاجزون والأب أیضاً عاجز عن الکسب فالخصاف قال: یتکفف الناس وینفق علیہم'' (فتح القدیر۴،۳۷۱ کتاب النفقات، ط: زکریا)۔

(چوتھی صورت یہ کہ آباء فقیر ہیں اور اولاد صغیر السن ہینیا بڑے ہیں مگرعاجز ہیں، باپ بھی کسب نہیں کرسکتا ہے تو خصاف نے کہا کہ لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرے اور اپنے بچوں پر خرچ کرے)۔

لیکن قریبی رشتہ دار ہے تو پھر نفقہ قریبی رشتہ دار پر آئے گا:

''ذخیرہ میں ہے: اگر فقیر کی چھوٹی اولاد ہیں اور مالدار دادا ہے، تو دادا کو خرچ کرنے کا حکم دیاجائے گا، پوتےکی حفاظت کے لئے، نیز وہ والد پر دین ہوگا، ایسا ہی قدوری میں ہے، تو باپ کی تنگ حالی کے وقت دادا پر نفقہ واجب نہیں کیا،یہ حسن بن

صالح کا قول ہے۔

صحیحیہ ہے کہ فقیر باپ استحقاق نفقہ میں میت کے حکم میں ہے، اور اگر باپ اپاہج ہے تو دادا پر بالاتفاق فیصلہ کیا جائے گا، اس لئے کہ باپ کا نفقہ اس وقت دادا پر ہے، اسی طرح بچوں کا نفقہ بھی ''(شامی۲،۷۳۱ کتاب النفقہ، الکلام علی نفقۃ الاقارب، ط: رشیدیہ پاکستان)۔

اور اگر باپ کسب کرسکتا ہے تو کسب کرے گا اور اس سے بچوں کو کھلائے گا۔

''وإن کان قادراً علی الکسب اکتسب، فإن امتنع عن الکسب حبس بخلاف سائر الدیون '' (فتح القدیر۴،۳۷۱ کتاب النفقات، ط: زکریات دیوبند) (اور اگر باپ کسب پر قادر ہے تو کسب کرے گا اور اگر کسب سے انکار کرے تو محبوس کردیا جائے گا دیگر دیون کے برخلاف)۔

اس لئے اسلام کا اصل موقف بچہ مزدوری کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

(۲) نابالغ بچوں سے گھریلو خدمت، مزدوری کروانا، یا کوئی پیشہ سکھانا:

البتہ بچوں سے گھر کا کام بھی لیا جاسکتا ہے، کیوں کہ یہ بھی تربیت کا ایک حصہ ہے، لیکن بچہ کا ہر عضو ابھی نازک ہے، اتنا بار نہ ڈالا جائے جس سے اس کو کوئی جسمانی نقصان ہو، یا دل ودماغ متاثر ہو، یہ وقت دل ودماغ کو تعلیم وتربیت کے لئے فارغ کرنے کا ہے، حضور علیہ السلام نے غلاموں کی بابت جو حکم دیا ہے اس کو ہم اس باب میں بھی مشعل راہ بناسکتے ہیں:

''ولا تکلفوا ما یغلبہم فإن کلفتموہم ما یغلبہم فأعینوہم'' (بخاری۱،۳۴۶ کتاب العتق، باب قول النبی العبید إخوانکم الخ) (اور ان کو ایسے کام کا حکم نہ دو جو ان پر غالب آجائے، اگر غالب آنے والے امر کا مکلف کرتے ہو تو تم بھی ان کی اعانت کرو)۔

لیکن تربیت کی غرض سے ایسے کام کے لینے کی اجازت ہوگی جس کا بوجھ وہ برداشت کرسکیں، حتی کہ اگر اولیاء مزدوری بھی کروانا چاہے تو اس کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

''جب باپ یا جد، اور خانیہ میں ہے دادا ۔ کسی کام کے لئے مزدوری کروائے تو جائز ہے، ان کی موجودگی میں دوسرے کے لئے مزدوری کروانا جائز نہیں ہے، اگر ان میں کا کوئی نہ ہو، پس اس کے ذو رحم محرم گارجین نے مزدوری کروائی تو تربیت وریاضت کے طریق پر جائز ہے '' (تاتارخانیہ۱۵،۹۰ کتاب الاجارہ، الفصل الحادی عشر، اجارۃ الصبی، ط: زکریا)۔

اگر پیشہ ورانہ کام ہو تو او ربھی بہتر ہے، اس لئے کہ مزدوری کے ساتھ ایک ہنر کی تحصیل بھی ہوگی جو بعد کی زندگی میں اسی کو کام آئے گا، بلکہ ایسے ہنر کے لئے تو بچوں کو بھی لگایا جاسکتا ہے جبکہ عام طور پر بچیوں کو مزدوری پر لگانے سے منع کیا جاتاہے، مندرجہ ذیلمسئلہ کو نظیر کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے:

‘‘اگر بچہ کمانے کی عمر کو پہنچ گیا تو باپ اس سے مزدوری کرواسکتا ہے ، یا کسی پیشہ کے لئے اس کو دے سکتا ہے تاکہ کموائے اور اس کی کمائی سے اس پر خرچ کرے، اگر وہ مذکر ہے برخلاف مونث کے، خیر الدین رملی فرماتے ہیں: اگر لڑکی سلائییاسوت کاتنے کے ذریعہ مستغنی ہوسکتی ہے تو اس کا نفقہ اس کی کمائی سے واجب ہوگا، جیسا کہ ظاہر ہے، مگر میں نے اپنے فقہاء کے یہانیہ نہیں پایا، لیکنیہ بات ‘‘بخلاف الأنثی’’ کے منافی نہیں ہے، اس لئے کہ ممنوع اس کو مزدوری پردینا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ کوئی پیشہ جس کو وہ سیکھے لازم نہ ہو، یعنی خدمت وغیرہ جس میں لڑکی کو مستاجر کے حوالہ کرنا ہے، اجرت پر دینا ممنوع ہے، اس لئے کہ (ممانعت کی) دلیلیہ ہے کہ مستاجر کا اس بچی سے تنہائی ہوسکتی ہے، اور یہ شریعت میں جائز نہیں، پس اس کے لئے جائز ہے کہ کسی ایسی عورت کے حوالہ کرے جو اس کو کوئی پیشہ کڑھائی، سلائیوغیرہ سکھائے’’ (الدر مع رد المحتار٣،٧٢٨ کتاب النفقات، مطلب: الصغیر المکتسب نفقتہ فی کسبہ)۔

(٣) نابالغ بچوں کو ضرورت کے وقت کام پر لگانا:

اصل تو یہی ہے کہ غریب ونادار والدین کا نفقہ ان کے قریبی رشتہ دار پر واجب ہے، بچہ کا بچہ ہونا ہی محتاج ہونے کی دلیل ہے، اس لئے بچہ پر ایسی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی ہے، اگر قریبی رشتہ دار بھی فقیر ومحتاج ہینیا نفقہ دینے کے لئے تیار نہیں تو حکومت کفیل ہوتی ہے، مگر حکومت بھی اس کی کفالت نہیں کرتییا خود بھی کسب کی صلاحیت نہیں ہے تو بچوں کو ایسی مزدوری پر لگایا جاسکتا ہے جو ان پر گراں بار نہ ہو، اس کی کمائی سے خود اس کا بھی تکفل ہوگا اور نادار ما نباپ کا بھی، تاتارخانیہ میں ہے:

‘‘الأم إذا احتاجت أو الأب کذلک جاز أن یصرف إلیہما من ہذا الکسب مقدار حاجتہما، وفی الخانیۃ: وإن کان للصغیر أم بانت من زوجہا واحتاجت إلی النفقۃ کان لہا أن تأکل من کسب ولدہا صغیراً کان الولد أو کبیراً’’ (تاتارخانیہ٥،٤١٩ کتاب النفقات، الفصل الثالث: نفقۃ ذوی الارحام) (والدین جب محتاج ہوں تو جائز ہے کہ اس (بچہ) کے کسب سے ان دونوں کو بقدر حاجت دیا جائے، خانیہ میں ہے: اگر صغیر کی ماں اپنے شوہر سے بائنہ ہوئی اور نفقہ کی محتاج ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اپنے بچہ کے کسب سے کھائے بچہ چھوٹا ہو یا بڑا)۔

محور (ہ):

نابالغ کے جرائم:

اسلام نے انسانی معاشرے میں جان ومال ، عزت وآبرو اور عقل وخرد کی حفاظت کو بنیادی مقاصد میں شمار کیا ہے، ان میں سے کسی کے متاثر ہونے کا خطرہ بھی ہوا تو اس کا سد باب کردیا گیا، اس لئے ایسے جرائم کی اسلام میں سخت سے سخت سزائیں

تجویز کی گئیں، لہذا جان کو ضائع کرنے پر قصاص ودیت ، عزت وآبرو کو خاک آلود کرنے پر اسی کوڑوں کی شکل میں حد قذف، عقل وخرد میں بگاڑ والے عمل کرنے پر حد شرب، اور مال کی حرمت کو برباد کرنے پر حد سرقہ جیسی سزائیں مقرر ہیں، حدود کا معاملہ تو اتنا سخت ہے کہ شفاعت کو بھی اللہ کےرسولﷺ نےیہ کہہ کر ٹھکرادیا ''أتشفع فی حد من حدود اللہ '' لیکنیہ سب اس وقت ہے جبکہ مکلف کی طرف سے صادر ہوں، اگر غیر مکلف ہے جیسےمجنون یا نابالغ تو پھر یہ دونوں صنف، ان سزاؤں کی متحمل نہیں ہیں۔

''خرج بالتکلیف الصبی والمجنون لأن القطع عقوبۃ وہما لیسا من أہلہا '' (البحر الرائق ٨٤٫٥، زکریا دیوبند) (بچہ اورمجنون مکلف ہونے سے خارج ہیں، اس لئے کہ قطع ید ایک سزا ہے اور یہ دونوں اہل عقوبت میں سے نہیں ہیں)۔

لہذا بچہ نے اگر قتل کا ارتکاب کیا خواہ وہ قتل عمد ہی کیوں نہ ہو جمہور کے نزدیک اس پر قصاص نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس کے عاقلہ پر دیت آتی ہے: ''عمد الصبی والمجنون خطأ وفیہ الدیۃ علی العاقلۃ'' (ہدایہ٥٩٤٫٤ کتاب الدیات) (بچہ اور مجنون کا عمد، خطاہے، اس میں عاقلہ پر دیت ہوگی)۔

یہی حکم حضرت امام شافعی کے نزدیک بھی ہے مگر تھوڑی تفصیل کرتے ہیں: اگر باشعور بچہ ہے تب تو اس کے مال میں ہی دیت واجب ہوگی، لیکن ناسمجھ ہے تب عاقلہ کے مال میں واجب ہے:

''قال الشافعیۃ: الأظہر أن عمد الصبی عمد إذا کان ممیزاً وإن لم یکن لہ تمییز فہو خطأ قطعاً، أی: أنہ سواء أکان ممیزاً أم غیر ممیز لا قصاص علیہ لعدم تکلیفہ بالحلال والحرام شرعاً لکن تجب الدیۃ فی مالہ ولا تتحملہا عنہ عاقلتہ إذا کان ممیزاً'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ٥٧١٤٫٧ باب الجنایات وعقوباتہا)۔

(شافعیہ نے کہا: اظہر یہ ہے کہ بچے کا عمد، عمد ہے، جبکہ ممیز ہو، اگر تمییز نہیں ہے تو یقینا خطاء ہے، یعنی خواہ ممیز ہو یا نہ ہو قصاص اس پر نہیں ہے، اس لئے کہ حلال وحرام کا شرعاً مکلف نہیں ہے، لیکن اس کے مال میں دیت واجب ہوگی، اس کو اس کا عاقلہ برداشت نہیں کرے گا جبکہ ممیز ہو)۔

غارت گری، وڈاکہ زنی جس کو قطع الطریق اور محاربہ کہا جاتا ہے ، اسلام مینیہ جرم تو چوری سے بھی زیادہ خطرناک ہے، اس میں دن دہاڑے ڈرایا ودھمکایا جاتا ہے، کبھی مال بھی لوٹا جاتا ہے اور کبھی جان بھی لی جاتی ہے، اس لئے اس کی سزا بھی سخت رکھی گئی ہے، حتی کہ قتل اور سولی بھی بعض صورتوں میں دی جائے گی، سورہ مائدہ میں قرآن کریم نے اس سزا کا ذکر کیا ہے، یہ سزا بھی حق اللہ ہے، لہذا کوئی معاف نہیں کرسکتا، لیکن کوئی بچہ ڈاکہ زنوں کے ساتھ ڈاکہ زنی میں شریک ہو تو صرف اس

بچہ کی وجہ سے سب کی سزا معاف ہوجاتی ہے، اور حق اللہ سے حق العبد ہوجاتا ہے، اب مرنے والے کے سرپرستوں کو حق ہے کہ معاف کرنے یا قصاص یا دیت پرا کتفا کرے، مگر بچہ ہے تو اس کو قصاصاً قتل نہیں کیاجاسکتا ہے۔

''إن كان من القطاع صبی أو مجنون أو ذو رحم محرم من المقطوع علیہ سقط الحد عن الباقین وإذا سقط الحد صار القتل إلی الأولیاء فإن شاؤوا قتلوا وإن شاؤوا عفوا '' (ہدایہ۲،۵۵۷ باب قطع الطریق) (اگر ڈاکووں میں سے کوئی بچہ ہے یا مجنون ہے یا مقطوع علیہ کا کوئیذو رحم محرم ہے تو حد باقی لوگوں سے ساقط ہوجائے گی، اور جب حد ساقط ہوئی تواولیاء کو قتل کا اختیار ہے، چاہے تو قتل کرے یا چاہے تو معاف کرے)۔

البتہ جمہور: مالکیہ وشافعیہ وحنابلہ کے نزدیک اگر بچہ دوسرے ڈاکووں کے ساتھ ہے تو دوسروں سے حد ساقط نہیں ہوگی، لیکن بچہ سے تو ہرحال میں ساقط ہوگی، اس کے مال میں ضمان واجب ہوگا (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵۴۶۷،۷ باب قطع الطریق)۔

اسی طرح چوری کرنا بھی اسلام میں جرم ہے، جس میں ایک طرف حق اللہ کو پامال کرنا ہے تو دوسری طرف مال کو ضائع کرنا ہے، اس پر بھی اسلام میں سزا مقرر ہے لیکن خواہ چوری ہو یا دوسرے زنا جیسے گھنونے جرائم شریعت میں مقرر سزا مکلف پر ہی جاری کی جائے گی، بچہ مکلف نہینہے، اس لئے وہ سزا تو جاری نہیں ہوسکتی۔

لیکن بڑھتے جرائم کی روک تھام بھی ضروری ہے ورنہ دنیا فتنہ وفساد سے لبریز ہوجائے گی، اس لئے سرپرستوں کی ذمہ داری ہے کہ مناسب سرزنش کرے، یہ بچوں کے حق میں بھی بھلا ہے، اس لئے کہ یہی بچے بڑے ہونگے، اپنی فطرت کی بنا پر پھر جرائم کا ارتکاب کرینگے اور نتیجۃً ان پر سزائیں جاری کی جائینگی۔

''وإنمایؤدب أی:یجب علی من تولی أمور الناس أن یودبہ لأجل إصلاح حالہ'' (روضۃ الطالبین۱۰،۵۹۳، طبع بیروت۱۴۱۲ھ) (حاکم پر واجب ہے کہ اصلاح حال کی خاطر تادیب کریں)۔

بلکہ مناسب سمجھیں تو جیل بھی بھیجا جاسکتا ہے، صرف اتنا متحقق ہوجائے کہ بچوں کی طرف سے یہ قصداً ہوا ہے، محض غلطی اور ناسمجھی میں انہوں نے نہیں کیا ہے۔

''لایحبس الصبی إلا بطریق التأدیب لئلا یتجاسر إلی مثلہ إذا باشر شیئاً من أسباب التعدی قصداً فلو خطأ فلا'' (شامی۴،۳۸۵ کتاب القضاء، مطلب فی حبس الصبی، ط: رشیدیہ پاکستان)(بچہ کو بطور تادیب محبوس کیا جاسکتا ہے تاکہ دوبارہ اس طرح کی حرکت کرنے کی جرأت نہ کرے، جبکہ قصداً اس نے کسی سبب تعدی کا ارتکاب کیا ہو، اگر خطاً ہے تو محبوس نہیں کیا جاسکتا)۔

محور (و):

نابالغ بچوں کی جیل:

بچے سخت مارپیٹ کے متحمل نہیں ہیں، شریعت نے تو مارپیٹ کی جتنی سزائیں تھیں وہ سب معاف کردی ہے، بے جا تشدد اور سخت گیری سے مجرمانہ ذہن اور بھی سخت ہوجاتا ہے اور پھر اس کے اثرات بہت ہی مضر اور نقصان دہ ثابت ہوتےہیں، وہی بچے جو جیل کی سلاخوں میں مارپیٹ کی مصیبت جھیل کر باہر نکلتے ہیں تو وہاں کی سختیوں کا بدلہ بے قصور انسانوں سے لیتے ہیں، اس لئے ایسی مارپیٹ جو آج جیلوں کا طرہ امتیاز بنا ہوا ہے بڑوں کے لئے مناسب نہیں چہ جائیکہ بچوں کے لئے روا ہو، جہاں تک ہوسکے نرم گفتار سے جرائم کے عواقب ونتائج ذہن نشیں کرائے جائیں، ضرورت پڑنے پر ہلکی سرزنش بھیکی جاسکتی ہے جو تادیب تو ہو تعذیب نہ ہو۔

نیز ان سے بامشقت کام بھی نہیں لیا جاسکتا ہے جس سے ان کا جسمانییا ذہنی ضرر ہو، بطور تادیب ایسے کام لیے جائیں جو ان کی صحت اور عمر وقوی کے مناسب ہو، اس سے زیادہ کا مکلف بنانا ظلم ہوگا، قید خانہ میں رکھنا ہی کم بڑی سزا نہیں ہے کہ مزید اور سزاؤں کا اضافہ کیا جائے، اگر اصلاح کی کوشش اور مناسب سرزنش کے ساتھ اس کی نگرانی کی جائے، تو انشاء اللہ جرائم کا سد باب بھی ہوسکتا ہے، ورنہ بچے جیل سے نکلتے رہینگے اور داخل ہوتے رہینگے اورجرائم کی صورت حال روز بگڑتی رہے گی۔

محور (ز):

لاوارث بچوں کی بابت اسلامی ہدایات:

وہ بچے جو دانستہ یا نادانستہ اپنے خویش واقارب سے بچھڑگئے، خواہ کسی حادثہ میں والدین کے فوت ہونے کی وجہ سے، یا ولادت کے بعد پھینک دیئے جانے کی وجہ سے، بہرحال کسی نہ کسی وجہ سے بے سہارا ہوگئے، اب یا تو ان کا حسب ونسب معلوم ہے، یا معلوم نہیں کہ کون ہے کہاں کا ہے، اگر حسب ونست معلوم ہے تو اس کی پرورش ایسے لوگوں سے کرائی جائے گی جو کہ ان کے کسی نہ کسی درجے میں رشتہ دار ہوں خواہ وہ دور کے ہی ہوں، کیوں کہ پرورش کا مدار شفقت ومحبت پر ہے، کسی اجنبی کے مقابلہ میں رشتہ دار زیادہ بہتر طریقے سے پرورش کرسکتا ہے بشرطیکہ کسی ضرر کا اندیشہ نہ ہو، اور اگر ضرر کا خدشہ ہے تو سماج پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ پرورش کے لئے ایسے آدمی کا انتخاب کرے جو اس بے سہارا بچے کے حق میں خیر خواہ ہو، البتہ نفقہ وغیرہ کی ذمہ داری اگر کوئی رشتہ دار وارث نہیں ہے تو حکومت پر آئے گی، خلافت راشدہ میں خاص طور پر دور فاروقی میں ہر محتاج کا نفقہ بیت المال سے جاری کیا جاتارہا ہے، اسی لئے لقیط کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے فقہاء لکھتے ہیں:

''نفقتہ فی بیت المال ہو المروی عن عمر وعلی، ولأنہ مسلم عاجز عن التکسب ولا مال لہ ولا قرابۃ فأشبہ المقعد الذی لا مال لہ'' (ہدایہ۲،۶۱۱، کتاب اللقیط) (لقیط کا نفقہ بیت المال

میں ہوگا یہی حضرت عمر اور حضرت علی سے مروی ہے، نیز اس لئے کہ مسلمان ہے کسب معاش سے عاجز ہے، نہ اس کے پاس مال ہے نہ قرابت پس اپاہج کے مشابہ ہوا جس کے پاس مال نہ ہو)۔

اگر بے سہارا بچہ کہیں پڑا ہوا ہے، معلوم نہیں اس کا وارث کون ہے، تو اگر ظن غالب ہو کہ اگر اس کو اٹھایا نہیں جائےتو ہلاک ہوجائے گا، نیز وہ عام شاہ راہ پر ہے جس پر ہر شخص کی نگاہ پڑسکتی ہے، تواٹھانا اور حفاظت کرنا فرض کفایہ ہوگا، لیکن وہ بچہ ایسی جگہ پڑا ہے جہاں کسی کی نظر نہیں پڑسکتی مثلاً کسی گلی میں پھینکا ہوا ہے، اب اس کو پانے والا نہ اٹھائے تو اس کی ہلاکت یقینی ہوگی تو ایسی صورت میں اس کو اٹھانا فرض عین ہوجائے گا، ورنہ عام حالات میں مندوب ومستحب ہوگا۔

''التقاطہ فرض کفایۃ إن غلب علی ظنہ ہلاکہ لو لم یرفعہ ولو لم یعلم بہ غیرہ ففرض عین وإلا مندوب لما فیہ من الشفقۃ والإحیاء'' (درمختار علی رد المحتار۳٫۳۴۴ کتاب اللقیط)۔

جب ایک مرتبہ اس کو اٹھالیا تو اب کو پھینک دینا جائز نہیں ہے:

''وینبغی أن یحرم طرحہ بعد التقاطہ لأنہ وجب علیہ بعد التقاطہ حفظہ فلایملک ردہ إلی ما کان علیہ '' (شامی۳٫۳۴۴ کتاب اللقیط)۔

ایسے بچوں کا نان ونفقہ بھی حکومت وقت کے ذمہ ہوگا۔

ایسے لاوارث بچے کو حتی الامکان مسلمان اور آزاد سمجھا جائے گا، لہذا :

(۱) مسلمانوں کی آبادی میں پایا جانے والا بچہ اگر پانے والا بھی مسلمان ہے تب تو وہ مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔

(۲) اگر آبادی کفار کی ہے، پانے والا بھی کافر ہے تب تو اس کو غیر مسلم سمجھا جائے گا۔

(۳) مسلمانونکی آبادی میں کافر نے پایا۔

(۴) کافروں کے مقامات پر مسلمان نے پایا، ان دونوں صورتوں میں دونوں ہی قول ہیں جن لوگوں نے واجد کا اعتبار کیا انہونتیسری صورت میں کافر کہا اور چوتھی صورت میں مسلمان قرار دیا، اور جنہوں نے آبادی کا لحاظ کیا تو انہوننے تیسری صورت میں مسلمان قرار دیا اور چوتھی صورت میں کافر گردانا، البتہ دونوں ہی آبادی ملی جلی ہے اور پانے والا مسلمان ہےتو بھی اس کو مسلمان قرار دیا جائے گا (فتاوی تاتارخانیہ۷٫۴۰۱، ۴۰۲ کتاب اللقیط)۔

اس کی پرورش ملتقط کے ذمہ ہے، مگر تعلیم وتربیت، شادی بیاہ اور دیگر اخراجات حکومت کی ذمہ داری ہے، کیوں کہ ایسے بچوں کی ولایت حاکم وقت کو ہوتی ہے، ایسے بچوں کی میراث بھی بیت المال میں ہی جمع ہوتی ہے، اگر کوئی جرم سرزد ہوجائے تو اس

کی دیتیا مالی ہرجانہ حکومت پر عائد ہوتی ہے اگر حکومت اپنے مفوضہ امور کو انجام نہیں دیتی ہے تو سماج کو چاہئے کہ ایک بچہ کو دین ودنیا کی مضرتوں سے بچانے کے لئے فکر مند ہو، اور رسول اللہ ﷺ کی مشہور حدیث کا مصداق بننے کے لئے کوشاں ہو۔ ‘‘أنا وکافل الیتیم کہاتین فی الجنۃ’’ (میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا دوانگلیوں کے قرب کی طرح جنت میں ہونگے)۔

محور (ح):

بچوں کی خریدوفروخت اور گود لینا:

آزاد بچوں کی چوری اور اس کی خرید وفروخت مذہب بیزاری اور اخلاقی قدروں سے محرومی کا خمیازہ ہے، ایک حدیث قدسی میں رسول اللہ ﷺ نے شدید وعید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

‘‘ثلاثۃ أنا خصمہم یوم القیامۃ، رجل أعطی بی ثم غدر، ورجل باع حرا فأکل ثمنہ، ورجل استأجر أجیراً فاستوفی منہ ولم یعطہ أجرہ’’ (بخاری۱،۲۹۷ کتاب البیوع، باب اثم من باع حراً) (میں روز قیامت تین شخص کا فریق ہونگا، ایک وہ شخص جو میرا نام لے کر عہد وپیمان کیا پھر دھوکہ دیا، دوسرا شخص جس نے کسی آزاد کو بیچ دیا پھر اس کی قیمت کو کھایا، تیسرا وہ شخص جو کہ مزدور سے کام مکمل کروادیا اور مزدوری اس کو نہیں دی)۔

لہذا بچوں کی خریدوفروخت خواہ چوری وڈاکہ زنی کرکے ہو یا بخوشی وبرضاورغبت اس کی قطعاً اجازت نہیں ہوگی، بچوں کو گود لینے کا رواج زمانہ جاہلیت میں رہا ہے، جس کو گود لیا جاتا تھا اس کو متنبییعنی لے پالک کہا جاتا تھا، ایسا بچہ مکمل طور پر نسبی بیٹا سمجھا جاتا تھا، اس کی نسبت بھی اسی گود لینےو الے کی طرف ہوتی، اس کی بیوی، بہو کے درجے میں ہوتی او راس سے شادی بیاہ ممنوع سمجھا جاتا تھا، اسلام نے جاہلیت کے اس طرز عمل پر قدغن لگاتے ہوئے ‘‘ادعوہم لآبائہم’’ نازل کیا، اور عملی طور پر حضرت زید بن ثابت جو کہ زمانہ جاہلیتمیں آپ کے متبنی تھے ان کی زوجہ محترمہ کو رسول اللہ ﷺ کے حرم میں داخل کروا اس طرز فکر کی مکمل تردید کردی گئی، اس لئے اسلام میں گود لینے کو کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوسکتی۔

البتہ مفلس ونادار والدین سے بوجھ کم کرنے کی نیت سے یا کسییتیم کی پرورش کی نیت سے اپنی کفالت میں داخل کر اور اس کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنا یہ بہت اچھی بات ہے، خود نبی کریم ﷺ نے اپنےچچا ابوطالب سے حضرت علیؓ کو کم سنی میں ہی پرورش کے لئے لے لیا تھا، ایسے ہی لوگوں کے لئے حضور ﷺ کا مژدہ ہے: ‘‘أنا وکافل الیتیم فی الجنۃ کہاتین ’’ (میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ان دونوں انگلیو

نکی طرح قریب ہونگے)۔

اسی طرح بے اولاد جوڑے اولاد کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے کسی بچہ کو گود لیتے ہیں تو شاید حرج نہیں ہوگا، اگر گود لینے والا بطور تحفہ ان کے حقیقی والدین کو دیں تو بھی حرج معلوم نہیں ہوتا، بشرطیکہ کوئی دباؤ نہ ہو۔

محور (ط):

ذہنی وجسمانی طور پر معذور بچوں کا علاج ومعالجہ:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''ما أنزل الله داء إلا أنزل له شفاء'' (بخاری۲،۸۴۸ کتاب الطب) (اللہ نے ہر مرض کے لئے شفانازل کیا ہے)۔

یہ الگ بات ہے کہ بعض کو انسان جانتا ہے تو علاج کراتا ہے اور بعض ایسے امراض ہوتے ہیں جنہیں نہ جاننے کی وجہ سے لا علاج سمجھا جاتا ہے، نسائی شریف کی ایک روایت میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

''علمہ من علمہ، جہلہ من جہلہ'' (فتح الباری۱۰،۱۶۷) (جس نے جانا تو اس نے جانا، اور جو ناواقف رہا وہ ناواقف رہا)۔

اس لئے کبھی مرض کو لاعلاج سمجھ کر چھوڑنا بالخصوص وہ مرض جب بچوں کو لاحق ہو مناسب نہیں ہے، اس اعتقاد کے ساتھ کہ یہ ایک سبب ہے، اگر اللہ کا حکم ہوجائے تو بیڑا پار لگ جائے، علاج ومعالجہ کو اختیار کرنے کی ترغیب دی جائے گی، مسلم شریف میں ہے:

''لكل داء دواء فإذا أصيب الدواء الداء برأ بإذن الله تعالى'' (فتح الباری۱۰،۱۶۷) (ہر مرض کی دوا ہے، جب دوا مرض پر پہنچتی ہے تو اللہ کے حکم سے شفایاب ہوتا ہے)۔

لیکن علاج کرانا ایک سبب کے درجہ میں ہے، فقہاء نے اس سبب کو اسباب مظنونہ میں شمار کیا ہے اور سبب مظنون کو اختیار کرنا مباح ہے، زیادہ سے زیادہ بہتر ہوسکتا ہے، واجب نہیں کہا جاسکتا (عالمگیری۵،۲۵۵ کتاب الکراہیہ، باب التداوی)۔

سبب قطعی جیسے کھانا پینا اور سبب ظنی جیسے علاج ومعالجہ کے مابین فرق بیان کرتے ہوئے عالمگیری میں ہے:

''فرق بين هذا وبينما إذا جاع ولم يأكل مع القدرة حتى مات حيثيأثم والفرق أن الأكل مقدار قوته مشبع بيقين فكان تركه إهلاكاً ولا كذلك المعالجة والتداوى'' (عالمگیری۵،۲۵۵ کتاب الکراہیہ، الباب الثامن من عشر فی التداوی) ((علاج ومعالجہ) اس کے مابین او راس صورت کے مابین جب انسان بھوکا ہو اور قدرت کے باوجود نہیں کھایایہاں تک کہ مرگیا تو گنہ گار ہوگا، فرق یہ ہے کہ زندہ رہنے کے بقدر کھانا یقیناً بھوک کو مٹانے والا ہوتا ہے، لہذا ترک کرنا جسم وجان کوہلاک کرنا ہے، علاج ومعالجہ ایسا نہیں ہے)۔

لہذا دماغی لحاظ سے معذور بچوں کا علاج کرانا مستحب کے دائرے میں آئے گا، واجب نہیں ہوگا، لیکن خیالیہ بھی ہوتا ہے کہ ضرر سے بچانا اور تکلیف کو دور کرنا اسلام کا بنیادی ضابطہ اخلاق ہے، اگر قابل اعتماد اطباء دوا تجویز کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دوا میں نفع ہوگا، ماں با پ بھی اس علاج کا تحمل کرسکتے ہیں تو ایسے وقت اتنا دوا دارو کرنا جس سے بچہ کو غیرمعمولی پریشانی سے افاقہ ہوجائے واجب ہوتو شاید شریعت کے خلاف نہیں ہوگا۔

معذور بچوں کا اسپتال کے ذریعہ نگہداشت کرانا:

بچپن میں جس شفقت وپیار کی ضرورت ہے اور صلہ رحمی کا جو تقاضا ہوتا ہے شاید بڑے ہونے پر اس کی اتنی ضرورت نہیں ہوتی ہے، بچوں سے پیار ومحبت کی تاکیدحدیث کی کتابوں میں بڑے وقیع الفاظ میں موجود ہے، ایک حدیث میں تو حضرت اقرع بن حابس کو تقبیل صبیان کو عجیب سمجھنے پر بڑے سخت الفاظ دربار رسالت سے ارشاد ہوئے: ‘‘أو أملک لک إذا نزع الله من قلبک الرحمۃ ’’ (بخاری۲،۸۸۷ کتاب الادب، باب رحمۃ الولد وتقبیلہ الخ) (جب الله تعالی نے تمہارے قلب سے رحمت کو چھین لیا تو میں کیا کرسکتا ہوں)۔

لہذا صرف نگہداشت کی غرض سے ایسے اسپتالوں کے حوالہ کردینا اور بے بی سینٹروں کے سپرد کرکے اپنے آپ کو حق حضانت سے فارغ سمجھنا کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے، یہ اپنی ذمہ داری میں غفلت برتنے اور فرار اختیار کرنے کے مترادف ہوگا۔

***

اسلامی شریعت میں بچوں کے حقوق

مولانا محمد احسن عبد الحق ندوی•

حق پرورش:

جواب: الف- ماں کا دودھ بچے کے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے، بچے کو دودھ پلانا ماں پر بچے کا حق ہے، بچہ صرف باپ کی اولاد نہیں بلکہ ماں کا بھی جگرگوشہ ہوتا ہے، بچے کے لیے کوئی بھی دودھ ماں کے دودھ کا بدل نہیں بن سکتا۔

اللہ تعالیٰ اس دودھ کو خاص بچے کی غذا کی صورت میں بچے ہی کے لیے ماں کی چھاتیوں میں پیدا فرماتا ہے، اللہ نے اس دودھ کو صرف جسمانی غذا ہی نہیں بلکہ روحانی اور اخلاقی غذا بھی بنایا ہے۔

بچے کو ماں سے غیر معمولی انس ومحبت، گہرا طبعی لگاؤ اور انتہائی قلبی وروحانی تعلق جو ہوتا ہے، اس میں بڑا حصہ دودھ کا ہوتا ہے، جو مائیں بچوں کو اپنا دودھ نہیں پلاتیں وہ بچے کے سینے میں اپنے لیے وہ جذبات ہرگز نہیں پاسکتیں جو دودھ پلانے سے ہی پیدا ہوتے ہیں، اگر ایسی ماؤں کو اپنے بچے سے بے تعلقی اور بیگانگی کی شکایت ہے تو وہ خود اس کی ذمہ دار ہیں، چونکہ عمر کے ابتدائی دو سالوں میں اس نے اپنے گرم سینے سے بچہ کو دور رکھا ہے اور بچے کے سینے میں اس نے اپنی محبت، خلوص، روحانی اور قلبی تعلق کی گرمی کو منتقل نہیں کیا تو عمومی طور پر اس کا یہی نتیجہ نکلتا ہے۔

اسلام کے نزدیک ہر بچہ اخلاقی اور قانونی حق لے کر پیدا ہوتا ہے کہ اس کی ضروریات زندگی فراہم کی جائیں اور اسے موت کے منھ میں جانے نہ دیا جائے، بچے کی پرورش اور دیکھ بھال ایک طویل اور تھکا دینے والا عمل ہے، بالعموم لڑکے کی پرورش جس محبت، توجہ اور خوش دلی سے ہوتی ہے لڑکی کی نہیں ہوتی، اسلام نے اس فرق کو ناپسندیدہ قرار دیا، لڑکی کی پرورش کی خاص ترغیب دی اور اسے بہت بڑا کار ثواب بتایا، اللہ کے رسول(ﷺ) نے فرمایا:

‘‘من بلی من ہذہ البنات شیئاً فأحسن إلیہن کن لہ ستراً من النار’’ (بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الولد وتقبیلہ، مسلم ابواب البر باب فصل الاحسان الی البنات)۔

(اللہ تعالیٰ جس شخص کو ان لڑکیوں کے ذریعہ کچھ بھی آزمائش میں ڈالے اور وہ

• دار عرفات، رائے بریلی۔

ان کے ساتھ اچھا سلوک (پرورش ، تعلیم وتربیت، محبت کا رویہ)کرے تو وہ اس کے لیےجہنم سے بچاؤ کا ذریعہ ہوں گی)۔

شریعت کی رو سے اولاد کے نان ونفقہ اور پرورش کی ذمہ داری قانوناً باپ پر عائد ہوتی ہے، اولاد میں لڑکے یا لڑکی کی تخصیص نہیں ہے، ان میں دونوں شامل ہیں، ان میں سے کسی کی ذمہ داری سے انکار نہیں کرسکتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں رضاعت کے ذیل میں ذکر ہے:

''وَعلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوف'' (البقرہ: ٢٣٣) (اورلڑکے والے یعنی باپ پر ہے کھانا اور کپڑا ان عورتوں کا موافق دستور کے واجب ہے)۔

اس سلسلہ میں فقہاء نے خاصی تفصیلات فراہم کی ہیں، فقہاء احناف نے لکھا ہے کہ لڑکے کے نان ونفقہ کی ذمہ داری اس کے بالغ ہونے تک ہے، اس کے بعد باپ کی ذمہ داری ختم ہوجاتی ہے، الا یہ کہ وہ اپاہیجیا معذور ہوں، البتہ لڑکی کے نان ونفقہ کی ذمہ داری اس کے بالغ ہونے کے بعد بھی شادی ہونے تک باقی رہے گی، ایک رائے یہ بھی ہے کہ بلوغ کے بعد یہ ذمہ داری باپ اور ماں کے درمیان تقسیم ہو جائے گی، باپ دو حصے برداشت کرے گا اور ماں ایک حصہ، اسی طرح جو بالغ عورت بھی محتاج ہے اس کا نان ونفقہ اس کے قریبی محرم پر واجب ہوگا، البتہ اگر وہ صاحب حیثیت ہے تو اسی کے مال میں سے اس پر خرچ کیا جائے گا، کسی اور پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی (ہدایہ٢،٤٢٦)۔

اسلام میں بچوں کے حق تعلیم وتربیت

(ب- ١) اسلام دین رحمت ہے، نبی کریم(ﷺ) رحمۃ للعالمین ہیں اور قرآن کریم جو آپ(ﷺ) کے توسط سے لوگوں تک پہنچا، کتاب رحمت ہے، ان رحمتوں کا ایک بڑا فیضیہ بھی ہے کہ علم کی قدر وقیمت دوبالا ہوئی۔

آپ(ﷺ)نے نہ صرف تعلیم کی ضرورت واہمیت کا احساس دلایا اور اس کی طرف لوگوں کو راغب کیا، بلکہ مختلف طریقوں سے اس کی اشاعت کا اہتمام فرمایا اور باقاعدہ وسیع پیمانہ پر اس کا نظام قائم کیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک ایسا تعلیمی انقلابی آیا کہ جو قوم لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی وہ علم وفن کی امام بن گئی اور جو لوگ تعلیم سے بے بہرہ تھے وہ معلم ومودِب کے فرائض انجام دینے لگے، آپ (ﷺ) کا فرمان ہے: ''علم کا حصول ہر مسلمان پر فر ض ہے'' (ابن ماجہ)۔

آپ (ﷺ) نے بڑے موثر انداز میں والدین کو اس جانب راغب کیا، فرمایا:''والد کی طرف سے اولاد کے لیے بہترین تحفہ یہ ہے کہ وہ انہیں علم وادب سکھائے '' (ترمذی)۔

اس میں شبہ نہیں کہ تعلیم کے باب میں بچوں کی تعلیم بنیادی اہمیت رکھتی ہے،

بچپن کا زمانہ ذہنی تربیت، علمی صلاحیت کی نشونما اور اخلاق وعادات کی تعمیر کا ہوتا ہے، اسی لیےیہ قول بہت مشہور ہے کہ بچپن میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ دل ودماغ میں نقش ہوجاتا ہے، اس بات کے واضح ثبوت موجود ہیں کہ عہد نبوی میں بچوں کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ دی گئی،یہ بات بڑی اہم ہے کہ آپ(ﷺ) کی ہدایت تھی کہ بچہ کی پیدائش کے بعد اس کے کان میں سب سے پہلی جو آواز پڑے وہ اذان کے الفاظ ہوں، عہد نبوی میں مساجد کا جو نظام جاری ہوا اس میں بچوں کی تعلیم کا خاص اہتمام تھا، انہیں سب سے پہلے قرآن کریم پڑھایا جاتا تھا، پڑھنے لکھنے کی مشق کرائی جاتی تھی اور احادیث نبوی اور انبیاء کرام کے قصے بھی سنائے جاتے تھے (عہد نبوی میں نظام تعلیم)۔

امام سیوطیؒ کی کتاب ''جمع الجوامع '' کے حوالہ سے ذکر کیا جاتا ہے کہ بچوں کو نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا جاتا تھا اور انہیں نشانہ بازی وتیراکی بھی سکھائی جاتی تھی۔

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں بچوں کو قرآن پڑھانے کا باقاعدہ ایک باب قائم کیا ہے، عہد نبوی میں صحابہ کرامؓ کا قرآن سے اتنا غیر معمولی شغف تھا کہ وہ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، حضر وسفر ہر جگہ قرآن پڑھتے اور سناتے رہتے تھے، بہت سے لوگ جن میں بعض اوقات غیر مسلم بچے بھی ہوتے تھے ان سے قرآن سن کر یاد کرلیتے تھے۔

عہد نبوی کی تعلیمی سرگرمیوں کا اہم پہلو عورتوں کی تعلیم پر توجہ اور اس کا اہتمام تھا، آپ(ﷺ) نے طلب علم کی رغبت دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''جس شخص کے تین لڑکیاں ہوں، وہ ان کی پرورش کرے، انہیں ادب سکھائے یعنی تعلیم وتربیت دے، پھر ان کا نکاح کردے اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اسے جنت نصیب ہوگی '' (ترمذی) ۔

انسان کی ترقی علم سے وابستہ ہے، جو فرد یا گروہ علم سے بے بہرہ ہو وہ زندگی کی تگ و دو میں پیچھے رہ جاتا ہے، نہ تو اس کی فکری پرواز بلند ہوتی ہے اور نہ اس کی مادی ترقی ہی کا بہت زیادہ امکان ہے، لیکن اس کے باوجود تاریخ کا ایک طویل دور ایسا گزرا ہے، جس میں عورت کے لیے علم کی اہمیت محسوس نہیں کی گئی، علم کا میدان صرف مرد کو سمجھا جاتا ہے، مردوں میں بھی خاص طبقات علم حاصل کرتے ہیں، عورت علم کی بارگاہ سے بہت دور، جہالت کی زندگی بسر کر رہی تھی، اسلام نے علم کے دروازے مرد وعورت دونوں کے لیے کھلے رکھے، اس راہ کی پابندیاں ختم کیں اور ہر طرح کی آسانیاں فراہم کیں۔

اسلام کا خطاب مرد وعورت دونوں سے ہے، اس نے ان میں سے ہر ایک کو عبادت، اخلاق اور احکام شریعت کا پابند بنایا ہے، علم کے بغیر اس کی پابندی نہیں ہوسکتی، اور جب تک اسے ان کا علم نہ ہو وہ ٹھیک ٹھیک نہ تو اپنی ذمہ داریاں ادا

کرسکتی ہے اور نہ اپنے حقوق کی حفاظت ہی اس سے ہوسکتی ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ مرد وعورت دونوں ہی کے لیے کم از کم دین کی بنیادی باتوں کا جاننا ضروری ہے، عورت اگر ان سے ناواقف ہو تو شوہر اسے خود بتائے گایا کوئی ایسا انتظام کرے گا کہ وہ ان کا علم حاصل کرسکے، اگر شوہر اس کا انتظام نہ کرے تو عورت خود سے انہیں سیکھنے کی کوشش کرے گی،یہ اس کا ایک قانونی حق ہے، اس کے لیے وہ گھر سے باہر بھی اخلاقی حدود کی پابندی کے ساتھ جاسکتی ہے، شوہر اس پر پابندی نہیں لگاسکتا۔

بچوں اور بچیوں کے لئے دینی وعصری تعلیم:

(ب- ٢) جہاں تک عہد نبوی کے نظام تعلیم کے تحت پڑھائے جانے والے مضامین کا تعلق ہے، بلاشبہ اس میں قرآن وحدیث کو اولیت حاصل تھی، انفرادی واجتماعی تعلیم کے نظام یا تعلیم دینے کے جتنے واقعات اس دور سے متعلق ملتے ہیں ان میں قرآن کی تعلیم کا ذکر جزو لازم کے طور پر ہوتا ہے، اور یہ بات مردوں، عورتوں، بچوں اور غلاموں سب کی تعلیم کے ضمن میں قدر مشترک تھی، مساجد میں تعلیم کا جو نظام جاری ہوا اس میں قرآن کی تعلیم پر خاص توجہ دی جاتی تھی، صحابہ کرامؓ کے مذاکراتی حلقوں میں قرآن کے سمجھنے سمجھانے پر خاص زور دیا جاتا تھا، انفرادی درس گاہوں میں سب سے پہلے قرآن پڑھایا جاتا تھا، ہجرت سے قبل مدینہ میں اور ہجرت کے بعد بیرونی علاقوں میں جو معلمین بھیجے گئے وہ قاریا مقرییعنی قرآن کے ماہر ہوتے تھے، وہ سب سے پہلے قرآن کی تعلیم دیتے تھے، علم دین کی طلب میں دوسرے علاقوں سے آنے والے وفود کو سب سے پہلے قرآن کی تعلیم دی جاتی تھی، متعدد روایتوں میں عام تعلیم کے ضمن میں قرآن کے ساتھ حدیث کی تعلیم کا بھی ذکر ملتا ہے، وفد عبد القیس کے لوگوں نے مدینہ میں اپنے قیام کے تجربات بیان کرتے ہوئے ذکر کیا کہ انصار ہمیں قرآن کریم اور سنت رسول (ﷺ) کی تعلیم دیتے تھے (مسند احمد)۔

بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں قرآن پڑھانے کے علاوہ ایک اور چیز کا تذکرہ ملتا ہے، وہ ہے لکھنے کی مشق کرانا، مختلف مساجد میں ابتدائی تعلیم کا جو نظام رائج تھا اس کے تحت اس کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا (عہد نبوی میں نظام تعلیم)۔

بعض احادیث سے بچوں کو نشانہ بازی اور تیراکی سکھانے کی بھی ترغیب ملتی ہے۔

اس زمانہ کی عام تعلیم میں قرآن مجید، حدیث اور دین کے ضروری احکام کا علم پہنچانے کے علاوہ وقت کی ضرورت اور مستقل افادیت کے نقطۂ نظر سے جس فن کے سکھانے کا سب سے زیادہ اہتمام کیا جاتا تھا وہ کتابت کا فن تھا، یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ بعثت کے وقت مکہ میں ان لوگوں کی تعداد بیس سے بھی کم تھی جو لکھنا جانتے

تھے، انفرادی ضرورت کے علاوہ اجتماعی امور کی انجام دہی (معاہدات، خطوط، سرکاری احکام وہدایات لکھوانا اور مختلف چیزوں کا ریکارڈ تیار کرنا وغیرہ) کے لیے ایسے مسلمانوں کی ضرورت بڑھتی جارہی تھی جو لکھنے کے اہل ہوں، دوسرے یہ بات بھی اپنی جگہ مسلّم ہے کہ خود علم کے تحفظ اور اس کی اشاعت کا ایک بہت بڑا ذریعہ تحریر ہے، ایک صحابیؓ نے حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے سنییا سیکھی ہوئی باتوں کو یاد نہ رکھ پانے کا شکوہ کیا تو آپ (ﷺ) نے انہینہدایت دی کہ اپنے دائیں ہاتھ سے مددلو (ترمذی)۔

نازل شدہ قرآنی آیات اور احادیث نبوی کو تحریری صورت میں محفوظ رکھنے اور قرآنی ہدایت کے مطابق مالی معاملات کو ضبط تحریر میں لانے کے لیے بھی کاتبین کی ضرورت دن بہ دن بڑھتی جارہی تھی، آپ(ﷺ) کی نظر میں وقت کی ضرورت کے تحت فن کتابت کی اہمیت وافادیت کا اندازہ اسیران بدر کے واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے، کہ ان میں جو رہائی کے لیے فدیہ کی رقم ادا کرنے سے قاصر تھے ان کا فدیہ آپ(ﷺ) نے یہ قرار دیا کہ وہ انصار کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھادیں، ان قیدیوں سے کتابت سیکھنے والوں میں حضرت زید بن ثابتؓبھی تھے، جو کاتبین وحی میں سب سے زیادہ مشہور ہوئے۔

جو صحابہ کرامؓ دیگر حضرات کو کتابت سکھانے کی خدمت انجام دیتے تھے ان میں حضرت عبادہ بن صامتؓ، حضرت عبد اللہ بن سعید بن العاصؓ، حضرت سعد بن عبادہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابورافع مولیٰ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ معروف ہیں، صحابیات میں حضرت شفاء بنت عبد اللہ اور حضرت ام درداءؓ اس فن کی ماہر تھیں اور وہ دوسروں کو لکھنا سکھاتی تھیں۔

موجودہ دور میں علوم وفنون کو محفوظ رکھنے اور دوسروں تک منتقل کرنے کے لیے کمپیوٹر، انٹرنیٹ، ای میل کا استعمال عام ہوتا جارہا ہے، وسیع پیمانہ پر معلومات پہونچانے کے لیے دوسرے ذرائع ابلاغ بھی اختیار کئے جاتے ہیں، علم کی حفاظت واشاعت کے لیے بنیادی طور پر کتابت کی اہمیت وافادیت اپنی جگہ مسلّم ہے، لیکن آج کے دور میں اس کے جو متبادل ذرائع رائج ہوگئے ہیں، ضروری اور مفید کاموں کے لیے ان کے استعمال کا طریقہ سیکھنے کی ضرورت واہمیت سے کون انکار کرسکتا ہے۔

تعلیم کے میدان میں نبی کریم(ﷺ) کے اسوۂ مبارکہ سے ہمینیہ سبق بھی ملتا ہے کہ انفرادی واجتماعی ضروریات کی تکمیل کے لیے ہمیں مختلف زبانیں سیکھنی چاہیے،یہ بات مستند روایتوں سے ثابت ہے کہ ضرورت کے تحت آپ(ﷺ) نے صحابہ کو سریانییا عبرانی زبان سیکھنے کی ترغیب دی، سب سے پہلے حضرت زید بن ثابتؓکو باقاعدہ اس کی

ہدایت فرمائی اور انہوں نے نہایت مختصر عرصہ میں اس زبان کو پڑھنا اور لکھنا سیکھ لیا (ابوداؤد)۔

روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں صحابہ کرامؓ ضرورت کے تحت غیر عربی زبانیں سیکھتے تھے اور نبی کریم(ﷺ) اس کی ترغیب دیتے تھے۔

موجودہ دور میں اسلامی عقائد اور تعلیمات کی تشریح وترجمانی، دینی علوم کا ارتقاء اور اسلام کی اشاعت کے لیے عربی، فارسی، اردو کے علاوہ انگریزی، دوسریپوروپین اور برصغیر کی مختلف علاقائی زبانوں سے واقفیت کی افادیت کافی بڑھ گئی ہے، آپ(ﷺ) نے ایک خاص اجتماعی ضرورت کے تحت عبرانی زبان سیکھنے پر زور دیا تو آج کے ماحول میں مختلف ملی ضروریات کی تکمیل کے لیے جدید مروجہ زبانوں میں مہارت حاصل کرنے کے معاملہ میں اس اسوۂ مبارکہ سے روشنی حاصل کرنی چاہیے۔

فن کتابت اور عبرانی زبان کے علاوہ بعض دیگر مفید علوم کے اکتساب کی ترغیب بھی عہد نبوی میں ملتی ہے، ان میں علم انساب، علم میراث، علم نجوم اور تیر اندازی شامل ہیں۔

عہد نبوی کی تعلیمی سرگرمیوں کے سلسلہ میں ایک اور اہم بات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ کسی فن میں اختصاص حاصل کرنے کی داغ بیل اس عہد مبارک میں پڑ چکی تھی، اس کا ثبوت اس سے فراہم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں مختلف علوم کے ماہرین دستیاب تھے، اور آپ(ﷺ) ان کی نشان دہی فرماکر ان سے استفادہ کرنے کی ہدایت دیتے، مثلاً آپ(ﷺ)نے فرمایا: جسے قرآنی علوم حاصل کرنے ہوں وہ ان چار حضرات سے رجوع کریں، حضرت عبد االله بن مسعودؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت سالم مولیٰ ابو حذیفہؓ (بخاری ومسلم)۔

اسی طرح دوسری روایت میں آپ(ﷺ) کا یہ قول نقل کیا گیا کہ : حضرت زید بن ثابتؓ علم میراث، حضرت ابی بن کعبؓ تجوید وقرأت اور معاذ بن جبلؓ حرام وحلال کے احکام کے ماہر ہیں، انساب کے ماہرین میں حضرت ابو بکرؓ کا ذکر ملتا ہے(مسلم)۔

اس میں شبہ نہیں کہ دور جدید میں فنی اختصاص کی طلب کافی بڑھ گئی ہے، اور اس کے حصول کا طریقہ کافی ترقی کر گیا ہے، لیکن اس طریقۂ تعلیم کو جدید دور کی دین کہنا صحیح نہ ہوگا، اس لیے اسلامی تاریخ کے اولین دور میں اس کی نشونما کی مثالیں ملتی ہیں، جیسا کہ عہدی نبوی کی تعلیمی سرگرمیوں کے واقعات شاہد ہیں، آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اس طریقۂ تعلیم کو مزید مستحکم کیا جائے، دور جدید کے مطالبات میں سے ایکیہ بھی ہے کہ ملت میں مختلف علوم وفنون کے ماہرین پیدا ہوں، جو اسلام کی موثر

ترجمانی اور ملی فلاح وبہبود کے مختلف کام بحسن خوبی انجام دے سکیں۔

ضرورت کی حد تک دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم بھی حاصل کی جائے، عہد نبوی میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔

لازمی تعلیم کا مسئلہ:

(ب۔۳): بلاشبہ جوعلم معرفت الٰہی کاذریعہ ہواس کی تحصیل افضل ترین اعمال میں سے ہے، اورمتعدد حدیثوں میں اس کے حاصل کرنے والوں کو بشارتیں دی گئی ہیں بلکہ احکام دین کاعلم (جس میں عقائد بھی ہیں عبادات واعمال بھی اورطریقۂ معاشرت بھی) ہر مسلمان پر فرض ہے، ہروہ طالب علم جو اپنے اوقات کواس میں صرف کرے اوراستحضارنیت کے ساتھ پوری طرح اس میں مشغول ہو، بڑی بشارتوں کا مستحق ہے، اس کے لیے فرشتوں کا پر بچھانا،سکینت کا نازل ہونا، رحمت الٰہی کااس کوڈھانپ لینا؛یہ وہ وعدے ہیں جو خوداحادیث مبارکہ میں وارد ہوئے ہیں۔

مگر اس کی شرطونمینسےیہ بھی ہے کہ آداب طالب علمی کا پورا خیال ہواوررضائے الٰہی کے حصول کے لیے تحصیل کی جائے، ورنہ جو بھی دین کا علم دنیاکے نفع کے لیے حاصل کرتاہے، اس کے بارے میں فرمان نبوی ہے:''لَمْ یَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّۃِیَوْمَ الْقِیَامَۃِیَعْنِیْ رِیْحَھَا'' (اس کو قیامت کے روز جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی)، اللہ تعالیٰ صحیح نیت کے ساتھ اورپورے آداب کے ساتھ تحصیل علم کی توفیق عطافرمائے ۔آمین!

اگر حکومت کسی سطح تک کی تعلیم مسلمان کے بچوں اور بچیوں کے لیے لازم قرار دے تو شرعاً مسلمانوں کو اس کی پابندی لازم نہیں ہے۔

بچوں کے لئے جنسی تعلیم:

(ب- ۴): اسلام اور مسلمان دشمن طاقت کو یہ بخوبی معلوم ہے کہ امت کے مستقبل کی تعمیر وتہذیب کو روح پرور بنانے میں بچے بچیاں اور ان کے بچپن کا بڑا اثر ہے، کیونکہ کل وہ امت کے قائد بننے اور اس کی زمام سیادت کو سنبھالنے والے ہیں، اسی لیے دشمن طاقتیں امت اسلامیہ کے نونہال بچوں کو اپنا نشانہ بناتے ہیں اور مسلمان کی اولاد کو قرآن کریم اور اس کی تعلیمات واحکامات سے دور کرنے اور اسلامی شعار سے انہیں متنفر کرنے میں بے پناہ محنت کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے معاشرہ کی اصلاح کے لیے تعلیم وتربیت کی درستگی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے، تعلیم اصلاً اپنے عقائد، تصورات، نظام زندگی اور صالح روایات کی نئی نسل کو تلقین کا بہترین ذریعہ ہے، مسلمانوں پرلازم ہے کہ ان کے درمیان سوفیصد بچوں اور بچیوں کی تعلیم کا نظام ہو، ان کے گھروں میں عورتیں تعلیم کی فکر کریں اور ماں کی گود بچوں کی تربیت کا اولین گہوارہ بنے۔

دینی تعلیم کو ہوا پانی اور غذا سے زیادہ اہمیت دینا ہے، ہر بچہ کو قرآن پاک، کچھ عربی زبان، اردو زبان، دینیات اور سیرت النبی پڑھانا لازم ہے، اسکول اور کالج کی تعلیم کے مضر اثرات سے اپنی نسلوں کو محفوظ رکھنے کے لیے مساجد ،مکاتب اور مدارس کھولے جائیں تاکہ امت کا کوئی فرد دینی معلومات سے ناواقف نہ رہے ۔

عہد نبوی کی تعلیمی سرگرمیوں کے ماحصل سے معلوم ہوتا ہے کہ جنس کی تعلیم کی ضرورت نہیں ہے۔

نکاح کے بارے میں بچوں اور بچیوں کے کیا حقوق ہیں؟

(ج): نکاح اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، اولاد کی پیدائش پر نسل کے جاری رہنے کا ایک ذریعہ ہے، اس کے علاوہ بے شمار دینی اور دنیوی منافع حاصل ہوتے ہیں، سب سے بڑھ کر نکاح کی فضیلت کے لیےیہی کافی ہے کہ حضور پاک (ا) نے نکاح کو اپنی سنت فرمایا ہے:

‘‘النكاح من سنتي’’(نکاح میری سنت ہے)، ازدواجی تعلق عبادت ہے، اس پر اجر وثواب ملتا ہے۔

نکاح پر نصف ایمان کی تکمیل کی سندعطا فرمائی گئی ہے، حدیث میں فرمایا گیا ہے:

‘‘جب بندہ نکاح کر لیتا ہے تو وہ اپناآدھا دین پوراکر لیتا ہے بس باقی آدھے کے بارے میں بھی تقوی کی روش اختیار کرے ’’ (شعب الایمان: ۵۴۸۶)۔

نکاح کے اصل معنی دوچیزوں کے انضمام اور ملانے کے ہیں (فتح القدیر۳،۹۸)۔

اسی مناسبت سے لغت میں مرد وعورت کے صنفی تعلق کو بھی ‘‘نکاح ’’ کہا گیا ہے اور خود عقد نکاح کو بھی، البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ نکاح کے حقیقی معنی کیا ہیں؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ نکاح، وطی اور عقد نکاح کے درمیان مشترک لفظ ہے، گویا دونوں ہی معنی حقیقی ہیں، بعض حضرات کے نزدیک اصل معنی ‘‘ہم بستری ’’ کے ہیں، مجازاً عقد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، زیادہ تر مشایخ حنفیہ اسی طرف رجحان رکھتے ہیں، تیسری رائے اس کے برعکس ہے کہ اصل معنی عقد کے ہیں، مجازاً وطی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (شامی۴،۶۲)۔

اگر قرآن وحدیث کی تعبیر پر نگاہ کی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ دونوں معنوں میں بکثرت استعمال ہوا ہے، اس لیے غالباً یہ بات زیادہ قرین صواب ہے کہ یہ لفظ مشترک ہے اور سیاق کے اعتبار سے اس کے معنی کی تعیین ہوتی ہے۔

قرآن نے جابجا نکاح کی ترغیب دی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو انبیاء کی سنت اور ان کا طریقہ قرار دیا ہے۔

‘‘وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِکَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجاً وَذُرِّيَّةً’’ (الرعد: ۳۸) (اور بھیج چکے

ہیں ہم کتنے رسول تجھ سے پہلے اور ہم نے دی تھینجوڑےاور اولاد)۔

جو لوگ اپنی معمولی معاشی صلاحیت کی وجہ سے نکاح کرنے میں دقت محسوس کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی نکاح کی ترغیب دی اور حوصلہ دلایا کہ اگر آج یہ بھی محتاج ہیں تو اللہ تعالیٰ کل ان کو غنی بنادے گا۔

''اِنْیَکُوْنُوْا فُقَرَاءَ یُغْنِھِمُ اللہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَاللہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ} (النور: ٣٢) ۔

فقہاء نے کتاب وسنت کی ہدایات کو سامنے رکھ کر مختلف حالات میں نکاح کے احکام متعین کیے ہیں ، چنانچہ اس شخص پر نکاح کرنا فرض ہوجاتا ہے جو مہر اور نفقہ ادا کرنے پر قادر ہو اور نکاح نہ کرنے کی صورت میں زنامیں ملوث ہوجانے کا یقین ہو، اور اگر زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو یقین نہ ہو اور نفس میں نکاح کا سخت تقاضہ پاتا ہو تو نکاح کرنا واجب ہے، اور اگر نکاح نہ کرنے کی صورت میں برائی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہیں اور مالی اور جسمانی اعتبار سے نکاح کرنے پر قادر ہے تو ایسے شخص کے لیے نکاح کرلینا سنت مؤکدہ ہے، اور اگر نکاح کے بعد اندیشہ ہو کہ وہ بیوی پر ظلم کرے گا تو نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے، اور اگر اس کا یقین ہو تو حرام ہے(شامی ٦٣-٦٦)۔

نکاح کے لیے کوئی عمر متعین نہیں ہے، لڑکی کے والدین کو جب مناسب رشتہ مل جائے یا عورت کو جب اس کی ضرورت محسوس ہوفوراً نکاح کرلینا چاہیے۔

آپ (ا) کا ارشاد ہے:''شادی نہ کرنے پر زمین میں فساد برپا ہونے کا خطرہ ہے '' (ترمذی: ١٠٨٤)۔

رسول (ا) کا پہلا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ٢٥/ سال کی عمر میں ہوا، جب کہ حضرت خدیجہؓ کی عمر ٤٠/ سال تھی، اور حضرت عائشہؓ جب سات سال کی تھیں اس وقت حضور (ا) نے انھیں اپنی زوجیت میں قبول فرمایا حالانکہ اس وقت حضور پاک (ا) کی عمر ٥٣/ سال تھی، اس لیے شادی کے لیے نہ لڑکی کی عمر متعین ہے اور نہ ہی لڑکی کا لڑکے سے چھوٹی ہونا ضروری ہے بلکہ جس طرح کم عمر لڑکی کا نکاح بڑی عمر کے لڑکے کے ساتھ درست ہے، اسی طرح زیادہ عمر کی لڑکی کا نکاح کم عمر لڑکے کے ساتھ بھی کرسکتے ہیں، البتہ بہتر ہے کہ بلوغ کے بعد جب لڑکی لڑکے میں ایک حد تک نکاح کا شعور پیدا ہوجائے اس وقت نکاح کیا جائے۔

ماہر نفسیات کا کہنا ہے کہ شادی انسان کی جسمانی اور نفسیاتی ضرورت ہے، اگر لڑکیوں کی شادی بروقت نہ ہو تو ان کے ہارمونز کے نظام میں بے قاعدگی پیدا ہوجاتی ہے، جس سے وہ مختلف قسم کی نفسانی پیچیدگیوں اور بیماریوں میں مبتلا ہوجاتی ہیں، جن میں ڈپریشن، ہائپرٹینشن،لوبلڈپریشر تناؤ حتیٰ کے دماغی امراض تک شامل ہیں، اس بیماری میں انسان انتہائی وہمی ہوجاتا ہے اور یادداشت متاثر ہوتی ہے، جس سے جسم کے افعال

اپنا صحیح کام نہیں کرتے، بڑی عمر میں شادی ہونے کا ایک نقصان، بانجھ پن اور زچگی کی پیچیدگیوں کی صورت میں نکل سکتا ہے، نیز بڑی عمر کی غیر شادی شدہ خواتین میں بریسٹ کینسر کے امکانات بھی پائے جاتے ہیں (ندائے ملت: ۲۰۰۲ء)۔

بچہ مزدوری اور اسلام:

(د- ۱): اولاد خدا تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے، اس پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے آپ کو اپنے ایک نیک بندے کی پرورش کی توفیق بخشی اور یہ موقع فراہم فرمایا کہ آپ اپنے پیچھے اپنے دین ودنیا کا جانشین چھوڑ جائیں۔

چھوٹے بچے، ماں باپ اور خود اپنی کفالت کے لیے دوڑ دھوپ کو آپ(ﷺ) نے اللہ کی راہ میں جدوجہد بتایا ہے (طبرانی)۔

انسان اس دنیا میں اللہ کی بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اور یہی اس کا اصل مقصود ہے، البتہ ضرورت زندگی کے لیے کسب معاش کی بھی اجازت دی گئی ہے، کسب معاش میں خدا کی مقدر کی ہوئی حلال اور طیب رزق کی تلاش مقصود ہو اور اس کی رزاقیت پر بھروسہ ہو تو وہ عین عبادت اور کار دین میں مشغول ہونے والوں میں شمار ہوتا ہے۔

شریعت کا مزاج یہ ہے کہ سب سے پہلے بچے کو دینی تعلیم سے واقف کرایا جائے، اس کے بعد اگر کوئی دوسرا کمانے کے لیے نہیں ہے تو پھر اس کو کوئی کام سکھایا جائے یا مزدوری پر لگایا جائے، بچہ کو مزدوری پر رکھنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کی وسعت کے بقدر ہی اس سے کام لیں، اجرت پر رکھنے والوں کو ضرورت سے زیادہ کام لینے کی شریعت کی رو سے صحیح نہیں ہے۔

بچے اور گھریلو کام:

(د- ۲): مزدوروں سے کتنا کام لیا جائے اسلام نے اس کی وضاحت کردی ہے ، آپ(ﷺ) نے فرمایا: غلاموں سے کوئی ایسا کام نہ لو جو ان کی طاقت اور قدرت سے ماوراء ہو (مؤطا امام مالک)۔

عموماً بعض لوگ کم عمربچوں سے اتنا ہی کام لینا چاہتے ہیں جتنا جوان اور توانا آدمیوں سے، اسلامی تعلیم کے تحت یہ غلط اورر ظالمانہ حرکت ہے، جہاں تک نابالغ بچوں اور بچیوں سے گھر کے کام کاج کا تعلق ہے تو بقدر ضرورت لیا جاسکتا ہے، ایسا پرمشقت کام جس کے وہ اہل نہ ہوں ان سے نہیں لینا چاہیے، معاشی ضروریات کو فراہم کرنے کے لیے پیشہ وارانہ کام سکھا سکتے ہیں، بہتر اور اعلیٰ بنانے کے لئے نہیں، اس لیے کہ اسلام بقدر کفاف کی اجازت دیتا ہے، نہ کہ اصل حصول دنیا کی۔

انتہائی غربت اور معاشی بدحالی کی بنا پر بچوں کو مزدوری پر لگانا:

(د- ٣): اسلام میں کسب معاش کو خاص اہمیت دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا: {وَجَعَلْنَا النَّہَارَ مَعَاشاً} (نبا: ١١) (دن کو تلاش معاش کا ذریعہ بنایا) اور زمین کو بھی تلاش معاش کا ذریعہ بنایا، ارشاد خداوندی ہے: {وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْہَا مَعَایِشَ قَلِیْلاً مَّا تَشْکُرُونَ} (اعراف: ١٠)، اسی طرح کسب معاش کے لیے دوڑ بھاگ کا بھی حکم دیا گیا: {فَإِذَا قُضِیَتِ الصَّلَاۃُ فَانتَشِرُوا فِیْ الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّہِ} (جمعہ: ١٠) ۔

احادیث بھی کثرت سے کسب معاش کی فضیلت کے سلسلہ میں وارد ہیں،یہاں تک کہ آپ ﷺ نے سچے اور امانت دار تاجر کے سلسلہ میں فرمایا:''اس کا حشر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا '' (ترمذی کتاب البیوع باب ماجاء فی التجار)۔

اسلام نے قناعت اور توکل کے جاہلانہ اور رہبانی تصور کو رد کر دیا،اسی لیے اسلام بھیک منگی کا سخت مخالف ہے، مسلمانوں کے معاشرے کو اس لعنت سے بچانے کے لیے فقہاء اسلام نے بیت المال میں ایسے مجبور اور مفلوک لوگوں کا حق رکھا ہے۔

کسب معاش میں اعتدال ہونا چاہیے تاکہ فرائض وواجبات میں غفلت نہ ہو، حرام اور ممنوع طریقوں کا ارتکاب نہ ہو، قرآن مجید نے ایسے لوگوں کی تعریف کی ہے جن کے لیے تجارت اور کاروبار نماز، زکوٰۃ اور ذکر الٰہی سے رکاوٹ کا سبب نہ بنے: {رِجَالٌ لَّا تُلْہِیْہِمْ تِجَارَۃٌ وَلَا بَیعٌ عَن ذِکْرِ اللَّہِ وَإِقَامِ الصَّلَاۃِ وَإِیْتَاء الزَّکَاۃِیَخَافُونَیَوْماً تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَار} (نور: ٢٧)۔

ضرورت ومجبوری کے وقت نابالغ بچوں کو مزدوریا کوئی کام سکھانے پر لگانے کی اجازت ہونی چاہیے۔

نابالغ بچے اور جرائم:

(ہ): معاشرے کے وہ افراد جن کے قلوب معصیت اور ظلم کے تسلسل سے زنگ آلود ہوگئے ہیں، نہ انہیں اپنی عفت وعصمت کی پرواہ ہے اور نہ ہی دوسروں کی آبرو کا لحاظ، یہ معاشرے کے لیے سم قاتل اور ناسور بنے ہوئے ہیں، ان پر قابو پانے کے لیے ایسی سزاؤں اور تنبیہات کا تعین کیا جائے کہ آمادۂ جرم نہ ہونے پائیں، اور اگر اس کی جرأت کریں تو ان کا نفاذ مجرمین کو کیفر کردار تک پہونچادیں تاکہ دوسروں کے لیے عبرت بن جائیں۔

ظلم جس نوعیت کا ہو سزا اسی کے لحاظ سے ہو، اسلامی تعزیرات کا آخری درجہ سزائے موت ہے اور سب سے کم درجہ یہ ہے کہ قاضییا حاکم مجرم کی طرف آلود نگاہوں سے دیکھ لے، اس لیےیہ حقیقت ہے کہ اسلامی قوانین کے نفاذ کی وجہ سے ہی وہ معاشرہ وجود میں آتا ہے، جس میں فسق وفجور، شر وفساد، ظلم وناانصافی کا صفایا ہوجاتا ہے، بڑے سے بڑے عادی مجرموں کا حوصلۂ جرم پست بلکہ فنا ہوجاتا ہے۔

جسٹس تنزیل الرحمٰن فرماتے ہیں:''سزا ایک طرف مجرم کو جرم سے باز رکھنے کا

باعث ہوتی ہے تو دوسری جانب غیر مجرم کے حق میں تنبیہ کا سبب ہوتی ہے، جرم کے بار بار اور مزید واقع ہونے سے روک دیتی ہے، چونکہ سزا ایک ایسا فعل ہے جس کو حواس محسوس کرتے ہیں اور آنکھیں دیکھ سکتی ہیں، اس لیے کہ اس کی اثر اندازی فعل میں محسوس ہوتی ہے، یہی سبب ہے کہ معاشرہ کو پاک وصاف رکھنے کے لیے سزا کا اختیار کیا جانا ایک لابدی امر ہے، اور سزا کم از کم جرائم کی تخفیف کا باعث تو ہو ہی جاتی ہے" (اسلامی جرم وسزا کا فلسفہ: ۶۹)۔

دور حاضر میں جو واقعات روز بروز رونما ہو رہے ہیں، ان واقعات میں سر فہرست نابالغوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، اس لیے ان نابالغوں سے ان جرائم کو ختم کرنے کے لیے کچھ ایسے قوانین مرتب کئے جائیں ، جن سے ان جرائم کا سد باب ہو،اور جرائم کرنے والوں کے لیے عبرت ہو۔

بچوں کی سرزنش اور اصلاح کے لیے جیلیں قائم کرنا:

(و): بچوں کی تادیب اور تعلیم وتربیت والدین پر فرض ہے، اس میں غفلت، کوتاہی،چشم پوشی اور بے جانرمی، جہاں بچوں کو بگاڑ دیتی ہے اور ان کے مستقبل کو تباہ کردیتی ہے، وہیں والدین کو بھی مجرم بنا دیتی ہے، بچوں کی تادیب کے لیے اصل تو یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے پورینرمی اور شفقت کے ساتھ ان کے ساتھ معاملہ کیا جائے، یہاں تک کے بچے کے ذہن مینیہ بات اچھی طرح بیٹھ جائے کہ والدین اس سے جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ اسی کے فائدہ کے لیے ہیں۔

جہاں تک ہو سکے بچوں کو زبانی طور پر نرمی ومحبت سے سمجھانے کی کوشش کی جائے، مارنے اور جسمانی سزا دینے سے بچا جائے، البتہ ضرورت پڑنے پر مارا بھی جاسکتا ہے۔

مغرب کے اخلاق سوز اور انسانیت دشمن بچوں کو مارنا جرم سمجھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ بچوں کو بالکل نہ مارا جائے،دوسری طرف بعض لوگ بچوں کو اتنا مارتے ہیں کہ جسم پر اس کا نمایاں اثر ظاہر ہوجاتا ہے، کچھ ظالم تو ان کو زخمی کردیتے ہیں، چمڑی اڈھیڑ دیتے ہیں، ہڑی توڑ ڈالتے ہیں،یہاں تک کے صورت بگاڑ دیتے ہیں،یہ سراسر جرم ہے۔

اسلام نے بیچ کی راہ اختیار کی ہے، وہ اس کے دین فطرت اور دین رحمت ہونے کی کھلی دلیل ہے، مارنا کبھی ضروری ہوتا ہے، مارنے کے موقعوں پر اگر بچہ کو نہ مارا جائے تو بگڑ جائے گا، اس لیے اگر بچے کی عمر کے لحاظ سے مناسب مار ماری جائے تو بچہ سہم جائے گا، اسلام نے اس کے مفصل احکام بیان کئے ہیں، حدود متعین کرتے ہوئے مارنے کی اجازت دی ہے۔

دس سال کی عمر میں مارنا جائز نہیں ہے۔

ایک ساتھ تین مار سے زیادہ نہ مارا جائے (مصنف ابن عبد الرزاق: ٢٩٥،٧) ۔

ناگزیر حالات میں جب بچہ بڑا اور بالغ ہونے کے قریب ہو، نہایت بدتمیز اور بدمعاش ہو، تو بچے کے برداشت کے مطابق(ایسی مار جس سے نقصان نہ ہو) دس سے زیادہ مار ماری جاسکتی ہے۔

رہا مسئلہ جیل میں قید نابالغ بچوں کا تو ان سے ان کی وسعت کے بقدر کام لیا جاسکتا ہے، وسعت سے زیادہ کی اجازت نہیں، جہاں تک مار کا تعلق ہے تو ایسی مار نہ ماری جائے جس سے جسم کا کوئی عضو تلف ہوجائے یا سخت چوٹ لگے، البتہ سرزنش کے طور پر مناسب سزا تجویز کی جائے جو مجرم کے لیے عبرت کا باعث ہو۔

بے سہارا بچے اور حکومت وسماج کی ذمہ داریاں:

(ز): جو بچے بے سہارا ہوجاتے ہینیا کسی حادثہ میں ان کے والدین گذر جاتے ہینیا بچھڑ جاتے ہیں، ایسی صورت حال میں جو ان کے قریبی رشتہ دار ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کی تعلیم وتربیت کی فکر کریں، رہا مسئلہ ان بچوں کا جو پھینک دئے جاتے ہیں، ان کے لیے حکومت کی، اسی طرح خود سماج کی ذمہ داری ہے کہ کوئی ایسا نظام بنایا جائے جس سے ان کی تعلیم وتربیت کا نظم ہوسکے، رہا مسئلہ خاندانی ماحول کا تو جس علاقہ میں وہ بچہ ملا ہے وہاں کے رہنے والوں کے خاندان کا اعتبار کرکے ان کے ساتھ ان کو منسوب کیا جائے۔ اور یہ جو پھینکنےوالا مسئلہ معاشرے میں درپیش ہے، اس کی روک تھام کے لیے زنا کی شناعت معاشرے میں عام کی جائے، اور اس طرح کے رونما ہونے والے واقعات سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔

غربت کی حالت میں اپنا بچہ دوسروں کے حوالہ کرنا:

(ح): نابالغ لڑکے یا نابالغ لڑکییا کم عقل بالغ لڑکے اور لڑکی جن میں تمیز کی صلاحیت نہ ہو، ان کی پرورش، ان کی مصلحتوں کی نگرانی، موذی اور مضر چیزوں سے حفاظت ایسی جسمانی، نفسیاتی اور عقلی تربیت کہ وہ مقتضیات زندگی کی تکمیل کرسکے اور اپنے فرائض کے ادا کرنے کا اہل ہوجائے ، والدین کی پرورش کی ذمہ داری ہے۔

کسی کو اپنا بچہ افلاس کی وجہ سے حوالہ کرنے کی اجازت نہیں ہے، اس لیے کہ رزق کا وعدہ االله نے خود لے رکھا ہے، والدین پر بچوں کا یہ حق ہے کہ ان کی پرورش وپرداخت کرے، ماں بچے کو اپنا دودھ پلائے ، ماں پر بچے کا یہ حق ہے ، قرآن مجید نے اولاد کو ماں کایہی احسان یاد دلاکر ماں کے ساتھ غیر معمولی حسن سلوک کی تاکید کی ہے۔

معذور بچے اور ان کی تربیت ونگہداشت:

(ط): اولاد خدا کا انعام ہے، اس پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے آپ کو اولاد کی پرورش کی توفیق بخشی، اولاد کی پیدائش پر کبھی دل تنگ نہ ہو، معاشی تنگییا

صحت کی خرابییا کسی اور وجہ سے اولاد کی پیدائش پر کڑھنے یا اس کو اپنے حق میں ایک مصیبت سمجھنے سے پرہیز کرنا چاہیے، اولاد کو کبھی ضائع نہیں کرنا چاہیے، پیدا ہونے سے پہلے یا پیدا ہونے کے بعد، اولاد کو ضائع کرنا بدترین سنگ دلی، بھیانک ظلم، انتہائی بزدلی اور دونوں جہان کی تباہی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُواْ أَوْلاَدَہُمْ سَفَہاً بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَہُمُ اللّہُ افْتِرَاء عَلَى اللّہِ قَدْ ضَلُّواْ وَمَا كَانُواْ مُہْتَدِيْن} (انعام: ۱۴۰) (وہ لوگ انتہائی کھاٹے میں ہیں، جنہوں نے اپنی اولاد کو ناسمجھی میں اپنی حماقت سے موت کے گھاٹ اتار دیا....)۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: {وَلاَ تَقْتُلُواْ أَوْلادَكُمْ خَشْيَۃَ إِمْلاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُہُمْ وَإِيَّاكُم إِنَّ قَتْلَہُمْ كَانَ خِطأً كَبِيْراً} (بنی اسرائیل: ۳۱) (اور اپنی اولاد کو فقر وفاقے کے خوف سے قتل نہ کرو، ہم ان کو بھی رزق دیں گے، اور ہم ہی تمہیں بھی رزق دے رہے ہیں، حقیقتیہ ہے کہ اولاد کا قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے)۔

اسلام میں اس طرح کی کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ روزی کمانے کی غرض سے کسی نے اپنے بچے کو کسی دوسرے کے حوالہ کر کے فرار اختیار کر لیا ہو، اسی طرح اگر کسی کے کوئی معذور بچہ ہو تو اس کو علاج کے لیے علاج کی جگہ میں چھوڑ کر چلا آیا ہو، بلکہ یہ ہر دور میں رہا ہے کہ جس کے جس طرح کا بھی بچہ پیدا ہوا چاہے اچھا ہو یا کوئی نقص ہو اس کو پیار ومحبت سے اپنے پاس رکھ کر علاج ومعالجہ کیا، نہ کہ کسی کے حوالہ کیا۔ اسلامی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ بچہ چاہے جس طرح کا ہو والدین کو اپنی ممتا سے دور نہیں رکھنا چاہیے، اور اگر علاج ومعالجہ کی ضرورت ہو تو خود ہسپتال میں رکھ کر علاج ومعالجہ کی ذمہ داری سنبھالے، یورپی ممالک کی طرح نہ کرے کہ جب والدین بوڑھے ہوجاتے ہیں تو ان کو دوسری جگہ منتقل کردیا جاتا ہے، دوسرے لوگ دیکھ ریکھ کرتے ہیں، اولاد سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

***

اسلام میں بچوں کے حقوق اور موجودہ قوانین

مفتی محمد جہانگیر حیدر قاسمی•

حضانت کا لغوی معنی:

حضنیحضن حضنا وحضانۃ واحتضن الصبی: بچہ گود میں لینا، پرورش کرنا، سینہ سے لگانا، حضنہ عن کذا: علی حدہ کرنا، دور کرنا (مصباح اللغات،۱۶۱)۔

حضانت کا شرعی مفہوم:

ان افراد کا بچوں کی تربیت وپرورش کرنا جنہیں حق پرورش حاصل ہے،اصطلاح شرع میں حضانت کہلاتا ہے (ردالمحتار ۵،۲۰۳)۔

حضانت (حق پرورش):

بچہ کی کفالت، دیکھ بھال، علاج ومعالجہ، تعلیم وتربیت، نفقہ وسکنی دراصل باپ کی ذمہ داری ہے، کیونکہ بچہ باپ کی جانب منسوب ہوتا ہے اور اللہ تعالی نے ‘‘وعلی المولود لہ’’’ اور ‘‘ولا مولود لہ بولدہ’’ سے اسی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن بلوغ وشعور سے پہلے بچہ ماں کے لطف وکرم، پیار ومحبت، دل ونظر، شفقت وعنایت اور بالخصوص ماں کے دودھ اور گود کا ترجیحی محتاج ہوتا ہے، جو باپ اسے نہیں دے سکتا، اسی لئے شریعت مطہرہ نے بچے کی پرورش کا اولین حقدار ماں کو قرار دیا ہے، کہ بچے کے وجو دمیں اس کا خون جگر شامل ہےاور اس کی غذا بھی اسی ماں کے سینوں میں بہم رکھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتےہیں کہ ایک خاتون نے رسول اللہﷺ سے شکایت کی کہ یہ میرا بچہ ہے جو میرے پیٹ میں پلا، گود میں پرورش پایا، اور میرے سینے سے دودھ پیتا رہا، اب اس کے والد نے مجھے طلاق دے دی ہے اور وہ مجھ سے یہ بچہ چھیننا چاہتے ہیں، تو حضورﷺ نے فرمایا کہ تمہیں اس کی پرورش کا زیادہ حق ہے جب تک تمہارا نکاح کسی اجنبی سے نہیں ہوجاتا (اخرجہ احمد ۲،۱۸۲، سنن ابی داؤد۱،۳۱۰)۔

ایسے ہی حضرت عمر بن خطابؓ اور ام عاصم کا مقدمہ جب ابوبکرصدیقؓ کی خدمت میں آیا تو آپؓ نے ام عاصم کے حق میں بچہ کی پرورش کا فیصلہ دیا اور یہ کہا کہ ان کے آنچل کی ہوا، سانسوں کی خوشبو اور پیار ومحبت اس بچے کے لئے تمہارے مقابلے زیادہ

• شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ انوار الہدی ، حیدرآباد۔

بہتر ہے (رواہ سعید فی سننہ، باب الغلام بین الابوین أیہما احق بہ من کتاب الطلاق۲؍۱۰۹-۱۱۰ بحوالہ المغنی۱۱؍۴۱۴، بیہقی۸؍۵، نصب الرایہ۳؍۲۶۶)۔

بچہ ایام طفولیت میں جس شفقت وعنایت، جذباتی تعلق، قلبی رجحان اور رشتہ خون کے رنگ وبو کا محتاج ہوتا ہے، ماں کی گود کے سوا کہیں اور اسے میسر نہیں آسکتا، اسی لئے جذبہ ترحم وشفقت کے اسی فطری بنیاد کو شریعت نے حق پرورش کے لئے معیار قرار دیا ہے او رپرورش کا حق سب سےپہلے ماں کو دیا ہے۔

چنانچہ فقہاء اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ میاں بیوی کے بیچ رشتہ ازدواج باقی ہو، طلاق کے بعد عدت کا دورانیہ ہو یا عدت کے بعد کا مرحلہ ہو، اگر ماں بچے کی پرورش کے لئے تیار ہو اور مطلوبہ تمام شرطیں پائی جاتی ہوں تو پرورش کا پہلا حق ماں کا ہے، باپ کے لئے یہجائز نہیں کہ زبردستی بچے کو ماں سے چھین لے؛ کیوں ایسا کرنا نہ باپ کے حق میں مفید ہے، اور نہ ہی بچے کے حق میں۔

ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:

‘‘وجملۃ أن الزوجین إذا افترقا ولہما ولد طفل أو معتوہ فأمہ أولی الناس بکفالتہ إذا کملت الشرائط فیہا ذکرا کان أو أنثی وہذا قول یحییٰ الأنصاری والزہری والثوری ومالک والشافعی وأبی الثور واسحاق وأصحاب الرأی ولا نعلم أحداً خالفہم’’ (المغنی۱۱؍۴۱۳)۔

فقہاء نے پرورش کی میعاد لڑکا ہو تو سات سال اور لڑکی ہو تو ۹؍سال یا حیض آنے تک مقرر فرمائی ہے، کیونکہ اب بچے کی تعلیم وتربیت اور شخصیت سازی کے فرائض ماں کے مقابلے باپ عمدہ طریقے پر انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور بچہ اب ماں کا محتاج بھی نہیں رہا، اگر لڑکی ہو تو جب ۹؍سال کی ہوجائے یا نسوانی عادات واخلاق، گھریلو کام کاج اور تہذیب وتربیت کی ضرورت ہو تو حیض آنے یعنی بلوغ تک انتظار کےبعد باپ اسے اپنی نگرانی میں لے سکتا ہے، کیونکہ شادی بیاہ کی ذمہ داری باپ پر ہے، اور اس کی عزت وعصمت کے تحفظ اور نگہ داشت پر ماں کے مقابل باپ کو زیادہ قدرت حاصل ہے (فتاوی عالمگیری۱؍۱۶۵-۱۶۶، کتاب الطلاق، باب الحضانۃ، بدائع الصنائع۳؍۴۵۹)۔

ماں اورنانییا دادی کے سوا کسی اور خاتون رشتہ دار کو حق پرورش حاصل ہوتو لڑکا اور لڑکی دونوں استغناء کی عمر کے بعد باپ کو سپرد کردیئے جائینگے، صاحب بدائع اس کی توجیہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

‘‘وأما غیر ہؤلاء من ذوات الرحم المحرم من الأخوات والخلات والعمات إذا کان الصغیر عندہن فالحکم فی الجاریۃ کالحکم فی الغلام وہو أنہا تترک فی أیدیہن إلی أن تأکل وحدہا وتشرب وحدہا وتلبس وحدہا ثم تسلم إلی الأب’’ (بدائع الصنائع ۳؍۴۵۹)۔

حق پرورش کس کو ہے:

لڑکے اور لڑکیوں کی پرورش اور تربیت میں مردوں کے مقابلے عورتوں کا کردار اہم ہوتا ہے، اسی لئے پرورش کا حق مردوں سے پہلے خواتین کو حاصل ہے، اگر یہ خواتین نہ ہوں یا ان میں پرورش کی اہلیت نہ ہو تو پرورش کا حق مردوں کو منتقل ہوجاتا ہے، صاحب بدائع تحریر فرماتے ہیں:

''والأصل فيها النساء لأنهن أشفق وأرفق وأهدى إلى تربية الصغار ثم تصرف إلى الرجال'' (بدائع الصنائع ۳،۴۵۶)۔

خواتین میں پہلاحق ماں کو ہے کیوں کہ وہ ذی رحم محرم بھی ہے اور سب سے اقرب بھی، ماں کی عدم موجودگییا پرورش سے انکار یا اہلیت کے فقدان کی صورت مینیہ حق نانی، پرنانی اور پھر دادی پردادی کو حاصل ہوگا، اگر یہ بھی زندہ نہ ہوں یا پرورش سے انکار کردینیا اہلیت نہ پائی جاتی ہو تو یہ حق مندرجہ ذیل خواتین کے لئے اس ترتیب سے ثابت ہوگا:

عینی بہن، پھر اخیافی بہن، پھر علاتی بہن، پھر عینی بھانجی، پھر اخیاف بھانجی، پھر عینی خالہ پھر اخیافی خالہ، پھر نانا کی ماں، پھر علاتی بھانجی، پھر عینی بھتیجی، پھر اخیافی بھتیجی، پھر علاتی بھتیجی، پھر عینی پھوپھی، پھر اخیافی پھوپھی، پھر علاتی پھوپھی، پھر ماں کی عینی خالہ، پھر ماں کی اخیافی خالہ، پھر ماں کی علاتی خالہ، پھر باپ کی عینی خالہ، پھر باپ کی اخیافی خالہ پھر باپ کی علاتی خالہ پھر ماں کی عینی پھوپھی، پھر ماں کی اخیافی پھوپھی، پھر ماں کی علاتی پھوپھی، پھر باپ کی عینی پھوپھی، پھر باپ کی اخیافی پھوپھی، پھر باپ کی علاتی پھوپھی۔

اگر ان میں سے کوئی بھی نہ ہو یا وہ انکار کردے یا نااہل ہو تو حق پرورش مردو نکوہوگا اور عصبات مقدم ہونگے، میراث کی ترتیب پر انہینیہ حق حاصل ہوگا۔

پھریہ حق ذوی الارحام کو منتقل ہوگا، جو محرم بھی ہوں، جیسے نانا، پرنانا اوپر تک پھر اخیافی بھائی پھر اخیافی بھائی کا بیٹا، پھر اخیافی چچا پھر عینی ماموں پھر علاتی ماموں پھر اخیافی ماموں۔

عینی اور علاتی چچا کی بیٹی اور پھوپھی، ماموں، خالہ اور اخیافی چچا کی مذکر یا مونث اولاد کو حق پرورش حاصل نہیں ہے اگر مساوی رتبہ کے ایک سے زائد حق دار ہوں تو وہ مقدم ہوگا جس میں بچے کی پرورش کی لیاقت زیادہ ہو، پھر جو زہد وتقوی میں فائق ہو پھر جو عمر رسیدہ ہو (بدائع الصنائع ۳،۴۵۷، ۴۶۰، الدر المختار مع الرد ۵،۲۱۱، ۲۱۴)۔

کیا ماں کو پرورش پر مجبور کیا جاسکتا ہے؟

اگر ماں بچہ کی پرورش سے انکار کردے اور کوئی ذی رحم محرم رشتہ دار خاتون ہو جو پرورش کی ذمہ داریاں نباہ سکتی ہو اور کوئی خاتون دودھ پلانے پر رضامند ہو یا

بچہ اوپر کا دودھ پیتا ہو، ماں کا محتاج نہ ہو اور باپ اضافی اخراجات کی سکت رکھتا ہو تو ماں کو بچہ کی پرورش پر مجبور نہیں کیاجاسکتا، لہذا ماں بچہ کو باپ کے حوالے کرسکتی ہے۔

اگرنانی دادییاکوئی ذی رحم محرم رشتہ دار نہ ہو یا بچہ کسی غیر عورت کا یا اوپر کا دودھ نہ پیتا ہو یا پیتا ہو مگر شوہر اس کے اخراجات برداشت نہ کرسکتا ہو تو ایسی صورت میں بچہ کو دودھ پلانا اور اس کی پرورش کے فرائض انجام دینا ماں کے لئے ضروری ہوگا اور شرعاً اسے اس کام پر مجبور کیا جائے گا، ماں کے لئے جائز نہ ہوگا کہ وہ بچہ باپ کے حوالہ کردے۔

علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

''ولا تجبر الأم على إرضاعه إلا أن لا يوجد من ترضعه فتجبر عليه وهذا قول عامة العلماء'' (بدائع الصنائع ۳،۴۵۵، ۴۵۶)۔

علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

''ولا تجبر من لها الحضانة عليها إلا إذا تعينت لها بأن لم يأخذ ثدی غيرها أو لم يكن للأب ولا للصغير مال، به يفتی، خانيه، وسيجئی فی النفقة، وإذا أسقطت الأم حقها صارت كميتة أو متزوجة فتنتقل للجدة، ولا تقدر الحاضنة على إبطال حق الصغير فيهما'' (الدر المختار مع رد المحتار ۵،۲۰۸)۔

کیا ماں پرورش پر اجرت لے سکتی ہے؟

عورت اگر منکوحہ یا معتدہ رجعیہیا اصح قول کے مطابق معتدہ بائنہ ہو اور ابھی عدت پوری نہ ہوئی ہو تو دیانۃً بچہ کو دودھ پلانا اور اس کی پرورش کرنا ماں کے ذمہ لازم ہے اور جو کام شرعاً کسی کے ذمہ لازم ہو اس پر اجرت کا مطالبہ کرنا دراصل رشوت ہے، اور رشوت لینا دینا دونوں ناجائز ہے، لہذاماں کے لئے دودھ پلانے اور بچے کی پرورش پر اجرت کا مطالبہ جائز نہ ہوگا، اس لئے بھی کہ ماں کا نفقہ اس دوران باپ پر حسب حال واجب ہے، مزید دوسرا نفقہ اجرت حضانت کی شکل میں باپ کے ذمہ لازم نہیں کیا جاسکتا۔

صاحب ہدایہ لکھتےہیں:

''وإن استأجرها وهی زوجته أو معتدته لترضع ولدها لم تجز لأن الإرضاع مستحق عليها ديانة قال الله تعالى:''والوالدات يرضعن أولادهن'' (ہدایہ اولین ۴۲۴،۴۲۵، بدائع الصنائع، بیان القرآن، معارف القرآن)۔

عدت کے بعد ماں اگر مفت پرورش کے لئے تیار نہ ہو اور وہ پرورش اور دودھ پلانے کا معاوضہ طلب کرے اور باپ مالدار ہو تو باپ پر معاوضہ اداکرنا ضروری ہوگا، البتہ اگر باپ تنگدست اور مفلوک الحال ہو اور بچہ کی پھوپھی وغیرہ مفت پرورش کے لئے

تیار ہو تو ماں کا حق حضانت ساقط ہوجائے گا اور بچہ پھوپھی وغیرہ کے حوالے کیا جائے گا، لیکن ماں کو بچے سے ملاقات کا حق باقی رہے گا، اور اگر ماں دوبارہ مفت پرورش کے لئے آمادہ ہوجائے توبچہ اس کے حوالے کردیا جائے گا، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

''فإن أرضعن لكم فآتوہن أجورہن وأتمروا بينكم بمعروف وإن تعاسرتم فسترضع لہ أخرى''۔

علامہ حصکفی تحریر فرماتے ہیں:

''وتستحق الحاضنة أجرة الحضانة إذا لم تكن منكوحة ولا معتدة لأبيہ'' ۔

دوران پرورش بچہ کا نفقہ کس پر ہے؟

پرورش کا حق ماں کو حاصل ہو یا کسی اور کو، زمانہ پرورش میں بچہ کا نفقہ باپ پر ہے، البتہ بچہ اگر مالدار ہو اور مال موجود بھی ہو تو اس کے اخراجات اس مال سے پورے کئے جاسکتے ہیں۔

صاحب بدائع الصنائع تحریر فرماتے ہیں:

''ونفقة الولد يختص بہا الوالد لا يشاركہ فيہا الأم'' (بدائع الصنائع ۴۵۵،۳)۔

صاحب در مختار لکھتے ہیں:

''وتجب النفقة بأنواعہا على الحر لطفلہ يعم الأنثى والجمع الفقير الحر فإن نفقة المملوک على مالكہ والغنى فى مالہ الحاضر فلو غائباً فعلى الأب'' (الدر المختار مع رد المحتار ۲۶۸،۵)۔

استغناء (خود شعودی) کے بعد بچہ باپ کے حوالے ہوگا:

لڑکا اگر ماں نانی دادییا کسی اور ذی رحم محرم کی پرورش میں ہو اور اپنی عمر کے سات سال مکمل کرچکا ہو، کھانے، پینے، لباس پہننے، پیشاب پاخانہ کرنے اور وضو وغسل میں مربیہ کا محتاج نہ رہا ہو تو لڑکا باپ کے حوالہ کیا جائے گا، اگر باپ قبول کرنے سے پہلو تہی کرے اور کوئی شرعی مانع نہ ہو تو اسے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا، کیونکہ تعلیم وتربیت کی ذمہ داری باپ پر ہے، آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''مروا صبيانكم إذا بلغوا سبعا''۔

اسی طرح لڑکی اگر ماں،نانی، دادی کی پرورش میں ہو تو بلوغ کے بعد یا کسی اور ذی رحم محرم خاتون رشتہ دار کی پرورش میں ہو تو استغناء کی عمر یعنی۹ سال کے بعد باپ اپنی تحویل میں لے گا، کیونکہ اب اس کی تحصین وتحفظ کی ذمہ داری باپ کے مضبوط کندھوں پر ہے (الدر المختار مع رد المحتار۲۱۶،۵)۔

مضرت کا اندیشہ ہو تو حق پرورش ساقط ہوجائے گا:

بچہ کی جسمانی نشو ونما، ذہنی ارتقا، نفسیاتی علو وبہتری اور تعلیمی وتربیتی حصولیابی ایک ایسے ماحول کا محتاج ہوتی ہے جو پرسکون اور فطرت سے ہم آہنگ ہو،

اسی لئے شریعت مطہرہ ایسے ذی رحم محارم رشتہ دار، عصبہ اور ذوی الارحام کو پرورش کا حقدار سمجھتی ہے، جو بچہ کو خوش گوار ماحول فراہم کرسکیں اور ان کی گود میں بچہ کے لئے نشوونما کا گہوارہ اور تعلیم وتربیت کا مسکن ثابت ہوں۔

وہ لوگ جو بچے کی صحیح دیکھ بھال نہیں کرسکتے، جسمانی، ذہنی اور تعلیمی وتربیتی نقطہ نگاہ سے ان کی پرورش بچہ کی شخصیت پر منفی اثر ڈالتی ہو، شفقت ومحبت کے بجائے ان کے دلوں میں نفرت وانتقام کی آگ سلگتی ہو او ربچہ کے ضیاع کے امکانات قوی ہو، تو ایسے لوگ حق پرورش سے محروم کردیئے جائینگی، خواہ وہ ماں یا باپ ہیکیوں ہوتے ہوں۔

چنانچہ فقہاء نے اس اصول کی صراحت کی ہے کہ پرورش کا مدار جذبہ ترحم وشفقت پر ہے، علامہ کاسانی لکھتے ہیں: ''لأن مبنی الحضانۃعلی الشفقۃ'' (بدائع الصنائع ٣،٧٥٤)۔

لہذا جب یہ جذبہ مفقود ہو تو ایسی صورت میں حق پرورش ساقط ہوگا اور ثانوی درجہ کے حق دار کو پرورش کی ذمہ داری سونپی جائے گی اگر قرابت داروں میں کوئی بھی اس لائق نہ ہو تو حاکم وقت یا اصحاب حل وعقد کو اختیار ہوگا کہ جسے تربیت کے لئے مناسب وموزوں سمجھیں بچہ اس کے سپرد کردیں، وہ اجنبییااجنبیہ ہی کیوں نہ ہو (الدر المختار مع رد المحتار ٥،٩١٢)۔

علامہ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں:

''قال الرملی:ویشترط فی الحضانۃ أن تکون حرۃ بالغۃ عاقلۃ أمینۃ قادرۃ وأن تخلو من زوج أجنبی وکذا فی الحاضن الذکر سوی الشرط الأخیر، ہذا ما یؤخذ من کلامہم'' (ردا لمحتار ٥،٢٠٣)۔

مذکورہ بالا تینوں شرطوں کا حاصل یہ ہے کہ بچہ جسمانی، ذہنی، فکری، نفسیاتی، تعلیمی وتربیتی کسی لحاظ سے نقصان کا شکار نہ ہو، لہذا جنہیں حق پرورش حاصل ہے، مگر وہ پرورش کا حق ادا نہیں کرسکتے یا اہلیت ہی نہیں رکھتے تو انہیں حق پرورش سے محروم قرار دیا جائے گا، علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:''وہذہ ولایۃ نظر فلا تثبت مع الضرر'' (بدائع الصنائع ٣،٤٦٠)۔

کن صورتوں میں مرد یا عورت کو حق پرورش سےمحروم کیا جاسکتا ہے؟

ان تمام صورتوں میں کسی مرد یا عورت کو حق پرورش سے محروم کیا جاسکتا ہے جب بچہ کی پرورش، دیکھ بھال اور تعلیم وتربیت کا مطلوبہ عمل پورا نہ ہوتا ہو او رایسے اسباب پائے جاتے ہوں جو پرورش کے عمل میں رکاوٹ بنتے ہوں یا بچہ کے حق میں پرورش کرنے والے بے توجہی اور لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہوں یا غیر شرعی اور غیر اخلاقی امور میں ہمیشہ مبتلا رہتے ہوں، یا متعدی امراض میں مبتلا ہوں وغیرہ،یہ اور

اس کے علاوہ امور ہیں جن کو فقہاء نے تفصیل سے ذکر کیا ہے (دیکھئے: الدر المختار وردالمحتار ۵،۲۱۴، ۲۱۵، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، بدائع الصنائع ۳،۴۶۰ وغیرہ)۔

حق تعلیم وتربیت:

بچوں کے حق تعلیم وتربیت سے متعلق بنیادی ہدایات:

زندگی کے بعد اگر کوئی حق عقل وشریعت کی نظر میں اہم اور لائق ترجیح ہے تو وہ حق تعلیم وتربیت ہے، دیگر حقوق کی طرح اسلام میں اس حق پر خصوصی توجہ دی گئی ہے اور اسے بنیادی ولابدی حقوق میں شامل کیاگیا ہے۔

انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ کی معرفت اور طاعت وبندگی ہے، تعلیم وتربیت کے بغیر اللہ کا عرفان حاصل ہوسکتا ہے او رنہ ہی طاعت وبندگی کا جذبہ پروان چڑھ سکتا ہے، اسی لئے علم کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اللہ کا ارشاد عالی ہے: ''إنما یخشی اللہ من عبادہ العلماء''، بچوں کی تعلیم وتربیت اور فکر آخرت کے تئیں سنجیدگی کا اندازہ حضرت لقمانؑ کی اس نصیحت سے بھی ہوتا ہے، جو انہو ننے اپنی اولاد کو کی تھی،یہ نصیحت انبیاء کرام کے مزاج ومذاق کا حقیقی غماز ہے اور سلامتی فکر کا عکاس بھی، ''وإذ قال لقمان لابنہ وہو یعظہٗیبنی لا تشرک باللہ إن الشرک لظلم عظیم'' (سورہ لقمان: ۱۳)، ''یا بنی أقم الصلاۃ وأمر بالمعروف وانہی عن المنکر واصبر علی ما أصابک إن ذلک من عزم الأمور'' (سورہ لقمان: ۱۷)۔

حضرتیعقوبؑ نے اپنی اولاد کو نصیحت فرمائی، قرآن مجید نے اسے یوں نقل کیا ہے: ''أم کنتم شہداء إذ حضر یعقوب الموت إذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی قالوا نعبد إلہک وإلہ آبائک إبراہیم وإسماعیل وإسحاق إلہا واحداً ونحن لہ مسلمون'' (سورہ بقرہ: ۱۳۳)۔

یہ واقعات تربیت اولاد کی اہمیت اور اس کے تئیں ماں باپ کی ذمہ داری اور رول پر اسلامی نظریہ کی ترجمانی کرتے ہیں، جیسا کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ اولاد کو ادب سکھانا ایک صاع (ساڑھے تین کلو غلہ) خیرات کرنے سے بہتر ہے، ایک حدیث میں آپﷺ نے فرمایا: ''ما نحل والد ولدہ من نحل أفضل من أدب حسن'' (ترمذی شریف)۔ یعنی کسی والد نے اپنی اولاد کو نیک ادب سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دیا۔

ایک موقع پر بچو نکو تہذیب وشائستگی سکھانے پر زور دیتے ہوئے فرمایا: ''أحسنوا أدبہم'' (ابن ماجہ: ۲۶۱)۔

حضرت عمر بن خطابؓ کا مشہور مقولہ ہے: ''تفقہوا قبل أن تسودوا'' (بخاری۱،۱۷)۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں اصولی طور پر علم حاصل کرنا واجب ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اسلام جبری تعلیم کا قائل ہے تو کچھ غلط نہ ہوگا، کیونکہ رسول اللہﷺ نے ہر مسلمان پر تحصیل علم کو فرض قرار دیا ہے، آپﷺ کا فرمان ہے: ''طلب العلم فریضۃ

علی کل مسلم" (ابن ماجہ ۱،۲۰)۔ اور مخصوص حالات میں فرائض کی تکمیل کے لئے جبر کی صورت بھی اختیار کی جاسکتی ہے۔

آپ ﷺ کا یہ ارشاد:"مروا أولادکم بالصلاۃ وہم أبناء سبع سنین واضربوہم علیہا وہم أبناء عشر سنین وفرقوا بینہم فی المضاجع" (ابوداؤد ۱،۷۱)، تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں رہنما خطوط کا درجہ رکھتا ہے۔

ظاہر ہے کہ دس سال کی عمر میں ترک نماز پر تنبیہ اور مار کی اجازت اور سات سال کی عمر میں نماز کے لئے تاکید کا حکم اسی پس منظر میں صحیح ہوسکتا ہے، جب اس سے قبل بچہ کی تعلیم کا نظم کیا گیا ہو اور بچہ طریقہ نماز، فرائض وواجبات اور سنن کا علم رکھتا ہو، ورنہ اس تاکید وتنبیہ کا کوئی مطلب نہ ہوگا، اسی لئے امام بخاری نے صحیح بخاری، کتاب العلم میں اس بات کو ثابت کیا ہے کہ پانچ سال کی عمر میں بچوں کی تعلیم کا آغاز ہوجانا چاہئے (بخاری، باب الاغتباط فی العلم والحکمۃ ۱،۱۷)۔

بچوں کی تعلیم وتربیت کی اہمیت کے پیش نظر ہی اسلام نے ایسی خواتین سے نکاح کو معیوب کہا ہے جو بداخلاق، بدطینت اور برے اطوار کے لئے جانی جاتی ہوں، اور ایسی عورتوں سے نکاح کو پسند کیا ہے جو دین دار اور خوش اخلاق ہوں۔

اسلام کی بنیادی ہدایتوں مینیہ بھی ہے کہ مباشرت کے وقت یہ دعا پڑھے:"بسم اللہ اللہم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا"، تاکہ بچے شیطان کے اثرات سے محفوظ رہیں، پھر جب بچہ کی ولادت ہو تو ایک کان میں اذان، دوسرے میں اقامت کہی جائے، پھر تحنیک وتبریک کا عمل کرایا جائے، اچھا اسلامی نام رکھا جائے اور جب بولنے کی ہمت کرے تو سب سے پہلے کلمہ طیبہیاد کرایا جائے، اور جب شعور آنے لگے تو دینی تعلیم اور اسلامی تربیت پر خاص توجہ دی جائے تاکہ دنیا میں وہ مثالی انسان کا کردار ادا کرے اورآخرت میں اللہ کے عذاب سے محفوظ رہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

"إن رسول اللہ ﷺ کا ن یؤتی بالصبیان فیبرک علیہم ویحنکہم" (مشکاۃ ۲۶۲، باب العقیقہ)۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "من لہ ولد فلیحسن اسمہ وأدبہ" (مشکاۃ ۲۷۱)۔

اور اللہ تعالی کا فرمان ہے: "قوا أنفسکم وأہلیکم ناراً"۔

یہ ہدایتیں اس بات کی غماز ہیں کہ ابتداء تخلیق ہی سے بچہ خصوصی توجہ، دینی واسلامی تربیت اور روحانی اصطلاح کا محتاج ہے تاکہ جب وہ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھے تووہ ایک ایسے انسان کا کردار ادا کرے جو انسانی سماج کا قابل فخرفرد اور ملت کا دمکتا ستارہ ہو، انسانیت کی خدمت اور ملت سے خیرخواہی کو اپنا فرض سمجھتا ہو،

ایسے ہی صالح اولاد کو رسول اللہﷺ نے ماں باپ کے لئے صدقہ جاریہ سے تعبیر فرمایا ہے:

''إذا مات الإنسان انقطع عنہ عملہ إلا من ثلاث:صدقۃ جاریۃ وعلم ینتفع بہ وولد صالح یدعو لہ'' (بخاری شریف۱،۲۵۶)۔

ماں باپ کی تعلیم وتربیت کا بچہ کی زندگی پر اثرہوتا ہے اور اس کی دنیا وآخرت بھی اسی ماحول میں بنتییابگڑتی ہے جیسا کہ رسول اللہﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

''ما من مولود یولد علی الفطرۃ فأبواہ یہودانہ أو ینصرانہ أو یمجسانہ'' (مشکوۃ ،۲۱)۔

یعنی بچہ میں اسلام قبول کرنے کی استعداد ہوتی ہے، مگر ماں باپ کی تعلیم وتربیت اسے یہودی، نصرانییا مجوسی بنادیتی ہے، اسی لئے اسلام میں بچہ کی تعلیم وتربیت اور اصلاح حال کی ذمہ داری ماں باپ پر ہے، اور وہ اس بارے میں جواب دہ بھی ہیں، کل قیامت کے میدان میں ان سے اس بابت سوال بھی ہوگا، ''ما ذا علمتہ وماذا أدبتہ'' ۔

بچوں کی تعلیم اسلام کی نگاہ میں کس قدر اہمیت کی حامل ہے، اس کااندازہ اس سے بھی کیاجاسکتا ہے کہ اصولی طور پر بالغ ہونے کے بعد بچہ کا نفقہ باپ پر نہیں ہے، سوائے اس کے کہ وہ معذور ہو، لیکن اگر وہ حصول تعلیم میں مصروف ہو اور باپ مالدار ہو تواس کا نفقہ اور تعلیمی خرچہ باپ پر ہے، علامہ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں:

''وکذا تجب لولدہ الکبیر العاجز عن الکسب کأنثی مطلقاً وزمن ومن یلحقہ العار بالتکسب وطالب علم لا یتفرع لذلک، کذا فی الزیلعی والعینی '' (رد المحتار ۵،۲۷۱)۔

اسی طرح فقہاء نے ایسے بالغ بچوں کو زکوۃ کا مصرف قرار دیا ہے، جو حصول علم میں مصروف ہوں اور ان کے والدین غریب ہوں۔

دینی وعصری علوم کس حد تک ضروری ہے:

دین کے تمام شعبوں سے متعلق بنیادی تعلیمات سے بچو نوبچیوں کو آراستہ کرنا ہر ماں باپ پر واجب ہے، کیونکہ عقائد وعبادات، معاملات واخلاقیات سے متعلقہ علوم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، یعنی توحید وشرک کی حقیقت، نبوت ووحی کا اسلامی تصور، انبیاء بالخصوص پیغمبر اسلامؐ کے حالات زندگی، طہارت وپاکی، نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور قربانی کے بنیادی احکام ومسائل، نکاح، طلاق وتفریق، خرید وفروخت، ملازمت ونوکری، کسب معاش کے حلال وحرام طریقے، شریعت میں حرام کردہ اعمال وافعال اور اشیاء کی تفصیلات، صحابہ وصحابیات کی پاکیزہ زندگیوں سے متعلق بنیادی معلومات، والدین، اولاد، میاں بیوی اور اعزہ واقارب کے حقوق کا جاننا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

''قوا أنفسكم وأہلیکم ناراً'' کی تفسیر میں علامہ قرطبی تحریر فرماتےہیں:

''وروی عن علی بن أبی طلحۃ عن ابن عباسؓ: قوا أنفسكم وأمروا أہلیکم بالذكر والدعاء حتییقیہم اللہ بكم وقال علیؓ وقتادۃؓ ومجاہدؒ، قوا أنفسكم بأفعالكم وقوا أہلیکم بوصیتكم، ابن العربی وہو الصحیح .... وقال بعض العلماء لما قال ''قوا أنفسكم'' دخل فیہ الأولاد لأن الولد بعض منہ، فیعلمہ الحلال والحرام ویجنبہ المعاصی والآثام إلی غیر ذلک من الأحكام .... وذكر القشیری أن عمرؓ قال لما نزلت ہذہ الآیۃیا رسول اللہ نقی أنفسنا فكیف لنا بأہلینا؟ (تنہونہم عما نہاكم اللہ وتأمرونہم بما أمر اللہ)،وقال مقاتل: ذلک حق علیہ فی نفسہ وولدہ وأہلہ وعبیدہ وإمائہ .... فعلینا تعلیم أودلانا وأہلینا الدین والخیر وما لا یستغنی عنہ من الأدب، وہو قولہ تعالی ''وأمر أہلک بالصلاۃ واصطبر علیہا، ونحو قولہ تعالی للنبیﷺ : ''وأنذر عشیرتک الأقربین'' (قرطبی۱۸،۱۲۷-۱۲۸)۔

قرآن وحدیث، کلام وعقیدہ اور سیرت وفقہ میں تبحر وبصیرت حاصل کرنا اور نت نئے مسائل او رحوادث وواقعات میں تخریج احکام کے لئے اجتہاد وقیاس کی قابلیت پیدا کرنا چونکہ ہر مسلمان پر فرض نہیں ہے، اس لئے بچوں اور بچیوں کو اس حد تک اعلی تعلیم سے واقف کرانا اولیاء کے ذمہ ضروری نہ ہوگا، لیکن مستحسن اور مطلوب ہے، بلکہ فقہاء نے اسے فرض کفایہ قرار دیا ہے، اس کی تائید قرآن وحدیث سے ہوتی ہے۔

عصری علوم جن کا موضوع عام طور پر انسان اور عالم انسان ہے، اور جن کے مقاصد، انسانی زندگی کی حفاظت اور ضروریات زندگی کی فراہمی ہے، اگر اسلامی ہدایات کی روشنی میں حاصل کئےجائیں اور انسانوں کو نفع پہنچانا مقصود ہو، تو ایسے علوم حاصل کرنا اسلام میں نہ صرف جائز ہے بلکہ محمود ہے؛ کیونکہ بہت سے وہ علوم ہیں جن سے احکام شریعت کے مقاصد خمسہ میں سےکسی مقصد کی تکمیل ہوتی ہے، مثلاً طب (میڈیکل سائنس)، انسانی جسم کے لئے نفع بخش ہے، انجینئرنگ ضروریات زندگی کی تکمیل کرتی ہے، علم قانون (لاء) عزت وآبرو، مال وزر اور نفس وجان کا محافظ ہے، ادب وصحافت امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا مضبوط وموثر ہتھیار ہے، اور علم معاشیات کا مقصد افراد وسماج کی معاشی ضرورتوں کو پورا کرنا ہے، اس لئے یہ تمام علوم اسلامیہ میں مطلوب ومحبوب ہیں اور شرعی نقطہ نظر سے ان کی حیثیت فرض کفایہ کی ہے۔

نیز ایسے علوم جو انسانی معیشت کو سہارا دے شریعت میں ان کا سیکھنا جائز اور کبھی ضروری ہے، آپﷺ کا فرمان ہے: ''كاد الفقر أن یكون كفراً'' ۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں:''قوا أنفسكم وأہلیکم ناراً'' بچوں کو دوزخ سے بچانے کے لئے دین کی تعلیم تو ضروری ہے ہی، طریقہ معاش اور اس سے متعلقہ علوم وفنون سے واقفیت بھی ضروری ہے، تاکہ بچے جائز طریقہ پر اپنی معاشی ضروریات کی تکمیل کریں اور

ناجائز سرگرمیوں میں ملوث ہوکر اپنی آخرت تباہ نہ کریں۔

رسول اللہ ﷺ نےحکمت ودانائی کی ہر بات کو مومن کا متاع گم گشتہ قرار دیا ہے، ''الحکمۃ ضالۃ المؤمن'' عصری علوم کا تعلق حکمت ودانائی سے ہے، لہذا اسلامی اصولوں کا تقاضا ہے کہ عصری علوم سے بچوں کو واقف کرایاجائے، کیونکہیہ انسانیت کے لئے مفید ہیں اور پیغمبر اسلامؐ نے جہاں مذہبی علوم کو ضروری قرار دیا وہیں علی الاطلاق علم نافع کو بھی اہمیت دی، چنانچہ روایت ہے کہ آپ ﷺ علم نافع کی دعا کیا کرتے تھے، اور غیر نافع سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

اسی طرح قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں ایسے حقائق پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کا تعلق ، فلکیات، طبیعیات، نباتات وحیوانات کے علوم سے ہے، خود انسان کی مرحلہ وار تخلیق اور نفسیات کا تذکرہ بار بار کیا گیا ہے، گذشتہ اقوام کے قصص وواقعات، ان کی آبادی، محل وقوع، صنعت وحرفت، زراعت وغلہ بانی اور مقام عذاب وقہر کا ذکر بھی ہے اوران میں غوروفکر کی دعوت بھی دی گئی ہے ، ظاہر ہے کہ ان عصری علوم کے حصول کے بغیر تحقیق وجستجو اورفکر وتدبر کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا، اس لئے اس حد تک ان علوم کو حاصل کرنا کہ کائنات کے اسرار ورموز سے پردہ چاک ہو اسلامی نقطہ نظر سے جائز ومطلوب ہوگا، کسی دور میں علماء اسلام نے اس میدان میں امامت وپیشوائی کا کردار بھیادا کیا ہے۔

البتہ بچیوں کے لئے لازم ہوگا کہ شرعی حدود کی پوری رعایت کے ساتھ عصری علوم حاصل کرینیعنی دوران تعلیم بے پردگی نہ ہو، غیر محرم مردوں کے ساتھ تنہائی نہ ہو، فتنہ کے مواقع سے بچنے کا اہتمام ہو، ایسا علم نہ ہو جو شرعاً ناجائز ہو جسے رقص وسرور اور موسیقی کا فن وغیرہ، ایسی تعلیم نہ ہو جو عورت کی فطری صلاحیتوں سے ہم آہنگ نہ ہو اور حصول علم کی اجازت شادی سے پہلے ولی سے اور شادی کے بعد شوہر سے حاصل ہو۔

اگر حکومت کسی سطح تک تعلیم کو لازم قرار دے تو اس کا کیا حکم ہے:

اسلامی نقطہ نظر سے عصری علوم حاصل کرنا بنیادی طور پر فرض کفایہ ہے، لیکن اگر حکومت کسی سطح مثلاً (Secondary) تک بچے اوربچیوں کے تعلیم کو لازم قرار دے اور یہ قانون تعلیمی بہتری اور معاشی اصلاحات کے پس منظر میں وضع کیا گیا ہو تو مسلمانوں کے لئے اسلامی اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے ملکی قانون کا پالن کرنا ضروری ہوگا، کیونکہ اسلام تعلیم سے منع نہیں کرتا، اورانحراف کی وجہ سے مسلمان مسائل کا شکار ہونگے، پاسپورٹ، بینک اکاؤنٹ اورحکومت کی فلاحی تدبیروں سے استفادہ کرنا اس کے بغیر ممکن نہ ہوگا۔

ہاں مسلم دانشوروں اور ارباب علم وفضل کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ مسلم بچیوں کی مستقل علاحدہ تعلیم گاہ کاانتظام کریں تاکہ اسلامی ہدایات کی روشنی میں ان کی مطلوبہ تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام پائے اور وہ خاندان وسماج کے لئے معمار کا کردار ادا کریں۔

کیا جنس کی تعلیم بھی بچوں کا حق ہے:

انسان کی کچھ ضرورتیں وہ ہوتی ہیں جو فطری ہوتی ہیں، عمر میں اضافے کے ساتھ ان میں بھی ترقی ہوتی رہتی ہے، وقت آنے پر اس کی ادائیگی کا طریقہ انسان خود سیکھ جاتاہے، کسی تعلیم وتجربہ کا محتاج نہیں ہوتا، جیسے بھینس کا بچہ تیرناجانتا ہے مگر وہ کسی کا تربیتیافتہنہیں ہوتا۔

ان ہی میں انسان کی جنسی ضرورت بھی ہے، اللہ تعالی نے مرد وعورت میں کشش رکھی ہے اور جوں جوں انسان بلوغ کے قریب پہنچتا ہے جنسی ضرورت کا تقاضا بڑھتا جاتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے انسانی خیال میں اس ضرورت کا احساس پیدا نہیں ہوتا، اسی لئے اسلام نے حکم دیا ہے کہ جب بالغ ہوجائیں تو ان کا فوری نکاح کردیں اور بلاعذر شرعی تاخیر نہ کی جائے، حضرت علی ؓ کی روایت:

''إن رسول اللہﷺ قال لہ یا علی ثلاث لا توخرہا:الصلاۃ إذا حانت، والجنازۃ إذا حضرت، والأیم إذا وجدت لہا کفواً'' (ترمذی شریف۱،۲۰۶)۔

عہد جدید سے پہلے انسان ہزاروں سال سے اس روئے زمین پر آباد ہے، اور ابو الانسان حضرت آدمؑ سے لے کر آج کےانسانوں تک لاکھوں اور اربوں انسان اس دنیا میں آئے اور انہو ننے بشری تقاضے کی تکمیل کی، لیکن کسی کو تربیت کی ضرورت نہ تھی، فی زمانہ یہ خیال پیدا ہوا کہ بچوں کو جنسی بے راہ روی او راس کے برے اثرات سے آگاہ کرنے کےلئے جنس کی تعلیم اسکولی سطح پر ضروری ہے، اس سمت میں قدم بھی اٹھائے گئے اور عصری درسگاہوں میں اس نصاب کو شامل بھی کیا گیا۔

یہ فیصلہ فطرت، تاریخ انسانی کے تجربہ اور اسلامی ہدایات کے خلاف تھا، اور تعلیم وتربیت کے مقاصد سے ہم آہنگ بھی نہ تھا، کیونکہ تعلیم کا مقصد انسانیت کی تعمیر ہے نہ کہ تخریب۔

کم عمر بچے اور بچیوں کو جنس کی تعلیم دینا درحقیقت ان میں خفتہ جذبات اور خوابیدہ خواہشات کو ہوا دینا ہے، انسانی فطرت ہے کہ جب جذبات اور امنگوں کی تکمیل کا جائز راستہ میسر نہ ہو تو ناجائز طریقے اختیار کرنے سے بھی انسان پس وپیش نہیں کرتا، چنانچہ قلیل عرصہ میں تجربہ نے یہ ثابت کردیا کہ انگیٹھیوں کو سلگانے کاانجام کیا ہوتا ہے۔

نابالغ بچے اور بچیوں کا گھر سے راہ فرار اختیار کرنا، اسکول میں ہم جماعت لڑکوں یا اساتذہ کی جانب سے نابالغ بچیوں کی عصمت ریزی کے واقعات، تفریحی مقامات

اور سنسان علاقوں میں نو عمر بچے اور بچیوں کا آزادانہ اختلاط اوراخلاق سوز حرکات میں ملوث ہونا، ۲۴گھنٹے فون پر شہوانی گفتگو میں مصروف رہنا اورانسانی اخلاق واقدار اور سماجی روایات کا گلا گھونٹنا، انسانی سماج، بالخصوص مسلم معاشرہ کے لئے ایک ایسا ناسور ہے، جو اسی نظریہ کی پیداوار ہے جو اسکول میں جنس کی تعلیم اور مخلوط تعلیم کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

عقل ودانش کی میزان میں ایسے اقدامات کو درست نہیں ٹھہرایا جاسکتا، اسی لئے اسلام کی نظر میں معصوم بچے اور بچیوں کو جنس کی تعلیم دینا تخریب اخلاق کی سمت تباہ کن اقدام ہے، اور قلیل فائدے کے لئے کثیر نقصان کا سودا کرنے کے مرادف ہے۔

آپﷺ نے میاں بیوی کے درمیان جنسی عمل کو نہایت پردہ داری سے انجام دینے کا حکم دیا، اور رسول اللہﷺ جب ازواج مطہرات سے قربت فرمایا کرتے تو جسم مبارک پر چادر ڈال لیتے تھے، اور مادرزاد ننگا ہوکر جنسی عمل کرنے سے منع فرمایا۔

لہذا اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ ناپختہ بچوں اور بچیوں کو پختگی اورجنس کی تفصیلات سے آگاہ کیا جائے کہ اس میں تعمیر سے زیادہ تخریب اور نفع کے مقابلے نقصان زیادہ اور متعدی ہے، بلکہ تخریب ہی تخریب اور نقصان ہی نقصان ہے کیونکہیہ مختلف سنگین جرائم کی جڑ اور بنیاد ہے۔

اس زاویے سےبھی غور کیا جاسکتا ہے کہ نقشوں اور تصویروں کے ذریعہ جنسیعمل کی تفصیل بیان کرنا درحقیقت خیالی زنا ہے جو آہستہ آہستہ حقیقت میں تبدیل ہوکر بچے اور بچیوں کو اخلاقی برائیوں کا خوگر اور زنا کا سوداگر بنادیتا ہے۔

اسی طرح جنسی ضرورت کا تقاضا بلوغ کی عمر میں شدت اختیار کرتا ہے، بچے اور بچیوں کو فطرتاً اس کی ضرورت نہیں ہوتی، اس لئے یہ ان کے حقوق میں شامل ہی نہیں ہے کہ اس کا پاس ولحاظ ضروری ہو۔

حق نکاح:

نکاح ایک ایسا معاہدہ ہے جس میں عبادت کی شان ہے، اسی لئے فقہاء نے لکھا ہےکہ نفل عبادت میں مشغول ہونے سے افضل نکاح اور مقاصد نکاح کی تکمیل کے لئے کوشاں رہنا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

''حتی لو قالوا إن الاشتغال بہ أفضل من التخلی لنوافل العبادات، أی الاشتغال بہ وما یشتمل علیہ من القیام بمصالحہ وإعفاف النفس من الحرام وتربیۃ الولد ونحو ذلک'' (رد المحتار ۵۱،۴)۔

نسل انسانی کا پھیلاؤ، خاندانی نظام کا تحفظ، معاشرہ کی تشکیل، باہمی محبت

وارتباط کا چلن، نفسانی خواہشات کی تکمیل اور اولاد کا حصول، نیز اسلام اور مسلمانوں کی بقا وترقی کی ضمانت ہی نظام نکاح میں ہے، اسی لئے قدیم وجدید تمام مذاہب اور قوموں میں نکاح کی رسم موجود رہی ہے، گویا فطری تقاضہ کی تکمیل کا فطری طریقہ ہے، قرآن مجید نے اسی راز سے پردہ اٹھایا ہے:

''واللہ جعل لکم من أنفسکم أزواجاً'' (سورہ نحل: ٧٢)۔

نکاح کی ترغیب دیتے ہوئے اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا:

''فانکحوا ما طاب لکم من النساء '' (سورہ نساء: ٣)۔

لیکنیہ ایک ایسی ضرورت ہے جس کی حاجت بلوغ کے بعد پیش آتی ہے، اسی لئے فقہاء نے اسے عقد سے تعبیر کیا ہے، ''عقد یفید ملک المتعۃ قصداً'' (الدر المختار مع رد المحتار ٤،٥٢۔٥٣)۔

کسی بھی عقد (معاملہ) کی صحت کے لئے اہلیت اور اہلیت کے لئے بلوغ شرط ہے۔

نیز نکاح کے تینوں درجات: فرض، واجب وسنت میں نفسانی جذبات کے ساتھ جس چیز کو بنیادی عنصر کا درجہ حاصل ہے وہ ہے عفت وپاکدامنی او رحصول اولاد کا جذبہ، ظاہر ہے کہ یہ جذبات بلوغ کے بعد ہی پیدا ہوتے ہیں، اسی وجہ سے رسول اللہﷺ نے ان لوگوں کو نکاح کا حکم دیا جو حق زوجیت ادا کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں ''من استطاع منکم الباء ۃ فلیتزوج'' (بخاری شریف٢،٨٥٧)۔

وہ بچے جو باپ کے زیر پرورش ہوں، رسول اللہﷺ نے ان کے حقوق میں اس بات کو بھی اہم قرار دیا کہ باپ ان کے نکاح کردیں جب وہ بالغ ہوجائیں، حدیث کے الفاظ ہیں:

''حق الولد علی الوالد أن یحسن اسمہ ویعلمہ الکتابۃ ویزوجہ إذا بلغ'' (بحوالہ قرطبی١٨،١٢٨)۔

بچوں کی تعلیم وتربیت، پرورش اور ان کے دینی ودنیاوی مصالح کا خیال رکھنا باپ اور اولیاء کے فرائض منصبی میں سے ہے، نکاح دینی ودنیاوی مصالح میں داخل ہے، اس لئے بچوں کا نکاح باپ اور اولیاء کی ذمہ داری ہے، چنانچہ علامہ عینی حدیث رسولﷺ ''کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ، والأمیر راع والرجل راع علی أہل بیتہ والمرأۃ راعیۃ علی بیت زوجہا وولدہ فکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

''وکلکم راع اسم فاعل من رعی رعایۃ وہو حفظ الشئی وحسن التعہد لہ والراعی ہو الحافظ المؤتمن الملتزم صلاح ما قام علیہ وماہو تحت نظرہ فکل من کانت تحت نظرہ شئی فہو مطلوب بالعدل فیہ والقیام بمصالحہ فی دینہ ودنیاہ ومتعلقاتہ'' (حاشیہ بخاری٢،٧٨٣)۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ نکاح بھی بچوں کا حق ہے،

باپ دادا یا اولیاء کی ذمہ داری ہے کہ جب بچے بالغ ہوجائینیا قریب البلوغ ہوں اور نکاح کی ضرورت محسوس ہو تو ان کا مناسب جوڑا دیکھ کر نکاح کردیں اگر وہ شرطیں موجود ہوں جن کو فقہاء نے ضروری قرار دیا ہے، اگر بلوغ کے بعد بچے اپنا نکاح کفو کی رعایت کے ساتھ خود کرلیں تو نکاح صحیح ہوگا اورولی کی اجازت ضروری نہ ہوگی۔

اگر بچے ابھی بالغ نہیں ہوئے تو ان کے نکاح کا حق ولی کو ہے، ولی اگر باپ یا دادا ہو تو ان کا کیا ہوا نکاح لازم ہوگا اور بلوغ کے بعد بچوں کو خیار نہ ہوگا، باپ دادا کے علاوہ دوسرے درجہ کا کوئی ولی ہو تو ان کا کیا ہوا نکاح درست ہوگا مگر لازم نہ ہوگا، چنانچہ بلو غ کے بعد بچوں کو اختیار حاصل ہوگا۔

صاحب درمختار لکھتے ہیں:

‘‘وہو أی الولی شرط صحۃ نکاح صغیر ومجنون ورقیق لا مکلفۃ منعقد نکاح حرۃ مکلفۃ بلا رضا ولی، والأصل أن کل من تصرف فی مالہ تصرف فی نفسہ وما لا فلا ’’ (الدر المختار مع رد المحتار ۴،۱۱۵-۱۱۶)۔

آگے لکھتے ہیں:

‘‘وللولی إنکاح الصغیر والصغیرۃ جبراً ولو ثیباً کمعتوہ ومجنون شہراً ولزوم النکاح ولو بغبن فاحش أو زوجہا بغیر کفء إن کان الولی المزوج بنفسہ بغبن أبا أو جدا، وکذا المولی وابن المجنونۃ لم یعرف منہما سوء الاختیار، مجانۃ وفسقاً، وإن عرف لا یصح النکاح اتفاقاً’’ (الدر المختار مع رد المحتار ۴،۱۲۷-۱۲۸)۔

رسول اللہ ﷺ نے عائشہ صدیقہؓ سے نکاح کاپیغام ابوبکر صدیقؓ کو بھیجا جسے ابوبکر صدیقؓ نے قبول فرمالیا اور عائشہؓ کا نکاح آپ سے فرمادیا جبکہ اس وقت عائشہؓ کی عمر مشہور روایت کے مطابق ۶؍سال تھی ۔

‘‘عن عائشۃ أن النبیﷺ تزوجہا وہی بنت ست سنین وأدخلت علیہ وہی بنت تسع سنین’’ (بخاری۲،۷۷۱)۔

معلوم ہوا کہ بلوغ سے پہلے بھی بچونکا نکاح اولیاء کرسکتے ہیں اگر وہ مناسب سمجھیں اور آئندہ کسی بڑے اختلاف یا نزاع کا خطرہ نہ ہو، ورنہ بہتر یہی ہے کہ بچوں کا نکاح اولیاء اس وقت کریں جب وہ بالغ ہوچکے ہوں اور ان کی پسند وناپسند کو بھی ملحوظ رکھیں، تاکہ آئندہ کی زندگی تلخیوں کی نذر نہ ہوجائے، آپﷺ نے اپنی چاروں صاحبزادیوں کا نکاح اسی طرز پر فرمایا اور نکاح میں جو دوام واستقرار مطلوب ہے اس کے لئے یہی صورت زیادہ مفید ہے۔

عام طور پر کم عمری کی شادی بڑے ہونے کے بعد اس وقت راس نہیں آتییا دوخاندانو نکے بیچ اختلاف اور بسااوقات طلاق کی نوبت آتی ہے، جب باپ دادا یا ولی نے

ناعاقبت اندیشی سے کام لیا ہو، کبھی فسق وفجور یا دنیاوی طمع وحرص اس کی وجہ ہوتی ہے، اسی لئے فقہاء نے اس نکاح کو باطل قرار دیا ہے، جس میں باپ دادا یا ولی نکاح کا فسق اور سوء اختیار نمایاں ہو اور وہ اس کے لئے شہرت بھی رکھتا ہو، کیونکہ حق ولایت کی بنیاد شفقت کے جذبہ پر ہے، اور قصداً غلط انتخاب اس جذبہ کو مجروح کرتا ہے، لہذا ایسی صورت میں اس سے حق ولایت سلب ہوجائے گا اور اس کا کیا ہوا نکاح شرعاً کالعدم قرار پائے گا۔

علامہ حصکفی تحریر فرماتے ہیں:

''وإن عرف لا یصح النکاح اتفاقاً وکذا لو کان سکران فزوجہا من فاسق أو شریر أو فقیر أو ذی حرفۃ دنیۃ لظہور سوء اختیارہ فلا تعارضہ شفقتہ المظنونۃ'' (الدر المختار مع رد المحتار ۴،۱۲۸-۱۲۹)۔

لہذا بہتر یہ ہے کہ کم عمری میں بلا وجہ نکاح سے احتراز کیا جائے او رجب بالغ ہوجائیں تو تاخیر بھی نہ کریں۔

قرآن وحدیث اور دینی ودنیاوی مصلحتوں کا تقاضا اور فقہاء کی تصریحات کاحاصل یہی ہے۔

بچہ مزدوری:

بچوں کے حقوق سے متعلق اسلامی ہدایات نہایت واضح اور تفصیلی ہیں، زمانہ حمل، پیدائش، کفالت وپرورش اور تعلیم وتربیت کے احکام بسط وتفصیل سے فقہی کتابوں میں موجود ہیں، بچوں کو مزدوری پر لگانے اور معاشی ضرورت کی تکمیل کی ذمہ داری ان کے ناتواں کاندھوں پر ڈالنا اسلامی تعلیمات کے مغائر ہے۔

اسلام بنیادی طور پر بچوں کے ساتھ شفقت ورحمت اور خیرخواہی کے جذبہ کی ستائش کرتا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''من لم یرحم صغیرنا ولم یعرف حق کبیرنا فلیس منا'' (ابوداؤد شریف۳،۶۷۶)۔

بچونکو کسب معاش کا مکلف بنانا دراصل ان کے ساتھ ناانصافی، بے رحمی اور بدخواہی پر مبنی ہے، نیز معاشی، اخلاقی اور فکری اعتبار سے انہیں پسماندہ اور محروم رکھنا ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے کم عمر بچوں کو کسب معاش کے لئے استعمال کرنے سےمنع فرمایا، حدیث کے الفاظ ہیں:

''لا تکلفوا الصغیر الکسب فإنہ إذا لم یجد سرق'' (موطا امام مالک، باب الامر بالرفق بالمملوک ،۳۸۵)۔

صحت، جسمانی نشو ونما، ذہنی پرداخت اور فکری بالیدگی بچو نکے بنیادی حقوق ہیں، کم عمری میں مزدوری پر لگانے سے ان کے یہ حقوق متاثر ہوتے ہیں اور مستقبل میں

کئی لاعلاج بیماریوں کے پیدا ہونے کا قوی خطرہ بڑھتا ہے، یہ اس درجہ کا ضرر ہے کہ شریعت اسے گواہ نہیں کرتی، چنانچہ فقہی اصول اور رسول اللہﷺ کا فرمان ہے:''لا ضرر ولا ضرار'' (موطا امام مالک کتاب الاقضیہ ،٣١١)۔

اسی طرح ایک موقع پر آپﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کسی کو ضرر پہنچائے اللہ اس کو ضرر سے دوچار کرینگے اور جو کسی کو مشقت میں ڈالے اللہ بھی اس کو مشقت میں مبتلا فرمائینگے، ''من ضار ضار اللہ بہ ومن شاق شاق اللہ علیہ'' (ترمذی باب ما جاء فی الخیانۃ والغش٢،١٥)۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے بچوں کی تعلیم وتربیت، پرورش وکفالت اور نفقہ وسکنی کی ذمہ داری باپ دادا اور ان کی عدم موجودگی میں حسب مراتب قریبی رشتہ داروں پر رکھی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے: ''إن ہنداً قالت: یا رسول اللہ إن أبا سفیان رجل شحیح ولیسیعطینی ویکفینی وولدی إلا ما أخذت منہ وہو لا یعلم، فقال: خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف'' (اخرجہ البخاری: ٢٢١١، مسلم: ١٧١٤، ابوداؤد: ٣٥٣٢، نسائی٨،٢٤٦)۔

فقہاء نے یہ تفصیل بیان کی ہے کہ نابالغ لڑکا اگر وہ مالدار نہ ہو تو اس کا نفقہ باپ پر ہے تاآنکہ وہ بالغ ہوجائے اور کسب معاش پر قدرت حاصل کرلے، بلوغ کے بعد بچہ کسی عذر کی وجہ روزی کمانے کی سکت نہ رکھتا ہو تو اس کا نفقہ اب بھی باپ کے ذمہ ہے۔

علامہ حصکفی تحریر فرماتے ہیں:

''وتجب النفقۃ بأنواعہا الثلاثۃ علی الحر لطفلہ یعم الأنثی والجمع الفقیر الحر فإن نفقۃ المملوک علی مالکہ والغنی فی مالہ الحاضر فلو غائباً فعلی الأب'' (الدر المختار مع رد المحتار ٥،٢٦٨)۔

لڑکی کا نفقہ شادی ہونے تک ہر حال میں باپ کے ذمہ ہے، کیونکہ اس کی نسوانیت کسب معاش سے عجز کی بنیادی اور مستقل وجہ ہے، لہذا بلوغ سے پہلے اور بلوغ کے بعد دونوں صورتوں میں لڑکی کا نفقہ باپ وغیرہ پر واجب ہے، باپ کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ لڑکی کو بلوغ کے بعد ذریعہ معاش اختیار کرنے پر مجبور کرے، ہاں ہنر وحرفت کی تعلیم دلواسکتا ہے۔

اگر لڑکی گورنمنٹ یا پرائیوٹ نوکری کرتی ہو یا کوئی مہذب پیشہ اپناتی ہو جس سے حاصل آمدنی اس کو کفایت کرتی ہو تو اس کا نفقہ باپ پر واجب نہیں رہے گا۔

ہاں اگر لڑکی اس کی آمدنی سے اس کی کفایت نہ ہوتی ہو تو اسے پورا کرنا باپ کی ذمہ داری ہوگی، علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

''وکذا تجب لولدہ الکبیر العاجز عن الکسب کأنثی مطلقاً'' (الدر المختار مع رد المحتار

۲۷۰،۵)، اس کی تشریح میں علامہ شامی لکھتے ہیں:

''أی ولو لم یکن بہا زمانۃ تمنعہا عن الکسب فمجرد الأنوثۃ عجز، إلا إذا کان لہا زوج فنفقتہا علیہ ما دامت زوجۃ''، آگے لکھتے ہیں:''وتقدم أنہ لیس للأب أن یوجرہا فی عمل أو خدمۃ وأنہ لو کان لہا کسب لا تجب علیہ .... ولو قدر علی اکتساب ما لا یکفیہ فعلی أبیہ تکمیل الکفایۃ'' (رد المحتار ۲۷۰،۵۔۲۷۱، نیز دیکھئے: ۲۶۸،۵)۔

اگر ماں باپ دونوں غریب ونادار ہوں تو باپ پر لازم ہوگا کہ کسب معاش اور روزی کی تلاش میں لگے یا بدرجہ مجبوری گداگری اختیا ر کرے اور اپنے اہل وعیال کی کفالت کی ذمہ داری پوری کرے۔

علامہ حصکفی تحریر فرماتے ہیں:

''فلو کانا فقیرین فالأب یکتسب ویتکفف وینفق علیہم '' (الدر المختار ۶۹،۵)۔

اگر اب بھی ضرورت پوری نہ ہوتی ہو تو قریبی رشتہ داروں کا فرض ہوگا کہ ان کی امداد کریں او رجب فراخی کے ایام آئیں تو وہ باپ سے رجوع کرلیں، اگر یہ صورت بھی ممکن نہ ہو تو حکومت کی اور سماج کے سربرآوردہ لوگوں کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ آگے آئیں اور ایسے مفلوک الحال افرا دکی دست گیری کریں۔

علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

''ولو لم یتیسر أنفق علیہم القریب ورجع علی الأب إذا أیسر'' (الدر المختار مع رد المحتار ۲۶۹،۵)۔

الغرض اسلام کانظام کفالت کم عمر بچوں کو تعلیم وتربیت اور ذہنی وجسمانی نشوونما سے دور رکھتے ہوئے حصول معاش کے دشوارترین راستے پر ڈالنے کی قطعاً اجازت نہیں دیتا، اور نہ ہی حق وانصاف کے پیمانے میں اس نظام کے ہوتے ہوئے اس کی حاجت ہے۔

لہذا ماں باپ کے لئے یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ اپنیبا بچے کی معاشی ضرورت کیتکمیل کے لئے یا اسے بہتر بنانے کے لئے نابالغ بچوں کو کام پر لگائیں۔

حضرت عثمان غنیؓ فرماتے ہیں:

''ولا تکلفوا الصغیر الکسب فإنہ إذا لم یجد سرق'' (موطا امام مالک،۱۸۵)۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

''وتجب لطفلہ الفقیر أی إن لم یبلغ حد الکسب فإن بلغہ کان للأب أن یوجرہ أو یدفعہ فی حرفۃ لیکتسب وینفق علیہ من کسبہ لو کان ذکراً بخلاف الأنثی''(رد المحتار ۲۶۸،۵)۔

البتہ گھر کے وہ کام کاج جو بچوں کے لئے مشقت کا باعث نہ ہوں، ماں باپ بچوں سے لے سکتےہیں، کیونکہیہ کفالت کے منافی نہیں بلکہ تربیت کا ایک حصہ ہے، وہ کام جو مشقت اور دشواری پیدا کرے، ماں باپ ، بچوں کو ایسے کام کا مکلف نہیں کرسکتے،

رسول اللہ ﷺ نے غلام اور باندیوں کو بھی ایسے پرمشقت کام کا مکلف بنانے سے منع فرمایا اور حضرت عمرؓ تو باقاعدہ مدینہ سے باہر خاص اسی مقصد کے لئے دورہ فرماتے تھے، اور جب کوئی غلام یا باندی کسی مشقت بھرے کام میں مصروف نظر آتا تھا تو آپ اسے سبکدوش فرمادیتے۔

حضرت امام مالکؒ روایت کرتے ہیں :

''عن أبی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ للملوک طعامہ وکسوتہ بالمعروف ولا یکلف من العمل إلا ما یطیق''۔ ''ما لک أنہ بلغہ أن عمر بن الخطابؓ کا ن یذہب إلی العوالی کل سبت فإذا وجد عبداً فی عمل لا یطیقہ وضع عنہ منہ'' (موطا امام مالک،۳۸۵)۔

وہ بچے جو بالغ ہیں انہیں کسب معاش پر مامور کیا جاسکتا ہے، کیوں کہ ان کا نفقہ عام حالات میں باپ پر نہیں ہے، تو بدرجہ اولی انہیں ذریعہ معاش کے طور پر کوئی فن یا ہنر سکھانا ماں باپ کے لئے جائز ہوگا، بشرطیکہ وہ فن یا ہنر شرعی نقطہ نگاہ سے ممنوع یا مذموم نہ ہو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ''کسب معاش '' یعنی معاشی ذمہ داری ایک چیز ہے اور ذریعہ معاش کے حصول کے لئے فن یا ہنر سیکھنا اور شئی ہے، فقہاء کے بیان کے مطابق نابالغ لڑکے کا نفقہ چونکہ باپ وغیرہ کے ذمہ ہے اس لئے کسب معاش کے لئے بچے کو کام پر لگانا درست نہیں ہے، البتہ بالغ لڑکے کا نفقہ باپ وغیرہ پر نہیں ہے، اس لئے کسب معاش کے لئے بالغ لڑکے کو مجبور کیا جاسکتا ہے اور اس کی کمائی سے ہی اس کا نفقہ ادا کیا جائے گا، ''فإن بلغہ کان للأب أن یوجرہ أو یدفعہ فی حرفۃ لیکتسب وینفق علیہ من کسبہ لو کان ذکراً بخلاف الأنثی'' (رد المحتار۲۶۸،۵)۔

اگر لڑکی ہو تو چونکہ بلوغ سے پہلے اور بلوغ کے بعد شادی ہونے تک اس کا نفقہ باپ پر ہے، اس لئے بہردوحالت اسے کسب روزی کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا، یہ اور بات ہے کہ بلوغ کے بعد اگر وہ بذات خود کسب معاش کرے تو اس کا نفقہ اس کی حاصل آمدنی سے پورا کیا جائے گا، اور اس صورت میں باپ پر اس کا نفقہ باقی نہیں رہے گا۔

''لو استغنت الأنثی بنحو خیاطۃ وغزل یجب أن تکون نفقتہا فی کسبہا کما ہو ظاہر'' (رد المحتار ۲۶۸،۵)۔

لیکن حصول روزگار کے لئے کوئی فن یا ہنر سیکھنے سے متعلق فقہاء کی جو تصریحات ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ نابالغ لڑکے اور لڑکیوں کو تعلیمی وتربیتی مقاصد کے پیش نظر ایسے اعمال سے دور رکھا جانا چاہئے اور تعلیم وتربیت کے بعد جب بچے بلوغ کو پہنچ جائیں تو انہیں کسی ہنریا فن کی تربیت دینے میں شرعی مضائقہ نہیں ہے، کیونکہیہ تعلیم وتربیت اور کفالت کے اصول کے خلاف نہیں بلکہ بیشتر شکلوں میں تعلیم

کی ہی صورت ہے۔

رہییہ صورت کہ نابالغ لڑکا جو تعلیم وتربیت میں دلچسپی نہ لیتا ہو اور ماں باپ سمجھا کر تھک ہار گئے ہوں، تو اسے کم عمری میں کسی فن یا ہنر کی تربیت کے لئے لگانا جائز ہوگا تاکہ آئندہ وہ خود کفیل ہوسکے اور کسی اور کا دست نگر یا معاشی قلت کا شکار نہ ہو، اس جواز کی بڑی وجہ یہ ہے کہ فن یا ہنر سکھانا تعلیم کا حصہ ہے، نہ کہ خدمت وعمل کا، کسب معاش کے نابالغ بچوں کو مزدوری پر لگانے سے فقہاء نے منع فرمایا ہے اس کی بنیاد خدمت وعمل کے نظریہ پر ہے، نہ کہ تعلیم وہنر مندی پر، یہی وجہ ہے کہ لڑکیوں کو بھی بلوغ کے بعد ہنر سیکھنے کی اجازت فقہاء نے دی ہے، حالانکہ خدمت وعمل کے نظریہ سے انہیں کسب معاش پر مجبور کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

''فلہ دفعہا لامرأۃ تعلمہا حرفۃ کتطریز وخیاطۃ مثلاً'' (رد المحتار ۲۶۸٫۵)۔

انتہائی غربت اور معاشی بدحالی کی وجہ سے والدین کا بچوں کا نفقہ برداشت نہیں کرسکتےاور نہ ہی اپنا نفقہ اٹھاسکتے ہیں، اعزہ واقارب نے ہاتھ جھاڑ لیے ہیں، کہیں سے قرض حسنہ ملنے کی امید نہیں ہے، غیرت ہاتھ پھیلانے سے مانع ہے اور حکومت وقت بھی اپنی ذمہ داریوں کے تئیں سنجیدہ نہیں ہے تو ایسے حالات میں نابالغ مگر ہوشیار بچے کو عمر کے لحاظ سے ہلکے پھلکےکام کے لئے مزدوری سے جوڑنا بدرجہ مجبوری جائز ہوگا، ورنہ ایسے ہی حالات میں لوگ حرام راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، خود کشی جیسے واقعات پیش آتے ہیں، اور تبدیلی مذہب کا سانحہ بھی رونما ہوتا ہے۔

لہٰذا شدید دینی اور جانی مضرت کے مقابلے میں قدرے کم درجہ کے نقصان کو انگیز کیا جائے گا، فقہ کا مشہور ضابطہ ہے: ''إذا تعارض مفسدتان روعی أعظمہما ضرراً بارتکاب أخفہما'' (الاشباہ والنظائر ۱۴۵٫)۔

اس طرح کے حالات پر قابو پانے کے لئے حکومت اور سماجی تنظیموں کو آگے آنا چاہئے تاکہ ایسے معصوم ستارے وقت سے قبل اپنی چمک کھو نہ جائیں، اور غربت وافلاس کی وجہ سے لوگ اپنے ایمان کا سودا تک نہ کر بیٹھیں، ایسے ہی لوگوں کے متعلق آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

''من ترک کلاً فإلیّ ومن ترک مالا فلورثتہ'' (یعنی جو کوئی بوجھ چھوڑ کر مرا ہو وہ میرے ذمہ ہے، اور مال چھوڑ کر رخصت ہوا ہو تو یہ اس کے ورثہ کا حق ہے)۔

اسی فرمان رسالت کا نتیجہ واثر تھا کہ خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر بن خطابؓ کے زمانہ خلافت میں جب معاشی فراخی ہوئی آپؓ نے ولادت کے ساتھ ہی ہر بچہ کے لئے سرکاری خزانے سے سو درہم وظیفہ مقرر فرمادیا کاش آج کی حکومتیں دولت کی ریل پیل کے باوجود ایسا اقدام کرتیں تو کوئی بھوک سے نہ مرتا۔

جرائم اور سد باب:

جرائم کا انسداد اور معاشرہ کو مجرمانہ سرگرمیوں سے پاک رکھنے کے لئے شریعت مطہرہ نے انتہائی مضبوط ومستحکم نظام بنایا ہے اور جرائم کو دو درجوں میں تقسیم کیا ہے: پہلے درجہ میں وہ جرائم ہیں جو معاشرہ کے لئے انتہائی خطرناک اور حد درجہ نقصان دہ ہیں جیسے قتل، سرقہ، زنا وغیرہ ان کے ثبوت کی صورت میں ان کی سزائیں بھی کافی سنگین اور عبرت ناک ہیں اور شریعت نے انہیں متعین بھی کیاہے ایسی سزائیں حدو دوقصاص کہلاتی ہیں۔

دوسرے درجہ میں وہ جرائم ہیں جو نسبتاً کم سنگین ہیں او رمجرم، جرم کی نوعیت، مقام جرم، حالات اور زمانہ کے فرق سے ان کی سنگینی کم زیادہ ہوسکتی ہے، اسی لئے شریعت اسلامی نے ان کی سزائیں متعین نہیں کی ہے، بلکہ امراء اور قانون نافذ کرنے والے حکام کی صوابدید اور تقاضۂ مصلحت پر چھوڑ دیا ہے، اس طرح کی سزائیں تعزیر کہلاتی ہیں۔

صاحب تاتارخانیہ لکھتے ہیں:

''والتعزیر مفوض إلی رأی الإمام'' (تاتارخانیہ۳،۱۴۱)۔

بچوں کی تعزیر:

کہتےہیں کہ چھوٹے بڑوں سے سیکھتے ہیں اور بڑے چھوٹوں پر اثر انداز ہوتے ہیں، معاشرہ میں بے دینی حیا سوز ماحول، اسلامی کلچر سے دوری اور ٹی وی، انٹرنیٹ کے راستہ مغربی تہذیب کییلغار کے نتیجہ میں او ربرائی کے اسباب ومحرکات کی فراوانی اور تربیت کے فقدان کی وجہ سے جرائم کی دنیا میں اب بچے بھی بڑوں کے شانہ بشانہ آگے بڑھ رہے ہیں، جن جرائم کو سن کر بچے کبھی خوف زدہ ہوجایا کرتے تھے آج وہ ان کا محبوب مشغلہ اور روزمرہ کے شوق بن گئے ہیں، ہندوستان اور سارے عالم میں پیش آنے والے سنگین واقعات اس کے پختہ ثبوت ہیں، اسلامی نقطہ نظر سے اگر بچے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں، تو ان کی تعزیر کی جاسکتی ہے، مگر حدود وقصاص کا نفاذ ان پر نہیں ہوسکتا ہے۔

صاحب تاتارخانیہ حدود وقصاص اور تعزیر کے مابین فرق بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''والثالث أن الحد لا یجب علی الصبی والتعزیریشرع علیہ'' (تاتارخانیہ۵،۱۳۸)۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اس بات کی تصریح فرمائی ہےکہ نماز کے بشمول دیگر عبادات کا حکم سات سال کی عمر میں بچوں کو دیا جائے گا اور دس سال میں ہلکی مار سے تنبیہ بھی کی جائے گی، رسول اللہﷺ کاارشاد ہے: ''علموا الصبی الصلاۃ ابن سبع واضربوہ علیہا ابن عشر'' ۔

علامہ ابن عابدین شامی نے ‘‘وفرقوا بینہم فی المضاجع’’ اور مذکورہ بالا حدیث کا مفہوم وسیع تر معنی مینیہ بیان کیا ہے کہ بچو نکو جمیع مامورات کا حکم دیا جائے گا، اورتمام منہیات سے روکا بھی جائے گا، تاکہ خیر کی عادت پڑے اور شر سے نفرت کے جذبات پروان چڑھے (رد المحتار ۵،۲)۔

تعزیر کی اصل تادیب ہے، علامہ شامی لکھتےہیں:

‘‘ہو لغۃ التأدیب مطلقاً وشرعاً تأدیب دون حد’’ (رد المحتار ۱۰۳،۳)، یعنی تعزیر کا مقصود اصلی مجرم کی فتنہ پردازیوں پر قدغن لگانا، مجرم کی اصلاح وتربیت اور عوام الناس کو اس کی شرانگیزیوں سے بچانا ہے۔

لہذا جرم اگر اس قبیل سے ہو کہ اس کی سزا شریعت میں منصوص ومتعین نہ ہو، یا منصوص تو ہو لیکن مطلوبہ ثبوت فراہم نہ ہونے یا کسی خارجی عارض اور مانع کی وجہ سے مجرم پر اس سزا کا نفاذ نہ ہوسکتا ہو، مثلاً مجرم نابالغ ہو تو ایسی صورت میں مجرم کو جرم کے حساب سے تعزیری سزا دی جاسکتی ہے۔

صاحب تاتارخانیہ لکھتے ہیں:

‘‘وینبغی أن ینظر القاضی فی سببہ فإن کان من جنس ما یجب بہ الحد ولم یجب بعارض یبلغ التعزیر أقصی غایاتہ، وإن کان من جنس ما لا یجب بہ الحد حتی وجب التعزیر فالتعزیر مفوض إلی رأی الإمام’’ (تاتارخانیہ۱۴۱،۵)۔

تعزیر کا دائرہ:

تعزیر کا دائرہ کافی وسیع ہے، حکام یا حکومتوں کو اس بات کا اختیار ہے کہ جرم کی نوعیت، مجرم کے احوال، گرد وپیش کے حالات اور اصلاح حال کی مصلحتوں کا خیال رکھتے ہوئے سزا تجویز کرے۔ اصولی طور پر اس کے لئے کوئی محدود ضابطہ مقرر نہیں ہے۔ زبانی تنبیہ اور زجر وتوبیخ سے قتل تک کی سزا دی جاسکتی ہے (درمختار مع رد المحتار ۱۰۶،۶)۔

اسی طرح علامہ عبد الرحمن الجزری ‘‘باب التعزیر واسع ’’ کے تحت لکھتے ہیں:

‘‘وبالجملۃ فإن التعزیر واسع یمکن للحاکم أن یقضی بہ علی کل الجرائم التی لم یقع الشارع لہا حداً أو کفارۃ علی أن یضیع العقوبۃ المناسبۃ لکل بیئۃ ولکل جریمۃ من سجن أو ضرب أو نفی أو توبیخ أو غیر ذلک فقد أجاز الإسلام التعزیر بکل أنواعہ للحاکم فقط’’ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۳۲۵،۵)۔

قید تعزیر کی ایک صورت:

نفس قید کے جواز پر جمہور اہل علم نے مندرجہ ذیل آیات سے استدلال کیا ہے:

۱۔ ‘‘واللاتییأتین الفاحشۃ من نسائکم فاستشہدوا علیہن أربعۃ منکم فإن شہدوا فأمسکوہن فی البیوت حتییتوفاہن الموت أو یجعل اللہ لہن سبیلاً’’ (سورہ نساء: ۱۵)۔

امام رازی لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اگرچہ زنا کی سزا کی بابت قید کا حکم منسوخ ہے، لیکن زنا کے علاوہ کے بارے مینیہ حکم آج بھی مشروع ہے (احکام القرآن ۲،۲۱۶)۔

امام سرخسی نے بھی حبس کی مشروعیت پر اس آیت سے استدلال کیا ہے (المبسوط للسرخسی۲،۸۸)۔

۲۔ ‘‘أو ینفوا من الأرض’’ (سورہ مائدہ: ۳۳)۔

علامہ حصکفی اورابن ہمام نے اس آیت سے حبس کے جواز پر استدلال کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ نفی اور جلاوطنی بھی حبس کی ایک شکل ہے (فتح القدیر۵،۴۷۱)۔

احناف کے علاوہ حنابلہ اور مالکیہ میں ابن العربی اور شوافع کی ایک جماعت نے بھییہاں نفی سے مراد حبس (قید) ہی لیا ہے ۔

۳۔ ‘‘وخذوہم واحصروہم’’ (سورہ توبہ: ۵)۔

علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع میں اور ابن قدامہ نے المغنی میں اس آیت سے بھی قید کے جواز پر استدلال کیا ہے (دیکھئے: بدائع الصنائع ۷،۱۱۹، المغنی۸،۲۷۲)۔

اس کے علاوہ فقہاء نے درجہ ذیل احادیث وآثار سے بھی استدلال کیا ہے۔

۱۔ عبد اللہ بن عمر کی روایت ہے: ‘‘روی عن النبیﷺ قال: إذا أمسک الرجل الرجل وقتلہ الآخر فیقتل الذی قتل ویحبس الذی أمسک’’ (دار قطنی۳،۱۴۰، بیہقی۸،۵۰)۔

۲۔ معاویہ بن حیدہ القشیری کی روایت ہے: ‘‘إن النبیﷺ حبس رجلاً فی تہمۃ’’ (رواہ ابوداؤد ۴،۴۷، ترمذی۴،۲۸)۔

مصنف عبد الرزاق میں حضرت علیؓ کا ایک فیصلہ بھی مذکور ہے کہ ایک شخص نے ایک آدمی کو پکڑ رکھا تھا اور دوسرے نے اسے قتل کیا تو حضرت علیؓ نے قاتل کو قتل کا حکم دیا اور پکڑنے والے کو قید کئےجانے کا فرمان جاری کیا، چنانچہ وہ شخص قتل کیا گیا اور دوسرا قید میں ڈالا گیا اور پھر قید میں ہی اس کی وفات ہوئی (مصنف عبد الرزاق ۲،۴۸۰)۔

مروجہ قید خانہ کا تصور:

عہد نبوی اور عہد ابوبکر میں قید خانہ کا مروجہ نظام نہیں تھا بلکہ حضرت عمر کے دور خلافت میں جب اسلامی سلطنت کا دائرہ پھیلا تو انہو ننے ملکی اور سماجی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے مکہ میں ایک مکان خریدا اور اسے قید خانہ میں تبدیل کیا (مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ۳۵،۳۹۸)۔

بعد کوحضرت علیؓ پھر حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اور پھر مسلم سلاطین نے قید خانے تعمیر کرائے (تبصرۃ الحکام لابن فرحون ۲،۱۵۰)۔

سزائے قید کا درجہ:

لیکن چونکہ اسلام میں تعزیری سزاؤں کےنفاذ کا مقصد مجرمین کی اصلاح وتربیت ہے اور اصلاح وتربیت میں قید کے علاوہ دیگر سزائیں زیادہ موثر ہیں اس لئے قید کی سزا کو ثانوی حیثیت دی گئی ہے، لہذا تعزیراً قید کرنے کا حق حاکم کو اسی صورت میں ہوگا جب کوئی متبادل ادنی سزا مجرم پر اثر انداز نہ ہوسکتی ہو اور حاکم کے لئے اسے قید کرنا ناگزیر ہوجائے، ''أما فی الشریعۃ الإسلامیۃ فعقوبۃ الحبس لیست إلا عقوبۃ ثانویۃ لایعاقب بہا إلا علی الجرائم البسیطۃ وہی عقوبۃ اختیاریۃ للقاضی'' (التشریع الجنائی۱،۹۰)۔

بچوں کو قید کرنا:

یہی وجہ ہے کہ جرم کا ارتکاب اگر ایسے نابالغ نے کیاہے جس پرحدود وقصاص جاری نہیں ہوسکتے اور نہ ہی سزا کے طور پر اس کی تعزیر کی جاسکتی ہے تو جرم اگر معمولی درجہ کا ہے جو عام حالات میں موجب تعزیر ہوا کرتا ہے تو ایسے جرم کی پاداش میں نابالغ بچے کو قید نہیں کیاجاسکتا، بلکہ ہلکے درجے کی تادیب اور سرزنش کی جاسکتی ہے، یا برائے اصلاح وتربیت تعزیر کی دوسری صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں جیسا کہ فقہاء نے بعض صورتوں کا ذکر کیا ہے۔

صاحب تاتارخانیہ لکھتے ہیں:

''ثم قد یکون التعزیر بالحبس وقد یکون بالصنع وتحریک الأذن وقد یکون بالکلام العنیف وقد یکون بالضرب'' (تاتارخانیہ۵،۱۴۰)۔

عام طور پر فقہاء کییہی رائے ہے، حنفیہ میں امام سرخسی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے (دیکھئے المبسوط ۲۰،۹۱)۔

البتہ احناف مینبعض حضرات کا مسلک یہ ہےکہ بچوں کو بھی تعزیراً قید کیا جائے، لیکن سزا کی حیثیت سے نہیں بلکہ تادیب کی غرض سے (رد المحتار ۴،۲۵۷)۔

اور اگر جرم سنگین اور خطرناک ہے تو جمہور فقہاء کے نزدیک اس صورت میں بھی نابالغ مجرم کو قید کرنے کی اجازت نہیں ہے، البتہ تعزیر کی اس سے کم درجہ کی دوسری سزائیں دی جاسکتی ہے، جو مقصد تعزیر میں سب سے زیادہ مؤثر رول ادا کرسکتیہیں، لیکن فقہاء احناف نے اس دوسری نوع کے جرم میں نابالغ بچوں کو قید کرنے کی اجازت دی ہے، مگر یہ صراحت بھی کی ہے کہ یہ قید سزا کے طور پر نہیں بلکہ تادیب ہوگی۔

علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں:

''ولایحبس الصبی إلا بطریق التأدیب لئلا یتجاسر إلی مثلہ إذا باشر شیئاً من أسباب التعدی قصداً فلوخطأ فلا'' (رد المحتار ۸،۱۲۳)۔

بچوں کے سلسلہ مینیہ بات بھی قابل غور ہے کہ بچے کی عمر اگر دس سال سےکم ہو جو شریعت کی اصطلاح میں صبی غیر عاقل ہے اور اس سے کوئی جرم سرزد ہوتا ہے

تو بالاتفاق اس عمرکے بچے کو قید وبند کی سزا کوئی طور نہیں دی جاسکتی عقوبۃ نا تادیباً اور خواہ جرم کی نوعیت کچھ بھی ہو۔

صاحب بدائع الصنائع نے وضاحت کی ہے:''بخلاف المجنون والصبی الذی لا یعقل لأنہما لیسا من أہل العقوبۃ ولا من أہل التأدیب'' (بدائع الصنائع ۶۳٫۷)۔

بچوں کی جیل:

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دس سال یا اس سے زیادہ عمر کے بچے جو ابھی بالغ نہیں ہوئے یا ان کی عمر پندرہ سال سےکم ہے تو انہیں تعزیر وتادیب کے طور پر قیدیعنی جیل میں رکھا جاسکتا ہے او ریہ بھی مسلم ہے کہ بڑوں کی قید کا مقصد سزا ہے اور بچوں کی قید کا مقصد ان کی تربیت واصلاح ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب بچوں کی جیل علاحدہ رکھی جائے ، اور دیگر عادی مجرمینیا ملزمین سے میل جول کی کوئی صورت ممکن نہ ہو، تاکہ آزاد کھلے فطری ماحول میں وہ تربیت پاسکیں اوران کے اخلاق وکردار، جرائم پیشہ افراد کے تباہ کن اثرات سے محفوظ رہ سکے (رد المحتار ۳۸۵٫۴)۔

قیدی بچوں کے حقوق:

۱۴٫دسمبر ۱۹۹۰ء کو جنرل اسمبلی نے نابالغ قیدیوں کے متعلق ایک اہم دستاویز (جو ریاض اصول سے مشہور ہے) کو منظوری دی۔ بنیادی اصولوں کے مقابلے یہ دستاویز زیادہ مفصل ہے، جس میں۶۶٫اصول مذکور ہیں، اسی طرح بیجنگ قوانین۳۰٫اصولوں پر مشتمل ہے، یہ دونوں دستاویزمندرجہذیل قوانین وہدایات کی وضاحت کرتےہیں، جن کا اطلاق نابالغوں پر ہوتا ہے:

۱۔ مقید بچو نکے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے جس سے ان کی عزت نفس میناضافہ ہو، وہ معاشرہ میں باوقار زندگی گزار سکیں، ان کے مفادات وضروریات کا پورا خیال رکھیں۔

۲۔ امکان نجات کے بغیر بچوں کو سزائے موت، عمر قیدیا کسی طرح کی جسمانی سزا نہیں ملنی چاہئے۔

۳۔ مقید بچوں کو بالغ قیدیوں سے الگ رکھا جائے۔

۴۔ ملزم بچوں کو بڑوں سے الگ رکھا جائے اور حتی الامکان جلد ازجلد انہیں عدالتی کارروائی کے لئے پیش کیا جائے۔

۵۔ نابالغ بچوں کی پرائیویسی کا احترام ہونا چاہئے اور ان کا محفوظ مکمل ریکارڈ رکھا جائے۔

۶۔ لازمی اسکولی عمر کے بچوں کو تعلیم اور پیشہ ورانہ تربیت کا حق حاصل ہے۔

۷۔ جن اداروں میں نابالغ بچے ہوں وہاں ہتھیار نہیں لے جانا چاہئے۔

٨۔ اصول پسندی کی کارروائیاں ایسی ہوں جن سےبچوں کی عزت نفس میں کوئی فرق نہ آئے اور ان کے اندر احساس انصاف اور حقوق انسانی کااحترام پیدا ہو۔

٩۔ نابالغوں کی موت، زخمی ہونے، بیماری، چھٹکارا، منتقلی اور داخلے کی اطلاع ان کے والدین کو دی جانی چاہئے (دیکھئے قیدیوں کے حقوق اسلامی تعلیمات کی روشنی میں،ص: ١٧٣)۔

بیجنگ رولس اور ریاض ہدایات کافی حد تک قیدیوں سے متعلق اسلامی تعلیمات سے موافقت رکھتی ہیں، لیکن اقوام متحدہ کے مقرر کردہ یہ قوانین اور ہدایات لازمی دستاویز کا درجہ نہیں رکھتی ہیں اور نہ ہی حکومتیں دیانت داری کے ساتھ ان پر عمل پیرا ہیں، اس لئے بچہ قیدیوں کو جوبنیادی اور لازمی حقوق اسلام نے دیئے ہیں ہم انہیں ذیل میں اختصار سے ذکر کرتے ہیں۔

قیدی بچوں سے حسن سلوک:

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کی بنیاد عدل وانصاف اور احسان پر ہے، اسی لئے اسلام اس بات کا قائل ہے کہ قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے اور کوئی ایسا اقدام نہ ہو جس سے قیدیوں کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچے یا انہیں ذلت وحقارت کا احساس ہو۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''ولایجرمنکم شنآن قوم علی أن لا تعدلوا، اعدلوا ہو أقرب للتقوی'' (سورہ مائدہ: ٨)۔

جو لوگ اللہ کی محبت میں مسکینیتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں ان کی توصیف بیان کرتے ہوئے اللہ تعالی فرماتے ہیں: ''ویطعمون الطعام علی حبہ مسکیناً ویتیماً وأسیراً'' (سورہ انسان: ٨)۔

ایسے ہی آپ ﷺ نے قیدیوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی تاکید فرمائی اور جب ثمامہ بن اثال گرفتار کرکے لائے گئے تو آپﷺ نے فرمایا: ''أحسنوا أسارہ'' (آداب الحرب فی الاسلام للشیخ محمد الخضر،ص : ٢٨)۔

جنگ بدر میں گرفتار کئے گئے قیدیوں کے بارے میں صحابہ کو ہدایت دی اور فرمایا: ''استوصوا بالأساری خیراً'' (طبرانی،ص: ٩٧٧)۔

فقہاء کرام نے بھی قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک اور بہتر برتاؤ کی ہدایت دی ہے، چنانچہ قاضی امام ابویوسف فرماتےہیں: ''الأسیر من أساری المشرکین لابد أن یطعم ویحسن إلیہ حتییحکم فیہ فکیف برجل مسلم قد أخطأ أو أذنب یترکیموت جوعاً'' (کتاب الخراج، ص: ١٤٩۔١٥٠)۔

قیدی بچہ ہو تو بالخصوص وہ امتیازی بنیاد پر حسن سلوک اور ہمدردی کا حق دار ہے۔

قیدی بچوں کو مذہبی آزادی:

بچہ قیدی کے لئے جیل میں اپنے مذہب پر عمل کرنا، عبادت بجالانا، مذہبی علوم پڑھنا لکھنا، مذہب کے عنوان پر منعقد اجلاس میں شرکت کرنا، یا مذہبی رہنماؤں سے ملاقات اور بات چیت کرنا جائز ہوگا، حکومت کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ قیدیوں کو مذہب کے موافق غذا فراہم کرے، ایسی غذا سے اجتناب کرے جس کی اجازت قیدی کے مذہب میں نہیں ہے۔ حکومت پر اس امر کو یقینی بنانا بھی ضروری ہے کہ مذہبی امور میں کسی قیدی بچے کو کسی عمل پر مجبور نہ کیاجائے، اور نہ ہی مذہبی خطوط پر قیدیوں کے بیچ تفریق برتی جائے، بلکہ تمام مذاہب کے قیدیوں کو اپنے مذہب کے مطابق عمل کا مکمل حق حاصل ہوگا، کیونکہ مذہبی رجحان سے ہی اصلاح حال اور تزکیہ نفس کی راہیں کھلتی ہیں او رانسان کا دل پسیجتا ہے اور حق قبول کرنے کے لئے آمادہ ہوتا ہے۔

ابن کثیر لکھتےہیں:

''کانیسمح سجناء فی السجون الإسلامیۃ بإدخال الکتب والأرقام والأوراق للقراءۃ والکتابۃ'' (البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر۱۴،۱۴۰)۔

اور علامہ شامی تحریر فرماتےہیں:

''ینبغی تمکین المحبوس من الوضوء والصلاۃ ولا یجوز معاقبتہ بالمنع منہا'' (رد المحتار ۳۷۸،۵)۔

قیدی بچوں کی تعلیم وتربیت:

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں سزا کا بنیادی مقصد تہذیب نفس، یعنی طبیعت کی پاکیزگی وتطہیر ہے، تعذیب نفس یعنی نفس کو کلفت ومشقت میں ڈالنا ثانوی درجہ کی شئی ہے۔ دوسری طرف تعلیم وتربیت بچو نکا اولین بنیادی حق بھی ہے۔

لہذا قید خانہ (جیل)میں مقید کئے گئے اسکولی عمر کے بچوں کو تعلیم وتربیت کا لازمی حق حاصل ہوگا اور حکومت کا فرض ہوگا کہ مستقل بنیادوں پر اس کا انتظام کرے۔ فی زمانہ مسلم تنظیموں کی بھی ذمہ داری ہوگی کہ جیل میں قید مسلم بچوں کی فلاح وبہبود کے لئے ضروری پروگرامس منعقد کریں تاکہ قید سے خلاصی کے بعد یہ بچے صالح معاشرہ کی تشکیل میں اپنا بھرپور حصہ ادا کریں۔

قیدی بچوں کی جسمانی ضروریات:

قید کی وجہ سے انسان حق آزادی سے محروم ہوجاتا ہے (یہ محرومی اپنے آپ میں کچھ کم نہیں ہے خاص طور پر بچوں کے نظریے سے کہ جن کی عمر کھیل کود، نشو ونما اور غنچوں کی طرح چٹکنے کی ہے) لیکن وہ اب بھی انسان ہے اور انسانی ضروریات وتقاضے اس سے وابستہ ہیں۔

لہذا حفظان صحت کےلئے بچوں کو ورزش اور کھیل کود کی اجازت ہوگی، کیونکہ

رسول اللہ ﷺ نے کمزور ولاغر مسلمان کے مقابلے میں صحت مند وتوانا مسلمان کو بہتر اور اللہ کا محبوب فرمایا، حدیث کے الفاظ ہیں:''المؤمن القوی خیر وأحب إلی اللہ من المؤمن الضعیف'' (صحیح مسلم۸؍۲۶۰)۔

قیدی بچوں کے سماجی حقوق:

ایک عام آدمی کو جو سماجی حقوق حاصل ہیں قید کے گئے بچوں کو بھی وہ حقوق حاصل ہونگے، چنانچہ دوران حراست وہ اپنے والدین، اعزہ واقارب اور دوست واحباب سے ملاقات اور تبادلہ خیال کرسکتے ہیں، فون پر بات چیت کرنے کی بھی سہولت ہوگی، تاکہ ماں باپ کی جانب سے تفہیم ونصیحت کا سلسلہ برقرار رہے اور اخلاقی بیماریوں کو دور کرنے میں مدد ملے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

''ولایمنع المسجون من دخول أہلہ وجیرانہ'' (ہندیہ۳؍۴۱۸)۔

بچوں کو آپس میں میل جول، گفت وشنید اجتماعی کھیل کود اور سیر وتفریح کے مواقع بھی حاصل ہونگے، علامہ سرخسی فرماتے ہیں: ''لا یمنع المحبوس من السلام علی أصدقائہ والحدیث معہم'' (المبسوط للسرخسی۳؍۹۰)۔

تفریح طبع اور احوال عالم کی جانکاری کے لئے ریڈیو استعمال کرنے، اخبارات ورسائل پڑھنے کی بھی گنجائش ہوگی بشرطیکہ وہ مخرب اخلاق مضامین اور پروگرام پر مشتمل نہ ہوں (دیکھئے: احکام السجن ؍۴۹۷)۔

قیدی بچوں پر مظالم:

اسلامی شریعت نے یہ واضح کردیا ہے کہ بچوں کو قید میں اس لئے رکھا جاسکتا ہے کہ ان کی ذہن سازی کی جائے اور شخصیت میں نکھار پیدا کیا جائے، تعلیم وتربیت اور تہذیب وتزکیہ کے ذریعہ مثالی کردار کا حامل انسان بنایا جائے، اس لئے نہیں کہ تختہ مشق سمجھا جائے اور جرم سے باز رکھنے کے لئے مختلف قسم کے مظالم آزمائے جائیں اور نت نئی سزاؤں کا تجربہ کیا جائے۔

چنانچہ دوران قید جیل میں بچوں سے ایسا برتاؤ کرنا، جس میں کچھ بھی ظلم یا سزا کی بات ہو، عالمی حقوق انسانی منشور اور اسلامی قوانین کے خلاف ہونے کے سبب ہرگز درست نہیں ہوگا۔

اسلامی ماہرین قانون نے بعض متعارف اور رائج سزاؤں کا ذکر کرکے سختی سے ان کی نفی کی ہے، ذیل میں بعض صورتیں بیان کی جاتی ہیں:

(۱) زیر حراست بچے کو مار پیٹ کرنا، (۲) ننگا کرکے ذلت کا احساس دلانا، (۳) سزا کے ارادے سے دیر تک تیز دھوپ ، سخت سردییا تیز روشنی میں رکھنا، (۴) صعوبت آمیز کام کاج کا مکلف کرنا، (۵) تنگ کال کوٹھری میں رکھنا، (۶) سخت سردی میں برف

کی سلوں پر ڈالنا، (۷) خونخوار جانوروں کے ذریعہ خوف زدہ کرنا، (۸) الیکٹرانک شاک لگانا، (۹) جسم کے کسی حصہ کو داغنا، (۱۰) ذہنی ودماغی طور پر ٹارچر کرنا، (۱۱) ہاتھ میں ہتھکڑی اور پیر میں بیڑی ڈالنا یا جسم کو زنجیر سے جکڑنا، (۱۲) قید تنہائی میں ڈالنا، (۱۳) سب وشتم کرنا، (۱۴) تحقیر آمیز لب ولہجہ میں مخاطب کرنا، (۱۵) بھوکا پیاسا رکھنا وغیرہ۔

اس سلسلہ میں مصادر شریعت اور قانون شریعت سے مندرجہ ذیل شواہد پیش کئے جاسکتے ہیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لا تعذبوا بعذاب اللہ'' (ابوداؤد، کتاب الحدود، ص: ۵۹۸)۔

۲۔ ''لا ینبغی للقاضی أن یضرب محبوساً فی دینہ ولا فی غیرہ ولایصفد ولا یقید ولا یغل ولا یمد ولا یجرد ولا یقیمہ فی الشمس'' (فتاوی ہندیہ۳،۴۱۴)۔

۳۔ ''التمثیل بالجسم وضرب الوجہ ونحوہ والتعذیب بالنار ونحوہا التجویع والتعریض للبرد ونحوہ، والتجرید من الملابس، وأمور أخری تحرم المعاقبۃ بہا'' (الموسوعۃ الفقہیہ۱۴،۳۲۶، بدائع ۷،۱۲۰)۔

۴۔ ''ولیس للطالب أن یقیم الملزوم فی الشمس أو علی الثلج أو فی موضع یضربہ'' (معین الحکام، ص: ۱۹۹)۔

۵۔ ''تحرم المعاقبۃ بالتجرید من الثیاب لما فی ذلک من کشف العورۃ'' (الاحکام السلطانیہ، ص: ۲۳۹)۔

قیدی بچوں کو جیل میں رکھنے کی مدت:

بچوں کو جیل میں تعزیر عقوبت کے طور پر نہیں بلکہ تعزیر تادیب کے طور پر رکھا جاتاہے اور چونکہ ادب اور اصلاح حال کی کوئی مدت نہیں ہوتی، اس لئے مجرم اور جرم کی نوعیت کے اعتبار سے حاکم اپنی صوابدید پر قید کی مدت کا فیصلہ کرسکتا ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری لکھتےہیں:

''وتقدیر مدۃ الحبس راجع إلی الحاکم کما لا یخفی'' (البحر الرائق ۵،۴۳)۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

''والصحیح أن التقدیر مفوض إلی رأی القاضی لاختلاف أحوال الأشخاص فیہ'' (فتح القدیر ۶،۳۷۹)۔

بچہ کب بالغ اور کب مکلف ہوگا:

اتفاق برائے حقوق اطفال کے آرٹیکل نمبر ۱ کی نگاہ میں اٹھارہ سال سے کم عمر کا ہر انسان بچہ ہے، البتہ اس سے پہلے ہی پختگی حاصل کرلینے کی صورت میں پختگی سے جڑے قوانین کا انہیں مکلف بنایا جاسکتا ہے، آزادی سے محروم کردیئے گئے کم سنوں

کے تحفظ کے لئے اقوام متحدہ کے ذریعہ بنائے گئے قوانین کے قانون نمبر گیارہ کے مطابق اٹھارہ سال سے کم عمر کا ہر انسان کم سن کے زمرے میں شامل ہے (دیکھئے: قیدیوں کے حقوق اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ، ص: ١٤٥)۔

لیکن اسلامی ماہرین قانون کی نظر میں لڑکے ولڑکیاں اسی وقت سے بالغ سمجھے جائینگے جب ان میں بلوغ کی حقیقی علامات پائی گئی ہیں، جس کی کم سے کم مدت لڑکوں کے لئے ١٢؍سال اور لڑکیوں کے لئے ٩؍سال ہے، اور اگر علامات کا ظہور نہ ہو سکے تو سن بلوغ کا اعتبار ہوگا اور لڑکے اور لڑکیاں بیک طور پر ١٥؍سال کی عمر میں قانوناً بالغ سمجھے جائینگے اور شرعی قانون کے مکلف ہونگے۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتےہیں:

''بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال والجارية بالاحتلام والحيض والحبل، فإن لم يوجد فيها فحتييتم لكل منهما خمس عشرة سنة، به يفتى هذا عندهما وهو رواية عن الإمام وبه قالت الأئمة الثلاثة، وأدنى مدته له اثنتا عشرة سنة ولها تسع سنين هو المختار'' (رد المحتار ٩؍١٨٦)۔

اقوام متحدہ کا مقرر کردہ سن بلوغ راست طور پر اسلامی اصول سے متصادم ہے، تجربہ اور حالات وواقعات اس بات کے متقاضی ہیں کہ فی زمانہ زیادہ سے زیادہ پندرہ سال کی عمر کے بچے کو قانوناًبالغ تسلیم کیا جائے ورنہ اٹھارہ سال کی عمر کا اعتبار وانتظار بے شمار بالغ مجرموں کو سزا سے تحفظ فراہم کرتا ہے، او رمجرم جرم کی سخت سزا سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوجاتا ہے، جس کے سبب سماج میں جرائم کا تناسب روز افزوں بڑھتا چلا جاتا ہے۔

***

اسلام اور بچے: حقوق وہدایات

مولانا محمد حذیفہ داحودی•

(الف):بچہ اورحق حضانت:

بلا شبہ بچے ایک خدائی نعمت بھی ہیں اور انسانی ضرورت بھی، اللہ تعالی نے ایک طرف بچوں کو انسان کے لئے آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بناکر بچوں کی شفقت ومحبت دلوں مینڈال د ی ہے، تودوسری طرف بچوں کے حقوق اور ان سے متعلق گارجین کے فرائض کی بھی رہنمائی کرکے بچونکے تئیں ان کو فکرمند کیاہے، چنانچہ اس سلسلہ میں دی گئی اسلامی ہدایات اور شرعی تعلیمات میں سے ایک تعلیم و ہدایتیہ ہے کہ بچہ کی دینی ذہن سازی کے ساتھ ساتھ اس کی جسمانی پرورش اور ظاہری نشو ونما کی بھی فکر کی جائے،اس کی ذ مہ داری شریعت مقدسہ نے اصلاًماں باپ کے سر ڈالی ہے،چنانچہ باپ پر اس سلسلہ کا خرچ لازم کیاہے اور ماں کو مخصوص عمر تک اپنے پاس بچہ رکھ کر خودبچہ کی پرورش کرنے کا حق دیاہے،چاہے زوجین کے درمیان نکاح باقی ہو یا دونوں میں کسی وجہ سے تفریق ہوگئی ہو،ماں کو بچہ کی پرورش کایہ حق اس وقت تک ہے کہ بچہ کو کھانے پینے اور ناپاکی رفع کرنے میں ماں کی ضرورت پڑے اور اس کی مدت لڑکے لئے سات سال اورلڑکی کے لئے نوسال ہے،ماں نہ ہونے یا اس کا اہل باقی نہ رہنے کی صورت مینپرورش کا یہ حق سگی نانی،پھرسگی پر نانی ،پھرسگی دادی وغیرہ سگے رشتہ داروں (یعنی بچے کے ذی رحم محرم)کوحاصل ہوتا ہے،جس کو فقہاء نے بالتفصیل ذکرکیا ہے،اس عمر تک باپ زبردستی بچہ کو نہیں لے سکتااورمذکور مدت کے ا خراجات کی ادائیگی باپ کے ذمہ ہے، اس کے بعد باپ کا حق ہے،وہ اجباری طور پر لے سکتا ہے ، لڑکا بھی باپ کے پاس جانے سے انکار نہیں کرسکتا،بلکہ باپ اگر اس کے لئے تیار نہ ہوتو اس کو مجبور کیا جائے گا۔ ''ویجبر الأب على أخذ الولد بعد استغناءه عن الأم لأن نفقته وصيانته عليه بالإجماع...لأنه أقدر على تأديبه وتعليمه''(رد المحتار٥،٢٦٨)، اور اس عمر مینبچہ باپ کے حوالہ کرنااس لئے ضروری ہے،تاکہ باپ اس کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرسکے۔ ''الغلام إذا استغنييحتاج إلى التأديب والتخلق بأخلاق الرجال وتحصيل أنواع الفضائل واكتساب أسباب العلوم والأب على ذلك أقوم وأقدر''(البدائع٣،٤٥٩)، البتہ بالغ ہونے کے بعد لڑکے کو اختیار ہے کہ باپ کے ساتھ رہے یا ماں کے ساتھ یا الگ رہے،عقل وبلوغ سے

• مدرسہ شیخ المدارس داحود،گجرات۔

انسان کی حیثیت مستقل ہوجاتی ہے ، اس لئے بالغ ہونے کے بعدخواہ لڑکی ہویا لڑکا شریعت اسے خود مختار گردانتی ہے اور وہ کسی کے تصرف کا محتاج محض نہیں رہ جاتا۔

واضح رہے کہ شریعت اسلامیہ کے قانون حضانت کابنیادی مقصدبچوں کے مفاد کا تحفظ ہے،اگرچہ بچے کے ساتھ ساتھ ماں وغیرہ صاحب حق کی بھی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے،علامہ شامی نے اس سلسلہ میں کہ حضانت یہ کس کاحق ہے؟ ماں وغیرہ کا یا بچہ کا؟ فقہاء کے دونقطۂ نظر ذکر کرکے ان میں تطبیق دی ہے اوریہ وضاحت کرتے ہوئے کہ اس میں دونونکا لحاظ ہے، لکھا ہے:''وعللہ فی المحیط بأنھا لما أسقطت حقھا بقی حق الولد فصارت بمنزلۃ المیتۃ والمتزوجۃ فتکون الجدۃ أولی، قلت:و یؤخذ من ھذاالتوفیق بین القولین وذلک أن ما فی المحیطیدل علی أن لکل من الحاضنۃ والمحضون حقا فی الحضانۃ''(رد المحتار۵؍۲۵۹)، کیوں کہ بچہ اپنی اچھی پرورش کے لئے کسی ہمددر اور شفیق مربی کا محتاج ہوتا ہے، جبکہ ماں یا دوسرے اصحاب حق سے بچوں کا چھین لیا جاناطبعی طور پران کے لئے تکلیف کاموجب ہوسکتا ہے، اس لئے شریعت نے بچوں اور بچیوں کی پرور ش کا حق ان کے رشتہ دارونکو دیا ہے اور جن رشتہ دارونکو دیا ہے وہ بچوں اور بچیوں کی ساخت، پرداخت، ان کی خیر خواہی اور شفقت و محبت کے لحاظ سے دیا ہے،''مبنی الحضانۃ علی الشفقۃ'' (البدائع۳؍۴۵۷)، اوربچہ کے مفادات کے متاثراور ضائع ہونے کی ہر صورت کوممنوع قرار دیا ہے،مثلاً:لکھا ہے کہ اگر عورت اس شرط پر خلع کرلے کہ وہ اپنے بچہ کوچھوڑ دے گی، نہیں لے گی تو خلع صحیح ہوجائے گا، مگر شرط باطل ہوجائے گی (الدر المختار۵؍۲۵۸)، بلکہ بچہ کے نقصان اور ضیاع کو صاحب حق کے لئے اس حق سے محرومی کا سبب اور مدار قرار دیا ہے:''المناط ھو الضیاع .... والحاصل أن الحاضنۃ إن کانت فاسقۃیلزم منہ ضیاع الولد عندھا سقط حقھا وإلا فھی أحق بہ إلی أن یعقل فینزع منھا کالکتابیۃ''(رد المحتار ۵؍۲۵۴)، چنانچہ ایک طرف حضانت کے استحقاق کے لئے بہت سی شرطیں لگائی ہیں، مثلاً:یہ کہ صاحب حق عاقل ہو،بالغ ہو، مامون اور قابل اعتماد ہو،بچہ کی جسمانی واخلاقی تربیت کی پوری صلاحیت رکھتا ہو، تو دوسری طرف یہ بات واضح کی ہے کہ اگر کسی حقدارِ حضانت کے پاس بچہ کو رکھنے مینبچہ کی مضرت کا اندیشہ ہواور اس کے ضیاع کا خطرہ ہو تو اس حقدارکواس کے حق حضانت سے محروم کرکے مابعد کے حقدار کو یہ ذمہ داری دی جائے گی، مثلاً:اگر(۱):حاضنہ بچہ کے غیر ذی رحم محرم سے نکاح کرلے۔ (۲):کسب وغیرہ کی وجہ سے بکثرت باہر نکلتی ہو، جس سے بچہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔(۳):مرتد ہوجائے۔ (۴): ایسے فسق وفجور میں مبتلا ہو کہ اس سے بچہ کے ضیاع کا خطرہ ہویاماں بدکار ہوجس کی بداخلاقی سے بچہ کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو۔ (۵):حاضنہ غیرمسلمہ ہے جس کے پاس چھوڑنے میں اس کے دین سے متاثر ہونے کاخطرہ ہو۔(۶):بچہ کی جسمانی واخلاقی تربیت سے عاجز ہو۔(۷):موذی بیماری میں

مبتلا ہو، تو ان تمام صورتوں مینحاضنہ اپنے حق حضانت سے محروم کردی جائے گی (تفصیل کے لئے دیکھئے: رد المحتار ۵،۲۵۳)۔

روایت مینہے کہ نبی کریم اکے سامنے ایک خاتون نے یہ شکایت پیش کی کہ میں اپنے بچہ کی پرورش کررہی ہوں ،مگر میرا پہلا شوہرمجھ سے بچہ چھیننا چاہتا ہے، تو آپ انے اس کے جواب میں فرمایا:''أنت أحق منہ ما لم تنکحی''(رواہ ابوداؤد، کتاب الطلاق،باب من احق بالولد،رقم :۲۲۷۸)(کہ تو اپنے بچہ کی پرورش کی زیادہ حقدار ہے جب تک کہ دوسری شادی نہ کرلے)۔

بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر حاضنہ بہت زیادہ نیک ہو اور اس قدر نماز وعبادت مینمشغول اور محبت و خشیت الہی میں مغلوب رہتی ہو کہ بچہ کی تربیت اورنگرانی کا موقع نہ ملتا ہوجس سے بچہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتواس صورت میں بچہ اس کے پاس نہیں رکھا جائے گا،اس سے لے لیا جائے گا،علامہ شامی لکھتے ہیں:''قال: وعلی ھذا لو کانت صالحۃ کثیرۃ الصلوۃ قد استولی علیھا محبۃ اللہ تعالی وخوفہ حتی شغلاھاعن الولد ولزم ضیاعہ انتزع منہا ولم أرہ'' (الرد۵،۲۵۴)۔

(ب، ۱):بچہ اورحق تعلیم وتربیت

بچے ماں باپ کے پاس اللہ تعالی کی بہت بڑی امانت ہیں،جسکی حفاظت کرنااور ان کو حرز جان بنا کر ان کی نشوونما اور تعلیم وتربیت کا اہتمام کرنایہ والدین کا ایک اہم ترین فریضہ ہے، اگر چہ بچے بلوغ سے پہلے نہ تو احکام شریعت کے مکلف ہیناور نہ ہی بچوں کی علمی و عملی اعتبار سے دینی تربیت کے لئے اور ان کو علم وعمل سکھانے کے لئے شریعت مطہرہ نے کسی عمر کی تحدید فرمائی ہے،مگر از روئے کتاب وسنت بچے کے والدین اور اولیاء اس بات کے پابندہیں کہ وہ اپنی اولادکی بچپن ہی سے دینی وتعلیم و تربیت کی فکر وسعی کریں، بچوں کو تعلیم دیناور انہیں اسلامی آداب و اخلاق سے مزین کریں،یہ بات بہت ضروری ہے، والدین پر اس کی بڑی ذمہ داری ہے، جس نے اپنی اولاد کو تعلیم سے محروم رکھا اور ان کی دینی تربیت کی طرف توجہ نہیں دی اس نے اپنی اولاد کو دینا وآخرت کی بہت بڑی خیر سے محروم رکھا،اسی لئے بچوں کے حقوق میں شریعت نے سب سے زیادہ جس بات کی تاکید فرمائی وہ ان کی تعلیم اور تربیت ہے، قران کریم میں حق تعالی شانہ ارشاد فرماتے ہیں : ''یا أیھا الذین آمنوا قوا أنفسکم وأھلیکم نارا''(سورۃ التحریم: ۶) (اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیا ل کو جہنم کی آگ سے بچاؤ)، یعنی ان کوجہنم کی آگ سے بچانے کا انتظام کرو، ظاہر ہے کہ یہ انتظام ان کی تعلیم اور تربیت ہے،تعلیم کا مطلب ہے:علم سیکھنے پر لگانااورتربیت کا مطلب ہے: عمل کرنے پر لگانا،علم او رعمل کے راستہ سے ہی جہنم سے بچا جاسکتا ہے۔حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں :''اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہر شخص پر فرض ہے کہ بیوی اور اولاد کو فرائض شرعیہ اور حلال و

حرام کے احکام کی تعلیم دے اور اس پر عمل کرانے کے لئے کوشش کرے ''(معارف القرآن ۸؍۵۰۳)، نبی کریم انے تعلیم کو لازم قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے :''طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم''(اخرجہ ابن ماجہ عن انس بن مالک ،باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، رقم :۲۲۴) (ہر مسلمان پر علم کی طلب فرض ہے)۔ یہ ارشاد تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے، جس میں لڑکے، لڑلیاں، مردو عورت سبھی داخل ہیں،فقہاء نے لکھا ہے کہ بالغ ہونے کے بعد بچوں کی کفالت باپ پر واجب نہیں ہے، اس کے باوجود اگربالغ بچہ حصول علم میں لگا ہوتووالد پر اس کا نفقہ واجب ہوگا،فقہاء کی اس تصریح سے بھی اس حق کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

تعلیم کے ساتھ بچوں کی تربیت بھی ضروری ہے،کیوں کہ تربیت ہی انسان کو انسان بناتی ہے، نبی کریم انے فرمایا ہے :''مانحل والد ولدا من نحل أفضل من أدب حسن''(رواہ الترمذی:کتاب البروالصلۃ،باب ماجاء فی ادب الولد۲؍۱۶،رقم: ۱۹۵۲) (کوئی شخص اپنی اولادکو اچھے اخلاق وآداب اور اچھی تربیت سے بہتر عطیہ نہیں دے سکتا)۔

ایک روایت میں ہے :''من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وأدبہ فإذا بلغ فلیزوجہ فإن بلغ ولم یزوجہ فأصاب إثمافإنما إثمہ علی أبیہ'' (رواہ البیھقی فی شعب الایمان ،باب فی حقوق الأولاد والاھلین :۸۶۶۶)(جس کے یہانبچہ پیدا ہوتو وہ اس کا اچھا نام رکھے اور اسے ادب سکھائے ،پھر جب بالغ ہوجائے تو اس کا نکاح کرادے ،بالغ ہوجانے کے باوجود اگر اس کا نکاح نہیں کرایا اور وہ بچہ گناہ میں مبتلا ہوگیا تو اس کاوبال باپ پر بھی ہوگا)۔ تعلیم وتربیت کی طرف آپ کی توجہ خاص کا یہ حال تھا کہ باندیوں تک کو علم وعمل سے آراستہ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:''إذا أدب الرجل أمتہ فأحسن تأدیبھا وعلمھا فأحسن تعلیمھا ثم أعتقھا فتزوجھا کان لہ أجران''(رواہ البخاری ،کتاب الانبیاء، باب واذکر فی الکتاب مریم ...،رقم: ۳۲۶۲)(جو اپنی باندی کی بہتر تربیت کرے اور اچھی تعلیم دے پھرا سے آازاد کرکے اس سے نکاح کرلے اس کو دوہرا اجرملے گا)۔

شریعت نے احکام کا مکلف بالغوں کو کیا ہے ، حتی کہ نماز جیسی اہم عبادت بھی بچوں پر فرض نہیں کی ہے،پھر بھی والدین ، اولیاء اور سرپرستوں کواز راہ تربیتیہ ذمہ داری دی ہے کہ وہ بچپن ہی سے بچوں کو نماز کا عادی بنائیں ،تاکہ بالغ ہونے کے بعد اس اہم فریضہ کی تکمیل میں کوئی پریشانی نہ ہو،بلکہ اس سلسلہ میں حسب ضرورت بچوں کی تنبیہ کی بھی تعلیم دی ہے،ارشاد نبوی ہے:''مروا أولادکم بالصلوۃ وھم أبناء سبع سنین واضربوھم علیھا وھم أبناء عشر سنین وفرقوا بینھم فی المضاجع'' (رواہ ابوداؤد،کتاب الصلوۃ،باب ،متییؤمرالغلام بالصلاۃ:رقم :۴۹۵)(بچے جب سات سال کے ہوجائیں تو ان کو نماز کا حکم کرو اورجب دس سال کے ہوجائیں تو نماز نہ پڑھنے پر ان کی سرزنش کرواور ان کو بسترپر الگ کردو)۔ فقہاء نے بھی اس کو ذکر کیا ہے اوروالدین کو بال بچوں

کی مناسب حد میں رہتے ہوئے تادیب اور سرزنش کی بھی اجازت دی ہے۔بدائع میں ہے:''وینبغی للرجل أن یؤدب ولده علی الطهارة والصلوة إذا عقلهما'' (۱/۳۵۹)، شامی میں ہے: ''هی فرض عین علی کل مکلف ...وإن وجب ضرب ابن عشر علیها بید لا بخشبة لحدیث مروا أولادکم بالصلوة وهم أبناء سبع واضربوهم علیها وهم أبناء عشر.....''(شامی۹؍۶۱۶، ۲؍۴-۵)،حدیث وفقہ کی ان تصریحات سے بھی بچوں کی تعلیم وتربیت کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

(ب، ۲): بچوں کے لئے دینی وعصری تعلیم:

بچوں اوربچیوں کو بنیادی دینی تعلیم دینا ضروری ہے،یعنی اتنی تعلیم دینا ضروری ہے جس سے وہ اپنے دین کی بنیادی معلومات سے واقف ہوکر ایک صحیح اسلامی زندگی گذار سکے،نبی کریم ا نے فرمایا ہے :''طلب العلم فریضة علی کل مسلم'' (اخرجہ ابن ماجہ عن انس بن مالک ،باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، رقم :۲۲۴)(ہر مسلمان مردو عورت پر علم ضروری حاصل کرنا فرض ہے)، چنانچہ توحید اور شرک کی حقیقت ،نبوت و وحی کا اسلامی تصور ، انبیاء بالخصوص پیغمبر اسلام کے ضروری حالات،پاکی و ناپاکی ،نماز ،روزہ ،حج و زکوۃاور قربانی کے احکام، نکاح وطلاق ، خریدو فروخت ،ملازمت اورنوکری ، کسب معاش کے حلال و حرام طریقے ،صحابہ اور صحابیات کی مبارک زندگیوں سے متعلق بنیادی معلومات ،والدین ، اولاد ،میاں بیوی اور اعزہ اقرباء سے متعلق حقوق،شب و روز کئے جانے والے افعال کے بارے میں رسول اللہ کی سنتیں اور مسنون و ماثور اورادو اذکار،ان سب کی تعلیم بچوں اوربچیونکو دیناضروری ہے،اس قدر علم حاصل کئے بغیر انسان نہ اپنی دنیا کو بہتر بناسکتا ہے اور نہ اس کی آخرت سنور سکتی ہے (دیکھئے: رد المحتار ۱؍۱۲۵، ۱۲۶، مرقاۃ المفاتیح۲؍۱۳۱)۔

اسلام میں جس بنیادی تعلیم کوہر ایک کے لئے فرض اورضرور ی قرار دیاگیا ہے وہ دین کی تعلیم ہے ،جس سے دنیا وآخرت کی کامیابی وابستہ ہے،مگر چونکہ موجودہ دور میں روزگار کے مواقع اوردیگر بعض ضروریات ومنافعِ زندگی کو عصری تعلیم کے ساتھ جوڑدیا گیا ہے،اس لئے اس قدر عصری تعلیم (جو صحیح اورغیر مفسد ماحول میندی جارہی ہو)بچوں کودینا بہتر ومفیدبلکہ ضروری اور واجب لغیرہ ہے جس کے ذریعہ وہ اپنی معاشی ضروریات بھی پوری کرسکے اور ایک باعزت اور خوددار شہری کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا اس کیلئے ممکن ہو۔

حضرت اقدس تھانویؒ فرماتے ہیں:

''اولادکو ضرورکوئی ایسا ہنر سکھلادوجس سے ضرورت اور مصیبت کے وقت چار پیسے حاصل کرکے اپنا اور اپنے بچوں کا گذارہ کرسکے،لڑکیوں کو اتنا لکھنا سکھادو کہ ضروری خط اور گھر کا حساب وکتاب لکھ سکیں ''(بہشتی زیور :۵/۳۰۷)

حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ لڑکیوں کی تعلیم کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

''پردہ کے ساتھ شرعی حدود میں رہتے ہوئے عالمہ حافظہ مفسرہ محدثہ فقیہہ بننے کی حد تک فرض کفایہ کے درجہ میں تعلیم حاصل کرلینا شرعاً درست ہے،البتہ ضروری درجہ ان کے لئے صرف اتنا ہے کہ جس سے اعتقادات و ایمانیات وعبادات (فرض وواجبات) کا علم حاصل ہونے کے ساتھ شرعی معاملات کی صحت وسقم کا بھی تصحیح معاملات کے لئے علم حاصل ہوجائے،نیز گھریلو و خانگی حساب کتاب لکھنے پڑھنے اور سمجھنے اور بچوں کی تربیت و پرورش کا بھی سلیقہ ہوجائے اور بس ''(منتخبات نظام الفتاوی:۳/۴۶۰)

(ب، ۳): لازمی تعلیم:

جس حد تک تعلیم بچوں کے لئے ضروری ہے ،جس کے بغیر عملی زندگی میں ضررلاحق ہونے کاگمان غالب ہے، (جیسے: پرا ئمری تک) اس حد تک کی تعلیم اگر حکومت لازم قرار دے تو اس کی پابندی مسلمانوں کے لئے لازم ہوگی ، اس سے زائد نہیں،کیوں کہ اتنی تعلیم زمانہ کی ضرورت کے لحاظ سے بچوں کے لئے واجب لغیرہ اور بہت سی مضرتوں سے حفاظت کا سامان ہے اورظاہر ہے کہ واجبات میں اور ضرر سے بچانے کے لئے ضرورت پڑنے پر جبر کیا جاسکتا ہےنیز بادشاہ اور حاکم کو رعیت کے باب میں ہر ایسے تصرف کا حق و اختیار ہوتا ہے جس میں رعیت کاواقعی نفع ہو،فقہی ضابطہ ہے : ''التصرف علی الرعیۃ منوط بالمصلحۃ''(شرح القواعد::۳۰۹، مجلۃ الاحکام :۱/۵۱) علامہ احمد زرقاء اس ضابطہ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :'' أی إن نفاذ تصرف الراعی علی الرعیۃولزومہ علیھم شاءوا أو أبوا معلق أومتوقف علی وجود الثمرۃ والمنفعۃ فی ضمن تصرفہ دینیۃ کانت أو دنیویۃ فإن تضمن منفعۃ ما وجب علیھم تنفیذہ وإلا رد'' (شرح القواعد::۳۰۹)، ظاہر ہے کہ مسئلہ زیر بحث میں بھیبھی صورت حال ہے ، اس لئے شرعاً اس کی پابندی لازم ہوگی، البتہ خلاف عقل و نقل امور جیسے :مخلوط تعلیم ، جنسی تعلیم وغیرہ امور سے اجتناب ضروری ہوگا۔

(ب، ۴): بچوں اور بچیوں کے لئے جنسی تعلیم:

جنسی تعلیم نہ صرف یہ کہ بچوں کا حق نہیں ، بلکہ شریعت میں اس کا کوئی جواز او رگنجائش نہیں،بلوغ کے بعدپیدا ہونے والی انسانی ضرورتیناور بشری تقاضے فطری ہیں، جن کی مستقل تعلیم دینے کی ضرورت نہیں پڑتی، انسان وقت پر خود ہی ان کا ادراک کرلیتا ہے،بلکہ بلوغ کی وجہ سے ہونے والی تبدلیوں اور ان تبدلیوں سے پیدا ہونے والی جنسی ضرورتونکی قبل از وقت تعلیم اور اس کا ادراک بچوں کو بے راہ روی کی طرف لے جائیگا، اس طرح کی تعلیم سے کس قدر مفاسدپیدا ہوں گے اورمعاشرہ میں کتنی بے حیائیاں جنم لے گی اس کا اندازہ لگانا کسی معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والے کے لئے بھی

مشکل نہیں ،جس مقدس شریعت کی بنیادی تعلیم میں{وینھی عن الفحشاء والمنکر}(النحل)کا جلی عنوان ہو،وہ کیوں کرتعلیم جنس جیسی جنسی منکرات پھیلنے کی راہوں کو برداشت کرسکتی ہے،اس باب میں اسلام کے مزاج اور احساس کا حال یہ ہے کہ اس نے بچہ بچی دس سال کی عمر کو پہنچ جانے کے وقت ہی کا یہ حکم دیا ہے کہ ان کے بستر علاحدہ کردیئے جائیں،تاکہ ان کے اندر نفسانی خواہشات پیدا ہونے سے پہلے ہی فتنوں او ربرائیوں کے آنے کی اس راہ کاسد باب ہوجائے۔نبی کریم ا کا ارشاد گذر چکاہے:''مروا أولادکم بالصلوۃ وھم أبناء سبع سنین واضربوھم علیھا وھم أبناء عشر سنین وفرقوا بینھم فی المضاجع'' (رواہ ابوداؤد،کتاب الصلوۃ،باب،متییؤمرالغلام بالصلاۃ:رقم :۴۹۵)(بچے جب سات سال کے ہوجائیں تو ان کو نماز کا حکم کرو اورجب دس سال کے ہوجائیں تو نماز نہ پڑھنے پر ان کی سرزنش کرواور ان کو بسترپر الگ کردو)۔

فقہاء لکھتے ہیں:

''وإذا بلغ الصبی أوالصبیۃ عشر سنینیجب التفریق بینھما، بین أخیہ وأختہ وأمہ وأبیہ فی المضجع لقولہ علیہ السلام :وفرقوا بینھم فی المضاجع وھم أبناء عشر وفی الرد :قولہ:(بین أخیہ وأختہ وأمہ وأبیہ) ویفرق بین الصبیان فی المضاجع إذا بلغوا عشرا ویحول بینذکور الصبیان والنسوان وبین الصبیان والرجال فإن ذلک داعیۃ إلی الفتنۃ ولو بعد حین...'' (الدر المختار ورد المحتار، کتاب الحظر والاباحۃ۹؍۵۴۸)غرضیکہ جنسی تعلیم نہ ہی بچوں کا حق ہے اورنہ ہی شریعت میں اس کا کوئی جواز اورگنجائش ہے۔

(ج):بچے اورنکاح:

شریعت نے نکاح کے درست اور جائزہونے کے لئے عمر کی کوئی تحدید نہیں کی ہے،عمرکے جس مرحلہ میں نکاح کیاجائے نکاح جائز اور درست ہوتا ہے،پس بچوں اور بچیوں کا نکاح کرنا اگر چہ لازمی اور ضروری نہیں ہے، مگر ازروئے شرع اسلامی ممنوع بھی نہیں ہے،بلکہ صحیح اور ایک اسلامی حق ہے،قران مجید میں نابالغ لڑکیوں کی عدت بتائی گئی ہے:''واللائی لم یحضن'' (سورۃ الطلاق:۴) اور ظاہر ہے کہ عدت نکاح کے بعد ہی لازم آتی ہے،معلوم ہوا کہ بچوں کا نکاح درست ہے،علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:''یجوز نکاح الصغیر والصغیرۃ إذا زوجھما الولی لقولہ تعالی:''واللائی لم یحضن''(سورۃ الطلاق:۴) فأثبت العدۃ للصغیرۃ وھو فرع تصور نکاحھا شرعاً'' (فتح القدیر،کتاب النکاح ،باب فی الاولیاء والاکفاء ۳؍۲۶۴)، خود نبی کریم ا کانکاح حضرت عائشہ ؓ سے اس وقت ہوا تھا جبکہ ان کی عمر چھہ سال کی تھی :(رواہ البخاری، رقم:۴۸۶۳)، فقہاء نے نکاح صغارکے احکام مستقل طورپر بیان کئے ہیں،جس میں اس با ت کی بھی وضاحت موجود ہے کہ اولیاء کو اپنے نابالغ بچوں کے نکاح کی ولایت حاصل ہے، بلکہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ بچپن میں شادی کرانا جائز ہے:''أجمع المسلمون علی جواز تزویج بنتہ البکر الصغیرۃ''(نووی

شرح مسلم،کتاب البکاح، باب جواز تجویز الأب البکر الصغیرة، رقم:۱۴۲۲)، اس لئے کم عمری میں بچے کا نکاح کردینے میں اصلاً کوئی حرج نہیں ہے، اسلام میں بچپن کی شادی کا بھی اعتبار اور اس کی اجازت ہے،شادی کے لئے کوئی متعین عمر نہیں ہے،تا ہم شادی کے لئے بہتر اور مناسب زمانہ بلوغ کے بعد کا ہے،امت کا عمومی عمل اسی پرہے،لہذا اگرکوئی شدید ضرورت نہ تو بلوغ کے بعدہی نکاح کرنا چاہئے،بلکہ شریعت مقدسہ نے بچوں کے حقوق اور ان کے تعلق سے گارجین کے فرائض مینیہ بات بیان کی ہے کہ جیسے ہی بچہ بالخصوص لڑکی نکاح کے قابل یعنی بالغ ہوجائے اس کانکاح کردیا جائے،اس میں تاخیر نہ کرنی چاہئے،روایت میں ہے:''حق الولد علی الوالد أن یحسن اسمہ ویزوجہ إذا أدرک ویعلمہ الکتاب''(الجامع الصغیر:۲/۷۷۵رقم :۳۷۴۳) (والدین پر بچے کے حقوق یہ ہیں کہ اس کا اچھا نام رکھے،بالغ ہونے کے بعد اس کی شادی کرے اور اور اس کو قران بھی سکھائے)، اگر بلا کسی معقول وجہ اور شرعی عذر کے نکاح کرنے میں تاخیر کی، جس کی وجہ سے اولا د گناہ میں مبتلا ہوئی تو اس کا وبال گارجین کے سر ہوگا، ارشاد نبوی ہے:'' من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وأدبہ فإذا بلغ فلیزوجہ فإن بلغ ولم یزوجہ فأصاب إثما فإنما إثمہ علی أبیہ''(رواہ البیھقی فی شعب الایمان ، باب فی حقوق الاولاد والاھلین :۸۶۶۶)۔ ایک روایت میں ہے:''من بلغت ابنتہ اثنتی عشرة سنة فلم یزوجھا فأصابت إثما فإثم ذلک علیہ'' (رواہ البیھقی فی شعب الایمان ،باب فی حقوق الاولاد والاھلین :۸۳۰۳)(جس شخص کی بچی بارہ سال کی ہوجائے اور وہ اس کا نکاح نہ کرائے اور وہ بچی گناہ میں مبتلا ہوجائے تو اس کا وبال باپ پر بھی ہوگا۔

فتاوی دار العلوم میں ہے:

''جوان اولاد کے نکاح میں حتی الوسع جلدی کرنا ضروری ہے،خصوصاً لڑکی کے نکاح مینباوجود موقع مناسب کے دیر کرنا بہت برا ہے اور حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ اگر اس اولاد سے گناہ سرزد ہوا تو وبال اس کے باپ پر ہے ''(۷/۴۳)۔

خلاصہ یہ ہے کہ عدل واعتدال کے امتیازی پہلو کے حامل دین اسلام کی ہدایتیہ ہے کہ بہت کم عمری میں کیا ہوا نکاح اگر چہ درست ہے ،مگر بہتر بلکہ ضروریہ ہے کہ بلوغ کے بعد نکاح کیا جائے، بالغ ہونے کے بعد بلا وجہ لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی میں غیر معمولی تاخیرنہ کی جائے،تاکہ اخلاقی بگاڑسے حفاظت ہوجائے۔

(د،۱):بچے اورمزدوری

شریعت اسلامیہ مینعام حالات میں کم عمر بچوں کو مزدوری پر لگانامناسب اورقرینصوابنہیں ہے،البتہ مجبوری کی حالت میں اس کی گنجائش ہے،جیساکہ تفصیل سے آرہا ہے۔

(د،۲): شریعت اسلا میہ مینعام حالات میں کم عمر بچونسے مزدوری کرانایاانہیں

کوئی پیشہ ورانہ کام سکھانے کے لئے کام میں لگانامناسب اورقرینِصواب نہینہے،کیوں:

ایک: تونابالغ ہونے کی حالت میں کسی بھی شخص کی ضروریات زندگی کا انتظام از روئے شریعت بچوں کے ذمہ نہیں ہے، بلکہ خو د بچوں کی کفالت بھی ان کے سر نہیں ، بلکہ باپ کے سر ہے اور اگر وہ نہ ہوتو حسب مراتب رشتہ داروں کے ذمہ ہے۔''نفقۃ الأولاد الصغار علی الأب لایشارکہ فیھا أحد ...'' (الہندیہ۱،۵۶۰)، اسلام نے نہ صرف یہ کہ بچوں کی کفالت بالغوں سے متعلق کی ہے ،بلکہ اس سلسلہ میں خاص ترغیبات بھی دی ہے،چنانچہ اولاد پر خرچ کرنے کو صدقہ قرار دیا،یتیم بچہ کی کفالت کرنے پر جنت کی خوشخبری سناتے ہوئے اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملاکرنبی کریم انے فرمایا :''أنا وکافل الیتیم فی الجنۃ ھکذا وأشار بالسبابۃ والوسطی وفرق بینھما شیئا''(رواہ البخاری،کتاب الطلاق،باب اللعان:رقم: ۴۹۹۸)

دوسرے :یہ کہ اسلام نے بچونکے بارے میں جو ہدایات دی ہیں ان میں ایک اہم ہدایتیہ ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت کی فکر کی جائے،ظاہر ہے کہ بچوں کو مزدوری پر لگانے سے ان کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری پوری نہیں کی جاسکتی،اس طرح تووہ علم جیسی نعمت سے محروم رہیں گے اور ان کی جہالت کی وجہ سے ان کی اگلی نسلیں بھی پستی اورانحطاط کا شکار ہوگی،جبکہ شریعت اسلا میہ نے اس سلسلہ میں بڑی تاکید کی ہے،جیساکہ اوپر اس کی کچھ تفصیل گزری،ایک روایت میں ہے:''إن من حق الولد علی الوالد أن یحسن اسمہ وأن یحسن أدبہ'' (مجمع الزوائد،کتاب الادب،باب الاسماء وماجاء فی الاسماء الحسنۃ، رقم : ۱۲۸۲۹)، بلکہ صاحب شریعت کی نظر میں ضروریا ت زندگی کی تکمیل کے مقابلہ میں تعلیم و تربیت کا انتظام زیادہ اہم ہے،اسی لئے جنگ بدر کے بعد مسلمان بچو ں کی تعلیم کو ان کی معاشی ضرورت سے بھی اہم سمجھتے ہوئے قیدیوں سے مالی فدیہ وصول کرنے کے بجائے آپ نے تعلیمی فدیہ وصول کیا ،یہ اس بات کا سبق دینا تھا کہ بچوں کو تعلیم دینا بہر حال ضروری ہے ، چاہے اس کے لئے پیٹ کا ٹناپڑے یافاقے برداشت کرنے پڑے، شریعت نے ہمیں بچوں کے ساتھ خیر خواہی اور حسن سلوک کی تعلیم دی ہے، بچوں کی بڑی خیر خواہی اور حسن سلوک ان کی اچھی تعلیم و تربیت ہے، جس طرح خود کھانا اور بچوں کو بھوکا رکھنا بد سلوکی اور بد خواہی ہے ،ٹھیک اسی طرح بچوں کو کسب زر کا ذریعہ بناکران کو اپنے حق تعلیم و تربیت سے محروم رکھنا بھی ان کے ساتھ بد سلوکی اور ان کی بدخواہی ہے،کیوں کہیہ ہمیشہ کے لئے ان کو معاشی ، فکری اور اخلاقی اعتبار سے پسماندہ او رمحروم رکھنے کے مترادف ہے،اسی لئے رسول اللہانے فرمایا کہ کم عمر بچوں کو کسب معاش کا مکلف نہ کرو ،اس سے یہ ہوگا کہ کما نہ پائے گا تو پھر چوری کرے گا:''لا تکلفوا الصغیر الکسب فإنہ إذا لم یجد سرق''(رواہ مالک فی الموطا:کتاب الاستیذان،باب الامر بالرفق للمملوک،رقم:۱۷۷۱)۔

تیسرے : یہ کہ کم عمر بچوں کو کسب معاش پر لگا دینا قبل از وقت مشقت میں مبتلاء کرنے کی وجہ سے ان کی صحت اور جسمانی نشو و نما کے لئے نقصاندہ ہے،کیوں کہ ان بچوں کی بے شعوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایسے کام ان سے لئے جائینگے جو ان کی طاقت و قدرت سے باہر ہوں،جبکہ نبی کریم ا نے فرمایا ہے کہ غلاموں سے کوئی ایساکام نہ لو جو ان کی طاقت اور قدرت سے ما وراء ہو (موطا مالک عن یحی بن یحی)، نیز ان کی صحت کا ٹھیک طور سے خیال نہ رکھتے ہوئے ان سے ایسے کام بھی لئے جائیں گے جن میں آلودگی ان پر اثر انداز ہو،اس طرح ان کا معاشی مستقبل تاریک ہوجا ئے گا اور ان کے لئے پوری زندگی ایسی ہی معمولی مزدوری اور کم آمدنی پر انحصار کرنے کے سواچارہ نہیں رہے گا،پھریہ معاشی محرومی ان میں اخلاقی گراوٹ اور تنزلی پیدا کرے گی،ظاہر ہے کہ یہ ان کا اوران کی نسلوں کا نقصان ہے،رسول اللہ انے فرمایا ہے کہ اسلام میں ضرر پہچانے کی کوئی گنجائش نہیں ،نہ ابتداءًاور نہ انتہاءً، ''لاضرر ولا ضرار'' (رواہ مالک فی الموطا،کتاب الاقضیۃ باب القضاء فی المرفق،رقم:۱۴۲۹)، نیز ارشاد ہے کہ جو کسی کو ضرر پہنچائے اللہ اس کو ضرر پہنچائے گا، اور جوکسی کو مشقت میں ڈالے اللہ اس کو مشقت میں مبتلا فرمائینگے۔ ''من ضار ضاراللہ بہ ومن شاق شاق اللہ علیہ''(رواہ الترمذی،کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الخیانۃ والغش،رقم:۱۹۴۰)اسی لئے نبی کریم نے بچوں پر کمائی کی ذمہ داری ڈالنے سے منع فرمایا ہے،جیسا کہ گزرا۔

(د، ۳): پہلے گزر چکا ہے کہ عام حالات میں توکم عمر بچوں کو مزدوری پر لگانا شریعت اسلامیہ میں درست نہیں ہے، مگر جب انتہائی غربت اور معاشی بد حالی ہو ، غریب باپ معذور ہوجائے یا ماں بیوہ ہوجائے، نہ خود وہ کمانے کے لائق ہوں،نہ حکومت یا کوئی اور ان کا تکفل کرر ہے ہوں اور ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو کہ وہ اپنے کم عمر بچہ کو مزدوری پر لگائے،تو ایسے والدین کااپنے نابالغ بچوں کو مزدوری پر لگانا درست ہے،اس صورت میں ماں باپ کو ضرر سے بچانے کے لئے بچوں کے ضرر کو برداشت کر لیا جائے گا،شریعت کا اصول ہے کہ اگر دو خرابیوں میں سے ایک خرابی کے ارتکاب پر مجبور ہوجائے تو کمتر درجہ کی خرابی کو اختیار کرلے،''إذا تعارض مفسدتان روعی أعظمهما ضررا بارتكاب أخفهما''(شرح القواعد الفقہیۃ، المادۃ :۲۸)، فقہاء نے باپ کو اس کاحق واختیار دیتے ہوئے لکھاہے :''فللأب أن يؤاجر ابنہ الصغيرمن عمل من الأعمال...'' (البدائع:۴/۲۱)، نیز فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب لڑکا کمانے پر قادر ہوجائے تو باپ اس کو کمانے میں لگائے گا اور اس کی آمدنی سے اس کا خرچہ پورا کرے گا۔ ''الذكور من الأولاد إذا بلغوا حد الكسب ولم يبلغوا فی أنفسهم يدفعهم الأب إلى عمل ليكسبوا أو يؤاجرهم وينفقوا عليهم من أجرتهم وكسبهم وأما الأناث فليس للأب أن يؤاجرهن فی عمل أوخدمۃ ، ثم فی الذكور إذا سلمهم فی عمل فاكتسبوا يأخذ كسبهم وينفق عليهم من كسبهم وما

فضل من نفقتهم يحفظ ذلک عليهم إلى وقت بلوغهم كسائر أملاكهم"(الهندية :١/٥٦٢،الدر والرد:٥/٢٧٢)۔

بچہ کو مزدوری پر لگانے کا ایک بنیادی سبب یہ ہوتا ہے کہ جاہل اور بے شعور والدین و اولیاء روپیونکی قیمت سمجھتے ہینیا پھر مال کی خوب حرص وطمع رکھتے ہیں، مگر نیکیاں اور علم وتعلیم ان کے نزدیک بے قیمت اورناقابل توجہ چیز ہوتی ہے،اس لئے وہ لوگ اپنے بچوں کو تعلیم سے محروم رکھ کرروپیوں کے خاطر ان کو مزدوری پر لگاتے ہیں،ایسے موقع کے لئے اسلامی ہدایتیہ ہے کہ عمومی سطح پر لوگوں کا ذہن بنایا جائے اورخصوصاً والدین کو سمجھا یا جائے کہ اگر وہ آج اپنے بچوں کومزدوری پرنہ لگاکراورانہینتعلیم دلاکر تھوڑے سے مال اور روپیونسے محرومی گوارا کرلینگے توکل یہ بچہ تعلیمیافتہ، باعزت اور باشعوربن کر سبھی اہل خانہ کی خوش حالی کا ذریعہ بن جائے گا اور ان کی تھوڑی سی قربانی سے ان کی آنے والی نسلوں کامستقبل سنور جائے گا۔

دوسرا سبب یہ ہو تا ہے کہ ماں باپ انتہائی غریب ہیں ، کمانے سے معذور ہیں اورگھر میں کمانے والاکوئی نہیں ہے،اس لئے ان کے لئے اپنے بچوں کو مزدوری پر لگانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا،اس سلسلہ میں اسلامی ہدایتیہ ہے کہ حکومت یا پھر اجتماعی طورپرسماج ایسے ٗغریباور بے سہار اگھرانوں کی ضروریات پوری کرنے کی بھی ذمہ داری لے لے اور ان غریبوں کے بچوں کی تعلیم وتربیت کاانتظام کرنے کی بھی ذمہ داری لے لے،تاکہ ملک و ملت کییہ متاع گرانمایہ ضائع نہ ہونے پائے،اسی لئے حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں جب کشادگی ہوئی تو ولادت کے ساتھ ہی ہر بچہ کا وظیفہ مقرر کردیا جاتا تھا اورایسے ہی پریشان حال لوگوں کے بارے میں رسول اللہ ا نے ارشاد فرمایاتھا: ''من ترک کلا فإليّ ومن ترک مالا فلورثتہ" (رواہ ابوداود، کتاب الفرائض،باب فی میراث ذوی الارحام، رقم:٢٩٠١) (جو کوئی بوجھ یعنی عورتیں ، بچے اور قرضے چھوڑ کر مرا ہو وہ میرے ذمہ ہے،اور جو مال چھوڑکر گیا ہو تو یہ اس کے ورثہ کا حق ہے)۔

***

اسلام میں بچوں کے حقوق

مفتی غلام اللہ کاوی والا•

بچوں کی پرورش کے سلسلہ میں اسلام کی بنیادی ہدایات:

بچی جب تک بالغ نہ ہوجائے وہاں تک (حق حضانہ)پرورش کا حق والدہ کو ہے، بچہ جب تک سات سال کا نہ ہوجائے وہاں تک (حق حضانہ) پرورش کا حق والدہ کو ہے۔

''فی سنن أبی داؤد عن عبد اللہ بن عمر أن امرأۃ قالت، یا رسول اللہ! إن ابنی ہذا کان بطنی لہ وعاء، وثدیی لہ سقاء، وحجری لہ حواء، وإن أباہ طلقنی وأراد أن ینتزعہ منی، فقال لہا رسول اللہﷺ: أنت أحق بہ ما لم تنکحی'' (حدیث: ۲۲۶۶، ابوداؤد مع بذل المجہود۸؍۳۳۹۔۳۴۰)۔

وفی الشرح الکبیر۹؍۲۹۸۔۲۹۹للحنابلۃ إذا افترق الزوجان، ولہما طفل و معتوہ فأمہ أولی بکفالتہ، إذا کملت الشرائط فیہا ذکرا کان أو أنثی، ہذا قول الثوری ومالک والشافعی واسحاق وأصحاب الرأی، ولا نعلم أحداً خالفہم''۔

بچہ اور بچی کی پرورش کا حق بلوغ وحد شہوت تک ماں کو حاصل ہونے پر ائمہ اربعہ کا اتفاق شرح کبیر کی عبارت سے واضح ہے۔

علامہ زیلعی تبیین الحقائق میں تحریر فرماتے ہیں:

''لأن الصغار لما عجزوا عن مصالحہم، جعل الشرع ولایتہا إلی غیرہم، لجعل ولایۃ التصرف فی النفس والمال إلی الآباء لأنہم أقوی رأیا مع الشفقۃ الکاملۃ وأوجب النفقۃ علیہم لکونہم أقدر علیہا، وجعل الحضانۃ إلی الأمہات لأنہن أشفق وأرفق وأصبر علی تحامل المشاق بسبب الولد علی طول الاعصار، وأفرغ للقیام بخدمتہ، فکان فی تفویض الحضانۃ إلیہن وغیرہا من المصالح إلی الآباء زیادۃ منفعۃ إلی الصغیرۃ فکان حسنا، وانظر للصغیر فیکون مشروعاً، ولہذا قال أبوبکر لعمر حین فارق امرأتہ:ریحہا ومسہا ومسحہا وریقہا خیر لہ من الشہد عندک ولم ینکر علیہ أحد فکان إجماعاً'' (۳؍۴۷)۔

علامہ زیلعی کی اس عبارت سے بھی واضح ہے کہ حق حضانہ ماں کو حاصل ہے، اور یہ اجماع صحابہ سے ثابت ہے۔

فتاوی عثمانیہ کے حاشیہ پر ہے:''ظاہر الروایۃیہی ہے کہ لڑکی کے بالغ ہونے تک اس کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہے، مگر کئی فقہاء کرام کے نزدیک حد شہوت تک

• دار الافتاء، دار العلوم عربیہ اسلامیہ بھروچ، گجرات۔

پہنچنے تک ماں کو اس کی پرورش کا حق حاصل ہے، اور حد شہوت کی عمر میں اختلاف ہے، بعض فقہاء نے اس کی عمر ۹ سال بیان کیا ہے، اور اسی پر فتوی دیا ہے (مزید دیکھئے: الدر المختار ۵۶۶،۳، ۵۶۷ طبع سعید)۔

ہمارے اکابر نے ظاہر الروایت کے مطابق فتوی دیا ہے چنانچہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے امداد المفتین ص: ۷۲۲ میں اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ نے عزیز الفتاوی میں ص: ۵۶۶ اور حضرت ظفر احمد تھانویؒ نے امداد الاحکام ۸۷۷،۲میں اسی کے مطابق فتوی دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ لڑکی بالغہ ہونے تک اس کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہے (ماخوذ از فتاوی عثمانی۴۸۱،۲)۔

(ب): تعلیمی وتربیتی، جسمانییا نفسیاتی مضرت کا اندیشہ اور حق پرورش

۱۔ اجنبی سے نکاح کرے گی تو (حق حضانہ) پرورش کا حق ختم ہوجائے گا، اگر ذی رحم محرم سے شادی کرے گی تو (حق حضانہ) پرورش کا حق ساقط نہ ہوگا۔

''أحق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح أو بعد الفرقة الأم، فإن ماتت أو تزوجت فالأخت لأب وأم، وإنما يبطل حق الحضانة لهؤلاء النسوة بالتزوج، إذا تزوجن بأجنبى، فإن تزوجن بذى رحم محرم من الصغير كالجدة إذا كان زوجها جد الصغير أو الأم إذا تزوجت بعم الصغير لا يبطل حقها كذا فى فتاوى قاضى خان" (الفتاوى العالمگيريہ ، كتاب الطلاق، الباب السادس عشر فى الحضانة۵۴۱،۱، كذا فى مجمع الانہر، كتاب الطلاق باب الحضانة۴۸۱،۱، كذا فى الدر المختار ۵۶۵،۳)۔

۲۔ بچے، بچی کو جان کا خطرہ ہو، اسی طرح بچے اور بچی کا ماں کے پاس رہنے اور پرورش میں رکھنے سے تعلیم وتربیت میں کمی کا ظن غالب ہو، امن وسکون نہ ہو، ان تمام حالات میں ماں کا حق پرورش (حق حضانہ) ساقط ہوجائے گا، ''تربية الولد تثبت للأم إلا أن تكون مرتدة إلى قولہ أو غير مامونة ذكره المجتبى بأن تخرج كل وقت أو تترك الولد ضائعاً'' (الدر المختار كتاب الطلاق، باب الحضانہ)۔

امدادا لمفتین ص: ۶۰۶ پر ہے:

''ماں اگر بدچلن ہے تو دادا وغیرہ پرورش کے لئے اس سے علاحدہ کرسکتے ہیں ''۔

حق تربیت اولاد کا سات سال تک اور لڑکی کا بالغہ ہونے تک ان کی ماں کو پہنچتا ہے، لیکن اگر ماں کی چال چلن ایسی ہو کہ اس سے بچوں کی پرورش کا خراب ہونا متیقنیا مظنون ہو تو تربیت دادا ہی کرسکتا ہے (جبکہ باپ موجود نہ ہو) (كذا فى الہدايہ والدر المختار باب الولى وباب الحضانة)۔

(ب): اسلام میں بچوں کی تعلیم وتربیت کے بارے میں بنیادی ہدایات :

واضح رہے کہ اولاد نعمت خداوندی ہے، اس واسطے نکاح وشادی کے ذریعہ ہر انسان کے سامنے اس نعمت خداوندی کے حصول کی تمنا ہونی چاہئے، چنانچہ قرآن

کریممیں اللہ تعالی کاارشاد ہے: ‘‘فالآن باشروہن وابتغوا ما کتب اللہ لکم ’’ (بقرہ: ۱۸۷) (سو اب تم اپنی بیویوں سے ملو، اور تمہارے لئے جو کچھ لکھ دیا ہے اس کو طلب کرو)، سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ‘‘تزوجوا الودود الولود فإنی مکاثر بکم الأمم’’ (مشکوۃ) (محبت کرنے والی اور کثرت سے جننے والی عورتوں سے نکاح کرو، کیونکہ قیامت کے روز میں تمہاری کثرت سے دوسری امتوں پر فخر کرونگا)۔

اس سےمعلوم ہوا کہ اولاد بہت بڑی نعمت ہے اور باعث فخر ہے، ویسے بھی طبعی وفطری طور پر انسان شادی کے بعد اولاد کی خواہش کرتا ہے، اولاد ہونے پر اکثر اظہار مسرت کرتا ہے، اس کے برعکس اولاد نہ ہونے کی صورت میں میاں بیوی دونوں احساس کمتری میں مبتلا ہوجاتے ہیں (اسلام میں اولاد کی تربیت: ۹)۔

نیک صالح اولاد صدقہ جاریہ ہے:

‘‘إذا مات الإنسان انقطع عملہ إلا من ثلاثۃ:إلا من صدقۃ جاریۃ، أو علم ینتفع بہ أو ولد صالح یدعو لہ’’ (مشکوۃ)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیک اور صالح اولاد چھوڑ کر جانا میت کے لئے صدقہ جاریہ ہےاور آخرت کے لئے ذخیرہ ہے۔

خدا کے واسطے اہل وعیال کو جہنم سے بچالو:

‘‘یا أیہا الذین آمنوا قوا أنفسکم وأہلیکم ناراً’’(سورہ تحریم: ۶)، اللہ تعالی نے مذکورہ آیت کریمہ میں تمام ایمان والوں سے خطاب فرمایا اور حکم دیا ہے کہ خود کو بھی اور بیوی بچوں کو بھی دوزخ کی آگ سے بچاؤ، جس کا مطلب یہ ہے کہ خود قرآن اور قرآنی علوم سیکھو، اس پر عمل کرو، پھر اپنی بیوی بچوں کو قرآنی علوم کی تعلیم دو۔

چنانچہ احکام القرآن میں امام ابوبکر جصاصؒ، حضرت حسن بصریؒ سے اس کی تفسیر نقل کرتے ہیں، ‘‘قولہ قوا أنفسکم .... الخ ’’ یعنی بیوی بچوں کو دینی تعلیم دینا، اطاعت اور نیک اعمال کا حکم دینا، معاصی اور تمام برے اعمال سے ان کو روکنا مراد ہے، امام ابوبکرؒ اس کے بعد لکھتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ذمہ لازم ہے کہ ہم اہل وعیال اور بیوی بچوں کو دین کی تعلیم دلائیں اور ان کی اخلاقی تربیت کریں (۶۴۴،۳، اسلام میں اولاد کی تربیت: ۱۱۵)۔

نئی نسل کے ایمان وعقیدے کی فکر کیجئے:

حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ فرماتے ہیں کہ ‘‘آج ہم مسلمانوں کو سب سے زیادہ اس کی ضرورت ہے کہ اپنی آئندہ نسل کے متعلق یہ اطمینان کرلیں کہ یہ صراط مستقیم پر رہے گی، جس دین کا نام اسلام ہے، ‘‘إن الدین عند اللہ الإسلام’’، یعنی اللہ نزدیک ‘‘دین’’ صرف اسلام ہے (خطبات علی میاںؒ۲۰۹،۷)۔

اولاد کے لئے باپ کا افضل تحفہ:

ایک باپ اپنے اولاد کو سب سے بڑا تحفہ کیا دے سکتا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

عن سعید بن العاصؓ أن النبیﷺ قال: ‘‘ما نحل والد ولداً من نحل أفضل من أدب حسن’’ (ترمذی) (رسول اللہﷺ نے فرمایا: سب سے افضل تحفہ جو کوئی والد اپنی اولاد کو دے وہ حسن ادب کی تعلیم ہے)۔

اولاد کیسی ہوں؟ ان کی صفات کیسی ہوں؟

قرآن کریم اور احادیث میں اولاد پر ماں باپ کے زبردست حقوق بتلائے گئے ہیں، ان تمام آثار سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کی صفات کیا ہونی چاہئے اور کیا نہیں، اولاد شرک کرنے والی نہ ہوں، اللہ کے علاوہ کسی کی بھی بندگی نہ کریں، وہ ماں باپ کے ساتھ بھلائی اور احسان اور نیکی کا معاملہ کریں، ان کو کسی بھی حالت میں سخت وسست اور اف نہ کہیں، کسی بھی طور وطریقہ سے ان کو نہ جھڑکیں، ان کے ساتھ ادب وہمدردی سے بات کریں، ان کے ساتھ شفقت وانکساری کے ساتھ جھکے رہیں او ران کے لئے دعائیں کرتے رہیں کہ اے اللہ! تو ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھ کو بچپن میں پالا پوسا تھا، اور میری پرورش کی تھی، اولاد ماں باپ کی (حرام کاری کے علاوہ)ہر طرح کی اطاعت وفرمانبرداری کریں، ان کا شکریہ ادا کریں، اس میں کسی قسم کی کمی نہ ہونے دیں، ان کو اچھی طرح عزت واحترام کے ساتھ رکھیں، اولاد ماں باپ کے لئے رحمت ہوں، آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں، متقی وپرہیزگار بنیں اور آخرت میں جنت میں ساتھ رہیں، اس طرح کی اوربھی صفات کی حامل اولاد ہونے چاہئیں۔

قرآن کریم میں ہے:

‘‘وقضی ربک ألا تعبدوا إلا إیاہ وبالوالدین إحسانا، إما یبلغن عندک الکبر أحدہما أو کلاہما فلا تقل لہما أف ولا تنہرہما وقل لہما قولاً کریماً واخفض لہما جناح الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمہما کما ربیانی صغیراً’’ (سورہ بنی اسرائیل: ۲۳-۲۴)۔

سورہ لقمان میں ہے:

‘‘وإذ قال لقمان لابنہ وہو یعظہیا بنیّ لا تشرک باللہ إن الشرک لظلم عظیم، ووصینا الإنسان بوالدیہ حملتہ أمہ وہنا علی وہن وفصالہ فی عامین أن اشکر لی ولوالدیک إلیّ المصیر’’ (سورہ لقمان: ۱۳-۱۴)۔

‘‘والذینیقولون ربنا ہب لنا من أزواجنا وذریاتنا قرۃ أعین واجعلنا للمتقین إماماً’’ (الفرقان: ۷۴)۔

اس کے خلاف اولاد کی صفات ہرگز ہرگز نہ ہوں، اور یہ آواز نہ آئے، ‘‘إنہ لیس من أہلک’’ یعنییہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے، بلکہ اس طرح کی آواز آجائے، ‘‘قری عیناً ’’ آنکھ ٹھنڈی کراور ہاتھ جوڑ کر پکارے ‘‘ربنا توفنا مسلمین وألحقنا بالصالحین’’ ۔

١۔ بچوں کو شرک وبدعت ومعاصی سے محفوظ رکھنے کی تدابیر اختیار کریں۔
٢۔ اسکول مدرسہ میں جاکر مدرس وماسٹر سے بچے کی اخلاقی وحاضری وغیرہ کی تفتیش کیا کریں، کم سے کم ہفتہ یا ماہ میں ایک مرتبہ۔
٣۔ بچے کے مدرس واساتذہ پر اسی طرح ٹیچر پر آنکھ بند کرکے بھروسہ نہ کریں۔
۴۔ بچوں نے کہاں وقت گزارا؟ کیسے گزارا جیسے سوالات سےبچے کی حالت سے آگاہ رہا کریں، بچوں سے دور نہ رہیں،غلط صحبت ودوستوں سے بچانے کی تمام تدابیر اختیار کریں۔
۵۔ الیکٹرانک آلات، موبائل، ٹی وی، وغیرہ غلط راستوں پر ڈالنے والے اسباب سے اجتناب اور دور رکھنے کی کامل سعی کریں۔
۶۔ اس وقت دنیوی علوم، تعلیم کی طرف سیل رواں کی طرح بڑھ گئی ہے، اسی تناسب سے دینی علوم کی رغبت گھٹ رہی ہے، عوام تو کیا خواص اور علما عظام کے بچے بھی دنیوی علوم کے پیچھے بھاگ رہے ہیں، اسکول اور کالج میں پڑھنے کی ہر سو ترغیب دی جارہی ہے، پیسے ، کپڑے، یونیفارم دیئے جارہے ہیں، اسکالر شپ وظیفہ دیاجارہا ہے، اسکولوں میں باقاعدہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو کھانا دیا جارہا ہے، غرض قسم قسم کی مفت امداد دی جارہی ہے، اور یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ بچوں کو جہاں کھانا ملے گا، کپڑے ملینگے، پیسے ملینگے، بچے اس طرف دوڑینگے، ابھی ایسا ہی ہورہا ہے، سوال یہ ہے کہ کیا ہمیں بھییہ طریقہ علم دین کے لئے اختیار کرنا چاہئے، یقینا جواب ہاں میں آئے گا، اور ہمیں الجواب صحیح کہنا ہوگا۔

حضرت مولانا علی میانصاحب ندویؒ فرماتے ہیں:

مینیہ نہیں کہتا کہ آپ اپنے بچوں کو جدید علوم نہ سکھائیں، اس کی تعلیم ضرور دیجئے، مگر پہلے ان کے دلوں میں ایمان ویقین کی بنیاد مضبوط ومستحکم کردیجئے، تاکہ کوئی طوفان ان کےایمان ویقین کی بنیاد کو ہلا نہ سکے (خطبات علی میاں تکبیر مسلسل: ٣١٥)۔

خالص دنیوی اسکول کا حال:

خالص دنیوی اسکول کا حال کس پر پوشیدہ ہے؟ سب جانتے ہیں کہ وہاں کا ماحول لادینی ہے، اساتذہ وغیرہ لامذہبی ہیں، کورس میں اسلام دشمن عناصر کے وضع کردہ متعصبانہ مواد کا غلبہ ہے، اس کے مواد کسی سے متصادم ہوں کہ نہ ہوں اسلام سے تو سیدھا ٹکراؤ ہے، بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ بہت سے شرائط بہت سے اسکولوں میں مسلمانوں کو مذہبی ٹھیس پہنچانے کی نیت سے طے کئے گئے ہیں، اور عیسائی مشنریوں نے تو انگریزی اسکولوں کا جو بھونچال اٹھایا ہے وہ تو مسلمانوں کو خس وخاشاک کی طرح اڑا لے گیا ہے، ان میں تربیت پانے والے تو نہ یہ کہ صرف اسلام پر عمل کرنے

والے نہیں ہوتے بلکہ وہ ایک طرح سے متنفر ہوجاتے ہیں، اس حقیقت کا اظہار ہے اکبر الہ آبادی کے اس کلام میں ؎

مغرب کی تعلیم سےدل ایشیا کا ہے ملول کردیا خلقت کو اس نے بے تمیز وبے اصول

ایک دوسری جگہ کہتے ہیں:

ہم کل ایسی کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں کہ جن کو پڑھ کر بیٹے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

مگر نہ معلوم امت کیوں فرنگیوں کی تقلید میں اندھی ہوچکی ہے، خصوصا سرمایہ دار طبقہ تو ان کا آئیڈیل اور نمونہ بننے میں فخر محسوس کررہا ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ دینی مدارس سے وہاں کے ماحول سے، وہاں کی تعلیم سے نفرت تو نہیں، مگر ان کی ضرورت، افادیت، عظمت سے قلوب یکسر خالی ہیں اور خالص دنیوی اسکولوں اور خصوصاً انگریزی تعلیم گاہوں کا دل ودماغ پر ایسا نشہ چھایا ہوا ہے جس نے ان کی فکر آخرت کو بالکل معدوم کرکے رکھ دیا ہے، نہ اپنی فکر، نہ اپنی اولاد کے تباہ وبرباد ہونے کا غم، بچپن ہی سے اپنی اولاد کو اسکول کے حوالہ کردیتے ہیں، اور اپنی استطاعت سے زیادہ ان پر اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں، جبکہ اس تعلیم کا مقصد اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ دنیوی ترقی ہو، فانی چیزیں زیادہ سے زیادہ اولاد کی ملکیت میں ہوں، وہ دنیوی اعتبار سے مہذب اور تعلیمیافتہ افراد کے ممبر وبرابر بلکہ ان سے ایک قدم آگے چل سکیں (علم ودعوت: ١٢)۔

بقدر ضرورت ہی دنیوی تعلیم:

بلاشبہ اکابر نے عصری تعلیم کو جائز قرار دیا ہے، اور حالات ووقت کا تقاضا بھی ہے، اگر کوئی شخص دینی تعلیم کے سیکھنے کے ساتھ ساتھ دنیوی تعلیم حاصل کرلے ہم اس کو سراہتےہیں،یہ اچھی چیز ہے، فرق صرف فوقیت واولیت کا ہے، مدلل یہ بات ثابت کی جاسکتی ہے کہ فوقیت واولیت دینی علوم کو ہے، بعض حضرات یہ نظریہ بھی رکھتے ہیں کہ بقدر ضرورت ہی ''دینی تعلیم '' حاصل کی جائے، ہم اکابر کے نظریہ کی عزت کرتے ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ بقدر ضرورت ہی عصری ودنیوی علوم حاصل کئے جائیں، باقی دینی علوم ہی میں زندگی ختم کردی جائے، اور آخرت بچالی جائے۔

(٣) ایمان وعقیدہ مضبوط ومستحکم بنالیں پھر عصری علوم حاصل کئے جائیں، جیسا کہ ماقبل بیان ہوچکا ہے۔

(۴) جنس کی تعلیم سے گریز کریں،یہ باتیں عمر کے ساتھ ساتھ خود سیکھ لی جاتی ہیں۔

(ج) نکاح کا حکم سب کے حق مینیکساں نہیں ہے، جس پر شہوت غالب ہو اور بغیر نکاح کے زنا میں مبتلا ہونے کا مظنہ ہو، اور مہر ونفقہ پر قادر ہو، اس کے ذمہ نکاح کرنا

فرض ہے، نکاح نہیں کرے گا تو گنہ گار ہوگا، اتنی بات بلا اختلاف ہے، چنانچہ ملک العلماء نے لکھا ہے: ''لا خلاف أن النکاح فرض حال التوقان، حتی أن من تاقت نفسہ إلی النساء بحیث لا یمکنہ الصبر عنہن، وہو قادر علی المہر والنفقۃ، ولم یتزوجیأثم اھ'' (بدائع ۲۲۸،۲)۔

جس پر ایسا غلبہ شہوت نہ ہو اس کے متعلق متعدد اقوال ہیں:

اصحاب ظواہر: نماز وروزہ کی طرح فرض عین ہے۔

امام شافعی: بیع وشراء کی طرح مباح ہے، احناف میں سے بعض نے مندوب ومستحب کہا ہے، بعض وجوب علی الکفایہ کے قائل ہیں، بعض وجوب علی العین کے ان سب کے دلائل بدائع میں مذکور ہیں۔

راجحیہ ہے کہ اعتدال شہوت کے وقت یعنی ابتلائے معصیت کا مظنہ بھی نہ ہو، بلکہ صبر وضبط پر قدرت ہو، ادائے حق زوجیت پر قدرت ہو، اور ادائے نفقہ ومہر پر بھی قدرت ہو سنت موکدہ ہے، اس مینیہ شرط ہے کہ نکاح کی وجہ سے ترک فرائض وسنن کا خوف نہ ہو، نیز خوف جور نہ ہو، اس حالت اعتدال میں اگر نہیں کرے گا تو ترک سنت موکدہ کےوبال میں ماخوذ ہوگا، اگر حالت اس اعتدال سے گری ہوئی ہو تو اس کے حق میں سنت موکدہ نہیں، بلکہ اس حالت میں اگر ادائے مہر ونفقہ پر قدرت نہ ہو یا جور میں مبتلا ہوجائے یا س کی وجہ سے فرائض وسنت ترک کرنے کی نوبت آجائے تو گنہ گار ہوگا، ایسے شخص کو نکاح سے بچنا لازم ہوگا، بعض صورتوں میں نکاح کرنا ہوگا، اور بعض صورتوں میں حرام ہوگا۔

علامہ ابن نجیم ؒ نے لکھا ہے:

''وصفتہ فرض، وواجب، وسنۃ، وحرام ومکروہ ومباح'' (البحر الرائق کتاب النکاح ۱۴۰،۳)۔

پھر ہر نوع کا محمل بیان کیا ہے، اور مختصر دلائل کی طرف بھی اشارہ کیا ہے (دیکھئے: حوالہ سابق ۷۹،۳)۔

حالت اعتدال میں نکاح کو سنت موکدہ قرار دیا گیا ہے، شرائط پائے جانے کے باوجود سنت موکدہ کا ترک کرنا گناہ ہے، اس کی تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے:

''وہو سنۃ وعند التوقان واجب فالمراد بہ السنۃ المؤکدۃ علی الأصح وصرح فی المحیط أیضاً بأنہا مؤکدۃ، ومقتضاہ الإثم لو لم یتزوج، لأن الصحیح أن لترک السنۃ المؤکدۃ مؤثم، کما علم فی الصلاۃ، والمراد بہ حالۃ القدرۃ علی الوطئی والمہر والنفقۃ مع عدم الخوف من الزنا والجور، وترک الفرائض والسنن، فلو لم یقدر علی واحد من الثلاثۃ، أو خاف واحداً من الثلاثۃ، فلیس معتدلاً، فلا یکون سنۃ فی حقہ کما أفادہ فی البدائع اھ'' (البحر الرائق۱۴۲،۳ کتاب النکاح)۔

فتح القدیر کتاب النکاح ۱۸۷،۳، مکتبہ مصطفی البابی الحلبی مصر، المبسوط للسرخسی۲۱۵،۴، عقاریہ کوئٹہ، وغیرہ کتب احناف مینیہی تفصیل مذکور ہے، لہذا سب پرایک حکم لگادینا درست نہیں۔

د: بچوں کے بالغ ہونے تک کا نفقہ وسکنی والد پر ہے، اسی طرح باپ موجود نہ ہو تو دیگر اولیاء پر ڈالا گیا ہے، مطلب واضح ہے کہ بچہ بالغ ہونے تک مزدوری وغیرہ کےکاموں پر نہ لگایا جائے، یہ زمانہ اس کے تعلیم وتعلم، لعب، کھیل کود کا ہے، اسی لئے بلوغ تک نان ونفقہ وسکنی کی ذمہ داری والد وغیرہ پر ڈالی گئی ہے، ہاں بعد البلوغ وہ خود کمائی کرے گا، اور خود کفیل ہوگا، بعدہ یہ ذمہ داری دوسرے پر عائد نہ ہوگی۔

گھر کے معمولی کام جو اس کے تحمل سے باہر نہ ہو، یا ایسا کام جس سے جسمانی ودماغی ضعف کا باعث نہ ہو، ایسا کام لیا جاسکتا ہے، تفصیلات تو نظر سے نہیں گزری مگر عقلا ونقلاً یہ سمجھا جاسکتا ہے۔

(۳) نکاح اسی وقت مباح ہے، جبکہ وہ نان ونفقہ وسکنی پر قادر ہو، اگر قدرت نہ ہو تو اس سے بچنا ضروری ہوجاتا ہے، پھر بھی اگر یہ حالات بعد النکاح پیش آئے ہوں تو عقلاً ونقلاً یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ تحمل سے باہر مزدوری کی کوئی گنجائش نہیں، بہتر یہی ہے کہ ایسے گھروں کی فہرست تیار کی جائے، مسلمان لیڈر امانت دار بیت المال کا انتظام کریں، اور وہاں سے انکی ضروریات پوری کریں۔

(۴) نابالغ سے ہونے والے جرائم پر حدود قائم نہیں کی جاسکتی ہے، ہاں سد باب کے لئے تعزیر ہے، بادشاہ وقت مناسب سزا دیں، تاکہ آئندہ اس قسم کے جرائم نہ کریں۔

فتح القدیر میں ہے: ''فالعقل والبلوغ شرط لأہلیۃ العقوبۃ'' (۲۳۱،۵)۔

(د) بچوں کو جرائم سے بچانے کے لئے قرآن نے بتلایا ہے، ''قوا أنفسکم وأہلیکم ناراً''۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: والدین کی جانب سے اولاد کے لئے بہترین تحفہ ان کو ادب وحسن اخلاق کی تعلیم دینا ہے۔

''عن ابن عمر عن النبی ﷺ کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ''۔

جامع صغیر میں حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے، فرماتے ہیں:''عن أبی ہریرۃؓ قال:قال رسول اللہ ﷺ: ''حق الوالد علی ولدہ أن یحسن اسمہ ویزوجہ إذا أدرک، ویعلمہ الکتاب'' ۔

بچوں کی بچپنہ میں ہی صحیح تعلیم وتربیت کی جائے گی تو اسی فیصد جرائم کا سد باب ہوگا، جب بالغ ہوجائیں تو جلد شادی کردی جائے، حدیث میں ہے: ''تین امور میں تاخیر نہ کی جائے، نماز جب اس کا وقت ہوجائے، جنازہ جب موجود ہو، بالغ ہوتے ہی بچہ کی

شادی کردی جائے۔

حضرت ابواللیث سمرقندیؒ نے لکھا ہے کہ ایک شخص اپنے لڑکے کو لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ یہ میرا لڑکا ہے، میراکہنا نہیں مانتا، اور ہر کام میں میری نافرمانی کرتا ہے، حضرت عمرؓ نے اس کی ساری بات سن کر لڑکے سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے لڑکے! کیا تجھے پتہ نہیں کہ باپ کے حقوق بیٹے پر کیا ہیں؟ پھر آپؓ نے خود لڑکے کو بتایا کہ باپ کے حقوق اولاد پر یہ ہیں، پھر لڑکے نے پوچھا، اولاد کے حقوق بھی باپ پر ہیں؟ حضر ت عمرؓ نے جواب دیا کہ اولاد کے حقوق بھی باپ پر ہیں، لڑکے نے پھر پوچھا کہ اولاد کے حقوق باپ پرکون کون سے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا سب سے پہلے لڑکے کی ماں اچھی تلاش کرے، نیک ودیندار لڑکی کے ساتھ شادی کرلے، ہر طرح کی بھگوڑی بداخلاق بدچلن کو اپنے گھر میں لا کر کھڑی نہ کردے، دوسرا حق یہ ہے کہ پیدا ہونے کے بعد اچھا نام رکھے، تیسرا حق یہ ہے کہ بچے کو دین اور قرآن کی تعلیم دے، لڑکے نے جواب دیا، میرے باپ نے ان تینوں میں سے میرا ایک بھی حق ادا نہیں کیا ہے، سب سے پہلے جو عورت میری والد ہے وہ ایک ان پڑھ اور جاہل عورت تھی جو باندی تھی، جس کو میرے باپ نے چار سودرہم میں خریدا تھا، یعنی وہ ایک نو مسلم عورت ہے جس کو دینی تعلیم اور اسلامی آداب کے بارے میں ذرا برابر معلومات نہیں ہے، ایسی ان پڑھ اور جاہل ماں کی گود میں میرا بچپن گزرا ہے مجھے کچھ بھی دینی تعلیم نہیں دی ہے، میں کیا کروں؟ اور میرا نام بھی اچھا نہیں رکھا، میرا نام ایسا ہے جس کا مطلب ہوتا ہے ’ٹیکس ‘، تیسرا حق میرے دینی تعلیم کا تھا، جو مجھے قطعا نہیں دیا، اب آپ جو فیصلہ فرمائینگے وہ مجھے منظور ہے۔

غور کیجئے! حضرت عمرؓ جیسے عظیم شخص نے فرمایا کہ اے لڑکے کے باپ! تم نے سب سے پہلے لڑکے کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی اور نافرمانی کی ہے یعنی تم نے اس کے حقوق ادا نہیں کئے، اور مجھے آکر یہ شکایت کرتے ہو کہ لڑکا میری اطاعت نہیں کرتا، یہاں سے کھڑے ہوجاؤ، پہلے نافرمان تم ہی ہو (نزہۃ الناظرین: ۱۷۶)۔

افسوس صد افسوس آج تو فلمی ہیروئن کے نام پر اپنی لڑکیوں کے نام رکھے جاتے ہیں ریڈیو پر آنے والے عشقیہ گانوں کا شوق پیدا کیا جاتا ہے، پھر ایسے بے شرم بے حیا ماں باپ کی گودوں سے ایسی نالائق اولاد پیدا ہونگی جو اپنے گھروں سے دین ایمان اور قرآن وحدیث کے جنازے نکالینگی۔

اسلامی فلاسفہ نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں ہندو مذہب نو سو سال تک مسلمان کے زیر نگیں رہنے کے باوجود آج بھی زندہ جاوید ہے، کیونکہ ہندو عورتیں اپنے مذہب میں بڑی کٹر رہی ہیں، جس کا تجربہ خود آپ کوبھی ہوا ہوگا۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے واضح ہوجاتا ہے کہ والدین بچوں کی تربیت وتعلیم پر

نظر رکھیں، اس کے ایمان ویقین کو مضبوط بنائیں، ان میں اسلامی کلچر وتہذیب پیدا کریں، تبلیغی جماعت نے ایک مدت تک بہت عمدہ کام کیا، مگر یہ جماعت بھی بے اثر نظر آرہی ہے، پھر کوئی ایسی تحریک کی ضرورت ہے جو بڑے بوڑھوں میں اولا اسلامی کلچر وتہذیب کی خوبیاں دکھائیں اور مغربی تہذیب سے نفرت پیدا کردیں۔

نابالغ پر حدود نہیں، تعزیر ہے۔

(د): دینی اور اصلاحی جتنے ادارے ہیں محب اسلام اور اسلامی تہذیب وکلچر کو قابل فخر سمجھنے والے منتظمین طے کئے جائیں، دعوت وتبلیغ والوں نے یقینا ایک مدت تک مؤثر کردار ادا کیا، مگر آج کل وہ بھی غیر مؤثر ثابت ہورہی ہے، اسی طرح اداروں اور خانقاہوں میں مخلص افراد کوآگے بڑھایا جائے، او ران کو بھی موثر بنائیں، مزید دیگر تحریک وتدبیر پر غور فرما کر ان کو بھی بروے کار لائے کہ عوام وخواص میں اسلامی کلچر وتہذیب قابل قبول بنیں، مغربی تہذیب وکلچر سے متنفر ہوں، اسی (٨٠) فیصد مسلم اسلامی تہذیب وکلچر سے متنفر نظر آتی ہے، بلکہ اسلامی تہذیب ہی سے نابلد ہے اور مغربی تہذیب کو قابل قبول، اس پر عمل پیرا ہوکر فخر کرنے والی نظر آتی ہے، جب بڑے بوڑھوں کا یہ حال ہے تو بچوں میں اسلامی تہذیب کا تصور بہت مشکل نظر آتا ہے، محنت بڑے اور بوڑھوں پر کرنا ہے، ان میں جو باتیں ہونگی وہی بچے قبول کرینگے، بچے بڑوں کی نقل کرنے والے ہوتے ہیں، جس ماحول میں پرورش ہوگی اسی میں رنگے جائینگے۔

(ز): آجکل ہر صوبہ میندار الیتامی، بچوں کا گھر وغیرہ ادارے قائم ہیں، جہاں اچھا انتظام ہووہاں سپرد کردیں۔

(ح): شروع میں بیان ہوچکا سات سال تک بچے کی پرورش کا حق ماں کو ہے، پھر باپ کو وغیرہ تفصیلات شروع میں ہوچکی ہے، اقرباء، پڑوسی، اہل قریہ وغیرہ توجہ دیں،یہ لوگ نہ کرسکیں تو ادارے ہر قصبہ (صوبہ) میں موجود ہیں وہاں اچھی تعلیم وتربیت کا نظم ہے، انہیں سپرد کردیں۔

(ط): بالا عبارات سےاس کا جواب بھی واضح ہوجائے گا۔

اولاد کو نیک صالح بنانے کی ذمہ داری، ماں باپ پر اولا عائد ہوتی ہے، حضور ﷺ کی حدیث ہے: ‘‘عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہﷺ بروا آباءکم تبرکم أبناءکم وعفوا تعف نساءکم’’ (طبرانی بحوالہ مجمع الزوائد کتاب البر والصلۃ باب ما جاء فی البر وحق الوالدین٨،٢٥٨)۔

(حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرو، تمہاری اولاد تمہارے ساتھ نیکی کرے گی، تم پاک رہو (زنا،

وغیرہ سے دور رہو) تمہاری عورتیں پاکباز ہونگی (زنا وغیرہ سے دور رہینگی)۔

''عن عطاء بن أبی رباح أن رسول اللہﷺ قال ارحم اللہ والداً أعان ولدہ علی برہ" (سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ۱۴ ، حدیث نمبر: ۱۹۴۶)۔

(عطاء بن ابی رباح سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت اس باپ پر رحم کرے جو اپنی اولاد کو نیک کاموں کے لئے مدد کرتا ہے)۔فقط والسلام، واللہ سبحانہ اعلم۔

***

بچوں کے احکام ومسائل ۔ شرعی نقطہ نظر سے

مفتی لطیف الرحمن فلاحی•

الف: حضانت (بچوں کی پرورش، دیکھ بھال) واجب اور ضروری ہے، اس لئے کہ اس کے بغیر بچہ ضائع ہوجائے گا اور اس کو ضیاع سے بچانا لازم اور ضروری ہے، اور شریعت میں حضانت کی اولین حقدار اس کی ماں ہے جبکہ اس کے اندر حضانت کے شرائط پائے جائیں تو اس سے بچہ کو نہیں لیا جاسکتا اور ماں اور بچہ میں جدائی نہیں کی جاسکتی۔

دربار نبویﷺ میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک عورت نے شکایت کیا رسول اللہ! میرا بیٹا ہے، میرا پیٹ اس کے لئے برتن، میری چھاتی مشک اور میری گود اس کے لئے پناہ تھی، اب اس کے والد نے مجھے طلاق دیدی اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ اس کو مجھ سے چھین بھی لے، سرکاردوعالمﷺ نے ارشاد فرمایا: ''أنت أحق بہ ما لم تتزوجی'' (ابوداؤد) تجھے اس کو لینے کا زیادہ حق ہے جبکہ تو دوسرا نکاح نہ کرلے)۔

اسی طرح حضرت عمرؓ نے اپنی ایک انصاری بیوی کو طلاق دیدی اور بچہ کو لینا چاہا تو یہ واقعہ حضرت ابوبکرصدیقؓ کی خدمت میں پہنچا، آپ نے فیصلہ فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا: ''...وحجرہا وفراشہا خیر لہ منک حتییشب ویختار لنفسہ'' (نصب الرایہ۳،۳۸۸)۔ اس کی ماں کی صحبت اس کی گود اور اس کا بستر تمہارے مقابلہ میں زیادہ بہتر اور مناسب ہے یہاں تک کہ بچہ بڑا ہوجائے اور اس میں کچھ سوجھ بوجھ پیدا ہوجائے (مستفاد مختارات النوازل ۲،۱۸۷)۔

لہذایہ عقل، شرعی اور فطری فیصلہ ہے کہ بچہ کی حقدار اس کی ماں ہے جب تک اس کے اندر حضانت کے تمام شرائط پائے جائیں۔

اور اگر ماں باپ یا دونوں میں سے کسی کو بچہ حوالہ کرنے میں بچہ کی تعلیمی، تربیتی نقصان ہو تو پھر حق حضانت ختم ہوجاتا ہے، لہذا حق حضانت کے ختم ہونے کے شرائط کیا ہیں؟ جس کی بنا پر ماں یا باپ یا رشتہ دار اس بچہ کی حفاظت سے دستبردار ہوجاتے ہیں، کتب فقہ میں اس کی تفاصیل موجود ہیں، ان اسباب وشرائط کو ذکر کیا جاتا ہے تفاصیل ملاحظہ:

(۱)عاقل ہو۔

• ممبئی،مہاراشٹر۔

(٢) بالغ ہو۔
(٣)بچے کی نگہداشت اور پرورش کی صلاحیت ہو، اور اس پر قدرت ہو۔
(٤)اخلاق وعادات اچھے ہوں۔
(٥)مسلمان ہو۔
(٦)حضانت کا حق رکھنے والی عورت کی شادی کسی ایسے شخص سے نہ ہوئی ہو جو بچے کے لئے اجنبی ہو، لیکن اگر بچے کا باپ اس عورت کے شوہر کے گھر بچے کے ساتھ رہنے پر راضی ہوتو کوئی حرج نہیں، اس عورت کا حق باقی رہے گا۔
(٧)ارتداد کا ہونا، یعنی کوئی عورت مرتد ہوجائے تو اس کا چھوٹا بچہ اس سے چھین لیا جائے گا۔
(٨)کوئی مسلمان بچہ کسی غیر مسلم کے ہاتھ لگے اور وہ اس کی پرورش پر راضی بھی ہو تب بھی اس بچے کو اس کے پاس نہیں چھوڑا جائے گا اور اگر اسلامی حکومت نہ ہو تو مسلمانونکے سربرآوردہ لوگو نکو یہ ذمہ داری ہے کہ بچے کو اس غیر مسلم کے ہاتھ سے لے کر اس کے مسلمان ماں باپ تک پہنچائیں (مستفاد بچوں کے احکام ومسائل،٢٢٨۔٢٢٩)۔

اسلام میں بچوں کے حق تعلیم وتربیت کے بارے میں بنیادی ہدایات:

ب (١):

حضرت مفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ نے بہت تفصیل سے اس بارے میں ایک بہت پراثر فتوی تحریر فرمایا ہے، ہم اس فتوی کے چند اقتباسات یہاں نقل کرتے ہیں:

آپ تحریر فرماتے ہیں کہ اولاد کی تعلیم وتربیت کا مسئلہ بہت اہم ہے، اولاد والدین کے پاس بہت عظیم امانت ہوتی ہے، والدین کو ان کی تعلیم وتربیت کا بہت ہی اہتمام کرنا چاہئے۔

اولاد نیک صالح، اطاعت گزار اور فرمانبردار ہو، اس کے لئے مرد پر چند چیزیں لازم ہیں:

(١) سب سے پہلے مرد پر ضروری ہے کہ دیندار، پاکباز اور شریف عورت سے نکاح کرے۔
(٢) نکاح کے بعد حلال وطیب روزی کا خاص اہتمام کریں۔
(٣) استقرار حمل کے بعد عورت بھی خصوصاً حرام اور مشتبہ روزی سے بچے اور اپنے خیالات نہایت پاکیزہ کرے۔
(٤) اسی طرح زوجین پر لازم ہے کہ بوقت مباشرت دعاؤں کا اہتمام کریں، دعاؤں کی برکت سے بچہ شیطانی اثرات سے محفوظ ہوجاتا ہے۔
(٥) جب انزال کا وقت ہو تودل مینیہ دعا پڑھے: اللہم لا تجعل للشیطان فیما رزقتنی

نصیباً۔

(۶) بچہ کی ولادت کے بعد اسے نہلادھلا کر سیدھےکان میں اذان اور بائیں کان میںاقامت کہے۔

(۷) اس کے بعد تحنیک اور برکت کی دعا کرائیں۔

(۸) بچہ پیدا ہونے کی خوشی میں شکریہ کے طور پر نیز آفات اور امراض سے حفاظت کے لئے ساتویں دن لڑکے لئے دوبکرے اور لڑکی کے لئے ایک بکرا ذبح کیا جائے۔

(۹) بچہ کا سر منڈوا کر بال کے ہم وزن چاندی غریبوں کو صدقہ کردیں۔

(۱۰) بچہ کے سر پر زعفران لگائیں۔

(۱۱) اوراس کا اچھا نام رکھ دیں، آج کل نئے ناموں کے رکھنے کا شوق ہوتا ہے، انبیاء، صحابہ اور نیک بندوں کے نام رکھنے کا اہتمام کریں۔

(۱۲) جب بچہ سمجھدار اور بڑا ہونے لگے اور اس کی زبان کھل جائے تو سب سے پہلے اس کو کلمہ طیبہ سکھائیں، اللہ پاک کا مبارک نام اس کی زبان پر جاری کرائیں۔

(۱۳) پھر انہیں اسلامی آداب سکھلائیں، والدین کی طرف سے اپنی اولاد کو اسلامی آداب سکھلانا سب سے بہتر اور افضل عطیہ ہے۔

(۱۴) اس کے ساتھ ساتھ اپنے گھروں کو بھی اسلامی ماحول میں رنگنے کی کوشش کریں۔

(۱۵) پھر جب سات سال کی ہوجائے تو نماز کا اہتمام کرائیں اور نماز کی تاکید کرنا شروع کردیں اور دس سال کے ہوجانے اور نماز میں کوتاہی کریں تو ان کو سزا دیں اور اب بستر بھی الگ کردیں۔

(۱۶) اب بچپن ہی سے دینی تعلیم پر خاص توجہ دیں، مکاتب قرآنیہ قائم کریں، جہاں قرآن مجید کی تعلیم تجوید کے ساتھ، نیز طہارت نماز وغیرہ کے ضروری مسائل نیز عقائد صحیحہ کی تعلیم کا انتظام ہو۔

(۱۷) اس کے ساتھ ساتھ بچونکے لئے اچھی صحبت کا اہتمام اور بری صحبت سے اجتناب کی طرف بھی خصوصی توجہ دیں کہ یہ بہت ہی ضروری ہے۔

یہ چند اسلامی آداب ہیں اگر اس کا اہتمام کروالیا گیا تو اپنے گھروں میں اللہ کی رحمتیں، برکتیں نازل ہونگی اور اولاد صحیح راہ پر قائم رہے گی اور گھر میں طمانیت اور سکون پیدا ہوگا (مستفاد فتاوی رحیمیہ۳،۱۷۴-۱۷۶)۔

دینی وعصری تعلیم کی حد:

ب (۲): بچوں اور بچیوں کے لئے دینی تعلیم اور بقدر ضرورت عصری اور دنیوی تعلیم لازم اور ضروری ہے، حضرت سید مفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ بچوں کے لئے عصری

تعلیم کی فائدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ایسے اسکول قائم کرنا جس میں بقدر ضرورت انگریزی اور دنیوی علوم وفنون سکھلائے جائیں اور صنعت وحرفت کی کلاس قائم کرنا جس سے حلال روزی حاصل کرنے میں مدد مل سکے، بلاشبہ جائز اور کار خیر وموجب اجر وثواب ہے، لیکن تعلیم اور دینی مدارس کی امداد کو مقدم سمجھا جائے (فتاوی رحیمیہ۳،۱۳۰)۔

اور بچوں کے لئے بقدر ضرورت عصری تعلیم کے حصول کے بعد کالج میں داخلہ کرانے نیز ڈگریوں کے حصول کی بھی گنجائش ہے، مگر چند شرائط کے ساتھ: اولاً بچوں کو قرآن پاک کی صحیح اور باقاعدہ تعلیم، اور عقائد دینیہ کی تصحیح کا اہتمام کیا جائے، بزرگوں کی صحبت کا بھی گاہے بگاہے اہتمام رکھا جائے، اسی طرح دینی کتب کے مطالعہ کی پابندی کروائی جائے اور بچوں کے سرپرست خود بھی سنتوں کا اہتمام کرتے ہوئے بچوں کو بھی سنتوں اور اسلامی آداب کی پابندی کروائیں، ان تمام شرائط کا اگر اہتمام سرپرست کرواسکیں تو مزید تعلیم کے لئے انگریزی کالج میں داخلہ کروانے کی گنجائش ہے، ورنہ کنارہ کشی میں اپنی اولاد کی عافیت ہے ، ہرگز داخلہ کی اجازت نہیں ہے۔

اور بچیوں کو بقدر ضرورت دنیوی تعلیم کے حصول کے بعد مزید اونچی تعلیم دلوانے کی غرض سے کالج میں داخل کروانا اور ڈگریاں حاصل کروانے کی اجازت نہیں ہے۔

حضرت مفتی لاجپوریؒ اپنے ایک فتوی میں فرماتے ہیں: بچیاں انگریزی میں نام وپتہ لکھ سکے اتنا سیکھنے میں مضائقہ نہیں، لیکن لڑکیوں کو اسکول اور کالج میں داخل کرکے اونچی تعلیم دلانا اور ڈگریاں حاصل کرنا جائز نہیں ہے کہ اس میں نفع سے نقصان کہیں زیادہ ہے، تجربہ بتلاتا ہے کہ انگلش تعلیم اور کالج کے ماحول سے اسلامی عقائد واخلاق بگڑ جاتے ہیں، آزادی، بے حیائی، بے شرمی بڑھ جاتی ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا ارشاد ہے کہ اگر انگریزی تعلیم کا یہی اثر ہے جو عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ نصرانیت کے رنگ میں رنگ جائینیا حکومت وقت کی پرستش کرنے لگیں تو ایسی تعلیم سے ایک مسلمان کے لئے جاہل رہنا ہی اچھا ہے (فتاوی رحیمیہ۳،۱۲۴)۔

مرحوم سرسید احمد جو انگلش کے بڑے حامی تھے تجربہ نے یہ کہنے پر مجبور کردیا کہ ‘‘لڑکیوں کے اسکول بھی قائم کئے گئے جن کے ناگوار طرز نے یقین دلایا کہ عورتوں کو بدچلن اور بے پردہ کرنے کے لئے یہ طریقہ نکالا گیا ہے (اسباب بغاوت ہند بحوالہ فتاوی رحیمیہ۳،۱۲۸)۔

لیکن ان مذکورہ خطرات اور مفاسد سے حفاظت کرتے ہوئے اور لڑکیوں کے سرپرست اپنی لڑکیوں کی پورے شرعی پردے کی رعایت کرتے ہوئے اپنی بچیوں کو میڈیکل سائنس کی تعلیمیا ہومیوپیتھک ڈاکٹر اس غرض سے بناتے ہیں کہ اپنے فن کا

استعمال عورتوں کی خدمت کے لئے کرینگی تو گنجائش ہوسکتی ہے، بشرطیکہ تمام احکام کی رعایت اور پابندی کرسکے اور اس کے باوجود بھییہ مشورہ عمومی طور پر کسی بھی سرپرست کو نہیں دیا جائے گا۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم عورتوں کو میڈیکل اور ہوم اکنامکسکی تعلیم دلانے کے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

خواتین اگر میڈیکل سائنس یا ہوم اکنامکس کی تعلیم اس غرض سے حاصل کریں کہ ان علوم کو شرعی طریقے پر عورتوں کی خدمت کے لئے استعمال کرینگی تو ان علوم کی تحصیل میں بذاتہ کوئی حرمت وکراہت نہیں، بشرطیکہ ان علوم کی تحصیل میں اور تحصیل کے بعد ان کے استعمال میں پردے اور دیگر احکام شریعت کی پوری رعایت رکھی جائے، اگر کوئی خاتون ان تمام احکام کی رعایت کرتے ہوئے یہ علوم حاصل کریں تو کوئی کراہت نہیں، لیکن چونکہ آج کل ان میں سے بیشتر علوم کی تحصیل میں احکام شریعت کی پابندی عنقا جیسی ہے اس لئے اس کا عام مشورہ نہیں دیاجاسکتا (فتاوی عثمانی۱،۱۶۳)۔

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے مایہ ناز شاگرد اپنی آخری تصنیف ''جواہر الحکم '' میں ایک حدیث کی شرح فرماتے ہوئے تعلیم وتربیت نسواں کا صحیح مفہوم پیش کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں: میرے ناقص اندازے کے مطابق متوسط طبقہ کیخواتین کو ہومیوپتھک ڈاکٹری کی تعلیم دی جانی ضروری ہے، تاکہ اپنے گھر کے بچوں کا معمولی علاج وہ خود کرلیں اور معمولی معمولی بیماریوں میں ڈاکٹروں کی بڑی بڑی فیس اور گراں ادویات کی قیمتوں کا بار اٹھانے سے بچ جائیں (۳،۲۳۲)۔

لازمی تعلیم کا مسئلہ:

ب (۳): اگر سرکار کسی سطح تک تعلیم کو لازم قرار دے تو بقدر ضرورت تو سرکارکی طرف سے تعلیم کی پابندی ضروری ہے، بشرطیکہ سرکار کا نصاب تعلیم اسلام کے بنیادی عقائد کے خلاف نہ ہو، ورنہ ایسے مضامین کی تعلیم دینے کی اور بقدر ضرورت بھی پڑھنے پڑھانے کی گنجائش نہیں ہوگی۔

جنسی تعلیم اور اسلامی ہدایات:

ب (۴): ہرگز نہیں، اتنی کم عمری میں جنسیات کی تعلیم ہی نے مغربی ممالک میں بدکاری کا تناسب بڑھا دیا جس کی وجہ سے بلوغ کے ساتھ ہی حمل اور اسقاط حمل کے واقعات کثرت سے ہورہے ہیں، بین الاقوامی ماہرین صحت کی رپورٹ ۱۹۹۷ء کے مطابق دنیا میں ہر سال ۱۶،کروڑ تیس لاکھ افراد جنسی امراض میں مبتلا ہوجاتے ہیں،یہ ابتداء عمر ہی سے جنسیات کی تعلیم کی سوغات ہے، وہاں کے اسکولوں میں پرائمری کے مرحلہ سے ہی بچوں اور بچیوں کو یہ تعلیم دی جاتی ہے اور اسکولوں میں باضابطہ مانع حمل اسباب

کی سہولت فراہم کی جاتی ہے۔

اس بارے میں اسلام کی ہدایتیہ ہے کہ سب سے پہلے اسلام برائی کو روکنے کا قائل ہے، نہ کہ برائی کو محفوظ طریقہ پر رواج دینے کا، اس لئے جنسیات کی تعلیم سے زیادہ اہم اخلاقیات کی تعلیم ہے، ہونا یہ چاہئے کہ ابتدائی جماعتوں سے لے کر میٹرک تک ایک مضمون اخلاقیات کا شامل نصاب کیا جائے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ اسلام ایسی تمام باتوں سے منع کرتا ہے جو برائی کی طرف لے جانے والی ہیں، خواہ وہ تعلیم کےنام پر ہوں، اس لئے نابالغوں کو جنسی اعضاء کا وظیفہ سمجھانا، اور جنسی اتصال کا محفوظ طریقہ سمجھانا کسی بھی طرح مناسب نہیں، کہ اس سے مزید برائی کی تحریک پیدا ہوتی ہے، اور یہ علاج کے بجائے بیماری ثابت ہوتی ہے (مستفاد شمع فروزاں ۲،۱۱۴)۔

نکاح کے بارے میں بچوں اور بچیوں کے حقوق:

ج: واقعی ہمارے سماج میں اس بارے میں افراط وتفریط پائی جاتی ہے، ملک کے بہت سے علاقوں میں بچپن میں ہی شادی کرانے کا رواج ہے، لیکن اسلام میں صرف اس کی اجازت ضرور ہے ترغیب نہیں (ماں عائشہ ؓ کا نکاح کم عمری میں ہونا اس کی واضح دلیل ہے)، بلکہ بہتر اور پسندیدہ اسی کو قرار دیا گیا ہے کہ بالغ ہونے کے بعد بچوں کی شادی کریں، امام نووی لکھتے ہیں: مستحب اور پسندیدہیہ ہےکہ باپ اور دادا کنواری لڑکی کی شادی اس وقت تک نہ کریں جب تک وہ بالغ نہ ہو اور تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس کی ناپسندیدگی کے ساتھ اس کی شادی کے جال میں پھنسا دیاجائے (مستفاد بچوں کے احکام ومسائل ۳۸۸۔۳۸۹)۔

اورہمارے سماج میں بعض مرتبہ سرپرست غیر معمولی تاخیر بھی کرتے ہیں،یہ بھی کسی طرح مناسب نہیں، اس بارے میں حضرت حکیم الامت تحریر فرماتے ہیں: بعض ناعاقبت اندیش کنواری لڑکیوں کو بالغ ہوجانے کے بعد بھی کئی سال تک بٹھلائے رکھتےہیں، اور محض ناموری کے سامان کے انتظار میں ان کی شادی نہیں کرتے، حتی کہ بعض کی عمریں تیس تیس اور چالیس چالیس برس کی پہنچ جاتی ہے، حدیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے کہ اگر اس صورت میں عورت سے کوئی لغزش ہوگئی تو وہ گناہ اس کے ولی پر بھی لکھا جاتا ہے (اسلامی شادی،۱۱۵)۔

اوربچپن اورکم عمری میں نکاح کردینے کی خرابی واضح کرتے ہوئےآپ تحریر فرماتے ہیں:

آج کل قوی بہت ضعیف ہے، اعضاء میں مکمل پختگی نہیں ہوپاتی کہ شادی کردیتے ہیں، جس کی وجہ سے کم عمری ہی میں اعضاء ڈھل جاتے ہیں اور ضعیف ہوجاتے ہیں، پچھلے زمانہ میں لوگ بڑے قوی ہوتے تھے، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کی شادی

سن نمو کے ختم ہونے کے بعد ہوتی تھی۔

دوسری خرابیہ ہے کہ کم عمری میں شادی کرنے سے مناکحین (لڑکا لڑکی) کو کچھ تمیز بھی نہیں ہوتی کہ نکاح کیا چیز ہے اور اس کے حقوق کیا ہیں؟ اور جب معلوم ہی نہیں ہوتا تو ایک دوسرے کے حقوق پامال ہونے لگتے ہیں۔

بس اس بارے میں اعتدالی راہ یہ ہے کہ نہ بہت دیر کرے نہ جلدی، بلوغ کے بعد اور درستگی عقل اور اعضاء کی پختگی کے بعد نکاح کرایا جائے، حضرت فاطمہؓ کی عمر شادی کے وقت ساڑھے پندرہ سال اور حضرت علیؓ کی عمر اکیس سال کی تھی (مستفاد اسلامی شادی۱۲۰، ۱۲۱)۔

بچہ مزدوری کے بارے میں اسلام کا موقف:

د (۱): اس بارے میں رسول اللہﷺ نے تلقین فرمائی ہے کہ کم عمر بچوں کو کسب معاش کا مکلف نہ کرو، اس سے یہ ہوگا کہ اگر کمانہ سکینگے تو چوری کرینگے، ارشاد فرمایا: ''لا تکلفوا الصغیر الکسب فإنہ إذا لم یجد سرق'' (مؤطا امام مالک بحوالہ راہ عمل۳،۶۶)۔

کم عمری میں بچوں کا کسب زر کا ذریعہ بنانا اور تعلیم وتربیت سے محروم رکھنا یہ بڑی بے رحمی اور بدخواہی ہے،کیوں کہ یہ ہمیشہ کے لئے ان کو معاشی، اخلاقی، اور فکری اعتبا رسے پسماندہ اور محروم رکھنے کے مترادف ہے۔

نابالغ بچے اور گھریلو کام:

د (۲): ان کی تعلیم کا پورا خیال رکھتے ہوئے اگر بطور تربیت کے گھریلو ہلکا پھلکا کام خصوصاً چھوٹی بچیوں سے لے لیا جائے تو گنجائش ہے، بشرطیکہ ان کی صحت اور نشو ونما متاثر نہ ہو۔

اور معاشی ضروریات پورا کرنے یا اسے بہتر بنانے کے لئے مزدوری پر لگانے کی ہر گز اجازت نہیں، اس لئے کہ اس پر اجماع ہے کہ بچو نکا خرچ اور ضروریات کا مہیا کرنا باپ کے ذمہ ہے، مسلم شریف کی روایت ہے کہ ایک شخص نے پیسے لاکر حضورﷺ کے سامنے رکھ دیئے، آپﷺ نے فرمایا: اپنی ذات سے آغاز کرو، اگر بچ جائے تو بیوی بچوں پر خرچ کرو، اگر اس سے بھی بچ جائے تو دوسرے رشتہ داروں پر اور اگر اس سے بھی بچ جائے تو تم جہاں مناسب سمجھو، معلوم ہوا کہ باپ اپنے بچوں کے خرچ اٹھانے کا ذمہ دار ہے۔

اور اگر باپ خود محتاج ہے یا بیمار ہے تو احناف کے نزدیک بچہ کانفقہ اس کے اصول میں سے جتنا موجود ہے اس پر واجب ہوگا، خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ ان کے پاس گنجائش ہو، لہذا مزدور پر لگانے کی اجازت نہ ہوگی (مستفاد بچوں کے احکام ومسائل

۲۴۱،۲۴۲)۔

نیز انہیں پیشہ ورانہ کام سکھانے مینیہ تفصیل ملحوظ رکھنی ہوگی کہ اولاً ضروری اور فرض عین تعلیم کے حصول سے پہلے اس کی بھی اجازت نہیں، البتہ اس کے حصول کے بعد مزید تعلیم میں محنت نہیں کرپا رہا ہو یاجی چراتا ہو تو پھر اس فن یا ہنر جو اس کے لئے اوراس کی صحت کے قابل ہو اس میں مصروف رکھنا اور سکھانا بہتر ہوگا، تاکہ مستقبل میں اپنی معاشی ضروریات کا خود کفیل بن سکیں۔

بچہ مزدوری اور اسلامی ہدایات:

د (۳): ماں باپ اگر بدحال ہیں اور غربت میں مجبور ہیں تو باپ کے بعد دادا اس کی کفالت اختیار کرے گا اور اگر یہ تینوں مجبور ہیں تو دوسرے رشتہ دار ذمہ دار ہونگے اور جس کا رشتہ سب سے قریبی ہوگا اس پر اس بچہ کا نفقہ واجب ہوگا اور اگر ایک درجہ کا قریبی رشتہ دار کئی ہوں تو سب کے ذمہ برابر برابر بچے کا نفقہ لازم ہوگا (یعنی پھر بھی مزدوری کی اجازت نہیں ہوگی) (بچوں کے احکام ومسائل، ص: ۲۴۳)۔

اور اگر مذکورہ اولیاء رشتہ دار موجود نہ ہوں یا اس قابل نہ ہوں تو ایسے موقع پر حکومت ذمہ دار ہے کہ وہ ایسے بے سہارا گھرانوں کی اقل ترین ضروریات پوری کرے اور حکومت ایسے غریب گھرانوں کی کفالت کا مناسب انتظام کرے۔

اور آج حکومت بھی اس سے سخت غفلت کا شکار ہے تو جو دوکاندار اور کارخانہ دار کم عمر بچوں کی خدمت سے فائدہ اٹھاتے ہیں تو انہیں بھی چاہئے کہ قوم کے ان نونہالوں کے حقو ق محسوس کرے، اول تو ان سے وہی کام لیں اوراتنا ہی لیں جو ان کے قابل برداشت ہو، دوسرے ان سے کام لینے کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیم وتربیت کا بھی انتظام کردیں تاکہ ان کا مستقبل سنور سکیں (مستفاد راہ عمل ۶۸،۳)۔

نابالغ بچے اور جرائم:

ہ: اسلام ایک دین فطرت اور دین رحمت ہے، کتب فقہ میں مارنے کے اصول وضوابط اور حدود کی تفصیلیوں ملتی ہے، عام حالات میں تو تین چھڑی سے زیادہ نہ مارا جائے، لیکن اگر بچہ جو تقریبا دس سال کا ہوچکا ہے او راس نے ایسے جرم کا ارتکاب کیا مثلاً قتل، چوری زنا وغیرہ تو پھر اس بارے میں شرعی تادیبیہ ہے کہ دس چھڑییا دس کوڑے مارنے کی اجازت ہے، اس سے زیادہ نہیں، حدیث میں ہے: حد کے علاوہ کسی اور غلطی پر دس کوڑے سے زیادہ نہیں مارنا چاہئے، ‘‘لایجلد فوق عشر جلدات إلا فی حد من حدود اللہ’’ (بخاری)۔

لیکن اس سزا دینے کا طریقہ بھی متعین ہے، اور یہ سزا ایسی نہ ہو جو ‘‘ضرب مبرح’’ میں داخل ہوجائے اور اس کی تفصیل جو کتب فقہ میں ملتی ہے وہ یہ ہے:

(۱) چہرہ پر مارنے سے پرہیز کیا جائے، رسول اللہ ﷺ نے جانور کوبھی چہرہ

پر مارنے سے منع فرمایا ہے (کنز العمال)۔

(۲) جسم کے نازک حصہ جیسے پیٹ، سینہ، وغیرہ پر نہ مارا جائے۔

(۳) مسلسل ایک ہی مقام پر نہ مارا جائے بلکہ جسم کے مختلف حصوں پر مارا جائے۔

(۴) اس طرح نہ مارے کہ جسم کی ہڈی پھٹ جائے، یا ٹوٹ جائےیا مار کا نشان جسم پر نمایاں ہوجائے۔

(۵) لٹا کر، بیڑی ڈال کر یا کپڑے اتار کر مارنا جائز نہیں، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس امت میں لٹا کر بیڑی ڈال کر اور کپڑے اتار کر مارنا نہیں۔

(۶) سر پر اور نازک اعضاء جس سے جان کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے، جیسےشرمگاہ اس پر بھی مارنا جائز نہیں۔

بہت مجبوری میں شرعی سزا دینے کی بہ ترتیب اسلام کی جانب سے ملتی ہے، آج حکومت کی جیلوں کو بھی اسلام کی شرعی سزا کا یہ طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے (مستفاد راہ عمل ۲۶۳،۲۶۲،۵، بچوں کے احکام ومسائل ۳۳۹)۔

بچوں کی جیلیں:

و: آج حکومت کی جیلوں میں مجرم بچوں کے ساتھ سرزنش کا جو ناروا سلوک کیاجارہا ہے اس کی ہرگز اسلام میں اجازت نہیں، مذکورہ سزا کا طریقہ اختیار کریں، نیز ان مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے بچوں کی اصلاح اور تادیب کے لئے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ ایسے ماہر نفسیات اور شفیق اساتذہ کا انتخاب کریں او رایسے مشفق اساتذہ کے اوقات کو ان بچوں کے لئے متعین کریں، پھر یہ اساتذہ، روزانہ کم ازکم دوگھنٹہ ان بچوں کو اپنی صحبت میں رکھ کر ان کی تعلیم وتربیت کریں، تو بہت جلد جیل کی فضا ہموار ہوسکتی ہے اور آئندہ ان بچوں کا مستقبل سنور سکتا ہے۔

ارباب حکومت کییہ ذمہ داری ہے، جس سے حکومت سخت غافل ہے۔

بے سہارا بچے اور ان کی تعلیم وتربیت:

ز: شریعت اسلامی میں ان تمام بچوں کا حکم ‘‘یتیم ’’ کا ہوگا، اور حکومت کے ذمہ ضروری ہے کہ مستقل یتیم خانے قائم کریں اور اس طرح کے بچوں کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کریں اور ان کی فکر کریں، اسی طرح مسلمان معاشرہ کی بھی ذمہ داری ہے کہ یتیم کے سلسلہ میں حضورﷺ نے جو تاکیدات اور فضائل ارشاد فرمائے ہیں اسکو پیش نظر رکھیں اور یتیموں کے لئے ہر علاقہ میں،یتیم خانے قائم کرکے ان میں تعلیم وتربیت کا معقول انتظام کریں، نیز بالغ ہونے کے بعد ان کی ازدواجی زندگی کی بھی فکر کریں اور شادی بیاہ کا بھی مناسب انتظام کریں۔

حضرت ابوبکر بن حفص کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر اس دسترخوان پر

کھانا نہیں کھاتے جس پر کوئی بچہ نہ ہوتا (الادب المفرد) (بحوالہ ارشادات نبویﷺ کی روشنی میں نظام معاشرت ۱۰،۱)۔

ایک اور حدیث میں حضورﷺ کا ارشاد ہے: ہم اور یتیم کی پرورش کرنے والے اس طرح دو انگلیوں کے برابر ہونگے، دکھلا کر فرمایا کہ اس طرح جنت میں ہم ایک دوسرے کے ساتھ ہونگے (حوالہ بالا)۔

بچونکی اسمگلنگ :

ح: گارجین کا بچہ کو حوالہ کرنا او راس سے بے تعلق ہوجانا اور اس پر حوالہ کرنے والے کی جانب سے ہدیہ قبول کرنا، یہ درحقیقت اپنے بچوں کو فروخت کرنے کی ایک جدید شکل ہے اور اس پر ہدیہ قبول کرنا رشوت کے حکم میں ہے، ہرگز شریعت اسلامی میں اس کی اجازت نہیں،حد سے بڑھے ہوئے افلاس کے باوجود اس طرح کا عمل پوری انسانیت کی توہین ہے، اس طرح رفتہ رفتہ ہر غریب کے بچے ''بکری کا مال '' بن جائینگے، جس طرح ماں باپ اپنے کسی عضو کے مالک نہیں اسی طرح یہ ماں باپ اپنے بچوں کے بھی مالک نہیں او رجس طرح قیمتاً کسی کو نہیں دے سکتے، اسی طرح اس کو دے کر اس پر ہدیہ کے طور پر کوئی قیمت بھی قبول نہیں کرسکتے، ہاں اگر کوئی شریف فیملییونہی بلامعاوضہ کسی غریب بچہ کو اس کے ماں باپ سے مانگ کر ''لے پالک '' بنالے تو اس کی اجازت ہوگی۔

فتاوی قاضی خاں میں ہے:

''مضطر لم یجد شیئاً وخاف الہلاک فقال لہ رجل اقطع یدی وکلہا أو قال اقطع منی قطعۃ فکلہا لا یسعہ أن یفعل ذلک ولا یصح أمرہ بہ کما لا یصح للمضطر أن یقطع قطعۃ من لحم نفسہ فیأکل،یعنی کوئی شخص حالت اضطرار میں ہے اور بھوک کی وجہ سے اس کو اپنی جان کی ہلاکت کا اندیشہ ہے اور مردار جانور تک نہیں ہے کہ اس کا گوشت کھا کر اپنی جان بچائے، اس حالت میں کسی شخص نے پیش کش کی کہ تم میرا ہاتھ کاٹ کر کھالو تو اس مضطر کے لئے اس شخص کا ہاتھ کاٹ کر کھانا جائز نہیں اور کسی شخص کو اس طرح پیش کش کرنا بھی صحیح نہیں، اس لئے کہ خود وہ اپنے ہاتھ یا اپنے بدن کے گوشت پوست کا مالک نہیں (فتاوی قاضی خاں ص: ۳۶۵، بحوالہ فتاوی رحیمیہ۱۰،۱۷۰)۔

فتح القدیر مینیہ عبارت اور وضاحت سے آئی ہے: ''ولا یجوز بیع شعور الإنسان ولا الانتفاع بہا لأن الآدمی مکرم لا متبذل فلا یجوز أن یکون شیئی من أجزائہ مہانا ومبتذلاً'' (بحوالہ فتاوی محمودیہ۱۸،۳۴۵)۔

اس بارے میں حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اس طرح کے ماں باپ کی اولاد کا اپنی طرف سے اتنا وظیفہ مقرر کریں کہ عافیت سے اس طرح کے بچوں کی پرورش ہوسکیں،

حضرت عمرؓ کے دور امارت میں جب فراخی آئی تو ولادت کے ساتھ ہی ہربچہ کا وظیفہ سو درہم مقرر کردیاجاتا، آج حکومت کے ذمہ داروں کو یہ اسلامی ہدایت اپنانے کی ضرورت ہے جس کی وجہ سے بآسانی اس طرح کے بچوں کی پرورش ہوسکتی ہے، پھر نہ مجبور ماں باپ اپنے بچوں کو فروخت کرینگے اور نہ ہی غریب ماں کوڑے کرکٹ کے پاس اپنے بچہ کو خاموشی کے ساتھ ڈال کر چلی جائے گی، لیکن ہائے افسوس! انکم ٹیکس کی جمع شدہ رقمیں اور اسکا اکثر حصہ ارباب حکومت کے دادعیش میں خرچ ہوجاتا ہے اور حکومت جان بوجھ کر اپنی آنکھیں بند کرلیتی ہے۔

معذور بچوں کی نگہداشت کا مسئلہ:

ط: علاج سنت ہے واجب نہیں، نیز دوا کا اختیار کرنا یہ سبب ہے، اصل شفا اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے، بس اپنی قدرت کے بقدر علاج کراسکتے ہیں، اگر علاج کے گراں ہونے کی وجہ سے ان کی قدرت سے باہر ہوجائے او رعلاج کرانا چھوڑ دے تو گنہگار نہیں ہے نیز ان کو مستقل اسپتال میں داخل کرکے ان کی دیکھ ریکھ سے غفلت برتنے کی اجازت نہیں ہوگی، دماغی اسپتال میں داخل کرکے ماں باپ کی ذمہ داری ہوگی اپنی مصروفیتوں کے باوجود مستقل ان کی نگہداشت کریں، البتہ علاج کرانے میں اہمال سے کام لیا گیا تو حرج نہیں، فتاوی عالمگیری میں ہے:

''الاشتغال بالتداوی لا بأس بہ إذا اعتقد أن الشافی ہو اللہ تعالی وأنہ الدواء سبباً، والرجل إذا استطلق بطنہ أو رمدت عیناہ فلم یعالج حتی أضعفہ ذلک ومات منہ لا إثم علیہ'' (۵؍۳۵۴-۳۵۵)۔

***

اسلام میں بچوں کے حقوق واحکام

مولانا عبداللہ بن حافظ خالد لونا واڑا•

حق حضانت :

فقہ کی اصطلاح میں نابالغ لڑکے یا نابالغ لڑکی، یا کم عقل بالغ لڑکے اور لڑکی جن میں تمیز کی صلاحیت نہ ہو،کی پرورش،ان کی مصلحتوں کی نگرانی،موذی اور مضر چیزوں سے حفاظت اور ایسی جسمانی،نفسیاتی اور عقلی تربیت کے وہ مقتضیات زندگی کی تکمیل کرسکے اور اپنے فرائض ادا کرنے کا اہل ہوجائے، ''حضانت''ہے (قاموس الفقہ۳،۲۶۲)۔

پرورش کے اولین حقدار :

شریعت مطہرہ نے بچہ کی ضروریات اور مفاد کو دیکھتے ہوئے اس کا اولین حقدار عورتوں کو بنایا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی نے عورتوں کے اندر طبعی رفق اور بچوں کی ضروریات کو زیادہ سمجھنے کی صلاحیت رکھی ہے(بدائع۵،۲۲۵۴)۔

عورتوں میں سب سے پہلے پرورش کا حق ماں کی ممتا اور اس کے جذبات مادری کی رعایت کرتے ہوئے ماں کو دیا گیا ہے، ماں کی عدم موجودگی ،یا حضانت کی حقدار نہ ہونے کی وجہ سے حق حضانت حسب ذیل ترتیب کے ساتھ بچہ کے ان رشتہ داروں کو حاصل ہوگا:

نانی،دادی،حقیقی بہن،اخیافی بہن،علاتی بہن،حقیقی بھانجی،اخیافی بھانجی،حقیقی خالہ،اخیافی خالہ،علاتی خالہ، علاتی بھانجی، حقیقی بھتیجی،اخیافی بھتیجی،علاتی بھتیجی،حقیقی پھوپھی،علاتی پھوپھی (رد المحتار ۲،۲۶۲، قدوری۴۱۵، ۴۱۶، فتاوی تاتارخانیہ۴،۳۲۶ وغیرہ)۔

اگر مندرجہ بالا خواتین میں سے کوئی خاتون نہ ہو یا حضانت کے اہل نہ ہوتو حق حضانت عصبہ کی طرف منتقل ہوگا۔

علامہ شامی لکھتے ہے :

''ثم العصبات بترتیب الإرث'' (شامی۵،۲۶۳) ۔

اگر ایک درجہ کے دو شخص مستحق حضانت موجود ہو تو جو زیادہ بہتر تربیت کی صلاحیت رکھتا ہو ،پھر زیادہ پرہیزگارہو،پھر زیادہ عمر والے کو ترجیح دی جائے گی (بدائع الصنائع ۵،۲۲۵۹، رد المحتار ۵،۲۶۵)۔

• مدرسہ عربیہ تعلیم المسلمین ،لوناواڑہ، مہی ساگر، گجرات۔

حق حضانت کے شرائط:

*...حق حضانت انہی کو حاصل ہوگا جو عاقل بالغ ہو اور بچہ کی جسمانی اور اخلاقی تربیت کی صلاحیت رکھتا ہو اور قابل اعتماد ہو۔

*...عورت کے مستحق حضانت ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کی منکوحہ نہ ہو جو اس بچہ کے لئے غیر ذی رحم محرم ہو، اس لئے اگر وہ عورت مستحق حضانت بچہ کے چچا یا بھتیجے سے نکاح کرے تو حق حضانت ثابت نہیں ہوگا ۔

*...بچی کے حق میں مردوں کے مستحق حضانت ہونے کے لئے ان کا ذی رحم محرم ہونا شرط ہے، اسی طرح بچہ کے حق میں عورتوں کے مستحق حضانت ہونے کے لئے بھی ان کا ذی رحم محرم ہونا شرط ہے۔

*...پرورش کرنے والی عورت اگر فاسقہ ،بدکار اور فاحشہ ہو جس کی پرورش میں رہ کر بچہ کی تعلیمی ،تربیتی،یا نفسیاتی پہلو سے بچہ کے لئے مضرت کااندیشہ ہو تو اس کا بھی حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔

*...اسی طرح عورت ایسی بیماری میں مبتلا ہو جس سے بچہ کو کسی قسم کی مضرت کا اندیشہ ہو جیسے جنون وغیرہ، اس سے بھی حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔

*...اگر بچہ کی مطلقہ ماں کسی ایسے دور دراز علاقے میں چلی جائے جہاں باپ کے لئے بچہ سے ملنا وقتاً فوقتاً دشوار ہو تو بھی حق حضانت ساقط ہو جائے گا (رد المحتار ۲۶۶٫۵، ہندیہ۱٫۵۴۱، ۵۴۲، البحر ۲۸۲٫۴، ۲۸۳)۔

عورت بچہ کے غیر ذی رحم محرم سے نکاح کر لے، بچہ کی پرورش پر اجرت طلب کرے جبکہ بچہ کے ذی رحم محارم میں سے کوئی دوسری عورت بغیر اجرت پرورش پر راضی ہو،کسب وغیرہ کی وجہ سے بکثرت باہر نکلتی ہو جس سے بچہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو،ایسے فسق و فجور میں مبتلا ہو کہ اس سے بچہ کے ضیاع کا خطرہ ہو(احسن الفتاوی۴۵۹٫۵)۔

اسی طرح فتاوی عبد الحی میں ہے :

ماں اگر مرتد ہو جائے یا زنا،غنا،سرقہ،نوحہ اور ماتم وغیرہ کرنے کی وجہ سے فاجرہ ہو جائے یا بچہ کو گھر میں تنہا چھوڑ کر اکثر اوقات باہر رہے یا اس چھوٹی بچی کے غیر محرم کے ساتھ شادی کر لے ان تمام صورتوں میں اس کی تربیت کا حق نہ رہے گا(فتا وی عبدالحی: ۲۴۸)۔

اگر کسی مانع کے پیش آنے کی وجہ سے حق حضانت ساقط ہو جائے اور وہ مانع دور ہو جائے تو پھر حق حضانت لوٹ آئے گا (البحر الرائق ۲۸۵٫۴، رد المحتار)۔

حق پرورش کی مدت:

ماں اور دادی، نانی کو اس وقت تک لڑکوں کی پرورش کا حق حاصل ہوگا جب تک

خود ان میں کھانے پینے ،استنجا ء کرنے اور کپڑا پہننے وغیرہ کی صلاحیت پیدا ہو جائے،فقہاء نے اس مدت کا اندازہ سات سال سے کیا ہے،اسی سات سال والے قول پر فتوی ہے، اس کے بعد چونکہ لڑکوں کو تہذیب و ثقافت اور آداب و اخلاق کی ضرورت ہے اس لئے بچے باپ کے حوالہ کر دئے جائینگے، لڑکیاں ہوں تو بالغ ہونے کے بعد باپ کے حوالہ کردی جائینگی (فتاوی ہندیہ۵۴۳،۱، البحر الرائق ۲۸۷،۴، بدائع الصنائع ۲۲۵۷،۵ وغیرہ)۔

مفتی عبد الرحیم صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

صورت مسئولہ میں اگر ماں بچہ کی پرورش کے لئے تیار ہو تو پرورش کا سب سے پہلا حق ماں کا ہے،باپ زبردستی بچہ کو اس کے پاس سے چھین نہیں سکتا،اس کی میعاد فقہاء نے لڑکے کے لئے سات سال اور لڑکی کے لئے نو سال اور زیادہ سے زیادہ حیض آنے تک مقرر کی ہے (فتاوی رحیمیہ۶۸،۵)۔

تعلیم و تربیت کی ذمہ داری:

اسلام میں تعلیم کی بڑی اہمیت ہے، اس کا اندازہ اس سے لگا یا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم میں سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی اس میں تعلیم کا حکم دیا گیا:

''اقرا باسم ربک الذی خلق''(سورہ العلق)، دوسری جگہ ارشاد ہے:''و قل رب زدنی علماً''(طٰہٰ)۔

حدیث شریف میں بھی تعلیم کی بڑی تاکید کی گئی ہے، بلکہ ہر مسلمان مرد وعورت پر تعلیم کو لازم قرار دیا ہے، چنانچہ نبی کریمﷺ فرماتے ہیں:

''طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم'' (بخاری شریف: ۵۰۳۵) (یعنی علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے)۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

''من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتییرجع''(ترمذی) (یعنی جو شخص علم کی طلب کے لئے نکلتا ہے وہ اللہ کے راستہ میں ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ جائے)۔

اسی طرح کی بہت سی قرآنی آیات اور احادیث نبویہ ہیں جس میں تعلیم کی ترغیب اور تعلیم حاصل کرنے والوں کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

والدین کی ذمہ داری:

تعلیم کی اسی اہمیت کے پیش نظر اسلام میں ہر باپ کا فریضہ بتایا گیا ہے کہ اپنے بچہ کی اچھی تعلیم و تربیت کا انتظام کرے، چنانچہ نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک باپ کا اپنے بچہ کے لئے سب سے بہترین ہدیہ اور تحفہ بہترین تعلیم وتربیت ہے:''ما نحل والد ولداً من نحل أفضل من أدب حسن''(ترمذی: ۱۹۵۲)۔

ایک اور حدیث میں نبی کریمﷺ نے لڑکیوں کی اچھی تعلیم وتربیت کرنے والے باپ کے لئے جنت کی بشارت سنائی۔

''ابو سعیدخدریؓ سے روایت ہے ،وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:جس کے پاس تین لڑکیاں ہوں اس نے ان کی اچھی تربیت کی، پھر ان کی شادی کرادی اور ان کے ساتھ اچھا معاملہ رکھا ،تو ایسے شخص کے لئے جنت کی بشارت ہے '' (سنن ابی داؤد: ۵۱۴۷)۔

مذکورہ بالا روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں کس درجہ تعلیم کی اہمیت دی گئی ہے، اس لئے والدین اور سرپرستوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنے بچوں اور ماتحتوں کو اچھی سے اچھی تعلیم دلائیں اور ان کی بہترین تربیت فرمائیں۔

اسلام میں جس بنیادی تعلیم کو ہر ایک کے لئے ضروری قرار دیا ہے وہ دین کا علم ہے جس سے انسان کے لئے مذہب پر چلنا آسان ہو جاتا ہے، اس کے اندر اخلاقی قدریں پروان چڑھتی ہیں، اسی طرح والدین کے لئے ضروری ہے کہ اپنی اولاد کو عصری علوم سے بھی آراستہ کریں، اس لئے کہ شریعت مطہرہ میں اس کی بھی بڑی اہمیت ہے (دیکھئے: احیاء علوم الدین۱،۲۳، رد المحتار ۱،۱۲۶ وغیرہ)۔

اس کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ مسلمانوں کو دنیا میں نیابت اور خلافت کے فرائض انجام دینے ہیں اور خلافت و نیابت کے فریضہ کی ادائیگی اسی وقت ہو سکتی ہے جب دین کے علم کے ساتھ دنیا کا علم بھی حاصل کریں۔

لیکن ان علوم کو حاصل کرتے وقت ضروری ہے کہ کوئی خلاف شرع چیز کا ارتکاب نہ کرنا پڑے جیسے مخلوط تعلیم وغیرہ۔

حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: خواتین اگر میڈکل،سائنس،حکمت،ہوم اکنامکس کی تعلیم اس غرض سے حاصل کرے کہ ان علوم کو مشروع طریقہ پر عورتوں کی خدمت کے لئے استعمال کرینگی تو ان علوم کی تحصیل میں بذاتہ کوئی حرمت و کراہت نہیں بشرطیکہ ان علوم کی تحصیل میں اور تحصیل کے بعد ان کے استعمال میں پردے اور دیگر احکام شریعت کی پوری رعایت رکھی جائے(فتاوی عثمانی۱،۱۶۳)۔

لازمی تعلیم کا مسئلہ:

اسی طرح اگر حکومت کی طرف سے کسی درجہ تک تعلیم کو لازم قرار دیا جائے اور اس میں غیر شرعی امور کا ارتکاب کرنا نہ پڑتا ہو تو مسلمانوں کو چاہئے کہ اس قانون کوقبول کریں ۔

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج تعلیم کا بھگواکرن کے ذریعہ ہندو

تہذیبمسلط کی جا رہی ہے، خاص طور سے اس نئی حکومت کے بن نے کے بعد تیزی سے آر ایس ایس اور سنگھ پریوار اپنے عزائم کو پورا کرنے کے لئے اور مسلمان بچوں کو اسلام سے دور کرنے کے لئے تعلیم کے ذریعہ اپنے مقاصد کی تکمیل کر رہے ہیں، اس لئے مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ اسلامک اسکول قائم کریں جو صرف نام کی اسلامک نہ ہو بلکہ اس میں طلبہ کی اسلامی تربیت اور ذہن سازی کی جائے اور اس میں اسلامی معاشرت کو فروغ دیا جائے اور طلبہ کا رہن سہن اسلامی تہذیب اور اسلامی کلچر کا نمائندہ ہو۔

جنسی تعلیم:

شریعت مطہرہ میں جہاں زندگی کے تمام گوشوں میں انسانیت کی رہبری کی گئی ہے وہیں جنسیات کے متعلق بھی رہبری کی ہے ، قرآن، حدیث اور فقہ اسلامی میں اس کے تفصیلی احکام بیان کئے گئے ہیں۔

شادی کی عمر:

اسلامی شریعت نے انسانوں کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے اور پریشانیوں کا لحاظ کرتے ہوئے شادی کی کوئی عمر متعین نہیں کی ہے، اسی لئے بچپن کی عمر سے لیکر بڑھاپے کی عمر تک شادی کرنے کی اجازت دی۔

کم عمری کی شادی:

اس پر تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ بچوں کے اولیاء و سرپرستان بچپن میں ان کا نکاح کرا دے تو جائز ہے، اس لئے کہ خود اللہ کے رسولﷺ نے حضرت عائشہؓ سے اس وقت نکاح فرمایا جبکہ حضرت عائشہؓ کی عمر ۶سال تھی، چنانچہ بخاری شریف میں ہے:

''عن هشام عن أبيه عن عائشةؓ أنّ النبیّﷺ تزوّجها وهی بنت ست سنين وأدخلت عليه وهی بنت تسع و مكثت عنده تسعاً''(بخاری شریف: ۴۸۴۰)۔

اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت حسنؒ سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے فرمایا کہ جب باپ نے اپنے نابالغ بچے کی شادی کر دی تو جائز اور درست ہے:

''وإذا زوجه وهو صغير جاز نكاحه'' (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۰۰۴)۔

اسی طرح قرآن شریف میں ہے:

''واللائييئسن من المحيض من نسائكم إن ارتبتم فعدتهن ثلثة أشهر واللائی لم يحضن'' (سورہ نساء: ۱۴) (اور وہ عورتیں جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں ان کی عدت تین مہینے ہے اور اسی طرح ان کی ،جنہیں ابھی حیض نہیں آیا)۔

اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے امام بخاریؒ نے چھوٹے بچوں کا نکاح کرانے کا

جواز ثابت کرتے ہوئے مستقل باب باندھا ہے (بخاری شریف:حدیث نمبر: ۴۸۴۰)۔

مشہور شارح حدیث علامہ نووی ؒ نے اس مسئلہ پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے:''أجمع المسلمون علی جواز تزویج الأب بنتہ البکر الصغیرۃ'' (مرقات المفاتیح۶؍۲۰۶)۔

علامہ ابوبکر جصاص رازی نے بھی اس پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے(احکام القرآن ۲؍۶۴)۔

مندرجہ بالا دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کا نکاح قبل البلوغ بھی کیا جاسکتا ہے۔

لیکن کم سنی اور نابالغی کے نکاح کے جواز سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسلام میں اس کو بہتر قرار دیا گیا ہو اور اس کی ہمت افزائی کی گئی ہو، شرعی نقطۂ نظر سے بہتر یہی ہے کہ نکاح بلوغ کے بعد کیا جائے، خود قرآن مجید میں اس کی طرف اشارہ ہے :'' یتیموں کو آزمائو جب وہ نکاح کو پہنچ جائیں اور تم ان سے ہوش مندی محسوس کرو تو ان کا مال ان کے حوالے کردو '' (سورہ نساء: ۶)۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ بہتر طریقہیہی ہے کہ بالغ ہونے کے بعد لڑکوناور لڑکیوں کے نکاح کئے جائیں، اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے نو جوانوں کو شادی کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

''یا معشر الشباب! من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوّج'' (بخاری: ۵۰۶۶)۔

ایک اور حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں :

''من ولد لہ ولداً فلیحسن اسمہ و أدبہ فإذا بلغ فلیزوجہ'' (مشکوۃ۲؍۳۷۱) (جس شخص کے یہاں لڑکا پیدا ہو تو چاہئے کہ اس کا اچھا نا م رکھے اور اسے ادب سکھائے اور جب بالغ ہوجائے تو اس کا نکاح کر دے)۔

ان احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کا بہتر وقت بلوغ کے بعد ہی ہے۔

خود اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے پندرہ سال کی عمر میں کیا (استیعاب: ۳۶۲)۔

اور بہت سے صحابۂ کرام اور جمہور سلف کا عمل چلا آ رہا ہے اور طبی اعتبار سے بھییہی زیادہ بہتر ہے۔

پھر اسلام میں رشتہ کے انتخاب کی جو آزادی عاقدین کو دی گئی ہے وہ بالغ ہونے کے بعد ہی قانو ناً اس اختیار کو استعمال کرنے کے اہل ہیں اور بالغ ہونے کے بعد ہی انسان کے اندر بھلے اور برے کی تمیزپیدا ہوتی ہے۔

اسی لئے مناسب یہی ہے کہ شادی بالغ ہونے کے بعد کی جائے، لیکن موجودہ زمانہ میں کم سنی کے واقعات کم پائے جاتے ہیں، اب لڑکوں لڑکیوں کا رجحان بالغ ہونے بعد کئی

سال بعد نکاح کرنے کا ہے، چودہ پندرہ سال کی عمر میں تو لڑکے لڑکیاں میٹرک کرتے ہیں اور اعلی تعلیم کا رجحان روز افزوں ہے اور تعلیم کے درمیان عام طور پر شادی نہیں کی جاتی پھر تعلیم کے بعد حصول روز گار کا مسئلہ ہوتا ہے، اس میں کئی سال نکل جاتے ہیں،اس کے بعد ہی شادی کرنے کی طرف راغب ہوتے ہیں، دوسری طرف ٹی وی کے فروغ ،بیہودہ فلموں کی ویڈیو،فحش ویب سائٹس کی کثرت،پورن فلم کی طرف رجحان، اس کے سد باب کے لئے حکومت کی طرف سے چشم پوشی بلکہ ہمت افزائی جس سے نو جوان جنسی بے رہ روی میں مبتلا ہورہے ہیں اور نا جائز اسقاط حمل کی کثرت ہو رہی ہے جس سے پورا معاشرہ خراب ہو رہا ہے۔

اس لئے ماں باپ کو چاہئے کہ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کے اخلاق و کردار کی حفاظت کے لئے اور جنسی بے رہ روی میں مبتلا ہونے سے بچانے کے لئے بالغ ہونے کے بعد جلد سے جلد نکاح کر دینا چاہئے ورنہ والدین سخت گنہگار ہونگے، حدیث میں ایسے والدین کے لئے سخت وعیدیں آئی ہیں۔

''عن أبی سعید و ابن عباس قالا:قال رسول اللہ ﷺمن ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ و أدبہ فإذا بلغ ولم یزوجہ فأصاب إثماًفإنما إثمہ علی أبیہ'' (مشکوۃ۲،۳۷۱) (اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں: جس شخص کے یہاں لڑکا پیدا ہو چاہئے کہ وہ اسکا اچھا نام رکھے اور اسے نیک ادب سیکھائے اور پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کردے اور وہ بالغ ہو گیا اور اس کا باپ اسکا نکاح نہ کرے اور پھر وہ لڑکا برائی میں مبتلاہو جائے تو اسکا گناہ باپ پر ہوگا)۔

ایک اور حدیث میں اللہ کے رسولﷺنے ارشاد فرمایا:

''عن أبی ھریرہؓ قال قال رسول اللہ ﷺ:إذا خطب إلیکم من ترضون دینہ وخلقہ فزوّجوہ إن لا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الأرض و فساد عریض'' (ترمذی۱،۱۲۸، مشکوۃ۲،۲۶۷) (حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم کو (تمہاری لڑکی کے لئے)ایسا کوئی شخص پیغام نکاح دے جن کی دینداری اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس کے ساتھ نکاح کر دو،اگر تم ایسا نہ کروگے تو روئے زمین میں بہت فتنہ و فساد پیدا ہو جائے گا)۔

مذکورہ بالا احادیث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کے نکاح بالغ ہو نے کے بعد جلد از جلد کر دینا چاہئے ورنہ روئے زمین میں فتنہ،فساد،بے حیائی،فسق و فجور،بدکاری،اور زنا کاری کے دروازے کھل جائینگے۔

بچہ مزدوری:

اسلام میں بچوں کی بڑی اہمیت ہے، اور ان کی ایک ایک ضرورت کے بارے میں

ہدایت کی گئی ہے،ان ہدایات میں دو باتیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں: ایک ان کی کفالت اور ضرورت زندگی کی تکمیل، دوسرے ان کی تعلیم وتربیت،بچوں کی کفالت کی ذمہ داری والد پر رکھی گئی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے:''وعلی المولود لہ رزقہن وکسوتہن بالمعروف'' (سورہ بقرہ)۔

اسی طرح حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسولﷺ نے حضرت ہندہ سے فرمایا: خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف (بخاری: ۵۳۶۴) (تم اتنی مقدار لے سکتی ہو جو تمہارے اور تمہارے بچہ کے لئے کفالت کرجائے)۔

مذکورہ نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ پر اولاد کا نفقہ واجب ہے، اسی طرح فقہاء امت کا بھی اس بات پر اجماع ہے (المغنی۸؍۱۶۹)۔

بچوں کو کسب معاش کا ذریعہ بنا نا اور ان کو تعلیم وتربیت سے محروم رکھنا بڑی بے رحمی اور بد خواہی ہے۔

اسی طرح حدیث شریف میں ہے کہ کم عمر بچوں کو کسب معاش کا مکلف نہ کرو، اس سے یہ ہوگا کہ اگر کما نہ پائینگے تو چوری کا ارتکاب کرینگے:''لا تکلف الصغیر الکسب فإنہ إذا لم یجد سرق''(موطا امام مالک:باب الامر بالرفق بالمملوک)۔

ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کو کسب معاش کا ذریعہ بنانا اور ان کو مزدوری کا مکلف بنانا شریعت مطہرہ میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

*ہاں البتہ والدین انتہائی غربت اور معاشی بد حالی میں ہو، نہ وہ خود کمانے کے لائق ہو اور ان کی کوئی کفالت کرنے والا نہ ہو تو بدرجۂ مجبوری اس کی اجازت دی جا سکتی ہے۔اس لئے کہ شریعت مطہرہ کا اصول ہے کہ اگر دو خرابیوں میں سے ایک کے ارتکاب پر مجبور ہو جائے تو کمتر درجہ کی برائی کو اختیار کرے:''إذا تعارضت مفسدتان روعی أعظمہما ضرراً بارتکاب أخفہما''، اس لئے کہ ایسے موقع پر اگررخصت نہ دی جائے تو بڑے خطرات کا اندیشہ ہے، اس لئے کہ سماج اتنا ظالم اور خود غرض ہو چکا ہے کہ ایسے اوقات میں ان کی عزت و آبرو کا سودہ کرنے کے لئے کمر بستہ ہوجاتے ہیں، اسی کے پس منظر میں احکام الصغار میں ایک جزئیہ نقل کیا ہے:''صبی ورث من أمہ مالاً و لہ أب معسر محتاج فنفقۃ الأب علی الولد الصغیر''(احکام الصغار: ۹۴)۔

*بچوں کو پیشہ ورانہ کام سیکھانے کے لئے ان کو کام پر لگا سکتے ہیں، اس لئے کہ یہ بچہ کے لئے مفید ہے، محیط برہانی میں ہے:

''وکذلک لو أراد الأب أن یواجرہ فی عملٍ أو خدمۃ فذلک لہ لأن فیہ منفعۃ للصغیر لأنہ یتعلم الکسب'' (المحیط البرہانی۴؍۳۴۱)۔

اسی طرح شامی میں ہے:

''و علیہ فلہ دفعہا لامرأۃ تعلمہا حرفۃ کتطریز وخیاطۃمثلاً '' (رد المحتار۵؍۳۳۷)۔

اسی طرح بچوں سے ان کی وسعت کے مطابق گھر کا کام بھی لے سکتے ہیں، بلکہ لینا چاہئے، اس لئے کہ یہ بھی تربیت کی ایک قسم ہے، تاکہ بچوں کو کام کرنے کا سلیقہ سکھایا جائے، اگر ان سے کام نہیں لیا جائےگا تو وہ عیش و عشرت کے عادی ہو جائینگے۔اورسست اور کاہل ہوجائینگے اور حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے، مسند احمد میں حضرت معاذابن جبل سے مرفوعاً روایت ہے:''إیاکم والتنعم فإن عباد الله لیسوا بالمتنعمین'' (تم ناز ونعمت میں پڑ نے سے بچو ....)۔

اس قسم کی اور بہت سی احادیث ہیں جن سے عجز و کاہلی وغیرہ کی مذمت ثابت ہوتی ہے، اس لئے والدین کو چاہئے کہ بچوں سے ان کی وسعت کے مطابق کچھ نہ کچھ کام لیتے رہیں۔

بچے اور جرائم:

اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ بچوں پر حد جاری جاری نہیں ہوگی (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶،۲۴، بدایۃ المجتہد۲،۴۷۰)۔

صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں :

'' قصاص کے شرائط میں سے قاتل کا عاقل وبالغ ہونا ہے، چنانچہ نابالغ پر قصاص بالکلیہ واجب نہیں'' (فتح القدیر۹،۱۳۸)۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بچون پر حد یعنی قصاص،قطع ید وغیرہ جاری نہیں ہوگی، البتہ ایسے معاملات میں شریعت مطہرہ نے حاکم کو تعزیر کا اختیار دیا ہے،اس لئے ایسے بچوں کے متعلق بھی حکومت کو اختیار ہوگا کہ وہ ان کی سخت تعزیر کریں اور تعزیر کی حد حکومت کی صواب دید پر ہوگی۔

بے سہارا بچے اور حکومت وسماج کی ذمہ داریاں:

اسلام ایک ایسا مذہب ہے کہ جس میں کمزوروں ،یتیموں،بے سہارائوں،کا بہت خیال رکھا ہے، اور ان کے ساتھ اچھا معاملہ و برتائو اور اس کے ضروریات زندگی کے پورا کرنے کا بہت اہتمام کیا گیا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ایسے لوگوں کے متعلق بہت اہتمام کیا ہے، اور ان کو ڈانٹنے جھڑکنے سے منع کیا ہے اور ان کے ساتھ ایسے برتائو سے روکا ہے جو ان کی عزت و شرافت کے خلاف ہو، ارشاد باری ہے:فأما الیتیم فلا تقہر (الضحیٰ: ۹) (اور آپ بھییتیم پر سختی نہ کیجئے)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے :أرأیت الذییکذب بالدین فذلک الذییدع الیتیم'' (الماعون: ۱،۲) (بھلا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو روز جزاء کو جھٹلاتا ہے سو وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے)۔

نبی کریمﷺ نے بھی ایسے لوگوں کی کفالت پر امت کو ابھا را ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک پر جنت کی بشارت سنائی ہے کہ وہ جنت میں آپﷺ کے ساتھ ہونگے،

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا:

''أنا وکافل الیتیم فی الجنۃ ھکذا و أشار بالسبابۃ والوسطی و فرج بینھما''(بخاری) (میں اور یتیم کی کفالت کرنے والاجنت میں اس طرح ہونگے اور نبی کریمﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی اور اس کی برابر کی انگلی سے اشارہ فرمایا اور ان دونوں کو کشادہ رکھا)۔

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی کفالت کرنا موجب ثواب بلکہ اخلاقی فریضہ ہے، اس لئے مسلم سماج پر ضروری ہے کہ ایسے لوگوں کی کفالت کرے، بلکہ ایک حدیث میں تو ایسے ہی لوگوں یعنی کمزوروں کے ذریعہ ہی رزق کا وعدہ کیا گیا ہے:''إنکم ترزقون بضعفائکم''، اس لئے مسلم سماج کو چاہئے کہ ان کے ساتھ خصوصی شفقت،توجہ اور دیکھ بھال سے کام لیں اور اپنے عمل سے ان کو یہ محسوس کرا دے کہ محبت،معاملات، اور برتائو کے لحاظ سے وہ بھی ان کے لئے ان کی اولاد ہی کی طرح ہے۔

اسی طرح حکومت کا بھی فریضہ ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی کفالت کرے، چنانچہ حضرت عمرؓ کا معمول مبارک بھییہی تھا کہ ایسے لوگون کا نفقہ بیت المال سے ادا فرماتے تھے (المغنی۶؍۳۵)، اسی طرح آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں جو اسلامی مملکت کی د اغ بیل ڈالنے والے تھے آپ نے یتیم کے ساتھ کس طرح شفقت و پیار کا برتائو فرمایا، چنانچہ حضرت عائشہ سے روایت کرتی ہیں کہ نبی کریمﷺ نے کسی عید کے موقع پر کسییتیم کو دیکھا، اس کے ساتھ پیار کا برتائو کیا اور اس کو اپنے دولت کدہ پر لائے اور اس سے فرمایا : ''أما ترضی أنا أقول لک أباً و تکون عائشۃ لک أماً'' (کیا تم کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ میں تمہارا باپ بن جائوں اور عائشہ تمہاری ماں ہو جائیں)۔

ذہنی وجسمانی طور پر معذور بچوں کی نگہداشت اور علاج:

اللہ تعالی نے ماں باپ کے دلوں میں جو قابل قدر جذبات اورودیعت رکھے ہیں ان میں سے بچوں پر رحم اور شفقت ومحبت، الفت وپیار بھی ہے، اسی وجہ سے وہ بچوں کی دیکھ بھال کی زحمت برداشت کرتے ہیں، ان پر رحمت وشفقت کرتے ہیں اور ان کے معاملات و ضروریات کا اہتمام کرتے ہیں، اسی وجہ سے شریعت مطہرہ نے الفت و محبت کے جذبات کو مخ لوق کے دلوں میں راسخ کیا ہے، اور سب کو ان اوصاف کو اختیار کرنے کی طرفرغبت دلائی ہے، حدیث شریف میں ہے:''لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یعرف حق کبیرنا'' (ابو دائود، ترمذی) (وہ شخص ہم میں سے نہیں جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کے حق کو نہ پہچانے)۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:''من لا یرحم لا یرحم'' (الادب المفرد للبخاری) (جواوروں پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا)۔

انہی جذبات کی بنا پر شریعت مطہرہ نے ماں باپ کو پرورش کرنے کا حکم دیا ہے، یعنی بچہ کی جیسی جیسی ضرورت ہو تی ہے اسی کے مطابق ایسے ہی آدمی کو شریعت نے اس کا مکلف بنایا ہے، چنانچہ حق حضانت میں ایک مدت تک عورتوں کو بچوں کی پرورش کا مکلف بنایا ہے، اس لئے کہ اس وقت بچوں کو عورتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔اس کے بعد مردوں کو مکلف بنایا ہے، اور عورتوں میں بھی ماں کو سب سے مقدم طور پربچہ کی پرورش کا حکم دیا ہے، اور ماں کی عدم موجودگی میں دوسرے ذی رحم محرم رشتہ دارونکو پرورش کا حکم دیا ہے، اس لئے کہ بچوں کی ضروریات اور ان کی شفقت و محبت جو وہ کر سکتے ہیں دوسروں مینیہ چیز نہیں پائی جائے گی، اسی وجہ سے شریعت مطہرہ نے حضانت کو بچہ کا حق قرار دیا ہے، علامہ شامی لکھتے ہیں :''لأن مدار أمر الحضانۃ علی نفع الولد'' (ردالمحتار۵؍۲۶۶)، اسی وجہ سے بعض صورتوں میں ذی محرم رشتہ داروں کوحضانت پر مجبور کیا جائے گا (ردالمحتار۵؍۲۶۷)، اس لئے والدین پر ضروری ہے کہ اپنی اولاد کی خود پرورش کریں اور خاص کرکے معذور اور بیمار بچوں کو ماں باپ کی شفقت و محبت کی اور ضرورت ہوتی ہے، اس لئے یہ جائز نہیں ہو گا کہ ان کو ہسپتال کے حوالہ کر دے اور خود اس ذمہ داری سے سبکدوش ہوجائے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالی ہر نگہبان سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں دریافت فرمائیں گے کہ اس نے ان کی دیکھ بھال کی ہے یا ضائع کر دیا ہے (ابن حبان)۔

ہاں البتہ ان کے علا ج و معالجہ میں بہت خرچ ہو رہا ہو اور اس خرچ کو بغیر ملازمت کئے پورا نہ کیا جا سکتا ہو جس سے بچہ کا حرج ہو رہا ہو تو اس صورت میں ''إذا تعارضت مفسدتان روعی أعظمہما بارتکاب أخفہما'' کے قاعدہ کے تحت اس کی گنجائش نکل سکتی ہے (واللہ اعلم بالصواب)

***

اسلام میں بچوں کے حقوق اور ان کے متعلق فقہی احکام

مفتی محمد شفیق قاسمی•

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ آلہ وأصحابہ أجمعین۔

اما بعد: اللہ جل شانہ کے بے شمار عطیات وانعامات میں سے ایک عظیم الشان عطیہ وانعام اولاد بھی ہے؛ قرآن کریم میں اسے ''قرۃ أعین'' (فرقان : ۷۴) یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا ہے، اس عطیۂ الہی اور انعام باری کا حق وشکر یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی جانب سے والدینیاسرپرستوں پر بچوں کے جو حقوق اور فرائض عائد ہوتے ہیں انہیں کمال دیانتداری کے ساتھ ادا کیا جائے، آج ان حقوق وفرائض سے غفلت وکوتاہی کے نتیجہ میں بچوں کے بہت سے حقوق سماج میں پامال ہورہے ہیں ، جس کے سبب دور حاضر میں بچوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے ملکی اور عالمی سطح پر بہت سے قوانین بنائے گئے ، اقوام متحدہ نے اپنے ممبر ممالک کے لئے بھی ''حقوق اطفال '' کے بارے میں قوانین بنائے ہیں، اور اس کے متعلق ہدایات جاری کی ہیں۔

اس پس منظر میں ضروری ہے کہ اسلام میں بچوں کے حقوق اور ان کے متعلق فقہی احکام کو واضح کیا جائے۔

یہ حقیقت ہے کہ اسلام نے تمام انسانوں خصوصا سماج کے کمزور طبقات (بچوں ، بوڑھوں ،عورتوں ،مریضوں ، معذورونوغیرہ) کے حقوق کا تحفظ اپنے قانونی وفقہی احکام اور اخلاقی تعلیمات کے ذریعہ جس طول اور اعتدال کے ساتھ کیاہے اس کی نظیر کسی مذہب اور قانون میں نہیں ملتی، کتاب وسنت میں اس کے متعلق جو ہدایات وتفصیلات ہیں اس سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام ہی سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ان کے حقوق کی رعایت وحفاظت کا حامی وداعی ہے، حسب ذیل مقالہ میں اختصار کے ساتھ ان میں سے چند حقوق پیش کئے جارہے ہیں، وباللہ التوفیق۔

حضانت کے احکام:

رضاعت کے بعد کا مرحلہ حضانت کا ہے، شوہر وبیوی کے فرائض کے سلسلے میں دونوں کا مشترکہ حق بچے کی پرورش کرنا بھی ہے، لہذا دونوں کو ملکر ہی بچہ کی پرورش بھی کرنی چاہئے، لیکن اگر خدانخواستہ دونوں میں تفریق اور طلاق کی نوبت آجائے تو چونکہ چار ، پانچ برس کی مدت تک بچہ کا تعلق سب سے زیادہ ماں سے ہوتا

• استاذ دار العلوم بروڈا، گجرات۔

ہے، اسی لئے اسکی سب سے زیادہ ذمہ داری ماں پر ہی ہوتی ہے اور شریعت مطہرہ نے عورتوں کے طبعی رفق و شفقت اور چھوٹے بچوں کی طبعی صلاحیت، نیزخود ماں کی ممتا اور اس کے جذبات مادری کی رعایت کرتے ہوئے اس کو اولیت دی ہے، علامہ کاسانیؒ کے الفاظ میں ''الأصل فیھا النساء لأنھن أشفق وأرفق وأھدی إلی تربیۃ الصغار'' (بدائع ۴۵۶،۳)، حدیث مینحضورﷺ نے قریش کی عورتونکی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''صالح نساء قریش أحناہ علی ولد فی صغرہ وارعاۃ علی زوج فی ذات یدہ'' (صحیحین از مشکوۃ : ۲۶۷) (قریش کی سب سے نیک عورت وہ ہے جو اپنے بچے پر بچپن میں سب سے زیادہ شفیق اور اپنے شوہر کے مال کی بہت ہی محافظ ہو)۔

حقِ پرورش میں ماں مقدم کب ہے؟

اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ حق پرورش مینماں سب سے پہلے اور مقدم ہے اور یہ حقِ پرورش صرف ماں کا ہی نہیں بلکہ بچہ کا بھی حق ہے، لہذا اگر کوئی عورت اس شرط پر خلع کرے کہ وہ حق پرورش سے دست بردار ہوجائیگی تو خلع درست ہو جائے گا لیکنیہ شرط باطل ہوئی اور عورت کا حقِ پرورش باقی رہے گا (البحر الرائق ۸۰۱،۴)۔

ہاں ! اگر عورت خود بچہ کی پرورش کرنا نہیں چاہتی اور بچہ کی بقاء کے لئے مانکا پرورش کرنا ضروری بھی نہ ہو ، مثلا وہ بچہ دوسری عورت کا بھی دودھ تھام لیتا ہو یا ماں پرورش کرنے کی اہلیت نہ رکھتی ہو، مثلاً (العیاذ باللہ العظیم) وہ مرتدہ یا پاگل یا نابالغ یا باندییا بہت زیادہ بداخلاق و بد کردار یا پیشہ ور فاسقہ ہواوراس سے اپنے زیر پرورش بچے کے دین واخلاق کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو، شامی کی زبانی''فالمراد فسق یضیع الولد بہ''(شامی۲، ۶۳۳۔ الحضانہ)۔

ایسی عورت کی نگرانی اور گود میں بچے کو نہیں دیا جا سکتا، مگر اس سلسلہ میں فقہاء احناف نے اس رائے کوزیادہ پسند کیا ہے کہ اگر ماں کا اخلاق وکردار اچھا نہیں ہے جب بھی اس وقت تک بچہ کو ماں کے پاس رکھا جاسکتا جب تک وہ سمجھدار نہ ہو جائے، اور سمجھ دار ہونے کا مطلبیہ ہے کہ وہ ماں کی حرکات وسکنات کا عملاًاثر نہ لینے لگے، یہی حکم فاجر مرد کا بھی ہے، شرحِ وقایہ میں ہے ''ولافاسق ماجن'' (۱۶۹،۲)، یعنی جس طرح فاجرہ عورت کی نگرانی میں بچہ نہیں دیا جاسکتا، اسی طرح غیر ذمہ دار فاسق وفاجر مرد کی نگرانی میں بچہ کو نہیں دیاجا سکتا، اسی طرح اگر ماں مطلقہ ہے اور اس سے کسی ایسے شخص نے نکاح کر لیا جس سے بچے کا کوئی نسبی تعلق نہیں ہے تب بھی اس کا حق پرورش جاتا رہے گا، البتہ اس نے بچے کے قریبی اعزہ ہی میں سے کسی سے نکاح کر لیا جیسے بچہ کے چچا سے تو پھر اس کا حقِ پرورش اپنی جگہ باقی رہے گا، پہلی صورت میں اس لئے اجازت نہیں دی گئی کہ اس کے موجودہ شوہر کو بچے سے کوئی خاص مناسبت نہ ہوگی بلکہ وہ بار محسوس کرے گا اور اس کا اثرماں کے اوپر یہ

پڑےگا کہ وہ بچہ کی دیکھ بھال اچھی طرح نہیں کرسکے گی، اور دوسری صورت میں اس لئے اجازت دی گئی ہے کہ چونکہ اس کا شوہر بھی بچے سے تعلق رکھتا ہے اور یہ تو ماں ہی ہے اس لئے دیکھ بھال سے دونوں کو دلچسپی ہوگی، بعض علماء نے ''یضیع الولد'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اگر کوئی عورت ایسی ہے جو نماز روزے میں اتنی مشغول رہتی ہے کہ اپنے بچے کی پرورش کا اس کو مطلق خیال نہیں رہتا ہو تو ایسی عورت کی نگرانی میں بھی بچہ کو نہیں دیا جاسکتا ہے''(اسلامی فقہ ۱۴۸،۲)۔

پھر حقِ حضانت کے سلسلہ میں جو شرطیں مطلوب ہیں اگر ان میں سے کوئی موجود نہ تھی جسکی وجہ سے حقِ حضانت سے محروم کردیا گیا تھا، لیکن بعد مینیہ رکاوٹ ختم ہو گئی، مثلا ماں نے کسی اجنبی سے شادی کی، لیکن اب اس سے طلاق واقع ہو چکی ہے وغیرہ تو اس صورت میں اسکا حقِ پرورش لوٹ آئے گا، البتہ ان شرطوں کے نہ پائے جانے کے علاوہ ایکیہ سبب بھی ہے جو حقِ پرورش سے محروم کر دیتا ہے، اور وہ ہے پرورش کرنے والے کا طویل سفر کرنا، عورت ایسی معمولی مسافت پر بچے کو لے جاسکتی ہے کہ باپ بچہ کو روزانہ دیکھ کر واپس آسکے، لیکن اتنی دور کا سفر کرے کہ بچہ کا باپ دن کو نکل کر اور بچہ کو دیکھ کر رات کو واپس نہ آسکے تو ماں کا حقِ پر ورش ختم ہو جائے گا، دوسری خواتین کا حق پرورش تو اس کے شوہر سے محض منتقل ہوجانے ہی سے ختم ہوجائے گا، خواہ اس کی دوری کچھ بھی ہو (قاموس الفقہ۳ ،۲۶۵)۔

ماں کے بعد حقِ پرورش :

ماں کے بعد بچہ کی پرورش کا حق اسے دیا جائے گا جو رشتہ کے اعتبار سے زیادہ قریب ہے، چنانچہ ماں کے بعد نانی،چاہے وہ بالائی پشت کی ہو، نانی نہ ہو تو دادی اور دادی میں بھیبہی ترتیب ہے کہ دادی نہ ہو تو پردادی بہن سے زیادہ مستحق ہے، دادی کے بعد بہن ، بہن کے بعد خالہ، خالہ کے بعد پھوپھیوں کا درجہ ہے، بہن، خالہ، پھوپھی، ان سب مینیہ ترتیب بھی ہے کہ ماں باپ دونوں کی شرکت کے ساتھ جو رشتہ ہو وہ مقدم ہے، اس کے بعد ماں شریک اور اس کے بعد باپ شریک کا درجہ سے(ہدایہ : ۴۳۴)، ان میں سے جس کی پرورش میں بچہ دیا جائے گا وہ انہی شرائط کے ساتھ جن کا ذکر اوپر ہوا، اگر ایک ہی درجہ کے ایک سے زیادہ مستحق پرورش موجود ہو اور وہ سب پرورش کے خواہاں ہوں تو احناف کے یہاں ورع اورتقوی اور اسکے بعد کبرِ سنی کی بناء پر ترجیح دی جائے گی (بدائع ۲۳،۴)۔

اگر خواتین میں کوئی مستحق نہ ہو تو پھر حقِ پرورش ان مردوں کی طرف لوٹے گا جو عصبہ رشتہ دار ہو اور ان رشتے داروں میں جو وارث ہونے کے اعتبار سے مقدم ہوگا وہی حقِ پرورش کا بھی ذمہ دار ہوگا، فقہاء نے مردوں میں حقِ پرورش کی ترتیب اس طرح بیان فرمائی ہے،باپ ،دادا، پردادا وغیرہ اس کے بعد سگا بھائی پھر باپ شریک بھائی،

پھر بھتیجہ، پھر باپ شریک بھائی کا لڑکا، پھر باپ شریک چچا، پھرچچازاد بھائی، اس کے بعد باپ شریک چچا کا لڑکا، بشرطیکہ جسکی پرورش کی جا رہی ہے، وہ لڑکا ہو، لڑکی نہ ہو، ان کے بعد باپ کے چچا اور دادا وغیرہ کا حق ہے (بدائع ۴ ، ۲۳)، مردوں کو حق پرورش حاصل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اگر زیر پرورش لڑکی کا مسئلہ ہو تو وہ مرد اسکامحرم ہوتا ہو(بدائع ۴ ،۴۲)، البتہ اگر کوئی دوسرا پرورش کنندہ موجود نہ ہو اور قاضی مناسب سمجھے اور مطمئن ہو تو چچا زاد بھائی کے پاس بھی لڑکی کو رکھ سکتا ہے (بدائع : ۴۳،۳)، لڑکی کا حق پرورش جس کو دیا جائے ضروری ہے کہ وہ مرد امین اور قابل اعتماد ہو، یہاں تک کہ بھائی اورچچاہی کیوں نہ ہو، لیکن اگر فسق وخیانت کی وجہ سے اس پر اطمینان نہ ہو تو اسے حق پرورش حاصل نہ ہوگا (بدائع ۴۳،۳)، مالکیہ کے یہانیہ بھی شرط ہے کہ اس مرد کے ساتھ کوئی بھی ایسی خاتون ماں ، بیوی وغیرہ موجود ہوں جو اس بچہ کی پرورش کر سکیں، تنہا مرد بچہ کی پرورش کا حقدار نہیں (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷،۷۳۰)۔

حقِ پرورش کی مدت:

ماں،دادی وغیرہ کو اس وقت تک لڑکوں کا حقِ پرورش حاصل ہوگا جب تک کہ خود ان میں کھانے، پینے، استنجاء کرنے اور کپڑے پہننے وغیرہ کی صلاحیت پیدا ہو جائے، امام ابو بکرخصافؒ نے اس کی مدت کا اندازہ سات آٹھ سال سے کیا ہے، اور اسی سات سال والے قول پر فتوی ہے، اس کے بعد چونکے لڑکوں کو مزید تہذیب و ثقافت اور آداب و اخلاق کی ضرورت ہے، اس لئے بچے باپ کے حوالے کردئے جائیں گے، لڑکیاں ہوں تو ایک قول کے مطابق حدِ شہوت کی عمر تک حقِ پرورش ماں کو حاصل ہے، مگر کیوں کہ یہ عمر صحت اور علاقہ کے موسم و حالات کی بناء پر مختلف ہے، اس لئے ظاہری روایت کے مطابق بالغ ہونے تک ہے، بالغ ہونے کے بعد باپ کے حوالہ کر دی جائیں گی، ماں ، نانی ، دادی کے علاوہ پرورش کنندہ خواتین لڑکیوں کو اس عمر تک اپنے پاس رکھے گی، جب تک کہ وہ عمر اشتہاء کو نہ پہنچ جائے (ھدایہ : ۴۳۵)، اس مدت تک پرورش کی نگرانی ماں کے ذمہ ہوگی اور ماں وبچہ دونوں کا خرچ باپ کے ذمہ ہوگا، یعنی کنٹرول اور سپرویژن(بشرطیکہ خلافِ شرع نہ ہو) باپ کا رہے گا اور کسٹڈی(تحویل) ماں کی رہے گی۔

نفقہ واجب ہونے کے اسلامی اصول :

اسلام میں بچوں کے جو حقوق ہیں ان میں باپ کے ذمہ اولاد کا نفقہ و خرچ بھی ہے، شریعت میں ایک شخص پر دوسروں کانفقہ تین اسباب سے واجب ہوتا ہے ؛(۱)حبس (۲) ملکیت(۳) قرابت (شامی : ۲ ، ۶۴۴) ''حبس ''کے معنی ہیں روکے رکھنا، یعنی اگر ایک شخص دوسرے شخص کی وجہ سے محبوس ہو، پابندی کی حالت میں ہو اور معاشی

سرگرمیاں اختیار نہ کر سکتا ہو تو اس کا نفقہ اس شخص پر واجب ہوگا جس کی وجہ سے وہ حبس اور پابندی کی حالت میں ہے، غلام، قیدی اور ملازمین کی تنخواہ اس لئے واجب ہے کہ وہ ان کے لئے پابند ہے، جن کے قیدی، غلام ،ملازم یا مزدور ہے ان کے لئے محبوس ہے، بیوی کا نفقہ بھی شوہر پر اسی جہت سے واجب ہوتا ہے کہ بیوی گھر کی دیکھ بھال، بال بچوں کی پرورش اور امورِ خانہ داری کے لئے گویا محبوس ہوتی ہے، اس لئے شوہر کے ذمہ اسکا نفقہ واجب رکھا گیا ہے، حبس کی وجہ سے جو نفقہ واجب ہوتا ہے اس کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ محبوس و پابند غریب ہو یا امیر اور اسی طرح وہ جس شخص کے لئے محبوس ہے اسکی معاشی حالت اچھی ہو یا معمولی، بہر حال نفقہ واجب ہوگا، پھر جب ایک عورت اپنے شوہر سے مطلقہ ہو جاتی ہے، تو عدت گزارنے کے بعد وہ اپنے سابقہ شوہر کے لئے محبوس نہیں، دوسرا نکاح کر سکتی ہے، اور شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے، معاشی سرگرمی بھی اختیار کر سکتی ہے، اس لئے اب حبس کی وجہ سے نفقہ واجب ہونے کی کوئی وجہ نہیں، نیزیہ بات بھی ظاہر ہے کہ طلاق کے بعد اپنے سابق شوہر سے خود اسکی کوئی قرابت بھی باقی نہیں رہی؛کیوں کہ ازدواجی رشتہ خونی رشتہ کی طرح اٹوٹ نہیں ہے؛ بلکہ ایک ایسا رشتہ ہے جو زبان کے بول ہی سے ختم بھی ہو جاتا ہے، اس لئے طلاق کے بعد میاں بیوی میں کوئی قرابت بھی باقی نہیں رہتی۔

کن صورتونمیں اولاد کانفقہ واجب ہوگا ؟

اب سوال یہ ہے کہ کن صورتوں میں اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہوگا اور کب واجب نہیں ہوگا؟ علامہ ابن ہمامؒ نے اس کو بہت بہتر تجریہ کے ساتھ بیان فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی باپ کی چار حالتیں ہو سکتی ہیں:

(۱)باپ مالدار ہو، بچے نابالغ ہو اب اگر بچے خود اتنی جائداد کے مالک نہ ہوں جس سے ان کی کفالت ہو سکے تو لڑکوں کے کمانے کے لائق ہونے تک اور لڑکیوں کی شادی ہونے تک نفقہ کی ذمہ داری باپ پر ہوگی، لیکن اگر بچے خود صاحب استطاعت ہو اور ان کے پاس مال موجود ہو تو باپ ان ہی کا مال ان پر خرچ کر سکتا ہے، اس صورت میں باپ پر ان کا خرچ واجب نہیں رہے گا (ہدایہ : ۲ ،۴۲۵)۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کے باپ مالدار ہو اور اولادبالغ ہوں ،اب اگر بچے خود اپنی کفالت کے لائق اور صاحبِ معاش ہو تو ان کی کفالت باپ کے ذمہ نہ ہوگی، لیکن اگر بچے نابینا و معذور یا مجنون ہونے کی وجہ سے کسبِ معاش کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں، یا ابھی حصول تعلیم میں مشغول ہوں، تو ان کا نفقہ بھی باپ کے ذمہ ہوگا، لیکن اگر وہ معذور نہ ہو تو باپ لڑکوں کو کمانے پر مجبور کر سکتا ہے، البتہ لڑکیوں کو نہیں کرسکتا (ہدایہ۲،۴۲۷)، نکاح تک لڑکیوں کا نفقہ باپ کے ذمہ ہوگا، اسی طرح شادی شدہ لڑکیاں مطلقہ یا بیوہ ہوجائیں تب بھی باپ ان کے نفقہ کا ذمہ دار ہوگا۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ باپ خود محتاج اور نفقہ ادا کرنے کی پوزیشن میں نہ ہو، بچے نابالغ ہوں؛ لیکن مالداریا خود کسبِ معاش کے لائق ہوں تو بھی باپ پر نفقہ کی ذمہ داری نہ ہوگی۔

(۴)چوتھی صورت یہ ہے کہ باپ محتاج ہو،بچے بھی نابالغ اور محتاج ہو لیکن کسب ِمعاش نہیں کر سکتے تو با پ کوکسب معاش کرنا چاہئے، اور وہ نہ کرے تو اسے اس پر مجبورکیا جائے گا، اس سلسلہ میں اسے سزائے قید بھی دی جا سکتی ہے، پھر بھی اگر باپ کفالت نہ کر سکتا ہو، اور دادایا ماں یا ماموں یاچچا اسکی کفالت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں تو اس پر ان لوگوں کی کفالت واجب ہوگی، اوروہ اس پر مجبور بھی کئے جا سکتے ہیں، البتہ بعد میں جب اس کے والد کے حالات بہتر ہو جائیں تو ان قرابت داروں کوحق ہوگا کہ وہ اپنے کئے ہوئے اخراجات ان سے وصول کر لیں، دادا اور ماں دونوں خوش معاش ہو، تو دونوں کو حصۂ میراث کی نسبت سے نفقہ ادا کرنا ہوگا، یہ ظاہری مذہب ہے اور امام صاحبؒ کا ایک قول یہ ہے کہ تنہاء دادا پر نفقہ کی ذمہ داری ہوگی کیونکہ دادا باپ کے درجہ میں ہے۔

اگر بچوں کی کفالت کی کوئی صورت نہ ہو تو :

اگر باپ غریب ہو، نفقہ ادا کرنے سے عاجز ہو اور کفالت کی کوئی اور راہ نہ ہو، تو آخری درجہ میں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ نفقہ کی ذمہ داری بیت المال پر ہوگی، اور امام خصا فؒ کے نزدیک ایسی صورت میں لوگوں سے سوال کرنے اور اس طرح بچوں کی ضروریات پوری کرنے کی تدبیر اختیار کی جائے گی (فتح القدیر۴؍۴۱۰،شامی۲؍۶۷۱ از قاموس ۵ ؍۲۱۳)۔

بے سہارا بچوں کی پرورش کا حکم :

اسی پس منظر میں ایک سوال یہ ہے کہ بہت سے بچے بے سہارا ہو جاتے ہیں، کسی حادثہ میں ان کے والدین کے گزر جانے یابچھڑ جانے یا ولادت کے بعد ماں باپ کی طرف سے پھینک دیئے جائے کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے یہ صورت حال پیش آتی ہے، ایسے بچوں کی پرورش کے لئے حکم یہہے کہ اگر والدین کا انتقال ہو چکاہو، یا وہ واقعی معذور ہو تو پھر بچے کی پرورش ان قریبی رشتہ داروں کے ذمہ ہے، جو اس کے وارث ہو سکتے ہیں، اورہر ایک پر میراث کے اعتبار سے خرچ کی ذمہ داری ہوگی، مثلا اس کا دادا بھی زندہ ہے اور ماں بھی تو دو حصے کاخرچ داد ا کو دینا پڑے گا اور ایک حصہ ماں کو، اسی طرح یکے بعد دیگرے دوسرے ورثہ پر اس کی ذمہ داری ڈالی جائے گی(ہدایہ۲؍۴۲۷)۔

اور اگر کوئی قریبی رشتہ دار نہ ہو تو خاندان کے لوگ پرورش کریں، ورنہ پھر ایسے بچوں کی پرورش کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر ہوگی، پہلے وہ پرورش کے ذمہ

داروں کومجبور کرے گی اور اگر وہ نہ ہو یا ہو مگر کسی وجہ سے معذور ہو تو ایسے بچوں کا خرچہ حکومت برداشت کرے گی (عاجز کے خیال ناقص میں ہمارے دیار مینیتیم خانوں کا قیام بھی نافع تدبیر ہے) (اسلامی فقہ ۱۴۴،۲)۔

دورِطفولیت کے مزید احکام :

یہ احکام حیاتِ انسانی کے دوسرے دور ''دورِ طفولیت'' سے متعلق ہیں، اس سلسلہ میں مزید احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں:

*مثلا دور طفولیت تک میں بچوں پر عبادات واجب نہیں ہوتیں۔

*اسی طرح عقوبات اور بدنی ومالی سزائیں بھی انکے ذمے نہیں ہوئیں، جیسے قصاص، قتلِ مورث کی وجہ سے وراثت سے محرومی، دیت وغیرہ۔

*اسی طرح ایسے مالی اخراجات جن میں عقوبت اور سزا کا پہلو غالب ہو، ان پر واجب نہ ہونگے، جیسے خو ن بہا کا وہ حصہ جو قریبی رشتہ دار یا ہم پیشہ (عاقلہ) قاتل کی طرف سے ادا کرتے ہیں۔

البتہ وہ اخراجات اور مالی ذمہ داریاں جو معاوضہ کا درجہ رکھتی ہوں یا ٹیکس کے حکم میں ہوایسے بچے بھی اس سے مستثنیٰ نہ ہونگے، جیسے عشر، خراج، محرم رشتہ داروں اور بیوی کا نفقہ وغیرہ، اسی طرح ایسے مالی تاوان جو حقوق العباد سے متعلق ہونوہ بھی ان پر عائد ہوں گے، مثلا کسی کی کوئی چیز توڑدی تو اسکی قیمت اس نابالغ کے مال سے ادا کئے جائینگے (قاموس۲،۲۴۴)۔

دورِ تمیز کا بنیادی حکم تعلیم وتربیت ہے:

احکام شرعیہ کے اعتبار سے انسانی زندگی کا تیسرا زمانہ '' دورِ تمیز '' ہے، یہ وہ دور ہے کہ بچہ میں خیر و شر کی تمیز تو کسی حد تک پیدا ہوگئی ہو لیکن ابھی وہ بالغ نہ ہوا ہو، اس دور کا بنیادی حکم تعلیم و تربیت ہے، اسلام میں بچوں کے حق تعلیم و تربیت کے بارے مینکیا ہدایات ہیں ؟ بچوں اور بچیوں کو کس قدر تعلیم دینا ضروری ہے اور عصری تعلیم کس حد تک دینا ضروری ہے؟ اگر حکومت کسی سطح تک کی تعلیم کو بچوں اور بچیوں کے لئے لازم قرار دے تو شرعاً کیا اسکی پابندی مسلمانوں کے لئے لازم ہے؟ کیا جنس کی تعلیم بھی بچوں کا حق ہے جیسا کہ آج کل کہا جا رہا ہے؟ اس کے سلسلہ میں اسلام کی جو ہدایات ہیں، اسکا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے:

اسلام میں بچوں کی تعلیم و تربیت کی اہمیت

صحیح تعلیم و تربیت ہی در اصل انسان کو انسا ن بناتی ہے اور یہ انسانیت کی شہ رگ اور بنیادی ضرورت ہے، اس لئے قرآن نے اہل ایمان کو خصوصی ہدایت بلکہ حکم دیا ہے:''یاأیھاالذین آمنوا قوا أنفسکم وأھلکم نارا'' (تحریم ۶)، (اے ایمان والو! تم اپنی ذات اور اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ)، اس چھوٹے سے فقرے میں تعلیم وتربیت کی ذمہ

داری کو نہایت جامعیت کے ساتھ بیان کر دیا، کیوں کہ یہاں حکم آگ سے بچانے کے لئے دیا گیا ہے، جس سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ بنیادی طور پر ایک مسلمان کا اپنے بال بچوں کو ایسی ہی تعلیم وتربیت دینی چاہئے جو ان کو عذاب سے بچاسکے، حدیثپاک میں ایسی تعلیم و تربیت کو بچہ کے لئے بہترین عطیہ قرار دیا ہے: ''مانحل والد ولده من نحل أفضل من أدب حسن'' (ترمذی از مشکوۃ)، بچوں کی تعلیم وتربیت کے بارے میں اسلام نے اسقدر تاکید فرمائی کہ اگریہ کہا جائے کہ اسلام بچوں کی جبری تعلیم وتربیت کا بھی قائل ہے تو بے جا نہ ہوگا، کیوں کہ آپ نے فرمایا ''طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم''(ابن ماجہ از مشکوۃ : ۳۴)، اس میں ہرمسلمان کے لئے آپ نے تحصیل علم کو فرض قرار دیا ہے، تو ظاہر ہے کہ فرائض کی ادائیگی مینبوقت ضرورت جبر سے بھی کام لیا جاسکتا ہے، شاید ہی دنیا کے کسی مذہب نے علم کییہ اہمیت بیان کی ہو، مزید برآں اسلام میں بچوں کی تعلیم کس درجہ اہم ہے؟ اس کا اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتاہے کہ اگرچہ اصولی طور پر بالغ ہونے کے بعد اولاد کی کفالت باپ پر واجب نہیں ہے، سوائے اس کے کہ وہ معذور ہو ، لیکن اگر وہ حصولِ علم میں مشغول ہوں اور والدین ان کے اخراجات ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں تو پھر ان کانفقہ بھی واجب ہے، پھر لڑکوں کے مقابلہ میں لڑکیوں کی تعلیم و تربیت دو وجہ سے زیادہ ضروری اور اہمیت کی حامل ہے، ایک تو اس لئے کہ وہ صنفِ نازک اور جنس لطیف ہونے کے سبب قدرے مجبور رہتی ہے،یہی وجہ ہے کہ شریعت نے اس کو بہت سے فرائض و واجبات سے بریٔ الذمہ اور فار غ الذمہ رکھا ہے، دوسرے اس لئے کہ آئندہ زندگی میں بچوں کی تعلیم و تربیت کی پہلی ذمہ داری بھی انہیں پر ہوتی ہے، اور یہحقیقت ہے کہ فطرت نے ان میں اثر انداز ہونے کی مردوں کے مقابلہ میں غیر معمولی صلاحیت عطاء فرمائی ہے، اس لئے صحیح تعلیم و تربیت کے نتیجہ میں اگر یہ نیک و صالح بن گئی تو اس کا اچھا اثر اولاد پر ضرور مرتب ہوگا، غالبایہی وجہ ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم کی طرف رحمت عالمﷺ کی توجہ خاص کا یہ حال تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو اپنی باندی کی بہتر تربیت کرے اور اسے اچھی تعلیم دے پھر اسے آزاد کردے اور اس سے نکاح کرلے تو اسکو دوہرا اجر ملے گا (بخاری)، آپ ﷺ کی اس ترغیب نے قرن اول ہی میں خواتین میں بھی ایک تعلیمی انقلاب پیداکر دیا تھا۔

عصری تعلیم اسلامی نقطۂ نظر سے :

اور تعلیم میں دین کی تعلیم تو داخل ہے ہی، اس لئے کہ بقدر ضرورت علم دین حاصل کئے بغیر اپنی دنیاو آخر ت کو بہتر نہیں بنایا جا سکتا، لیکن ایسے علم کاحصول بھی ضروری ہے جس کے ذریعہ ہماری اولاد اپنی معاشی ضروریات پوری کر سکے اور ایک باعزت و خوددار شہری کی حیثیت سے زندگی بسر کر سکے، قرآن کریم نے اس کے

لئے جوجامع تعبیر اختیار فرمائی کہ ‘‘قوا أنفسکم وأھلیکم نارا’’ (تحریم : ۶)، اس مینبچوں کو دوزخ سے بچاؤ کے لئے دین کی تعلیم تو ضروری ہی ہے، طریقۂ معاش کی تعلیم بھی ضروری ہے، تاکہ وہ جائزطریقہ پر اپنی ضروریات کو پوری کر سکیں اورغیر سماجی طریقے اختیارکرنے پر مجبور نہ ہو، اس لئے اسلام نے کسی خاص علم کی تخصیص فرما کر دوسرے کی مخالفت نہیں کی بلکہ ہر نافع علم کی اسلام نے حوصلہ افزائی کی ہے، اسلام کی نظر میں جو علم بھی انسان اور انسانیت کے لئے نافع اور کار آمد ہو وہ ‘‘علم نافع’’ ہے جسکی حضور ﷺ نے دعا مانگی ہے، اور جو علم خود انسان اور انسانیت کے لئے نافع ہونے کے بجائے نقصان رساں ہو اور تعمیر کے بجائے تخریب کی طرف لے جاتا ہو وہ علم غیر نافع ہے جس سے حضور نے پناہ چاہی ہے، عصری تعلیم میں ابتدائی تعلیم کے بعد میڈیکلتعلیم ہو، انجینئرنگ کا فن ہو یا تکنیکی تعلیم کے دوسرے شعبے ہوں، یہ سب بھی انسانی خدمت اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے ذرائع ہیں اور یقینایہ علمِ نافع کی فہرست میں آتے ہیں، لہذا شرعی اور اسلامی دائرہ میں رہ کر عصری تعلیم کا حصول قابل تعریف ہے، بلکہ دنیوی حد تک مطلوب اور پسندیدہ ہے، تعلیم کی اصل ذمہ داری تو باپ کی ہے، لیکن اگر والدین نادار ہو یا موجود نہ ہو تو بچوں کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری حکومت کی ہے (اسلامی فقہ ۱۳۳،۲)۔

تعلیم گاہوں میں جنسی تعلیم:

جہاں تک تعلق ہے جنسی تعلیم کا تو اس سلسلہ میں اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ اسکی قطعاً ضرورت و اجازت نہیں ہے، اس لئے کہ بالغ ہونے کے بعد انسان سے جو ضروریات اور تقاضے متعلق ہوتے ہیں وہ فطری ہے، اسی لئے عام طور اس سلسلہ میں مستقل تعلیم کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ قبل از وقت بلوغ اور اس کے بعد ہونے والی تبدیلوں اور ان کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی ضرورتوں کا ادراک عموما انسان کو بے راہ روی کی کی طرف لے جاتا ہے؛ اس لئے آج کل جنسی تعلیم کے سلسلہ میں جو بات چلائی جاتی ہے اسلامی بلکہ اخلاقی اعتبار سے وہ درست نہیں، اگر اس کی طرف توجہ نہ دی گئی تو اس کے اخلاقی اثرات نہایت نامناسب ہوں گے۔

اسلام میں بچے کی مزدوری کے احکام :

علاوہ ازیں بچوں کی تعلیم و تربیت سے غفلت برتتے ہوئے، انہیں کم عمری میں مزدوری اور کام پر لگا دینا اسلامی ہدایات وتعلیمات کے خلاف ہے ، اسلام نے والدین کے لئے یہ روا نہیں رکھا کہ وہ نابالغ بچوں کو مزدوری پر لگائیں اور اپنی ذمہ داری سے پہلو تہی برتیں (شامی۵ ،۳۳۷)، موجودہ حالات میں بچہ مزدوری کا مسئلہ بڑی اہمیت اختیار کر گیا ہے، اس سلسلہ میں اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ نابالغ بچوں کو کسبِ معاش پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، لہذا اگر باپ کمانے پر قادر ہو تو کما کر بچوں کا نفقہ ادا کرے گا، اور

اگر کمانے پر قادر نہ ہو تو قرض لے کر نفقہ ادا کرے گا، تاکہ بچے زیور علم سے آراستہ ہوسکیں (ہندیہ۱،۵۶۱)، اسی طرح بالغ ہونے کے بعد بھی جب تک بچے طلب علم میں مشغول رہیں اور کسبِ معاش سے عاجز ہوں، ان کا نفقہ باپ کے ذمہ رہے گا، فقہاء نے گو اس کے ساتھ علوم شرعیہ میں اشتغال کی شرط لگائی ہے ،لیکن چونکہ دوسرے نافع علوم بھی انسانیت کے لئے ضروری اور شریعت میں مطلوب و پسندیدہ ہیں، اس لئے ان کا بھی وہی حکم ہوگا (ہندیہ۱،۵۶۳)، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام بنیادی طور پر اس کے خلاف ہے کہ بچوں کو تعلیم وتربیت کے بجائے مزدوری میں لگا دیا جائے اور اس طرح مستقبل کوضائع کر کے رکھ دیا جائے، البتہ مجبوری کی صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں (قاموس الفقہ۱،۵۴۶)۔

دورِ تمیز کے احکام :

اس دور سے متعلق شرعی احکام دو طرح کے ہیں: حقوق اللہ اور حقوق العباد، حقوق اللہ کے وہ احکام جن میں نفع ہی نفع ہو نقصان کا کوئی پہلو نہ ہو، جیسے اللہ پر ایمان لانا، ایسے احکام میں ان کا عمل معتبر ہوگا، اسی طرح حقو ق اللہ سے متعلق ایسے احکام جو ضرر محض کاباعث ہو اور جن میں سوائے قباحت کے خیر کا کوئی پہلو نہ ہو، جیسے کفر، ان میں بھی امام صاحبؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ان کا عمل دنیا و آخرت دونوں اعتبار سے معتبر ہوگا، چنانچہ اسکی مسلمان بیوی (کفر کی وجہ سے) رشتۂ نکاح سے نکل جائے گی اور اس کو کسی مسلمان سے و راثت نہ مل سکے گی، البتہ بلوغ سے قبل یا بلوغ کے بعد ارتداد کی سزاء کے طور پرقتل نہیں کیا جائے گا، اور ایسے احکام کہ جس میں ظاہر کے اعتبار سے نفع و نقصان دونوں کا احتمال ہو، جیسے بدنی عبادات جو باعتبار آخرت کے نافع اور باعتبار دنیا کے بظاہردشواری کا موجب ہے، ان احکام کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ انجام ہوگئی تو درست ہے، لیکن واجب نہیں چنانچہ نفل عبادات شروع کر دے تو شروع کرنے کی وجہ سے وہ عبادات واجب نہ ہوگی، ‘‘حقوق العباد ’’ کے وہ احکام جو محض نفع پر مبنی ہوں، ولی کی اجازت کے بغیر ان کو انجام دے سکتا ہے، چنانچہ وہ ہدیہ و صدقہ قبول کر سکتا ہے، نیز اس کا خود کو اجیر رکھنا گو صحیح نہیں لیکن رکھ ہی لے تو اجرت بھی لے سکتا ہے، اور حقوق العباد مینوہ احکام جو محض ضررو نقصان کا باعث ہیں ان کو نہیں کر سکتا، چاہے ولی کی اجازت ہی کیوں نہ شامل ہو، اور اگر کرنا چاہے تو اسکا تصرف قابل نفاذ نہ ہوگا، جیسے طلاق، اسی طرح کسی اور کو صدقہ وھبہ وغیرہ۔ اور وہ معاملات جس میں نفع و نقصان دونوں پہلو ہو، ان میں نابالغ کا تصرف اس وقت نافذ اور درست ہوگا جبکہ ولی کی اجازت ہو یا خود ولی اس کی انجام دہی میں شریک ہو، جیسے نکاح اور خرید وفروخت وغیرہ(قاموس۲،۲۴۴)۔

مجرمانہ ذہن رکھنے والے بچوں کو ان کی سرزنش و اصلاح کے لئے قید کیا جا

سکتا ہے (قاموس الفقہ ۳ ،۱۷۹)۔

دورِ بلوغ کے احکام :

احکام شرعیہ کی اہلیت کے اعتبار سے حیات انسانی کا چوتھا دور ‘‘بلوغ ’’ کا ہے، بلوغ کے بعد انسان کی اہلیت درجۂ کمال کو پہنچ جاتی ہے، اور شریعت اسکو تمام حقوق و اجبات کا مکلف قرار دیتی ہے، البتہ کچھ خاص عوارض (سماویہ ومکتسبہ) وموانع ہیں، جو بلوغ کے بعد بھیانسان کی اہلیت کو ختم کر دیتے ہیں اور اس کو تکلیف وذمہ داری سے نکال دیتے ہیں جیسے جنون، اکراہ، اغماء (بیہوشی) وغیرہ، اس لئے کہ بلوغ عام حالات میں فہم وشعور، جسمانی نشوو نما اور صلاحیت کے ایک منزل تک پہنچ جانے کی علامت ہے، بلوغ کے علامتیں لڑکوں میں انزال، ناف کے نیچے بال کا اُگ آنا وغیرہ ہے، اور لڑکیوں کے لئے حیض، جسم کے مخصوص حصہ میں بال نکل آنا، احتلام اور چھاتیوں کا ابھار ہے، اگر بلوغ کییہ علامتیں ظاہر نہ ہو تو اب عمر کے اعتبار سے بلوغ کا فیصلہ کیا جائے گا، بلوغ کی کم سے کم عمر احناف کے نزدیک لڑکوں کے لئے ۱۲ر سال ہے اور لڑکیوں کے لئے ۹ر سال ہے، اس سے کم عمر میں اگر بلوغ کا دعوی کرے تو معتبر نہ ہوگا، سوائے اس کے کہ ظاہری حالات اورقرائن سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہو، اور زیادہ سے زیادہ بلوغ کی عمر حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک۱۸ر سال لڑکوں اور ۱۷ر سال لڑکیوں کے لئے ہے، امام شافعی، امام مالک ، امام احمد اور صاحبین کے نزدیک ہر دو کے لئے عمر بلوغ۱۵ر سال ہے اور اسی پر فتوی ہے (ہندیہ۲،۶۰۲)، بالغ ہونے کے بعد جو احکام متعلق ہوتے ہیں، ان میں والدین کے ذمہ بنیادی حکم یہ ہے کہ ان کے نکاح کی فکر کرے، چنانچہ ایک مو قع پرنہایت جامعیت کے ساتھ آپ ﷺ نے بچوں کے ان حقوق کا ذکر فرمایا، جو والدین پر ہیں، ارشاد ہے:‘‘من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وأدبہ فإذا بلغ فلیزوجہ فإن بلغ ولم یزوجہ فأصاب إثما فإنما إثمہ علی أبیہ’’ (مشکوۃ : ۲۷۱) (جسکی کوئی اولاد ہو تو وہ اس کااچھا نام رکھے، اسے اچھی تعلیم وادب سکھائے اور جب وہ بالغ ہوجائے(تو نکاح کردے) اور اس کی شادی نہ کی جس کی وجہ سے وہ گناہ میں مبتلا ہوگی تو اس کی ذمہ داری باپ پر بھی ہوگی)۔(العیاذ باللہ)

بچوں کے نکاح کے متعلق شرعی نقطۂ نظر :

بچوں کے نکاح کے سلسلہ میں افراط و تفریط پائی جاتی ہے، ایک طرف تو بعض برادریوں میں لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی میں غیرمعمولی تاخیر کی جاتی ہے، جس سے اخلاقی بگاڑ پیدا ہونا فطری بات ہے، جبکہ بعض برادریوں میں کم عمری میں ہی نکاح کر دیئے جاتے ہیں، جو بعد کو پیشآنے والے حالات میں بچوں کے لئے بعض اوقات غیر موزوں ثابت ہوتے ہیں۔

اس سلسلہ میں شریعت کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ بچوں کے بالغ ہونے کے بعد مناسب

رشتہ تلاش کر کے فوراً ان کا نکاح کر دیا جائے، تاکہ وہ گناہ میں مبتلاء نہ ہو، او ر مسلم معاشرہ میں ہمیشہیہ معمول رہا کہ لڑکے اور لڑکیوں کے بالغ ہونے کے بعد فوراً ان کا نکاح کر دیا جاتا، خود قرآن مجید نے بھی اس طرح اشارہ کیا ہے، {وابتلوا الیتمی حتی إذا بلغوا النکاح" (نساء: ۶)، یہاں نکاح کو پہنچنے سے مراد بالغ ہونا ہے، چنانچہ ابو بکر جصاص رازیؒ نے احکام القران (۶۳،۲) میں اور علامہ جالال الدین سیوطیؒ نے جلالین(۷۰،۱) مینیہی فرمایا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بہتر طریقہیہی ہے کہ بچوں کے بالغ ہونے کے فوراً بعدنکاح کئے جائیں، اور بلا کسی معقول عذر کے خواہ مخواہ تاخیر نہ کی جائے، خود رحمت عالم ﷺ نے اپنی صاحبزادیوں کا نکاح عمر بلوغ کو پہنچنے کے بعد فرمایا، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اصل یہی ہے کہ بالغ ہونے کے بعد نکاح ہو، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے بلوغ سے قبل بھی بچوں کے نکاح کی گنجائش رکھی ہے، اور اسی وجہ سے مختلف صحابہؓ نے کم عمری میں بچوں کے نکاح کئے ہیں، اسلام نے کم عمری میں لڑکے یا لڑکی کے نکاح کی ترغیب تو نہیں دی ہے؛ البتہ اس سے منع بھی نہیں کیا، بلکہ بتقاضۂ مصلحت خیار بلوغ کے ذریعہ اسکی تلافی کی گنجائش رکھ کر اجازت دی ہے، واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الحق والکتاب۔

***

اسلام میں بچوں کے حقوق وذمہ داریاں

مولانا محمد صابر حسین ندوی•

شریعت کی اصطلاح میں : جن محرم رشتہ داروں پر بچے کی پرورش وپرداخت کی ذمہ داری ہے اسی ذمہ داری کو حضانت کہتے ہیں، ''تربیۃ الاولاد لمن لہ حق الحضانۃ'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷؍۷۷۱)۔

اسلام نے بچہ کی پرور ش اور اس کی پرداخت کو ایک حق کے طو رپر مانا ہے، کہ پیدائش کے بعد بچہ کے لئے کوئی آدمی اس کی دیکھ بھال کے لئے موجود رہے، لہذا شرعاً اسے واجب بھی کہا گیا ہے:''حکمہا:إنہ واجبہ؛ لأن المحضون یہلک بترکہا، فوجب حفظہ من الہلاک....'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷؍۷۸۱)۔

اگر بچہ کو جسمانییانفسیاتییا کسی قسم کی مضرت کا اندیشہ ہو تو یقینا انہیں حق حضانت سے محروم کردیا جائے گا، کیونکہ اصل یہاں پر بچہ کی صحیح تربیت، نشوونما ہے جو کہ مفقود ہے، لہذا فقہاء نے یہ نقل کیا ہے کہ جس بچہ کی حفاظت ممکن نہ ہو اور اس کے اخلاق وصحت پر خدشہ ہو ایسے میں اسے حق حضانت سے محروم کردیا جائے گا، ''القدرۃ علی تربیۃ المحضون: ''وہی الاستطاعۃ علی صون الصغیر فی خلقہ وصحتہ، فلا حضانۃ للعاجز لکبر سن أو مرض أو شغل ویعد الأعمی لعدم تحقق المقصود'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷؍۷۲۶-۷۲۷)۔

شرائط حضانت:

حاضن مسلمان ہو، مرتد نہ ہو، عاقل ہو، بالغ ہو، اخلاق وعادات اچھے ہوں،بچے کی نگہداشت وپرورش کی صلاحیت رکھتا ہو اور اس پر قادر ہو۔

غرضیہ کہ حق حضانت کے سلسلہ میں بچے کی منفعت کو ہمیشہ درپیش رکھا جائے گا۔

ان کے علاوہ بعض وہ ہدایات جنہیں دبستان فقہ کے فقہاء کرام نے ذکر کئے ہیں اور جن کا لحاظ بھی بالخصوص عصر حاضر میں ضروری معلوم ہوتا ہے، مثلاً:

(۱) فقہاء مالکیہ نے حاضن کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ بے وقوف اور اسراف سے کام لینے والا نہ ہو، کیونکہ اگر ایسوں کو حق حضانت دیا جائے گا تو ہوسکتا ہے کہ وہ مالدار بچے کے مال کو ضائع کردے، ''فلا حضانۃ لسفیہ مبذر، لئلا یتلف مال المحضون،

• استاذ جامعہ معین الدین چشتی، اجمیر، راجستھان۔

أو ينفق عليه منه ما لايليق'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷،۷۲۶)۔

(۲) فقہاء مالکیہ وحنابلہ نے حاضن کے لئے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ مہلک اور متنفر کرنے والے امراض سے دور ہوں جیسے: جذام، کوڑھ وغیرہ (حوالہ سابق)۔

(۳) عورت اگر دنیاوی کاموں میں ایسے مشغول ہو کہ بچے کی حفاظت اور دیکھ ریکھ نہیں کرسکتی تو حضانت سے محروم ہوجائے گی (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷،۷۲۶)۔

(۴) اسی طرح اگر عورت کسی اجنبی وغیر محرم سے شادی کرلے، تو اس عورت کو بھی حق حضانت سے محروم مانا جائے گا (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷،۷۲۸)۔

الف: ان شرائط وہدایات کی روشنی مینیہ کہنا مشکل نہیں کہ اگر بچہ کی تعلیم وتربیت اور جسمانی ونفسیاتی مضرت کا خطرہ ہو، نیز اس کے اخلاق وصحت پر خدشہ ہو تو حاضن کو حق حضانت سے محروم کردیا جائے گا (فقہاء نے بچوں کے سلسلہ مینیہ اصول نقل کیا ہے، وإقامۃ مصالح الصغار أقدر، بدائع الصنائع ۳،۴۵۷)، پھر یہ حق سلسلہ بسلسلہ باعتبار فقہ حنفییعنی ماں، پھر نانی، پھر دادی، پھر حقیقی بہن، پھر اخیافی بہن، پھر علاتی بہن، پھر خالہ، پھر اخیافی خالہ، پھر علاتی خالہ، پھر بھانجی، پھر بھتیجی، پھر حقیقی پھوپھی، پھر اخیافی پھوپھی، پھر علاتی پھوپھی، پھر وراثت کی ترتیب کے مطابق عصبات کو منتقل ہوتا چلا جائے گا (دیکھئے: بدائع الصنائع ۳،۴۵۸-۴۵۷، در المحتار مع الرد ۵،۲۶۲)۔

ب: اسلام میں بچوں کے حق تعلیم وتربیت کے بارے میں بنیادی ہدایات:

ملت ومذہب میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو انسانوں کے ہر طبقہ کو مکمل حقوق ادا کرتا ہے، خواہ وہ بچہ ہی کیوں نہ ہو، جابجا قرآن وحدیث میں ان کے حقوق کو کبھی مجمل تو کبھی مفصل ذکر کیا گیا ہے، ان حقوق میں سب سے اہم اور بنیادی حق بچوں کے لئے جو تسلیم کیاگیا ہے وہ ان کے لئے مناسب تعلیم وتربیت کا انتظام کیا جانا ہے، یہی وجہ ہے کہ گذشتہ برگزیدہ شخصیات نے بھی اس فریضہ کو ہمیشہ ادا کرنے اور اپنی اولاد کے لئے صحیح نہج تیار کرنے کی کوشش کی ہے، اس کا بین ثبوت حضرت لقمانؑ کی اپنی اولاد کو وہ نصیحتیں ہیں جو کہ نہ صرف ان کی اولاد کے لئے بلکہ تمام اولادوں کے ذمہ داروں کے لئے مشعل راہ ہیں، لہذا اللہ نے بھی اس طریقہ کار اور اس معیار تربیت کو اتنا پسند کیا کہ اسے اپنے کلام میں بھی ذکر فرمایا:

''وإذ قال لقمان لابنہ وہو یعظہیا بنی لا تشرک باللہ، إن الشرک لظلم عظیم'' (لقمان: ۱۳) (اور جبکہ لقمان نے وعظ کہتے ہوئے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ میرے پیارے بچے! اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا، بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے)۔

''یا بنی إنہا إن تک مثقال حبۃ من خردل فتکن فی صخرۃ أو فی السموات أو فی الأرض یأتی بہا اللہ إن اللہ لطیف خبیر'' (لقمان: ۱۶) (پیارے بیٹے! اگر کوئی چیز رائی کے

دانے کے برابر ہو پھر وہ (بھی) خواہ کسی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہوا سے اللہ تعالی ضرور لائے گا، اللہ تعالی بڑا باریک بیں اور خبردار ہے)۔

‘‘یا بنی أقم الصلاۃ وأمر بالمعروف وانہ عن المنکر واصبر علی ما أصابک إن ذلک من عزم الأمور’’ (لقمان: ۱۷) (اے میرے پیارے بچے! تو نماز قائم رکھنا، اچھے کاموں کی نصیحت کرتے رہنا، برے کاموں سے منع کیا کرنا اور جو مصیبت تم پر آجائے صبر کرنا (یقین مان) کہ یہبڑے تاکیدی کاموں میں سے ہے)۔

‘‘ولا تصعر خدک للناس ولا تمش فی الأرض مرحاً إن اللہ لا یحب کل مختال فخور’’ (لقمان: ۱۸) (لوگوں کے سامنے اپنے گال نہ پھلا اور زمین پر اترا کر نہ چل، کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو اللہ پسند نہیں فرماتا)۔

‘‘واقصد فی مشیک واغضض من صوتک، إن أنکر الأصوات لصوت الحمیر’’ (لقمان: ۱۹) (اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر، اور اپنی آواز پست کر یقینا آوازوں میں سب سے بدتر آواز گدہوں کی آواز ہے)۔

ان آیتوں کو غور سے پڑھیے اور دیکھئے کہ حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹوں کو دس باتوں کی تلقین کی ہے، یہ دس باتیں تعلیم وتربیت کا ایک جامع اور مکمل کورس ہیں:

۱۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔
۲۔ اچھا عمل کرو، اللہ کے یہاں اس کا بہترین صلہ ملے گا۔
۳۔ نماز کا اہتمام کرو۔
۴۔ بھلائی کا حکم دو۔
۵۔ برائی سے روکو۔
۶۔ مصیبت میں صبر سے کام لو۔
۷۔ لوگوں سے بے رخی نہ برتو۔
۸۔ زمین میں اکڑ کر مت چلو۔
۹۔ اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو۔
۱۰۔ اپنی آواز پست رکھو۔

نیز حضورﷺ نے بچوں کے تعلیم وتربیت پر اس قدر زور دیا ہے کہ اسیران بدر کا فدیہ مسلمان بچوں کو تعلیم سے آراستہ کرنا قرار دیا تھا، اور جو مقدمہ اسلام حضورﷺ کو ملا اس میں اللہ رب العزت نے یہی فرمایا تھا ‘‘اقرأ ’’ پڑھو، مگر یا د رکھو جو کچھ بھی پڑھو اور وہ اللہ کے نام سے پڑھو، ‘‘اقرأ باسم ربک الذی خلق ’’ (علق: ۱) ، اس نہج سے حرف موانحراف کرتے ہوئے بھلے ہی کوئی عظیم سے عظیم ہستی کیوں نہ بن جائے تب بھی اسلام کی نظر میں اس کی ساری تعلیم رائیگاں، اس کا پڑھنا رائیگاں،

اس کا پڑھانا، اور اس کی تمام تحقیق رائیگاں متصور ہوگی، الغرض تعلیم وتربیت میں سب سے اہم زیور علم سے مزین کرنا ہے مگر ضروری ہے کہ وہ باسم الہی ہو نہ باسم شیطانی۔

بچے اور بچیوں کے لئے دینی تعلیم وعصری تعلیم:

اللہ رب العزت نے جاننے اور نہ جاننے والوں کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ نہ جاننے والا اور جاننے والا کبھی برابر نہیں ہوسکتے، ''قل ہل یستوی الذینیعلمون والذین لا یعلمون'' (الزمر: ۹)، (نیز حضورﷺ نے ہر مسلمان پر تعلیم کے حصول کو فرض قرار دیا:''طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم'' (سنن ابن ماجہ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم: ۲۲۴، ۱۰؍۸۱)۔ تعلیم کی راہوں میں اس کی مسافتوں اور میلوں کو پاٹنے کی ترغیب فرمائی، فرمایا: ''اطلب العلم ولو کان بالصین''، اور اس کی راہ میں چلنے والوں کومبارک بتاتے ہوئے فرمایا: ''من سلک طریقاًیلتمس فیہ علما سہل اللہ لہ طریقاً إلی الجنۃ'' (سنن ابن ماجہ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم: ۲۲۳، ۱۰؍۸۱)۔

ان ارشادات وفرمودات کے پیش نظر حصول علم کی فضیلت واہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، مگر سوال یہ ہے کہ بچے اور بچیوں کا کس قدر تعلیم دینا ضروری ہے؟ اور عصری تعلیم کس حد تک دینا ضروری ہے؟

بچوں کو اتنی تعلیم دینا ضروری ہے جو معرفت الہی اور اطاعت خداوندی کے لئے معاون ومددگار ہوں، کیونکہیقینا شرک ایک عظیم گناہ اور اس سے بچنا فرض ہے، لہذااتنی تعلیم حاصل کرنا فرض قرار پائے گا جو انسان کو رب حقیقی سے ملا دے۔

یہی وجہ ہے فقہاء نے بھی قرآن صرف اتنا سیکھنا اور یا دکرنا جس سے نماز ہوجائے فرض اور سورہ فاتحہ وایک سورہ سیکھنا بلکہ یاد کرنا واجب اور مکمل یاد کرنا فرض کفایہ قرار دیا ہے (البحر الرائق ۱؍۲۹۲ کتاب الصلاۃ)۔

اب جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ عصری تعلیم دینا کس حد تک ضروری ہے؟ اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ عصری تعلیم اپنے بچوں کو دینا ضروری بلکہ اشد ضروری ہے کہ اسلامی تعلیمات کو خلط ملط کرنے والے مغربی پروپیگنڈے اور بسااوقات اسلامی تعلیم کے لبادے میں غیر اسلامی تعلیمات کے درمیان وہ تمیز کرسکنے اور اپنے ایمان وعقیدے کو بچاسکنے پر قادر ہوسکے، یہ ضرورت زمانی ہے، جیسا کہ آپﷺ نے زید بن ثابتؓ کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم فرمایا تھا(مسند احمد ۵؍۱۸۶، دیکھئے: سیر الصحابہ: ۳۴۰)، تاکہ ان کی خباثتوں سے حفاظت ہوسکے۔

دومیہ کہ حالات حاضرہ کی صورت حال کسی سے پوشیدہ نہیں، بارہا اسلام اور اسلامی تعلیمات پر حملے ہوتے رہتے ہیں، حتی کہ اسلام پر حملوں کی منصوبہ بند سازشیں ہوتی رہتی ہیں، ایسے میں امت کی غیور ماؤں اور جلال ایمانی سے سرشار خواتین کو

چاہئے کہ اپنے بچوں کو تعلیمکے ساتھ ساتھ وہ معیاری فکر کی بلندی سے پیراستہ کریں، تاکہ اسلام پر ہورہے چہار خانوں سے حملوں کو نہ صرف روک سکیں؛ بلکہ ان کا دفاع بھی کرسکیں،چنانچہ عصری تعلیم اتنی حاصل کروانا ایک گونا امت کی ماؤں پر واجب قرا ردیا جاسکتا ہے؛ کیونکہ اصل بیج اور تخم ریزی کا ہنر انہی کے پاس ہے۔

سومیہ کہ اسلام نے نہ جاننے والوں کو جاننے والوں سے پوچھنے کا حکم فرمایا: ‘‘فاسئلوا أہل الذکر إن کنتم لا تعلمون’’ (نحل: ۴۳) اور اس میں کوئی قباحت بھی نہیں رکھی، بلکہ بسااوقات اسے فرض بھی قرار دیا ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ عصر حاضر میں بالخصوص عصری تعلیم کے متعلق اگر کسی سے سوال کیا جائے تو وہ ناگواری بلکہ اکثر عزت نفس پر بار کلمات تک کہنے سے گریز نہیں کرتے، ایسے میں چاہئے کہ مسلمان بچے اور بچیاں عصری علوم اتنا ضرور حاصل کریں کہ اپنی فضیحت ورسوائی نہ ہو، کیونکہ عزت نفس کی حفاظت شریعت اسلامی کا ایک اہم جز ہے۔

حکومت کی طرف سے بچے اور بچیوں کے لئے لازمی تعلیم:

اگر حکومت کسی سطح تک تعلیم لازم کردے تو کیا شرعاً اس کی پابندی ضروری ہے، چنانچہ اس کا جواب دینے اور اس میں چھپی رازہائے سر بستہ کو سمجھنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم اپنے ملک کے حالات اور اس میں پنپ رہی بھگوا اور اسلام دشمن طاقتیں، زعفران اور زعفرانیت میں لت پت سرخی کا بغور جائزہ لیں، بلکہ اگر ایک طائرانہ نظر بھی ڈالیں تو یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تعیین کردہ قانون کسی رحم دلی وحب وطنی کا پر تو نہیں ، بلکہ ذہنی سطحیت اور ہندو احیائیت کے منصوبوں کا ایک مقدمہ ہے، لہذا یہ تو یقینی ہے کہ مسلمانوں پر ایسے قانون کی پابندی شرعاً ضروری نہیں، بلکہ دیانتاً بھی اگر دیکھیں تو اس قانون، بلکہ ایسے لاقانونیت کی پابندی مسلمانوں پر لازم نہیں، بھلا کون ہوگا جو یہ پسند کرے کہ جس عمر میں اسلامی تعلیمات کی تخم ریزی کی جائے، جس عمر میں کلمہ لا إلہ إلا اللہ کا زاویہ کروایا جائے، جس عمر میں غیر ت ایمانی کا جذبہ ان میں ودیعت کی جائے، جس عمر میں ایک ایسی بنیاد رکھی جائے جو اس کے مستقبل کا عظیم معمار بنے، ایسی اہم اور نازک عمر میں ان دہریوں اور دیوی پرستوں کے حوالہ کردیا جائے، یقینا ایسا کرنے والا غیرت ایمانی سے دور بلکہ کوسوں دور ہوگا۔

بچوں کو جنس کی تعلیم دلانے کا مسئلہ:

آج دنیا ہوا وہوا پرستی کی باندی اور اتباع خواہشات پر عاجز وبے کس ہوتی جارہی ہے، اپنی چاہ ومنشا کی تکمیل کے لئے کبھی سبز باغ تیا رکرتی ہے تو کبھی حدود الٰہی کو توڑنے سے بھی گریز نہیں کرتی، جنسی تعلیم دراصل انہیں فحش اور تخریب پسند فطرت کا ثمرہ ہے، جس کی سرپرستییا تو ‘‘بلیک ہاؤس ’’ یا وہ شیطانی امراء کررہے ہیں جو کہ نسل انسانی کو برباد کرنے کے درپے ہیں۔

یقینایہ بات ارباب حل وعقد کے سامنے اظہر من الشمس ہے کہ اگر بچہ چھوٹا ہو اور اسے دودھ کی جگہ کتنی ہی شیریں وقیمتی غذا کیوں نہ کھلادی جائے بدہضمی کاشکار ہوجائے گا، ایسے ہی ایک بچہ جو کہ ابھی شعور کے اس معیار کو نہیں پہنچا کہ اسے خود کا شعور حاصل ہو، بھلا اسے جنسی تعلیم دینا ان کے مستقبل کو ضائع کرنا اور حال کو ملیامیٹ کرنے کے مترادف ہوگا۔

کیونکہ بچپن میں بچوں کا حق جنسی تعلیم نہیں بلکہ وہ تعلیمات ہیں جو آئندہ ان کے لئے شاہراہ حیات ثابت ہوسکیں، جس سے وہ رب حقیقی اور اطاعت خداوندی پر گامزن ہوسکیں، لہذا یہی وجہ ہے کہ حضورﷺ نے بچہ کے سات سال ہونے پر ہی اسے نماز پڑھوانے کا والدین کو پابند بنوایا ، ‘‘مروا أولادکم بالصلاۃ وہم أبناء سبع سنین ....’’ (ابوداؤد ۳۳۴،۱، من حدیث عبد اللہ بن عمر وحسنہ النووی فی ریاض الصالحین)۔

اسی طرح حضوراکرمﷺ نے سرپرستوں کو پابند بنایا کہ اپنے بچوں کو اوامر ومعروفات کی اتباع پر ابھاریں اور منہیات ومنکرات سے بچنے کی تلقین کرتے رہیں، اور یہی نہیں بلکہ ایسی تعلیمات کو حضورﷺ نے ان (والدین، سرپرستوں) کے حق میں جہنم سے خلاصی کا باعث تک قرار دیا ہے، ‘‘مروا أولادکم بامتثال الأوامر واجتناب بالنواہی فذلک وقایۃ لہم من النار’’ (مجمع الزوائد ۲۵۳،۴، کنز العمال ۲۷۶،۱۶، حدیث نمبر: ۴۴۴۴۱)۔

ایک جگہ تو حضورﷺ نے بالخصوص والدہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے بچوں کا نام خوب سے خوب تر رکھیں اور ان کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دیں، اور اس میں معاون قرآن کریم کی تعلیم کو اولین درجہ دیں تاکہ علوم قرآنیہ سے اس کا سینہ منور ہو اور امت کے لئے باعث انتفاع بنے، ‘‘أن یتنقی أمہ ویحسن اسمہ ویعلمہ القرآن’’ (مجمع الزوائد ۲۵۳،۴، کنز العمال ۲۷۶،۱۶، حدیث نمبر: ۴۴۴۴۱)۔

غرضیہ کہ جنسی تعلیم کا جاپ کرنے والی زبانیں مغربیت اور عصبیت انسانی سے تر ہیں، لہذا ایسوں کی صدا پر کان دھرنے کی قطعی ضرورت نہیں، اسلامی ہدایات واضح ہیں جو کہ ہر ایک مومن کے لئے عمل کا متقاضی ہیں۔

ج: نکاح کے بارے میں بچے اور بچیوں کے حقوق:

بچے اور بچیوں کے جو حقوق والدین پر مرتب ہوتے ہیں ان میں ایک اہم حق یہ ہے کہ والدین ان کی شادی کی فکر کریں، اور جلد ازجلد عقد نکاح کے مبارک رشتے سے منسلک کردیں، حضورﷺ نے اس کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے اور اس میں شیطان کی فضیحت ورسوائی بتلائی ہے، حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا: جب کوئی جوان اپنی نئی عمر ہی میں شادی کرلیتا ہے تو شیطان ہائے ہائے کرتا ہوا کہتا

ہے کہ اس نے اپنے ایمان ودین کو مجھ سے محفوظ کرلیا، ‘‘أیما شاب تزوج فی حداثہ سنۃ عج شیطانیا ویلہیا ویلہ! عصم منی دینہ’’ (مجمع الزوائد ۲۵۳٫۴، کنز العمال ۲۷۶٫۱۶، حدیث نمبر: ۴۴۴۴۱)۔ نیز آپ ﷺ نے شادی کو ایک مومن کے لئے نصف ایمان قرار دیا ہے (الاجماع لابن منذر: ۳۹)۔

واقعہیہ ہے کہ نکاح ایک فطری ضرورت ہے اور اسلام دین فطرت ہے، جس نے زندگی کے تمام مسائل کا فطری حل بتایا ہے، ان ہی میں بچوں کے نکاح کا مسئلہ بھی ہے بسااوقات خاندان میں کم عمر بچوں ، بچیوں بالخصوص نابالغ لڑکی کی مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے کہ بچپن ہی مینیا کم عمری میں شادی کردی جائے، لہذا فطری تقاضوں کو دیکھتے ہوئے اسلام نے بھی اس کی اجازت مرحمت فرمائی ہے، جس کا ثبوت قرآن کریم کی متعدد آیتوں سے ہمیں ملتا ہے (مثلاً: سورہ طلاق کی آیت: ۴، سورہ نور کی آیت: ۳۲، سورہ نساء کی آیت: ۱۲۷)، اسی لئے علماء کا اس پر اجماع ہے کہ باپ کے لئے اپنی کم عمر اولادخواہ وہ نابالغ ہی کیوں نہ ہوں شادی کرنا جائز ہے (الاجماع لابن منذر: ۳۹)، نیز آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے نکاح چھوٹی عمر میں کیا (دیکھئے: بخاری: ۵۱۳۳، مسلم: ۱۴۲۲)،اور آپ ﷺ نے اپنی چچازاد بہن امامہ بنت حمزہؓ کا نکاح ابوسلمہ کے لڑکے عمرؓ سے کیا، اس وقت وہ دونوں چھوٹے تھے(الاصابہ ۳۷۳٫۲)، اسی طرح متعدد صحابہؓ سے ثابت ہے (دیکھئے مصنف عبد الرزاق ۱۶۴-۶۲٫۶)۔

لیکنیہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام میں اس کی (کم عمری کی شادی) صر ف اجازت ہے، کوئی ترغیبیا حوصلہ نہیں دیا گیا ہے، بلکہ بہتر اور پسندیدہ امر اسی کو قرار دیا گیا کہ بالغ ہونے کے بعد ہی بچوں کی شادی کریں، جیسا کہ آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے فرمایا تھا .... لہذا امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ مستحب اور پسندیدہیہ ہے کہ باپ اور دادا کنواری لڑکی کی شادی اس وقت تک نہ کریں جب تک کہ وہ بالغ نہ ہوں، او راس سے اجازت لینی چاہئے تاکہ ایسا نہ ہوکہ ناپسندیدگی کے ساتھ شادی کے جال میں پھنسا دیا جائے (شرح مسلم للنووی۲۱۰٫۹، دیکھئے: بچوں کے احکام ومسائل: ۳۸۸)۔

دراصل آج نظام زندگی افراط وتفریط کا شکار ہے، یہی وجہ ہے کہ نکاح وشادی کے معاملے میں بھی بھونڈہ پن پیدا ہوگیا ہے، کہیں اتنی عمر میں شادی کردی جاتی ہے کہ دولہا اوردلہن کو کسی بات کا شعورتک نہیں ہوتا اور کہیں بلکہ اکثر شہری زندگی مینعمر کے ان مرحلوں میں شادی کی جاتی ہے جہاں حقیقتاً انہیں کئی بچوں کا باپ ہونا تھا۔

اسلام ایک متوسط دین اور یہ امت، امت وسط ہے ‘‘وکذلک جعلناکم أمۃ وسطاً’’ (بقرہ: ۱۴۳)، اس میں افراط وتفریط کی اجازت نہیں، غرض یہ کہ اسلام نے کم عمری میں نکاح کی صرف اجازت دی ہے، نہ کہ ترغیب، کما مر۔

یہ بات ماہر نفسیات اور تمام اہل شعور سے بھی پوشیدہ نہیں کہ نکاح میں تاخیر سماج ومعاشرے کے اندر اور خود اس انسان کے اندر مختلف برائیوں کا ذریعہ بنتی ہے، چنانچہ حضورﷺ نے والدین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''جب وہ بالغ ہوجائیں تو ان کی شادی کردیں '' اور وہ عوارض جن کا حوالہ دے کر شادی کی تاخیر میں سند جواز حاصل کی جاتی ہیں، مثلاً: معیشت، حالات وغیرہ وغیرہ کا دفع بخوبی کیا، بلکہ ان کا حل بھی شادی ہی کو بتلایا ہے، لہذا حضورﷺ نے فرمایا: اگر شادی کرنے والا عفت وپاکدامنی کی نیت کرتے ہوئے شادی کرے تو اللہ کی مدد اس کے ساتھ شامل حال ہوجاتی ہے، ''ثلاثۃ حق علی اللہ عزوجل عونہم .... والناکح الذییرید العفاف ....'' (سنن نسائی٣،٦١ باب معونۃ اللہ الناکح الذییرید العفاف)، اسی طرح آپﷺ ایک صحابی کی شادی محض ایک لوہے کی انگوٹھی پر فرمادی (سنن نسائی٣،٦١ باب معونۃ اللہ الناکح الذییرید العفاف)، یہ بھی نہیں کہا کہ کیسے کھلاؤگے؟ کیا کھلاؤگے؟ کیا پہناؤگے؟

یقینا شادی میں تاخیر انسان کو شہوت رانی وبدبختی کی ظلمت میں پھینک دیتا ہے، جنہیںیقین نہ ہو وہ ذرا ایک نظر مغرب کی سبزوادیوں پر ڈالیں تو ضرور یقین ہوجائے گا کہ آج نوجوان کس طرح اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے شیطانی حربے استعمال کررہے ہیں، اور عقد مبارک سے دور ہوتے جارہے ہیں،یہی وجہ ہے کہ آج مغرب کی پچاس سے ساٹھ فیصد آبادی حرام زادوں کی ہے۔

خدارا! مسلم امت اپنے آپ کو اس لعنت سے بچائیں، معاشیات وماحولیات کا حیلہ تلاش کرکے حضورﷺ وانبیاء کرام کی مبارک سنت پر عمل پیرا ہونے سے محروم نہ ہوئیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ محرومی بدنصیبی اور جہنمی کا باعث بن جائے، اللہم احفظنا ۔

د: بچہ مزدوری کے بارے میں اسلام کا موقف:

مادیت اور معدیت کے اس دور میں انسانوں کا مقصد حیات اپنا پیٹ پالنا اور اپنا کام نکالنا رہ گیا ہے، خواہ اس کے لئے ظلم وجور کا سہارا ہی کیوں نہ لینا پڑے، فرعون وشداد ہی کیوں نہ بننا پڑے، یہی وجہ ہے کہ آج صنف ضعیف کے تمام تر ضعف کے باوجود ظلم واستبداد کے شکار ہوئے جارہے ہیں، کبھی ان سے بچہ مزدوری تو بندھوا مزدورییا استحصال اور مختلف ومتنوع حالات سے دوچار کیا جارہا ہے، جس کے لئے انہیں ماؤں کی ممتا اور باپوں کی شفقت سے دور کیا جارہا ہے۔

جبکہ بچہ مزدوری دستور ہند کی دفعہ ''بنیادی حقوق '' میں ''استحصال سے محفوظ رہنے کے حق '' (Rights Against Exploitation) کے زیر عنوان، علاوہ اور باتوں کے چودہ سال سے کم عمر کے بچوں کے لئے فیکٹریوں، کانوں اور اسی طرح مزدوری کی تمام پرخطر صورتوں کو ممنوع قرا ردیا گیا ہے (Indias Constitution, p:24)،

اور حکومت ہند کے ۱۹۵۹ء کے ‘‘حقوق اطفال ’’ کے اعلامیہ (Declration of the Right of Child 1959) میں تعلیم، صحت، رہائش، ظلم واستحصال سے تحفظ علاحدہ نام اور قومیت، آزادی ووقار کی فضا میں پرورش کو ہر بچہ کا بنیادی حق تسلیم کیا گیا ہے، حتی کہ اقوام متحدہ نے بھی بچہ مزدوری کو ایک قابل سزا جرم قرار دیا ہے۔

بہرحال انسانی عقل وشعور وارتقا کے نہ جانے کتنے مراحل طے کرنے کے بعد آج اس مقام تک پہنچا ہے کہ اسے فلاح اطفال (Child Welfare) کا خیال ہونے لگا ہے، جبکہ اسلامی تعلیمات جو آج سے چودہ سو سال پہلے نازل ہوئیں، جس کا دستور اساسی قرآن کریم فلاح اطفال کے سلسلہ میں فکر مند دکھائی دیتا نظر آتا ہے، شایدیہ دنیا کی پہلی کتاب ہوگی جس نے بچوں کو مستضعف قرا ردے کر سب سے پہلے اسے ایک کمزور طبقہ انسانیت کی حیثیت سے ابھارا ہے، ‘‘إلا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان لا یستطعیون حیلۃ ولا یہتدون سبیلاً’’ (نساء: ۹۸)، اور اسے ظلم واستبداد کے آہنی پنچوں سے نجات دلانے کے لئے اپنے ماننے والوں کو جہاد وقتال تک کا حکم دیتا ہے، ‘‘وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذینیقولون ربنا أخرجنا من ہذہ القریۃ الظالم أہلہا، واجعل لنا من لدنک نصیراً’’ (نساء: ۷۵)، نیز رب العزت نے کسی کو بھی استطاعت سے زیادہ کا مکلف نہیں بنایا ہے، ‘‘لا نکلف نفسا إلا وسعہا’’ (انعام: ۱۵۲)، ایسے ہی بچہ مزدوری کے متعلق اسلامی موقف نصف النہار کی طرح ظاہر ہوجاتا ہے کہ ایک صنف ضعیف کو مزدوری کا مکلف نہیں بنایا جاسکتا، کیونکہیہ ان کی استعداد سے باہر اور ان کے حق میں ظلم ہے اور ظلم اسلام میں حرام ہے (دیکھئے: بچوں کی مزدوری اور اسلام،ص: ۱۳-۱۲)۔

(۲) والدینیا اولیاء کا نابالغ بچے اور بچیوں سے گھریلو کام لینا:

اس کے مختلف طریقے ہوسکتے ہیں، کیونکہ کسی نے بھی سیکھنے سکھانے کا کوئی طریقہ اخیر ایجاد نہیں کیا، کبھی کبھی بچوں میں بیداری وآداب انسانی سکھانے کے لئے اپنی نگرانی میں مستقل رکھا جاتا ہے، اوران کے ذریعہ وہ کام بھی لیے جاتے ہیں جو کہ تربیت کا حصہ ہوتے ہیں،جیسا کہ حضورﷺ کے زیر نگرانی بچوں وخادمین کے تذکرے میں ملتا ہے، جس میں نمایاں نام حضرت انسؓ کا ہے،جنہوں نے دس سال تک حضورﷺ کی خدمت گزاری کی، ان کے علاوہ کم سنی سے حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ، مستقل خدمت میں شامل رہے، خدمت کا ہی پروانہ تھا کہ حضرت ابن عباسؓ کو ‘‘اللہم علمہ تأویل القرآن’’ (المستدرک علی الصحیحین۳،۶۱۸، حدیث نمبر: ۶۲۸۸)، جیسی دعاء کا تحفہ مایہ نصیب ہوا۔

مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان بچے اور بچیوں سے ان کے اولیاء گھر کا کام کس

حد تک لے سکتے ہیں؟ حضورﷺ کے خادمین کی فہرست او ران سے لئے جانے والے کاموں پر اگر ہم ایک طائرانہ نظر بھی ڈالیں تو ہمیں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جہاں آپﷺ نے سکت بھر سے زیادہ کسی سے کام لیا ہو، کیونکہ حضورﷺ خدا کے تابع وفرمانبردار تھے، او رخدا نے اپنا یہ حال بتادیا تھا کہ ''لا یکلف اللہ نفساً إلا وسعہا'' (بقرہ: ۲۸۶)، ایسے میں بھلا حضورﷺ وسعت سے بڑھ کر کیسے کام لے سکتے تھے، یہی وجہ ہے کہ حضورﷺ عموماً اپنے کام خود ہی کیا کرتے تھے، لہذا آپﷺ کے گھریلو حالات ومعاملات کو بتلاتے ہوئے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ گھر میں اپنا کام خود ہی کیا کرتے تھے، مثلاً بکری دوہنا، کپڑے بدلنا وغیرہ (دیکھئے: علم اصول الفقہ ۱۸۷،۸)، غرض یہ کہ بقدر ضرورت واستطاعت بچے اور بچیوں سے کام لیے جاسکتے ہیں، مگر افضلیت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنا کام خود کرے اور کسی کی محتاجی وبے کسی کا دست نگر نہ بنے۔

اپنی معاشی ضرورت پورا کرنے کے لئے یا بہتر بنانے کے لئے بچوں سے مزدوری کرانا:

اسلامی تعلیمات نے ضروریات انسانی کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) ضروریات: جن کے بغیر مقاصد خمسہ (حفظ دین، حفظ نفس، حفظ عقل، حفظ نسل، حفظ مال) کا تحفظ ممکن نہ ہو، وہ ''ضرورت'' ہیں، جیسے: جان بچانے کے لئے کھانے کی اجازت۔

(۲): حاجت: وہ احکام جن پر مقاصد خمسہ موقوف تو نہ ہوں لیکن وہ نہ ہوں تو مشقت پیدا ہوجائے جیسے : آسودہ ہوکر کھانا کہ زندگی اس پر موقوف نہیں، لیکن اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو مشقت ہوگی۔

(۳) تحسین: جن احکام کا مقصد سہولت وآسانی پیدا کرنا ہو، جیسے: انواع واقسام کے لذت بخش کھانوں کی اجازت (دیکھئے: علم اصول الفقہ ۱۸۷،۸)۔

ضرورت کا درجہ سب سے اول ہے، پھر حاجت اور اس کے بعد تحسین کا درجہ ہے۔

ان اصول وقواعد کے پیش نظر اگر ہم مذکورہ سوالات پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کو ضرورت (بحیثیت مذکورہ تعریف کے)لاحق ہو تو پھر ان سے کام کاج لینے کی اجازت دی جاسکتی ہے، تاکہ زندگی کی رمق باقی رہے، اور ''ولا تلقوا بأیدیکم إلی التہلکۃ'' (بقرہ: ۱۹۵) کا ثبات نہ ہونے پائے، مگر ان سے ظلم وجور والے کام نہ لیے جائیں،یعنی وہ کام جن سے ان کی نشوونما وصحت حددرجہ متاثر ہو۔

اور رہی بات ان سے اپنی معاشی ضرورت کو بہتر بنانے کے لئے مزدوری کروانے کی تو یقینا اس کا جواب نفی میں ہی ہوگا، کیونکہیہ درجہ ضرورت کا نہیں بلکہ

تحسین کا ہے اور تحسین کے لئے ایک ایسے کام کی اجازت نہیں دی جاسکتی جو کہ شرعاً درست نہیں ہے (کما سبق)۔

مذکورہ سوال کا تیسراجزء محل نظر وتحقیق طلب ہے، لیکن اتنی بات تو حتمی ویقینی ہے کہ ان سے ان کے وسعت سے بڑھ کر کام نہیں لیا جاسکتا، ''لا نکلف نفساً إلا وسعہا'' (انعام: ۱۵۲)، مگر چونکہ عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ اللہ رب العزت نے ہر بچے کی صلاحیت واستعداد میننمایاں فرق ملحوظ رکھا ہے، چنانچہ بہت سے بچے اپنی تمام تر سہولیات وفراہمی کے باوجود تعلیم وتعلم سے محروم رہ جاتے ہیں، جبکہ ایک ایسا بچہ جو پے درپے حوادث وحالات سے دوچار ہو لائق وفائق اور اعلی تعلیم حاصل کرلیتا ہے، اب ایسے میں ان بچو نکا کیا ہو جو کہ تعلیم وتہذیب کی طرف مائل نہیں ہوتے، ا س کے متعلق اجمالاً اسلامی تعلیمات جن باتوں کی طرف اشارہ کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ ان کی نگہداشت وپرورش میں حتی المقدور بہتر سے بہتر کوشش کرنی چاہئے، انہیں بے یارومددگار اور زمانے کے ادوار پر منحصرنہ چھوڑنا چاہئے، پھر اگر والدین مناسب سمجھیں تو انہیں کسی ایسے کام کاج میں لگا سکتے ہیں جس میں ان کے بچپنے کی بھی رعایت کی جاتی ہو، ایسا نہ ہو کہ کسی دشوار کن، کان، فیکٹری وغیرہ میں لگادیں، اگر ایسا کیا جائے گا تو ہوسکتا ہے کہ جسمانی طور پر زیادہ مضر اثرات ظاہر نہ ہوں، مگر ذہنی طور پر وہ شرپسند اور سنگ دلی کا شکار ہوجائے گا، حضورﷺ کا عمل بھی ہمیشہ اسی طرح رہا کہ بچو نکو کبھی بھی اس کے سکت سے زائد کا مکلف نہ بنایا، لہذا صحابی رسولﷺ حضرت عمیر بن ابی الوقاص کا واقعہ مشہور ہے کہ جنگ احد کے موقع پر جہاد کے لئے نکلنے کی خواہش رکھتے تھے مگر کم عمری وکم سنی کی وجہ سے حضور ﷺنے انہیں واپس کردیا (دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ : القواعد)، کیونکہ جہاد ایک مشقت طلب اور محنت طلب امر ہے جس کا بچے متحمل نہیں۔

معلومیہ ہوا کہ بچوں سے استطاعت کے بقدر ہی کام لیا جائے گا اور لگایا جائے گا۔

(۳) غربت کی وجہ سے بچوں کو مزدوری پر لگاتے ہیں نہ خود کھانے کے لائق ہوتے ہیں نہ حکومت ان کاتکفل کرتی ہیں، ایسے والدین کا نابالغ بچوں کو مزدوری پر لگانا درست ہے کہ نہیں، اس بابت اسلام کی کیا ہدایات ہیں؟

اسلام آفاقی وابدی مذہب ہے،جوہر حالات اور ہر مقام پر صحیح رہنمائی کرتا ہے، خواہ انسان حالت استقراری میں ہو یا حالت اضطراری میں، چنانچہ استقراری حالات کو بتاتے ہوئے قرآن کہتا ہے: ''حرمت علیکم المیتۃ'' (المائدہ: ۳)، مگر مضطر ومجبور کے لئے کہتا ہے:''فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا إثم علیہ'' (بقرہ: ۱۷۳)، حضورﷺ نے بھی استقراری حالت والے شخص کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''تم میں جو کوئی قوت

وطاقت رکھتا ہو تو چاہئے کہ وہ شادی کرے، مگر وہیں پر مضطر کے لئے رخصتاً فرمایا: اگر عوارض لاحق ہوں اور شادی نہ کرپارہے ہوں تو پھر چاہئے کہ وہ روزے رکھیں ''(دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ : القواعد)۔

نیز قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہاء کرام نے مستقل ان اصولوں کو مستنبط کیا ہے جن میں مضطر کے لئے رخصت دی گئی ہے، مثلاً ''الضرورات تبیح المحظورات''، اور ''المشقۃ تجلب التیسیر''، ''ما لا یمکن التحرز منہ فہو عفو''، ''إذا ضاق الأمر اتسع'' وغیرہ (دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ : القواعد)۔ اسی طرح ضروریات انسانی کے جو طبقات بتلائے گئے (ضرورت، حاجت، تحسین) ہیں، وہ بھی اسی کا پرتو ہیں، مذکورہ سوال کو بھی اسی نظر سے دیکھنا چاہئے۔

فقہاء نے بچوں کی دوقسمیں بیان کی ہیں: ایک وہ جو ابھی کم سنی اور لاشعوری کی حالت میں ہے، ان کے متعلق حکم ظاہر ہے، ایسوں سے نہ کام لیا جاسکتا ہے اور نہ لے سکتے ہیں۔

دوسرے وہ بچے جو ابھی نابالغ ہیں مگر سن شعور کو پہنچ چکے ہیں (دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ۲۷؍۳۳؛ صغر)۔

لہٰذا اسلامی تعلیمات وہدایات کو مدنظر رکھتے ہوئے سن شعور کے بچوں کو کام میں لگایا جاسکتا ہے، کیونکہ حضورﷺ کا یہ فرمان مشہور ہے:''مفلسی بسااوقات کفر کا سبب بن جاتی ہے (ابوداؤد: ۴۹۴۳، باب فی الرحمۃ)، ایسے میں اگر بچے محنت ومزدوری کرکے کچھ اپنے اور والدین کے لئے کما سکیں او ران کے ایمان کی حفاظت کرسکیں، اس سے بڑھ کر بھلا اور کیا ہوگا، مگر بہرصورت چند اسلامی ہدایات وشرائط کو ملحوظ رکھا جانا ضروری ہے۔

(۱) بچے شفقت ومحبت سے محروم نہ ہوپائیں:

عموماًیہ دیکھا جاتا ہے کہ کام کاج کرنے والے بچے ہمدردی ورحم دلی او رآغوش محبت سے محروم ہوجاتے ہیں،یہ سراسر غلط اور اسلامی اعتبار سے ناروا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ بچوں کو خواہ اہل خانہ ہوں یا خارج خانہ ہر ایک ان سے فطری لگاؤ اور جذبات واحساسات کا سا سلوک کرے، کیونکہ ارشاد نبوی ہے: ''من لم یرحم صغیرنا ولم یعرف حق کبیرنا فلیس منا'' (ابوداؤد: ۴۹۴۳، باب فی الرحمۃ)۔

(۲) بقدر استطاقت کام لیں:

جس کام کے لئے بھی انہیں لگایا جائے اس میں ہمیشہ ان کی قوت وہمت کو درپیش رکھا جائے گا، کیونکہ اللہ ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ کسی کو بھی اس کی سکت سے بڑھ کر کام لے، ''لا یکلف اللہ نفساً إلا وسعہا'' (بقرہ: ۲۸۶)، اب ایسے میں اگر بندہ الٰہی قانون الٰہی کی خلاف ورزی کریں تو ایسوں کے لئے لمحۂ فکریہ ہے کہ کہیں جہنم ان کا

انتظار نہ کررہی ہو۔

(۳) جسمانی اعضاء ونفسیات کی حفاظت:

دراصل بچہ نابالغی کی عمر میں نشوونما اور پروان چڑھنے کے دور میں ہوتا ہے، لہذا ان کے اعضاء نرم وملائم اور ضعیف ہوتے ہیں، ذرا سی لاپرواہی اعضا کے تلف ہونے کا باعث، یا سختی، نفسیاتی مرض کا ذریعہ بن سکتی ہے، جو کہ آئندہ کی زندگی دشوار سے دشوار کن اور اوروں کا دست نگر بناسکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ حضورﷺ نے صنف نازک پر ہاتھ اٹھانے اور مبرح (جس کا اثر بدن پر آجائے) مار مارنے اور وہ مار جو اعضا کو تلف کرنے کا باعث بنے منع فرمایا ہے (دیکھئے: حدیث ہذا: عن النبیﷺ قال: لا یجلدأحدکم امرأتہ جلد العبد .... رواہ البخاری: ۵۶۰۴، کی تشریح؛ تنویر الآفاق شرح تہذیب الأخلاق: ۲۹۰-۲۹۱)، لہذا بچوں سے کام لینے میں اس بات کا ضرور خیال رکھا جائے کہ اعضاء ونفس متاثر نہ ہوں۔

(۴) دہریت وملحدیت کے شکنجوں سے بچائیں:

ایسا ہرگز نہ ہو کہ انہیں ایسے ماحول میں کام پر لگایا جائے کہ ان کے عقیدے کا سودا کرنا پڑے، والدین اور سرپرستوں کو ہرممکن صورت میں اولاد کے عقیدے کی فکر کرنی چاہئے، جیسا کہ انبیاء ورسل کیا کرتے تھے، حضرت یعقوبؑ کے بارے میں آتا ہے کہ تمام زندگی انہوں نے اپنی اولاد پر محنت کی، لیکن پھر بھی جب ان کی موت کا وقت آیا تو اپنی اولاد کو جمع فرما کر پوچھا تھا جس کو قرآن نے بھی ذکر کیا ہے:''ما تعبدون من بعدی'' (بقرہ: ۱۲۳)، چنانچہ ان کی فکر کا ہی نتیجہ تھا کہ بچوں نے یہ جواب دیا: ''قالوا نعبد إلہک وإلہ آبائک ....'' (بقرہ: ۱۲۳)۔

(۵) ان کے تئیں نیت درست رکھیں:

ایسا نہ ہو کہ ان کے ذریعہ اپنا پیٹ بھرنا اور معیشت مضبوط کرنا مقصود ہوجائے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اگر خیر وصلاح کی نیت پیش نظر ہو تو مستقبل میں ان کے صحیح راہ پر گامزن رہنے اور ایک اچھے انسان بننے میں معاون ومددگار ہوں، کیونکہ ''إنما الأعمال بالنیات'' (رواہ البخاری)۔

ہ: بچے اور جرائم:

اللہ تعالی بچوں کوسادہ دل وسادہ لوح پیدا کرتا ہے، مگر وقت اور ماحول ان پر ایسے اثرات نقش کردیتے ہیں جو کہ انہیں گناہوں کے دلدل میں دکھیلنے اور اطاعت سے دوری کا باعث بنتے ہیں، چونکہ اسلام قطعاً برائی کو پسند نہیں کرتا اورہمیشہ اس کی حوصلہ شکنی بلکہ اس کی بیخ کنی کرنے او راس کا استیصال کرنے کو ضروری قرار دیتا ہے، مگر اسی کے ساتھ ساتھ ضعیف وناتواں کیلئے بہتوں بار عفو ودرگزر کا معاملہ بھی

کرتا ہے، لہذا بچو نکے متعلق فرمان نبوی ہے: ‘‘رفع القلم عن ثلاث: عن النائم والصبی والمجنون’’ (سبق تخریجہ)۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ جرائم جو عموماً بڑوں سے سرزد ہوتے ہیں اگر بچے اس کا ارتکاب کرلیں تو کیا ان پر بھی سزا جاری کی جائے گی؟ فقہاء کرام نے مجرمین اطفال کی دوقسمیں کی ہیں: پہلی قسم ان بچوں کی ہے جو غیر ممیز اور لاشعوری کے مرحلے میں ہیں، ایسے بچوں سے اگر کوئیجرم سرزد ہوجائے تو بدنی ہوں تو ایسے میں اسے سزا سے معاف رکھا جائے گا۔

دوسری قسم: وہ بچے جو کہ ممیز اور باشعور ہوں، مگر ان پر بھی بچپنے کی وجہ سے قصاص وحدود جاری نہ کئے جائینگے، الا یہ کہ انہیں تعزیریعنی ڈانٹ ڈپٹ اور غیر مبرح ومتلف مار مارا جائے گا، لیکن اگر اس نے کوئی مالی جرم کیایا کسی انسان کے قتل خطا کا مرتکب ہوا تو اس کے اولیاء کے مال سے اس کی دیت وتاوان دینا پڑے گا (الموسوعۃ الفقہیہ۲۷؍۳۳؛ صغر)۔

فقہاء کے اس نقطہ نظر سے دور حاضر میں نابالغ بچے بچیوں سے سرزد ہورہے جرائم کا حکم صاف ظاہر ہے کہ اگر بچہ ممیز وباشعور ہو تو بغیر حد جاری کئے ہوئے غیر مبرح ومتلف سزا دی جاسکتی ہے، کیونکہ حقیقتاً وہ شریعت واحکام کے مکلف نہیں۔

راقم کا خیال ہے کہ جس طرح فقہاء نے کھوسٹ بوڑھے یا وہ عورت جو جنگ میں ماہر ہو قتل کرنے کی اجازت دی ہے، لہذا ہوسکتا ہے کہ اگر کوئی نابالغ صاحب شعور کسی غلط جرم پر مصر اور اپنی اصلاح سے غافل ہوکر سرکشی کی حد کو پہنچ چکا ہو اور فتنہ عظیم کا باعث ہو، تو مصلحتاً ان پر امام وقت وحاکم حدود بھی جاری کریں، کیونکہ قاعدہ عام ہے ‘‘تصرف الإمام علی الرعیۃ منوط بالمصلحۃ’’ (الموسوعۃ الفقہیہ: (القواعد) ، یہیقینا تمام بچوں اور والدین وسرپرست کے لئے بھی باعث عبرت اور ملک ومعاشرے کے لئے صلح وآشتی کا ذریعہ بنیں، واللہ اعلم۔

جرائم پر سد باب کے لئے اسلام کی ہدایات:

اسلام میں بلاشبہ حدود وقصاص کے احکام ہیں، مگر یہ بہت اخیر درجہ کی چیزیں ہیں، اس سے پہلے اسلام ایسے تصورات اور ماحولیات کا معاشرے کو پابند بناتا اور تعلیمات دیتا ہے جو ان پر ایسی نوبت آنے ہی نہ دے۔

کہا جاتا ہے کہ احتیاط علاج سے بہتر ہے، لیکن تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود اگر کسی کو مرض لاحق ہوجائے تو پھر اسے دوا کے کڑوے گھونٹ کا پلانا بھی ضروری ہوجاتا ہے ....، اسلام نے جرائم کے متعلق اس اصول کو پوری طرح پیش نظر رکھا ہے، لہذا اگر کوئی تدابیر کے باوجود جرم میں ملوث ہوجائے تو اس کا مستقل علاج بھی تجویز کرتا ہے۔

شریعت اسلامیہ نے جرائم کے علاج کی تین صورتیں بتائی ہیں:

(۱) پہلی قسم: حدود کا نفاذ ہے، اس کے معنییہ ہیں کہ مجرم ان جرائم کا ارتکاب اپنے جملہ شرائط کے ساتھ کیا ہو جن کی سزائیں اللہ اور اس کے رسولﷺ نے متعین کردی ہیں، جن میں نہ کمی کی جاسکتی ہے اور نہ زیادتی، لہذا وہ سزائیں مجرم پر ویسے ہی نافذ کی جائینگی، ان میں زنا، زنا کا الزام، چوری، شراب نوشی، ارتداد، ڈکیتی اور بغاوت شامل ہیں۔

(۲) دوسری قسم: قصاص ہے، اس کے معنی بدلے کے ہیں، مجرم نے اگر کسی کا قتل کردیایا اس کو زخم یا چوٹ پہنچائی تو اس کے بقدر اس سے بدلہ لیا جائے گا۔

(۳) تیسری قسم: تعزیرات ہے، اس کے معنییہ ہیں کہ جن جرائم پر سزائیں مقرر کی گئی ہیں مگر مطلوبہ شرائط پوری نہیں ہورہی ہیں، تو ایسی صورت میں مجرم کی حسب ضرورت تعزیر (مقررہ سزاؤں سے کمتر) کی جائے گی (دیکھئے: جرائم اور اسلام انسداد کی تدابیر اور علاج: ۷۵)۔

اگر ان تعلیمات اسلامی پر بخوبی عمل کیا جائے تو انشاء اللہ حکومت مجرمین خواہ جوان ہوں یا بچے کے جرم سے بوجھل اور معاشرہ گرد آلود نہ ہونے پائے گا۔

(و): بچوں کی جیلیں:

شریعت اسلامیہ کے نزدیک مجرم بہرحال سزا کا مستحق ہے، تاکہ جرائم سے معاشرہ پاک ہو، لہذا اگر مجرم نے جملہ شرائط کے ساتھ جرم کیا ہے، تو ان پر مقررہ حد کا نفاذ ہوگا، دوسری صورت میں ان کی تعزیر ضرور کی جائے گی، خواہ وہ نابالغ ہی کیوں نہ ہو، مگر اس کے چند اصول وضوابط ہیں جس کا خیال رکھنا ہے، اولاً یہ کہ حدود وقصاص کی جو شرعی حکمتیں ہیں وہی تعزیرات کے نفاذ میں بھی ہیں، فقہاء نے ان حکمتوں کو مختلف الفاظ میں بیان فرمایا ہے، علامہ زیلعی فرماتے ہیں: ''تعزیر کا مقصد زجر ہے '' (رد المختار علی الرد ۷۴۲،۳)۔

زجر کے معنی مجرم کو اعادہ جرم سے باز رکھنے یا دوسرے کو عبرت دلانے کے ہیں،یہ مقصد جتنی تعزیر سے حاصل ہوجائے اسی قدر تعزیر کی جائے گی، بے جا اور غیر ضروری تعزیر سے شریعت نے منع کیا ہے، مثال کے طور پر مجرم اگر زبانی تنبیہ سے جرم سے باز آجائے، یا معمولی مارپیٹ سے اسے اپنی غلطی کا احساس ہوجائے، یا قید وبند سے اعادہ جرم سے باز رہے تو اس پر مزید سختی کرنا جائز نہیں(البحر الرائق۱۴،۵)۔

تعزیر کی حد:

اسلام نے تعزیر کے متعلق یہ تاکید کی ہے کہ کسی کو بھی اتنی ہی تعزیر کی جائے جتنی حقیقتاً ضرورت ہو، غیر ضروری سختی اور بے جا تشدد اس مقصد کو فوت کردے

گا، چنانچہ ایسی تعزیر جس سے مجرم کا کوئی عضو تلف ہوجائے یا اس کی افادیت جاتی رہے یا اس کی جان کو خطرہ لاحق ہو تو یہ جائز نہیں (المغنی٨٫٣١٦)۔

تعزیر کی قسمیں:

تعزیر کی مختلف شکلیں شریعت میں بیان کی گئی ہیں، جن میں جسمانی سزا، مالی سزا، قید وبند، شہر بدری اور جرمانہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں، مگر جہاں تک نابالغ کی تعزیر کی بات ہے تو ان کے لئے زجر وتوبیخ کے بعد قید وبند ہی زیادہ مناسب ہے۔

قید وبند:

فقہی اصطلاح میں اس کا مطلب آدمی کی شخصی آزادی سلب کرلینے کے ہیں، جس سے وہ اپنی مرضی کے مطابق نقل وحرکت سے قاصر رہے، ''تعویق الشخص ومنعہ من التصرف بنفسہ'' (مجموع فتوی ابن تیمیہ٣٥٫٣٩٨، والطرق الحکمیہ لابن قیم: ١٠٧)۔

فقہاء کا اس امر میں اختلاف بھی ہے کہ آیا قید وبند کی سزا دی جاسکتی ہے، مگر جمہور کا اتفاق ہے کہ قید کے ذریعہ مجرم کی تعزیر کی جاسکتی ہے (المغنی٨٫٣٢٥)۔

فقہاء نے اسی کے ساتھ ساتھ ایک اور نقطہ بیان کیا ہے جس سے استدلال کیا جاسکتا ہے کہ قید وبند کے ساتھ ہی ان سے کام بھی لیے جاسکتے ہیں، جو ان کے لئے اصلاح میں معاون ومددگار ہوں، لہذا علامہ ابن نجیمؒ نے یہ لکھا ہے کہ بعض وقت مجرم کو صرف قید کرکے اس کی تعزیر کیجائے گی اور بعض وقت ضرورت اس کے ساتھ دوسری سزاؤں کو بھی نافذ کیا جائے گا، مثلاً اسے کوڑے لگائے جائینگے اور جرمانہ بھی عائد کیا جاسکتا ہے (البحر الرائق ٥٫٤٥)۔

قید کی کیفیت:

قید وبند کی کیفیت کے بارے میں فقہاء نے بیان کیا ہے کہ قیدی کو آرام کرنے کے لئے نہ نرم بستر دیا جائے گا اور نہ کسی کو اس کی خدمت کے لئے متعین کیا جائے گا، اس کو جنازہ، جماعت، جمعہ، حج یا کسی مریض کی عیادت کی اجازت بھی نہ ہوگی (بدائع الصنائع ٧٫١٧٤)۔

جہاں تک اس سے خدمت لینے کا سوال ہے تو اس بارے میں شریعت میں کوئی ممانعت وارد نہیں ہوئی ہے، لہذا ان سے سزاءً خدمت بھی لی جاسکتی ہے، جیسا کہ فقہاء ثلاثہ اور بعض حنفیہ کا بھی مفتی بہ قول یہی ہے (فتاوی ہندیہ٣٫٤١٨، المغنی٤٫٤٩٥، نوٹ: مطول ومفصل تعزیر کی بحث کے لئے دیکھئے: جرائم اور اسلام، انسداد کی تدابیر اور علاج)۔

مگر خدمت لینے میں ان تعلیمات وہدایات کا خیال رکھا جائے گا جو بچوں کے متعلق اسلام نے بتایا ہے، مزید برآں یہ کہ ان کی اصلاح وتربیت کے لئے مناسب تدابیر اختیار کی جائینگی، مثلاً:

(۱) عمدہ ماحول: قید وبند کے درمیان نابالغوں کے لئے عمدہ ماحول فراہم کرنے کی کوشش کی جائے، تاکہ ان کے اندر جذبۂ جرم ختم ہو اور اصلاح کی فکر کریں۔

(۲) مذہب پر عمل: یعنی صحیح دین پر کاربند ہونے اور خصائص کو اپنانے ورزائل سے اجتناب کرنے پر آمادہ کیاجائے اور اس کے لئے معاون، دعا واذکار اور تسبیحات کا ورد کرنے کی ترغیب دی جائے۔

(۳) تعلیم کا وقت: اسی طرح پورے دن میں اجتماعی طور پر تعلیم کا نظم کیا جائے اور ان تک صحیح طریقہ حیات اور مقصد حیات کو واضح کرتے ہوئے شکوک وشبہات کا بخوبی جواب دیا جائے، تو انشاء اللہ امید ہے کہ ان تدابیر کے ذریعہ ان کی اصلاح وخیر کا کام بحسن انجام پائے اور قید وبند سزا نہیں بلکہ تعلیم گاہ بن جائے (دیکھئے: حجۃ اللہ البالغہ)۔

(ز): بے سہارا بچوں کی تربیت ونگہداشت:

آج مغربی کلچر اور سرمایہ دارانہ نظام نے یہ فکر عام کردی ہے کہ ہر انسان اپنا مالک خود ہے اور اسے بے مہار نقل وحرکت کرنے کی اجازت ہے ، ان کے سر کسی کی ذمہ داری اور کسی کی ہمدردی وپہلو تہی نہیں، لہذا بچوں کی جانب سے بے رغبتی، انہینپھینک دیئے جانے یا انہیں بے سہارا چھوڑ دیئے جانے کے واقعات اسی فکر کے نتائج ہیں۔

جب کہ اسلام کا قاعدہ کلیہیہ ہے:''کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ'' (صحیح بخاری: ۸۹۳، کتاب الجمعہ، وصحیح مسلم: ۱۸۲۹، کتاب الامارۃ)، یعنی نوع انسانی کا ادنی سے ادنی او راعلی سے اعلی اپنے آپ میں بعض ذمہ داریوں اور فرائض کا بار اٹھائے ہوئے ہے، جس کی ادائیگی اس پر فرض او راس سے سبکدوشی نافرمانی الہی کے مترادف ہے، یوں تو اولاد ماں باپ کی ذمہ داری اور تعلیم وتربیت پر مسئول ہیں، لیکن خاندان اور سماج نیز حکومت بھی انہیں گردش زمانہ کے تھپیڑوں سے بچانے پر معمور ہیں۔

والدین کا فریضہ:

اسلام نے بچوں کی تربیت وتعلیم کا ایسا نظام قائم کیا کہ کوئی بھی بچہ بھوکا یا ننگا نہ رہ پائے، اس سلسلہ میں سب سے پہلی ذمہ داری والدین پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی کم سن اولاد کا خرچ برداشت کریں، اور یہ صرف ان کی اخلاقی ہی نہیں بلکہ قانونی ذمہ داری بھی ہے، چنانچہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ ''ونفقۃ الأولاد الصغار علی الأب لا یشارکہ فیہا'' (ہدایہ۲،۴۲۴)، اور جو بچے والدین کی سرپرستی سے محروم ہوں، یا کسی بھی معذوری کا شکار ہوں تو کفالت کی ذمہ داری اس کے قریبی اعزہ پر عائد ہوگی، چنانچہ آگے ہے: ''والنفقۃ لکل ذی رحم محرم إذا کان صغیراً أو کانت امرأۃبالغۃ فقیرۃ أو کان ذکراً بالغاً فقیراً زمناً أو أعمی'' (ایضا۲،۴۲۶)، اسی طرح اگر کوئی اس ذمہ داری سے دامن

بچانا چاہے تو حکومت انہیں ایسا نہ کرنے کے لئے مجبور کرے گی ، ‘‘یجب علی ذلک علی مقدار المیراث ویجبر علیہ’’ (ایضا۲،۵۴۲۷)۔

معاشرے کی ذمہ داری:

لیکن ظاہر بات ہے کہ ہر ایک کو والدین کی سرپرستی ودل لگی حاصل نہیں ہوتی،یا اس کے اعزہ واقرباء ہوں جو اس کی کفالت اور نگہداشت کا حق ادا کرسکیں، کسی بھی سماج میں ایسے بچوں کی بڑی تعداد ہوتی ہے، جو یتیمی ومحرومی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، قرآن اپنے ماننے والوں کو اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ ایسے بے سہارا یتیم اور مسکین بچوں کو ظلم واستحصال کا نشانہ نہ بنایا جائے، بلکہ ان کی خبر گیری کی جائے، اور ان کے جائز مفادات کا تحفظ کیا جائے، ‘‘ویسألونک عن الیتامی، قل إصلاح لہم خیر وإن تخالطوہم فإخوانکم واللہ یعلم المفسد من المصلح’’ (بقرہ: ۲۲۰)، اور یہ تحفظ انہیں اس وقت تک فراہم کیا جاتا رہے جب تک کہ وہ سن رشد کو نہ پہنچ جائیں،یعنی وہ شادی کی عمر کو پہنچ جائیں، او ران کے اندر معاملات کی سمجھ پیدا ہوجائے، ‘‘وابتلوا الیتامی حتی إذا بلغوا النکاح فإن آنستم منہم رشداً فادفعوا إلیہم أموالہم’’ (نساء: ۶)۔

قرآن حکیم نے ۲۸ مقامات پر یتیموں اور مسکینوں کے حقوق ادا کرنے اور ان کی پرورش ونگہداشت کی تلقین کی ہے، اسی طرح آپﷺ نے بے شمار احادیث میں اس کیتلقین فرمائی ہے اور اس کے بہت زیادہ فضائل بیان کئے ہیں، چناچہ ایک حدیث میں آیا ہے: ‘‘أنا وکافل الیتیم فی الجنۃ ہکذا وقال بإصبعہ السبابۃ والوسطی’’ (صحیح بخاری جلد ۲، کتاب الادب، کتاب الزہد، ابوداؤد، ج ۲، باب من ضم یتیماً، ترمذی ج ۲، ابوا ب البر والصلۃ)۔

حکومت کی ذمہ داری:

اس کے بعد جو بچے بے سہارا ہوجائیں تو حکومت ذمہ دار ہے کہ ان کی ضروریات زندگی کا سامان کرے، جیسا کہ اسلامی دور حکومت کا عمل تھا، لہذا آپﷺ نے خاص طور پر بے سہارا اور امکانی زیاں کا شکار بچوں کے سلسلہ میں سربراہ حکومت کو ان کی کفالت کا ذمہ دار قرار دیا ہے، او راسلامی ریاست کے سربراہ اول کی حیثیت سے آپﷺ نے اعلان کرایا تھا:‘‘أناأولی بالمؤمنین من أنفسہم فمن مات وترک مالاً فمالہ لموالی العصبۃ ومن ترک کلاً أو ضیاعاً فأنا ولیہ فلأدع لہ’’ (صحیح بخاری ج ۲ کتاب الفرائض، مسلم ج۲ کتاب الفرائض ، ابوداؤد ج ۲ کتاب الفرائض)۔

مذکورہ حدیث سے یہ گمان نہ کیا جائے کہ یہ صرف آپ کے ساتھ ہی خاص ہے، بلکہ ابوداؤد کی روایت میں صراحتاً یہ بات ملتی ہے کہ یہ ہر زمانے اور ہمیشہ ہمیش کے لئے ہے، حضرت مقدامؓ کی روایت ہے، حضورﷺ نے فرمایا: ‘‘من ترک کلاً فإلیّ وربما قال إلی اللہ وإلی رسولہ ومن ترک مالاً فلورثتہ’’ (ابوداؤد ج ۲ کتاب الفرائض)۔ اس حدیث میں

رسول کریمﷺ کے یہ الفاظ ‘‘إلی اللہ وإلی رسولہ ’’ صاف طو رپر دلالت کرتے ہیں کہ آپ کی ذات گرامییقینا ایک وقت کے لئے خاص تھی، لیکن جہاں تک اللہ کی ذات کا سوال ہے تو وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا، اور اسی سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اللہ کے نائب کی حیثیت سے امام وقت کی ذمہ داری ہمیشہ ہمیش کے لئے ہے اور جب تک یہ کارخانہ ہست وبود قائم ہے اسے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآں ہونا پڑے گا،، اسی طرح کی نصوص صریحہ کی روشنی میں علامہ ابن تیمیہؒ نے مسلمانوں کے سربراہوں کی پوزیشن او ران کے فریضہ منصبی کو ان لفظوں میں واضح کیا ہے، ‘‘وہذا ظاہر فی الاعتبار فإن الخلق عباد اللہ علی عبادہ وکلاء العباد علی نفوسہم بمنزلۃ أحد الشریکین مع الآخر’’ (السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ لابن تیمیہ: ۱۲-۱۳)۔

خلافت اسلامی کا عمل:

اسلام کے نقطہ نظر سے خلافت راشدہ کا زمانہ روئے زمین میں مرضیات الہی کی جلوہ نمائی اور احکام اسلامی کے عملی ظہور کا زمانہ ہے اور ان کے طرز عمل سے بھی اسلام کے تحفظ اطفال کی اس پالیسی کی تصدیق ہوتی ہے، امام ابویوسفؒ نے بچوں کے سلسلہ میں خلافت فاروقی میں رائج پالیسی کو اس طرح بیان کیا ہے:‘‘بچے کے لئے ولادت کے بعد ہی سے سو درہم مقرر تھے جب وہ بڑا ہوجاتا تو اس کا وظیفہ دوسو کردیتے، جب بالغ ہوجاتا تو اس میں اور اضافہ کردیتے’’ (اسلام کا نظام محاصل اردو ترجمہ کتاب الخراج: ۲۲۲، نوٹ: دیکھئے بچوں کی مزدوری اور اسلام، اور المکتبۃ الشاملہ)۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ صاحب زمام اقتدار وحکومت اپنے اندر کی دبی بلکہ مردہ انسانیت میں روح پھونکیں اور انصاف پروری سے کام لیتے ہوئے اپنی حکومت کے ضعیف طبقات کی طرف دھیان دیں، جو کہ نادار وبے کس اور اپنوں سے ٹھکرائے ہوئے ہیں، تاکہ ان کی کفالت وتربیت علی الاتم ہوسکے اور ملک وملت کے لئے نمایاں کردار ادا کرسکیں۔

(ح): بچوں کی خریدوفروخت:

الف: حق حضانت کے بنیادی شرائط وہدایات کے بیان میں بات آچکی ہے کہ اگر کوئی بچے کی پرورش کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اس سے حق حضانت ساقط ہوجاتا ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۷۲۷-۷۲۶)، نیز فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی عورت بھلے ہی ماں کیوں نہ ہو، اگر بچے کی پرورش سے انکار کردے تو اسے حضانت پر مجبور نہیں کیا جائے گا ’’ (‘‘ولو امتنعت من الحضانۃ لم یجبر علیہا’’ کشاف القناع ۵/۴۹۶)۔

لہذا بچے کے گارجین ووالدین کو بحالت مجبوری اجازت ہوگی کہ وہ اس بچے کو کسی اور کے حوالہ کردیں، جو اس کی دیکھ بھال اور صحیح پرداخت پر قادر ہوں، اس سلسلہ میں بہتر ہے کہ بتلائے گئے شرعی مستحق حضانت کا خیال رکھا جائے، کیونکہیہ

اس بچے کے حق میں مفید ہوگا۔

لیکنیہ بات قابل غور ہے کہ کیا کلی طور پر اس بچے سے بے تعلق ہوسکتے ہیں، دراصل ایک بچے کے لئے والدین سے زیادہ کوئی اور ارفق وارحم نہیں ہوسکتا، اور بچہ بھی کسی اور سے وہ انسیت نہیں رکھتا یا رکھ سکتا ہے جو اپنے والدین سے فطری طور پر ودیعتاً ہوتی ہے، ایسے مینتعلیمات اسلامی کی روشنی مینیہ کہا جاسکتا ہے کہ والدین کا سرے سے قطع تعلق کرلینا مناسب نہیں،یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے حاضن کو اس بات کی اجازت نہیں دی ہے کہ بچے کو کسی ایسی جگہ یا اتنی دور لے کر جائے جہا ناس کے گارجین اسے دیکھ نہ سکتے ہوں (فتاوی ہندیہ۱،۴۸۴، وفتح القدیر۴،۱۹۰ وبعدہا)۔

جہاں تک سوال اس بات کا ہے کہ کیا بچے کی پرورش کی غرض سے پیش کئے جانے والے ہدایا قبول کئے جاسکتے ہیں، اس بارے میں فقہاء اسلام کے مختلف نقطہائے نظر ہیں، جن میں شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ حاضنہ ہدایا قبول ہی نہیں کرسکتی، بلکہ اس کو اجازت ہے کہ حضانت پر اجرت طلب کرے خواہ پرورش کرنے والی ماں ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ ماں پر بچے کی پرورش واجب نہیں ہے .... (مغنی المحتاج ۲،۳۳۸-۴۵۲، کشاف القناع ۵،۸، ۴۹۶)۔

جب کہ حنفیہ نے یہ صراحت کی ہے کہ اگر حاضنہ ماں ہو اور ابھی وہ محضون کے والد کی بیوی، خواہ وہ معتدہ یا رجعیہ ہی کیوں نہ ہو حضانت پر اجرت لینا صحیح نہیں، اس لئے کہ اولاد کی پرورش دیانۃً اس پر واجب ہے، لہذا اگر وہ اجرت لے گی تو رشوت میں شمار کیا جائے گا، لیکن حاضنہ ماں کے علاوہ ہو یا مطلقہ ہو اور اس نے عدت گذارلی ہو تو ایسے میں وہ اجرت لے سکتی ہے .... (شامی۲،۶۳۸-۶۳۶)۔

نیزیہ بات فقہاء حنفیہ کے نزدیک مسلم ہے کہ اگر بچہ صاحب مال ہے تو حضانت کی اجرت اس کے مال سے ادا کی جائے گی، او راگر نہیں ہے تو اس کے والد کے مال سے یا پھر ان کے مال سے جن پر اس کا نفقہ واجب ہوتا ہے .... (ایضا)۔

فقہاء مالکیہ کا کہنا ہے کہ (یہی امام مالک کا آخری قول بھی ہے) حاضنہ کا حق ہے کہ وہ حضانت پر اجرت لے .... (دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ۱۷،۳۱۲)۔

فقہاء کی رائیں پڑھنے اور غورکرنے سے ایسا خیال ہوتا ہے کہ اگر حاضنہ محضون کی ماں ہے تو دیانۃً اجرت لینا صحیح نہیں ہے، لیکن اگر بچے کا باپ صاحب متمول ہے تو بہتر ہے کہ کچھ دے دے، نیز ماں کے علاوہ حاضنہ حضانت کی اجرت لے سکتی ہے، اب جب اجرت لینے کی اجازت ہے تو ہدیہ وتحائف بدرجہ اولی قبول کرسکتی ہے۔

ب: اس سے کوئی صاحب نظر انکار نہیں کرسکتا کہ اسلام وہ ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں روشنی اور امن وآشتی کا پیغام دیتا ہے، حقیقتیہ ہے کہ آج بچوں

کے ساتھ ہورہے ناسوز ودردمند حوادث اپنے آپ سے دوری، کیونکہ ‘‘من عرف نفسہ عرف ربہ’’ اور خدا پرستی سے مہجوری کی علامات ہیں، خوف خدا مفقود ہونے اور غرض وغایت مقصود ہونے کی نشاندہی ہیں، لہذا اسلام ایسے حالات میں نپٹنے کے لئے سب سے پہلا سبق یہ دیتا ہے کہ انسان اپنی پوری زندگی کا صحیح تصور اور پاکیزہ مقصد متعین کرے اور بے سمتی، وجودی خلفشار، عیش وعشرت کی زندگی کو اپنا عین نہ بنائے، ظاہر ہے کہ اس دوڑ کی کوئی منزل نہیں۔

نیز ایسے واقعات کے روک تھام کے لئے حکومت کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے کہ وہ ایسے عملوں کو تیار کرے او رایسے سخت قانون بنائے اور صرف بنائے ہی نہیں بلکہ نافذ بھی کرے،جو حرمت انسانی کو پامال کرنے اور معصوم نونہالوں کی زندگی دوبھر کرنے کے مرتکب پائے جاتے ہیں، اس سلسلہ میں اسلامی دورحکومت کے امراء بالخصوص خلفاء راشدین کا فعل قابل ذکر ہے، جو کہ اپنی رعایا کی حتی المقدور نگرانی کرتے اور غلطی پر مواخذہ کرتے تھے۔

ایک تیسری صورت یہ ہے کہ ‘‘عوام میں بچے اور ان کے حقوق کے متعلق بیداری مہم چلائی جائے، اولاد کے نعمت خداوندی اور ذریعہ رحمت ہونے کا یقین دلایا جائے تاکہ اس طرح کے جرائم نہ خود کریں اور نہ کسی کو کرنے دیں، اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے جو ‘‘ولا یحض علی طعام المسکین’’ (الماعون: ۳) کی مثال نہ بنے، جو ‘‘فأما الیتیمفلا تقہر’’ (الضحی: ۹) کے مرتکب نہ ہوں، اور جو ‘‘وأما السائل فلا تنہر’’ (الضحی: ۱۰) کا خیال رکھیں۔

عصر حاضر میں جب کہ عموماً حکومت سے مسلمان محروم ہیں، چاہئے کہ آخر الذکر طریقہ پر عمل پیراں ہوں تاکہ ملک اور بالخصوص مسلم معاشرہ ایسی نادرست حرکتوں سے باز آجائیں۔

(ط): ذہنییا جسمانی طور پر معذور بچوں کی تربیت ونگہداشت:

بچوں کو شریعت اسلامی نے جذبہ ترحم وشفقت کی نظر سے دیکھا ہے، یہاں تک کہ ان پر رحم نہ کرنے والوں کو غیر اسلامی روش پر مانا ہے، اس طرح کی حدیثیں بکثرت موجود ہیں، جن پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر کسی بچے کی تعیین اور حال کا لحاظ کئے ہوئے ہرحال میں وہ جذبہ محبت وشفقت کے مستحق ہیں خواہ وہ جسمانییا ذہنی اعتبار سے کمزور ولاچار ہی کیوں نہ ہو، بلکہ ایسے بچے والدین کی محبت وپرورش کے زیادہ مستحق ہیں، مگر شایدیہ زمانے کی ستم ظریفی ہے کہ جدید ٹکنالوجی وآلات کے دور نے انسانوں کو مشین اور پرزوں کی طرح بنادیا، محبت وانسیت، ایثار وقربانی تو گویا قصۂ پارینہ ہوتی جارہی ہے ، یہی وجہ ہے کہ اگر آج بچہ تندرست نہ ہوتو اسے ذہنی ہسپتالوں میں داخل کردیا جاتا ہے، اور ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے کہ اس سے چھٹکارا

پاسکیں اور نگہداشت وپرورش کی ذمہ داری سے بری ہوسکیں۔

اس مسئلہ مہمہ میں دوباتیں قابل ذکر ہیں: اولاً تو یہ کہ اللہ نے جب انسانوں کو ذمہ داری سونپی او ربزبان نبی فرما دیا گیا: ‘‘کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ’’ (سبق تخریجہ) تو اس کی ادائیگی کئے بغیر اس سے بے تعلق ہونا صحیح نہیں، ایسا کرنے والا عند اللہ ماخوذ اورواصل جہنم ہوسکتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ‘‘إنما الأعمال بالنیات’’ (سبق تخریجہ)، اولاد عطیہ خداوندی ہے، ایسے میں اگر اس کے اندر کوئی بیماریا نقص پیدا ہو تو چونکہ باپ پر نفقہ واجب ہے، لہذا اس کا علاج کروانا اس پر ضروری قرار پائے گا، خواہ اسے ذہنی ہسپتال میں داخل ہی کیوں نہ کرنا پڑے، مگر اس تعلق سے یاد رکھنا چاہئے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

غرضیہ کہ اگر کوئی ہسپتال میں داخلہ کو علاج نہیں بلکہ فراغ وفرار کا ذریعہ بنائے یا سمجھے تو ہوسکتا ہے کہ دنیا میں اپنی حرکت چھپالے مگر قیامت کے روز اپنا دامن نہ بچاپائے گا۔

کس حد تک علاج کروانا ضروری ہے؟

انسانی جان بہت قیمتی ہے، اسے گنوانا یا نقصان پہنچانا حرام ہے، اللہ نے اسی لئے خود کشی کو، بلکہ ان تک پہنچانے والے تمام ذرائع کو بھی حرام قرار دیا ہے، ‘‘ولا تلقوا بأیدیکم إلی التہلکۃ’’ (بقرہ: ۱۹۵)، اور آخرت میں ایسوں کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ‘‘جو شخص خود کشی کرے گا اورجس آلہ سے کرے گا، جہنم میں اسی آلہ سے اپنے آپ کو قیامت تک اذیت دیتا رہے گا ’’ ۔

حقیقتیہ ہے کہ اللہ تعالی نے امراض کے لئے بزبان رسول ﷺ یہ بات فرمادی ہے کہ ‘‘لکل داء دواء ’’ یعنی ہر مرض کی شفا اللہ نے رکھی ہے، یہاں تک فرمایا: اللہ کوئی بیماری نازل نہیں کرتا مگر اس کی دوا بھی ضرور نازل کرتا ہے’’، اب ایسے میں معذور بچوں کو چھوڑ دینا، اس کا علاج نہ کروانا فعل قبیح، ناجائز اور حرام اور تکریم انسانی کے خلاف ہے، اسلامک فقہ اکیڈمی کی جانب سے ہونے والے سمینار بموضوع ‘‘قتل بجذبہ رحم’’ کے اندر اکثر مقالہ نگار نے یہی بات پیش کی ہے، اور یہ اتفاق کیا ہے کہ حتی المقدور اس کا علاج کروانا سرپرست واولیاء پر فرض اور نہ کروانا ‘‘ولا تلقوا بأیدیکم إلی التہلکۃ’’ کے زمرے میں شمار ہوگا۔

***

اسلامی شریعت میں بچوں کے حقوق

مفتی محمد الیاس قاسمی•

جواب (الف) :

حق حضانت عمر کی ایک حد میں عورتوں کو اور اس کے بعد مردوں کو حاصل ہوتا ہے، البتہ عورتوں کے طبعی رفق ، شفقت اور چھوٹے بچوں کی تربیت کی طبعی صلاحیت کی رعایت کرتے ہوئے اسلام نے عورتوں کو اولیت دی ہے، اس مخصوص حد کے بعد حق حضانت مردوں کو حاصل ہوتا ہے، کیونکہ وہ بچوں کی حفاظت اور ان کے تعلیمی و تربیتی تقاضوں کو پورا کرنے پر زیادہ قادر ہوتے ہیں، فقہ کی کتابوں میں تفصیلات درج ہیں (دیکھئے: بدائع الصنائع ۴۵۶٫۳، ہدایہ علی فتح القدیر٫۴۳۴-۳۳۰۳، بدائع ۴۶٫۳، بدائع ۴۶٫۳)۔

بچوں کے مفاد میں مندرجہ ذیل صورتوں میں کسی مرد یا عورت کو حق پرورش سے محروم کیا جا سکتا ہے، کسی عورت یا مرد کے حق پرورش سے محروم ہونے کے بعد اس کے بعد کے قریبی مستحق کو حق پرورش حاصل ہوگا۔

۱۔ مرد (باپ وغیرہ) یا عورت (ماں وغیرہ) مرتد ہو جائیں۔

۲۔ مرد یا عورت ایسے فسق وفجو ر میں مبتلا ہو جس سے بچے کی تربیت و پرورش بہتر انداز میں نہ ہو سکے۔

۳ ۔ عورت کسی اجنبی مرد سے نکاح کرلے یاکسی ایسے رشتے دار سے نکاح کر لے جو بچے کے حق میں محرم نہ ہو۔

۴ ۔ عورت بلا اجرت بچے کی پرورش سے انکار کر دے جب کے شوہر کی معا شی حالت اجرت کی متحمل نہ ہو۔

۵ ۔ مرد یا عورت کی حالت جسمانییا اخلاقی اعتبار سے اطمینان بخش نہ ہو اور وہ بچیّ کی پرورش بہتر حالت میں نہ کر سکتے ہوں۔

۶۔ شریعت مینحق حضانت کے جو اصول ہیں، ان میں صرف ماں کے جذبات کی رعایت مقصود نہیں بلکہ زیر پرورش بچے کا مفاد بھی پیش نظر ہے، لہذا اگر پرورش کر نے والے مرد یا عورت کے گھر کا چال چلن، رہن،سہن اور تعلیمی حالت بچے کی پرورش کے لیے مضرو غیر اطمینان بخش ہو تو ایسے مرد یا عورت کو حق پرورش سے محروم

• مفتی دار الافتاء مدرسہ بیت العلوم پونہ۔

کیا جاسکتا ہے (شامی۵،۲۵۸، ۲۵۳، ۲۵۵)۔

جواب (ب) :

اسلام میں بچوں کے حق تعلیم و تربیت کے بارے میں درج ذیل بنیا دی ہدایات ہیں:

(۱) اولاد کو خدا کا انعا م سمجھنا چاہئے، ان کی پیدائش پر خو شی منا نا چاہئے، خیر و برکت کی دعا ؤں کے ساتھ ان کا استقبال کرنا چاہئے، اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم ؑ کو اسحاقؑ اور حضرت زکریا ؑ کو حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کی اطلاع دی تو اسے خوش خبری سے تعبیر فرمایا (سورہ صف: ۱۱۲، مریم: ۷)۔

(۲) لڑکی کی پیدائش پر بھی اس طرح خوشی منانا چاہیے جس طرح لڑکے کی پیدائش پر مناتے ہیں، لڑکی ہو یا لڑکا دونوں اللہ پاک کا عطیہ ہینکسی کو نہیں معلوم کہ اس کے لئے لڑکے کے مفید ہونگے یا لڑکیاں؟

(۳) بچوں کا ایک بنیادی حق ان کے زندہ رہنے کا حق ہے، عام طور سے بچوں کی پیدائش کے بعد ان کا قانونی وجود تسلیم کیا جاتا ہے، لیکن اسلام کے نزدیک ماں کے پیٹ میں قرار حمل کے دن ہی سے وہ ایک قابل احترام اور لائق حفاظت انسان ہے، چنانچہ اسلام نے اسقاط حمل کو نا جائز قرار دیا ہے، بچے کی پیدائش کے بعد اسے دودھ پلانا ماں کی اخلاقی ذمہّ داری ہے۔

'' والوالدات یر ضعن أولاد ھن حولین کا ملین لمن أراد أن یتمّ الرضا عۃ''(البقرہ: ۲۳۳)۔

''ولا تقتلوا أولادکم خشیۃ إملاق نحن نرزقھم وإیّاکم إنّ قتلھم کان خطأ کبیرا'' (سورہ بنی اسرائیل: ۳۱)۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبیﷺ کے یہاں بچے لائے جاتے تھے، آپ ﷺ تحنیک فرماتے اور ان کے حق میں خیرو برکت کی دعا کرتے ۔

''عن عائشہؓ أن رسول اللہ ﷺ کان یؤتی بالصبیان فیبرّ ک علیھم ویحنکھم'' (مشکوٰۃ المصا بیح ص۳۶۳، باب العقیقۃ)۔

پیدائش کے بعد اذان واقامت کہی جائے، کسی نیک مرد یا عورت سے تحنیک کرائی جائے، بچے کے لیے اچھا سا نام تجویز کیا جائے، ساتویں دن عقیقہ کیا جائے، جب بچہ بولنے لگے تو سب سے پہلے اس کو کلمہ 'لا إلہ إلا اللہ ' سکھانا چاہئے، بچوں کے ساتھ ہمیشہ شفقت، محبت اور نرمیکا برتاؤ کرنا چاہئے، چھوٹے بچوں کو گود میں لینا چاہئے، اور ان کے ساتھ خوش طبعی کا معاملہ کرنا چاہئے۔

بچے جب سات سال کے ہوجائیں تو انہیں نماز سکھانا چاہئے، اور نماز کی تلقین کرنا چاہئے، اور وہ دس سال کے ہوجائیں اور نماز میں کوتاہی کریں تو انہیں مناسب سزا

دینا چاہئے، دس سال کی عمر میں ان کے بستر الگ کردینا چاہئے۔

‘‘مروا أولاد کم بالصلٰوۃ وھم أبنا ء سبع سنین واضربو ھم علیھا وھم أبنا عشر سنینوفرقوا بینھم فی المضاجع’’ (سنن أبی داؤد کتاب الصلٰوۃ باب متییؤ مرا لغلام با لصلٰوۃ ص۷۰)۔

جواب (۲) :

بچوں وبچیوں کو ان کی ضرورت کے بقدر تعلیم دینا فرض ہے، ان کو اس قدر دینی تعلیم دینا ضروری ہے کہ ان کے عقائد، اخلاق اوراعمال شرعیّہ درست ہو جائیں، وضو وغسل کا طریقہ سکھایا جائے اور نماز وروزوں کی عملی تربیت دی جائے۔

‘‘طلب العلم فر یضۃ علی کل مسلم’’ قال الشرّاح المراد با لعلم مالا مندوحۃ للعبد منہ کمعرفۃ الصانع والعلم بوحدانیتہ ونبوۃ رسولہ وکیفیۃ الصلٰوۃ فإن تعلمہ فرض عین’’(مرقاۃ المفاتیح۱؍۴۳۴، کتاب العلم ط: المکتبۃ الأشرفیہ دیوبند)۔

علم حاصل کرنا ہر مرد اور عورت پر فرض ہے، شارحین کہتے ہیں علم سے مراد وہ علم ہے جس کے سیکھنے کے علاوہ بندے کے لیے کوئی چارہ نہ ہو، جیسے صانع کی معرفت، اس کی وحدانیت، اس کے رسول کی نبوت اور نماز کی کیفیت کا علم اس لیے کہ اس کو سیکھنا فرض عین ہے۔

‘‘جان لو کہ علم حاصل کر نا فرض عین ہے، اور یہ اپنے دین کی حاجت کے بقدر ہے، اور حصول علم فرض کفایہ بھی ہوتا ہے اور یہ اپنی حاجت سے زائد دوسروں کو نفع پہنچانے کے لیے حاصل کیا جانے والا علم ہے اور حصول علم مستحب بھی ہو تا ہے جبکہ فقہ اور علم قلب میں تبحر پیدا کیا جائے’’ (الدر المختار علی رد المحتار ۱؍۱۲۶-۱۲۵)۔

امّت کے بعض بچوں و بچیونکو علم تفسیر، حدیث و فقہ کی تعلیم دینا اور علوم شرعیہ میں ان کو ماہر بنانا فرض کفایہ ہے تاکہ وہ امت کی دینی رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکیں۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

‘‘فلولا نفر من کل فرقۃ طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم إذا رجعوا إلیھم لعلھم یحذرون’’ (التوبہ: ۱۲۲)۔

اسلام میں دینی و دینوی علوم کی کوئی تقسیم نہیں کی گئی ہے، بلکہ علم کی دو ہی قسمیں کی گئی ہیں:

‘‘علم نافع اور علم غیر نافع’’، جو علم انسانیت کے لئے مفید اور کارآمد ہو وہ ‘‘علم نافع ’’ ہے اور جو علم انسانیت کے لیے نقصان دہ ہے وہ ‘‘علم غیر نافع ’’ ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے علم نافع کی دعا مانگی ہے، اور علم غیر نافع سے پناہ طلب کی ہے۔

میڈیکل تعلیم انجینئرنگ، طبعیات ، اور حیوا نیاتیہ سب انسانی خدمت اور انسانیت کی

فلاح و بہبود کے ذرائع ہیں اور یقینایہ علم نا فع کی فہرست میں آتے ہیں اور ان کا حصول اسلام کا مطلوب ومقصود ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اپنے زمانہ کی جدید تکنیک کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔

بچوں کو اس قدر عصری تعلیم دینا ضروری ہے جس کے ذریعے وہ اپنی معاشی ضروریات کو پوری کر سکیں اور ایک باعزّت اور خود کفیل شہری کی حیثیت سے زندگی بسر کر سکیں،یہ عصری تعلیم خواہ کسی ڈگری کے ذریعے مناسب روز گار حاصل کر کے ہو یا کسی ہنرو پیشہ کی تعلیم کے ذریعے۔

مختلف عصری علوم کے ساتھ مختلف زبانوں مثلاً انگریزی ، مراٹھی ، ہندی وغیرہ میں بچوں کی ایک تعداد کو ماہر بنانا بھی ضروری ہے تا کہ وہ اشاعت اسلام و تبلیغ دین کا فریضہ انجام دے سکیں۔

بچیوں کے لئے بھی عصری تعلیم ضروری ہے بشرطیکہ وہ درج ذیل شرعی حدود کے اندر ہو :

(۱) یہ تعلیم پردے کے ساتھ ہو، غیر محرم مردوں کے ساتھ خلوت وتنہائی اختیار کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

(۲) یہ علم شرعا ناجائز نہ ہو مثلاً رقص وموسیقی ۔

(۳) یہ تعلیم عورتوں کی فطری صلاحیت اور دائرہ کار کے مغائر نہ ہو، مثلاً عورتوں کو ٹریفک پولیس کی تعلیم۔

(۴) اپنے سرپستوں یا شوہرکی اجازت سے تعلیم حاصل کی جائے۔

''ویمنعها من زيارة الأجانب وعيادتهم والوليمة وإن أذن كانا عاصيين'' (الدر المختار على ردالمحتار ۲۵،۵ - ۳۲۴)۔

(شوہر بیوی کو روکے گا، اجنبی مردوں سے ملاقات کرنے سے، ان کی عیادت کرنے اور ولیمہ سے اور اگر وہ اجازت دے گا تو وہ دونونگنہگار ہونگے۔)

غزوات اور جنگوں میں خواتین اسلام مجاہدین کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ چنانچہ ربیع بنت معوذؓ سے مروی ہے۔

''عن الر بيع بنت معوّذ قالت :كنا مع النبیﷺ نسقى الماء ونداوى الجرحىٰ ونردّ القتلى'' (كتاب الجهاد باب مداواة النساء الجرحىٰ فى الغزوہ ۶۱۶ ط : كولكاتا) ۔

(ربیع بنت معوّذ سے روایت ہے فرماتی ہیں ''ہم نبیﷺ کے ساتھ (غزوہ) میں شریک ہوتی تھیں، مسلمان فو جیوں کو پانی پلاتی تھیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھی اور جو لو گ شہید ہو جاتے انہیں مدینہ اٹھا کر لاتی تھیں)۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی خاتون ڈاکٹر میسّر ہو تو مرد ڈاکٹر کے لیے عورت

کا علاج کرنا جا ئز نہیں، اسی طرح اگر کسی عورت کے جسم پر زخم ہوجائے تو مرد ڈا کٹر کو چاہئے کہ اگر ممکن ہو تو وہ علاج کا طریقہ کسی خاتون کو سکھا دے اور وہ خاتون اس عورت کا علاج کرے، اس سے معلوم ہوا کہ مسلم خاتون کو علم طب کی تعلیم حاصل کرنا چاہئے تاکہ وہ عورتوں کی خدمت کرسکیں (البحر الرائق ۵۳۹۔۳۵۲ ط: زکریا)۔

جواب (۳):

اسلام میں طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

''طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم'' (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۳۴ کتاب العلم) ۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ فرائض میں جبر سے کام لیا جا سکتا ہے جیسا کہ دس سال کا بچہ نماز نہ پڑھے تو اسے سزا دے کر نماز پرھنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے، اسي طرح سے بچوں کو حصول علم پر بھی مجبور کیا جا سکتا ہے، گویا اسلام جبری تعلیم کا قائل ہے (الدر المختار علی ردالمحتار ۲ ،۵ ۴) ۔

امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں ثابت کیاہے کہ پانچ سال کی عمر میں بچوں کی تعلیم کا آغاز ہو نا چاہئے۔

علاّمہ عینیؒ لکھتے ہیں :

''قدذکرنا أن المتا خرین قد حدّ دوا أقل سن التّحمل بخمس سنین'' (عمدۃ القاری۲ / ۱۰۱ ط : زکریا دیو بند)۔

بلوغت کے بعد بچوں کا نفقہ باب کے ذمہ واجب نہیں رہتا، لیکن فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر بچہ طلبِ علم میں مشغول ہو تو اس کا نفقہ باب کے ذمہ لازم ہو گا (الدر المختار علی رد المحتار ۵،۳۴۱)۔

حکومت کے جائز قوانین کی پابندی ہم پر لازم ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:''یاأیہا الذین آمنوا أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم'' (النساء: ۵۹)۔

علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

''اس لئے کہ جو کام معصیت نہ ہو اس میں امام کی اطاعت واجب ہے'' (شامی۶،۴۱۴)۔

ایک ہندستانی شہری کی حیثیت سے ہم یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم ملک کے قوانین کی پابندی کرینگے، لہٰذا ملک کے جائز قوانین پر عمل کرنا ہم پر لازم ہوگا، اللہ تعا لی کا ارشاد ہے:

''وأوفوا با لعھد إن العھد کان مسئولا'' (الا سراء : ۳۴) ۔

لہٰذا اگر حکومت کسی سطح تک کی تعلیم بچوں اور بچیوں کے لئے لازم قرار دے تو شرعا اس کی پابندی مسلمانوں کے لئے درج ذیل شرطوں کے ساتھ لازم ہے:

(۱) لازمی تعلیم مفت ہو۔
(۲) غیر مستطیع طلبہ کو لوازماتِ تعلیم حکومت خود مہیا کرے ۔
(۳) قریب البلوغ وبالغ بچیوں کے لئے علٰحدہ تعلیمی ادارے مہیا کیے جائیں۔
(۴) مواد تعلیم اسلام کے خلاف نہ ہو یا اخلاقی بے راہ روی کا باعث نہ بنے ۔
(۵) اس تعلیم کی وجہ سے طلبہ و طالبات میں دین سے دوری اور دیگر مفاسد پیدا نہ ہوں۔

جواب (۴):

جنس کی تعلیم بچوں کا حق نہیں ہے، کیو نکہ اس تعلیم کی وجہ سے بچوں میں بے شرمی وبے حیائی پیدا ہوتی ہے، جبکہ اللہ تعالی نے اس کی مذمّت بیان فرمائی ہے:

''اِنّ الذینیحبّون أن تشیع الفاحشۃ فی الذین آمنو الھم عذاب ألیم فی الدنیا والآخرۃ'' (سورہ النور: ۱۹) (جو لوگ چاہتے ہیں کہ چر چا ہو بد کاری کا ایمان والوں میں، ان کے لئے عذاب ہے دردناک دنیا اور آخرت میں)۔

''لأن الأصل أن سبب الحرام حرام'' (ھدایہ علی فتح القدیر ۱۰، ۵۶ کتاب الکراھیۃ)۔

(اس لئے کہ یہ اصول ہے کہ حرام کا سبب حرام ہوتا ہے)۔

اسلام نے سر پرستوں کو بچوں کو جذبات بھڑکانے اور شہوانی خیالات ابھار نے والی چیزوں سے دور رکھنے کا حکم دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

''ولایبدین زینتھن إلا لبعولتھن أو آبائھن أو آباء بعولتھن أو أبناءھن ....أو الطفل الذین لم یظھروا علی عورات النساء ....'' (النور : ۳۱)۔

(اور عورتیں اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہر پر اور اپنے باپ پر اور اپنے شوہر کے باپ پر اور اپنے بیٹوں پر .... اور ان لڑکوں پر جو ابھی تک عورتوں کی پردہ کی بات سے واقف نہیں ہوئے ہیں....) ۔

یعنی وہ بچے جو کم سنی کی وجہ سے عورتوں کے نشیب وفراز اور داخلی حالات سے واقف نہ ہوں، لہٰذا اگر بچہ چھوٹا ہو اور ان چیزوں کو نہ سمجھتا ہو تو اس کے عورتوں کے پاس جانے آنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر وہ قریب البلوغ ہو یا وہ ان چیزوں کو سمجھنے بوجھنے لگ گیاہو تو پھر اس کو عورتوں کے پاس جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

''تمھارے بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز کا حکم دو اور جب دس سال کے ہوجائیں تو اس پر مارو اور ان کے بستر علٰیحدہ کردو'' (سنن أبی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب متییؤمرالغلام بالصلوٰۃ ص۷۰)۔

اسلام نے حکم دیا ہے کہ بچہ جب شعور کی عمر کو پہنچ جائے تو راحت وآرام اور سونے کے اوقات میں اپنے والدین کے کمرے میں بلااجازت داخل نہ ہو، کیونکہیہ ایسے

اوقات ہیں جن میں اپنے ماں باپ کو غیر مناسب حالات میں دیکھ کر بچے کے جذبات مشتعل ہو سکتے ہیں، جیسا کہ سورہ نور کی آیتوں میں ہے۔

جواب(ج) :

اسلام میں بلوغ سے قبل کم عمری کی شادی جائز تو ہے لیکن بچے اور بچی کی شادی بلوغ اور عمر میں پختگی آنے کے بعد مطلوب ومستحسن ہے۔

نابالغ بچیوں کا نکاح کرایا جاسکتا ہے، اس کا جواز قران مجید کی آیت اور حدیثعائشہ سے مستفاد ہے۔

اسلام نے خاندان ، معاشرے اور ناگزیر انسانی مصالح کے تحت کم سنی کی شادی کو جائز رکھا ہے، لیکن اس کے نزدیک بہتر ہے کہ بچے اور بچیوں کی شادی پوری طرح بالغ ہونے کے بعد ہی کی جائے۔

جواب (د) :

عام حالات میں اسلام میں بچہ مزدوری کی اجازت نہیں، اسلام نے بچے کو کمزور قرار دے کر سب سے پہلے اس کمزور طبقہ کی جانب ہماری توجہ مبذول کرائی ہے، اسے ظلم واستبداد کے آہنی پنجوں سے نجات دلانے کے لیے اپنے ماننے والوں کو جہاد کا حکم دیتا ہے۔

اسلام کے نزدیک بچہ ایک قومی امانت اور قومی سرمایہ ہے، اس کا یہ حق ہے کہ اس کے ساتھ نرمی ومحبت کا سلوک کیا جائے اور اسے ظلم واستحصال کی تمام شکلوں سے بچایا جائے۔

بچوں سے کوئلہ کی کانوں اور دیگر پر خطر مقامات پر سخت محنت و مشقّت کے کام لیے جاتے ہیں، جب کہ اسلام کا عام اصول ہے کہ بچوں سے ہي نہیں بلکہ کسی بھی شخص سے اس کی طاقت سے زیادہ کام نہیں لیا جا سکتا، اللہ کا ارشاد ہے

''لا یکلف اللّٰہ نفسا إلا وسعھا'' (البقرہ: ۲۳۳) اللہ تعالی کسی شخص پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر جتنا کہ وہ کرسکے)۔

بچہ مزدوری کی وجہ سے بچے کی صحت و تندرستی پر خطرناک اثرات مرتب ہوتے ہیں اوربعض اوقات وہ انتہائی مہلک امراض کا شکار ہو جاتا ہے، یہ نقصان وضرر کی ایک بدترین صورت ہے، اسلام نے نقصان وضرر تمام صورتوں کو ممنوع قرار دیا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے :

''من ضارّ ضاراللّٰہ بہٖ ومن شاق شاق اللّٰہ علیہ''(سنن ترمذی۲ / ۲۵ ابواب البروالصلۃباب ما جاء فی الخیانۃ والغش رقم الحدیث۱۹۴۰) (جو کوئی کسی کے نقصان پہنچانے کے در پے ہوگا، اللہ اسے نقصان پہنچائے گا اور جو کوئی کسی کو نا حق دشمنی

کا نشانہ بنائے گااللہ اسے اپنی دشمنی کانشانہ بنائے گا)

اسلام نے بچوں کی کفالت اور ان کی پرورش کا ایسا نظام بنایا ہے کہ کوئی بچہ کم عمری میں بچہ مزدوری کرنے پر مجبور نہ ہو، اسلام نے بچوں کے اخراجات کی ذمہ داری والدین پر عائد کی ہے کہ وہ اپنے کمسن بچوں کا خرچ برداشت کریں۔

فقہاء تحریر فرماتے ہیں:

''نفقۃ الأولاد الصغار علی الأب لا یشارکہ فیھا أحد کما لا یشارکہ فی نفقۃ الزوجۃ'' (ہدایہ علی فتح القدیر۴ / ۳۷۱) (کمسن اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہوگا، اس ذمہ داری میں اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہ ہوگا، جیسا کہ بیوی کے نفقہ میں اس کا کوئی دوسرا شریک نہیں ہوتا)۔

اگر کسی بچے کے والدین نہ ہوں تو اس کے اخراجات کی ذمہ داری اس کے قریبی رشتے داروں پر ہوگی،یہ ان کی قا نو نی ذمہ داری ہو گی جس کو لازما انہیں پوراکرنا ہوگا۔

''والنفقۃ لکل ذی رحم محرم إذا کان صغیرا فقیرا أوکانت امرأۃ بالغۃ فقیرۃ أو کان ذکرا بالغا فقیرا زمنا أعمی.... یجب ذلک علی مقدار المیراث ویجبر علیہ''(ہدایہ علی فتح القدیر۴/ ۳۷۸)۔

(ہر ذی رحم محرم رشتے دار کا نفقہ اس کے قریبی اعزہ پر واجب ہوگا جبکہ وہ کمسن اور نادار ہو یا بالغ محتاج عورت ہو یا بالغ مرد ہو جو محتاج ہو یا اسی طرح سے وہ مرد جو مرض مزمن میں مبتلا ہو یا نا بینا ہو .... یہ نفقہ اس کے اوپر میراث کی مقدار کی نسبت سے واجب ہو گا اور اس کے لئے اسے مجبور کیا جائے گا) ۔

جواب (۲) :

والدین اپنے گھریلو کاموں میں نا با لغ بچوں سے اس حد تک کام لے سکتے ہیں جس سے ان کی تعلیم متاثر نہ ہو، اسی طرح وہ اپنے بچوں سے شر عی دائرہ میں رہتے ہوئے جسمانی خدمت بھی لے سکتے ہیں ۔

فقہاء لکھتے ہیں:

''وإن استأجر الرجل ابنہ لیخدمہ فی بیتہ لم یجزولا أ جر علیہ لأن خدمۃ الأب مستحق علی الابن دینا'' (مسبوط ۱۶/ ۵۶ بحوالہ محمودالفتاوی۳ / ۸۳)۔

(اور اگر کوئی شخص اپنے بیٹے کو مزدوری پر رکھے تاکہ وہ اس کے گھر میں اس کی خدمت کرے، تو یہ نا جائز ہے اور اس پر اسے مزدوری نہیں ملے گی، اس لئے کہ باپ کی خدمت بیٹے کی دینی ذمہ داری ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ والدین اپنے نا بالغ بچوں سے خدمت لے سکتے ہیں۔

اپنی معاشی ضروریات پورا کرنے یا بہتر بنانے کے لئے وا لدین بچوں سے

مزدوری نہیں کراسکتے، کیونکہ بچوں کے اخراجات باپ کے ذمہ لازم ہیں، لہٰذا بچوں کو مزدوری پر لگا کر ان کے حقوق پامال کرنا جائز نہیں، اسی طرح بچوں سے مزدوری کرانے سے ان کے عادات و اخلاق کے بگڑنے کا اندیشہ ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے کمسن غلام کو مزدوری پر لگانے سے منع فرمایا ہے، لہٰذا عام حالات میں اپنے نا با لغ بچوں سے مزدوری کرانا بھی درست نہ ہوگا ، آپ ؐ کا ارشاد ہے:

''ولا تکلفوا الصغیرا لکسب فإنہ إذا لم یجد سرق'' (موطا مالک ص۳۸۵ ، کتاب الجامع باب الأمر با لر فق بالمملوک) (کمسن (غلام) کے اوپر کمائی گا بوجھ نہ ڈالو کیونکہ اگر اس کی کمائی نہیں ہو ئی تو وہ چوری کرنے لگے گا)

ایسے نابالغ بچے جو قریب البلوغ ہوں والدین انہیں پیشہ وارانہ کام سکھانے کے لئے کام سے لگا سکتے ہیں، البتہ اگر وہ حصول تعلیم میں مشغول ہوں توانہیں تعلیمی اوقات کے علاوہ دیگر وقت میں انہیں پیشہ وارانہ کام سکھایا جائے۔

چنانچہ فقہا ء لکھتے ہیں :

'' اور جب لڑکے کمائی کی حد کو پہنچ جائیں تو ان کو کسی کام پر لگائے گا تا کہ وہ کمائینیا ان کو مزدوری پر رکھے گا اور ان پر ان کی مزدوری میں سے خرچ کرے گا، بر خلاف بیٹیوں کے '' (الدر المختار علی رد المحتار، ۲۷۲۵)۔

اسی طرح لڑکیوں کو سلائی کڑھائی جیسے پیشہ وارانہ کام سکھانے کے لئے لگاسکتے ہیں، البتہ ان سے مزدور ی کرانا جائز نہیں۔

''علامہ حصکفی کا قول (بر خلاف لڑکیوں کے) پس اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ انہیں کسی کام یا خدمت کے لئے اجرت پر رکھے (فتاوٰی تاتر خا نیہ) اس لئے کہ کرائے پر لینے والا اس کے ساتھ خلوت اختیار کرے گا اور شر عا یہ مذموم ہے (ذخیرہ)اس سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ وہ لڑکی کو کسی عورت کے حوالے کرے جو اسے کوئی ہنر جیسے کشیدہ کارییا سلائی سکھا ئے اس لئے کہ اس میں کوئی برائی نہیں ہے '' (شامی۵،۲۷۲، ط: زکریا)۔

جواب (۳):

انتہائی غربت اور معاشی بد حالی کی بناء پر والدین کے لئے اپنے بچوں کو مزدوری پر لگانا درست ہے، البتہ درج ذیل شرطوں کی رعایت ضروری ہے :

۱) دیگر رشتے دار ایسے بچوں کی کفالت نہ کریں ۔

۲)بچوں کی عمر مزدوری کرنے کی متحمل ہو۔

۳) بچوّں کو ایسے کام پر لگایا جائے جس کے کرنے پر وہ قادر ہوں۔

فقہاء کرام تحریر فرماتے ہیں :

''باپ اور دادا یعنی باپ کا باپ یا ان کا وصی جب چھوٹے بچے کو کاموں میں سے

کسی ایسے کام کی مزدوری پر لگائیں جس پر وہ چھوٹا بچہ قادر ہو تو یہ جائز ہے اور باپ کے ہوتے ہوئے دادا کو ولایت حاصل نہیں ہوتی" (فتاوی عالمگیری۴،۴۳۶)۔

جواب (ہ):

شرعا بالغ ہونے سے پہلے اگر لڑکوں یا لڑکیوں سے جرائم سرزد ہوں مثلاً قتل، غارت گری، چوری زنا بالرضا یا زنا بالجبر تو ان پر شرعی حد جاری نہیں کی جائے گی، البتہ ان کی مناسب تعزیر کی جائے گی تاکہ وہ آئندہ اس سے اجتناب کریں ۔ مختلف جرائم کے بارے میں فقہاء نے صراحت کے ساتھ تحریر کیا ہے کہ بچوں پر جرم کی حد جاری نہیں کی جائے گی (فتاوی عالمگیری۲،۱۵، ۲،۱۵۹، ۶،۴)۔

جرائم کے ارتکاب کے بعد بچوں کو ان کی جسمانی حالت کی مناسبت سے مناسب سزادی جائے جو کس جرم کے سلسلہ میں متعینہ حد سے کم ہونا چاہئے، نیز سزا ایسی ہونا چاہئے کہ بچہ اس کا تحمّل کر سکے۔

دور حاضر میں نا با لغو ں میں پھیلتے ہو ئے جرائم پر قابو پانے اور ان کا سدّ باب کرنے کے لئے اسلام نے درج ذیل ہدایت دی ہیں:

١۔ ان بچوں میں خوف خدا بٹھایا جائے اور آخرت کی جواہد ہی کا احساس پیدا کیا جائے۔

'' وأمّا من خاف مقام ربّہ ونھی النفس عن الھٰو ی ہ فان الجنۃ ھی المأوٰی'' (النازعات: ۴۱ - ۴۰)۔

(اور جو کوئی ڈرا ہواپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے اور روکا ہو اس جی کو خواہش سے، سو بہشت ہی ہے اس کا ٹھکانہ)

''و لمن خاف مقام ربّہ جنّتٰن'' (الرحمٰن: ۴۶)۔

(اور جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو با غ ہیں)۔

٢ ۔ زنا پر قابو پانے کے لئے ان تمام محر کات کا سد باب کیا جائے جو بچوّں کو اس پر آمادہ کرتے ہیں، مثلاً

(الف) پردہ کا نظام قائم کیا جائے اور غیر محرم خواتین کے ساتھ تنہائی سے منع کیا جائے۔

''الخلوۃ بالأجنیۃ حرام''(الدرالمختار علی ردالمحتار، کتاب الکراھیۃ فصل فی النظروالمس)۔

(ب)مخلوط تعلیم بند کی جائے، لڑکیوں کے لئے علاحدہ مدارس اور کالج کھولیں جائیں۔

(ج) شراب پر مکمل طور سے پابندی عائد کردی جائے، کیونکہ شراب ام الخبا ئث ہے اور اکثر زنا کاری شراب کے نشے میں ہوتی ہے۔

(د) فحش لٹریچر اور فلموں پر پابندی عائد کردی جائے ۔

۳۔ حکومت نے بلوغت کی عمر اٹھارہ سال مقرر کی ہے، اس میں ترمیم کرنا چاہئے، کیونکہ شرعا بچے پندرہ سال کی عمر میں بالغ ہو جاتے ہیں اور جسمانی صحت اچھی ہو تو وہ اس عمر میں مختلف جرائم کا ارتکاب کر سکتے ہیں، لیکن قا نونی طور سے اٹھا رہ سال سے کم ہو نے کی وجہ سے وہ سزا سے بچ جاتے ہیں، جس کے سبب ان میں مزید جرائم کے ارتکاب کا حوصلہ پیدا ہو تا ہے، موجودہ معاشرتی ما حول میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ بلو غت کی عمر پندرہ سال کر دی جائے تاکہ جرائم سرزد ہونے پر ان کو سزا دی جا سکے اور بچوّں میں بڑھتے ہوئے مجرمانہ رحجانات پر قابو پایا جاسکے، حضرت عبداللہ بن عمر بیان فرماتے ہیں کہ ایک جنگ کے موقع پر وہ رسول ﷺ کے سامنے پیش ہوئے تو انہیں اجازت نہینملی، اس وقت ان کی عمر چودہ سال تھی، پھر اگلے سال دوسری جنگ کے موقع پرپیش ہوئے تو اجازت مل گئی، اس وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی،نا فع نے بیان کیا کہ جب میں عمر بن عبدالعزیز کے یہاں ان کی خلافت کے زمانے میں گیا تو میں نے ان سے یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ چھوٹے اور بڑے کے درمیان بے شک یہی حد فا صل ہے اور انہوں نے اپنے گو ر نروں کو لکھا کہ جس بچے کی عمر پندرہ سال کی ہو جائے اس کا فو جی وظیفہ بیت المال سے مقرّر کردیں (سنن ترمذی۱،۳۰۰ أبواب الجهاد باب ما جاء فی حد بلوغ الرجل و متییفرض لہ) ۔

سزا کے نفاذ میں سختی کی وجہ سے جرائم کا سدّ باب ہو تا ہے، لہٰذاجو جرائم پیشہ بچے شرعا بالغ ہو چکیں ہوں ان کو سزا دینا چاہیے، حکومت سے مطا لبہ کرناچاہئے کہ وہ حد بلو غت کی عمر میں ترمیم کرے۔

جواب (و):

جیلوں میں نا بالغ قیدیوں سے پر مشقت کام لینا جائز نہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''لا یکلف اللّٰہ نفسا إلّا وسعها'' (البقرہ : ۲۳۳) (اللہ تعالی کسی شخص پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت کے بقدر) ۔

یہ حکم عام اشخاص کے لئے ہے تو بچوں سے ان کی طاقت سے زیادہ کام لینا بدر جہء اولی نا جائز ہو گا ۔

جیل میں نا با لغ قیدیوں سے ایسے ہی کام لیے جائیں جسے وہ بآ سا نی انجام دے سکیں، بچوں کو مزدوری پر لگانے کے متعلق فقہا ء نے لکھا ہے کہ بچوں کو ایسے کاموں ہی کی مزدوری پر لگانا جائز ہے جس کو انجام دینے کی وہ قدرت رکھتے ہوں، لہٰذا جیلوں میں بھی بچوں سے ایسے ہی کام لئے جائینجوان کے بس میں ہو ں (ہندیہ۴،۴۳۶)۔

نابالغ قیدیوں کی جیلوں میں بچوں سے سخت مار پیٹ کرنا قطعا جائز نہیں، چنانچہ فتاوٰی عالمگیری ہے :

''الخامس أن لا یضرب الصبیان ضربا مبرحا ولا یجاوز الحد فإنہ یحاسبیوم القیامۃ''(فتاوی عالمگیری۵،۳۷۹)۔

بچوں کی جسمانی حالت کے مطابق ان کو ایسی سزا دی جائے جس کو وہ بر داشت کرسکیں،ان کے اصلاح کے لئے انہیں وعظ نصیحت کی جائے، ان کے اندر خو فِ خدا اور آخرت کی جوا بدہی کا احساس پیدا کیا جائے ۔

جواب(ز) :

بے سہارا بچوں کی پرورش، ان کی تعلیم وتربیت اور ان کو خاندانی ماحول فراہم کرنے کے سلسلہ میں اسلام نے سماج و معاشرہ کو بہت سی ہدایت دی ہیں، قران مجید مسلمانوں کو اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ ایسے بے سہارا ویتیم بچوں پر ظلم نہ کیا جائے، اور ان کے تحفّظ کی کوشش کی جائے:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''ویسئلونک عن الیتٰمی قل إصلاح لھم خیر وإن تخالطوھم فإخوانکم اللہ یعلم المفسد من المصلح'' (البقرہ: ۲۲۰)۔

(اور وہ تم سے پو چھتے ہینیتیموں کے بارے میں کہہ دو، ان کے ساتھ اصلاح حال کی روش بہتر ہے اور اگر تم انہیں اپنے ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ کون اصلاح حال کی روش اپناتا ہے اور کون بگا ڑ کا را ستہ اختیار کرتا ہے)۔

اللہ کے رسول ﷺ نے بے شمار احادیث مینیتیموں کی کفالت و سر پرستی کی تاکید کی ہے اور اس کے فضائل بیان کیے ہیں :

''قال رسول ﷺ أنا و کا فل الیتم فی الجنۃ ہٰکذا وقال بإصبعہ السبّابۃ والوسطی'' (الجامع الصحیح للبخاری۲ / ۸۸۸ کتاب الأدب باب فضل من یعولیتیما)۔

(اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''میں اور یتیم کی کفا لت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور یہ کہہ کر آپ ﷺ نے شہادت اور بیچ کی انگلی کو ملا کر اشارہ کیا)۔

عام طور پر یتیموں کی پر ورش کے لیےیتیم خانے قائم کیے گئے ہیں، لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے اس بات کی ترغیب دی ہے کہ یتیم کی پرورش اپنے گھر میں کی جائے اور اسے اپنے بچوں کی طرح پالا جائے ۔

اسلامی حکومت میں بے سہارا بچوں کے تعلیم و تربیت کے اخرا جات بیت المال سے پورے کئے جائینگے، اگر بیت المال نہ ہو تو ایسے بچوں کے اخراجات کی کفا لت عام مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی (دیکھئے: اعلاء السنن ۱۴،۷)۔

جواب (ح) :

بچہ کے گارجین حد درجہ بڑھے ہوئے افلاس اور پرورش کی استطاعت نہ رکھنے

کی وجہ سے کسی کو اپنابچہ حوالہ کر کے اس سے بے تعلق نہیں ہوسکتے، کیونکہیہ اپنی اولاد کو ضائع کرنے کے مترادف ہے، اللہ تعالی نے شدید الفاظ میں اولاد کو ضائع کرنے کی مذمّت بیان فرمائی ہے :

‘‘قد خسر الذین قتلوا أولادھم سفھا بغیر علم’’ (الأنعام: ۱۴۱)۔

(وہ لوگ انتہائی گھاٹے میں ہیں جنھوں نے اپنی اولاد کو نا سمجھی میں اپنی حماقت سے موت کے گھاٹ اتار دیا)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا :

‘‘لا تقتلوا أولادکم من املاق’’ (الأنعام:۱۵۱) (اپنی اولاد کو مفلسی کی وجہ سے قتل نہ کرو)۔

اپنی اولاد کو دوسرے کے حوالے کر کے اس سے بے تعلق ہو جانا ایک طور سے اولاد کو ضائع کرنا ہی ہے، اولاد کو حاصل کرنے والا مختلف طریقوں سے اس کا استحصال کر سکتا ہے، ماحول کے اثرات قبول کر کے ایسا بچہ اسلام سے دور ہوسکتا ہے یا پھر بددین و ملحد بھی ہو سکتا ہے جبکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

‘‘یایھا الذین آمنوا قوا انفسکم وأھلیکم نارا’’(التحریم: ۶)۔

(اے ایمان والوں ! اپنے آپ کو اور اپنے گھروالوں کو جھنم کی آگ سے بچاؤ)

اللہ کے رسول ﷺ نے ہر شخص کو اپنی اولاد کا نگراں قرار دیا ہے اور ہر شخص سے اس کی اولاد کی تعلیم و تربیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے :

‘‘ سن لو تم میں سے ہر ایک نگراں ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا، پس امام جسے عوام الناس کی سر براہی حاصل ہے وہ نگراں ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور مرد اپنے گھر والوں پر نگراں ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں پر نگراں ہے اور اس سے ان کی بابت سوال کیا جائے گا’’ (صحیح بخاری۲ / ۱۰۵۷، کتاب الأحکام)۔

فقہا نے لکھا ہے کہ اگر بچہ اور باپ دونوں غریب ہوں اور باپ کسی وجہ سے کمائی کر کے بچے کے اخراجات پورے نہ کر سکتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ لو گوں کے سامنے دست سوال دراز کر کے بچوں کا خرچ پورا کرے، لہٰذا کسی بھی حال میں کسی شخص کے لیے بچوں کو دوسرے کے حوا لے کرکے بے تعلق ہو نا جائز نہ ہو گا (دیکھئے: الدر المختار ورد المحتار ۳۳۷،۵)۔

سوال میں مذکورہ طریقے پر بچوں کو دوسروں کے حوا لہ کرکے ہدیہ کی رقم حاصل کرنا قطعا جائز نہیں، کیونکہیہ ہدیہ نہیں بلکہ دراصل بچوں کي فروخت کے بعد

حاصل ہونے والی رقم ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے اس شخص کے خلاف اعلان جنگ فرمایاہے جو کسی آزاد انسان کو فروخت کرے ۔

''حضرت ابو ہریرہؓ اللہ کے رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ تین طرح کے لوگ ایسے ہونگے جن کا میں قیامت کے دن مدعی بنوں گا : ایک وہ شخص جس نے میرے نام پر عہد کیا اور توڑ دیا، وہ شخص جس نے کسی آزاد انسان کو بیچ کر اس کی قیمت کھائی اور وہ شخص جس نے کوئی مزدور اجرت پر رکھا اس سے پوری طرح کام لیا، لیکن اس کی مزدوری نہیں دی '' (صحیح بخاری۴۵۳، کتاب البیوع)۔

فقہاء کرام نے بھی آزاد انسان کی بیع کو باطل قرار دیا ہے، کیونکہ وہ مال متقوّم نہیںہے (تنویر الأبصار علی الدرالمختار مع ردالمحتار ۳۶،۷، ۲۳۵) ۔

ایسے وا قعات کی روک تھام کے لئے درج ذیل تدابیر اختیار کرنا چاہئے :

(۱) سماج ومعاشرے کو ایسے غریب و نا دار سر پر ستوں کی مدد کرنا چاہئے، ان کی ضرورتوں کو پورا کرنا چاہئے، ان کے بچوں کی کفالت میں ان کا تعاون کرنا چاہئے۔

(۲) حکومت ایسے نادار وا لدین کے بچوں کی کفالت کے لئے ان کی مدد کرے اور ان کے لیے مخصوص اسکیم بنائے۔

(۳) حکومت کو ایسے غریب بچوں کی تعلیم وتربیت اور کفالت کے لیے ماہانہ مناسب وظیفہ دینا چاہئے۔

(۴) لڑکیوں کی شادی کے مشکل و مہنگی ہو جانے کی وجہ سے بھی اس طرح کے واقعات رونما ہوتے ہیں، والدین مستقبل کے خطرات ودشواریوں سے بچنے کے لیے اپنے بچے دوسروں کے حوالے کر دیتے ہیں،لہٰذا شادی کو آسان بنایا جائے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

''أعظم النکاح برکۃ أیسرہ مؤنۃ'' (مسنداحمد ۶/ ۸۲)۔

(سب سے برکت والا نکاح وہ ہے جس میں مشقت کم سے کم ہو)۔

جواب (ط):

اسلام نے کمزوروں ، بیماروں اور معذوروں کو عزّت کا مقام عطا کیا ہے، اسلام کا عقیدہ ہے کہ انسان صرف رزق کے حصول کا ذریعہ بنتا، ورنہ درحقیقت کمزوروں ومعذوروں کی دعا وبر کت سے عام لوگوں کو رزق ملتا ہے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

عن أبی الدرداء قال قال رسول اللہ ﷺ ''ابغونی فی ضعفائکم فإنما ترزقون وتنصرون بضعفائکم'' (سنن ترمذی۱، ۲۹۹ أبواب الجهاد) ۔

(حضرت ابودرداءؓسے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا '' تم مجھے غریب اور کمزور لوگوں میں تلاش کرو، تمھیں تو انہی کی وجہ سے

رزق ملتا ہے اور انہی کی وجہ سے تمھاری مدد کی جاتی ہے)۔

اسلام نے جسمانی طور پر معذور بچوں کا نفقہ بلو غت کے بعد بھی ان کے باپ پر واجب قرار دیا ہے، چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں :

''وکذا تحب لولدہ الکبیر العاجر عن الکسب کائنثیٰ مطلقاوزمن'' (شامی۵،۳۴۱)۔

(اس طرح بالغ اولاد جو کمائی سے عاجز ہو اس کا نفقہ بھی واجب ہوگا، جیسے بیٹی کا نفقہ مطلقا اور مرض مزمن میں مبتلا اولاد کا نفقہ)۔

علامہ حصکفي کا قول کا قول (وزمن) یعنی جسے مرض مزمن ہو اور یہاں پر اس سے مراد ایسا مرض ہے جو اس کے لئے کمائی کرنے سے مانع ہو جیسے اندھا ہو نا اور ہاتھ کی خرابی۔

معذور بچوں کے والدین پر ان کی طاقت و قدرت کے بقدر علاج و معالجہ واجب ہے والدین ہی نہیں بلکہ عام انسانوں کا فریضہ ہے کہ وہ دوسروں کو حتی الوسع موت اور ہلاکت سے بچانے کی کوشش کریں، چنانچہ اگر کوئی شخص نماز میں مشغول ہو اور کسی نابینا کے کنو ئیں میں گر جانے کا اندیشہ ہوتو نماز توڑ کر اس نابینا شخص کو کنوئیں میں گرنے سے بچانا واجب ہے۔

لہٰذا اپنی طاقت و قدرت کے بقدر / معذور بچوں کا علاج و معالجہ واجب ہے، اگر والدین کی معاشی حالت کمزور ہو اور وہ رفا ہی اداروں نیزحکومت کے تعاون سے ان کا علاج کر انے پر قادر ہوں تو ان پر رفاہی اداروں اور حکومت کاتعاون حاصل کرکے معذور بچوں کا علاج کرانا واجب ہوگا، جسمانی و ذہنی طور پر معذورنکو باپ کی شفقت اور ماں کی ممتا سے محروم کرکے ہسپتال میں داخل کر دینا جائز نہیں ہے، اسے اپنی ذمہ داری سے راہ فرار اختیار کرنا تصور کیا جائے گا، اسلام نے بیماروں ومعذوروں کے ساتھ محبت و ہمدردی کی تعلیم دی ہے، لہٰذا ایسے بچوں کو گھر میں رکھ کر ان کےساتھ حسنِ سلوک کرنا چاہئے تاکہ وہ اپنے آپ میں جینے کا حوصلہ پاسکیں، اسلام نے بیمار شخص کو تسلّی دینے اور اس کے لئے دعا کرنے کی تعلیم دی ہے اور یہ تبھی ہو سکتا ہے جب معذور بچہ والدین کی نگرانی و تیمارداری میں ہو، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے :

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم مریض کے پاس جاؤ تو اس سے کہو '' ابھی تمھاری عمر بہت ہے'' یہ بات اللہ کے فیصلے کو رد نہیں کر سکے گی، لیکن اس سے اس کا دل خوش ہوجائے گا'' (سنن تر مذی ابواب الطبّ ۲،۲۹)۔ واللہ اعلم بالصوا ب وعلمہ اتم واحکم۔

***

اسلام میں بچوں کے حقوق وآداب

مفتی محمد یاسرالقاسمی•
زیر نگرانی: مفتی محمد عبداللہ الفولفوری

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے،اس نے بچوں کو وہی مقام دیا ہے جو مقام دیگر بنی نوع انسانیت کے طبقات کو حاصل ہے،حضرت محمد ﷺ کا بچوں کے تئیں مشفقانہ اور محبت بھرا برتاؤ اسلام کی نظر میں بچوں کے حقوق کی اہمیت کی عکاسی کرتا ہے،یہی وجہ ہے کہ اسلام نے پیدائش سے قبل ہی بچوں کے اہم اور ضروری احکام اور ہدایات سے متعارف کرایا، تاکہ پیدا ہونے سے پہلے ہی جنین کو تحفظ فراہم کیا جائے،اس لئے کہ بچے مستقبل میں قوم کاسرمایہ ہیں،ان کی زندگی میں قوم کی بقاوصلاح و فلاح مضمر ہے۔

پرورش کا حق:

اسلام نے پرورش کو ایک حق کے طور پر تسلیم کیا ہے اور بچہ کی پرورش کے ذمہ داروں کوبالترتیب بیان کیا ہے اور اولین حق دار کی بھی تعیین کی ہے۔

بچہ کی پرورش کا سب سے زیادہ حق دار کون ؟

عورتیں بچہ کی پرورش کی سب سے زیادہ حق دار ہیناور وہی اس کے لئے موزوں بھی ہیں،اس لئے کہ ان کی شفقت اور محبت اور تربیت کی سوجھ بوجھ اور صبر وتحمل مرد کے مقابلہ زیادہ ہے،اور ان کے درمیان ماں کی شفقت ومحبت بے مثل اور بے بدل ہے،دنیا کی نرم سے نرم چیز بھی اس کی نرمی کے سامنے بے معنی ہے،اسی لئے زوجین کے مابین اگر کسی وجہ سے تفریق ہوجائے تب بھی بچہ کی پرورش کی وہ سب سے زیادہ حق دار ہے،چنانچہ فتاوی خانیہ میں ہے:أحق الناس بحضانۃ الصغیر حال قیام النکاح وبعد الفرقۃ الأم" (خانیۃ علی ھامش الھندیہ١،٤٢٢)۔

ماں کے بعد کس کا حق ہے؟

جب ماں کا دوسرا نکاح ہوجائے،یا وہ اپنے حق کو ساقط کردے،یا ماں کا انتقال ہوجائے ،یاوہ پرورش کی اہل نہ ہو تو حق پرورش نانی کے ذمہ آجاتا ہے اگرچہ اوپرتک ہو،پھردادی کے ذمہ اگرچہ اوپر تک ہو، پھر حقیقی کے بہن کے ذمہ، اسی طرح بالترتیبیہ حق محرم رشتہ داروں کی طرف مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ منتقل ہوتا رہتا ہے(الدر مع الرد٥،٢٦٢)۔

• مدرسۃ بیت العلوم سرائے میر۔

ماں کو پرورش کا حق کب تک ؟

اسلام نے والدین میں سے ہر ایک بچہ کے ساتھ جذباتی لگاؤ کو احترام دیا ہے،مگر بچہ کے لئے مفید اور مثبت پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے،اس لئے کہ سن شعور کو پہنچنے کے بعد لڑکے کے لئے انتہائی نگہداشت کی ضرورت پڑتی ہے، اس کی تعلیم وتربیت،پاکدامنی پرخاصی نظر رکھنا ہوتی ہے اور باپ اس پرزیادہ قادر ہے اور زیادہ سوجھ بوجھ والا ہے،اس لئے سات سال کے بعد لڑکا والد کے حوالہ کردیاجائے گااور لڑکی کو نسوانی آداب، سلائی،کڑھائی اور امور خانہ داری سیکھنا از حد ضروری ہے اور ماں کو اس میں زیادہ مہارت ہے،اس لئے بلوغت تک وہ ماں ،دادییا نانی کے ساتھ رہے گی،اور بلوغت کے بعد لڑکی کو باپ کے حوالہ کر دیاجائے گا،اس لئے کہ اب اسے پاکدامن رکھنے کی ضرورت ہے اور باپ اس پر زیادہ قادر اور راہ یاب ہے اور بلوغت کے بعد لڑکا خود مختار ہے،چاہے تو ماں کے ساتھ رہے،یاباپ کے ساتھ،یاتنہا ہی زندگی بسرکرے اور لڑکی کو یہ حق حاصل نہیں ہے،البتہ اگرلڑکا بلوغت کے بعد بھی عقل وشعور سے محروم ہے تو اس کو والد اپنا لے گا۔

اگربچی کی تربیت ماں اور نانییادادی کے علاوہ دیگر محارم کے حوالہ ہے،تو سن شہوت یعنی نوسال کی ہوجانے پرباپ کے سپرد کردی جائے گی،امام محمدؒ سے منقول ہے کہ فساد زمانہ کی وجہ سے ماں اور نانییا دادی کا بھییہی حال ہے،زیلعی نے اسی کو مفتی بہ قرار دیاہے (الہندیۃ١٫٥٤٢، الدرالمختار مع الرد٥٫٢٦٧، بدائع الصنائع٣٫٤٥٩،الفقہ الاسلامی وأدلتہ ١٠٫٧٣٠٤)۔

اگر مستحق حضانت کے سپرد کرنے میں بچہ کاضرر ہو:

حضانت کا دارو مدار بچہ کے لئے نفع بخش پہلو پر ہے،لہذا جو صورتینبچے کے لئے مضرت رسا ں ہیں ان میں حق حضانت ساقط ہوجاتا ہے، ''لأن مدار الحضانۃ علی نفع الولد''(ردالمحتار علی الدر٥٫٢٦٦)، اسی لئے فقہاء احناف نے بھی حضانت کے ثبوت کے لئے چند شرائط کو ذکر کیا ہے،چنانچہ علامہ رملیؒ نے فرمایا:حاضنہ کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ آزاد،بالغہ،عاقلہ ،امانت دار اور بچہ کی پرورش پرقادر ہواور اجنبی شوہر سے اس کا نکاح نہ ہوا ہو، آخری شرط پرورش کرنے والی خاتون کے ساتھ خاص ہے،باقی شرائط کا پرورش کرنے والے مرد میں بھی پایاجاناضروری ہے،نیز پرورش کرنے والے کے لئے علامہ ابن عابدینؒ نے یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ وہ ذی رحم محرم ہو،مرتدہ نہ ہواور بچہ کو ایسے شوہر کے گھر میں نہ رکھا ہوجو بچہ سے بغض رکھتا ہے اور اگر لڑکے کا باپ تنگ دست ہے، پرورش کے نفقہ کی ادائیگی پرقادر نہیں ہے،تو اس کی ماں کو چاہئے کہ مفت پرورش کرنے سے انکار نہ کرے،یہ چند شرائط ہیں جن کا پرورش کرنے والے مرد وعورت میں پایاجانا ضروری ہے،ورنہ حق پرورش ساقط ہوکر دیگرورثہ کی طرف

منتقل ہوجائے گا (ردالمحتار علی الدر۵،۲۵۳)۔

فقہاء کی ذکر کردہ شرائط سے پتہ چلتا ہےکہ حضانت کی قدرت ،اہلیت ،بچہ کی حفاظت اور اس کی منفعت پرورش کا خاص مقصود ہے،لہذا اگربچہ ماں کی تربیت میں ضائع ہورہا ہے تو اس کا حق حضانت ساقط ہوجائے گا،خواہ اس کے اسباب کچھ بھی ہوں،لیکن اگر پرورش کرنے والی خاتون متعدی بیماری میں مبتلا ہے،یاباعث نفرت بیماری میں مبتلا ہے،جس کا ضرر بچہ کو پہنچ سکتا ہے،جیسے جذام ،برص اور دیگرمتعدی امراض تو کیا اس کا حق پرورش ساقط ہوجائے گا؟مجھے تلاش بسیار کے باوجود فقہ حنفی میں ایسا کوئی جزیہ نہیں ملا،البتہ امام مالکؒ چاراسباب کی وجہ سے حق پرورش کوساقط کردیتے ہیں،ان میں سے ایک سبب پرورش کرنے والی کاضرررساں بیماری میں مبتلا ہونا بھی ہے،جیسے جنون،جذام اور برص ،حضرات حنابلہ بھی مالکیہ کے ساتھ ہیں۔

مجھے لگتاہے کہ اگر کوئی مسلمان عادل ،طبیب حاذق یہ تصدیق کر دے کہ یہ امراض بچے کے لئے مضر ہیں تو فقہ حنفی میں بھی حق پرورش کو ساقط کرنے والے اسباب میں اس کا شمار ہونا چاہئے:''ففی الفقہ الاسلامی وأدلتہ:تسقط الحضانۃ بأربعۃ أسباب عند المالکیۃ:ومنہا ضرر فیبدن الحاضن کالجنون والجذام والبرص وافقہم فیہ الحنابلۃ: (۷۳۰۹،۱۰) وفیہ أیضاً:إذاثبت أن الولی غیر مامون علی الصغیر والصغیرۃ ولو أبأیسلمان إلی من یلیہ فی الولایۃ'' (۷۳۱۰،۱۰، الموسوعۃالفقہیہ :۳۰۶،۱۷)۔

حق تعلیم وتربیت:

اسلام نے حصول علم پر بہت زور دیا ہے، ''فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوافی الدین ولینذروا قومھم إذارجعوا إلیھم لعلھم یحذرون''(التوبۃ: ۱۲۲) (کیوں نہیں ہربڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت نکلتی تاکہ وہ دین کی سمجھ حاصل کرے،تاکہ یہ لوگ جب اپنی قوم کے پاس واپس آئیں تو انہیں ڈرائیں تاکہ وہ ڈرجائیں)، نیز حضرت نبی کریمﷺ نے فرمایا:''طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم''(ابن ماجۃ۱،۲۰) (حصول علم ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے)، خواہ مرد ہو یاعورت،تعلیم کی اہمیت کی بنیاد پر ہرباپ کو ذمہ دار بنایا گیا ہے کہ بچہ کی اچھی تعلیم وتربیت کرے،چنانچہ حضرت نبی کریمﷺ نے بڑے جاذب اور ترغیبی انداز میں ایک باپ کوبچہ کی تعلیم وتربیت کا احساس دلایاکہ ایک باپ کا بچہ کے لئے سب سے بہتر تحفہ یہ ہے کہ اس کی بہترین تعلیم وتربیت کرے ''مانحل والد ولدہ أفضل من أدب حسن''(جامع الترمذی۲،۱۷)، بچیوں کی تربیت پر بھی آپ نے ترغیب دیتے ہوئے فرمایا :''جس کے پاس تین لڑکیاں ہوں،اور اس نے ان کی اچھی تربیت کی ،پھر ان کی شادی کرادی اور ان کے ساتھ اچھاسلوک کیا تو ایسے شخص کے لئے جنت کی بشارت ہے ''(سنن ابی داؤد رقم الحدیث: ۵۱۴۷)۔

بچوں کی تعلیم کے حدود:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:''یاأیہا الذین آمنوا قوا أنفسکم وأھلیکم ناراً'' (التحریم: ۶) (اے ایمان والو خود کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ) اس کی تفسیر میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو خیر کی تعلیم دو، حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا: تم ان کو تعلیم دو اور انہیں بھلی بات کا حکم دو اور انہیں بری بات سے روکو، امام جصاص رازیؒ فرماتے ہیں: اس سے پتہ چلاکہ اپنی اولاد کو اوراہل خانہ کودین اور خیر کی بات سکھلانا اور ان آداب کی تعلیم دینا جن سے وہ بے نیاز نہیں ہیں ہم پرواجب ہے (احکام القرآن للجصاص۳،۶۲۴)۔

لہذا والدین بلکہ تمام اولیاء کی ذمہ داری ہے کہ بچوں کوان احکام کی تعلیم دیں،جن کے وہ بالغ ہونے کے بعد مکلف ہونے والے ہیں،لہذا بچپن ہی میں ان کو اسلامی عقائد کی تعلیم دینا واجب ہے،تاکہ ان کا عقیدہ درست ہوجائے اور ان عبادات کی تعلیم دینا واجب ہے جوہر مسلمان پرفرض عین ہیں،جیسے نماز،روزہ،حج،زکوۃ اور اخلاص نیت وغیرہ،اس لئے کہ حضرت نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا:''سات سال کے بچوں کو نماز کا حکم دواور دس سال کے ہوجائیں تو نماز کی خاطر ماروااور ان کا بستر الگ کردو'' (جامع الترمذی۱،۹۳)۔

پتہ چلا کہ بچوں کو سات سے پہلے ہی نماز اور دیگر عبادات کی تعلیم دی جائے تاکہ سات سال کے بعدبچے نماز وغیرہ دیگر عبادات اداکرسکیں اور سات سال کا ہونے پر ان کونماز کا حکم دیا جائے، تاکہ وہ بچپن ہی سے نمازوغیرہ کے عادی ہوجائیں اور ''شاب نشأ فی عبادۃ اللہ'' کا مصداق بنیں۔

اسی طرح بچوں کو مخرب اخلاق کبائر سے بھی متعارف کرایا جائے اور انہیں کم سنی ہی میں ان جرائم اور معاصی سے متنفر کر دیاجائے تاکہ بچہ بالغ ہوتے ہی شہوانی خیالات اور شیطانی اثرات سے محفوظ رہے،اس لئے اسے زنا، بدکاری، چوری، شراب نوشی، جھوٹ،غیبت، حسد، بغض وعناد، کبر، عجب، ریاء اور چغل خوری وغیرہ کی شناعت وقباحت سے متعارف کرادیاجائے،تاکہ بچہ ظاہری وباطنی امراض سے بالکل محفوظ رہے۔

قاضی ابوبکربن العربیؒ والدین کو بچے کی بہتر تربیت پرترغیب دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:بچہ والدین کے پاس امانت ہے،اس کا پاک قلب ایک عمدہ اور سادہ جوہر ہے،جو ہر طرح کے نقش ونگار سے خالی ہے،ہر نقش کو قبول کرنے کی اس میں صلاحیت ہے،اس کو جس طرح مائل کیا جائے مائل ہوجاتا ہے،لہذا اگر اسے خیر کا عادی بنادیا گیا اور خیر کی تعلیم دی گئی توخیر کے ساتھ پروان چڑھے گااور دنیا وآخرت میں سعادت مند ہوگا،تو اس کے والدین ،معلمین اور مؤدبین بھی ثواب میں شریک ہوجائیں گے،اور اگر بچہ شر کا عادی بن گیااور اس سے غفلت برتی گئی تو وہ بدبخت بن جائے گا اور بربادہوجائے

گااور اس کے ذمہ دار اور ولی کی گردن میں اس کا وبال ہوگا،جب باپ بچہ کو دنیا کی آگ سے محفوظ رکھتا ہے تو اسے آخرت کی آگ سے بدرجۂ اولی محفوظ رکھناچاہئے اور جہنم کی آگ سے بچہ کی حفاظت کا یہ طریقہ ہے کہ اس کی تربیت کرے،اس کو اچھے اخلاق کی ہدایت اور تربیت دے اور برے ساتھیوں سے اس کی حفاظت کرے،نازونعمت کا اسے عادی نہ بنائے اور زینت اور اسباب ترفہ کا اس کو عادی نہ بنائے، ورنہ بڑے ہوکر اسی کی طلب میں اس کی عمر ضائع ہوجائے گی اور وہ ہمیشہ کے لئے برباد ہوجائے گا (المدخل لابن الحاج ۳۱۱،۴، از موسوعہ فقہیہ:۱۲،۱۳ماده تعلیم وتعلم)۔

مناسب ہے کہ بچہ کوایسے دنیاوی امور بھی سکھلائے جائیں جن کی بچہ کوضرورت ہے،جیسے تیراکی، تیراندازی، گھوڑسواری، رائج الوقت زبانیں اور حسب ضرورت نفع بخش علوم کی تعلیم بھی دی جائے، تاکہ بچہ کی معیشت بھی بہتر ڈھنگ سے گذرسکے،حضرت عمرؓ نے فرمایا:''علموا أولادکم السباحۃ والرمایۃ ومروھم فلیثبوا علی الخیل وثباً'' (الفردوسیۃلابن القیم:ص:۶معزیاًعن الموسوعۃ الفقھیۃ۱۲،۱۳) (اپنے بچوں کوتیراکی اور تیراندازی سکھاؤاور انہیں حکم دوکہ وہ گھوڑوں پرجست لگائیں)

عصری تعلیم کا حکم:

عصرحاضر میں علوم عصریہ کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے،عصری علوم کے ذریعہ کسب معاش کی سہولت کے ساتھ ان کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا،سائنسی ایجادات نے سب کو محو حیرت کردیاہے،بڑے سے بڑے منصوبے چند ساعتوں میں مکمل ہوجاتے ہیں،انجینیرنگ،میڈیکل اور زبانوں کی مہارت نے بہت ساری مشکلات کوآسان کردیا ہے،لہٰذاایسے علوم کی تعلیم جس کے حصول میں شرعی قباحت نہ پائی جائے اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں کیا جاسکتا،بلکہ اس کی افادیت کی بناپراس کو فرض کفایہ کادرجہ حاصل ہوگا،چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ نے تبیین المحارم سے نقل کیا ہے کہ رہا فرض کفایہ علم تو یہ وہ علم ہے کہ دنیاوی امور کی انجام دہی میں اس سے بے نیازی نہیں ہے،جیسے طب،حساب،صنعت وحرفت کے اصول،کاشتکاری کے ضابطے،جیسے بنکری،سیاست اور حجامت، ''وأما فرض الکفایۃ من العلم فھو کل علم لایستغنی عنہ فی قوام أمور الدنیا کالطب والحساب..... إلی أن قال:وأصول الصناعۃ والفلاحۃ کالحیاکۃ والسیاسۃ والحجامۃ'' (ردالمحتار علی الدر۱۲۶،۱)، تاہم شرعی علوم سے بے نیازی برتنا اور اعراض کرکے دنیاوی علوم کے پیچھے پڑجانابالکل نامناسب اور ناروا ہے۔

جبری تعلیم:

مدارس اسلامیہ نے تعلیم وتربیت میں اب تک وہ نمایاں کردار اداکیا ہے،جس کی نظیر نہیں ملتی،مدارس کے مفت تعلیمی نظام نے برصغیرہند وپاک میندین کے چراغ کوبجھنے نہیں دیااور باطل کی تمام کوششیں اب تک ناکام رہی ہیں،ایسے میں حکومت کے

ذریعہ مفت جبریتعلیم کا شوشہ دینی مدارس پرقدغن لگانے کا ایک حربہ ہے،مسلمان بھی اس ملک کا آزاد شہری ہے اور اسے اپنے اسلامی اصولوں کے ساتھ زندگی گزارنے کاپورا حق ہے،لہذا ایسی کسی تعلیم پراسے مجبور نہیں کیا جاسکتا،جو اسے دین وایمان سے بے گانہ کردے،حکومت کے ذریعہ جبری تعلیم کا منصوبہ اسلامیتشخص کومٹانے کی ایک منظم سازش ہے،اس لئے منظم طریقہ سے اس کی مخالفت ضروری ہے،ورنہ ہندوستان سے شعائر اسلامیہ کا مٹ جانا کچھ مستبعد نہیں ہے،البتہ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ ایسے ادارے قائم کریں،جہاں دینی تعلیم کے ساتھ عصری علوم بھی پڑھائے جائیں،تاکہ برق رفتار دنیا میں ہماری جدید نسل اپنا کردار نبھاسکے اور باعزت زندگی گزار سکے،مگر یہ بھی ضروری ہے کہ نظام تعلیم اور طریقۂ تعلیم مغرب زدہ نہ ہوبلکہ اسلامی آئین اور مزاج سے ہم آہنگ ہو،ورنہ مسلمانوں کے ذریعہ قائم کردہ ادارے بھی کارآمد انسانوں کے تیار کرنے میں ناکام ثابت ہوں گے،خلاصہ یہ کی قدیم صالح اور جدید نافع علوم کی اسلام میں مکمل آزادی ہے اور اسلام ایسے علوم کاداعی اور علم بردار ہے اور معصیت کے کاموں میں کسی کی اطاعت جائز نہیں ہے،خواہ وہ حکومت وقت ہی کیوں نہ ہو،چنانچہ مسلم شریف کی روایت ہے: ''السمع والطاعۃ علیالمرء المسلم فی ما أحب وکرہ إلا أن یؤمر بمعصیۃ فإذا أمر بمعصیۃ فلا سمع ولاطاعۃ''(مسلم،کتاب الامارۃرقم: ۱۸۳۹)۔

جنسی تعلیم:

جنسی تعلیمیاسیکس ایجوکیشن اہل یورپ کی ایجاد ہے،جس کا سبب یورپ کا اوپن کلچر اور کھلے پن کی ثقافت ہے، جس میں انسانوں کو شہوتوں کو استعمال کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہے، اس کا لازمی نتیجہیہ نکلا کہ یورپی کلچر میں ایڈز جیسے خطرناک امراض نے جنم لیااور وبا کی طرح پورے یورپ اور بعض افریقی ممالک کواپنی لپیٹ میں لے لیا، امریکہ، انگلینڈ اور یورپ جیسے ترقییافتہ ممالک میں ہم جنسی کوقانونی حیثیت حاصل ہے، ایسے حالات میں بچوں کو مہلک بیماریوں سے بچانے کے لئے تعلیمی نصابوں میں سیکس ایجوکیشن کو بھی داخل کردیاگیا ہے،تاکہ شہوتوں کی تکمیل میں احتیاطی تدابیر استعمال کی جائیں اور مہلک امراض سے بچا جائے،اگر سیکس ایجوکیشن کا مطلب یہ ہے کہ بچوں کوپریکٹکل کرکے شہوانی مناظر کا مشاہدہ کرایاجائے،یابچوں کو ایسے غیر فطری غیر انسانی افعال کے کرنے پر مجبور کیا جائے یاحوصلہ افزائی کی جائے، فحش تصاویر، بلو فلموں اور ویڈیوز کے ذریعہ شہوت کے تئیں انہیں بیدار کیا جائے،تو اسلام کے پاکیزہ معاشرہ میں ایسے ایجوکیشن اور تعلیم کی کوئی گنجائش نہیں ہے،بلکہ بالکل حرام اور ناجائز ہے۔

اسلام میں جنسی تربیت:

جنسی احساس ایک فطری عمل ہے،جیسے بھوک ،پیاس کا احساس فطری ہے،بچہ

عمر کے بڑھنے کے ساتھ بہت کچھ سیکھتا رہتا ہے،اس کا یہ سیکھنا قدرتی اور فطری ہے،اس کے ذہن میں نت نئے سوالات ابھرتے رہتے ہیناور ان سوالات کے حل کے لئے پہلے تو خود ہی کوشش کرتا ہے،پھراپنے والدینسے دریافت کرتا ہے،اگروالدین سے تسلی نہیں ہوتی توپھر قابل اعتبارذرائع سے معلوم کرنے کی کوشش کرتاہے،دس سے پندرہ سال کی عمر کا عرصہ بچہ کے لئے انتہائی نازک دور سمجھاگیا ہے،یہ وہ دور ہے جب بچہ کے جنسی احساسات میں حددرجہ اضافہ ہوتارہتاہے،اسی لئے حدیث میں حکم دیاگیا ہے کہ جب بچے دس سال کے ہوجائیں تو ان کا بستر الگ کردوتاکہ خدانہ خواستہ وہ جنسی انحراف کا شکار نہ ہوجائیں، ''وفرقوا بینہم فی المضاجع''(أبوداؤد:رقم: ۴۹۵)۔

اس عمر میں والد کی ذمہ داری ہے کہ اپنے بچوں کوزیادہ تر ساتھ ہی رکھے تاکہ وہ بے راہ روی کا شکار نہ ہوں،چنانچہ حضرت نبی کریمﷺ نے فرمایا:''الزموا أولادکم'' (اپنے بچوں کے ساتھ رہاکرو)، والدین کی ذمہ داری ہے کہ بچوں کی تربیت کے معاملہ میں وہ حساس ہوں،ان کے سوالات کا بہترین جواب دیں،حیاء کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے سوالات کوبالکل نظر انداز کردیا جائے،یاڈانٹ دیاجائے،یاانہیں غلط جوابات دیے جائیں،بلکہ بہتر ہے کہ انہیں صحیح اور ان کے سادہ دماغ کے مطابق جواب دیا جائے، بچہ جب جنسی سوال کرے تواس کوحیوانات وغیرہ سے مثال دے کر سمجھایا جاسکتا ہے، قرآن کی آیات مینزنا،فاحشہ ،حلم،رفث،ماء دافق،ھن لباس لکم جیسے کلمات کی بچوں کے ذہن کے مطابق سادہ سی تفسیر اور وضاحت کردی جائے، تاکہ بچے ان کی مراد اور احکام سے واقف ہوجائیں،بچوں کواستیذان ،غض بصراور ستر عورت کاپابند بنایاجائے اور ان کے دلوں مینیہ بٹھادیاجائے کہ تمہارے بعض اعضاء تمہارے لئے خاص ہیں،ان کودیکھنے کی کسی کواجازت نہیں ہے،اس لئے اپنے ان اعضاء کو کسی کے سامنے ہرگزظاہر نہ کرو، بچے جب قریب البلوغ ہوجائیں تو انہیں وجوب غسل، زائد بالوں کی صفائی، اور حیض وغیرہ کے احکام سے بھی باخبر کر دیاجائے، تاکہ بالغ ہونے کے بعد اپنے فرائض کی ادائیگی میں انہیں کسی الجھن کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

نکاح کے بارے میں بچے اوربچیوں کے حقوق:

آج دنیا کے جدید قانون میں بچپن کے نکاح کو قانونی درجہ حاصل نہیں ہے اور بچپن میں شادی کی اجازت نہیں ہے،جب کہ اسلامی شریعت میں نکاح کی صحت کے لئے بلوغ کوشرط قرار نہیں دیاگیاہے،لہذا قبل البلوغ بھی شریعت اسلامیہ میں نکاح کی اجازت ہے،چنانچہ سورۃ الطلاق میں نابالغہ کی عدت تین حیض بیان کی گئی ہے ''واللائی لم یحضن'' (الطلاق: ۴)، اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ شوہر کے ساتھ خلوت اور تفریق کے بغیر عدت واجب نہیں ہوتی،لہذا اس آیت کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ نابالغی کی حالت میں نہ صرف نکاح جائز ہے،بلکہ خلوت بھی جائز ہے (احکام القرآن للجصاص۲،۶۲)۔

وہبہ زحیلی نے جمہور ائمہ کامسلک یہی بیان کیا ہے کہ نابالغہ کا نکاح جائز ہے،بلکہ ابن المنذرؒ نے اجماع کابھی دعوی کیا ہے اور اس کے چند دلائل ہیں:(۱)نابالغہ کی عدت تین ماہ ہے،جیسا کہ ''واللائی لم یحضن'' (الطلاق: ۴) میں بیان کیا گیا اور عدت نکاح وفرقت کے بعد ہی ہوتی ہے،(۲) اللہ تعالی نے خواتین کے نکاح کاحکم دیتے ہوئے فرمایا: ''وأنکحوا الأیامی منکم''(النور: ۳۲) غیرشادی شدہ عورت کے نکاح کا حکم دیا گیا، خواہ نابالغہ ہویابالغہ، (۳)حضرت عائشہؓ کابیان ہے کہ حضرت نبی کریمﷺ نے مجھ سے نکاح فرمایا جب میری عمر چھ سال تھی اور میرے ساتھ خلوت کیا جب میں نو سال کی ہوئی، نیز حضرت نبی کریمﷺ نے اپنے چچا حضرت حمزہؓکی بیٹی کا ابن ابی سلمہؓ کے ساتھ عقد فرمایاجب کہ دونوں نابالغ تھے، (۴)صحابہ کے درمیان بھی نابالغی کے نکاح کو بالکل آزادی حاصل تھی،چنانچہ حضرت علیؓ نے اپنی بیٹی ام کلثومؓ کا حضرت عروہ بن زبیرؓ سے عقد فرمایاجب کہ وہ نابالغہ تھیں،حضرت عروہ بن زبیر نے اپنی بھتیجی کا اپنے ایک بھتیجے کے ساتھ عقد فرمایا جب کہ دونوں نابالغ تھے،ایک شخص نے اپنی نابالغہ لڑکی کوعبداللہ بن حسن بن علیؓ کو ہبہ کیاتوحضرت علیؓ نے اس کی اجازت دی اور عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی اپنی بیٹی کے نکاح کی اجازت دی(الفقہ الاسلامی وادلتہ۹،۱۷۲)۔

بعض حضرات کا یہ نظریہ تھاکہ یہ حضرت نبی کریمﷺ کی خصوصیت تھی، مگرحضرات صحابہ کے ذریعہ کیے گئے یہ عقود صراحتاً دلالت کرتے ہینکہ نابالغی کے نکاح جائز ہیں ۔

تاہم بالغ ہونے کے بعد نکاح کرنا بہتر ہے،نکاح کاپسندیدہ زمانہ بلوغ اور درستی عقل کے بعد کازمانہ ہے ،لہذا بلوغت کے بعد مناسب رشتہ ملنے کے باوجود بلاوجہ تاخیر کرنامناسب نہیں ہے، ورنہ تاخیر کی صورت میں اولاد سے جو گناہ سرزد ہوگااس کاوبال سرپرست کوبھی ہوگا،چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:اگر تمہیں ایسا شخص نکاح کاپیغام دے جس کے دین واخلاق سے تم راضی ہوتواس کانکاح کردو،اگر تم نے اس کا نکاح نہیں کیا تو روئے زمین پرفتنہ وفساد عام ہوجائے گا۔''عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ إذاخطب إلیکم من ترضون دینہ وخلقہ فزوجوہ إلا تفعلوا تکن فتنۃ فی الأرض وفساد عریض''(أخرجہ الترمذی رقم: ۱۰۸۴)۔

نیز حضور ﷺنے فرمایا:اے علی تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو،نماز جب اس کا وقت ہوجائے،جنازہ جب وہ تیار ہوجائے اور بے نکاحی لڑکی کا نکاح جب کہ جوڑا مل جائے، ''ثلاث لاتؤخر،الصلاۃ إذاأتت والجنازۃ إذاحضرت والأیم إذاوجدت لہا کفؤاً'' (أخرجہ الترمذی رقم: ۱۰۷۵)۔

حضرت نبی کریمﷺ نے نکاح کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:''اے نوجوانوں

کیجماعت! تم میں سے جونکاح کی استطاعت رکھتا ہواسے نکاح کرلینا چاہئے،اس لئے کہ نکاح نگاہ کو پست کرنے اور شرمگاہ کی حفاظت کاباعث ہے" (صحیح البخاری رقم: ۵۰۶۶، صحیح مسلم رقم: ۳۳۹۸)، آج کل تاخیر نکاح کے مختلف اسباب ہیں،مثلاًجہیز کی بڑھتی لعنت،بارات وغیرہ کی بے ہودہ رسم،لڑکی کے یہاں دعوت کا اہتمام،نام ونمود کی خاطرحیثیت سے زیادہ اسراف،عصری تعلیم کی خاطر نکاح میں تاخیراور رشتوں کوتلاش کرنے کاغیرشرعی معیار،ضرورت ہے کہ ان اسباب کا سدِباب کیاجائے،اورمستقل تحریکوں کے ذریعہ ان اسباب کاصحیح حل نکالا جائے۔

بچہ مزدوری:

بچپن کازمانہ تعلیم وتربیت کے لحاظ سے بڑا اہم زمانہ ہے،اس لئے والدین اور اولیاء کوچاہئے کہ بچپن میں بچہ کوپڑھنے کے لئے فارغ رکھیں،تاکہ بچہ دینی اور دنیوی علوم میں مہارت حاصل کرے اور بڑاہوکر بہتر طریقہ سے زندگی گذارسکے، یہ بات مخفی نہیں ہے کہ آج مسلمانوں کا شرح تعلیم بہت کم ہے اور بچپن ہی سے بچوں سے کموانے کامزاج بناہوا ہے،حالانکہ نابالغ اولاد کانفقہ باپ کے ذمہ فرض ہے اور بلوغت کے بعد بھی اگربچے زیرتعلیم ہوں توان کی کفالت باپ کے ذمہ عائد ہوتی ہے،اس لئے دنیا طلبی کے رجحانات کے چلتے بچوں سے مزدوری کرانےازروئے شرع جواز کے دائرہ میں نہیں آنا چاہئے،اگروالد بقید حیات نہ ہوں تودیگراولیاء کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ بچوں کی تعلیم وتربیت اورنفقات کی فکرکریں،تاہم اسلام نے حالت مجبوری میںنابالغوں کو بھی مزدوری کی اجازت دی ہے،چنانچہ بدائع الصنائع میں ہے:

‘‘والد، اس کے وصی،قاضی اور اس کے امین کی جانب سے بچہ سے مزدوری کرانادرست اور نافذ ہے،اس لئے کہ شریعت کی جانب سے ان کونیابت حاصل ہے،لہذاباپ کے لئے جائز ہے کہ اپنے نابالغ بیٹے کو کسی بھی کام میں مزدوری پرلگادے،اس لئے کہ باپ کو نابالغ بچہ پرایسے ہی ولایت ہے،جیسے اسے اپنی ذات پر ولایت حاصل ہے،اس لئے کہ جس طرح باپ اپنی ذات پرشفیق ہے نابالغ بچہ کی ذات پربھی شفیق ہے،باپ کو یہ اختیار ہے کہ خود کواجارہ پردیدے تواسی طرح بیٹے کوبھی اجارہ پردینے کا اسے اختیارحاصل ہے،اس لئے کہ اس میں نابالغ بچہ کے لئے مصلحت دوطرح سے پائی جاتی ہے:(۱)دراصل منافع مال نہیں ہیں،بالخصوص آزادکے منافع اور اجارہ کے ذریعہ منافع مال بن جاتے ہیںاور غیر مال کومال بنادینا ازقبیلِ مصلحت ہے،(۲)نابالغ بیٹے کوصنعت وحرفت میں مشغول کردینےازقبیل تہذیب وتادیب اور ورزش ہے اوراس میں بچہ کے لئے مصلحت بھی ہے،لہذاباپ اس کا مالک ہے،تاہم دیگر محارم کے لئے بچہ سے مزدوری کرانے کااختیار نہیں ہے،الایہ کہ کسی قرابت دار کی پرورش میںہوتووہ بچہ سے مزدوری کراسکتا ہے۔

اگر بچہ مدت اجارہ کے ختم ہونے سے پہلے ہی بالغ ہوگیاتو اس کویہ اختیار ہوگاکہ

چاہے تواجارہ کونافذ کر دے اورچاہے توفسخ کردے ''(بدائع الصنائع۴،۱۷۸،۱۷۷،المحیط البرہانی۱۱،۳۱۰،۳۰۹)۔

تاہم بچہ سے مزدوری کرانے میں اس کی مصلحت کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔

غربت کی بناء پربچوں سے مزدوری کرانا:

جب تک بچہ کمائی کے لائق نہیں ،نابالغ ہے،یابچی ہے خواہ بالغہ ہی کیوں نہ ہواس کا نفقہ والد پرعائد ہوتا ہے، اسی طرح بچہ بالغ ہوگیامگرکمانے سے معذورہے،اپاہج یاطالب علم ہونے کی بناء پریاشریف زادہ ہے جس سے مزدوری کرانے کے لئے کوئی تیار نہیں تو اس کا نفقہ والد پرہی عائد ہوتاہے،اگرباپ محتاج ہے توکماکربچوں کوکھلائے اور اگرکمانے کی اس کے اندر استطاعت نہیں ہے توحسب ترتیب دیگراولیاء پرنفقہ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے،اگردوسراکوئی ولی نہ ہوتوحکم ہے کہ باپ لوگوں سے بھیک مانگ کربچوں کوکھلائے،صاحبِ بحر نے نقل کیا ہے کہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ باپ اگرغریب ہے اور کمانے سے عاجز ہے تواس کے بچوں کانفقہ بیت المال سے اداکیاجائے گا،چنانچہ درمختار میں ہے: ''فلوکانا فقیرین فالأب یکتسب أویتکفف وینفق علیہم'' (درمع الرد۵،۳۳۷)۔

اگرباپ محتاج ہے اور بچے کمانے کے لائق ہوجائیں ،خواہ لڑکا نابالغ ہی کیوں نہ ہوتوباپ کویہ اختیار ہوگاکہ اس سے مزدوری کرائے یاکسی پیشے سے وابستہ کردے، تاکہ اس کی کمائی سے اس پر خرچ کیا جائے،مگر لڑکی کوکسی کے حوالہ کردینادرست نہیں ہے؛اس لئے کہ اگر کسی کی خدمت میں لڑکی کودیا گیا،تومستاجر لڑکی کے ساتھ خلوت اختیار کرے گااور ازروئے شرع یہ جائز نہیں ہے،البتہ اسے دردوزی اور سلائی وغیرہ سیکھنے کے لئے اسے کسی خاتون کے حوالہ کیا جاسکتا ہے، چنانچہ ردالمحتارمیں ہے:''فإن بلغہ (حدالکسب) کان للأب أن یؤجرہ أویدفعہ فی حرفۃ لیکتسب وینفق علیہ من کسبہ لوکان ذکراًبخلاف الأنثیٰ'' (ردالمحتارعلی الدر۵،۳۳۷، المحیط البرہانی۴،۳۴۱)۔

بچوں کے جرائم اوران کے احکام:

اگربچوں سے زناکاصدور ہو،یابقدرنصاب چوری کریں،یاکسی اور جرم کاارتکاب کریں تواسلام میں ان پرحدود یعنی شرعی سزائیں جاری نہیں کی جاسکتیں؛اس لئے کہ شرعی سزاؤں کے نفاذ کے لئے مکلف ہونا شرط ہے،جب کہ نابالغ بچے مکلف نہیں ہوتے،چنانچہ حضرت نبی کریمﷺ نے ارشادفرمایا: ''رفع القلم عن ثلاث، عن النائم حتیٰیستیقظ وعن الصبي حتییحتلم وعن المجنون حتییعقل'' (مسند أحمدبن حنبل، رقم: ۲۴۷۳۸،۶،۱۰۰) (تین طرح کے لوگ مرفوع القلم ہیں،سونے والابیدارہونے تک،بچہ بالغ ہونے تک،مجنون عقل مند ہونے تک)۔

موسوعہ فقہیہ میں ہے:

''حد مکلف پرہی واجب ہوتی ہے اور مکلف عاقل بالغ ہوتا ہے؛اس لئے کہ جب

غیرعاقل،نابالغ سے عبادات مینمکلف ہوناساقط ہوگیا تومعاصی میں بھی اس سے گناہ ساقط ہوجائے گا " (الموسوعۃ الفقہیہ۱۷؍۱۴۲)۔

بدائع میں ہے:

''بچہ یامجنون اگرکسی اجنبی عورت سے وطی کرلے تواس پرکوئی حد نہیں ہے؛اس لئے کہ ان دونوں کے فعل کوحرمت کے ساتھ متصف نہیں کیا جاسکتا؛لہٰذاان دونوں کا وطی کرنا زنانہیں ہے؛اس لئے اگرعورت بچہ کی موافقت کرے تواس پربھی حد واجب نہیں ہے " (۵؍۴۸۷، البحر الرائق ۵؍۵، رد المحتار ۶؍۵)۔

چور کاہاتھ کاٹنے کے سلسلے میں علامہ کاسانیؒ تحریرفرماتے ہیں :

''فأہلیۃ وجوب القطع وہوالعقل والبلوغ،فلایقطع الصبی والمجنون لماروي عن النبیﷺ أنہ قال:رفع القلم عن ثلاث،عن الصبی حتٰییحتلم وعن المجنون حتییفیق وعن النائم حتییستیقظ'' (بدائع:۶؍۷)۔

البتہ نابالغ یامجنون سے اگر کسی کامال تلف ہوجائے تواس پرضمان عائد ہوگا،درمختار میں ہے:''لکنہما یضمنان المال" (ردالمحتار۶؍۱۳۷)۔

شریعتِ اسلامیہ میں گوبچہ پر کچھ سزائیں متعین نہیں ہیں،مگریوں ہی چھوڑنے کاحکم بھی نہیں ہے، بلکہ بطور تادیب بچے کے اولیاء اس کی تعزیر کرینگے، چنانچہ ڈاکٹر زحیلی صاحب لکھتے ہیں:''یشترط العقل فقط لوجوب التعزیر بارتکاب جنایۃ لیس لہا حد مقرر فی الشرع، فیعزر کل عاقل ذکر أو أنثیٰ، مسلماً أو کافراً، بالغاً أو صبیاً عاقلاً؛ لأن ہؤلاء غیر الصبی من أہل العقوبۃ، أما الصبی فیعزر تأدیباً لا عقوبۃً'' (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷؍۵۵۹۹، بدائع الصنائع۷؍۶۳)۔

بچوں کوجیل میں ڈالنے کا حکم:

مالکیہ اور شوافع کے نزدیک نابالغ بچوں سے جرائم سرزد ہونے کی صورت میں ان کوقید میں نہیں ڈالا جاسکتا، البتہ ان کے ساتھ تادیبی کارروائی کی جائے گی، خواہ مالی معاملہ ہویاغیر مالی، مگر فقہائے احناف کے نزدیک مالی اور غیر مالی دونوں قسم کے معاملات مینتادیب کی غرض سے بچوں کوقید کیا جاسکتا ہے،نہ کہ سزا کے مقصد سے؛اس لئے کہ بچے سزا کے مکلف نہیں ہیں،بچوں کوقید کرنے کا مقصد ان کی اصلاح اور تنبیہ ہے،تاکہ وہ جرائم پرجری نہ ہوجائیں:

علامہ ابن عابدینؒ رقم طراز ہیں:(ردالمحتار علی الدر۸؍۱۲۳،الہندیۃ۳؍۴۱۳، معین الحکام: ۱۷۴)۔

''بچے کوصرف تادیب کے طور پر قید کیا جاسکتا ہے، تاکہ اس جیسے کام کی اسے پھر جسارت نہ ہو،بشرطیکہ اسباب تعدی کا اس سے قصداً ارتکاب ہوا ہو، لہٰذا اگر غلطی سے اس سے کسی جرم کا ارتکاب ہوا تواسے قید نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح مبسوط کے

کتاب الکفالہ میں ہے،اور محیطمیں بیان کیا گیاہے کہ بغرضِ تادیب (نہ کہ بغرض ِسزا) بچے کوقید کردے،تاکہ وہ حقوق العباد کی ادائیگی میں ٹال مٹول نہ کرے؛اس لئے کہ بچے کی سرزنش کی جاتی ہے تاکہ وہ قابل ِمذمت کاموں سے باز رہے " (رد المحتار علی الدر ۱۲۳،۸، الہندیہ۴۱۳،۳، معین الحکام : ۱۷۴)۔

ارتداد کی بناپر بھی نابالغ لڑکے یا لڑکی کوقید کیا جاسکتا ہے(درمع الرد۱۰۰،۶)۔

مغنی میں ایسے باغیوں کو بھی قید کرنا بیان کیا گیا ہے جو قتال کے اہل نہ ہوں، تاکہ باغیو ں کے دلوں میں شکستگی پیدا ہو (المغنی لابن قدامہ۱۱۵،۸)۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے :''اکثر نصوص دلالت کرتی ہیں کہ نوعمر بچوں کو ان کے والد یاولی کے گھر میں قید کیا جائے گا،نیز اسے جیل میں بھی محبوس کرنا جائز ہے،مگر جب یہ اندیشہ ہوجائے کہ جیل کا ماحول بچے کوخراب کردے گا تو اس کے والد کے پاس اسے قید کرنا واجب ہوگا،جیل میں اسے قید نہیں کیا جاسکتا " (الموسوعۃ الفقہیہ۳۱۸،۱۶)۔

لقیط کے حقوق:

علمائے احناف کے نزدیک لقیط کواٹھانے کاحکم یہ ہے کہ اگر لقیط کے نہ اٹھانے کی صورت میں اس کی ہلاکت کا اندیشہ ہے تو اس کواٹھانا فرض کفایہ ہے، اور اگر کسی ایسی جگہ بچہ پڑاہے کہ اس سے کوئی ایک شخص ہی واقف ہے تواس کے لئے بچہ کواٹھالینا فرضِ عین ہے،ورنہ تومندوب ہے؛اس لئے کہ لقیط کواٹھانے میں اس کے ساتھ شفقت کا برتاؤ ہے اور اس کو زندہ رکھنے کی کوشش ہے (درمع الرد۴۲۳،۶)۔

اگر کسی نے لقیط کواٹھالیا تواس کوپھینکناجائزنہیں ہے،چنانچہ ابن عابدینؒ نے لکھاہے:''وینبغی أن یحرم طرحہ بعد التقاطہ؛ لأنہ وجب علیہ بعد التقاطہ حفظہ" (رد المحتار علی الدر۴۲۵،۶) ۔

لقیط کا سب سے زیادہ مستحق کون؟

ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحب لکھتے ہیں کہ بچہ کو اٹھانے والا دوسروں کے بالمقابل بچہ کا زیادہ مستحق ہے،اس کو اختیار ہے کہ اس کی تعلیم وتربیت میں خرچ کر کے احسان کرے ،یابچے کا معاملہ حاکم کے پاس لے جائے،تاکہ بیت المال کے صرفہ سے اس کی تربیت کا کسی کوحکم دے؛اس لئے کہ بیت المال تمام مسلمانوں کی ضروریات کے لئے تیار کیا جاتا ہے،مگر یہ حکم اس وقت ہے جب بچے کے پاس مال نہ ہو، اگر اس کے پاس مال ہو اس طرح کہ اٹھانے والے کو اس کے پاس مال بھی ملاتوبیت المال میں اس بچے کاکوئی حق ثابت نہیں ہے اور علماء کا یہ اجماعی فیصلہ ہے،اور اگر اٹھانے والے نے بچے پر اپنے مال سے ہی خرچ کیاتو اگر قاضی کی اجازت سے خرچ کیا تو بالغ ہونے کے بعد بچے سے رجوع کرنے کا اختیار ہوگااور اگر قاضی کی اجازت کے بغیر ہی خرچ کیا تو وہ متبرع ہوگا اور بلوغت کے بعد بچے سے رجوع کرنے کا اختیار نہیں ہوگا،اگر نظام ِقضا

قائم ہوتو بچے کے جان ومال کا ذمہ دار قاضی ہوگا،یعنی بچے کی حفاظت ،تعلیم وتربیت ،نکاح اور اس کے مال میں تصرف کا اختیار قاضی کوہوگا؛اس لئے کہ حضرت ﷺ کا ارشاد ہے :جس کاکوئی ولی نہ ہو توسلطان اس کا ولی ہے،اٹھانے والے کو بچے کا نکاح کرانے یا مال میں تصرف کا کوئی اختیار نہیں ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ۶؍۴۸۵۲)۔

بدائع میں ہے:''ومنہا أن الملتقط أولیٰ بإمساکہ من غیرہ حتّٰی لایکون لغیرہ أن یأخذ منہ''(بدائع الصنائع۶؍۱۹۸)۔

اس عبارت سے واضح ہوگیا کہ بچے کو اٹھانے والے سے کسی کولینے کااختیار نہیں ہے،البتہ اگراٹھانے والانابالغ ہونے یا مجنون ہونے یا فاسق و فاجرہونے کی بناپربچے کی حفاظت کا اہل نہیں ہے جب کہ بچہ حد شہوت کوپہنچ جائے، یا اٹھانے والاکافر ہے اوربچہ مسلمان ہے تواٹھانے والے سے لے لیا جائے گا،یااٹھانے والابچہ کی تعلیم وتربیت پرتوجہ نہیں دیتا توبھی اس کا حق ساقط ہوجاناچاہئے(رد المحتار علی الدر۶؍۴۲۵)۔

اٹھانے والا اس سے اصلاحِ حال کی خاطر مزدوری کراسکتا ہے اور کسی صنعت میں لگاسکتا ہے،مگر اجرت بچے ہی کی خاطر محبوس کی جائے گی اور بچے کی ضروریات میں خرچ کیا جائے گا، اٹھانے والے کواپنی ذات پر خرچ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا (بدائع الصنائع۶؍۱۹۹)۔

بچے کی چوری اور اس کی خرید وفروخت:

علماء احناف کے یہاں چوری کے تحقق کے لئے اشیاء مسروقہ کا مال متقوم ہونا شرط ہے؛لہٰذابچے کی چوری کو اصطلاحِ شرع میں چوری نہیں کہا جاسکتا؛اس لئے کہ بچہ مال نہیں ہے،خواہ صغیر ممیز ہو یاغیر ممیز؛اس لئے اگر کوئی اس کی چوری کرلے تواس کا ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا،البتہ اگر بچے کے ساتھ بقدر نصاب مال ہوتواس کی چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا یانہیں؟تویہ مسئلہ علماء احناف کے درمیان مختلف فیہ ہے،امام ابوحنیفہؒاورامام محمدؒبچے کواصل قرار دیتے ہیناور مال کو تابع بناتے ہیں؛اس لئے کہتے ہیں کہ چور کاہاتھ کاٹا نہیں جائے گااور حضرت امام ابویوسفؒ کامذہب یہ ہے کہ اگر تنہا مال کی چوری کرتا توہاتھ کاٹا جاتاتوجب بچے کے ساتھ مال کی چوری کیاہے جب بھی ہاتھ کاٹا جائے گا،مگر یہ اختلاف اس بچے کے بارے میں ہے جوکمسن ہے اور بول نہیں سکتااگر بچہ خود سے چل لیتا ہے اور بول لیتا ہے تواس کی چوری کرنے والے کاہاتھ بالاجماع نہیں کاٹا جائے گا،خواہ اس کے ساتھ کتنا بھی مال ہو (الہندیہ۲؍۱۷۷،۱۷۸)۔

تاہم اگر کوئی بچے کی چوری کاعادی ہوگیا ہے تواس کوسخت سزا دی جائے اورحاکم وقت کو چاہئے کہ اسے اس وقت تک جیل میں رکھے جب تک وہ توبہ نہ کرلے (ردالمحتار علی الدر۶؍۱۵۴)۔

خلاصۂ کلام یہ کہ علماء احناف بچے کی چوری کرنے والے کے ہاتھ کاٹنے کے

قائل نہیں ہیں،ہر چند کہ صاحب الفقہ علی المذاہب الاربعہ نے صبی غیرممیز کی چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹے جانے کا قول امام ابویوسفؒ کی طرف منسوب کیا ہے اور یہی امام مالکؒ کا مذہب بھی ہے،امام مالکؒ کے مسلک کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام دارقطنی نے بروایت حضرت عائشہؓ روایت کیا ہے کہ حضرت ﷺ کے پاس ایک ایسے شخص کولایاگیا جوبچوں کی چوری کرتا تھاپھردوسری جگہ لے جاکر انہیں فروخت کردیا کرتا تھاتو رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اس کا ہاتھ کاٹا گیا (دارقطنی۳،۱۴۱)۔

آج کل یہ جرم بڑھتا جارہا ہے،بچوں کی اسمنگلنگ نے تجارتی شکل اختیار کرلی ہے،ان معصوم بچوں کومختلف مقاصد کے لئے استعمال کیا جارہا ہے؛کبھی انہیں فروخت کردیا جاتا ہے ،توکبھی ان کے اعضاء رئیسہ کی خرید وفروخت ہوتی ہے،توکبھی جنسی تسکین کے لئے انہیں ہدف بنایاجاتاہے،ایسی صورتِ حال میں ایسے درندوں کو تعزیراًقتل کرنے کا حکم دینا چاہئے،چنانچہ درمختارمیں ہے:

''امام کویہ اختیار ہے کہ سیاستًچور کوقتل کردے زمین میں فساد پھیلانے کی وجہ سے،مگر یہ حکم اس وقت ہے جب وہ بار بار چوری کرے،بہرحال ابتداء قتل کرنا سیاست نہیں ہے'' (در مع الرد ۶،۱۶۹)۔

اگروالد غریب اورکمائی سے عاجزہے جب بھی بچہ کودوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا یاہبہ کرنا جائز نہیں ہے؛اس لئے کہ لڑکا مال نہیں ہے اور آزاد کونہ توفروخت کرنا جائز ہے نہ ہبہ کرنا؛ اس لئے اگرباپ محتاج یاکمانے سے عاجز ہے تو دیگر اولیاء پران کانفقہ واجب ہے اور اگر اولیاء بھی محتاج ہوں توباپ بھیک مانگ کر بچوں کاخرچ چلائے گا۔

بے بی سنٹرمیں بچے کی پرورش:

مردوزن کے مساوات کے نعرہ نے خواتین کوگھرکی چہاردیواری سے نکال کربازاروں کی زینت بنادیا،مردوں کی طرح خواتین بھی مختلف النوع ملازمتوں سے وابستہ ہوگئیں جس کے نتیجہ میں بچوں کی پرورش کے لئے کرایہ کی گود کا سہارا لینے کی ضرورت پڑی اور اس ضرورت کی تکمیل کے لئے مغربی ممالک میں بے بی سنٹر کاقیام عمل میں آیا،جہاں کرایہ کی عورتیں بچوں کی پرورش کرتی ہیں،پرورش کرنے والی عورتیں مسلم اور غیرمسلم دونوں ہو تی ہینتوکیاایسے سنٹر میں ڈال کر بچوں کی پرورش کراناجائزہے؟

حضرات علماء احناف اورمالکیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک پرورش کرنے والی خاتون کا بچہ کا محرم ہونا شرط ہے، جب کہ حنابلہ اور شوافع اس شرط کوملحوظ نہیں رکھتے،نیز پرورش کرنے والی خاتون کا مسلمان ہونا علماء احناف کے یہاں شرط نہیں ہے؛اس لئے جب تک بچہ دین کا شعور حاصل نہ کرلے کافرہ عورت سے بھی اس کی

پرورش کرائی جاسکتی ہے،ان دونوں اصولوں سے یہ مستفاد ہوا کہ علماء احناف اور مالکیہ کے یہانبلاضرورتِ شدیدہ بے بی سنٹر میں بچے کی پرورش کراناجائز نہیں ہے،البتہ اگر بچے کے ساتھ کوئی محرم رشتہ دارہوتوجائز ہے اور اگر محرم رشتہ دارعورت میسر نہ ہوسکے تومجبوری کی حالت میں حنابلہ اور شوافع کے مسلک پرعمل کرتے ہوئے بے بی سنٹرمیں بچہ کی پرورش کراناجائز ہے اور اگر بے بی سنٹر میں کافرہ عورت سے بچے کی پرورش کراناپڑے توسن ِشعور کوپہنچنے تک اس سے بچے کی پرورش کرانا جائز ہوگا اور جب یہ اندیشہ ہونے لگے کہ بچہ پرورش کرنے والی خاتون کے مذہب سے مانوس ہوجائے گاتو اس کوسنٹر سے نکال لینا واجب ہوگا (الموسوعۃ الفقہیہ۱۷،۳۰۵)۔

تاہم ماں کی شفقت ومحبت سے بڑھ کرکسی کی شفقت ومحبت نہیں ہوسکتی؛ اس لئے بہتر تویہی ہے کہ ماں سے ہی بچے کی پرورش کرائی جائے، البتہ مجبوری کی صورت میں مذکورہ بالا شرائط کالحاظ کرتے ہوئے بے بی سنٹرمیں بھی پرورش کرانا درست اورجائز ہے (واللہ اعلم بالصواب)۔

***

اسلام میں بچوں کے حقوق

مفتی آصف پالنپوری•

(الف): اسلام میں بچہ کی پرورش اوراس کی دیکھ بھال کو ایک حق کے طور پر مانا گیا ہے کہ پیدائش کےبعد بچہ کے لئے کوئی آدمی اس کی پرورش وپرداخت کے لئے موجود رہے، چنانچہ شریعت نے لمبی فہرست بیان کی ہے، چونکہ اللہ تعالی نے والدین کے دلوں میں بچو نکی محبت وشفقت اور بچو نکے دلوں میں بھی والدین سے تعلق خاطر کا بیش بہا ذخیرہ رکھ دیا ہے، پھر والدین میں بھی ماں کا رتبہ اس سلسلہ میں بہت اونچا ہے اور ماں کے دل کی نرمی کی تو دنیا میں کوئی مثال نہیں ہے، ان ہی فطری خصوصیات کی وجہ سے اسلام نے بچہ کی پرورش کی ذمہ داری اور اس کا حق اولا ماں کو دیا ہے اور ماں کے لئے یہ حق جہاں زوجین کے درمیان نکاح کے باقی رہنے کی صورت میں ہے وہیں اگر میاں بیوی کے درمیان کسی وجہ سے تفریق ہوجائے تب بھی پرورش کا اختیار اور اس کا حق ماں ہی کو ہوگا۔

فتاوی قاضی خاں میں ہے:

''أحق الناس بحضانۃ الصغیر حال قیام النکاح وبعد الفرقۃ الأم'' (۱،۴۳۳)۔

نیز اسی طرح ایک مرتبہ حضرت نبی کریمﷺ کے سامنے ایک عورت نے شکایت پیش کی کہ میں اپنے بچہ کی پرورش کررہی ہوں مگر پہلا شوہر مجھ سے چھیننا چاہتا ہے تو آپﷺ نے اس کو جواب میں فرمایا: ''أنت أحق بہ منہ مالم تنکحی'' (فتاوی قاضی خاں ۱،۴۳۳)۔

ماں نے اگر اولاد کے کسی غیر ذی رحم محرم سے شادی کرلی تو اس کاحق پرورش ساقط ہوجاتا ہے اور فقہاء کرام کے بیان کردہ ترتیب کے مطابق یہ حق ان کی طرف منتقل ہوجاتا ہے (دیکھئے: احسن الفتاوی۵،۵۴۹)۔

الغرض والدین کے دلوں میں اللہ تعالی نے اپنے بچوں سے محبت کا بے پناہ جذبہ رکھ دیا ہے، جس کی بنا پر ان میں سے ہر کوئی اپنے بچوں کی پرورش کرنا چاہتا ہے، لیکن اس سلسلہ میں اللہ تعالی نے ماں کی محبت نیز بچہ کے نفع کے خاطر کم سنی میں ماں کو ہی پرورش کا اختیار دیا ہے، کیونکہیہ ایسا زمانہ ہوتا ہے جس میں ماں ہی اپنے بچہ کی صحیح طور پر پرورش وتربیت کرسکتی ہے، مگر شریعت نے باپ کو بھی اس خواہش سے محروم نہیں رکھا ہے اور اسے بھی حق دیا ہے، چنانچہ بچہ زیادہ عمرکا ہوجائے تو اب اس کی

• جامعہ اسلامیہ قاسمیہ رتن پور، گجرات۔

پرورش کی ذمہ داری باپ کے سر آجاتی ہے، فقہاء کرام نے احادیث وآثار کی روشنی میں مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ بچہ کے اندر جب ہوش وحواس پیدا ہوجائے اوراپنی ضروریات کو خود ہی پورا کرنے کی صلاحیت آجائے، عمر کے لحاظ سے بچہ سات سال کا او ربچی نو سال کی ہوجائے یا حیض شروع ہوجائے تو ان کی پرورش کا حق باپ کو ہوتا ہے، کیوں کہ تو اب اس کی تعلیم وتربیت کی ضرورت پڑے گی اور باپ ہی اس کے لئے موزوں ترین آدمی ہے، اسی طرح جب بچی بالغ ہوجائے تو اس کی شادی کا مسئلہ درپیش ہوگا اور باپ ہی اس کو صحیح طور پر انجام دے سکتا ہے (بچے حقوق واحکام ، ص: ٣٧٤)۔

مندرجہ ذیل وجوہ سے حق حضانت ساقط ہوجاتا ہے:

(١) بچہ کے غیر ذی رحم محرم سے نکاح کرلیوے۔

(٢) بچہ کی پرورش پر اجرت طلب کرے جبکہ بچہ کے ذی رحم محرم میں سے کوئی دوسری عورت بلااجرت پرورش پر راضی ہو۔

(٣) کسب کی وجہ سے بکثرت باہر نکلتی ہو جس سے بچہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔

(٤) ایسے فسق وفجور میں مبتلا ہو کہ اس سے بچہ کے ضیاع کا خطرہ ہو۔

(٥) اگر فاسقہ کے پاس بچہ کے ضیاع کا خطرہ نہ ہو تو اس کے پاس اتنی عمر تک چھوڑا جائے گا، جس میں برے اخلاق سے متاثر ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

(٦) کافرہ کے پاس اتنی عمر تک چھوڑا جائے گا جس سے اس کے دین سے متاثر ہونے کا خطرہ نہ ہو۔

(٧) مرتدہ یعنی خدانخواستہ کوئی مسلمان عورت شیعہیا قادیانی ہوجائے یا کوئی دوسرا مذہب اختیار کرلے (دیکھئے: احسن الفتاوی٥،٤٥٩۔٤٦٠، فتاوی رحیمیہ٨،٤٥٦، فتاوی دار العلوم دیوبند،١٠٨و غیرہ)۔

البتہ اگر ماں کے پاس تربیت اسلام کے مطابق نہیں ہورہی ہے تو ماں کے پاس سے واپس نہیں لے سکتے ہیں جیسا کہ فتاوی دار العلوم (١١،١٠٩) پر ایک سوال وجواب سے معلوم ہوتا ہے ۔

(ب) (١۔٢): اسلام جن فکری عقائد اور عملی احکام کا داعی وطالب ہے، اس کے لئے تعلیم نہایت ہی ضروری عمل او راہم ہے، اسی وجہ سے قرآن مجید میں عالم اور جاہل کے درمیان واضح لفظوں میں فرق بیان کیا گیا ہے، ''قل ہل یستوی الذینیعلمون والذین لا یعلمون''۔ نبی کریمﷺ نے بھی اپنی امت کو تعلیم کی دعوت دیتے ہوئے امت کا یہ فریضہ بتایا ہے کہ وہ علم حاصل کریں، ''طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ''۔

تعلیم کی اسی اہمیت کے پیش نظر اسلام میں ہر باپ کا فریضہ بتایاگیا ہے کہ وہ

اپنے بچہ کی اچھی تعلیم وتربیت کا انتظام کرے، چنانچہ نبی کریمﷺ نے فرمایا کہ ایک باپ کا اپنے بچہ کے لئے سب سے بہترین ہدیہ وتحفہ بہترین تعلیم وتربیت ہے۔ ‘‘ما نحل والد ولداً من نحل أفضل من أدب حسن’’ (سنن ترمذی: ۱۹۵۲)۔ تعلیم کے سلسلہ میں حضرت نبی کریمﷺ کے اسی فرمان کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابن عباسؓ جو آپﷺ کی وفات کے وقت صرف دس برس کے تھے فرماتے تھے ‘‘کہ ہم نے اس عمر میں پورا قرآن پڑھ لیا تھا، ‘‘توفی رسول اللہﷺ وأنا ابن عشر سنین وقد قرأت المحکم’’ (بخاری شریف: ۵۳۵ باب تعلیم الصبیان القرآن)۔

تعلیم کے سلسلہ میں اسلام نے لڑکے اور لڑکی کے درمیان کوئی تفریق نہیں رکھی ہے، بلکہ جس طرح لڑکیوں کے لئے بنیادی تعلیم کو ضروری قرار دیا ہے، اسی طرح لڑکی کے لئے بھی اسے ضروری کہا ہے۔

اسلام میں مرد وعورت کے الگ الگ فرائض ہیں او راپنے فرائض سےواقفیت کے لئے علم کا ہونا ضروری ہے، اس لئے اسلام میں بلاتفریق کے بنیادی تعلیم ضروری قرار دی گئی ہے ، چنانچہ لڑکیوں کی اچھی تعلیم وتربیت اوران کی شادی کا اچھا انتظام کرنے والے باپ کے لئے آپﷺ نے جنت کی بشارت سنائی ہے۔

‘‘عن أبی سعید الخدریؓ قال قال رسول اللہﷺ:من عال ثلاث بنات فأدبہن وزوجہن وأحسن إلیہن فلہ الجنۃ’’ (سنن ابی داؤد: ۵۱۴۷) (حضرت ابوسعیدخدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کی تین لڑکیاں ہو ناور ان کی اچھی تربیت کی پھر ان کی شادی کرائی اور ان کے ساتھ اچھا معاملہ رکھا تو ایسے شخص کے لئے جنت کی بشارت ہے)۔

بچوں کو عصری اسکولو ں میں داخل کرنا:

اسلام میں جس بنیادی تعلیم کو ہر ایک کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے وہ دین کا علم ہے، جس سے انسان کے لئے مذہب پر چلنا آسان ہوجاتا ہے، اور اس کے اندر اخلاقی قدریں پروان چڑھتی ہیں، مگر موجودہ دور میں روزگار کے مواقع کو تعلیم سے جوڑ دیاگیا ہے جس کی وجہ سے عصریتعلیم پر مشتمل نصاب کے مطابق تعلیم دی جاتی ہے، ظاہر ہے کہ یہ عمل خلاف اسلام نہیں اور نہ ہی ان اسکولوں میں بچوں کو داخل کرنا اسلامی نقطہ نظر کے خلاف ہے، کیونکہ اسلام ایک معتدل مذہب ہے نہ اس میں غلو پر مبنی عبادت ہے اور نہ دنیا سے بے تعلقی کی اجازت ہے، نبیﷺ نے کھلے لفظوں میں ارشاد فرمایا: ‘‘إن الرہبانیۃ لم تکتب علینا’’ (مجمع الزوائد ۳۰۱،۴) (رہبانیت (دنیا سے کنارہ کشی) اسلام میں نہیں رکھی گئی)، نہ ہی دنیا کا پرستار بن جانے کی اجازت ہے کہ آدمی دین سے بیزار ہوجائے۔

الغرض اسکولوں میں بچوں کو داخل کرنا جائز بلکہ بہتر ہے، مگر اس تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلام کی بنیادی تعلیمات جس کا حاصل کرنا تمام مردوعورت پر ضروری ہے،

بچو نکو تعلیم بھی دینا ضروری ہے تاکہ بچہ دنیا کے مسائل کے ساتھ ساتھ دینی احکام سے بھی واقف ہو، اور اس کے لئے شریعت پر چلنا آسان ہوجائے، لیکنیاد رہے کہ بچے جب تک کم سن ہو، برائی کے خیالات وجذبات ابھی پیدا نہ ہوئے ہوں تو لڑکوں اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم کی اجازت ہے، لیکن بچے جب قریب البلوغ ہو اور صنفی امور کا شعور ان کے اندر جاگ گیا ہو تو اب ان کو مخلوط اسکولوں میں داخل کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس صورت میں ایک اجنبی بچہ کا دوسری قریب البلوغ اجنبی لڑکی اور ایک اجنبی قریب البلوغ لڑکی کا دوسرے اجنبی نفسانی خواہشات کے حامل لڑکے کے ساتھ میل جول پایا جائے گا جو شریعت کی نگاہ میں جائز نہیں ہے، خود زمانہ نبوت میں اس کی مثال ملتی ہے، چنانچہ ایک مرتبہ آپﷺ کی خدمت میں کئی عورتیں حاضر ہوئیں اور انہو ننے شکایت کی کہ مرد حضرات تو آپ کے ارشادات سنتے ہیں مگر ہم لوگ محروم رہ جاتے ہیں، اس لئے آپ ہمارے لئے کوئی وقت مقرر فرمادیں، چنانچہ آپﷺ نے ان کے لئے ہفتہ میں چند دن متعین فرمادیئے، جس میں صرف صحابیات حاضر ہوتیں اور آپ انہیں درس دیتے (بخاری شریف : ١٠١، باب ہل یجعل للنساء یوم علی حدۃ فی العلم)، اس حدیث سے اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے کہ آپﷺ نے ان حضرات صحابیات کے لئے الگ سے ایکیا دودن متعین فرمائے جن میں ان کو درس دیتے، مردوں کے ساتھ ان کے لئے درس کا انتظام نہیں فرمایا، نیز چونکہ شریعت میں قریب البلوغ بچوں کا حکم بھی بہت سے احکام میں بالغوں کا سا ہے، اس لئے جس طرح اس حدیث سے خواتین کے حق میں مخلوط تعلیم کی ممانعت کا اشارہ ملتا ہے، قریب البلوغ اور مشتہی لڑکوں اور لڑکیوں کا بھی وہی حکم ہوگا (بچے حقوق واحکام ، ص: ٣٨٦۔٣٨٨)۔

پوری تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کے لئے پہلے مذہبی بنیادی ضروری تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے اور عصری تعلیم کے بارے میں اصول یہ ہے کہ اسلامی تمدن اور اسلامی اخلاق وعادات پرمضبوطی سے قائم رہیں تو بے شک ان کے لئے گنجائش ہے کہ وہ جتنی چاہے عصری تعلیمحاصل کریں۔

(٣)اگر حکومت کسی سطح تک کی تعلیم کو بچو ناور بچیوں کے لئے لازم کردیں تو ان کییہ تجویز مذہب اسلام کے سراسر خلاف ہے اور اس کا خلاف اسلام ہونا ظاہر ہے (امداد الاحکام ١،٢١٨)، لہذا ایسے قانون پر پابندی کرنا شرعاً لازم نہیں ہوگا۔

(٤) شرعی دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مربی اپنے بیٹے بیٹی کو ایسے امور بتلاسکتا ہے جن کا تعلق جنس اور شہوت سے ہو بلکہ بعض دفعہ ان کا بتلانا واجب ہوتا ہے جبکہ کوئی شرعی حکم اس پر مرتب ہوتا ہو۔

چنانچہ بہت سی آیتوں میں جنسی اتصال وملاپ کا تذکرہ ملتا ہے، اور یہ بھی

مذکورہ ہے کہ انسان نطفہ سے پیدا ہوا ہے اس کےعلاوہ زنا وغیرہ کا بھی ذکر ملتا ہے نیز بعض آیتیں وضاحت کے ساتھ یہ بتلارہی ہیں کہ انسان کو اپنی شرمگاہ کی حفاظت کس سے کرنا چاہئے اور کس سے نہیں او ریہ کہ رمضان میں ہمبستری کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور حالت حیض میں عورت سے دوری اختیار کرنا چاہئے تو یہ چیزیں جنس اور خواہش نفس کے متعلق ہیں، پس اگر بچہ سن شعور کو پہنچ جائیں او راس کا استاذ ومربی ان حقائق کو اس کے سامنے بیان نہ کریں تو وہ ان آیات کو کیسے سمجھے گا، لہذا ان مسائل کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔

لیکن جنس کی تعلیم کی صورت میں دوچیزیں اہم ہیں جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے او راس کے خلاف کی اجازت نہیں۔

(١) عمر کے ہر حصہ سے متعلق احکام کی تعلیم اسی کی مناسبت سے دیجئے، لہذا یہ قطعاً نامعقول بات ہے کہ آپ دس سال کےعمر کےبچہ کو جنسی ملاپ کے اصول بتائیں۔

(٢) لڑکی کو یہ جنسی مسائل سکھانے کا کام ماں کو انجام دینا چاہئے، لیکن اگر کسی لڑکی کی ماں موجود نہ ہو تو اس کی جگہ کوئی اور عورت یہ کام انجام دے تو بہتر ہے (تربیت اولاد کا اسلامی نظام ،٤٠٠)۔

(ج) حق تعالی شانہ کا ارشاد ہے: ''وابتلوا الیتامی حتی إذا بلغوا النکاح''، یہ آیت صاف مشیر ہے کہ نکاح کا پسندیدہ زمانہ بلوغ کے بعدکا ہے، سیدھا طریقہیہی ہے کہ بلوغ اور درستی عقل کے بعد نکاح کیاجائے نہ کہ اس سے پہلے اور نہ بالغ ہونے کے بعد کئی کئی سال بٹھلائے رکھیں، محض ناموری کے سامان کے انتظار مینیا مناسب رشتہ نہ ملنے کے فضول عذر میں۔

حضرت فاطمہؓ کی عمر شریف نکاح کے وقت ساڑھے پندرہ سال تھی اور حضرت علیؓ کی عمر شریف اکیس برس تھی۔

بہت تھوڑی عمر میں شادی کرنے کے بہت سے نقصان ہیں بہتر تو یہی ہےکہ لڑکا جب کمانے لگے اور لڑکی جب گھر چلانے کا بوجھ اٹھا سکے اس وقت شادی کی جائے (اسلامی شادی بحوالہ بہشتی زیور ، ص: ٣٥٦)۔

''امداد الفتاوی'' میں ہے، حضرت ابوسعید خدریؓ سے اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ دونو ننے کہا کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا:جس کی اولاد پیدا ہو اس کو چاہئے کہ اس کااچھا نام رکھے اور اچھی تعلیم دے، پھر جب وہ بالغ ہوجائے اس کا نکاح کردے، اگر وہ بالغ ہوجائے اور اس کا نکاح نہ کرے پھر وہ کسی گناہ میں مبتلا ہوجائے تو وہ گناہ (سبب کے درجہ میں) باپ پر ہی ہوگا (گو مباشرت کے درجہ میں خود اس پر ہوگا) (١،٢٦٤)۔

(د) (١-٢) بچپن کا زمانہ چونکہ تعلیم وتربیت کے لئے موزوں ترین زمانہ ہوتا ہے، اس لئے اسلام نے انسانی عمر کے اس زینہ مینتعلیم وتربیت کو کافی اہمیت دی ہے بلکہ

باپ کو فرائض وذمہ داریوں میں سے ایک اسے بھی شمار کیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی صحیح تربیت کریں، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا:''إن من حق الوالد على الولد أن يحسن أدبه''، نیز ایک دوسری حدیث میں ہے: ''ما نحل والد ولداً من نحل أفضل من أدب حسن''، اسی طرح اور بھی کئی احادیث ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں بچوں کی صحیح تعلیم وتربیت کی بڑی اہمیت ہے اور اسکے لئے موزوں وقت بچپن کا زمانہ ہے، لہذا اس عمر میں مزدوری میں نہیں لگانا چاہئے اور خاص کر جب کہ باپ خود کسب معاش کی صلاحیت رکھتا ہو یا کسب معاش میں مشغول ہو تو بدرجہ اولی نابالغ اولاد کو مزدوری میںنہیں لگانا چاہئے، کیونکہ اس عمر میں محنت ومزدوری میں لگادینے سے تعلیم وتربیت بھی نہیں ہوتی اور اس سے ان کی ہمت اور جسمانی قوی پر بھی اثر پڑتا ہے، البتہ گھر کے کام کاج حسب استعداد وطاقت لے سکتے ہیں۔

(۳) والدین کمائی سے معذور ہوجائے یا باپ کا انتقال ہوجائے تو اسلام کا اصل نقطہ نظر ہے کہ باپ اگر کمائی سے معذور ہوجائے یا انتقال ہوجائے تو چھوٹی اولاد کی دیکھ بھال خاندان کے قریبی لوگوں کے ذمہ ہے، اگر اسلام کے اس حکم کی تعمیل کی جائے تو ان چھوٹے بچوں کی تعلیم وتربیت کا بھی مسئلہ حل ہوجاتا ہے جن کے باپ بوڑھے یا کمائی سے معذور ہوں۔

لیکن افسوس کہ صورت حال یہ ہے کہ لوگ ان جیسے لوگونکی مدد کیا کرینگے بلکہ ان کے بقیہ مال وجائداد کو ہڑپ کرجانے اور انہیں بے دخل کرنے کی سازش میں لگے رہتے ہیں، اس صورت حال میں مجبوراً ایسے چھوٹے بچوں کو اپنی تعلیم وتربیت ترک کرکے کسب معاش میں لگ جانا پڑتا ہے اور ایسے حالات میں عقل وخرد کا بھی تقاضا ہے کہ بچہ کو کمائی کی اجازت دی جائے، تاکہ وہ اپنے والدین اور گھر والوں کی پرورش کرسکے، اسی لئے اسلام نے بھی ایسی مجبوری کی حالت میں نابالغوں کو بھی مزدوری کرنے کی اجازت دی ہے، تاکہ گھر والوں کی پرورش ہوسکے، ''بدائع '' میں ہے:

''فللأب أن يواجر ابنه الصغير من عمل من الأعمال'' (۲۲،۴)، نیز عالمگیری میں ہے: ''والأب والجد أبو الأب أو وصيهما إذا آجر الصغير فى عمل من الأعمال التييقدر عليها الصغير جاز'' (۴۳۶،۴)۔

(ہ) ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ معاملہ زنا کسی بچہ سے صادر ہوجائے تو اسے حدود کی اصطلاح میں زنا نہیں کہینگے، کیونکہ وہ اپنی نابالغی کی وجہ سے حرمت زنا کا مخاطب نہیں، اگرچہ اس نے ایک حرام کام کیا ہے، چنانچہ ''عالمگیری '' میں ہے: ''حتى أن وطأ المجنون والصبى العاقل لا يكون زنا لأن فعلهما لا يوصف بالحرمة كذا فى محيط السرخسى'' (۱۴۲،۲)، البتہ نابالغوں کے اولیاء اور سرپرستوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے واقعات میں بچوں کی سرزنش کریں تاکہ وہ مستقبل میں ایسی برائیوں سے بچ سکیں،

''وإنما یؤدب أیجب علی من تولی أمور الناس أن یؤدبہ لأجل إصلاح حال''۔

لڑکی اگر کنواری ہو اور اس لڑکی کی دعوت پر زنا کا ارتکاب کیا تو لڑکے پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگراس نے دعوت نہیں دی تھی بلکہ اس نے اسے مجبور کیا اور اس کی وجہ سے اس کا کنوارپن زائل ہوگیا تو لڑکے پر اس کا تاوان واجب ہوگا (بچے حقوق واحکام)۔

اسی طرح اگر نابالغ نے شراب پی لی اور اس سے نشہ میں بھی آجائے تو بھی اس پر حد جاری نہیں کی جائےگی، بدائع میں ہے:''فلا حد علی المجنون والصبی الذی لا یعقل''۔

اسی طرح بچہ پر حد قذف بھی جاری نہیں کرسکتے ہیں: ''ولا یجب الحد بقذف الصبی'' (عالمگیری۲،۱۶۲)۔

بچہ پر چوری کی سزا:

اسلام نے انسانی معاشرہ میں جان، عزت وآبرو، عقل ومال کی حفاظت کو بڑی اہمیت دی ہے، چنانچہ ان چیزوں کی خلاف ورزییا ایسی چیزوں کا استعمال جن سے ان چیزوں میں بگاڑ کا اندیشہ ہو شریعت نے ان سے منع کیا ہے اور ان کے ارتکاب پر سزا بھی مقرر کی ہے، اسی پس منظر میں چوری کو بھی حرام قرار دیا ہے، اور اس پر سزا بھی مقرر فرمائی ہے، لیکنیہ سزا مکلفینیعنی عاقل وبالغ سے متعلق ہے، چنانچہ اگر نابالغ نے چوری کرلی خواہ چوری میں رقم کی مقدار جتنی ہو اس پر چوری کی سزا جاری نہیں کی جائے گی، البتہ بچے نے جو رقم یا سامان چوری کی ہے اس کی واپسی لازم ہوگی اور اگر وہ سامان یا رقم ضائع ہوگئی تو نابالغ اس کا ضامن ہوگا، ''البحر الرائق '' میں ہے: ''وخرج بالتکلیف الصبی والمجنون لأن القطع عقوبۃ وہما لیسا من أہلہا'' (۸۴،۵)۔

اسی طرح اگر قاتل نابالغ ہو تو قتل کے جرم میں اسے بطور قصاص قتل نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے خاندان والوں کے ذمہ دیت کاادا کرنا واجب ہوگا۔ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں: ''منہا کون القاتل عاقلاً بالغاً إذ لا یجب القود علی الصبی أصلاً'' (فتح القدیر۹،۱۳۸)۔

نابالغ کےذریعہ اگر کوئی شخص زخمی ہوجائے مثلاً وہ تیراندازی کررہا تھا، کھیل رہا تھا جس سے کسی کی آنکھ زخمی ہوگئی تو آنکھ کا ضمان (مالی معاوضہ) خود بچے کے مال میں سے واجب ہوگا اور اس کے سرپرستان کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ نابالغ کے مال میں سے آنکھ کا بدلہ ادا کردیں اگر اس کے پاس مال نہ ہوتو آنے تک کا وقفہ دیا جائے گا باپ یا کسی دوسرے اولیاء پر اس دیت کو ادا کرنا واجب نہیں، ''فتاوی بزازیہ '' میں ہے: ''رمی صبی فأصاب عین إنسان إن کان للإنسان ما ل یودی الدیۃ وإن لم یکن لہ مال فنظرۃ إلی میسرۃ قال ولا یواخذ بہ الأب''۔

الغرض اصل متعینہ سزا نابالغ پر جاری نہیں کی جائے گی، لیکن تعزیر کی گنجائش باقی رہے گی، اور قاضی اپنے صوابدید سے جرم کی زیادہ اور کم شدت اور مجرم کی عادت وخو اور احوال وکیفیات کو سامنے رکھ کر مناسب اور معقول سرزنش کرسکتا ہے

اور بغرض تادیب ضرورۃً قید بھی کرسکتا ہے (ماخوذ قاموس الفقہ ۴،۱۵۳)۔

(و) تعزیر میں لوگوں کی عمر، حیثیت، منزلت وثقافت کے اعتبار سے فرق پڑتا ہے، چنانچہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں معمولی سی نصیحت کافی ہوجاتی ہے، اور بعض کو ڈانٹ ڈپٹ سے کام چل جاتا ہے، اور بعض کو بغیر ڈنڈے کے کام نہیں چلتا اور بعض اس وقت تک قابو میں نہیں آتے جب تک انہیں جیل میں نہ ڈالا جائے، واقعی کسی نے سچ کہا ہے:

العبدیقرع بالعصا والحر تکفیہ الإشارۃ

(غلام کو ڈنڈے سے سزا دی جاتی ہے اور آزاد شریف آدمی کے لئے اشارہ کافی ہوتا ہے)۔

دین اسلام میں بچوں کو سزا دینے کے طریقے:

(۱) اصل یہ ہے کہ بچہ کے ساتھ نرمی اور پیار کا برتاؤ کیا جائے، چنانچہ امام بخاریؒ اپنی کتاب ''الادب المفرد '' میں روایت کرتے ہیں کہ ''نرمی اختیار کرو اور سختی وفحش گوئی سے بچو '' اور آجریؒ روایت کرتے ہیں: ''سکھاؤ لیکن سختی نہ کرو ''۔

(۲) خطار کار بچے کو سزا دینے میں اس کی طبیعت کی رعایت کی جائے۔

(۳) سزا دینے میں تدریج سےکام لینا چاہئے، یعنی پہلے معمولی سزا دے اور سخت سزا بالکل آخری مرحلہ میں اختیار کرنا چاہئے جس کا مطلب یہ ہے کہ اصلاح کرنے اور سزا دینے کے چند مراتب ہیں جنہیں مارپیٹ سے پہلے اختیار کرنا چاہئے۔

بچوں کو سزا دینے کے شرائط:

(۱) مارپیٹ کی طرف ا س وقت متوجہ نہ ہونا چاہئے جب تک کہ وہ تنبیہ اور ڈانٹ ڈپٹ کے تمام وسائل بروئے کار نہ لے آئے۔

(۲) سخت غصہ کی حالت میں بچے کو ہرگز نہ مارے جس سے بچے کو جسمانی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

(۳) بچے کو ایسی جگہ پر نہ مارے جہاں مارنے سے ایذا ونقصان کا خوف ہو جیسے چہرہ، سر، سینہ ، پیٹ وغیرہ، چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''چہرہ پر مت مارو ''۔

(۴) سزا کے ابتدائی مراحل میں سخت اور تکلیف دہ مار نہ ہونی چاہئے بلکہ ہلکیپھلکی معمولی چھڑی سے ہاتھ پاؤں وغیرہ پر مارنا چاہئے اور اگر بچہ چھوٹا ہو تو دو تین قمچوں سے زیادہ نہیں مارنا چاہئے ۔

(۵) جب تک بچہ دس سال کی عمر کو نہ پہنچ جائے اسے نہیں مارنا چاہئے، اس حدیث کی بنا پر کہ ''اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوجائیں اور نماز نہ پڑھنے پر ان کو مارو جبکہ وہ دس سال کے ہوجائیں ''۔

(۶) غلطی کا صدور بچے سے پہلی مرتبہ ہوا ہے تو اسے جرم سے توبہ کا موقع دینا

چاہئے اور اس حرکت پر اس کا عذر قبول کرنا چاہئے (تربیت اولاد کا اسلامی نظام ، ص: ۴۴۰)۔

(ز) حضرت نبی کریمﷺ جس عہد اور جس ماحول میں پیدا ہوئے اس میں سب سے زیادہ مظلوم تین طبقے تھے: یتیم، غلام، خواتین، اس لئے آپﷺ نے ان تین طبقوں کے حقوق اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین جس کثرت کے ساتھ فرمائی ہے شاید ہی کسی اور طبقہ کے بارے میں اس قدر تاکید فرمائی ہو، یتیمی کا داغ چونکہ آپﷺ نے خود سہا تھا اس لئے یتیموں کی مشکلات اور دشواریوں کا آپﷺ کو پوری طرح اندازہ رہا ہوگا، اسی لئے احادیث میں بہت ہی عبرت خیز اور دردانگیز اسلوب مینیتیموں کے حقوق کی نگہداشت پر لوگوں کو متوجہ کیا گیا ہے، اور خود آیات قرآنیمیں بھییتیموں سے بدسلوکی کی مذمت ایسے دل پذیر اور اثر انگیز انداز پر فرمائی ہے کہ دل تو دل پتھر کی سل بھی پگھل جائے، قرآن کریم نے یتیم کے سلسلہ میں بہت اہتمام کیا ہے اور اس کو ڈانٹنے جھڑکنے سے منع فرمایا ہے، اور اس کے ساتھ ایسے برتاؤ سے روکا ہے جو اس کی عزت وشرافت کے خلاف ہو، ارشاد باری ہے:''فأما الیتیم فلا فلاتقہر''، نیز ''أرأیت الذییکذب بالدین فذلک الذییدع الیتیم''۔

نیز رسول اللہﷺ نےیتیم کا بہت خیال رکھا ہے اور اس کی کفالت پر ابھارا ہے او راس کی دیکھ بھال کو واجب قرار دیا ہے اور اس کے اولیاء اگر اس کا خیال رکھیں اور اس کے ساتھ حسن سلوک کریں تو ان کو بشارتیں بھی سنائی ہیں، چنانچہ آﷺ نے فرمایا: ''عن سہل بن سعد قال قال رسول اللہﷺ : أنا وکافل الیتیم لہ أو لغیرہ فی الجنۃ ہکذا وأشار بالسبابۃ والوسطی وفرج بینہما شیئاً'' (رواہ البخاری)۔

مطلبیہ ہے کہ رسول اللہﷺ نے اپنی کلمہ والی انگلی اور اس کے برابر کی بیچ والی انگلی اس طرح اٹھا کر ان کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا اور بتلایا کہ جتنا تھوڑا سا فاصلہ اور فرق تم میری ان انگلیو نکے درمیان دیکھتے ہو بس اتنا ہی فاصلہ اور فرق جنت میں میرے وار اس مرد مومن کے مقام میں ہوگا جو اللہ کے لئے اس دنیا میں کسییتیم کی کفالت او رپرورش کا بوجھ اٹھائے خواہ وہ یتیم اس کا اپنا ہو (جیسے پوتا، بھتیجہ وغیرہ) یاپرایا ہو یعنی جس کے ساتھ رشتہ داری وغیرہ کا کوئی خاص تعلق نہ ہو، نیز ''ترمذی'' میں ہے:

''عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہﷺ: من قبض یتیماً من بین المسلمین إلی طعامہ وشرابہ أدخلہ اللہ الجنۃ البتۃ إلا أن یکون قد عمل ذنباً لا یغفر''۔ اس حدیث سے صراحتاً معلوم ہوا کہ یتیم کی کفالت وپرورش پر داخلہ جنت کی قطعی بشارت اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ آدمی ایسے سخت گناہ کا مرتکب نہ ہوجو اللہ تعالی کے نزدیک ناقابل معافی ہو (جیسے شرک، کفر اور خون ناحق وغیرہ)۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: مسلمانوں کے گھرانوں میں بہترین گھرانہ وہ ہے جس میں کوئییتیم ہو اور اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا ہو اور مسلمانوں کے گھروں میں بدترین گھر وہ ہے جس میں کوئییتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جائے ''(معارف الحدیث۶،۱۰۶)۔

الغرض اسلام ایک ایسا دین ہے جس نے یتیم بچوں کا بہت خیال رکھا ہے او راس کے ساتھ اچھا معاملہ وبرتاؤ اوراس کی ضروریات زندگی کے پورا کرنے کا بہت اہتمام کیا ہے تاکہ معاشرہ میں وہ ایسا فائدہ مند فرد بنے جو اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرے اور اپنے فرائض کو ادا کرے اور دوسروں پر اس کے جو حقوق آتے ہیں او راس پر دوسروں کے جو حقوق آتے ہیں انہیں اچھے طریقہ اور عمدگی سے ادا کرے۔

اسی لئے یتیم کی دیکھ بھال اور کفالت اس کے رشتہ داروں اور قرابت داروں پر واجب ہے، اس لئے اگر یہ لوگ یتیموں کی نفسیاتی اور اخلاقی حالات درست کرنا چاہتے ہیں تو ان کو چاہئے کہ ان کےساتھ خصوصی شفقت، توجہ اور دیکھ بھال سے کام لیں اور اپنے عمل سے ان کو یہ محسوس کرادیں کہ محبت، معاملات اور برتاؤ کے لحاظ سے وہ بھی ان کے لئے ان کی اولاد ہی کی طرح ہیں۔

اور اگر رشتہ داروں میں کوئی کفیل موجود نہ ہو تو پھر ان کی دیکھ بھال مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اور حکومت کو چاہئے کہ ان کے معاملات نمٹائے اور ان کی تربیت ورہنمائی کرے اور زندگی ومعاشرہ میں ان کی شخصیت ومقام کو بلند کرے۔

اسی طرح حکومت کا بھییہ فرض ہے کہ وہ لاوارث، بے سہارا بچوں کی کفالت کرے اور اگر کوئی لاوارث بچہ مل جائے تو اس کی دیکھ بھال کرے جیسا کہ حضرت عمرؓ کے پاس جب ایک شخص نے ایک لاوارث بچہ لایا تو انہوں نے بھی لاوارث بچہ کے ساتھ یہی برتاؤ کیا اور انہوں نے اس سے فرمایا کہ نان ونفقہ ہمارے ذمہ ہے، لیکنیہ بچہ آزاد شمار ہوگا۔

اسلام نے یتیم ولاوارث بچوں کے ساتھ جو یہ بہترین برتاؤ پیش کیا ہے جس کے نتیجہمیں انہیں کسی قسم کا احساس کمتری پیدا نہ ہوگا، اور وہ پراگندہ افکار وخیالات اور برے تصورات کے سمندر میں سرگرداں وپریشان نہ ہونگے، ورنہ یتیم بچہ اگر اپنے سر پر شفقت کرنے والا ہاتھ اور رحم کرنے والا ولی نہ پائے گا تو وہ بتدریج دین سے انحراف کی طرف بڑھتا رہے گا بلکہ مستقبل میں امت کے شیرازہ کو بکھیرنے اور اس کی عمارت کو ڈھانے اور اس کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے میں اور قوم کے افراد میں آوارگی، آزادی اور انتشار پھیلانے کا سبب بنے گا، نیز وہ ہر قسم کی برائی اور بے حیائی اختیار کرینگے اور لوگوں کے امن وسکون کو برباد کرینگے پھر ان کو راہ راست پر لانا نہایت دشوار ہوجائے گا، اس لئے اسلام نے (جو ابدی دین ہے) یتیموں کی کفالت کرنے والوں کو ان کےساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے، ہاں اگر یتیمکے رشتہ دار غریب ہوں اور یتیم بچوں کی کفالت

سے معذور ہوں تو حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ان کی کفالت کرے (جیسا کہ اوپر تفصیل سے ذکر ہوچکا) تاکہ وہ آوارگی اور مہمل پھرنے اور خراب ہونے سے محفوظ رہیں (تربیت اولاد کا اسلامی نظام ، ص: ۱۲۰، ۲۴۴)۔

(ح) کسی بچہ کو گود لینا اگرچہ جائز ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ اس شخص کا بیٹا اور وہ شخص اس کا باپ نہیں بن جاتا، اس بچہ کا حقیقی باپ تو وہی ہے جس کے نطفہ سے وہ پیدا ہوا ہے او راس بچہ کا نسب بھی حقیقی باپ سے ثابت ہوگا، ''قرآن '' میں ہے: ''ادعوہم لآبائہم ہو أقسط عند اللہ الخ''(سورہ احزاب: ۵)، اس آیت کی تفسیر میں حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: ا س طرح منہ بولا بیٹا تمہارا بیٹا نہیں بن جاتا، یعنی دوسرے بیٹوں کے ساتھ نہ میراث میں شریک ہوگا اور نہ حرمت کے مسائل اس پر عائد ہونگے کہ بیٹے کی مطلقہ بیوی باپ کے لئے ہمیشہ حرام ہے تو متبنی کی بیوی بھی حرام ہو (معارف القرآن ۸۴،۷)۔

الغرض قرآن نے اس خیال کو رد کردیا کہ گود لینے سے حقیقی بیٹا نہیں ہوجائے، وہ غیر کا ہی بیٹا رہتا ہے،لہذا اس کے احکام وہی ہیں جو اجنبی کے ہیں، چنانچہ گود لی ہوئی لڑکی سے بالغ ہونے کے بعد پردہ واجب ہے ،کیونکہ وہ اجنبی ہے، اسی طرح کسی عورت نے کوئی لڑکا گود لیا تو بالغ ہونے کے بعد گود لینے والی پر پردہ کرنا واجب ہے، کیونکہ وہ ماں نہیں ہے، اب ظاہر سی بات ہے بالکلیہ قطع تعلق ہوجانے کی صورت میں گود لینے والے ان چیزوں پر کیسے پابندی کرسکتے ہیں پابندی کرنا یعنی ان کو اجنبی سمجھ کر پردہ وغیرہ کا خیال رکھنا محال نہینتواتنا آسان نہیں بلکہ کرامت سے کم نہیں۔

نیز فقہاء نے اولاد کے نفقہ کے بارے میں صراحت فرمائی ہے کہ باپ محتاج ہو اوربچے بھی نابالغ ومحتاج ہو یا بالغ ہو لیکن کسب معاش نہیں کرسکتے، تو باپ کو کسب معاش کرنا چاہئے اور نہ کرے تو اسے مجبور کیا جائے گا اور اس پر مجبور کرنے کے لئے قید کی سزا بھی دے سکتے ہیں۔

اگر باپ غریب ہو نفقہ ادا کرنے سے عاجز ہو اور کفالت کی اور کوئی راہ نہ ہو تو آخری درجہ میں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ نفقہ کی ذمہ داری بیت المال پر ہوگی اور امام خصافؒ کے نزدیک ایسی صورت میں لوگوں سے سوال کرنے اور اس طرح بچوں کی ضروریات پوری کرنے کی تدبیراختیار کی جائے گی (قاموس الفقہ ۲۱۲،۵)۔

اس فقہی حکم میں نیزآیت کریمہ کی تفسیر وغیرہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ افلاس وپرورش کی استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے بچہ دوسرے کے حوالہ کرکے بالکلیہ قطع تعلق نہیں ہوسکتے ہیں، اس لئے کہ یہ زمانہ جاہلیت کی رسم ہے کہ منھ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا سمجھنا، اسلام میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اسی لے پالک کی رسم کو اور اس غلط تصور کو ختم کرنے کے لئے حضرت زینبؓ سے آپ ﷺ کا نکاح کروایا

ہے، لہذا والدین اور گارجین کا بچہ سے بالکل بے تعلق ہوجانا نیز اس کے بدلے میں رقم لینا کیونکر درست ہوسکتا ہے؟

(ط) شریعت کا منشا یہ ہے کہ بچوں کی پرورش ماں یا اس کے قریبی رشتہ داروں کے ذریعہ ہو، کیونکہ ان کی پرورش کرنے والی خواتین کے اندر جو انس ومحبت اور بہی خواہی ہوگی، دوسری عورتوں سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی،یہی وجہ ہے کہ بچوں کے بگڑنے کا سب سے بڑا سبب والدینکا بچوں کی تربیت سے کنارہ کش ہونا ہے اور ماں بھی اس امانت کی بڑی ذمہ دار ہے، اس لئے کہ ذمہ داری اور مسئولیت کے سلسلہ میں ما نبھی مسئول اور ذمہ دار ہے، بلکہ ماں کی ذمہ داری زیادہ اہم اور نازک ہے، اس لئے کہ ماں ولادت سے جوان ہونے تک بچے کے ساتھ رہتی ہے، پس اگر ماں باپ اپنا فارغ وقت دوسرے غیر ضروری کام کاج میں ضائع کرینگے تو پھر لازمی طور پر بچوں کی تربیتیتیموں کی طرح ہوگی اور وہ آوارہ بچو نکی طرح گھومیں پھرینگے اور مجرمانہ زندگی میں حد سے زیادہ بڑھ جائینگے، اس لئے رسول اکرمﷺ نے بچوں کی نگرانی اور تربیت کے سلسلہ میں ایک سے زیادہ مرتبہ حکم دیا اور بہت سی مرتبہ وصیت فرمائی، (۱) ‘‘أدبوا أولادكم وأحسنوا أدبهم’’ (ابن ماجہ شریف)، اپنے بچوں کو ادب سکھاؤ اور ان کی اچھی تربیت کرو، (۲) ‘‘علموا أولادكم وأهليكم الخير وأدبوهم’’ (اپنے بچوں اور گھر والوں کو خیر کیتعلیم دو اور ان کو ادب سکھاؤ)۔

مذکورہ احادیث کی روشنی میں معلوم ہوا کہ آپﷺ نے والدین کو اولاد کی تربیت کی کتنی تاکید فرمائی ہے اب ظاہر سی بات ہےکہ دوسری جگہ پرورش کرانے کے نتیجہ میں اولاد کی وہ تربیت بظاہر مشکل ہے اور خصوصاً ہسپتال وغیرہ میں تو نہیں ہوگی، لیکن پھر بھی علاج وغیرہ کے لئے ہسپتال میں وقتی طور پر رکھنے کی گنجائش ہوسکتی ہے بشرطیکہ والدین اس بچہ سے بالکل بے تعلق نہ ہو بلکہ مقصود صرف علاج ہو، لہذا پرورش اور اس کو سنبھالنے کے عذر کی وجہ سے بچہ کو مستقل ہسپتال میں رکھ دینایہ والدین کی کھلی غفلت ہے اور اسلام ان چیزوں کی اجازت قطعاً نہیں دیتا ہے، نیز بڑھاپے اور پیرانہ سالی میں اولاد والدین کی خدمت اسی وقت کرسکتی ہیں جبکہ بچپن کے زمانہ میں اولاد کو ماں کی شفقت وممتا حاصل ہوئی ہو، اگر بچپن میں ماں کی جانب سے جیسی شفقت، ممتا وپیار اولاد کو ملنا چاہئے ایسا پیار وشفقت وممتانہیں ملے گی تو لازما بڑھاپے میں اولاد جیسی ماں باپ کی خدمت کرنی چاہئے وہ نہیں کرپائے گی، بلکہ Old Age Home میں روانہ کردے گی، بریں بنا مستقل رکھنے کی اجازت نہ ہوگی بلکہ والدین کی کھلی غفلت شمار ہوگی، فقط

* * *

تیسرا باب

مختصرتحریریں

اسلام میں بچوں کے حقوق

مولانا قاضی عبد الجلیل قاسمی•

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین

الف: حضانت شرعا واجب ہے، اگر بچہ کی دیکھ بھال نہ کی جائے تو اس کے ضائع ہوجانے کا اندیشہ ہے، اگر پرورش کرنے والی ایک ہی عورت ہو تو پرورش کرنا اس پر واجب عینی ہوگا، اور اگر چند ہوں تو واجب کفائی ہوگا۔

پرورش میں بچہ اور پرورش کنندہ دونوں کی رعایت کی گئی ہے، البتہ بچہ کی رعایت کرنا مقدم ہے، پرورش کرنا، پرورش کرنے والی کا حق ہے، اس کا معنییہ ہے کہ اگر وہ اپنا حق ساقط کردے تو اس کو پرورش کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

حضانت بچہ کا حق ہے، اس کا معنییہ ہے کہ اگر بچہ کسی دوسری عورت کو قبول نہ کرے یا کوئی دوسری پرورش کرنے والی موجود نہ ہو یا باپ یا بچہ کا مال نہ ہو تو ماں کو حضانت کے لیے مجبور کیا جائے گا۔

لڑکا اس وقت تک ماں کے پاس رہے گا جب تک خود کھانے پینے اور استنجا وغیرہ کرنے کے لائق ہوجائے، عام طور پر فقہا نے سات، آٹھ سال کی عمر بتائی ہے۔

لڑکی بالغہ اور قریب البلوغ ہونے تک ماں کے پاس رہے گی، اس مدت کی حکمت پر بھی فقہاء نے کلام کیا ہے، اس کے بعد بچی باپ کے حوالہ ہوجائے گی۔

عمر کے جس مرحلہ میں ماں کو یا باپ کو حق حضانت حاصل ہے، اگر اس مدت میں بچہ کے ضائع ہوجانے یا اس کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہوگا تو بچہ اس کے حوالہ نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ حق پرورش میں بچہ کی رعایت مقدم ہے، اسی لیے فقہاء نے حق پرورش کے لیے چند شرطوں کا ذکر کیا ہے، کچھ شرطیں تو وہ ہیں جن کا تعلق مرد وعورت دونوں سے ہے، مثلا پرورش کرنے والے کا مسلمان ہونا، عاقل بالغ ہونا، عادل ہونا، فاسق کو حق حضانت نہ ہوگا، بچہ کی پرورش اور اس کی ضروریات کو پورا کرنے پر قادر ہونا، اس لیے اگر بڑھاپے یا مرض کی وجہ سے اس کی قدرت نہ ہو تو اس کو حق حضانت نہ ہوگا وغیرہ، مرد کے تعلق سے شرط یہ ہے کہ اگر بچی ہو اور قابل شہوت ہو تو پرورش کرنے والا اس کا محرم ہو، اسی لیے چچا زاد بھائی کو حق پرورش نہ ہوگا إلا یہ کہ بچی بہت کم عمر ہو۔

• قاضی شریعت، امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ۔

عورت کے تعلق سے شرط یہ ہے کہ اس نے بچہ یا بچی کے غیرمحرم سے شادی نہ کی ہو، اگر لڑکا ہو تو پرورش کرنے والی اس کی محرم ہو، پرورش کرنے والی عورت بچہ یا بچی کو اس گھر میں نہ رکھے جس کا مالک بچہ کو ناپسند کرتا ہو، اسی طرح اگر بچہ، بچی دودھ پینے کے محتاج ہو اور پرورش کرنے والی اس کی اہل ہو تو دودھ پلانے سے انکار نہ کرے وغیرہ (تفصیل کے لیے دیکھیے الموسوعۃ الفقہیہ، بدائع الصنائع، حضانت کی بحث)۔

ب - ۱ - اسلام میں بچوں کی تعلیم وتربیت کو ضروری قرار دیا ہے، اس کی تربیت ایسی ہو کہ اللہ اور رسول ﷺ کو پہچان لے، والدین کے حقوق سے واقف ہوجائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک آدمی نے ان کے پاس آکر اپنے بیٹے کی نافرمانی کی شکایت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس لڑکے کو بلاکر باپ کی نافرمانی اور اس کے حقوق کی عدم ادائیگی پر اس کو تنبیہ کی تو ا س لڑکے نے حضرت سے سوال کیا کہ اے امیر المؤمنین کیا باپ پر بچہ کے کچھ حقوق نہیں ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیوں نہیں؟ لڑکے نے پوچھا کہ وہ حقوق کیا ہیں؟ حضرت نے فرمایا بچہ کے لیے اچھی ماں کا انتخاب کرے، اس کا اچھا نام رکھے، اس کو قرآن کی تعلیم دے، بچہ نے کہا کہ میرے والد نے ان میں سے کوئی حق ادا نہیں کیا، نہ اچھی ماں کا انتخاب کیا، نہ اچھا نام رکھا، نہ قرآن کی تعلیم دی تو حضرت امیر المؤمنین نے اس شخص کو تنبیہ کی۔

(۲) بچوں اور بچیوں کو اتنی دینی تعلیم دینا ضروری ہے، جن سے وہ اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کو پہچان سکیں، ان کا ایمان وعقیدہ درست ہوجائے، نماز روزہ وغیرہ عبادات ادا کرنے کے اہل ہوسکیں، اسی طرح عصری تعلیم اتنی دینی ضروری ہے، جن کی ضرورت اس کو جوان ہونے کے بعد زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہو۔

(۳) اگر حکومت بچوں اور بچیوں کے لیے تعلیم کو لازم قرار دے تو مسلمانوں کے لیےیہ پابندی لازم ہوگی، خود اسلام میں تعلیم کو لازم قرار دیا گیا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

‘‘طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم’’ (ابن ماجہ ۱۵۱،۱) (ہر مسلمان پر علم کا حاصل کرنا فرض ہے)۔

حدیث کا لفظ مسلم عام ہے، اس میں مرد و عورت دونوں داخل ہیں۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا :

‘‘مابال أقوام لایفقھون جیرانھم و لا یعلمونھم و لایعظونھم و لا یأمرونھم و لا ینھونھم و ما بال أقوام لا یتعلمون من جیرانھم و لایتفقھون و لا یتعظون و اللہ لیعلمن قوم جیرانھم و یفقھونھم و یعظونھم ویأمرونھم وینھونھم ولیتعلمن قوم من جیرانھم و یتفقھون ویتعظون أو

لأعاجلنهم العقوبۃ'' (مجمع الزوائد ۱، ۱۹۹ انہوں نے طبرانی کا حوالہ دیا ہے۔ بعض روایات میں في الدنیا کا لفظ بھی آیا ہے) (لوگونکو کیا ہوگیا ہے؟ کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو نہیں سمجھاتے ہیں، نہ ان کو تعلیم دیتے ہیں، نہ ان کو نصیحت کرتے ہیں، نہ ان کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں، نہ ان کو برائی سے روکتے ہیں، لوگوں کو کیا ہوگیا ہے؟ کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے علم حاصل نہیں کرتے ہیں، نہ ان سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، نہ ان سے نصیحت حاصل کرتے ہیں، اللہ تعالی کی قسم ہے لو گ اپنے پڑوسیوں کو تعلیم دیں، ان کو سمجھائیں ان کو نصیحت کریں ان کو (بھلائی کا) حکم دیں، ان کو (برائی سے)روکیں، اسی طرح لوگ اپنے پڑوسیوں سے علم حاصل کریں، ان سے سمجھنے کی کوشش کریں، نصیحت حاصل کریں ورنہ میں ان کو بہت جلد سزا دونگا)۔

اسی طرح ارشاد نبوی ہے:''من سئل عن علم فکتمہ ألجمہ اللہ بلجام من نار یوم القیامۃ'' (ابودائود۳،۳۲۱) (اگر کسی شخص سے علم کے بارے میں سوال ہو اور وہ اس کو چھپائے تو اللہ تعالی اس کو قیامت کے دن آگ کی لگام لگائے گا)۔

جب اسلام کی نظر میں علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے، علم کے سیکھنے اور کھانے سے اعراض کرنے والوں کو سزا کی دھمکی دی جائے، علم نافع کے چھپانے والے کو قیامت کے دن آگ کی لگام لگانے کی بات ہو تو کیا اس سے معلوم نہیں ہوتا ہے کہ اسلام ایسا دین ہے کہ اس میں علم سیکھنا اور سکھانا لازم و ضروری ہے۔

البتہیہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ اسلام میں جس علم کے سیکھنے سکھانے کو لازم قرار دیاگیاہے، اس سے وہ علم نافع مراد ہے جس سے اللہ تعالی کی معرفت حاصل اور اسلام کے احکام پر عمل کرنا آسان ہو، حکومت کی طرف سے صرف لکھنے پڑھنے کو ضروری قرار دیا جاتا ہے، اسلام مینوہ بھی ایک درجہ میں مطلوب ہے، اس لیے کہ جنگ بدر میں جو مشرکین گرفتار ہوئے تھے ان میں پڑھے لکھے قیدیوں کا فدیہ مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا قرار دیا گیا تھا۔

(۴) جنس کی تعلیم سے کیا مراد ہے؟ واضح طور پر سمجھ میں نہیں آیا، اگر اس سے مراد مردوں اور عورتوں سے متعلق مخصوص احکام ہیں تو فقہ وفتاوی کی کتابوں میں نیز قرآن وحدیث میں ان کے متعلق تفصیل کے ساتھ احکام موجود ہیں اور ظاہر ہے کہ بچوں بچیوں کو ان کی تعلیم دیجائے گی، البتہ اس سلسلہ میں دو باتوں کی رعایت ضروری ہوگی، ایکیہ کہ ان کی عمر کے لحاظ سے یہ احکام بتائے جائیں گے، جیسا کہ قرآن کریم میں چھوٹے بچوں کو تین اوقات میں گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت لینے کو ضروری قرار دیا گیا ہے، اور بالغ ہونے کے بعد ہر وقت اجازت لینے کی ضرورت ہے، دوم یہ کہ بچوں کو تعلیم دینے والا مرد ہو اور بچیوں کو تعلیم دینے والی عورت ہو، جیسا

کہ حضانت کے تعلق سے اسلام کا حکم ہے، بچہ ماں کے پاس اس وقت تک رکھا جاتا ہے جب تک وہ خود اپنی ضروریات پوری کرنے میں ماں کا محتاج رہتا ہے، مثلا سات آٹھ سال کی عمر تک اور بچی بلوغ یا قریب البلوغ تک ماں کے پاس رکھی جاتی ہے، تاکہ ماں اس کو بلوغ کے تعلق سے شریعت کے جو احکام ہیں، سکھائے۔

اس لیے بچوں بچیوں کو ایک ساتھ بٹھاکر ان کو مردوں، عورتوں سے متعلق مخصوص احکام بتانا خواہ بتانے والا مرد ہو یا عورت ہر گز مناسب نہ ہوگا۔

ج: بچہ اور بچی جب جوان ہوجائیں ان کے اولیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ ان کی شادی کریں، اگر وہ ان کی شادی میں تاخیر کریں گے اور وہ کسی گناہ میں مبتلا ہوجائیں تو اولیاء بھی گناہ گار ہوں گے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا : ‘‘من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ و أدبہ فإذا بلغ فلیزوجہ فإن بلغ ولم یزوجہ فأصاب إثما فإنما إثمہ علی أبیہ’’ رواہ البیھقی في شعب الإیمان(مشکوۃ شریف: ۲۷۱) (حضرت ابو سعید خدری اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کو کوئی بچہ پیدا ہو تو اس کو چاہیے کہ اس کا کوئی اچھا نام رکھے اور اس کی تربیت کرے اور جب وہ بالغ ہوجائے تو اس کی شادی کردے، اگر وہ بالغ ہوجائے اور اس کی شادی نہ کرے پھر وہ کسی گناہ میں مبتلا ہوجائے تو اس کا گناہ اس کے والد پر ہوگا)۔

اس لیے بچہ بچی کے بالغ ہو جانے کے بعد بلا کسی سخت مجبوری کے ان کا نکاح کرنے میں تاخیر ہر گزنہ کرنی چاہیے، اگر بلوغ سے قبل بھی کسی بچی کا جوڑا مناسب مل جائے تو اس کا نکاح بھی کردینا چاہیے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزوں میں تاخیر نہ کرنی چاہیے، جب نماز کا وقت آجائے، جب جنازہ آجائے اور جب بے شوہر والی عورت کا جوڑا مل جائے، ‘‘إن رسول اللہ ﷺ قال:ثلاثۃیا علي لاتؤخرھن:الصلاۃ إذا أتت والجنازۃ إذا حضرت والأیم إذا وجدت کفوا’’ (مسند احمد ۲/۱۹۷) (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے علی تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو: جب نماز کا وقت آجائے، جب جنازہ آجائے اور جب بے شوہر والی عورت کا مناسب جوڑا مل جائے)۔

اگر بچپن میں کیا ہوا نکاح غیر موزوں ثابت ہو تو اس کی تلافی کا انتظام اسلام میں موجود ہے، اگر باپ دادا معروف بسوء الاختیار نہ ہوں تو ان کا کیا ہوا نکاح لازم ہوگا، ورنہ بچہ بچی کو اختیار ہوگا کہ وہ اس نکاح کو فسخ کردیں، اس کی تفصیل فقہ وفتاوی کی کتابوں میں موجود ہے۔

د۔ الف: نابالغ بچہ بچی کا نفقہ باپ پر واجب ہے، اگر باپ تنگ دست ہو اور کمانے پر بھی قادر نہ تو جائز ہے کہ بچہ کو کسی کام میں لگا دے اور اس کی اجرت اس پر خرچ کرے، البتہ بچی کو خدمت کے لیے کسی غیر محرم کو نہیں دے سکتا ہے، فتاوی قاضی

خاں میں ہے:''صغیر بلغ حد الکسب و لم یبلغ مبلغ الرجال کان للأب أن یسلمہ في عمل أو یؤاجرہ لعمل أو خدمۃ و ینفق علیہ من ذلک و إن کان الولد بنتا لایملک دفعھا إلی غیر المحرم للخدمۃلأن الخلوۃ مع الأجنبی حرام''(قاضی خاں علی ھامش الھندیہ۱،۴۴۷) (بچہ کمانے کے لائق ہوجائے لیکن ابھی بالغ نہ ہوا ہو تو باپ کے لیے جائز ہے کہ اس کو کسی کام میں لگا دے یا کسی کام یا خدمت کے لیے مزدوری پر لگا دے اور اس سے اس پر خرچ کرے اور اگر وہ بچی ہو تو اس کو خدمت کے لیے غیر محرم کے حوالہ نہیں کرسکتا ہے، اس لیے کہ اجنبی کے ساتھ خلوت حرام ہے)۔

اسی طرح کی عبارت الفتاوی الھندیہ میں بھی ہے:''الذکور من الأولاد إذا بلغوا حد الکسب و لم یبلغوا في أنفسھم یدفعھم الأب إلی عمل لیکسبوا أو یؤاجرھم وینفق علیھم من أجرتھم وکسبھم و أما الإناث فلیس للأب أن یؤاجرھن في عمل أو خدمۃ کذا في الخلاصۃ'' (ہندیہ۱/۵۶۲) (اگر بچے کمانے کے لائق ہوجائیں لیکن ابھی بالغ نہ ہوں تو باپ ان کو کسی کام میں لگا دے گا تاکہ کمائینیا ان کو اجرت پر لگا دے گا اور ان کی اجرت اور کمائی سے ان پر خرچ کرے گا، البتہ بچیوں کے بارے میں باپ کو اختیار نہ ہوگا کہ ان کو کسی کام یا مزدوری میں لگائے)۔

ب: جہاں تک صنعت و حرف سیکھانے کا معاملہ ہے تو بچوں کی تربیت مینیہ داخل ہے کہ اگر وہ کند ذہن ہوں، اعلی تعلیم کی صلاحیت ان میں نہ ہو تو ابتدائی تعلیم کے بعد ان کو کوئی ہنر سکھادیں تاکہ آگے چل کر ان کے لیے معاشی دشواری نہ ہو، اگر ماں باپ غریب ہوں تو اپنے بچوں کی آمدنی سے کھا سکتے ہیں۔

''فإن کان للصغیر أم بانت عن زوجھا و احتاجت إلی النفقۃکان لھا أن تأکل من کسب ولدھا صغیرا کان الولد أو کبیرا'' (قاضی خاں علی ھامش ھندیہ۱/۴۴۷) (اگر بچہ کی ماں ہو جس کو اس کے شوہر نے طلاق بائن دے دی ہو اور وہ محتاج ہو تو وہ اپنے بچہ کی کمائی سے کھا سکتی ہے، خواہ بچہ بالغ ہو یا نابالغ)۔

حدیث میں ہے:''رجل أتی النبي ﷺ فقال یا رسول اللہ إن لی مالا و ولدا و إن والدییجتاح مالی قال أنت ومالک لوالدک، إن أولادکم من أطیب کسبکم فکلوا من کسب أولادکم'' (أبو دائود۳/۳۱۲) (ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول مرے پاس مال ہے اور اولاد بھی ہیں اور میرے والد میرا سارا مال لینا چاہتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا تو اور تیرا مال تیرے والد کا ہے، بلاشبہ تمہاری اولاد تمہاری بہترین کمائی کا حصہ ہے، لہذا اپنی اولاد کی کمائی میں سے کھائو)۔

ایک حدیث میں ہے، حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: '' إن أطیب ما أکل الرجل من کسبہ و إن ولد الرجل من کسبہ'' (سنن أبی دائود باب

الحث علی الکسب ۲/۱۸۵) (آدمی کا سب سے اچھا کھانا وہ ہے جو اس کی کمائی کا ہو اور آدمی کی اولاد اس کی کمائی کا حصہ ہے)۔

ابو دائود کے حاشیہ میں علامہ سندھی سے منقول ہے : ‘‘و الفقهاء قيدوا ذلک بما إذا احتاج إلی مال الولد تجوز له الأخذ منه علی قدر حاجته’’ (حاشیہ سنن ابو دائود ۲/۱۸۵) (اس حدیث میں فقہاء نے یہ قید لگائی ہے کہ والد اپنے بیٹے کے مال کا محتاج ہو تو اپنی حاجت کے بقدر اس کے لیے لینا جائز ہوگا)۔

ہ: اس سوال میں لفظ ‘‘سزا ’’ کا استعمال کیا گیا ہے، اسلام میں سزا کی دو قسمیں ہیں، ایک حد، دوم تعزیر، حد اس سزا کو کہتے ہیں جس کی تعیین شریعت میں ہو اور وہ اللہ تعالی کا حق بھی ہو،اس کی پانچ قسمیں ہیں، حد سرقہ، حد زنا، حد شرب، حد سکر اور حد قذف۔ تعزیر وہ سزا ہے جس کی مقدار شریعت میں متعین نہ ہو، بلکہ امام اور قاضی کی صواب دید پر موقوف ہو، سزا کی جس مقدار پر مجرم کو زجر ہو اسی مقدار میں سزا دی جائے گی، اس میں مجرم، جرم اور جس کے خلاف جرم کیا ہے، ان تینوں کے لحاظ سے سزا کی مقدار متعین کی جائے گی، اس لیے ہر مجرم کو جرم کے یکساں ہونے کے باوجود یکساں سزا نہیں دی جائے گی۔

جہاں تک حد کا تعلق ہے تو بچہ یا بچی پر حد جاری نہیں کی جاسکتی ہے، اس لیے کہ حد کے جاری کرنے کے لیے مجرم کا مکلف ہونا ضروری ہے، یعنی وہ عاقل بالغ ہو، علامہ کاسانی نے لکھا ہے : ‘‘الصبی والمجنون إذا وطئ امرأة أجنبية لا حد عليه لأن فعلها لايوصف بالحرمة فلا يكون الوطأ منهما زنا’’ (بدائع الصنائع۵/۴۸۷) (نابالغ بچہ یا مجنون اگر کسی اجنبی عورت سے وطی کرے تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ ان کے عمل کو حرام نہیں کہا جائے گا، اس لیے ان کی طرف سے پائی جانے والی وطی کو زنا نہیں کہا جاسکے گا)۔

حد سرقہ کے بارے میں چور پر حد جاری کرنے کے شرائط میں لکھا ہے:‘‘فأهلية وجوب القطع وهو العقل والبلوغ فلايقطع الصبی والمجنون لما روي عن النبي ﷺ رفع القلم عن ثلاثة : عن الصبی حتييحتلم وعن المجنون حتييفيق وعن النائم حتييستيقظ’’(بدائع الصنائع۷-۷/۸) (قطع ید کے واجب ہونے کے لیے اس کا اہل ہونا ضروری ہے اور اہل ہونے کے لیے عقل وبلوغ لازم ہے، لہذا نابالغ بچہ اور مجنون کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس لیے کہ نبی کریمﷺ سے مروی ہے کہ تین آدمی مرفوع القلم ہیں، بچہ جب تک بالغ نہ ہوجائے، مجنون جب تک اس کو افاقہ نہ ہوجائے، سونے والا جب تک بیدار نہ ہوجائے)۔

البتہ بچہ کو تعزیر کی جاسکتی ہے، اور یہ تعزیر بطور تادیب ہوگی، تعزیر کے لیے بالغ ہونا ضروری نہیں ہے، محض عقل کا ہونا کافی ہے، علامہ کاسانی نے تعزیر پر

بحث کرتے ہوئے لکھا ہے : ‘‘و أما شرط وجوبہ : فالعقل فقط فیعزر کل فاعل ارتکب جنایۃ لیس لھا حد مقدر سواء کان حرا أو عبدا ذکرا أو أنثی، مسلما أو کافرا، بالغا أو صبیابعد أن یکون عاقلا، لأن ھؤلاء من أھل العقوبۃ إلا الصبي العاقل فإنہ یعزر تأدیبا لا عقوبۃ لأنہ من أھل التأدیب’’ (بدائع الصنائع : ۵/۵۳۴) (اس کے واجب ہونے کی شرط صرف عقل کا ہونا ہے، لہذا ہر اس عاقل کو جو کسی ایسی جنایت کا ارتکاب کرے جس میں کوئی حد متعین نہیں ہے، تعزیر کی جائے گی خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت، مسلمان ہو یا کافر، بالغ ہو یا نابالغ، بشرطیکہ صاحب عقل ہو، اس لیے کہ باشعور بچہ کے علاوہ سب لوگ عقوبت کے اہل ہیں، بچہ کو تادیب کے طور پر تعزیر کی جائے گی عقوبت کے طور پر نہیں،اس لیے کہ اس کو تادیب کی جاسکتی ہے)۔

پھر اس کے بعد اس مشہور حدیث کو ذکر کیا ہے، جس میں حضور اکرم ﷺ نے سات برس کی عمر میں بچہ کو نماز پڑھنے کا حکم دینے اور دس برس کی عمر میں نماز چھوڑنے پر مارنے کا حکم دیا ہے۔

البتہ حکومت نے بلوغ کی جو عمر مقرر کی ہے وہ اسلامی قانون کے مطابق صحیح نہیں ہے، اس کی وجہ سے بہت سے ایسے مجرم جو اسلام کی نظر میں حد کے مستحق ہیں، وہ جرم کے ثابت ہو جانے کے بعد بھی حد سے بچ جاتے ہیں، اس لیے حکومت کی پریشانیاں بڑھ رہی ہیں، اگر اسلامی قانون کی رعایت کی جائے تو جرائم پر بہت حد تک قابو پایا جاسکتا ہے۔

و: مجرمانہ ذہن رکھنے والے بچوں کی تادیب کے لیے پہلے ان کو سمجھایا جائے گا، پھر ان کو سزا کی دھمکی دی جائے گی، پھر سزادی جائے گی، سزا میں تدریج کا طریقہ اختیار کیا جائے گا، یعنی پہلے معمولی سزا دی جائے گی، پھر بڑی سزا دی جائے گی، سزا کی مقدار کے بارے میں تادیب کرنے والے کی صوابدید پر بھروسہ کیا جائے، جس بچے کو جس جرم میں جو سزا مناسب سمجھے دے گا، جس سے اس کی اصلاح ہو سکے۔

ز: یتیم اور بے سہارا بچوں کی پرورش کے سلسلہ میں اسلام میں بڑی فضیلت ہے، قرآن وحدیث میں مختلف مقامات پر اس کا تذکرہ ہے، یتیم ہی کے حکم میں وہ بچے داخل ہیں جن کے باپ ماں معلوم نہ ہوں، یعنی جو بچے پھینک دیے گئے ہوں یا کسی حادثہ میں ان کے ماں باپ مر گئے یا بچھڑ گئے ہوں، بلکہ ان کی مجبوریاں زیادہ بڑھی ہوئی ہیں، اس لیے کہ یتیم کے بعض رشتہ دار معلوم ہوتے ہیں، جیسے چچا، ماموں، دادا وغیرہ اور جن کے والدین کا پتہ نہیں ہے، ان کا کوئی رشتہ دار بھی معلوم نہیں ہوتا ہے، قرآن میں ہے : ‘‘فأما الیتیم فلا تقھر’’ اس آیت کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ یتیم کو ذلیل نہ کیا جائے، اس کو ڈانٹ ڈپٹ نہ کی جائے بلکہ اس کے ساتھ احسان و نرمی کا

معاملہ کیا جائے، اس کے ساتھ ایک شفیق باپ کی طرح برتائو کیا جائے، نبی کریمﷺ نے فرمایا : ‘‘أنا وكافل اليتيم في الجنة هكذا’’ (باب بدء الوحی۷/۶۸) (میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہونگے)، پھر آپ ﷺ نے بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کے پاس کی انگلی سے اشارہ کیا اور دونوں کے درمیان تھوڑا سا فصل رکھا، یتیم کے پاس اگر مال ہو تو اس کی حفاظت کرنے بلکہ اس میں اضافہ کی کوشش کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ناحق یتیم کا مال کھانے سے منع کیا گیا ہے، قرآن کریم مینیتم کا مال ناحق کھانے کو آگ کے کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے، حدیث میں سات ہلاک کرنے والی چیزوں میں سے ایکیتیم کا مال ناحق کھانا بتایا گیا ہے، حدیث میں : اجتنبوا السبع الموبقات (ابودائود۳،۷۴) (سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو)، ان میں ایکیتیم کا مال کھانا بھی ہے۔

یتیم کے مال کو بڑھانے کے سلسلہ میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا : ‘‘ألا من ولي يتيما له مال فليتجر فيه و لا يتركه حتى تأكله الصدقة’’ (ترمذی باب زکوۃ مال الیتیم۳،۳۲) (اگر کسی کی ولایت میں ایسایتیم ہو جس کے پاس مال ہو تو اس کو اس میں تجارت کرنا چاہیے، اس کو چھوڑ دینا نہیں چاہیے کہ صدقہ اس کو ختم کردے)۔

ح: کسی بچہ کے گارجین حد درجہ بڑھے ہوئے افلاس کی وجہ سے پرورش کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں اگر وہ اپنے کسی بچہ کو کسی ایسے آدمی کے حوالہ کردیں جو ان کی صحیح پرورش اور ان کی صحیح تعلیم وتربیت کر سکے، خواہ اس کے پاس اولاد ہو یا نہ ہو تو میرے خیال میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر اندیشہ ہو کہ وہ اس بچہ کا استحصال کرے گا تو اس کے حوالہ کرنا جائز نہ ہوگا، اور اس کی نگرانی بھی کرنی ہوگی، کہ اس بچہ کی صحیح پرورش اور صحیح تعلیم وتربیت ہورہی ہے، البتہ اس کو فروخت کرنا جائز نہ ہوگا کہ آزاد کی بیع باطل ہے، لیکن اگر بچہ کو گو دلینے والا اپنی خوشی سے بلا شرط بچہ کے گارجین کو کچھ ہبہ کرے تو اس میں کوئی قباحت سمجھ میں نہیں آتی ہے، اگر کسی بچہ کے گارجین نہ ہوں تو اس کا حکم ماقبل کے سوال کے جواب سے واضح ہے۔

ط: جو بچے معذور ہوں ان کے علاج اور نگرانی کے سلسلہ میں ان کے مفاد کو ترجیح دی جائے گی، اگر والدین کے پاس ان کو رکھنا ان کے لیے مفید ہوگا تو والدین کو اپنے پاس رکھنے کا حکم دیا جائے گا، اگر والدین کے پاس گھر میں رکھنا ان کے لیے ضرر رساں ہوتو اسپتال میں داخل کرانا ضروری ہوگا، والدین اگر اپنی ذمہ داری سے راہ فرار اختیار کرنے کے لیے بلاسخت ضرورت کے ان کو اسپتال میں داخل کریں گے تو مجرم ہوں گے۔

***

اسلام میں بچوں کے حقوق –تعلیم وتربیت کے تناظر میں

مولانا سید قمر الدین محمود قاسمی•

اللہ جل شانہ نے اس دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ سے انسانی وجو دعطا فرمایا اور پھر ان کے ذریعہ سے توالد وتناسل کا سلسلہ جاری فرمایا اور اس توالد وتناسل کے ذریعہ دنیا میں جو انسان آئے ان کی ضروریات کا تکفل فرمایا اور انسانوں کی ہدایت، دنیوی واخروی فلاح وکامیابی کے لئے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا، کہ انسان اپنے خالق کو پہچانے اور اپنے حق عبدیت کےوظیفہ کو پوری طرح انجام دے۔

دنیا میں انسان کے وجود کے لئے ظاہری اسباب کے طور پر اس کے ماں اور باپ ہوتے ہیں اور بچوں کی دینی ودنیوی ضروریات کے انتظام کے لئے پہلے مخاطب ماں اور باپ ہوتے ہیں، چنانچہ والدین کے دلو نمیں بچوں کی محبت فطری ہوتی ہے اور یہ فطری محبت حق تعالی نے ان کے دلوں میں ڈالی ہے، بچوں کی دیکھ بھال کی زحمت برداشت کرنا، ان پر رحمت وشفقت کرنا اور ان کے معاملات وضروریات کا اہتمام کرنا یہ سب چیزیں نفسیاتی طو رپر والدین میں موجود اور ان کے دلوں میں راسخ اور ان کے احساسات وشعور میں داخل ہوتے ہیں، اگر بالفرض یہ نہ ہوتا تو روئے زمین سے انسان کا وجود ختم ہوجاتا، اسی لئے قرآن نے کہیں بچوں کو دنیا کی زینت قرار دیا ہے، فرمایا گیا: ''المال والبنون زینۃ الحیاۃ الدنیا'' (سورہ کہف) (مال اور اولاد حیات دنیا کی ایک رونق ہیں)، تو کہیں اللہ جل شانہ نے ایسی بڑی نعمت قرار دیا ہے کہ اس کا شکر کرنا واجب ہے، چنانچہ فرمایا گیا: ''وأمددناکم بأموال وبنین وجعلناکم أکثر نفیراً'' (سورہ اسراء) (اور مال اور بیٹوں سے ہم تمہاری امداد کرینگے اورہم تمہاری جماعت بڑھادینگے)۔

خلاصہیہ کہ حق تعالی شانہ نے اولاد کو ایک بہت بڑی نعمت قرار دیا ہے اور والدین کو حکم دیا گیا کہ اپنی اولاد کی صحیح تربیت کریں، ان کو دین کی ضروری تعلیم دلائیں اخلاق حسنہ سے ان کو آراستہ کرنے کے لئے جدوجہد کریں۔

بچوں کی پرورش کا پہلا حق ماں کا ہے، اسی لئے لڑکیوں کی دینی تعلیم وتربیت کی زیادہ اہمیت ہے تاکہ وہ جب ماں بنیں تو اپنی اولاد کی بھی صحیح تربیت کرسکیں۔

شریعت نے حضانت کا حق سب سے پہلے ماں کو دیا ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے:

''أحق الناس بحضانۃ الصغیر حال قیام النکاح أو بعد الفرقۃ الأم إلا أن تکون مرتدۃ أو

• ناظم اعلی اصلاح المسلمین، بڑودہ گجرات۔

فاجرة غير مأمونة كذا فى الكافى سواء لحقت المرتدة بدار الحرب أم لا فإن تابت فهى أحق به كذا فى البحر الرائق وكذا لو كانت سارقة أو مغنية أو نائحة فلا حق لها كذا فى النهر الفائق " (فتاوی عالمگیری : ۵۹۲)۔

اگر ماں کا انتقال ہوجائے یا وہ حضانت کے قابل نہ رہے مثلاً وہ مرتد ہوجائے یا فاسقہ فاجرہ ہو تو اس صورت میں حضانت کا حق نانی کو ملے گا، اوریہ حق حضانت سات سال کی عمر تک اگر لڑکا ہو اور لڑکی ہو تو حد شہوۃ تک پہنچنے تک رہے گا۔ اس کے بعد باپ حضانت کے لئے زیادہمستحق ہوگا:

''والأم والجدة أحق بالغلام حتييستغنى وقدر بسبع سنين وقال القدورى حتييأكل وحده ويشرب وحده ويستنجى وحده وقدره أبوبكر الرازى بتسع سنين والفتوى على الأول والأم والجدة أحق بالجارية حتى تحيض وفى (نوادر) بشام عن محمد ؒ إذا بلغت حد الشهوة فالأب أحق وهذا صحيح كذا فى التبيين'' (فتاوی عالمگیری،۵۹۳)۔

اولاد کی تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں ماں اور باپ دونوں پر ذمہ داری عائد کی گئی ہے، بیوی اور اولاد کا نفقہ سکنی وغیرہ باپ کے ذمہ رکھا گیا ہے، اگر ماں اور نانی موجود نہ ہو تو ماں اور نانی کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کو بھی بچہ کی پرورش کا حق دیا گیا ہے، جیسا کہ فقہاء کرام نے کتب فقہ میں باب الحضانۃ قائم کرکے تفصیل سے اس پر بحث کی ہے، ماں اگر مرتد ہوجائے یا فاسقہ فاجرہ ہو اور شریعت کے خلاف کام کرتی ہو تو اس صورت میں پرورش کا حق اس سے لے لیا جائے گا او رجن کو شریعت نے پرورش کی ذمہ داری ہے ان کو حق پرورش دیدیا جائے گا۔

اہل وعیال کے نفقہ کی ذمہ داری شریعت نے باپ پر ڈالی ہے، اولاد کے بالغ ہونے تک نفقہ سکنی وغیرہ باپ کے ذمہ رہے گا، اگر لڑکی ہو تو اس کی شادی کرانے تک باپ کی ذمہ داری رہے گی، او راسی مدت میں اولاد کی صحیح تعلیم وتربیت کی ذمہ داری ماں اور باپ دونوں پر لازم ہے، اہل وعیال پر خرچ کرنے کو بہترین صدقہ فرمایاگیا ہے اور اس پر اجر وثواب میں اضافہ کا وعدہ کیا گیا ہے۔

مسلم شریف میں ہے:

''عن أبى ہريرة قال قال رسول اللہ ﷺ دينار أنفقته فى سبيل اللہ ودينار أنفقته فى رقبة ودينار تصدقت به على مسكين ودينار أنفقته على أہلك أعظمہا أجراً الذى أنفقته على أہلك'' (رواہ مسلم؛ مشکوۃ شریف۱،۱۷۰) (حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (ایک) دینار جس کو تم اللہ کےر استہ میں خرچ کرو اور (دوسرا) دینار جس کو تم غلام کےآزاد کرنے میں خرچ کرو اور (تیسرا) دینار جس کو تم کسی مسکین پر خرچ کرو اور (چوتھا) دینار جس کو تم اپنی بیوی بچوں پر خرچ کرو، ان تمام

میں سب سے بڑا باعتبار اجر کے وہ دینارہے جو تم نے اپنی بیوی بچوں پر خرچ کیا ہے)۔

اس کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ بیوی اور بچوں کا خرچ فرض ہے، کیونکہ ان پر خرچ کرنے کی وجہ سے صدقہ اور صلہ رحمی دونوں کا ثواب ملتا ہے، اس لئے یہ افضل قرار دیا گیا۔

بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ اور حکیم بن حزامؓ سے روایت ہے:

''عن أبی ہریرۃ وحکیم بن حزام رضی اللہ عنہما قالا قال رسول اللہ ﷺ: خیر الصدقۃ ما کان عن ظہر غنیً وابدأ بمن تعول'' (مشکوۃ شریف۱،۱۷۰)۔

(حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت حکیم بن حزامؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایاکہ بہترین صدقہ وہ ہے جو نفس کے غنی کے ساتھ ہو یعنی دل بڑا رکھ کر خرچ کیا جائے اور تم ابتداء کرو ان لوگوں سے جن کا خرچ تم پر لازم ہے)۔

جس کا خرچ تم پر لازم ہو اور ان سے ابتداء کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شوہر پر چونکہ اپنی بیوی بچوں وغیرہ کا خرچ واجب ہے اس لئے سب سے پہلے ان سے شروع کرنے کا حکم دیا گیا۔

بخاری ومسلم شریف میں حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے:

''عن أم سلمۃؓ قالت قلت یا رسول اللہ ألی أجر إن أنفق علی بنی أبی سلمۃ إنما ہم بنیّ فقال أنفقی علیہم فلک أجر ما أنفقت علیہم'' (متفق علیہ؛ مشکوۃ شریف۱،۱۷۰)۔

(حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کیا میرے لئے ثواب ہوگا کہ میں ابوسلمہ کی اولاد (بیٹوں) پر خرچ کروں بلاشبہ وہ میرے بھی بیٹے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو ان پر خرچ کر، جو تو ان پر خرچ کرے گی اس کا تیرے لئے اجر ہوگا)۔

''عن سلمان بن عامر قال قال رسول اللہ ﷺ الصدقۃ علی المسکین صدقۃ وہی علی ذی الرحم ثنتان صدقۃ وصلۃ'' (رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی، مشکوۃ شریف۱،۱۷۱)۔

معلوم ہوا کہ اہل وعیال پر خرچ کرنے میں دوہرا ثواب ہے، صدقہ کا اور صلہ رحمی کا۔

مذکورہ بالا تمام احادیث کی روشنی مینیہ بات ثابت ہوئی کہ بیوی اور بچوں پر جو خرچ کیا جاتا ہے اس کا بہت بڑا ثواب ہے۔

۲۔ والدین اور خصوصاً باپ کی ذمہ داری ہے کہ اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کی طرف خصوصی توجہ دیں، طفولیت کا زمانہ تعلیم وتربیت کے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے، اس زمانہ میں بچہ کا دل ودماغ بالکل صاف سلیٹ کی طرح ہوتا ہے، بسااوقات والدینیہ سمجھ کر کہ بچہ کچھ نہیں سمجھتا ایک دوسرے کو اسی دودھ پیتے بچے کے سامنے نامناسب

کلمات بولتے ہیں اور گالی گلوج بھی کرتے ہیں ، یہ تمام بول بچے کے دل ودماغ میں مرتسم ہوجاتے ہیں، لہذا اس طرح کے کلمات بولنے سے مکمل احتراز کیا جائے۔

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ بچپن کی تعلیم ایسی ہے جیسے پتھر پر کریدنایعنی پتھر تو ٹوٹ جائے گا مگر اس پر کریدا ہوا نقش کبھی ختم نہیں ہوگا، اسی طرح بچوں کو اس کی ماں کی گود سے جو تعلیم دی جائے گی وہ مرور زمانہ سے مضبوط بھی ہوگی، اور اس میں اضافہ بھی ہوگا وہ ختم کبھی نہیں ہوگی، اسی لئے بچہ کا پہلا مدرسہ ماں کی گود ہے، حضور اکرمﷺ کا فرمان بھی ہے:

''اطلبوا العلم من المہد إلی اللحد'' (یعنی علم طلب کرو گہوارے سے لے کر قبر تک)۔

آیات قرآنیہ اور احادیث مقدسہ میں تعلیم وتربیت کی اہمیت کی طرف خصوصی توجہ دلائی گئی ہے، ارشاد ہے:

''یا أیہا الذین آمنوا قوا أنفسکم وأہلیکم ناراً''، کہیں فرمایا:''وأمر أہلک بالصلاۃ واصطبر علیہا''، ارشادات نبویہ بھی اس کی اہمیت پر دال ہیں:

''کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ'' (تم میں کا ہر شخص اپنی رعیت کا نگراں وذمہ دار ہے، لہذا اس کی رعیت کے بارے میں ہر ایک سے سوال ہوگا)۔

''عن ابن عباس عن النبیﷺ أنہ قال: افتتحوا علی صبیانکم أول کلمۃ بلا إلہ إلا اللہ'' (رواہ الحاکم،کنز العمال) (حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرمﷺ نے فرمایا: اپنے بچوں کو سب سے پہلے کلمہ لا إلہ إلا اللہ سکھاؤ)۔

''اعملوا بطاعۃ اللہ واتقوا معاصی اللہ ومروا أولادکم بامتثال الأوامر واجتناب النواہی فذلک وقایۃ لہم ولکم من النار'' (ابن جریر وابن المنذر) (اللہ کی فرمانبرداری کا عمل کرو اور اس کی نافرمانی سے بچو اور اپنی اولاد کو نیکیوں کا عمل کرنے اور برائیوں سے بچنے کا حکم کرو (اگر تم ایسا کروگے) تو یہ ان کے لئے اور تمہارے لئے آگ سے بچاؤ کا سامان ہوگا)۔

''إن اللہ سائل کل راع عما استرعاہ حفظ أم ضیع حتییسأل الرجل عن أہل بیتہ'' (رواہ ابن حبان) (بے شک اللہ ہر ذمہ دار سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کرے گا کہ ان کی حفاظت کییا ضائع کردیا،یہاں تک کہ آدمی سے اس کے گھروالوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا)۔

''علموا أولادکم وأہلیکم الخیر وأدبوہم '' (رواہ عبد الرزاق) (اپنی اولاد کو اور اپنے گھر والوں کو بھلائی کی تعلیم دو اور ان کو ادب سکھاؤ)۔

ان تمام آیات قرآنی اور احادیث نبویہ سے بچوں کو دین کا علم سکھانے اور ان کو حسن اخلاق کی تعلیم کی اہمیت ظاہر وباہر ہے، لڑکوں اور لڑکیوں کے بالغ ہونے تک یہ فریضہ بہت زیادہ مؤکد ہے۔

رہا دنیوی تعلیم کا معاملہ تو بچوں میں بنیادی عقائد اسلام کی پختگی، توحید وایمان کی مضبوطی اور ارکان اسلام او ران کی ادائیگی کے طریقوں کا ضروری علم آجانے کے بعد اگر دنیوی تعلیم ان کو دی جائے اور اسکول وکالج تک کی تعلیم دی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ وہ ایمان واسلام اور اس کے مقتضیات پر مضبوطی سے قائم رہیں۔

لڑکیوں کو بھی ضروری حد تک کہ وہ عصری زبان میں لکھ پڑھ سکیں اتنی عصری تعلیم دلاسکتے ہیں، بشرطیکہ ان کے اندر بھی عقائد کی پختگی، توحید وایمان پر مضبوطی سے قائم رہنا، ارکان اسلام وغیرہ کا ضروری علم آیا چکا ہو۔ لڑکیوں کو کالجوں اور یونیورسٹی میں داخل کرکے اونچی تعلیم دلانا اور ڈگریاں حاصل کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں نفع سے نقصان کہیں زیادہ ہے، ''إثمہما أکبر من نفعہما'' کے مد نظر، تجربہ شاہد ہے کہ انگلش تعلیم اور کالج یونیورسٹی کے ماحول سے اسلامی عقائد واخلاق وعادات بگڑ جاتے ہیں، آزادی، بے شرمی اور بے حیائی بڑھ جاتی ہے۔

شریعت کا قانون ہے کہ فائدہ حاصل کرنے کے بجائے خرابی سے دور ہنا اور برائی سے بچنا ضروری ہے، ''الاشباہ والنظائر میں ہے:''قاعدۃ خامسۃ وہی درأ المفاسد أولی من جلب المصالح فإذا تعارضت مفسدۃ ومصلحۃ قدم دفع المفسدۃ غالباً لأن اعتناء الشرع المنہیات أشد من اعتناءہ بالمأمورات'' (۱۱۴)۔

حضور اکرمﷺ کے زمانہ میں عورتوں کو مسجد میں جاکر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی اجازت تھی، مگربعد میں خرابی پیدا ہونے کی وجہ سے حضرت عمر فاروقؓ نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیا اور حضرت عائشہؓ نے مذکورہ فیصلہ کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ عورتوں نے جو حالت بنالی ہے اگر آنحضرتﷺ نے اس کو ملاحظہ فرمایا ہوتا تو پہلے ہی ان کو مسجد سے روک دیتے اجازت نہ دیتے ''إن عائشۃ زوج النبیﷺ قالت لوأدرک رسول اللہﷺ ما حدث النساء لمنعہن المسجد'' (ابوداؤد شریف باب ما جاء فی خروج النساء إلی المساجد)۔

مذکورہ قانون کے مطابق جب عورتوں کے لئے مسجد میں جاکر نماز پڑھنا ناجائز ٹھہرا تو ان کو انگریزی پڑھانا اور کالجوں یونیورسٹیوں میں داخل کرکے اعلی ڈگریاں حاصل کرنا کیوں کر ناجائز ہوسکتا ہے، جب کہ یہاں دین کا ضرر کہیں زیادہ ہے، مطلب یہ ہے کہ ایسی تعلیم دلانا جس سے دین وایمان پر برا اثر پڑتا ہے، جو غیر اسلامی کلچر غیر اسلامی اخلاق وعادات اختیار کرنے کاذریعہ بنتی ہو ہر ایک کےلئے ناجائز ہے، لڑکی ہو یا لڑکا، البتہ یہ فرق کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ لڑکیوں کی فطرت اثر بد کو جلد قبول کرلیتی ہے اور مذہبی لحاظ سے معاشی ذمہ داریاں بھی ان پر نہیں ڈالی گئیں تو ان کو اعلی عصری تعلیم سےباز رکھنا چاہئے، اس کی اجازت نہیں ہے کہ وہ اعلی عصری تعلیم

حاصل کریں، کیونکہدین وایمان کی حفاظت اولین فرض ہے۔

لازمی تعلیم کا مسئلہ:

۳۔ اگر حکومت عصری تعلیم پرائمری درجہ تک لازم قرار دے تو بچوں کو دینی تعلیم کے انتظام کےساتھ اس کو اختیار کرنے کی اجازت ہے، بایں طور کہ اسکول کی تعلیم کے اوقات کےعلاوہ مکتب کی تعلیم کے اوقات متعین کئے جائیں اور بچوں کو ان اوقات میں مکتب یا مدرسہ میں بھیجا جائے تاکہ ان کو قرآن شریف کی تعلیم اور ضروریات دین کی تعلیم دی جاسکے۔ اگر دن کے اوقات میں اسکی گنجائش نہ نکل سکے تو اسکول کا وقت ختم ہونے کے بعد شام کو پانچ بجے سے ساڑھے سات بجے تک مکتب کی تعلیم کا انتظام کیاجائے جیسا کہ یورپ اورامریکہ وغیرہ ممالک میں مکتب کی تعلیم کا یہی سسٹم رائج ہے اور کامیاب ہے۔

جنس کی تعلیم اور ہمارے بچے:

۴۔ اس بارے میں عرض یہ ہے کہ آج کل جنس کی تعلیم کا جو مفہوم ومطلب لیا جارہا ہے کہ بچوں کو میاں بیوی کےجنسی حقیقی ملاپ کے جو طریقے ہیں وہ ان کو بتائے جائیں اور سکھلائے جائیں تو اس طرح کی جنسی تعلیم شرعاً ناجائز ہے اور مہذب معاشرہ بھی اس کی اجازت نہیں دیتا،یہ پر لے درجہ کی بےحیائی اور فحاشی ہے، یہ سب مغربی تہذیب وکلچر کی دین ہے۔

البتہ بعض وہ امور جن کا تعلق جنس اور شہوت سے ہے اور اسپر کوئی حکم شرعی مرتب اور عائد ہوتا ہے تو اس کو بتلانا مربی حضرات کے لئے جائز ہے، جیسے بعض آیات میں جنسی استحصال وملاپ کا تذکرہ ملتا ہے، نیزیہ کہ انسان نطفہ سے پیدا ہوا ہے، زنا وغیرہ کا ذکر ملتا ہے، نیز اپنی شرمگاہ کی حفاظت کس سے کرنا چاہئے کس سے نہیں، رمضان میں ہمبستری کی جاسکتی ہے یا نہیں، حالت حیض میں عورتو ں سے دوری اختیار کرنا چاہئے، تو یہ سب چیزیں اور خواہش نفس سے سے متعلق ہیں تو ان کا تذکرہ شرم وحیا کے بقاء کے ساتھ مربی حضرات ان بچوں کے سامنے جو سن شعور کو پہنچ گئےہوں احکام شرعیہ کو بتانے کے لئے کرسکتے ہیں، لیکن اس میں دوباتیں ملحوظ رہیں:

عمر کے ہر حصہ سے متعلق احکام کی تعلیم اسی کی مناسبت سے دی جائے، دوسری بات یہ ہے کہ لڑکی کو یہ جنسی مسائل سکھانے کا کام ماں کو انجام دینا چاہئے، اگر ماں نہ ہو توکوئی دوسری عورت یا معلمہ استانی اس کام کو انجام دے۔

نکاح کے بارے میں بچوں اور بچیوں کے حقوق:

ج۔ شریعت کا یہ حکم ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں جب بالغ ہوجائیں تو والدین کو چاہئے کہ ان کی شادی کروادیں تاکہ وہ کسی گناہ کے کام میں مبتلا نہ ہوں، والدین اگر شادی نہیں کروائینگے اور لڑکا لڑکی اگر گناہ کے کام میں مبتلا ہوگئے تو والد کو اس کا گناہ ہوگا او

راس کی باز پرس ہوگی۔

''عن أبی سعید الخدری وابن عباس رضی اللہ عنہما قالا:قال رسول اللہﷺ:من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وأدبہ فإذا بلغ فلیزوجہ فإن بلغ ولم یزوجہ فأصاب إثماً فإنما إثمہ علی أبیہ'' (مشکوۃ شریف۲،۲۷۱)۔

(حضور اکرمﷺ نے فرمایا کہ جس کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہو تو سب سے پہلے اس کا اچھا نام رکھو اور اچھے اخلاق وآداب سکھاؤ، بالغ ہوجائے تو اس کی شادی کروادو، اگر بالغ ہوگیا اور اس کی شادی نہ کروائی اور (وہ لڑکا لڑکی) گناہ کے کام میں مبتلا ہوگئے تو اس کا گناہ اسکےباپ پر ہوگا)۔

بیہقی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے:''عن أنسؓ عن رسول اللہﷺ قال فی التوراۃ مکتوب:من بلغت ابنتہ اثنتی عشرۃ سنۃ ولم یزوجہا فأصابت إثماً فإثم ذلک علیہ'' (مشکوۃ المصابیح۲،۲۷۱)۔

(حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ تورات میں لکھا ہوا ہے کہ جس لڑکی کی عمر بارہ سال کی ہوگئی اور اس کے والد نے اس کی شادی نہ کروائی اور اس سے کسی گناہ کا ارتکاب ہوگیا تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہوگا)۔

بچہ مزدوری کے بارے میں اسلام کاموقف:

د: اسلام نے طفولیت کے زمانہ میں اور بلوغ تک پہنچنے کی مدت میں بیوی بچوں کے خرچ کی ذمہ داری باپ کے سرڈالی ہے، اور اسی مدت میں بچوں کو دینی تعلیم دینے کا مکلف باپ کو خصوصاً قرار دیا ہے، اب ظاہر ہے کہ اگر اس زمانہ میں بچہ کو مزدوری اور کام پر لگایا جائے تو اس کی جسمانی اور دماغی نشو ونما صحیح طور پرنہیں ہوسکے گی، اسی طرح وہ دینی تعلیم وتربیت سے بھی محروم ہوجائے گا، اس لئے اسلام نے بچوں سے مزدوری اورکام پر لگانے کی اجازت نہیں دی ہے، کیوں کہ ان کو اس عمر میں کمانے کا مکلف نہیں بنایا گیا ہے، اگر والدین غربت وتنگدسی میں مبتلا ہوں تب بھی بچوں سے ایسے مزدوری کے کام کرانا درست نہیں ہے، باپ کو چاہئے کہ روزی کے ذرائع تلاش کرے اور اپنے بچوں کی کفالت کرے، حکومت وقت کی بھییہ ذمہ داری ہے کہ روزی کے اسباب تلاش کرکے یا مہیا کرکے بے روزگار لوگوں کی مدد کرے، مگر آج کل حکومتیں اس سے غفلت برتتی ہیں،والدینیا اولیاء اپنے بچوں سے ان کی تعلیم وتربیت کے اوقات کے علاوہ میں گھر کے چھوٹے موٹے کام لے سکتےہیں، کام کی عادت ڈالنے کے لئے اور تربیت کیخاطر بازار سےکوئی معمولی سودا سلف لانے یا گھر میں کوئی معمولی کام کرانے کی اجازت ہے۔

نابالغ بچے اور جرائم:

ہ: اسلام نے جرائم کے سد باب کے لئے حدود اور سزائیں مقرر کی ہیں تاکہ اسلامی معاشرہ جرائم سے محفوظ رہے اور ایک دوسرے کے حقوق پر کوئی زد نہ پڑے۔

بڑوں کے لئے جن جرائم پر حدود مقرر کی گئی ہیں اگر وہی جرائم بلوغ سے پہلے بچوں سے سرزد ہوں تو چونکہ بلوغ سے پہلے وہ شرعی احکام کا مکلف نہیں ہے بلوغ سے پہلے اس لئے شرعی طور پر بالغ ہونے سےپہلے ان جرائم کے صدور پر حدود تو جاری نہیں کی جائینگی، البتہ تعزیرات جاری ہونگی، لیکن اس میں اس بات کا لحاظ ضروری ہوگا کہ بچہ کی جسمانی ساخت، عمر اور اس کے تحمل کی طاقت کو مد نظر رکھ کر اس کو سزا دی جائے اور جرائم کے دینی ودنیوی نقصانات کو بتا کر اس کی ذہن سازی کی جائے تاکہ آئندہ ان کے ارتکاب سے اس کو بچایا جاسکے۔ شرعی اعتبار سے جب بچہ بالغ ہوجائے تو احکام شرع کا وہ مکلف بن جاتا ہے، لہذا اس کے بعد اس پر حدود والے جرائم کے ارتکاب پر حدود جاری کی جائینگی، آج کل حکومت کے قانون کے اعتبار سے اٹھارہ سال سے کم عمر والے کو بچہ میں شمار کیاجاتا ہے، یہ صحیح نہیں ہے، لہذا شرعی اعتبار سے بلوغ کا اعتبار ہوگا۔

و: اگر ضرورت محسوس ہو تو بچہ کو بچو نکی جیل میں بھیجا جاسکتا ہے، مگر ان کو سخت مارپیٹیا ان کی طاقت سے زیادہ کے کام لینے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ جیل میں ایسا عملہ ہونا چاہئے جو ان برائیوں کے نقصانات سے ان کو آگاہ کرے اور ان کی ذہنی تربیت کرے۔

ز: جو بچے بے سہارا ہوجاتے ہیں جس کی بہت سی شکلیں ہیں، ایسے بچوں کی تربیت، پرورش اور ان کی دیکھ بھال کے لئے اسلام کی تعلیمیہ ہے کہ ان بچوں کے جو قریبی رشتہ دار ہیں ان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان بچوں کی نگہداشت کریں، انکی تعلیم وتربیت کی فکر کریں، اگر رشتہ دار اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے پہلوتہی کرینیا غفلت برتیں تو ایسی صورت میں حکومت کو یہ ذمہ داری اٹھانی چاہئے یا دوسرے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ایسے بچوں کو اپنائیں اور ان کی کفالت کریں، نیز تعلیم وتربیت کی ذمہ داری اٹھائیں، ایسے بچوں کی کفالت پر بڑے اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔

ح: بچہ کے والدینیا اولیاء حد درجہ مفلس ہوں اور اپنے افلاس وتنگدستی (جو بدرجۂ مجبوری ہو) کی وجہ سے بچہ کی کفالت او راس کی پرورش نہ کرسکتے ہوں، اور دوسرا رشتہ دار یا اسلامی بھائی اس بچہ کی کفالت خوشی سے اپنے ذمہ لینے کے لئے تیار ہو اور اپنی کفالت میں لینےوالا شخص یا خاندان دیندار ہو تو ایسی صورت میں بچہ کی کفالت ونگرانی کے لئے دوسرے کو سپرد کیا جاسکتا ہے، مگر والدین اس سے بے تعلق نہیں ہوسکتے، وقتا فوقتاً اپنے بچہ کی خبرگیری اور کس طرح اس کی تعلیم وتربیت ہورہی ہے

اسکی خبر گیری ضروری ہوگی،یا کوئی ایسا ادارہ جو بچو نکی تعلیم وتربیت اپنے ادارہ میں رکھ کر کرتا ہو اس ادارہ میں بھی بچہ کو داخل کیا جاسکتا ہے۔

بچہ کی کفالت اپنے ذمہ لینے والے شخص سے اپنے بچہ کو سپرد کرنے کے عوض کوئی معاوضۂ مالی لینا درست نہیں ہے۔

ط: جو معذور بچے ہوتے ہیں او ران کےعلاج اور نگہداشت کی سخت ضرورت ہوتی ہے، تو والدین کا فرض بنتا ہے کہ وہ ایسے بچوں کی دیکھ بھال کریں اور اسے اللہ تعالی کی طرف سے آزمائش سمجھیں، ایسے بچوں کی جو بھی خدمت کرینگے اس پر بڑے اجر وثواب کا وعدہ ہے، اگر ملازمت یا اور کسی مجبوری کے سبب معذور بچہ کی دیکھ بھال نہ کرسکتے ہوں تو کسی ملازم کو تنخواہ یا معاوضہ دے کر اس کے ذریعہ اس کی ضروریات کو پورا کرنے کا انتظام کریں اور ساتھ ہی اپنا پیار ومحبت بچہ کو دیتے رہیں، او راس کی تعلیم وتربیت کی طرف دھیان دیتے رہیں، اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو ایک مسلمان کےلئے یہ ضروری ہے کہ وہ کسی مسلم ہسپتال میں داخل کرے جہاں اس کا ایمان سلامت رہے اور ہسپتال میں داخل کرنے کے بعد اس سے بالکل بے تعلق ہوجانا او راسے چھوڑ دینا جائز نہیں ہے، بلکہ وقتا فوقتاً اس کی خبرگیری کرتے رہنا اور اس پر شفقت کرتے رہنا ضروری ہے۔

***

اسلامی قانون میں بچوں کے حقوق

مفتی ظہیر احمد قاسمی•

حق حضانت:

حضانت شریعت اسلامیہ میں نابالغ لڑکے ولڑکی کی پرورش ان کی مصالح کی رعایت کے ساتھ کرنا، کہ ان کی جسمانی، نفسیاتی اور عقلی تربیت جو ان کی مستقبل کی زندگی گزارنے میں معاون ہو حضانت کہلاتا ہے۔

حق حضانت سب سے پہلے ماں کو ہے، ماں نہ ہو تو پھر نانی، پھر دادی، پھر بہن اس کے بعد خالہ، او رپھر پھوپھی کا حق پرورش ہوتا ہے، اگر عورتوں میں کوئی پرورش کے لائق نہ ہو تو پھر حق پرورش مردوں میں سب سے پہلے باپ پھر دادا پردادا اس کے بعد حقیقی بھائی وغیرہ کو حق حضانت حاصل ہوگا۔

ماں نانی دادی وغیرہ کو حق حضانت لڑکو نکے سن تمیز تک ہے کہ جب تک وہ خود اپنے ہاتھ کھانے پینے، استنجاء کرنے کپڑے پہننے وغیرہ کی صلاحیت پیدا ہوجائے۔ یہ عمر تقریباً۷ سال ہے، اس کے بعد باپ کے حوالہ لڑکے کردیئے جائینگے تاکہ صحیح طریقہ پر ان کی تعلیم وتربیت، آداب واخلاق، تہذیب وثقافت کے زیور سے آراستہ ہوسکیں۔

جب کہ لڑکیاں ماں، نانی دادی وغیرہ کے پاس بلوغ تک رہینگی، بالغ ہونے کے بعد (۱۵سال کے بعد) پھر باپ کے حوالہ کردی جائینگی۔

حق پرورش کی شرائط میں سے عاقل ، بالغ ہونا، فاسق نہ ہو، آزاد ہونا، مسلمان ہونا، چنانچہ ماں اگر نعوذ باللہ مرتدہ ہوجائے تو اس کا حق پرورش ختم ہوجائے گا، اسی طرح عورت بچہ کی محرم رشتہ دار ہو یا اس عورت نے ایسے مرد سے نکاح نہ کیا ہو جو اس بچہ کا محرم نہ ہو، ورنہ اس کا حق پرورش ختم ہوجائے گا، اسی طرح لڑکی کے حق میں مرد کا محرم ہونا ضروری ہے، البتہ اگر کوئی اور شخص ہو تو قاضی کی صوابدید پر چچا زاد بھائی کو بھی حق پرورش دیا جاسکتا ہے، (ماخوذ قاموس الفقہ ۴،۲۶۷-۲۶۲)۔

حضانت میں اصلاً اس کی اخلاقی تربیت ہے، چنانچہ اگر اخلاقی بگاڑ کا اندیشہ ہو تو پھر اس کا حق حضانت ساقط ہوجائے گا حتی کہ اگر ماں مرتدہ ہوجائے یا زانیہ ہو تو اس کا حق ساقط ہوجائے گا (فتاوی دارالعلوم ۱۱،۱۰۸)۔

اسی طرح اسکے برعکس اگر باپ فاسق ہو او راس کے پاس رہنے سے اولاد پر

• جامع العلوم کانپور، یوپی۔

غلط اثرات پڑسکتے ہوں تب بھیبھی حکم ہے کہ باپ کا حق پرورش ساقط ہوجائے گا، غرضیکہ اخلاقی تربیت کو حق حضانت میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

(ب-۱): اسلام میں صحیح تعلیم وتربیت پر بہت زور دیا گیا ہے، ارشاد باری ہے: ‘‘یاأیہا الذین آمنوا قوا أنفسکم وأہلیکم ناراً’’ (سورہ تحریم: ۶) (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ)۔

امام بخاریؒ اپنی صحیح بخاری میں اس آیت کی تفسیر ان کلمات سے فرماتے ہیں:

‘‘أوصوا أنفسکم وأہلیکم بتقوی اللہ وأدبوہم ’’ (بخاری۲،۷۳۱-۷۳۰) (یعنی تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو تقوی اختیار کرنے کی نصیحت کرو اور ان کو ادب سکھاؤ)۔

ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے: ‘‘لأن یؤدب الرجل ولدہ خیر من أن یتصدق’’ (مسند احمد ۵،۱۰۲، ترمذی۴،۳۳۷)۔

ترمذی کی ایک روایت میں خیر من أن یتصدق کے بعد بصاع کا لفظ بھی ہے، یعنی اپنی اولاد کو ادب سکھانا ایک صاع صدقہ کرنے سے افضل ہے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد نبوی ہے:

‘‘أکرموا أولادکم وأحسنوا أدبہم’’ (ابن ماجہ ۲،۱۲۱۱، ترمذی۲،۱۶)۔

اس حدیث پاک میں صیغہ امر کے ساتھ ارشاد ہے جس سے بچوں کی صحیح تعلیم وتربیت کے فریضہ کی طرف تاکید معلوم ہوتی ہے، ایک اور دوسری حدیث پاک میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ‘‘ما نحل والد ولدہ أفضل من أدب حسن ’’ (مسند احمد ۴،۷۷-۷۸، ترمذی۲،۱۶) کہ والد کی جانب سے سب سے افضل اور بہتر تحفہ اپنی اولاد کے لئے احسن ادب ہی ہے۔

غرضیکہ والد پر اولاد کو اچھی تعلیم وتربیت دلانا او راس سے آراستہ کرنا فرض ہے، ‘‘کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ ’’ الحدیث۔

(۲) موٹی موٹی اور ضروری تعلیم فرض عین ہے،خواہ دینی ہو یا دنیوی جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ‘‘طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم’’۔ البتہ دونوں تعلیم (دینی ودنیوی) اختصاص کی حد تک فرض کفایہ ہیں۔

(۳) ۱۴ سال تک حکومت تعلیم کو لازم قرار دے رہی ہے، جو مڈل یا ہائی اسکول تک کی تعلیم ہوگی اگر نصاب میں کوئی مضر اور نقصان دہ مواد نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، ہم اس مدت میں دونوں ضروری اور بنیادی تعلیم سے بچوں کو آراستہ کرسکتے ہیں۔

(۴) جنس کی ضروری اور بنیادی تعلیم کی اصلاً ضرورت نہیں، بنیادی جنسی تعلیم سے تمام حیوانات تک واقف ہوتے ہیں، البتہ کن حالتوں میں مجامعت کرنی چاہئے اور کن حالتوں میں نہیں، اس کی تعلیم خود اسلام میں موجود ہے۔

ج: بچوں کے اوپر ولایت نکاح بچوں کے مفاد کے پیش نظر شریعت نے رکھا ہے، لیکن اگر اس ولایت سے مفاد کی بجائے فساد اور خرابی پیدا ہوتی ہو تو وہ ولایت ساقط الاعتبار ہوگی جس کا فیصلہ حالات کے پیش نظر قاضی شریعت کرسکتا ہے، بچو نکے مفاد کو ہرحالت میں مقدم رکھا جائے گا۔

لقولہ ﷺ:''إذا خطب إليكم من ترضون دينہ وخلقہ فزوجوه إلا تكن فتنة فی الأرض وفساد عريض'' (ترمذی۳،۳۹۴، رقم الحديث: ۱۰۸۴)۔

د: بچہ مزدوری اصلاً اسلام میں درست نہیں، کیونکہیہ زمانہ اس کی تعلیم وتربیت کا ہے، چنانچہ صبی غیر ممیز کا کوئی بھی عقد منعقد نہیں ہوگا، خواہ عقد اجارہ ہو یا عقد بیع وغیرہ، چنانچہ الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

''أنيكون العاقل عاقلاً أی مميزاً فلا ينعقد بيع المجنون والصبی غير العاقل، ولا يشترط البلوغ فيصح تصرف الصبی المميز البالغ من العمر سبع سنوات'' (۵،۳۳۱۷)۔

البتہ بوقت ضرورت جب بچہ سات سے زیادہ عمر کا ہو تو پھر اپنے ولی کی اجازت سے وہ عقد اجارہ یا بیع وغیرہ کرسکتا ہے ، جیسا کہ فی الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

''التصرفات الدائرة بين الضرر والنفع:كالبيع والشراء والإيجار والاستئجار والزواج والمزارعة والمساقات والشركات ونحوها، فهذه التصرفات تصح من الصبی المميز ولكنها تكون موقوفة على إذن الولی أو إجازته ما دام صغيراً أو على إجازته بنفسہ بعد البلوغ لأن المميز جانباً من الإدراک غير قليل'' (۵،۳۳۱۸)۔

وہ عقود جو بغیر ولی کی اجازت کے کئے ہیں وہ ولی کی اجازت پر موقوف ہونگے۔

(۲) جیسا کہ پہلے مذکور ہوا کہ اصلاً اسلام میں بچہ مزدوری درست نہیں، کیونکہیہ وقت اس کے لئے حصول تعلیم وتربیت کا ہے، متعدد نصوص میں اس کی طرف اشارہ ہے، حتی کہ حصول تعلیم خود عجز عن الکسب کا سبب ہے، یعنی اگرچہ وہ کمائی پر قادر ہوکما سکتا ہو، لیکن اگر وہ تعلیم میں مشغول ہے تو ایسی صورت میں اس پر کمانا ضروری نہیں، بلکہ اس کا خرچ والد پر ہوگا، جیسا کہ الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

''طلب العلم الذييشغل عن التكسب فالطالب المتعلم حتی ولو كان قادراً على العمل والتكسب تجب نفقتہ على أبيہ لأن طلب العلم فرض كفاية فلو ألزم طلبة العلم التكسب تعطلت مصالح الأمة'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۰،۷۴۱۴)۔

اور بچہ میں تو دو سبب عجز عن الکسب کے پائے جارہے ہیں: ایک حصول تعلیم اور دوسرا اس کا صغر، لہذا اس سے کمائی کی اجازت اصلاً نہیں ہوگی، اس کے اخراجات اس کے والد پر ہونگے۔

البتہ اگر اس کے والد قادر نہ ہوں یا گھریلو اخراجات پورے نہ ہوتے ہوں تو اس وقت بچہ سے کموانے کی اجازت ہوسکتی ہے۔

‘‘الصغر أی الصغیر الذی لم یبلغ بہ صاحبہ حد الکسب، فإن بلغ الغلام لا الأنثی حد الکسب کان للأب أن یوجرہ أو یدفعہ إلی حرفۃ لیکتسب منہا وینفق علیہ من کسبہ، أما الأنثی فلا توجر للخدمۃ لما فیہا من مخاطر الخلوۃ بہا وہو لا یجوز شرعاً لکن یجوز تعلیمہا عند امرأۃ حرفۃ معینۃ مناسبۃ لہا کخیاطۃ أو تطریز أو غزل ونحوہا’’ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷۴۱۳،۱۰)۔

لیکن صرف اس حد تک کہ ان کا خرچ وغیرہ آسانی سے چل سکے، اور اس کی تعلیم کاسلسلہ بھی چلتا رہے، معیار زندگی کو بلند کرنے یا اس کو بہتر بنانے کے لئے بچوں سے کموانے کی شرعاً اجازت نہیں۔

(۳) ایسے والدین جو خود کمانے پر قادر نہیں وہ اپنے بچوں کو مزدوری وغیرہ پر لگاسکتے ہیں، لیکن صرف اس حد تک کہ ان کا ضروری خرچ پورا ہوتا رہے، معیار زندگی کو بلند کرنے یا بہتر بنانے کے لئے اس کی اجازت نہیں۔

والدین کے کمائی پر قاد رنہ ہونے کی صورت میں اور بچو نکے کمائی پر قادر ہونے کی صورت میں خرچ شرعاً والدین پر نہیں بلکہ بچوں پر ہی واجب ہوتا ہے۔

‘‘وإذا کان (الولد) مکتسباً وجب علیہ الاکتساب فالصغیر المکتسب نفقتہ فی کسبہ لا علی أبیہ’’ (۷۴۱۲،۱۰، الفقہ الاسلامی وادلتہ)۔

حتی کہ ایسی صورت میں لڑکی کا خرچ بھی باپ سے ساقط ہوجائے گا جبکہ وہ خود جائز اور مناسب کمائی پر قادر ہو۔

‘‘فإن اکتسبت من مہنۃ شریفۃ لا تعرضہا للفتنۃ کخیاطۃ وتعلیم وتطییب سقطت نفقتہا عن الأب’’ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷۴۱۴،۱۰، وکذا ۷۴۱۳،۱۰)۔

ہ: بچہ سے اگر جریمہ قتل وغیرہ کا صدور ہوتا ہے تو اس پر قصاص تو بالاتفاق واجب نہیں ہوگا، بدائع الصنائع میں ہے:

‘‘فإن کان صبیاً أو مجنوناً لا یجب القصاص لأن القصاص عقوبۃ وہما لیسا من أہل العقوبۃ لأنہا لا تجب إلا بالجنایۃ وفعلہما لا یوصف بالجنایۃ ولہذا لم یجب علیہما الحدود’’ (۲۳۴،۷ طبع ایچ ایم سعید کراتشی، تبیین الحقائق ۹۸،۶ طبع امدادیہ پاکستان)۔

بدایۃ المجتہد میں ہے:

‘‘اتفقوا علی أن القاتل الذییقاد عنہ یشترط فیہ أن یکون عاقلاً بالغاً مختاراً ’’ (بدایۃ المجتہد ۳۳۱،۲، الخرشی۳،۸، دار الفکر مصر، المہذب ۱۷۳،۲، مغنی المحتاج ۴، ۱۵، المغنی۶۶۴،۷ مکتبۃ الریاض)۔

البتہ اس پر دیت مخففہ واجب ہوگی، مغلظہ نہیں، جو بچہ کے عاقلہ پر تین سال موجلہ واجب ہوگی، اخماساً یعنی۲۰ حقے، ۲۰ جذعہ ، ۲۰ بنت مخاض، ۲۰ بنت لبون اور ۲۰ بنی مخاض واجب ہونگے (المغنی۷۶۹،۷-۷۷۱، بدایۃ المجتہد ۳۴۳،۲، بدائع الصنائع ۲۵۴،۷، تبیین الحقائق ۱۲۶،۲-۱۲۷، رد المحتار ۳۶۸،۵)۔

اور قاتل بچہ میراث اور وصیت سے بھی ہمارے نزدیک محروم نہیں ہوگا۔

''حتی أن الصبی أو المجنون إذا قتل مورثہ لا یحرم من المیراث لأن حرمان المیراث عقوبۃ وہما لیسا من أہل العقوبۃ'' (جامع احکام الصغار ۷۴٫۲، تبیین الحقائق ۱۳۹٫۶)۔

''أویکون القاتل صبیاً أو مجنوناً فتجوز بلا إجازۃ لأنہما لیسا أہلاً للعقوبۃ'' (رد المحتار ۴۲۰٫۵)۔

اوراس پر تعزیریعنی تادیب واجب ہوگی جو حکم اور قاضی کی رائے پر مفوض ہوگی (تبیین الحقائق ۳۰۸٫۳، المغنی۷۴۵٫۷۔۷۴۶، الدر المختار مع رد المحتار ۱۷۹٫۳، بدایۃ المجتہد۳۳۸٫۲)۔

انواع تادیب کی فقہاء نے نو شکلیں ذکر کی ہیں، حاکم اور قاضی جو ان میں سے مناسب سمجھے نافذ کرسکتا ہے۔

(۱) الاعلام، (۲) الاعلام والجرإلی باب القاضی، (۳) والخطاب بالمواجہۃ، (۴) النصح والتوجیہ، (۵) التوبیخ، (۶) التعنیف والتجریح، (۷) الضرب، (۸) اتلاف محل الانحراف، (۹) المصادرۃ (مقالتی جرائم الصبیان فی الشریعۃ الاسلامیہ والقانون الہندی دراسۃ مقارنۃ، ص: ۸۶ تا۱۰۳، ص: ۱۴۹ تا۱۵۲)۔

اور اگر بچہ سے جریمہ سرقہ (چوری) کا صدور ہوتا ہے تو اس پر حد کا نفاذ نہیں ہوگا، بلکہ اس پر تادیب مع ضمان مال السرقہ واجب ہوگا (بدائع الصنائع ۶۷٫۶، لسان الحکام مع معین الحکام ، ص: ۴۰۱، تبصرۃ الحکام ۲۵۱٫۲، معین الحکام ،ص: ۱۸۵، نہایۃ المحتاج ۴۴٫۷، المہذب ۲۷۷٫۲، بدایۃ المجتہد ۳۷۳٫۲، مقالتی جرائم الصبیا ن فی الشریعۃ الاسلامیہ والقانون الہندی، ص: ۵۴تا ۵۹)۔

اور اگر بچہ سے جریمہ زنا کا صدور ہوتا ہے تو اس صورت میں بھی اس پر تادیب ہے حد واجب نہیں، البتہ بعض صورتوں میں مہر کا وجوب بھی ہوگا۔

لسان الحکام مع معین الحکام میں ہے:

''الصبی إذا زنی بصبیۃ لاحد علیہ وعلیہ المہر فی مالہ لأنہ مواخذ بأفعالہ وإذنہما لہ لم یصح'' (لسان الحکام مع معین الحکام، ص: ۳۹۹، وکذا فی بدائع ۳۳٫۷)۔

تبصرۃ الحکام میں ہے:

''ویجب فیہ الصداق إن کانت المرأۃ مکرہۃ أو غیر عالمۃ '' (تبصرۃ الحکام ۶٫۲)۔

لیکن اگر پہلی عورت عاقلہ بالغہ کی طرف سے ہے تو اس پر مہر کا بھی وجوب نہیں۔

نیز لسان الحکام میں ہے:

''العاقلۃ البالغۃ وطأت من صبی أو مجنون لا حد علیہما وزاد فی النظم وعلیہا العدۃ ولا مہر لہا، ولأن الرضا معتبر فی إسقاط حقہا'' (لسان الحکام مع معین الحکام ، ص: ۳۹۹، مقالتی جرائم الصبیان فی الشریعۃ الاسلامیہ والقانون الہندی ، ص: ۳۸تا۴۵)۔

لیکن ہندوستانی قانون میں بچہ اگر ۱۲ سال سے اوپر ہے یا۷ اور ۱۲ کے درمیان ہے اور اس بچہ نے یہ جرائم سمجھتے بوجھتے ہوئے کئے ہیں تو اس کو بالغ کی طرح ہی سزائیں دی جاسکتی ہیں، لیکن عام طور سے اس کو مدارس اصلاحیہ (Reformentry School) میں رکھا جائے گا (Reformentory School Act 1847 Section 8-13)۔

اسلام میں تادیب کی قسمیں:

بچوں کی تربیت اور ان کی اصلاح کے لئے تادیب کی چند درج ذیل شکلیں اور صورتیں حسب ضرورت اختیار کیا جاسکتی ہیں:

(۱) الاعلام: محض اس کو یہ بتانا کہ مجھ کو تمہارے بارے میں اس طرح کی شکایت ملی ہے، شریف بچوں کے لئے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے ،انشاء اللہ وہ اسی سے باز آجائے گا اور اپنی اصلاح کرلے گا، حیث جاء فی بدائع الصنائع، ‘‘فتعزیر إشراف الأشراف بالإعلام المجرد وہو أنیبعث القاضی أمینہ إلیہ فیقول لہ بلغنی إنک تفعل کذا وکذا’’ (بدائع الصنائع ۳؍۲۰۷-۲۰۸، رد المحتار ۳؍۱۷۹)۔

(۲) الاعلام والجرالی باب القاضی: اگر اس کو اس سے تنبیہ نہ ہوئی ہو تو پھر اس کو قاضی اپنی عدالت میں طلب کرے اور سختی اور ناگواری کے ساتھ اس کو گھورے (سابقہ حوالہ)۔

(۳) الخطاب بالمواجہۃ: یہ شکل بھی سابق شکل میں داخل ہے اس میں بھی قاضی ناگواری کے ساتھ ہی پیش آئے گا، مگر ابھی کچھ زبان سے نہیں کہے گا (بدائع ۷؍۶۴)۔

(۴) النصح والتوجیہ: اس صورت میں اب تادیب فعلی سے تادیب قولی کی طرف رجوع کرے گا، جب اس کو بالفعل تنبیہ نہیں ہوئی تو اب بالقول اس کو نصیحت کرے گا۔

(حیث جاء فی بدائع الصنائع: وتعزیز الاشراف بالاعلام والجرالی باب القاضی وبالمواجہۃ۷؍۶۴ ، وکذا جاء فی احکام جرائم الاحداث، ص: ۱۰۱، مغنی المحتاج ۴؍۱۹۲-۱۹۹، تبیین الحقائق ۳؍۲۰۷-۲۰۸، الاحکام السلطانیہ للماوردی،ص: ۲۰۴، السیاسیۃ الشرعیہ، ص:۹۷، الحسبۃ لابن تیمیہ،ص: ۳۸)۔

(۵) التوبیخ: نصیحت کرنے پر جب باز نہ آئے تو پھر اس کو ڈانٹا ڈپٹا جائے۔

(۶) التعنیف والتجریح: جب ڈانٹنے ڈپٹنے سے کام نہ چلے تو پھر اس کی گوشمالی کی جائے، تاکہ اس کو کچھ جسمانی تکلیف ہو۔

درمختار مع رد المحتار میں ہے:

‘‘وفرک الأذن وبالکلام العنیف وینظر القاضی إلیہ بوجہ عبوس’’ (۳؍۱۷۸)۔

(۷) الضرب: اگر ہلکی پھلکی جسمانی سزا یعنی گوشمالی سے بھی کام نہ چلے تو پھر اس کی ہلکی پھلکی پٹائی بھی کی جاسکتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:‘‘مروا أولادکم بسبع واضربوہم علیہا بعشر’’ (سات سال کے ہونے پر نماز کا حکم دو اور دس کے ہونے پر

اس کی پٹائی کرو)۔

(۸) اتلاف محل الانحراف: تادیبی انواع میں ایک شکل اس جگہ کا ختم کردینا بھی ہے، جس کی وجہ سے بچے بگڑ رہے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے مسجد ضرار کو ڈھادیا تھا، اسی طرح حضرت عمرؓ اور علیؓ نے شراب کے اڈے کو جلادیا تھا، جس جگہ شراب بیچی جاتی تھی (الحسبہ لابن تیمیہ، ص: ۴۳-۴۷، کذا فی السیاسۃ الشرعیہ، ص: ۹۷-۹۸)، بلکہ آپ ﷺ سے بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے شراب کے برتنوں کو توڑنے کا حکم دیا تھا۔

طرق حکمیہ میں ہے:

''ومثل أمرہ ﷺ بکسر دنان الخمر وشق ظروفہا .... ومثل ہدم مسجد الضرار'' (الطرق الحکمیہ ، ص: ۲۴۶ تا۲۵۸)۔

(۹) المصادرۃ: انواع تادیب میں سے مصادرۃ بھی ہے یعنی اس کو ضبط کرلینا جس کی وجہ سے بگاڑ پیدا ہورہا ہے، مثال کے طور پر آپ ﷺ نے مانعین زکوۃ سے انکا آدھا مال بیت المال میں جمع کروایا (مزید دیکھئے:تبیین الحقائق ۲۰۸،۳، احکام جرائم الاحداث ، ص: ۱۶۸، الطرق الحکمیہ، ص: ۲۴۵)۔

***

بچوں سے متعلق حقوق

مفتی عبد اللہ کاوی والا•

بچوں کی تربیت کی ذمہ داری اور اہمیت سے متعلق چند آیات واحادیث درج کرتا ہوں، تاکہ تربیت سے متعلق اسلامی احکام وذمہ داری سمجھ میں آجائے۔

* ‘‘یا أیہا الذین آمنوا قوا أنفسکم وأہلیکم ناراً وقودہا الناس والحجارۃ علیہا ملائکۃ غلاظ شداد لا یعصون اللہ ما أمرہم ویفعلون ما یؤمرون’’ (سورہ تحریم: ۶)۔

* ‘‘وأنذر عشیرتک الأقربین’’ (سورہ شعراء: ۲۱۴)۔

* ‘‘وأمر أہلک بالصلاۃ واصطبر علیہا’’ (سورہ طہ: ۱۳۲)۔

مذکورہ بالا تینوں آیات کے ذریعہ اولاد کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری ماں باپ پر عائد کی ہے، اور اس کے متعلق انذار کا پہلو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، اور اولاد کے حقوق کی ادائیگی کے لئے صبر کا حکم ملا ہے۔

احادیث مبارکہ اس سلسلہ میں بے شمار ہیں ، بخاری شریف میں ہے۔

۱۔ ‘‘کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ ....’’ (متفق علیہ، مشکوۃ۱،۳۲۱)۔

۲۔ ‘‘عن ابن عباس عن النبیﷺ أنہ قال افتتحوا علی صبیانکم أول کلمۃ بلاإلہ إلا اللہ’’ (رواہ الحاکم، کنز العمال ۱۶،۴۵۳۳۲)۔

۳۔ ‘‘علموا أولادکم وأہلیکم الخیر وأدبوہم’’ (رواہ عبد الرزاق وسعید بن منصور فی مصنفہ)۔

۴۔ ‘‘إن اللہ سائل کل راع عما استرعاہ حفظ أم ضیع حتییسئل الرجل عن أہل بیتہ’’ (رواہ ابن حبان)۔

۵۔ ‘‘عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہﷺ زوجوا أبناءکم وبناتکم وحُلوہن الذہب والفضۃ وأجیدوا لہن الکسوۃ وأحسنوا إلیہن بالحلۃ لیرغب فیہن’’ (مستدرک حاکم، کنزالعمال ۱۶،۴۵۳۳۲)۔

۶۔ ‘‘اعملوا بطاعۃ اللہ واتقوا معاصی اللہ ومروا أولادکم بامتثال الأوامر واجتناب النواہی فذلک وقایۃ لہم ولکم من النار’’ (ابن جریر وابن منذر)۔

مذکورہ بالا چھ (۶) احادیث مبارکہ میں اولاد کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری ماں باپ پر عائد فرمائی ہے، جس میں اولاد کو جب وہ بولنے لگے تب کلمہ توحید ‘‘لا إلہ إلا اللہ ’’

• صدر مفتی دار الافتاء، دار العلوم کنتہاریہ، بھروچ، گجرات۔

سے شروع کرنے کاحکم فرمایا، اولاد کو دینی تعلیم اور بھلائی وادب کی تعلیم دینے کا حکم فرمایا، اپنی ذمہ داری اور قیامت کے دن اولاد سے متعلق ماں باپ سے باز پرس ہوگی، اس میں تنبیہ فرمائی، تاکہ ماں باپ اولاد کی تعلیم وتربیت اور حقوق سے غفلت نہ برتیں، اولاد کے بالغ ہونے کے بعد بچے اور بچیوں کے نکاح پڑھانے کی ذمہ داری بچوں کی طرف رغبت ہوں، اس لئے سونے، چاندی، بہترین عمدہ کپڑوں سے آراستہ کرنے کا حکم فرمایا، اولاد ایک عظیم نعمت ہے، اس کی حفاظت، تعلیم وتربیت اور ادائے حقوق کے ذریعہ کییا نہیں کی اور اولاد کو ضائع تو نہیں کیا، اس کی باز پرس سے حدیث میں باخبر فرمایا، ان احادیث سے ماں باپ پر عائد ہونے والے اولاد کے حقوق، تعلیم وتربیت کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

بچوں کے حمل کی صورت رہنے اور دودھ پلانے کی فضیلت اور پیش آنے والے مصائب جھیلنے پر فضائل احادیث مبارکہ اس انداز سے پیش کئےہیں کہ مائیں اپنے بچوں کی رضاعت میں فخر کریں، رغبت سے کام لیں، چنانچہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا: عورت اپنی حالت حمل سے لے کر بچہ جننے اور دودھ چھڑانے تک فضیلت وثواب میں ایسی ہے جیسے اسلام کی راہ میں سرحد کی نگہبانی کرنے والا (جس میں ہر وقت وہ مجاہدہ کے لئے تیار رہتا ہے) اور اگر (عورت) اس درمیان مرجائے تو اس کو شہید کے برابر ثواب ملتا ہے (طبرانی عن ابن عمر)۔

دوسری روایت میں ہے، رسول اللہﷺ نے فرمایا جب عورت بچہ کو دودھ پلاتی ہے تو ہر گھونٹ کے پلانے پر اس کو ایسا اجر ملتا ہے جیسے کسی جاندار کو زندگی دیدی، پھر وہ جب دودھ چھڑاتی ہے تو فرشتہ اس کے کندھے پر (شاباشی سے) ہاتھ مارتا ہے اور کہتا ہے کہ ''پچھلے گناہ سب معاف ہوگئے، اب آگے جو گناہ کا کام ہوگا وہ آئندہ لکھا جائے گا، معافی سے مراد گناہ صغیرہ ہے، یہ بھی کیا تھوڑی بات ہے؟ (بہشتی زیور۸،۴۶۷)۔

اسلام میں اولاد کی کثرت مقصود ہے، اسی وجہ سے آپﷺ نے فرمایا: ''تزوجوا الودود الولود فإنی أباہی بکم الأمم'' (مشکوۃ، ابن ماجہ)۔

رسول اللہﷺ نے فرمایا: ''جو عورت کنوارے پن کی حالت مینیا حمل میں بچہ جنتے وقت یا نفاس کے ایام میں مرجائے اس کو شہادت کا درجہ ملتا ہے (ترمذی)۔

ایسے ہی آپﷺ کا فرمان ہے جو حمل گرجائے وہ بھی اپنی ماں کو گھسیٹ کر جنت میں لے جائے گا جب کہ وہ عورت ثواب سمجھ کر صبر کرے، آپﷺ نے فرمایا : جس عورت کے تین بچے مرجائیں اور ثواب سمجھ کر صبر کرے تو جنت میں داخل ہوگی، ایک عورت بولییا رسول اللہﷺ جس کے دوہی بچے مرجائیں؟ آپﷺ نے فرمایا: دو کا

بھیبہی ثواب ہے، ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابیؓ نے ایک بچہ کے مرنے کو پوچھا اس میں بھی بڑا ثواب بتلایا ہے، ایسے ہی بچوں کو دودھ پلانے پر اور رات کو جاگنا پڑے اس عورت کو راہ خدا میں ستر (٧٠) غلاموں کو آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے(کنز العمال)۔

آپﷺ نے فرمایا جو عورت بیوہ ہوجائے اور خاندانی بھی ہے، مالدار بھی ہے، لیکن اس نے اپنے بچوں کی خدمت اور پرورش میں لگ کر اپنا رنگ میلا کردیا،یہاں تک کہ وہ بچے یا تو بڑے ہوکر الگ رہنے لگے یا مر مراگئے ہوں تو ایسی عورت جنت میں مجھ سے ایسی نزدیک ہوگی جیسے انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی ساتھ میں ہے۔

اولاد کی فضیلت واہمیت کے لئے آپﷺ کا فرمان ''تزوجوا الودود الولود فإنی أباہی بکم الأمم '' کافی ہے، تاہم اولاد کا ہونا بھی کتنا بڑا فائدہ ہے، زندگی میں بھی وہ سب سے بڑھ کر تعلیم وتربیتیافتہ اور اخلاق حسنہ سے مزین ہو کر ماں باپ، قرابتداروں، پڑوسیوں اور اہل وطن کے لئے خدمت گزار، مددگار اور فرمانبردار اور خیر خواہ ہوتے ہیں، اور مرنے کے بعد ان کے لئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب بھی کرتے ہیں اور بچپن میں انتقال کی صورت میں میدان محشر میں سفارشی ہوتے ہیں، اگر زندہ رہے اور آگے نسل چلی تو دین اسلام کو اپنانے والے، پھیلانے والے، مذہب اسلام کے مجاہد، مبلغ، محدث وفقیہ بن کر احیائے دین کا سبب بنتے ہیں، سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ امت اجابت کی کثرت کا سبب بن کر رسول اللہﷺ کے لئے میدان محشر میں باعث فخر ثابت ہونگے۔

اللہ نے والدین کے دلوں میں ایسی محبت پیدا کردی کہ والدین ان کی تربیت اور پرورش کرنے پر مجبور ہیں،یہ اللہ کا نظام ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اولاد کی بہتر سے بہتر ایمانی، اسلامی، اخلاقی تربیت کی جائے تاکہ ان کی زندگی ان کے حق میں جنت کا نمونہ بنے اور دنیا سے جانے کے بعد جنت کے مستحق بنیں۔

اولاد کے حقوق ترتیب بالترتیبیہ ہیں:

١۔ ہونے والے بچوں کی ماں دیندار اوراخلاق حسنہ سے مزین پرہیزگار ہوں، اس لئے آپﷺ نے فرمایا: ''یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فإنہ أغض للبصر وأحسن للفرج، ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فإنہ لہ وجاء'' (مشکوۃ)۔

وقال النبیﷺ: تنکح المرأۃ لأربع لمالہا ولحسبہا ولجمالہا ولدینہا فاظفر بذات الدین تربت یداک'' (ترمذی، بخاری)۔

دیندار عورت سے نکاح پڑھنے میں ہونے والے بچوں کی تربیت اچھی طرح ہوگی، اور بچوں کے ایمان ودین کی حفاظت ہوگی، اسی لئے اگر بچوں کے ایمان اور دین کے بارے میں بچوں کی ماں کی جانب بے دینی، فسق وفجور اور ایمان واسلام کے لئے ماں کی حضانت میں رہنے میں خطرہ لاحق ہوں تو باپ کو یہ حق رہے گا کہ اپنے بچوں کو ان

خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے اس ماں سے دور رکھے، ماں کا حق حضانت اس بڑے خطرہ کیوجہ سے ساقط ہوجائے گا۔

۲۔ ‘‘تزوجوا الودود الولود’’ میں حمل کی حفاظت یہ بڑا ابتدائی بچوں کا حق ہے، اسی لئے زمانہ جاہلیت میں ‘‘موؤدہ ’’ کے بارے میں اللہ کا فرمان وارد ہوا : ‘‘وإذا الموؤدة سئلت بأی ذنب قتلت’’، اور عزل کی ممانعت وارد ہوئی اور اسقاط حمل کو حرام ٹھہرایا اور اسے اورعزل کو وأد صغیر سے تعبیر کیا، اسلام میں اولاد کی کثرت، ان کی دینی ایمانی اسلامی اخلاقی تعلیم وتربیت کے ساتھ مطلوب ہے۔

۳۔ نسل بڑھتی رہے، اس لئے لڑکیوں کوزندہ درگوری کو بہت بڑا گناہ ٹھہرایا اور احادیث میں لڑکیوں کی مکمل تربیت پر اور ان کے انتقال پر ترغیبی باتیں اور فضائل پیش کئے گئے ہیں، نسل کشی کو حرام ٹھہرایاگیا۔

۴۔ حمل کی حفاظت کا حکم فرمایا، اور ‘‘حملہ کرہاً ووضعتہ کرہا ’’ کہہ کر ماں کی اہمیت اور احسان قرآن کریم میں جتایا گیا، اس حالت کی موت کو شہادت کا درجہ دیا گیا۔

۵۔ بچہ کی پیدائش پر احکام نفاس میں سہولت رکھی گئی۔

۶۔ بچہ کو غسل دے کر داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کا حکم دیا گیا، تاکہ دنیا میں آتے ہی بچہ کے کام ودل ودماغ میں اللہ کی کبریائی اور عظمت اور رسول پاک ﷺ کی رسالت کی شہادت اور صلاۃ وفلاح کی بنیادی ندا پہنچ جائے۔

۷۔ بچہ کی تحنیک کاحکم تفاؤلا دیا۔

۸۔ مدت حمل اور مدت رضاعت میں ماں کو اچھے صفات اور اچھے کردار کے ساتھ رہنے کا حکم دیا تاکہ اچھے اثرات نومولود پر پڑے۔

۹۔ ساتویں دن بچہ کا اچھا نام رکھ کر عقیقہ کا حکم دیا گیا اور اس کی فضیلت بتائی گئی۔

۱۰۔ جب بچہ بولنا شروع کرے تو سب سے پہلے اپنے خالق اور مالک حقیقی کا نام زبان پر جاری رہے، کلمہ ‘‘لا إلہ إلا اللہ محمد رسول اللہ’’ بولنا سکھایا جائے۔

۱۱۔ بچہ کی رضاعت، طہارت ونظافت اور صحت کا خیال رکھا جائے۔

۱۲۔ قرآن کریم اور دینی ضروری تعلیم دی جائے۔

۱۳۔ سات سال کی عمر ہونے پر نماز کا حکم دیا جائے، عصری ضروری تعلیم دی جائے۔

۱۴۔ اللہ اور رسول پاک کی اطاعت اور اوامر اور نواہی کا علم سکھایا جائے۔

۱۵۔ اخلاق حسنہ سے تربیت کے ذریعہ مزید کیا جائے۔

۱۶۔ خوف خدا پیدا کیا جائے، حلال وحرام اور نیکی اور گناہ کے کاموں سے خوب اچھی طرح آگاہ کیا جائے اور ارکان اسلام کی اچھی طرح تعلیم دی جائے۔

۱۷۔ ماں باپ کی اطاعت وخدمت شریعت مطہرہ کی حدود میں رہتے ہوئے کس طرح کی جائے، حلال کمائی میں لگایا جائے۔

١٨۔ جوان ہونے پر دین دار لڑکی لڑکا سے نکاح پڑھایا جائے۔
١٩۔ میاں بیوی کے حقوق کی تعلیم دی جائے۔
٢٠۔ نافرمانی، حق تلفی، ایذا رسانی کے برے ماحول سے دور رکھا جائے اور ایسی بری عادتیں پڑجانے پر پیار ومحبت اور نرمی کے ساتھ سمجھائیں، پھر بھی اصلاح نہ ہوں تو سزا شریعت کی حد میں رہ کر دی جائے، اور نیک بچوں کی صحبت میں رکھے جائیں، خوب خوب دعائیں اپنی اولاد کے حق میں کیا کریں، کیونکہ ماں باپ کی دعائیں اولاد کے حق میں قبول ہوتی ہیں، بددعا کرنے سے گریز کریں۔

الف۔ بچوں کی حق پرورش (حق حضانت) کے سلسلہ میں اسلام کی بنیادی ہدایات مر دکے دیندار عورت اور ودود الولود کو نکاح میں لانے کی ترغیب کے ساتھ حمل کی حفاظت، عزل واسقاط حمل کی حرمت اور اسے وأد صغیر قرار دینا، اور اس کے سد باب کے لئے سخت وعید اور ترغیب کے لئے ‘‘فإنی أباہی بکم الأمم’’ فرمانا، اور حق حضانت کا ختم ہوجانا اگر بچہ کے ایمان ودین کے بارے میں بچہ کی ماں کی جانب سے خطرہ لاحق ہو، بچہ کی عمرکے اعتبار سے نو دس سال تک ماں کو حق حضانت حاصل ہے، اس دوران ماں کے فسق وفجور، مرتدہ بد دین ہونے کی وجہ سے بچہ کی بنیادی تعلیم وتربیت میں چاہے تعلیمی، اعتقادی (عقائد) کے اعتبار سے یا تربیتی، جسمانی،نفسیاتی پہلو سے مضرت کا اندیشہ ہو تو حق پرورش ماں سے ختم ہوکر نانی کی طرف منتقل ہوجائے گی، کیونکہ بچہ کے مفاد یعنی ایمان واسلام اور دینداری، تقوی وپرہیزگاری کا دارومدار بنیادی پرورش پر موقوف ہے، کیونکہ ماں کی گود ہی ہر بچہ کے لئے بنیادی تعلیم وتربیت کا مدرسہ ہے، اگر اس میں بچہ کے حق میں کامیابی مل گئی تو بچوں کے لئے مستقبل کی کوئی خاص فکر رہتی نہیں۔

ب۔ بچوں کی ایمان واسلام، عبارات، حقوق، حلال وحرام، اخلاق حسنہ اور اسلام کےپانچوں ارکان کما حقہ تعلیم دینا اور خوب اچھی طرح تربیت کرنا کہ بالغ ہونے کے بعد ایمانی غیرت اور اخلاق حسنہ کے ساتھ تمام ارکان اسلام کے فرائض کے کما حقہ مرتے دم تک قائم ودائم رہے، جو پچھلے صفحات میں بالتفصیل ذکر کئے گئے ہیں۔

٢۔ بچوں اور بچیوں کو دینی تعلیم مکمل طور پر دینا ضروری ہے، حدیث میں ‘‘طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم’’ کے پیش نظر، تاکہ زندگی کے ہر موڑ (جوانی، بڑھاپا) تک دین اسلام پر کما حقہ قائم رہے، عصری تعلیم ضرورت کی مقدار سیکھنا ضروری ہے، ضرورت سے زائد سیکھنا بہتر ہے، ضروری نہیں ہے، عصری تعلیم کے لئے عام مسلمانوں کو ضرورت دنیا کے ہر شعبہ میں کچھ نہ کچھ مسلمان تعلیمیافتہ ہونے چاہئے ۔

٣۔ اگر حکومت کسی سطح تک کی تعلیم کو لازم کرتی ہے تو اس نصاب کو دیکھا جائے گا، اگر مسلمان بچوں کے لئے ایمانی واسلامی اعتبار سے ضرر رساں ہو تو اس کو

چھوڑنا ضروری رہے گا، اور اگر ایسا خطرہ نہ ہو تو اس کی پابندی میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اس کی پابندی سے دنیوی ضروریات میں عموماً مسلمانوں کو اس کا عظیم فائدہ ہوگا۔

۴۔ جنسی تعلیم بچو نکا حق نہیں ہے، بے حیائی کو عام کرے گی، حیا جو ایمان کا جزء ہے اس کو ختم کرنے والی ہے، اور زنا کاری بے حیائی کا دروازہ کھولنے والی تعلیم ہے، جنس کی تعلیم کی ضرورت اس لئے بھی نہیں ہے کہ وہ فطری چیز ہے، اس کو سکھانے کی ضرورت نہیں ہے، اپنے بچوں کو اسباب زنا یعنی زنا کے قریب کرنے والی چیزیں، ان سب کی حرمت بتانے کی ضرورت ہے، اسلام پاکیزہ مذہب ہے، مردوں عورتوں کی عفت مقصود ہے، یہ جنس کی تعلیم عفت کو ختم کرنے والی ہے، اس لئے اس تعلیم سے بچوں، بچیوں کو دور رکھا جائے۔

ج۔ بچوں اور بچیوں کے بلوغ کے بعد ماں باپ ان کے حالات سے واقف ہوجائیں کہ اس عمر بلوغ کے بعد بچوں بچیوں کی حالت اس درجہ تک پہنچ چکی ہے کہ نکاح نہ کرانے پر گناہ وزنا کاری میں مبتلی ہونے کا قوی اندیشہ ہے تو بالغ ہوتے ہی جلد نکاح پڑھوادینا ضروری ہوگا، جیسا کہ البحر الرائق، النہر الفائق وغیرہ کتب فقہ وفتاوی میں ضروری بتایاگیا جب کہ نکاح کے لئے زوجہ کے نان نفقہ، مہر وسکنی پر قادر ہو، اور شہوۃ کا غلبہ اس طرح ہو کہ نکاح نہ پڑھنے میں زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو، ''وعند التوقان واجب .... غیر أنہ إن کان بحیث لا یمکنہ الاحتراز عنہ (عن الزنا) إلا بہ کان فرضاً'' (النہر الفائق ۱۷۵،۱)۔ اور حالت اعتدال میں سنت ہے:''وہو سنۃ مؤکدۃ علی الأصح یعنی حالۃ الاعتدال بدلیل جعل التوقان مقابلاً وہو القدرۃ علی المہر والنفقۃ والوطءمع عدم الخوف من الزنا والجور وترک الفرائض والسنن'' (النہر الفائق۱۷۵،۲)۔

لڑکے کے بالغ ہونے کے بعد پختہ شعور پیدا ہونے کے بعد ۱۸ سال سے ۲۰ سال کی عمر ہوجانے پر نکاح پڑھا دینا چاہئے، اس سے کم عمری مینیا زیادہ بڑی عمر ہونے تک تاخیر نہ کی جائے، اس وقت اگر لڑکا، لڑکی زنا میں مبتلا ہوجائیں تو تاخیر کرنے والے ماں باپ گنہگار ہونگے، اسلامی تعلیمات اور شرعی ہدایاتیہی ہیں کہ بلا تاخیر جلد ازجلد نیک دیندار جوڑا تلاش کرکے نکاح پڑھادیا جائے۔

د (۱): چونکہ نابالغ اولاد کا نان نفقہ باپ پر ہے جیسا کہ الفقہ الاسلامی میں لکھا ہے: ''ودلیل وجوب نفقۃ الولد ما دام صغیراً لم یبلغ علی أبیہ قولہ تعالی وعلی المولود لہ رزقہن وکسوتہن بالمعروف'' (سورہ بقرہ: ۲۳۳) ....اتفق الفقہاء علی أن نفقۃ الأقارب والزوجات تجب بقدر الکفایۃ من الخبز والأدم والکسوۃ والسکن علی حسب حال المنفق وبقدر العادۃ أو عوایدالبلاد لأنہا وجبت للحاجۃ والحاجۃ تندفع بالکفایۃ کنفقۃ الزوجۃ وقد قال النبیﷺ لہند:خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف فقدر نفقتہا وولدہا بالکفایۃ'' (الفقہ الاسلامی۷،۷۲۴، ۷۲۶) ۔

بچوں اور بچیوں کا نفقہ باپ پر ہونے کی وجہ سے ان کی تعلیم کے ایام میں بچوں سے مزدوری کروانا ظلم ہے، اس طرح کے مزدوری کے کام سے دور رکھے جائیں، اور دینی دنیوی عصری تعلیمات سے ان کو آراستہ کئے جائیں،یہ ایک بچوں کا باپ کے ذمہ فریضہ ہے، اس سے غفلت برت کر ان سے مزدوری لینا، ان کی زندگی کو برباد کرنا ہے۔

(۲) والدینیااولیاء نابالغ بچے اور بچیوں سے اپنے گھر کا کام بطور تربیت لے سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ ان کی صحت پر اثر نہ ہو، ان کی جوانی ٹوٹنے نہ پائے اور ان کا مستقبل تاریک نہ ہونے پائے، او رمحتاج محض ہوکر نہ رہ جائے، ان تمام امور کے ساتھ ساتھ گھر کے کام کرکے خدمت کا جذبہ برقرار رہے، کیونکہ بچے امانت ہیں اللہ کی طرف سے، اس سلسلہ میں پوچھ ہوگی جیسا کہ حدیث میں ہے: ''ألا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ''، اور ضروری امور خانہ داری جن کی ان کو ضرورت پڑے گی ایسے کام حتی المقدور ضرور لیے جائیں، مذکورہ بالا قیودات کو مدنظر رکھتے ہوئے معاشی ضروریات پورا کرنے یابہتر بنانے کے ارادہ سے ان کی طاقت کے مطابق اس طرح مزدوری کراسکتے ہیں،یہ رزق حلال کمائی کا فریضہ ہے، جس سے آگے چل کر ان کو دولت کی قدر دانی ہوگی بشرطیکہ ان کی تعلیم میں کوئی حرج نہ ہو، اسی طرح انہیں مذکورہ بالا امور کا خیال رکھتے ہوئے پیشہ ورانہ کام سکھانے کے لئے کام سے لگاسکتے ہیں،یہ ان کے حق کی ادائیگی کےساتھ انکے ساتھ خیر خواہی ہے۔

(۳) جب ماں باپ خود انتہائی غربت وفقر وفاقہ اور معاشی بدحالی میں مبتلی ہوں اور زندگی کے گزارہ کے لئے کوئی سبیل نہ ہو او رکسی طرح خود کمانے کے لائق نہ ہوں اور مسلمانوں کی طرف سے بیت المال زکوۃ وغیرہ کے ذریعہ کسی قسم کا تعاون نہ ہوتا ہو اس وقت معذور ہونے کے باوجود کوئی ان کی نصرت نہ کرتا ہو سوال کی اجازت ہے، سوال کرکے اپنی ضروریات پوری کریں اور حتی الامکان بچوں کو مزدوری پر لگانے سے روکیں اور صبر سے کام لیں، ان کو بہترین تعلیم، صنعت وہنر کی تعلیم دے کر ان کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کریں۔

(ہ) شرعاًبالغ ہونے سے پہلے اگر لڑکوں اور لڑکیوں سے جرائم سرزد ہوں، مثلاً قتل، غارت گری، چوری، زنا بالرضا یا زنا بالجبر تو ان کو اس بری عادت سے چھڑانے کے لئے تعزیر کے طور پر سزا ضرور دیجائے، ان کو بروں، فاسق وفاجر کی صحبت سے دور رکھا جائے، اچھے نیک لوگوں کی صحبت میں رکھے جائیں، کچھ مدت کے لئے جیل خانہ میں رکھ کر تربیت کی جاسکتی ہے، ان کو ان کے حال پر بالکل نہ چھوڑ دیاجائے، موجودہ زمانہ میں ان کی دینی، دنیوی تعلیم وتربیت کے بہترین دینی ادارہ بیت الصبیان (بچو نکے گھر) کی صورت میں ہر صوبہ اور ہر ضلع میں قائم کئے گئے، وہاں ان کو داخل کردیئے جائیں، لڑکیوں کے لئے مدرسۃ البنات قائم کئے گئے، وہاں لڑکیوں کو

داخلہ دے دیا جائے تاکہ وہ مذکورہ بالا جرائم سے محفوظ رہ سکیں،یہ ذمہ داریاں بچوں بچیوں کے اولیاء کی ہیں، قوم کے رہبر علمائے کرام بھی بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔

(و) ان کو جیلوں میں رکھنے کا مقصد ایسے گندے ماحول سے محفوظ رکھنا ہے، سخت مار پیٹائی کی ضرورت نہیں، ان کے برداشت کے مطابق ان کو روکنے کی غرض سے ہلکی سزا دی جائے، سخت سزا جس کے نشانات بدن پر پڑے منع ہے، ان کی اصلاح کے لئے جیلوں میں تعلیم وتربیت جاری کی جائے۔

(ز) جب حکومت غیر اسلامی ہو جیسا کہ ہمارا ہندوستان تو وہاں مسلم برداران ہی ایسے بچوں کے لئے اپنے طور پر تعلیمی تربیتی ادارے قائم کرکے ان کی مکمل نگہبانی فرمائیں، بیت المال قائم کئے جائیں، ان کے مصارف کا مسلمان ہی انتظام فرمائیں، عام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ ایسے بچوں کی تعلیم وتربیت کا بہترین نظم فرمائیں،یہی احکام لقیط کے لئے ہیں۔

(ح) اپنے حد درجہ بڑھے ہوئے افلاس کی وجہ سے اور پرورش کی استطاعت نہ رکھنے کی وجہ سے کسی کو اپنا بچہ تعلیم وتربیت وپرورش کے لئے حوالہ کرسکتے ہیں، لیکن بے تعلق نہیں ہوسکتے ہیں، اور بچہ کے عوض ہدیہ نہیں لے سکتے ہیں،یہ صورتاً ہدیہ ہے حقیقۃً قیمت ہے، اس طرح آزاد بچہ اسلامی شریعت میں مال نہیں ہے، اس کی بیع باطل ہے، اس طرح اپنی حاجت پوری کرنا جائز نہیں ہے، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا ہے، ایسے ناجائز سودوں کی روک تھام کے لئے ان کو سخت سزا دی جائے اور حلال کمائی اور محنت کی ترغیب دی جائے، اگر نہیں رکتے تو جیل خانہ میں ایسے ماں باپ کو رکھا جائے تاکہ ان کی برائی متعدی نہ ہونے پائے۔

(ط) ایسے معذور بچوں کی تعلیم وتربیت کا ادارہ قائم کیا جائے اور عوام مسلمانوں سے چندہ فراہم کرکے ان کی تعلیم وتربیت ونگہبانی کی جائے، یہ بہت بڑی خدمت اور کار ثواب ہے، حتی المقدور علاج کرایا جائے، اگر ماں باپ قادر نہ ہوں یا مجبور ہونتو ہسپتال میں داخل کرکے معذور کی نگہداشت اور جس طرح ہوسکے فکر کریں، دیکھ بھال کرتے رہیں اپنی ذمہ داری سے غفلت برتنا اور فرار اختیار کرنا بہت بڑا ظلم اور حق تلفی کا گناہ ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

***

بچوں کے حقوق –اسلامی فقہ کی روشنی میں

مفتی صادق پٹیل دیولوی•

(١) بچوں کی حضانت کا حق ماں کو ہے،بچہ سات سال کا ہوجائے تو باپ کو ہے اور لڑکی ماں کے پاس بالغہ ہونے تک رہے گی۔

(٢) اسلام میں بچیوں کو بالغ ہونے سے پہلے پہلے مخلوط دنیوی تعلیم سے فارغ کردے، اس طرح بچوں کو بھی۔

(٣) بالغ ہوتے ہی بچوں کا نکاح کردینا ماں باپ کو ضروری ہے، ورنہ گنہ گار ہونگے۔

(٥) ماں باپ کی ذمہ داری بچوں کی تعلیم اور تربیت ہے، اس سے مزدوری کی وجہ سے محروم کرنا جائز نہیں ہے، مجبوری کے وقت بچہ مزدوری کرسکتا ہے جائز ہے۔

(٦) تعلیم کا حرج نہ ہو تب تک بچوں سے گھریلوں کام کاج کراسکتے ہیں۔

(٧) بچوں سے جرائم سرزد ہو تو حد نہ لگے گی، والدین سرزنش کرے تاکہ چوری ڈاکہ زنی نہ کرے۔

(٨) بے سہارا بچوں کی نگرانی رشتہ داروں کے ذمہ ہے، اس کو سماج دباؤ ڈال کر کروائے۔

(٩) دوسروں کو پرورش کے لئے مجبوراً دےسکتےہیں لیکن ماں باپ کا نام بدلنا جائز نہیں ہے۔

(١٠) بیماری کی وجہ سے بچوں کو دواخانہ میں رکھ کر پرورش سے محروم کرنا جائز نہیں ہے۔

بچوں کی تربیت سے بچے دین اور مقدمہ دین کی فلاح پالیتے ہیں،یہ بچے ملک اور دنیا دونوں کی ترقی اور کامیابی کا ذریعہ تعلیم اور تربیت سے بنتے ہیں، اگر تربیت نہ کی تو دنیا اور آخرت کی ناکامی کا ذریعہ ہے۔

***

• دار العلوم حسنیہ مانگرول، جناگڑھ، گجرات۔

اسلام میں بچوں کے حقوق

مولانا نعیم اختر قاسمی•

ذی روح مخلوقات میں انسانی بچہ پیدائش کے بعد انتہائی نرم ونازک، کمزور وناتواں، مجبور ومعذور اور شعور وادراک سے دور ہوتا ہے، ابتدائی چند سالو نتک وہ مکمل دیکھ ریکھ اور نگہداشت کا محتاج ہوتا ہے، شب وروز توجہ کا تقاضا کرنے والی جسمانی نشو ونما کے اس مرحلہ میں کسی بھی قسم کی کمییا کوتاہی بچہ کی زندگی کے لئے نقصان دہ ہوسکتی ہے۔

پرورش کاحق:

یوں تو بچہ ہرایک کی آنکھوں کا تارا اور سب کادلارا ہوتا ہےلیکن اس کی مکمل پرورش اور نشو ونما کے لئے طبعاً جن جذبات واحساسات، شفقت ومحبت، دلسوزی ودلجمعی اور ایثار وقربانی کی ضرورت ہوتی ہے وہ مرد کی بنسبت عورت کے اندر زیادہ پائی جاتی ہے، نیز معاشی ذمہ داریوں سے آزاد رہنے کی بنا پر وہ گھر میں رہ کر بچہ کی ہمہ وقت دیکھ بھال کے لئے اپنے کو زیادہ سے زیادہ فارغ کرسکتی ہے، مزیدیہ کہ ابتداءً بچہ کی غذائی ضرورت بھی ایک عورت ہی پوری کرسکتی ہے، انہیں وجوہات اور عورتوں کی انہیں فطری صلاحیتوں کی بنا پر شریعت نے عورتوں کو بچوں کی پرورش کا اولین حقدار تسلیم کیاہے،علامہ کاسانی کے الفاظ میں:

''الأصل فیہا النساء لأنہن أشفق وأرفق وأہدی إلی تربیۃ الصغار'' (بدائع الصنائع ٣،٤٥٦)۔

حتی کہ عورت اگر غیر مسلم ہو تو بھی پرورش کی وہی حقدار ہوگی، کیونکہ دین کے مختلف ہونے سے ممتا اور شفقت متاثر نہیں ہوتی، البتہ بچے کے اندر جب دین سمجھنے کا شعور پیدا ہوجائے (جس کی تعیین سات سال سے کی گئی ہے) (الدر المختار علی ردالمحتار ٥،٢٦٥)، یا اس سے پہلے ہی اس بات کا اندیشہ ہو کہ کفر وشرک سے بچہ مانوس ہونے لگے گا تو غیر مسلم عورت کی پرورش سے بچہ کو دور کردیا جائے گا، ہدایہ میں ہے:

''والذمیۃ أحق بولدہا المسلم ما لم یعقل الأدیان أو یخاف أن یألف الکفر'' (ہدایہ٢،٤٣٦)۔

مدت حضانت:

عورتوں کا حق حضانت بچہ (نر) ہونے کی صورت میں اس وقت تک باقی رہتا ہے

• مدرسہ عربیہ مصباح العلوم کوپاگنج، مئو یوپی۔

جب تک وہ بچہ جسمانی اعتبار سے خود کفیل نہ ہوجائے، یعنی خود سے کھانے، پینے اور استنجاء وغیرہ کرنے لگے جس کی تحدید فقہاء نے حدیث ''مروا صبیانکم إذا بلغوا سبعاً'' کی روشنی میں سات سال سے کی ہے، وبہ یفتی(رد المحتار۲۶۷،۵)، تو پرورش کا حق علی ترتیب العصبات مردوں کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، کیونکہ اب اسے علم وہنر، تہذیب وسلیقہ اور آداب واخلاق سے مزین ہونے کی ضرورت ہے اور یہ ذمہ داری ایک مرد زیادہ بہتر طریقہ سے انجام دے سکتا ہے (بدائع ۴۵۹،۳)۔

اور بچی (مادہ) ہونے کی صورت میں اس مرحلہ کے بعد بھی عورتوں کا حق حضانت باقی رہتا ہے، کیونکہ شعور وادراک پیدا ہونے کے بعد اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ بچی عورتوں کے آداب واخلاق اور نسوانی طور وطریقے کو اپنائے اور امور خانہ داری میں سوجھ بوجھ اور مہارت پیدا کرے اور ایک ہی کی تربیت اور پرورش میں مذکورہ امور زیادہ بہتر طریقے سے انجام پاسکتے ہیں (حوالہ سابق)۔

پھر پرورش کرنے والی عورت اگر ماں، نانیا دادی ہو تو بچی کے بالغ ہونے کے بعد اور اگر ان کے علاوہ کوئی اور ہو تو حد اشتہاء تک پہنچنے کے بعد (جس کی تحدید نو سال سے کی گئی ہے) (الدر المختار علی رد المحتار ۲۶۸،۵)، ان کا حق حضانت ختم ہوجاتا ہے، بلکہ امام محمدؒ تو بچی کے حد اشتہاء تک پہنچنے پر مطلقاً عورتوں کے حق پرورش کے ختم ہونے کے قائل ہیں اور کثرت فساد کی وجہ سے یہی قول مفتی بہ بھی ہے (حوالہ سابق)۔

بہرحال جب وہ بچی بالغ یا حد اشتہاء کو پہنچ جائے تو چونکہ اب اس کی عفت وعصمت کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے اور ہر قسم کے شرور وفتن سے اس کی حفاظت مقصود ہوتی ہے اور یہ فریضہ عورت کے مقابلہ میں مرد کہیں بہتر انجام دے سکتا ہے، اس لئے حق حضانت مرد کی طرف منتقل ہوجائے گا (بدائع ۴۵۹،۳)۔

ولایت ضم:

بلوغ کے بعد انسان چونکہ شرعاً مکلف اور خود مختار ہوجاتا ہے، اس لئے اب اس پر کسی کو حق حضانت حاصل نہیں ہوتا، البتہ باپ دادا اور دیگر عصبات کو ولایت ضم حاصل ہوتی ہے (شامی۲۷۰،۵)، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر لڑکا بالغ ہوجائے اوراس کی اخلاقی حالت قابل اطمینان نہ ہو تو اسے آزاد نہیں چھوڑا جائے گا، مبادا کوئی ایسی حرکت کر گزرے جس کا خمیازہ اولیاء کو بھگتنا پڑے، اس لئے باپ دادا وغیرہ اسے اپنی تربیت میں رکھینگے، اور اگر لڑکی بالغ ہوجائے تو باکرہ ہونے کی صورت میں مطلقاً اور ثیبہ ہوتو اس کی طرف سے عدم اطمینان کی صورت میں باپ دادا اسے اپنی پرورش میں رکھینگے (بدائع ۴۵۹،۳)، دیگر عصبات بھی بشرط اطمینان اپنی تربیت میں رکھ سکتے ہیں (شامی۲۷۰،۵)۔

بعض قابل لحاظ شرطیں:

جن صورتوں میں عورتوں کو حق حضانت حاصل ہوتا ہے ان میں ایک اہم شرط

یہے کہ وہ کسی ایسے مرد سے شادی نہ کرے جو اس بچے کا ذی رحم محرم نہ ہو (ہدایہ۲،۴۳۵)، آنحضرتﷺ نے ایک خاتون کو جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا : ''أنت أحق بالولد ما لم تنکحی'' (ابوداؤد کتاب الطلاق)، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس اجنبی مرد کے گھر میں بچے کو مطلوبہ پیار ومحبت ملنے کے بجائے اس اجنبی کی ناپسندیدہ نگاہوں کا بچہ مرکز بنے گا جو یقینا بچہ کے حق میں نقصان دہ ہے، ''ولأن زوج الأم إذا کان أجنبیاً یعطیہ نزراً وینظر إلیہ شزراً فلا نظر'' (ہدایہ ۲،۴۳۵)۔

دوم یہ کہ وہ کسی ایسے کام یا پیشے سے وابستہ نہ ہو جس کی وجہ سے اسے بکثرت گھر سے باہر جانا پڑتا ہو اور نتیجے میں بچے کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً وہ دایہیا غسل دینے والی ہو (رد المحتار ۲۵۴،۵)۔

سومیہ کہ وہ ایسی بدکار نہ ہو کہ جس کی وجہ سے بچے کا اسی کی راہ پر چل پڑنا غیر متوقع نہ ہو، ورنہ شعور کی عمر تک پہنچنے کے بعد اس کا حق حضانت ساقط ہوجائے گا (حوالہ سابق)۔

بچی کی تربیت کا حق اگر مرد کو حاصل ہو تو اس کی ایک خاص شرط یہ ہے کہ وہ اس کا محرم رشتہ دار ہو، نیز وہ امین اور قابل اعتماد بھی ہو، اگر چچازاد کے علاوہ کوئی اور موجود نہ ہو تو قاضی کی صوابدید پر اس کی پرورش میں بھی دی جاسکتی ہے، اگر فسق وخیانت کی وجہ سے مرد قابل اطمینان نہ ہو تو اسے بچی پر حق حضانت حاصل نہ ہوگا، خواہ وہ اس کا بھائییا چچا ہی کیوں نہ ہو (بدائع ۴۶۰،۳)۔

حق حضانت کے متعلق شریعت کے یہ بنیادی اصول تھے جن میں بچہ کی خیرخواہی اور شفقت کو اساسی حیثیت حاصل ہے اور سارے فقہی مسائل اس کے گرد دائر ہیں، اسی لئے علامہ کاسانی فرماتے ہیں: ''لأن مبنی الحضانۃ علی الشفقۃ'' (بدائع ۴۵۷،۳)۔

لہذا پرورش کرنے والا جن صورتوں میں بچہ پر دینی، جسمانی اور اخلاقی شفقت کے تقاضے کو پورا کرنے کا اہل ہوگا اسے پرورش کا حق حاصل ہوگا، بصورت دیگر اس کا حق حضانت ساقط ہوجائے گا، واللہ اعلم۔

بچے اور تعلیمی حق:

ایک حدیث میں ارشاد ہے:''طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم'' (مشکوۃ بحوالہ ابن ماجہ ۳۴،۱)، یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، یہ حدیث حق تعلیم کے سلسلہ میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے، اس میں علم اگرچہ مطلق فرمایا گیا جس میں دینی، دنیوی، فنی، عصری اور جزئی وکلی ہر قسم کے علوم وفنون داخل ہیں، لیکن چونکہ ہر شخص کے لئے نہ تو جملہ علوم وفنون کا حاصل کرنا ممکن ہے اور نہ ہر ایک کے اندر اس کی صلاحیت ہے کہ اس پر ہر قسم کے علوم کو حاصل کرنا فرض قرار دیا جائے، اس لئے علماء کی رائے ہے کہ اس سے مراد دینی علوم کا اتنا حصہ ہے جس کی وجہ سے ایک

مسلمان اپنا عقیدہدرست کرسکے، خدا اور رسول کی معرفت اور ان کی مرضیات کا اسے علم ہوسکے اور مکلف ہونے کی حیثیت سے دینی فرائض انجام دے سکے، ‘‘قال البیضاوی:المراد من العلم ما لا مندوحۃ للعبد عن تعلمہ کمعرفۃ الصانع والعلم بوحدانیتہ ونبوۃ رسولہ وکیفیۃ الصلاۃ فإن تعلمہ فرض عین ’’ (التعلیق الصبیح۱،۱۵۱)۔

ظاہر ہے کہ اتنی مقدار علم حاصل کرنا ہر مسلمان کے لئے ممکن ہے، لہذا یہ فر ض عین ہےاور سرپرستوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ماتحت بچوں کی اتنی مقدار دینی تعلیم کا یقینی بندوبست کریں، اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں سرپرستوں کو فرمایا گیا کہ وہ سات سال کا ہونے پر انہیں نماز کا حکم دیں (‘‘مروا أولادکم بالصلاۃ بسبع واضربوا علیہا لعشر وفرقوا بینہم فی المضاجع’’، ترمذی حدیث: ۴۰۷، ابوداؤد حدیث: ۴۹۴)۔

نیز ایک دوسری روایت میں حسن ادب کو باپ کی طرف سے بچہ کو دیا جانے والا سب سے بہتر عطیہ قرار دیا گیا ہے (ترمذی۲،۱۶، ابواب البر والصلہ)۔

حضرت لقمان کے اپنے بیٹے کو کی جانے والی نصیحتیں بھی اس سلسلہ میں رہنمائی کرتی ہیں۔

البتہ دینی علوم میں مہارت وبصیرت حاصل کرنا اور شرعی احکام کی حکمتوں اور مصلحتوں کو معلوم کرکے دینی مسائل میں عوام کی رہنمائی کے لئے خود کو تیار کرنا یہ فرض کفایہ ہے جس کے لئے امت کے بقدر کفایت افراد کا تیار ہوجانا کافی ہے جو ان کے لئے دنیا وآخرت میں عزوشرف اور کامیابی وکامرانی کا سبب ہوگا۔

اسی طرح دیگر مفید علوم وفنون کا حاصل کرنا بھی ‘‘وأعدوا لہم ما استطعتم’’ (سورہ انفال: ۴۰) اور ‘‘خلق لکم فی الأرض جمیعاً’’ (سورہ بقرہ: ۲۹) اور ‘‘سنریہم آیاتنا فی الآفاق’’ (سورہ فصلت: ۵۳) وغیرہ آیات قرآنی کی روشنی میں فرض کفایہ ہے۔

فرض کفایہ سے تعلق رکھنے والے علوم وفنون کے اندر چونکہ غیر معمولی تنوع ہے اور ان کے حصول کے ذرائع، مدت تعلیم، اور اخراجات وغیرہ کے اعتبار سے بھی خاصا فرق ہے، اسی طرح خطہ وعلاقہ، سماج ومعاشرہ، مذاق ومزاج، ذاتی حالات اور لیاقت وصلاحیت کا بھی پورا پورا دخل ہوتا ہے، اس لئے اس کے حصول کا حکم طالب علم کے حالات پر منحصر ہوگا، البتہ اس میں کوتاہی کا ذمہ دار پورا معاشرہ ہوگا، تاہم سرپرستوں کو چاہئے کہ وہ اپنے بچوں کو بقدر ضرورت دینی تعلیم دلانے کے ساتھ ساتھ ان کے لئے مزید اتنی تعلیم کا انتظام کردیں کہ وہ بچہ اپنے معاشرہ اور ماحول میں ایک باغیرت زندگی گزارنے کا اہل بن سکے، اس سلسلہ میں اگر حکومت ایک سطح تک تعلیم کو بچوں اور بچیوں کے لئے لازم قرار دے تو چونکہ مباح چیز میں حکومت کے حکم کی تعمیل شرعاً لازم ہوتی ہے اس لئے اس کی پابندی مسلمانوں کے لئے بھی لازم ہوگی، اگر

نصاب میں بعض غیر شرعی امور ہوں تو ان کی اصلاح کی حتی الامکان کوشش کی جائے۔

شادی کا حق:

بچے اور بچیوں کی مناسب رشتہ میں شادی کرانا اولیاء کا اخلاقی فریضہ ہے، جس کی تائید بہت ساری احادیث سے ہوتی ہے، البتہ بعض باتیں قابل توجہ ہیں:

نابالغ بچے اور بچی کی مناسب رشتہ میں شادی کرانے کا اختیار اگرچہ اولیاء کو حاصل ہے مگر اس بات کا اطمینان نہیں ہوتا کہ جس رشتہ کو اولیاء ان کی کم عمری کی حالت میں دونوں کے حق میں مناسب سمجھ رہے ہیں وہ بالغ ہونے کے بعد بھی ان کے مناسب ہی رہیں، کیونکہ بالغ ہونے کے بعد عقل وفہم اور شعور وادراک بیدار ہوتا ہے اور انسان کی اصل خوبی وخامی، مزاج وعادات اور طور طریقے واضح ہوتے ہیں اور پسند وناپسند کے معیار سامنے آتے ہیں، اگرچہ خیار بلوغ کی صورت میں ان کےسامنے اس نکاح کو فسخ کرانے کا اختیار باقی رہتا ہے، تاہم اولاً تو باپ دادا کے ذریعہ کئے ہوئے نکاح مینیہ اختیار حاصل نہیں ہوتا، دوم جن صورتوں میں انہیں خیار بلوغ حاصل ہوتا ہے ان میں بعض شرائط ایسی ہیں جن کی وجہ سے اس اختیار سے فائدہ اٹھانے سے پہلے ہی وہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے،سوم یہ کہ اس نکاح کو فسخ کرانے کے لئے قضا قاضیکی ضرورت پڑتی ہے، چہارم یہ کہ اگر اولیاء کی رعایت میں وہ راضی بھی ہوجائیں تو بھییہ اجازت بعض اوقات بطیب خاطر نہیں ہوتی، لہذا راقم الحروف کی رائے میں عام حالات میں نابالغی اورکم سنی میں شادی کرانے سے اولیاء کو احتیاط کرنا چاہئے، واللہ اعلم۔

بچی اگر بالغ ہوجائے اور اس کا رشد وادراک بیدار ہوجائے تو اس کی مناسب رشتہ میں شادی کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے، ایک حدیث میں حضرت علیؓ کو رسول اللہ ﷺ نے تین چیزوں میں تاخیر کرنے سے منع فرمایا ہے، جن میں سے ایک عورت کا مناسب رشتہ (کفو) ملنا بھی ہے، ‘‘والأیم إذا وجدت لہا کفواً’’(متفق علیہ)۔

البتہ شادی کے بعد چونکہ شوہر پر بیوی بچوں کا نفقہ (رہائش، خوراک، پوشاک) وغیرہ کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اس لئے اسے نفقہ کی ادائیگی کے لائق بنانے تک بچہ کے نکاح میں تاخیر کی جاسکتی ہے، کیونکہ نکاح کا مقصد محض قضا شہوت ہی نہیں ہے، ورنہ غیر مستطیع شخص کے لئے روزہ رکھنے کا حدیث میں حکم کیوں دیا جاتا؟ (‘‘ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فإنہ لہ وجاء’’)۔

اس سلسلہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی اس نصیحت کو پیش نظر رکھا جاسکتا ہے، جو انہوں نے اپنے شاگرد رشید حضرت امام ابویوسفؒ کو کی تھی:

‘‘ولا تتزوج إلا بعد أن تعلم أنک تقدر علی القیام بجمیع حوائجہا واطلب العلم أولاً ثم أجمع المال من الحلال ثم تزوج’’ (الاشباہ والنظائر الفن السابع حکایات ومراسلات وصیۃ الامام الاعظم لابییوسف: ٣٦٩) (اس وقت تک نکاح نہ کرنا جب تک تجھے یقین نہ ہوجائے کہ تم

عورت کی تمام ضرورتوں کو پورا کرسکتے ہو، پہلے علم حاصل کرو، پھر حلال مال کماؤ پھر نکاح کرو)۔

بچہ مزدوری سے متعلق مسائل:

اسلامی قانون نفقہ کے تحت نابالغ بچے اور بچیوں کے نفقہ کا اصلاً باپ ذمہ دار ہے، لیکن اگر بچہ جسمانی اعتبار سے محنت ومزدوری کے لائق ہوگیا ہو تو اگر باپ چاہے تو اس کی ذہنی وجسمانی صلاحیت کے لحاظ سے اس سے کوئی معاشی خدمت لے سکتا ہے، یا مناسب سمجھے تو مزدوری پر بھی لگا سکتا ہے، اسی طرح بچی کو بھی اس کے مناسب کام مثلاً سلائی کڑھائی وغیرہ پر مامور کیا جاسکتا ہے، البتہ بعض شرعی ومعاشرتی قباحتوں کی بنا پر بچی کو کہیں مزدوری پرنہیں لگاسکتا (ردالمحتار ٣٣٧،٥ باب النفقہ)۔

بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس اجازت کی مصلحت اولاد کی معاشی تربیت ہے تاکہ بچوں کے اندر ان کی صنف کے اعتبار سے معاشی ہنر پیدا ہو اور دوسروں پر بھروسہ کرنے کے بجائے ان کے اندر بھی معاشی ضرورت کا احساس پیدا ہو، ظاہر ہے کہ بچو نکے تعلق سے اس جذبہ کے خیر ہونے سے بھلا کس کو انکار ہوسکتا ہے او راس کے جواز میں کیا تردد ہوسکتا ہے خصوصاً اس صورت میں جبکہ والدین معاشی طور پر انتہائی کمزور اور بدحال ہوں اور ان کے اندر خود کمانے کی صلاحیت نہ ہو۔

خود رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ ﷺ کا بچپن میں بکریاں چرانا اور تجارتی سفر کرنا اس کی واضح مثالیں موجود ہیں۔

لیکن بعض مفاسد کے سدباب کے تحت اگر کوئی حکومت مطلقاً نابالغ بچوں سے پیشہ ومزدوری کرانے کو قانوناً جرم قرار دے تو دفع مضرت کے پیش نظر مستطیع اولیاء کے لئے اس سے بچنا ہی بہتر ہے، البتہ تربیت کے پیش نظر ان کی صلاحیت کے لحاظ سے گھریلو کام اتنی مقدار میں بہرحال لے سکتے ہیں جس کی وجہ سے اس کا بچپن متاثر نہ ہو۔

بچے، جرائم اور سزائیں:

شریعت میں مختلف قسم کے جرائم کی الگ الگ تین قسم کی سزائیں مقرر کی گئی ہیں: (١) حدود، (٢) کفارات، (٣) تعزیرات۔

ان میں حدود وکفارات کے جاری ہونے کے لئے بلوغ شرط ہے جبکہ تعزیر کے لئے محض عقل کافی ہے، علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

''وأما شرط وجوبہ فالعقل فقط فیعزر کل عاقل ارتکب جنایۃ لیس لہا حد مقدر سواء کان حراً أو عبداً، ذکراً أو أنثی، مسلماً أو کافراً، بالغاً أو صبیاً بعد أن یکون عاقلاً'' (بدائع ٥٣٤،٥ باب التعزیر) (تعزیر واجب ہونے کی شرط صرف عقل ہے، چنانچہ اگر کوئی عاقل ایسے جرم کا ارتکاب کرے جس پر حد مقرر نہ ہو تو اس کی تعزیر کی جائے گی، خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت، مسلم ہو یا کافر، بالغ ہو یا نابالغ بشرطیکہ وہ عاقل ہو)۔

لہذا شرعی طورسے نابالغ کسی بچہ سے کوئی ایسا جرم صادر ہوجائے جس کی سزا میں حد جاری ہوتی ہو تو نابالغ ہونے کی وجہ سے اس پر وہ حد تو جاری نہ ہوگی، البتہ تادیباً اس کی تعزیر کی جاسکتی ہے اور کسی کی جانییا مالی نقصان پہنچانے کی صورت میں اس پر مالی تاوان بھی عائد ہوگا، ہدایہ میں ہے: ''وعمد الصبی والمجنون خطأ وفیہ الدیۃ علی العاقلۃ'' (ہدایہ، کتاب الدیات)۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

''وأما التصرفات الفعلیۃ وہی الغصوب والاتلافات فہذہ العوارض وہی الصبا والجنون والرق لا توجب الحجر فیہا حتی لو أتلف الصبی والمجنون شیئاًفضمانہ فی مالہما'' (بدائع ۱۷۶،۶، کتاب الحجر) (فعلی تصرفات مثلاً غصوب واتلافات، تو ان عوارض یعنی عدم بلوغ، جنون اور غلامی میں ''حجر '' کام نہیں کرے گا، چنانچہ اگر کوئی بچہ یا مجنون کسی کا کوئی مال تلف کردے تو اس کا ضمان ان کے مال سے ادا کیا جائے گا)۔

خلاصہیہ کہ وہ جرائم جن پر مالی ضمان عائد ہوتا ہے تو ان میں نابالغ کا حکم بالغ کاسا ہے اور مالی ضمان بہرحال لازم آئے گا جس کے ذمہ دار وہ خود اور ان کے اولیاء ہونگے، البتہ جسمانی سزاؤں میں ان پر حد جاری نہ کرکے ان کی تعزیر کی جائے گی، جس کا مقصد سزا دینانہیں بلکہ اس کی تادیب واصلاح ہے۔

''فإنہیعزر تأدیباً لا عقوبۃ لأنہ من أہل التأدیب'' (بدائع ۵۳۴،۵، باب التعزیر)، چنانچہ اگر تعزیراً بچے کو جیل میں رکھا جائے تو اس کے ساتھ ایسا سلوک نہ کیا جائے کہ اسے محسوس ہو کہ اسے سزا دی جارہی ہے، بلکہ اس کے ساتھ خیر خواہانہ برتاؤ کیا جائے، اسے اخلاقی تعلیم سے روشناس کیا جائے اور اس سے اس کی حیثیت کا لحاظ کرتے ہوئےاسی نوعیت کا کام لیا جائےجس سے اس کی اصلاح وتربیت کا پہلو نمایاں ہو۔

بے سہارا بچوں کا مسئلہ:

اسلام میں انسانی جان کو جو اہمیت دی گئی ہے وہ اس آیت کریمہ سے ظاہر ہوتی ہے جس میں ایک انسانی جان کے تلف کرنے کو پوری انسانیت کو تلف کرنے اور ایک جان کے بچانے کو پوری انسانیت کو بچانے سےتعبیر کیا گیا ہے، اور قرآن وحدیث میں جابجانادار ویتیم اور قوم کے بے کس وبے سہارا بچوں کی کفالت وپرورش کی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے اور ان کے حقوق کی نگہداشت پر لوگوں کو متوجہ کیا گیا ہے، او رانہیں بے سہارا چھوڑنے یا ان کے ساتھ بدسلوکی اور ظلم وزیاتی کی صورت میں بڑی سخت وعید بھی بیان کی گئی ہے، لہذا کسی بھی معذور اور بے سہارا بچے کو سہارا دینا اور تعلیم وتربیت سے آراستہ کرکے اسے سماج کا ایک مفید انسان بنانا یہ صرف حکومت ہی کی نہیں بلکہ پورے معاشرہ کی ذمہ داری ہے، ذہنی اور جسمانی اعتبار سے معذور بچے تو رحم وکرم اور توجہ وعنایت کے اور زیادہ محتاج ہوتے ہیں، والدینیا رشتہ داروں

کی ان کے تعلق سے کسی بھی قسم کی بے رخی اور بے توجہی خدا کے حضور لائق گرفت ہے، انہینمحض کسی ہسپتال یا ادارہ میں داخل کرکے ان سے غفلت برتنا یا فقر وغربت کی صورت میں اپنا بچہ کسی کے حوالہ کرکے ہمیشہ کے لئے اس سے بے تعلق ہوجانا کسی طور پر مناسب نہیں، مختلف قسم کے افراد پر مشتمل انسانی معاشرہ تو ایک ایسی عمارت ہے جس کے حصہ آپس میں ایک دوسرے کو مضبوطی دیتے اور تھامے رہتے ہیں۔

***

اسلام میں بچوں کی تعلیم وتربیت

مولانا مبارک حسین ندوی•

اسلام کی جامعیت:

مذہب اسلام نے معاشرہ کے ہر فرد کے لئے رہنما اصول بیان کئے ہیں، اور یہ اصول قرآن وحدیث کی شکل میں موجودہیں، قرآن میں بنیادی باتیں ذکر کی گئی ہیں اور حدیث شریف میں ان کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں، اس نے بچپن سے لے کر بڑھاپے تک کے حالات ، بلکہ موت اور اس کے بعد کی تفصیلات ذکر کی ہیں ، بچوں کے مسائل اور ان کے جملہ حقوق کا تذکرہ کیا ہے ۔

بچے معاشرہ کی سب سے بڑی ضرورت :

بچے معاشرہ کی سب سے بڑی ضرورت ، قوم کے مستقبل اور حیات انسانی کے مہکتے پھول ہیں، اگر بچے نہ ہوتو زندگی اجیرن ہو جاتی ہے ،جب بچے اس قدر قیمتی ہیں تو اسلام میں ان کی حفاظت اور تربیت کے ذریں ضابطے بیان کئے ہیں، اللہ رب العزت نے بچوں کے سلسلہ میں والدین کو اس بات کامکلف کیاہے کہ وہ ان کی تربیت میں کوئی کسر نہ اٹھارکھیں، ولادت سے لے کر بڑی عمر تک ہر ہر لمحہ میں ان کی رہنمائی والدین کے مذہبی فرائض میں داخل ہے۔

بچوں کے حقوق (عمر کے مختلف مراحل میں):

اولادکے بنیادی بقاء کے بعد اس کے نمایاں حقوق میں جہاں ایک طرف رضاعت وحضانت (پرورش) ہے وہیں دوسری طرف تعلیم وتربیت ہے، بچوں کے حقوق کی ابتداء ماں کے پیٹ ہی سے شروع ہو جاتی ہے، حمل کے دوران صحیح اور جائز غذا کا استعمال ،حمل والی عورت کے اچھے معمو لات اوراسلامی تعلیمات کا اثر بھی بچے پر مرتب ہو تا ہے ،شریعت نے نوزائیدہ بچے کی حفاظت کے لئے باضابطہ احکامات دئے ہیں ، جنین سے چھیڑ چھاڑ کو جرم قرار دیا ہے ، یہ جنین جب بچہ کی شکل مینپیداہوتاہے تو سب سے پہلی آواز اس کی کان میں اذان اور اقامت کی شکل میں جاتی ہے، اور یہ سنت رسول ﷺہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب حسن بن علیؓ پیداہوئے تو نبی کریمؐ نے ان کے داہنے کان میں اذان دی اور بائیں کان میں اقامت کہی، علامہ ابن قیمؒ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ‘‘انسان کے کان میں سب سے پہلی آواز ایسے کلمات کی پڑنی

• ناظم مدرسہ نور العلوم مدھولیا ، نول پراسی نیپال۔

چاہئے جو اللہ کی عظمت وکبریائی پر مشتمل ہو، جیساکہ مرتے وقت کلمۂ توحید کی تلقین کی جاتی ہے''(تحفۃ المودود بأحکام المولود)۔

پیداہونے والے بچے کی تحنیک کرانابھی سنت رسول ﷺمیں داخل ہے۔

اس کے بعد اسلام نے بچوں کے سلسلہ مینیہ حقوق والدین پر لازم کئے ہیں کہ ساتویں دن ان کا اچھا نام رکھاجائے، اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں سے جوڑکر اگر نام رکھاجائے تو ان کی معنویت میں اضافہ ہوتاہے، ورنہ صحابہ اور صحابیات کے ناموں پر نام رکھنابھی برکت کے حصول کا ذریعہ ہے، بچہ کا ختنہ کرنا بھی اس کے بنیادی حقوق میں سے ہے، اور حضرت ابراہیمؑ کی ملت حنیفی کا جز ہے، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے سیرۃ النبی میں بچوں کے ابتدائی حق کا تذکرہ اس طرح کیا ہے :

''اولاد کے جینے کا حق تسلیم کرانے کے بعد پہلا فرض ہے کہ اس کی نشو ونما اور دودھ پلانے کے حق کو تسلیم کیا جائے، اور جب تک وہ خود سے کھانے پینے کے قابل نہ ہو جائے، اس کی خبر گیری کی جائے، اور اس کے بعد اس کی نابالغی کے زمانہ تک اس کی نگرانی اور اس کے خرچ کی کفالت کی جائے، چنانچہ اسلام میں ان دونوں باتوں کا بوجھ والدین پر اور خاص طور پر جہاں تک مصارف کا تعلق ہے تنہا باپ پر ر کھا ہے'' (سیرۃ النبی۶ ، ۱۵۳ ۔۱۵۴ جدید ایڈیشن) ۔

اس کے بعد یہ مرحلہ آتاہے کہ بچہ کی تعلیم وتربیت پرتوجہ کی جائے، اللہ کے نام اس کو یاد کرائے جائیں، قرآنی دعائیں اور سورتینیاد کرائی جائیں، انبیاء کرام کے قصے سنائے جائیں، صحابہ اور صحابیات سے اس کو مانوس کیاجائے، حدیث شریف مینآیاہے کہ جب بچے سات سال کے ہوجائیں تو ان کو نماز کا حکم دو، اور جب دس سال کے ہوجائیں تو ان کو تنبیہ کرو(ابودائود)۔

اس طرح والدین پر ضروری ہے کہ بچوں کو غلط صحبت سے بچائیں، کیونکہ صحبت کا اثر ایسا ہوتا ہے جس کو زائل کرنا بعدمیں ناممکن ہوتا ہے، شیخ عبداللہ صالح علوان نے اپنی کتاب ''تربیۃ الأولاد في الإسلام '' میں لکھاہے کہ والدین کی متنوع ذمہ داریاں ہیں ،جن میں ایمانیتربیت بھی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بچے کو ایمان کی ابتدائی باتیں بتائی جائیں، عمر کے ارتقاء کے ساتھ حلال و حرام کی تلقین کی جائے، اور اتنے شرعی علم کی تحصیل کا مکلف بنایا جائے، جو بااصول زندگی گذارنے میں معاون ہوں۔

(۲) اخلاقی تربیت: اس میں اخلاقی باتوں کی تعلیم وقتا فوقتا ضروری ہے، ترمذی کی حدیث میں ہے کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کو عمدہ اور بہترین ادب سے زیادہ اچھا ہدیہ نہیں دے سکتا، غلط باتوں، جھوٹ ، چوری اور دیگر معاشرتی امراض سے دور رکھنا بھی ہے۔

(۳) جسمانی تربیت: بچے کی جسمانی تربیت میں اس کی صحت کی فکر کرنا، مرض میں مناسب علاج کرانا ہے۔

(۴) نفسیاتی تربیت۔
(۵) معاشرتی تربیت وغیرہ خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

ان اصول کو اگر پیش نظر رکھاجائے تو بچے والدین کا لحاظ رکھتے ہیں، ان کا خیال رکھتے ہیں، اور ان کی خدمت میں دن ورات ایک کردیتے ہیں، لیکن اگر یہ اصول نہیں برتے گئے تو وہی حال ہوگا جس کا تذکرہ ایک حدیث میں آیاہے کہ ایک صاحب نے اپنے لڑکے کی شکایت امیرالمؤمنین حضرت عمرؓ سے کی ، تو انہوننے لڑکے کو بلایا اور پوچھا کہ کیوں تم ان کا کہنا نہیں مانتے ہو، اس نے کہا :اے امیرالمؤمنین !میرے باپ نے میرے ساتھ کئی ظلم کئے ہیں:

باندی سے شادی کی، میرانام گبریلا رکھا، میری تعلیم پر ذرہ برابر بھی توجہ نہیں دی۔

سیرۃ النبی میں ہے :

''ظاہری اور جسمانی نشوو نما کے بعد اولاد کی باطنی وروحانی تربیت کا درجہ ہے، قرآن پاک نے ایک مختصر سے مختصر فقرہ میں جو صرف چار لفظوں سے مرکب ہے، اس حق کو ایسے جامع طریقہ سے ادا کردیا ہے کہ اس کی تفصیل وتشریح میں دفتر کے دفتر لکھے جاسکتے ہیں : فرمایا :''یاأیھا الذین آمنوا قوا أنفسکم وأہلیکم نارا'' (تحریم : ۶) (اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ)، اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچانا خاندان کا فرض ہے، یہ آگ جہنم کی آگ ہے، مگر اس سے مقصود ان تمام برائیوں، خرابیوں اور ہلاکتوں سے ان کی حفاظت ہے، جو بالآخر انسان کو دوزخ کی آگ کا مستحق بنا دیتی ہے، اس طرح گھر کے سردار پر اولاد کی اخلاقی تربیت ، دینی تعلیم اور نگہداشت کا فرض عائد کیا ہے '' (۶،۱۵۴)۔

یہ تھا ایک مختصر جائزہ بچوں کے حقوق کے سلسلے میں، ورنہ ظاہر ہے کہ تہذیب جدید نے بچوں کے لاتعداد مسائل کھڑے کردئے ہیں، اس طرح کی تربیت کی ذمہ داری سرپرستوں پر دو چند ہوجاتی ہے۔

سوالات کے جوابات:

الف: بچوں کے حق پرورش کے سلسلہ میں اسلام کی ہدایات بہت واضح ہیں، بچوں کی دیکھ بھال ضروری ہے، کیونکہ اس کے بغیر بچہ ضائع ہوجائے گا، پرورش کی سب سے زیادہ حقدار ماں ہے، جب اس کے شرائط پائے جائیں تو اس سے چھیننے کا کسی کو حق نہیں، اگر میاں بیوی میں جدائی ہوجاتی ہے، تب بھی بچے کی پرورش کا حق ماں ہی کو ہوگا، مسند احمد کی روایت ہے سے یہی معلوم ہوتا ہے، امام ابن قیمؒ نے زادالمعادمیں حضانت (پرورش) کی متعدد شرطیں لکھی ہیں: (۱) عاقل ہو(۲) بالغ ہو (۳) بچہ کی پرورش کی صلاحیت ہو(۴) اخلاق وعادات بہترہوں(۵) مسلمان ہوناضروری ہے (زادالمعاد۴،۵۶۱)۔

بدائع الصنائع میں پرورش کا حق رکھنے والی عورتوں کا ترتیب اس طرح ہے:(۱) ماں

(۲) نانی (۳) دادی(۴) حقیقی بہن (۵) ماں شریک بہن(۶) باپ شریک بہن(۷) حقیقی خالہ (۸) اخیافی خالہ(۹) علاتی بہن(۱۰) بھانجی(۱۱) بھتیجی(۱۲) حقیقی پھوپھی وغیرہ (جلد۳،ص۴۵۷)۔

اگرعورتونمیں کوئی حضانت کے لئے نہ ملے تو پھر حسب ذیل ترتیب سے پرورش کا حق حاصل ہوگا۔

باپ، دادا، بھائی، بھائی کی اولاد، چچا، چچاکی اولاد (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱،۷۳۰)۔

پرورش کی اجرت باپ کے ذمہ ہے، فقہاء نے لکھاہے کہ پرورش کی مدت ولادت سے لیکر سن شعور تک ہے، بچہ کا نفقہ ، اس کے کھانے ،کپڑے کا خرچ باپ ہی کے ذمہ ہے، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں حضرت ہندبنت عتبہ نے رسول اللہ ؐ سے اپنے شوہر ابوسفیان کی شکایت کی کہ وہ بخل سے کام لیتے ہیں، اور مجھے اتنا نہیں دیتے جو مجھے اور میرے بچونکو کافی ہوجائے، اس پر آپؐ نے فرمایا:''جو تمہیں اورتمہارے بچونکو کافی ہوجائے قاعدہ کے مطابق اتنا لے لو '' (بخاری: ۵۳۶۴)۔

ب: ۱۔ اسلام میں بچوں کے حق تعلیم وتربیت کے وضاحت قرآن وحدیث میں بہت تفصیل سے آئی ہے، آیت قرآنی ''یآیھاالذین آمنوا قوا أنفسکم وأھلیکم ناراً''(سورئہ تحریم) (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اوراپنی اولاد کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچائو)، بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے ، اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا، آدمی اپنے گھر کا ذمہ دار ہے اور اس سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا، عورت اپنے شوہرکے گھر اور اس کے بچوں کی ذمہ دارہے اس سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا(بخاری شریف : ۸۹۳)۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں: بچوں کو تعلیم دو اور ان کو ادب سکھائو (شعب الایمان۱۱،۱۲۷)، ایک مسلمان خاندان کے افراد کا حق ہے کہ بچونکو شروع سے ہی اسلامی تعلیمات سے واقف کرائیں، صحابہ کرامؓ اور صحابیات کے واقعات سنائیں، اس سے بچوں پر اچھا اثر پڑے گا، بچونکو لوریاں دینا،بنیادی تعلیمات سے واقف کرانا، عقائد کی تعلیم دینا، قرآن سکھانا، حفظ قرآن کا عادی بنانا، دعائینیاد کرانا، اسلامی آداب واخلاق کی تعلیم دینا (مثلا سلام کرنا، گھر میں داخل ہونے کا ادب سکھانا، کھانے پینے کا ادب سکھانا، شرم وحیاء، بڑوں کا ادب، سچائی، امانت داری، حرام کاموں سے دور رہناوغیرہ)یہ باتیں بچے کے لئے ضروری ہے، جب وہ سات سال کا ہوجائے تو نماز کا حکم دینا، اور دس سال کا ہوجائے تو اس کو تنبیہ کرنا ضروری ہے، اسی طرح سنتوں اور دیگر فرائض کی ادائیگی کی بھی تعلیم دینا بچوں کا بنیادی حق ہے۔

۲۔ اسلام میں بچوں اور بچیوں کو دینی تعلیم اتنی مقدارمیں دینا ضروری ہے ،جس سے انہیں حلال وحرام ، جائز وناجائز، صحیح وغلط کا علم ہوجائے، حدیث شریف میں آیاہے:''طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ'' (یعنی علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مردوعورت پر

ضروری ہے)، اس حدیث سے پتا چلاکہ علم دین کی وہ مقدار ہر ایک کے پاس ہونی چاہئے، جس سے وہ اپنی زندگی شریعت کی روشنی میں گزارسکے، اورآخرت کے عذاب سے بچ سکے، امام غزالیؒ نے احیاء علوم الدین میں لکھاہے کہ علم کی دوقسمیں ہیں: فرض کفایہ اور فرض عین۔ فرض عین وہ علم ہے جو عقائد اور حلال وحرام سے عبارت ہے، اتنا علم ہر ایک کے پاس ہونا ضروری ہے، اور فرض کفایہ وہ علم ہے جس کوچند لوگ حاصل کر لیں تو معاشرہ کی ضرورت پوری ہوجائے جیسے زراعت ، صنعت وحرفت وغیرہ (فضل العلم وآدابہ)۔

عصری تعلیم اتنی مقدارمیں دینی ضروری ہے جس سے دنیاوی ضرورتیں بآسانی پوری ہوجائیں،یعنی اگر سرکاری دفاترمیں کام کی ضرورت پیش آئے تو اس وقت مجبوری نہ ہو، جہاں تک تخصص اور اسپیشلائزیشن کی بات ہے تو یہ بھی معاشرہ کا ایک حصہ ہے، کچھ افراد اس کو حاصل کرینگے، اس وقت صحیح معاشرہ کی تشکیل ہوگی'' فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا في الدین ولینذروا قومھم إذا رجعوا إلیھم لعلھم یحذرون'' (التوبہ: ١٢٢)۔

٣۔ ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے ،اس میں تمام مذاہب کے ماننے والوں کو اپنے اپنے لحاظ سے عبادت اور تعلیم کی آزادی ہے، اس لحاظ سے اگر کوئی حکومت کسی نظریہ کے تحت ایک خاص سطح کی تعلیم کو بچوں اوربچیوں کے لئے لازم کر تی ہے تو دستورہندکی روشنی میں ہمیں اس کا حل ڈھونڈھنا چاہئے، کیونکہ جب دستور ہمیں تعلیم اور عبادت کی آزادی دیتاہے تو پھر کسی نظریہ کوکیسے کسی معاشرہ پر تھوپاجاسکتاہے۔

٤۔ اسلام ایک پاکیزہ دین ہے، اس نے حیاء وشرم کو ایمان کاجز قرار دیا ہے، بنیادی تعلیمات کی فہرست سوال نمبر ٢ کے ذیل میں آچکی ہے، اس لئے جنس کی تعلیم بچوں کا حق کسی طرح سے بھی نہیں ہے، یہ نظریہ مغربی نظام تعلیم سے نکل کر آیاہے، اس لئے اس کو مسترد کرنا ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے، شادی اور نکاح کے بعد جو عائلی مسائل زوجین سے متعلق ہیں مثلاً نکاح، طلاق، خلع، نفقہ، سکنیٰ وغیرہ کا جاننا ضروری ہے۔

ج۔ نکاح ایک معاشرتی ضرورت ہے، اس ضرورت سے معاشرہ صاف ستھرا رہتاہے، اولیاء کو نابالغ اولاد کی شادی کرناجائز ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ بالغ ہونے کے بعد بچونکی شادی کریں، باپ ، دادا اور اسی طرح دوسرے رشتہ دار جن کو ولایت کا حق ہے وہ بچوناور بچیوں کے نکاح کے ولی ہوسکتے ہیں(ہدایہ٢،٤٣٤)۔

د: ١۔ بچوں کی عمر ذہن سازی اور تربیت کی ہوتی ہے، اس عمر میں اگر مزدوریا دوسرے کامونمیں مشغول کر دیاجائے گا تو اصل تربیت کاوقت فوت ہوجائے گا، جس کا ان کو پوری زندگی احساس رہے گا، اس لئے بچونکو نوعمری میں صحیح تعلیم دینا اور بہتر تربیت کا انتظام کرناضروری ہے۔

صورت مذکورہ میں اگر اضطراری حالت ہے تو بچہ مزدوری کر سکتاہے، اسلام نے اضطرار کی صورت میں بہت سی ناجائز چیزونکو جائز قراردیاہے، اس لئے اس کی

گنجائش نکلتی ہے۔

۲۔ والدین بچونکے سرپرست ہیں، جس طرح سے بچوں کے حقوق ماں ،باپ پر ہیں، اسی طرح سے بچوں پر بھی ماں ،باپ کے حقوق ہیں، دونوں کا ایک دوسرے کے حقوق کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، بچے جتنے کام کی وسعت رکھتے ہیں، اسی قدر اس کو مکلف کیاجاسکتاہے، لیکن ان کے بنیادی عمل تربیت کو چھوڑکر پیشہ وارانہ کام پر لگانایہ ان کے ساتھ ظلم کرنا ہے، لہٰذا اس سلسلہ میں احتیاط ضروری ہے ''لا یکلف اللہ نفسا إلا وسعھا''، علامہ ابن عابدین کی بھی صراحت ردالمحتار میں موجودہے۔

ہ۔ حدودکو نابالغ بچوں پر نہیں جاری کیاجائے گا، بلکہ ان کو تعزیری سزا دی جائے گی، امام ابویوسفؒ کتاب الخراج میں لکھتے ہیں:''ولا یقام الحد علی غلام لم یبلغ الحلم، فإن شک فیہ فلایقام حد، حتیٰیبلغ خمس عشرۃ سنۃ'' (کتاب الخراج : ۱۷۵)۔

و۔ نابالغ مجرم بچونکو جیل میں رکھنا شرعاً درست ہے، ان کو وسعت سے زیادہ سزانہیں دی جائے گی، اور ان سے ان کی طاقت کے مطابق کام لئے جاسکتے ہیں، پندونصائح اور اسلامی تعلیمات سے واقف کراکر ان کی اصلاح کی جاسکتی ہے، امام ابویوسف فرماتے ہیں:''وبعضھم قال:الحبس للصبي بطریق التأدیب من لا یتجاسر علی مثلہ، ولکن ھٰذا انما یکون فیمایباشر من أسباب التعدی قصداً، وأما ما وقع خطأ منہ فلا'' (المبسوط۲،۱۰۸)۔

ز۔ بے سہارا بچوں کی پرورش کی تربیت کے سلسلہ میں حکومت کا لازمی فریضہ ہے کہ وہ سرکاری فنڈ سے ان کی نگہداشت کا اہتمام کرے، اور عامۃ المسلمین کی ذمہ داری ہے کہ ایک کمیونٹی قائم کرکے غورکریں ، علامہ ابن عابدین نے رد المحتارمیں اس موضوع پر بڑی تفصیلی بحث کی ہے(ردالمحتار۲،۷۴۰)۔

ح۔ پرورش کی استطاعت نہ رکھنے والے اپنے بچوں کو قریب ترین رشتہ داروں کے حوالہ کرسکتے ہیں، علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں: ''إذا لم یکن للأب مال، والجد أو الأم أو الخال أو العم موسر یجبر علیٰ نفقۃ الصغیر وکذا یجبر الأبعد إذاغاب الأقرب (رد المحتار ۳۳۸،۵)۔

ط۔ معذوربچوں کا عذر اگر ایسا ہے کہ گھر میں ان کی وجہ سے ہمیشہ انتشار کی کیفیت رہتی ہے، اور علاج بھی سود مند نہیں تو ان کو بحالت اضطرار اسپتال مینیا ان جیسے بچوں کی مخصوص جگہ میں رکھنا مناسب ہے، اسلامی تعلیمات میں بچوں کی تربیت کی خاص اہمیت ہے، اگر فرار اختیار کرنے کے لئے یا اپنی مفوضہ ذمہ داری سے کنارہ کشی کے لئے ماں باپ یہ عمل کرتے ہیں کہ بغیر علاج کئے ہوئے اور تربیت پر توجہ نہ دے کر اسپتالوں کے حوالہ کرتے ہیں تو یہ ناجائزعمل شمار ہوگا، کیونکہیہ ''کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ'' کے بالکل خلاف ہے۔

***

بچوں کے حقوق –اسلامی تعلیم وتربیت کے تناظر میں

مفتی محمد اخلاق حسین قاسمی•

(۱) پرورش کاحق رشتہ دارعورتوں اور مردوں کے لیے ثابت ہے،لوگوں میں سب سے زیادہ پرورش کی حقدار ماں ہوگی خواہ وہ باپ کے نکاح میں ہو یا مطلقہ ہو جب تک بچہ کے غیر محرم شادی نہ کرے اگر ماں نہ ہو تو اس کے بعد نانی اس کے بعد پر نانی اسی طریقہ سے اوپر تک ، اس ترتیب کے ساتھ جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

اگر مذکورہ عورتیں بچہ کی پرورش کے لئے نہ ہوں جو مستحق حضانت ہیں تو حضانت عصبہ رجال کی طرف علی حسب الترتیب منتقل ہوجائے گی اگر اوپر مذکورہ لوگوں میں سے کوئی نہ ہو تو حکومت کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اس بچہ کی پرورش کا انتظام کرے، اگر حکومت کوتاہی برتتی ہو تو عامۃ المسلمین پر اس بچہ کی حفاظت لازم وضروری ہوگی (تفصیل کے لئے دیکھئے: کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴،۵۲۰،۵۲۱)۔

(۲)عمر کے جس مرحلہ میں ماں یا باپ کو پرورش کا اولین حقدار تسلیم کیا گیا ہے،اگر بچہ کو ان کے حوالہ کرنے میں تعلیمی، تربیتی،جسمانییا نفسیاتی پہلو سے مضرت کا اندیشہ ہو تو حق پرورش کے سلسلہ میں حکم یہ ہے کہ اگر بچہ کا ضائع ہونا لازم آئے تو ان لوگوں کا حق پرورش ساقط ہو جائے گا، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ مینبڑی تفصیل کے ساتھ ان صورتوں کو بیان کیا ہے جس کے نہ پائے جانے کی صورت میں صاحب حق اپنے حق پرورش سے محروم ہو جائے گا (۴،۵۶۲)۔

(۳)اسلام میں بچوں کے حق تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں بنیادی ہدایاتیہ ہے کہ بچہ سات سال کے بعد باپ کے پاس رہے گا، تاکہ وہ مردوں کے اخلاق وآداب کو سیکھ سکے، اسی طرح بچی ماں کے پاس شعور کے بعد بھی بلوغ تک رہے گی تاکہ وہ عورتوں کے آداب کو سیکھ سکے مثلا کپڑا دھونا،بنائی،سلائی اور امور خانہ داری کو سیکھ سکے اور یہ بچی عورت کے پاس ہی رہ کر سیکھ سکتی ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: کتاب المبسوط ۵،۱۹۵، تفسیر مظہری۹،۳۴۴، تفسیر طبری وغیرہ)۔

(۴)بچوں اور بچیوں کودینی تعلیم اتنی مقدر میندینا فرض عین ہے جس سے فرائض و واجبات کی ادائیگی پر قادر ہوجائیناور عصری تعلیم اس قدر جس سے ان کے معاش کا مسئلہ حل ہوسکے (رد المحتار علی الدر المختار ۲،۷۲۸،۷۲۹)۔

• مفتی دار الافتاء مدرسہ اسلامیہ قرآنیہ فیض العلوم، یمنا نگر، ہریانہ۔

(۵) حکومت کی طرف سے تعلیم لازمی ہو اور نصاب لازمی نہ ہو تو دینی تعلیم میں فرائض کی حد تک لزوم کو تسلیم کیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ اس میں شریعت میں بھی لزوم ہے، البتہ اگر دوسری تعلیم ہو اور وہ معاش سے متعلق ہو تو اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے جیسا کہ فقہاء کے یہاں بچوں کو صنعت و حرفت سکھانے کا تذکرہ ملتا ہے، البتہ لزوم تسلیم نہیں کیا جائے گا، اور اس پر عمل کرنا مسلمانوں کے لیے بحیثیت شریعت لازم نہ ہوگا، البتہ ملکی قانون کی حیثیت سے لازم ہوگا جب کہ وہ تعلیم کفر وشرک کی نہ ہو اور اس کا اخلاقیات پر اثر نہ پڑتا ہو۔

(۶)بچوں کا حق اگر وہ لڑکا ہے تو مردوں کے اخلاق و عادات سیکھنا ہے اور بچی ہے تو گھریلو کام کاج، سلائی بنائی ،امور خانہ داری وغیرہ ہے، بچہ بالغ ہو نے کے بعد خود بخود اپنی مخصوص صنفی اور جنسی کیفیات کو محسوس کر نے لگتا ہے، اسی طرح لڑکی ہے تو وہ بھی محسوس کر تی ہے، یہ ایسی چیز نہیں ہے جس کی تعلیم دی جائے (کتاب المبسوط ۱۹۵٫۵ باب حکم الولد عند افتراق الزوجین)۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کی طرف سے شائع شدہ کتاب ‘‘نئے مسائل اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے فیصلے’’ کے صفحہ ۱۱۶٫۱۱۵ پر اس سلسلہ میں بڑی شرح وبسط کے ساتھ کلام کیا ہے جس میں اس کو بچوں کا حق تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔

(۷)بچہ اور بچی جب بالغ ہو جائیں تو ماں باپ پر یہ لازم ہے کہ ان دونوں کی شادی کردیں، البتہ اگر رشتہ برابری کا مل جائے تو باپ اور داداکو یہ اختیار ہے کہ وہ بچی کا رشتہ کر دے لیکن رخصتی بلوغ کے بعد کرے، پھر والدین کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ بچوں کے نشو نما کا خیال کر کے ان کی شادی بلوغ کے بعد فورا کردیں، اس لیے کہ شادی میں تاخیر کی گئی اور وہ گناہ میں مبتلاء ہوگئے تو اس کا گناہ باپ کو ہو گا۔

(۸)جب بچہ کمانے کے قابل ہو جائے تو اس کو اجرت پر دیا جائے گا یا کوئی صنعت وکاریگری سکھائی جائے گی (الدر المختار مع رد المحتار ۶۷۹٫۲، باب الحضانۃ)۔

مذکورہ بالا عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں بچہ اگر حد کسب کو پہنچ جائے اور وہ سات آٹھ سال ہے تو اس کو مزدوری پر لگایا جائے گا اور کا ریگری سکھائی جائے گی اور پھر اس کی کمائی سے اس کی ذات پر خرچ کیا جائے گا، البتہ اگر بچہ تحصیل علم میں لگا ہوا ہو تو اس کے بالغ ہو نے کے بعد بھی اس کا نفقہ اس کے باپ پر ہو گا اور وہ مزدوری پر نہیں لگایا جائے گا ۔‘‘إلا إذاکان طالب علم مستقیم ،فإن نفقتہ تجب علی أبیہ ولو کبیرا ولیس لہ منعہ من طلب العلم’’ (کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعہ۵۱۲٫۴)، البتہ بچوں سے ایسے کام نہیں لیے جاسکتے ہیں جو ان کے جسمانی اور دماغی نشو و نما پر اثر انداز ہوں یا وہ اس کی وجہ سے مہلک بیماری میں مبتلا ء ہو جائیں، اسی طرح سے وہ کام ان کے تحمل سے باہر ہو، اس لیے کہ کاریگری سکھانا یا مزدوری پر لگا نا اس کو کامیاب بنانے اور خود

کفیل بنانے کے لیے ہے اور ان صورتوں میں بچہ کا ضائع ہونا لازم ہوگا جسکی وجہ سے ماں کا حق حضانت بھی ساقط ہوجاتا، اس لیے ایسے کاموں میں لگانا جائز نہیں ہوگا۔

(۹)والدین اور اولیاء نابالغ بچوں سے ایسا کام لیں جو بچہ کی تعلیم و تربیت سے متعلق ہو یا لڑکی سے امور خانہ داری سے متعلق ہو تو ان کے تحمل تک درست ہے، اگر کوئی کام ان کے بس سے باہر ہو یا اس میں ان کے ضائع ہو نے کا اندیشہ ہو تو وہ کام لینا جائز نہیں ہوگا۔

(۱۰) اپنی معاشی ضروریات پورا کرنے یا بہتر بنانے کے لیے ان سے مزدوری کروا سکتے ہیں اور پیشہ وارانہ کام سکھانے کے لیے کام پر لگاسکتے ہیں، جبکہ بچہ طلب علم میں مشغول نہ ہو اور وہ کام اس کے بس میں ہو اور اس میں اس کے ضیاع کا اندیشہ نہ ہو جیسا کہ شامی میں ہے:''وأطلق فیمن تجب علیہ النفقۃ فشمل الصغیر الغنی والصغیرۃ الغنیۃ فیؤمر الوصی بدفع نفقۃ قریبھما المحرم بشرطہ کذا فی أنفع الوسائل بحر" (ردالمحتار علی الدرالمختار ۲،۷۴۰)۔

والدین کا اپنی غربت اور معاشی بد حالی کی بنا پر بچوں کو مزدوری پر لگانا جائز ہوگا اور اس وقت توبدرجہ اولی جائز ہوگا جبکہ وہ خود کمانے کے لائق نہ ہوناور حکومت بھی ان کا تکفل نہ کرتی ہو ''صرحو بأن الأب إذاکان مریضا أو بہ زمانۃیحتاج إلی الخدمۃ فعلی ابنہ خادمہ" (شامی جلد۲،۷۲۸)، جب خادم کا مہیا کرنا بچہ پر لازم ہے تو وہ خود باپ کے لیے کمانے پر کیوں نہیں لگایا جائے گا۔

(۱۱)نابالغ بچہ یا بچی سے قتل ،غارت گری ،چوری، زنا بالرضا یا زنا بالجبر جیسے جرائم صادر ہوں تو ان پر حد تو جاری نہیں کی جائے گی، البتہ اگر نابالغ قاتل ہے تو اس کو سیاسۃ امام قتل کروا سکتاہے (رد المحتار ۳،۱۹۶ مطلب یکون التعزیر بالقتل،باب التعزیر)، اسی طرح شامی میں ص ۲۰۴،ہے ''وشرع فی حق الصبیان"یعنی تعزیر بچوں کے حق میں مشروع ہے۔

جب بچہ پر تعزیر کی جاسکتی ہے تو ان کو قید کیا جاسکتا ہے، ان کو قید خانہ میں سزائیں بھی دی جاسکتی ہیں، ایسی سزا جس سے ان کے اور ان کے اعضاء کا تلف نہ لازم آئے اور ان سے کام بھی لیا جاسکتا ہے اور کوئی ہنر اور کاریگری سکھائی جائے تو بہتر ہے، ان کے اصلاح کیتدبیر ان کو تعلیم دینا ہے، ان کے تعلیم کا نظم ہو، اخلاقیات کا درس دیا جائے اور جرم کی قباحت اور اس کا نقصان بتایا جائے، اچھے لوگوں کی سیرت و سوانح کے پڑھانے کا نظم ہو ۔

(۱۲)یتیم بچوں کی پرورش کا تو اسلام میں ایک مضبوط نظام ہے جو کتب فقہ میں مصرح ہے کہ ایسے بچوں کاخرچہ دادا اٹھا ئے گا اگر وہ مالدار ہو یا چچا یا بھائی ہو تو ان دونوں میں سے کوئی ایک اٹھا ئے گا، اسی طریقہ سے نسبی رشتہ دار پر اقرب فالاقرب کے قاعدہ کے مطابق خرچ کرنا اور تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا ضروری ہوگا، اگر کوئی بھی نہ ہو تو بیت المال پر ہوگا اور اگر بیت المال کا نظام نہ ہو جیسے ہمارے ہندوستان میں

تو عام مسلمانوں کی ذمہ داری ہو گی کہ ایسے بچہ کی حفاظت کریں جیسا کہ کتاب الفقہ میں ہے:''فإن لم یکن لهم جد موسر، وکان لهم عم أو أخ موسر وجبت النفقة علی واحد منهما، وإلا وجب علی الأقرب فالقرب وعلی کل حال .... فإن لم یستطع وجبت نفقتهم فی بیت المال، کی لا یضیعوا'' (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ۴،۵۱۲،۵۱۳، باب النفقة، نفقة الاولاد)، البتہ اگر کوئی بچہ ماں باپ سے بچھڑ جائے یا ولادت کے بعد پھینک دیا جائے یا کوئی اور صورت حال پیش آئے اور اس بچہ کے رشتہ داروں کا پتہ چل جائے تو جزئیت کے اعتبار سے اس کے عصبات پر اس کا خرچہ لازم و ضروری ہو گا، اگر معلوم نہ ہو سکے جیسا کہ ظاہر ہے تو پھر اس کا خرچ حکومت کے بیت المال پر ہو گا اور حکومت کییہ ذمہ داری ہو گی کہ وہ اس کی حفاظت کا انتظام و انصرام کرائے اور اگر حکومت وقت لاپرواہی برتے تو عامة المسلمین پر اس کے جان کی حفاظت واجب ہوگی۔

(۱۳)حد درجہ بڑھے ہوئے افلاس اور پرورش کی استطاعت کے نہ رکھنے کی صورت میں ماں باپ کا اپنے بچہ کو کسی دوسرے کے حوالہ کر کے بے تعلق ہونا شرعا درست نہیں ہے، اس لیے کہ بچہ کا خرچہ باپ پر ہے، اگر وہ استطاعت نہیں رکھتا ہے تو دادا پر ہے، اسی طرح اور رشتہ داروں پر، اگر کوئی نہ ہو تو بیت المال پر، اگربیت الما ل نہ ہو تو عامة المسلمین پر ہے، اگر کسی کو بچہ دے دے تو اس کی طرف سے پیش کیا جانے والا ہدیہ اس کے لیے جائز نہ ہوگا، اس لیے کہ انسان کی خرید فروخت جائز نہیں ہے اور یہ (ثمن)قیمت بنام ہدیہ ہے جیسا کہ ''بدائع '' میں ہے ''والآدمی بجمیع أجزائہ محترم مکرم ولیس من الکرامة والاحترام ابتذالہ بالبیع والشراء (البدائع والصنائع ۵،۱۴۵)، اسی طرح ہدایہ میں ہے: ''إذا کان أحد العوضین أو کلاهما محرما فالبیع فاسد وکذا إذا کان غیر مملوک کالحر'' (ہدایہ۳،۵۳)، ایسے ماں باپ کو قید کر دیا جائے گا اور اگر ان کے لیے استطاعت کا مسئلہ ہو تو اسلام میں بیت المال اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں عامة المسلمین کی طرف سے دیا جانے والا صدقہ اور زکاة سے ان کی مدد کی جائے گی اور ہدایت کی جائے گی کہ وہ اپنی حرکت سے رک جائے، بہر حال اس کے لیے اسلامی تنظیموں کو کوشش کرنی ہوگی کہ لوگ اس عمل کو برا سمجھیں اور اپنی ذمہ داری سے فرار اختیار نہ کریں ۔

(۱۴) ذہنییا جسمانی طور پر معذور پیدا ہو نے والے بچے یامعذور ہو نے والے بچہ کے سلسلہ میں اسلامی ہدایاتیہ ہیں کہ ماں باپ پران کا علاج بقدر استطاعت واجب ہے اور علاج و نگہداشت کے لیے ہسپتال میں رکھنا جائز ہوگا، البتہ ماں باپ پر ان بچوں سے ملنا لازمی ہوگا ''وفی الشرع حفظ الصغیر، والعاجز، والمجنون والمعتوہ، مما یضرہ بقدر المستطاع''(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴،۵۲۰)۔

***

اسلام میں بچوں کے حقوق اور ان سے متعلق احکام

قاضی محمد ریاض ارمان قاسمی•

اسلام میں بچوں کے حق پرورش کے سلسلہ میں ہدایتیہ ہے کہ ماں پر بچہ کی پرورش کرنا دیانۃ واجب ہے، قضاء واجب نہیں ہے، اگر ماں نہ ہو تو نانی اوپر تک پھر دادی، اسی طرح ماں کی جہت کی عورتیں پھر باپ اس کے بعد عصبات مستحق پرورش ہونگے، اگر کوئی نہ ہوتو معاملہ قاضیکے سپرد ہو گا اور خرچ بیت المال پر ہوگا، اگر باپ زندہ ہو تو پرورش کا خرچ اس پر ہوگا، ورنہ نفقہ کی ترتیب پر دوسرے رشتہ دار پر ہو گا،اگر مذکورہ لوگوں کے سپرد کرنے میں بچہ کا ضائع ہونے کاخطرہ ہو یا اس کے دین کا خطرہ ہو تو صاحب حق کا حق حضانت ساقط ہوجائے گا اور ماں یا دوسری عورتیں جب بچہ کے اجنبی سے شادی کر لیں، اسی طرح وہ مرد جو بچی کے محرم نہ ہوں جیسے چچا زاد بھائی تو وہ بھی بچی کی حضانت سے محروم ہوں گے۔

اسلام میں بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے بنیادی ہدایتیہ ہے کہ ان کو فرائض دین کی تعلیم اور حرفت وصنعت سکھا ئی جائے گی، بچوں اور بچیو ں کو فرائض کی تعلیم دینا فرض، سنت کی تعلیم دینا سنت، مستحب کی تعلیم مستحب اور مباح کی تعلیم دینا مباح ہے اور عصری تعلیم معاش کے حصول کی حدتک لازم ہے، ورنہ مباح ہے، اگر کوئی صحیح علم حاصل کرے تو بالغ ہو نے کے بعد بھی اس کا خرچہ باپ پر ہے اور وہ اس کوحصول علم سے منع نہیں کرسکتا ہے۔

اگر حکومت کسی حد تک کی تعلیم کو لازم قرار دے تو مسلمانوں کے لیے حکومتی قانون کے اعتبار سے لازم ہوگا، اسلامی قانون کے اعتبا ر سے لازم نہیں ہوگا۔

جنس کی تعلیم بچوں کا حق نہیں ہے، اس لیے اس سے ان میں بے حیائی اور بری عادتیں جڑ پکڑیں گی۔

اسلام میں نابالغ بچوں اور بچیوں کی شادی باپ دادا کو کرنے کا اختیار ہے، بعد بلوغ کے بھی ان کی شادی جلدی کرنے کا حکم ہے تاخیر کرنے کی اسلام میں حوصلہ افزائی نہیں کی گئی ہے، بلکہ بعض حالات میں بعد بلوغ شادی فرض،واجب اور سنت اور مباح کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔

بچوں سے مزدوری کرانے میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ ان کے نشو نما میں

• قاضی شریعت دار القضاء، مدرسہ اسلامیہ قرآنیہ فیض العلوم، ہریانہ۔

خرابیاور ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو، والدین بچوں سے ان کی عمر کا لحاظ کر کے ان سے گھر کا کام انکی مقدور کے مطابق لے سکتے ہیں اور معاشی ضرورت کے لیے ان سے مزدوری کراسکتے ہیں، اسی طرح ان کو پیشہ وارانہ کام بھی سکھا سکتے ہیں جو ماں باپ خود کما نہینسکتے ہیں تو وہ بچوں کو اجرت پر دے سکتے ہیں، ان تما م صورتوں میں اس بات کا خیال رہے کہ ماں باپ بچہ کے ذریعہ کمائی گئی رقم کے مالک نہیں ہوں گے اور ان کو اپنی ضرورت پر بغیر ضرورت شدیدہ خرچ کرنے کے مجاز بھی نہیں ہونگے، اس لیے کہ وہ بچہ کا مال ہے، اس میں تصرف کی اجازت نہیں ہے، ہاں اس میں سے اسی کے اوپر خرچ کرسکتے ہیں، اپنے لیے کہیں اور سے انتظام کریں، البتہ غریب ہینیا کسب سے عاجز ہیں تو خرچ کر سکتے ہیں۔

نابالغ قیدی کو سزائیں دی جاسکتی ہیں ان سے تعزیرا کام لیا جاسکتا ہے اور ان کی اصلاح کے لیے انہیں اخلاقیات کا درس دینا چاہئے۔

بے سہارا بچہ باپ کے مرنے بچھڑ جانے یا پھینک دئے جانے کے بعد اگرباپ ہو تو وہ ورنہ ورثہ یا حکومت ورنہ تو عام مسلمان اس کی دیکھ ریکھ، تعلیم وتربیت کے ذمہ دار ہونگے،غیریبی کی وجہ سے اپنا بچہ کسی دوسرے کو نہیں دے سکتے ہیں، اس لیے کہ وہ بچہ کے ما لک نہیں ہیں بلکہ وہ ان کے پاس امانت ہے، اسی طرح اس کے نام کا دیا ہوا ہدیہ استعمال نہیں کر سکتے ہیں، اس لیے کہ انسان کی خرید فروخت اور ہدیہ جائز نہیں ہے، کیونکہ ہدیہ تو مال کا ہے اور یہ مال نہیں ہے۔

مفلوج بچہ کا علاج باپ بقدر استطاعت کرے گا، البتہ اس کو نگہداشت کے لیے ہسپتال میں رکھ سکتا ہے جبکہ وہ اس کو چھوڑ کر بالکل لا پرواہ نہ ہو جائے ۔

***

بچوں کے حقوق اور اسلامی تعلیمات

مولانا عبد التواب اناوی•

الف: ١۔ ماں کو حق پرورش میں پہلا درجہ حاصل ہے اس کے بعد ضابطہ کے مطابق دوسری عورتوں کو۔

٢۔ حق پرورش کے حصول کے لئے ضابطہ کی ہر عورت کے لئے مذکورہ صفات سے متصف ہونا ضروری ہے:

(١) آزاد ہونا، (٢) عاقل ہونا، (٣) مسلمان یا اہل کتاب ہونا، (۴) صحت مند ہونا، (۵) غیر ذی رحم محرم کے نکاح سے خالی ہونا، (۶) بالغہ ہونا، (٧) امینہ ہونا، (٨) گھر میں رہنے والی ہونا، (٩) متقیہ ہونا، (١٠) بینا ہونا، (١١) حقوق پرورش سے واقف ہونا۔

٣۔ حق پرورش کے ضابطہ میں آنے والی عورت اگر مذکورہ صفات میں سے کسی صفت کی اہل نہیں ہے تو اسے چھوڑ کر دوسری ضابطہ کی عورت جس میں تمام صفات موجود ہوں حق حضانت دیا جائے گا۔

۴۔ اگر مدت حضانت کے بعد باپ یا عصبات کی جانب سے یا مدت حضانت سے قبل حاضنہ کی طرف سے غیر ذمہ دارانہ باتیں اور چیزیں محسوس ہوں تو بچہ کو ان سے لے کر دوسرے کو دےدیا جائے گا خواہ وہ نقصان بچہ کو پہنچ رہا ہو یا از روئے قرائین پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

ب: بچہ کو بالغ ہونے سے قبل عائد ہونے والی تمام دینی ضرورتوں کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے۔

(٢) بچوں اور بچیوں کو دین کی اتنی تعلیم ضروری ہے جس سے وہ حرام وحلال اور روز مرہ کی زندگی میں پیش آمدہ مسائل میں فرائض وواجبات اور حرام ومکروہات کو جان لیں، عصری تعلیم بھی اسی حد تک ضروری ہے جس سے معاشرہ میں جینے رہنے اور کام کرنے کا حق مل جائے۔

(٣) اگر حکومت کسی حد تک بچو ناور بچیوں کو تعلیم کا پابند کرے اور وہ تعلیم وطرز تعلیم مغائر احکام اسلام نہ ہو اور معاشرہ کا کچھ حرج بھی نہ ہوتا ہو تو اس کی پابندی میں کوئی حرج نہیں، ورنہ اجازت نہیں۔

(۴) جنسی تعلیم حرام ہے، اسلام اس کی کسی بھی طرح اجازت نہیں دیتا، اسے

• جامعہ اسلامیہ، بانگر مئو، اناؤ۔

بچوں کا حق کہنا غلط ہے۔

ج: نکاح ہر عمر میں جائز ہے، البتہ بالغ ہونے سے قبل نکاح میں رخصتی بعد از بلوغ ہونی چاہئے اور نکاح بعد البلوغ میں غفلت نہیں برتنی چاہئے، بلکہ بہت جلدی کرنی چاہئے۔

د: (١) بچہ مزدوری اسلام میں جائز نہیں ہے۔

(٢) تعلیم سے فارغ اوقات میں تربیت کے عنوان سے بچہ سے گھر کے وہ کام لئے جاسکتے ہیں جس سے بچہ کا تعلیمی، جسمانی اور نفسیاتی نقصان نہ ہو۔

(٣) نادر اور فقیر حضرات کے بچوں کی تعلیم وتربیت حکومت، یا پھر مسلم معاشرہ کے ذمہ ہے اور فقراء کا نفقہ بھی۔

ہ: نابالغ بچوں پر حدود جاری نہ ہونگی، ان کا تاوان ان کے باپ سے لیاجائے گا، ان کے لئے سزا ہونی چاہئے۔

و: جیلوں میں قید بچوں کو مارنا، پرمشقت کام لینا، نامناسب سزا دینا جائز نہیں، ان سے تعلیم سے فارغ اوقات میں تربیتی عنوان سے صرف اتنا کام لیا جاسکتا ہے جس میں ان کا جسمانی، تعلیمی اور تربیتی نقصان نہ ہو۔

ز: بے سہارا بچوں پر لقیط کا حکم جاری ہوگا، ان کا نفقہ سلطان یا عامۃ المسلمین پر ہے، معاشرہ پر ضروری ہے کہ انکی تعلیمی ضرورتوں اور بعدہ عائلی ضرورتوں کو پورا کرنے کی مکمل سعی کریں۔

ح: بچوں کی خرید ہو یا فروخت قتل نفس کے حکم میں ہے، اسلام اسے حرام قرار دیتا ہے، نہ خوش حالی میں ہی اس کی اجازت ہے اور نہ تنگ دستی او رحالت فقر میں، بہرصورت حرام ہے۔

ط: معذور بچوں کی پرورش عام بچو نکی طرح ان کے والدین پر واجب اور ضروری ہے، البتہ اگر کسی اسپتال وادارے میں ان کےعلاج اور نگرانی کا باضابطہ نظام ہو اور بہت ہی صاف ستھرا حدود وقیود کے ساتھ معاملات طے کئے جائیں اور جملہ اخراجات کا صرفہ والد کے ذمہ رکھا جائے اور ساتھ ہی تحدید وقت بھی ہو تو اسے درست ہونا چاہئے، اسے پرورش کی ذمہ داری سے فرار نہیں کہا جانا چاہئے، واللہ تعالی اعلم بالصواب وإلیہ المرجع والمآب۔

***

اسلامی قانون میں بچوں کے حقوق

مفتی عارف کنجروی•

بچے کاحق حضانت:

اسلام نے بچوں کی پرورش کو بڑی اہمیت کی نظر سے دیکھا ہے اور اسکو ایک مستقل حق کے طور پر مانا ہے اور باقاعدہ ایک فہرست بیان فرمائی کہ کون کون بچے کی پرورش کے حقدار ہیں، اوراس میں بھی بچے اور حقداروں کی رعایت کرتے ہوئے مدت بھی متعین فرمادی، اولاً اسلام اس حق کو ماں کے سپرد کرتا ہے، اس لئے کہ ماں میں بچوں کی محبت وشفقت بنسبت باپ کے زیادہ ہوتی ہے، اور ما نکی نرمی بھی بےنظیر ہے، اوراس عمر میں بچہ انہی محبتوں اور شفقتوں کے قابل ہوتا ہے، لیکن جب بچہ سات سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو اسلام اس حق کو باپ کی طرف پھیر دیتا ہے، اس لئے کہ بچہ کو اس عمر میں جس تعلیم وتربیت کی ضرورت پڑتی ہے اس کے لئے موزوں شخص باپ ہی ہے، اسی طرح بچی جب بالغ ہوجائے تو باپ ہی کے ذمہ پرورش ہے، اور چونکہ شادی کا معاملہ بھی درپیش ہوتا ہے جس کو باپ ہی صحیح طریقہ سے انجام دے سکتا ہے۔

* اگر ماں کا انتقال ہوجائے یا وہ مطلقہ ہوجائے اور دوسری شادی کرلے تو حق حضانت نانی کے ذمہ ہوتاہے، اس کے بعد دادی، علامہ کاسانی نے لکھا ہے کہ اسی طرح بالترتیب بچے کے جتنے بھی محرم رشتہ دار ہوں اگر وہ مسلمان وآزاد ہوں تو ایک کی غیر موجودگی میں دوسرے قریبی محرم رشتہ دار کے ذمہ بچہ کی پرورش ہے (بچے حقوق واحکام ٣٧٤٠)۔

* شریعت نے یہ ترتیب بچے کی صحیح تربیت اور اسکے مفاد کےلئے کی ہے، لیکن اگر اس ترتیب میں بچے کا نقصان ہو تو یہ حق دوسروں کی طرف منتقل ہوجاتاہے جیسے ماں مطلقہ ہوگئی اور دوسرا شوہر بچے کےلئے بالکل اجنبی ہو یعنی بچے کے ساتھ اس کا کوئی قریبی رشتہ نہ ہو تو اس کا کوئی حق نہ ہوگا۔ اس شرط کی اصل وہ روایت ہے جو عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے مروی ہے کہ ایک عورت حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عر ض کیایا رسول اللہ میں اس بیٹے کو پیٹ میں لئے پھری، گود میں اٹھا رکھا، اپنی چھاتی سے دودھ پلایا اب اس کا باپ مجھ سے چھیننا چاہتا ہے، حضورﷺ نے فرمایا: ''أنت أحق بہ منہ ما لم تنکحی'' (بدائع اردو ٤،١١٤)۔ او راس میں

• جامعہ قاسمیہ کھروڈ انکلیشور، بھروچ، گجرات۔

حکمت یہ ہے کہ اگر بچے کو اس نئے باپ کے حوالہ کردیا جائے تو وہ بچہ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گا اور بچے کے ضرر کا بھی قوی اندیشہ ہے او ریہ بات محرم شوہر کے وہاں پیش نہ آئے گی۔

دوسری چیز جس سے ماں حق حضانت سے محروم ہوتی ہے ماں کا مرتد ہونا ہے کہ مرتدہ کو قید کرلیا جاتا ہے اور بچہ کے قیدی بننے میں ضرر ہے، اسی طرح ماں کے باندی اور ام ولد ہونے کی صورت میں بھی حق حضانت سے محروم کردی جاتی ہے (بدائع الصنائع)۔

بچے کی تعلیم وتربیت:

شریعت میں تعلیم کی بڑی اہمیت ہے، اس لئے کہ اسلام مکلف سے جن فکری عقائد وعملی اخلاق کا مطالبہ کرتا ہے وہ بغیر تعلیم کے پورا نہیں کیا جاسکتا، نیز قرآن وحدیث میں بھی جابجا حصول علم اور علم کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے، قرآن مجید میں ہے:''ہل یستوی الذینیعلمون والذین لا یعلمون'' (سورہ زمر: ۹)۔ اور تعلیم کے سلسلہ میں اسلام نے لڑکا اور لڑکی کے درمیان کوئی تفریق نہیں رکھی، فرمان نبویﷺ: ''طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم'' (ابن ماجہ)، یہ ارشاد عام ہے جس میں لڑکا ولڑکی تمام داخل ہیں، نیز اسلام میں مرد وعورت کے علاحدہ علاحدہ فرائض ہیں او رہر ایک کو اپنے فریضے کو جاننا ضروری ہے۔

* لہذا اہمیت تعلیم کے پیش نظر اسلام نے ہر باپ پر یہ فریضہ عائد کیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی اچھی تعلیم وتربیت کا انتظام کریں، چنانچہ نبیﷺ نے فرمایا کہ ایک باپ کا اپنے بچے کے لئے سب سے بہترین ہدیہ بہترین تعلیم وتربیت ہے۔

''ما نحل والد ولداً من نحل أفضل من أدب حسن'' (سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۱۹۵۲)۔

اور لڑکیوں کی اچھی تعلیم وتربیت اور ان کی شادی کا اچھا انتظام کرنے والے باپ کو حضورﷺ نے جنت کی بشارت سنائی (بچے حقوق واحکام ،ص : ۱۴۰)۔

* لہذا ان کو اتنی تعلیم دینا تو ضروری ہےکہ ان کا دین پر چلنا آسان ہوجائے اور ان میں اسلامی اخلاقیات ومعاملات ومعاشرت کی سوجھ بوجھ آجائے، اور رہا مسئلہ عصری تعلیم کا تو چونکہ فی زماننا روزگاری اور معاش کے حصول کا ظاہری سبب عصری تعلیم ہے اور اس کا ایک خاص نصاب ہے اور ظاہر ہے کہ یہ عمل اسلامی نقطہ نظر سے خلاف شرع بھی نہیں، الا یہ کہ اس نصاب میں خلاف شرع کچھ ایسی باتیں شامل کی گئی ہوں یا اس کے پڑھانے والو نکی طرف سے کوئی بچوں کی تربیت خلاف شرع ہوئی ہو، جیسے آجکل RSS اور سنگھ پریوار نیز عیسائی مشنری کی اسکولوں میں ہورہا ہے کہ وہ مسلمانوں کے بچوں کی تربیت بھی اپنے نقطہ نظر سے کرتے ہیں، لہذ اایسے

اسکولوں میں بچو نکو داخل نہ کیاجائے، اسی طرح اگر بچے اس عمر کو پہنچ جائے کہ ان کے اندر خواہشات پیدا ہونے لگے تو لڑکے اور لڑکی کا اختلاط ممنوع وحرام ہے، حتی کہ شریعت نے تو قریب البلوغ کے بستر کو بھی علاحدہ کرنے کا حکم دیا ہے، لہذا مخلوط تعلیم کے اسکولوں میں ان بچوں کو جو قریب البلوغ ہو او رصنفی امور کا شعور ان میں بیدار ہوگیا ہو داخل کرنا جائز نہیں، ورنہ آپس میں میل جول پایا جائے گا جو شریعت کی نگاہ میں بہت بڑ اجرم ہے (بچے حقوق واحکام، ص: ٣٨٦)۔

ہاں اگر حکومت کسی سطح تک کی تعلیم کو لازم قرار دے تو ان کے قوانین کی رعایت کی جائے، اگر حکم خداوندی پامال نہ ہوورنہ ''لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق''، اصول شرع مسلم ہے۔

* آج کل جو شور ہے کہ جنسی تعلیم بھی بچوں کا حق ہے، یہ بالکل غلط ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ ''قال ربنا الذی أعطی کل شئی خلقہ ثم ہدی '' (طہ: ٥٠)، اب جوچیز خود بخود حاصل ہوجاتی ہو اور طبعی امور میں سے ہو ایسی چیزوں کے پیچھے لگانا تحصیل حاصل اور حیوانیت کا بھڑکانا ہے۔

* اور آج کل جو شادی کی عمر میں افراط وتفریط پائی جاتی ہے تو والدین کو یہ ہدایت کی جائے کہ وہ اس میں سمجھ وعقلمندی سے کام لے اور خاص کر زیادہ تاخیر نہ کرے، ورنہ بچوں کے گناہ کا وبال بھی ان پر ہوگا۔ فرمان نبویﷺ ہے: ''من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وأدبہ فإذا بلغ فلیزوجہ فإن بلغ ولم یزوجہ فأصاب إثماً فإنما إثمہ علی أبیہ'' (مشکوۃ، ص: ٢٧١)۔

اور رہا مسئلہ کہ کس عمر میں شادی کرائی جائے تو اس کی کوئی قید نہیں ہے، قبل البلوغ وبعد البلوغ شادی کے آثار صحابہ کرام سے ملتے ہیں۔

* کبھی گرد ش ایام سے یہ صورت حال بھی پیش آتی ہے کہ باپ کمانے سے عاجز ہوجاتا ہے یا اس کا انتقال ہی ہوجاتا ہے اور قریبی رشتہ دار بھی ایسے ہوتےہیں کہ باپ کی جائیداد کی طرف توجہ نہ دی گئی تو ہڑپ کرجائینگے خاصۃً فی زماننا تو اس صورت میں اسلام بچے کو مزدوری کی اجازت دیتا ہے تاکہ وہ گھر والوں کی پرورش کرسکے،لہذا فقہاء نے لکھا ہے:

''فلأب أن یؤاجر ابنہ الصغیر من عمل من الأعمال'' (بدائع ٢٢،٤، بچے حقوق واحکام، ص: ٢٩٩)۔

* کبھی بچہ ایسی حرکت کربیٹھتا ہے جو قابل مواخذہ ہوتی ہے تو کیا بچے کو اس حرکت پر سزا دی جائے یا نہیں؟ تو فقہاء نے یہ تقسیم فرمائی ہیں کہ اگر وہ غیر ممیز ہے تو بدنی عقوبات میں سےکوئی بھی لاگو نہ ہوگی، اس لئے کہ اس سے اس کے بارے میں حساب وکتاب ہی نہ ہوگا، اگر وہ ممیز ہے تو تادیباً سزا دی جائے، چاہے ڈانٹ ڈپٹ ہو یا

قدرے زدوکوب، اس طور پر کہ اتلاف نہ ہونے پائے، ہاں اگر بچہ مال کو ضائع کرتا ہے تو مال کا ضمان اس پر ضرور عائد کیا جائے گا (الموسوعۃ الفقہیہ۲۷،۳۳)۔

* بچے کے جرم پر جو تفصیل ہوئی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بچے کو سزا دینے کے باب میں شریعت نے نرم پہلو اختیار کیا ہے، لہذا اب بچوں کو ان کے جرم پر قید خانہ میں بند کئےرکھنا اور ان سے بار برداری کا کام لینا، ان پر ظلم وزیادتی ہوگی، مناسب تو یہ تھا کہ بچوں کو روک کر زیو رتعلیم سے آراستہ کیا جائے تاکہ کچھ اچھے برے کی تمییز ہو، اور شنیع کاموں سے باز آجائے، ورنہ بسااوقات یہ سزائیں بچو نکو اور دلیر بنادیتی ہیں اور بڑے بڑے جرائم کی طرف لے جاتی ہیں۔

کبھی ایسا بھی سننے میں آتا ہے کہ والدین افلاس کے خوف سے یا زانیہ عفت کو بچانے کے لئے نومولود کو راستہ یا کوڑے دان میں ڈال دیتے ہیں، تو ایسا بچہ کسی کو مل جائے تو اسلام اس کو اس کی پرورش کی تعلیم دیتا ہے، لیکن اس کی چند صورتیں ہیں، ''التقاطہ فرض کفایۃ إن غلب علی ظنہ ہلاکہ لو لم یرفعہ ولو لم یعلم بہ غیرہ ففرض عین''۔

(۱) اگر بچہ ایسی جگہ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی نہیں دیکھتا او رنہ اٹھانے کی صورت میں ہلاک ہوجائے گا تو اٹھانا فرض عین ہے۔

(۲) اور اگر عام شاہراہ پر پھینکا ہوا ہے اور بہت سے لوگوں کی اس پر نظر پڑتی ہے او رنہ اٹھانے کی صورت میں اس کی ہلاکت کا اندیشہ ہے تو اٹھانا فرض کفایہ ہے۔

(۳) لیکن اگر امید ہو کہ اس کو کوئی اٹھا ہی لے گا تو پھر اٹھا کر پرورش کرنا مستحب ہے۔

الحاصل اگر اٹھا لیاتو پرورش کا ذمہ دار وہ خود ہے، دوبارہ پھینکنا اور چھوڑنا جائز نہیں ہے، کیونکہیہ نفس انسانی کو جان کر ہلاک کرنے کے مترادف ہے۔

''وینبغی أن یحرم طرحہ بعد التقاطہ لأنہ وجب علیہ بالتقاطہ حفظہ فلایملک ردہ إلی ما کان علیہ''۔

''ولیہ السلطان حتی أن الملتقط إذا زوجہ امرأۃ لم یجز'' (ہندیہ۲،۲۸۵، البحر الرائق)۔

اس دوسری عبارت سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ملتقط صرف پرورش کا ذمہ دار ہے، نہ کہ دیگر کاموں کا، لہذا اصل ذمہ دار تو حاکم وقت ہی ہوتا ہے۔

* کبھی والدین بچہ کے پیدا ہونے سے افلاس کا خطرہ محسوس کرتے ہیں،یہ جہالت اور معرفت خداوندی کے نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، لہذا یہ ہمیشہیاد رکھنا چاہئے کہ رزق کی ذمہ داری اللہ کے ذمہ ہے، سورہ اسراء میں ہے: ''نحن نرزقہم وإیاکم''۔ ترتیب آیت سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ پہلے رزق کے مستحق تو یہ ضعیف بچے ہیں اور انہی کی خاطر تمہیں رزق دیا جاتا ہے، لہذا والدین کا افلاس کے خوف سے اپنے بچوں کے بارے میں ایسا فیصلہ کرنا کہ جس سے اس کی جان ، یا اس کی تعلیم وتربیت کا حرج

ونقصان ہو اسلام اس کی اجازت تو درکنار مذمت کرتا ہے، مفتی شفیع صاحبؒ نے معارف القرآن میں ‘‘لا تقتلوا أولادکم من إملاق’’ کے تحت لکھا ہے جو لوگ اپنی اولاد کے اعمال، اخلاق کے درست کرنے کی طرف توجہ نہیں دیتے اور ان کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں وہ بھی ایک حیثیت سے قتل اولاد کے مجرم ہیں۔

* آج کل مذہب بیزاری اور اخلاقی گراوٹ کے سبب انسان اس قدر جری ہوگیا کہ انسان انسان کو فروخت کرنے لگا، اور وہ بھی اس جان کو جو بالکل ضعیف ہے، اور ان کا وجود ہی قابل ترحم ہے، ان کو اٹھا کر ایسے لوگوں کے ہاتھوں بیچا جاتا ہے جو ان کی گداگری کرواتے ہیں، کوئی تو جنسی استحصال کرتاہے تو کوئی درندہ صفت ان کے اعضاء کو بھی جداجدا کرکے فروخت کردیتا ہے، ایسے لوگوں کی حدیث میں وعید آئی ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں: ‘‘ثلاثۃأنا خصمہم یوم القیامۃ رجل أعطی ثم غدر، ورجل باع حراً وأکل ثمنہ، ورجل استأجر أجیراً فاستوفی منہ ولم یعطعہ أجرہ’’ (بخاری)۔

ایسے جرائم کو بند کرنے کے لئے اسلام نے مختلف سزائیں مقرر کی ہیں، فقہاء کے مختلف اقوال کو دیکھتے ہییہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایسے لوگوں کو یا تو بطور تعزیر کے سزا موت دینی چاہئے یا کم از کم امام مالکؒ کی رائے اور امام ابویوسفؒ کے ایک قول کے مطابق چوری کیسزا جاری کی جائے، تاکہ ایسے لوگ اپنی حیوانیت سے باز آجائیں۔

* بعض اوقات بچے میں پیدائشی کچھ نقص رہ جاتا ہے جس میں حکمت خداوندی کار فرما ہوتی ہے، جہاں ہماری ناقص عقل نارساں ہے، اب انکی پرورش اور علاج ومعالجہ کرنا والدین کے ذمہ حتی الوسع ضروری ہے، البتہ وسعت سے زیادہ کے وہ مکلف نہیں ہیں، ‘‘لا یکلف اللہ نفساً إلا وسعہا’’۔

فی زماننا ایسے بچوں کی پرورش کے لئے حکومت نے بعض جگہ بے بے سینٹر کھولے ہیں جس میں بچے کو رکھنے کے لئے چند چیزوں کا لحاظ رکھنا عند الاحناف ضروری ہے، وہ یہ کہ شدید ضرورت ہو، پرورش کرنے والی محرم رشتہ دار ہو، اور عند الشوافع محرم کی قید نہیں ہے تو عند الضرورت عدول عن المذہب کی اجازت ہوگی جبکہ محرم نہ ہو، غیر مسلم سے بھی ضرورت کی وجہ سے پرورش کرائی جاسکتی ہے جبکہ فتنہ اور تبدیلی مذہب کا خطرہ نہ ہو، ورنہ اس سے بچنا واجب ہے، لہذا قبل از شعور بچے کو وہاں سے نکال لے،واللہ تعالی اعلم۔

***

اسلام میں بچوں کے حقوق

مولانا حبیب بن یوسف قاسمی•

الف: اللہ تعالی شانہ اپنے کلام پاک میں فرماتے ہیں:

''والوالداتیرضعن أولادہن حولین کاملین لمن أراد أن یتم الرضاعۃ وعلی المولود لہ رزقہن وکسوتہن بالمعروف ....'' (سورہ بقرہ: ٢٣٣)۔

(اور مائیں اپنے بچوں کو دوسال کامل دودھ پلایا کریں،یہ مدت اس کے لئے ہے جو کوئی شیرخوارگی کی تکمیل کرنا چاہے اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ ہے ان کا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے موافق الخ)۔

اصطلاح شرع میں بچہ کی پرورش کو حضانت کہتے ہیں۔

حضانت واجب ہے، اس لئے کہ بچہ کی پرورش صحیح طور پر نہ کی جائے تو بچہ کے ضائع ہوجانے کا اندیشہ ہے، حضانت میں بچہ، پرورش کرنے والی اور بچہ کے باپ، تینوں ہی کا حق متعلق ہوتا ہے، اگر تینوں کے حق میں کبھی تعارض ہو تو بچہ کے حق کو ترجیح دی جائے گی، ''فینبغی للمفتی أن یکون ذا بصیرۃ لیراعی الأصلح للولد .... لأن مدار أمر الحضانۃ علی نفع الولد'' (رد المحتار ٢٦٦،٥)۔

اور حق حضانت حسب ذیل ترتیب کے ساتھ بچہ کے ان رشتہ داروں کو حاصل ہوگا:

ماں، نانی، دادی، حقیقی بہن، اخیافی بہن، علاتی بہن، حقیقی بھانجی، اخیافی بھانجی، حقیقی خالہ، اخیافی خالہ، علاتی خالہ، علاتی بھانجی، حقیقی بھتیجی، اخیافی بھتیجی، علاتی بھتیجی، حقیقی پھوپھی، اخیافی پھوپھی، علاتی پھوپھی (رد المحتار ٢٦٣-٣٢٥٣،٥)۔

اگر مندرجہ بالا خواتین میں سے کوئی خاتون نہ ہو ، یا حضانت کی اہل نہ ہو تو حق حضانت حسب ترتیب ذیل ان عصبہ کی طرف منتقل ہوگا جو بدچلن اور بے عقل نہ ہوں، اولاً اصول پر بھائی اور ان کی اولاد، پھر چچا اور ا ن کی اولاد، لیکن لڑکی کسی غیرمحرم مرد کو پرورش کے لئے نہیں دی جاسکتی، جیسے چچا زاد بھائی، اگر عصبہ میں سے بھی کوئی نہ ہو یا حضانت کا اہل نہ ہو تو ذوی الارحام جیسے اخیافی بھائی، پھر اس کی اولاد، پھر اخیافی چچا، پھر حقیقی ماموں، پھر اخیافی ماموں کو حق حضانت حاصل ہوگا (درمختار مع الرد ٢٦٣-٢٦٥،٥)۔

• ناظم مدرسہ انوار محمدی، ممبئی۔

اگر ایک درجہ کے دوشخص مستحق حضانت موجود ہوں تو جو زیادہ بہتر تربیت کیصلاحیت رکھتا ہو، پھر زیادہ پرہیزگار پھر زیادہ عمر والے کو ترجیح دی جائے گی، ‘‘فإن تساووا فأصلحہم ثم أورعہم ثم أکبرہم ’’ (درمختار۵،۲۶۵)۔

حق حضانت انہیں کو حاصل ہوگا جو عاقل بالغ ہوں اور بچہ کی جسمانی اور اخلاقی تربیت کی صلاحیت رکھتی ہوں اور قابل اعتماد ہوں۔

عورت کے مستحق حضانت ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کی منکوحہ نہ ہو جو اس بچہ کے لئے غیر ذی رحم محرم ہو، اس لئے اگر وہ عورت مستحق حضانت بچہ کے چچا یا بھتیجے سے نکاح کرے تو حق حضانت ساقط نہیں ہوگا، باپ کے افلاس کی شکل میں مذکورہ بالا ترتیب کو ملحوظ رکھتے ہوئے مستحقین حضانت میں اس کا حق مقدم ہوگا جو بلا معاوضہ اس فریضہ کو انجام دے سکے (رد المحتار ۵،۲۵۷،۲۵۳)۔

بچی کے حق میں مردوں کے مستحق حضانت ہونے کے لئے ان کا ذی رحم محرم ہونا شرط ہے (شامی۵،۲۶۴)۔

بچہ کے حق میں عورتوں کے مستحق حضانت ہونے کے لئے بھی ان کا ذی رحم محرم ہونا شرط ہے (درمختار مع ردالمحتار ۵،۲۶۵)۔

اگر بچہ کی ماں جو مطلقہ ہے، کسی ایسے دور دراز علاقہ کو چلی جائے جہاں باپ کے لئے وقتاً فوقتاً بچہ سے ملنا دشوار ہو تو اس کا حق حضانت ساقط ہوجائے گا (درمختار ۵،۲۷۲)۔

پرورش کرنے والی عورت اگر ٹی بی، جنون، جذام ، برص جیسے امراض میں مبتلا ہو تو حق حضانت ساقط ہوجائے گا (شامی۵،۲۶۷)۔

پرورش کرنے والی عورت فاسقہ، بدکار اور فاحشہ ہو جس کی پرورش میں رہ کر بچہ کی صحیح تربیت نہیں ہوسکتی تو اس کا بھی حق حضانت ساقط ہوجائے گا۔

پرورش کرنے والی عورت اگر کسی ایسے شخص سے شادی کرے جو بچہ کا ذی رحم محرم نہ ہو تو بھی حق حضانت ساقط ہوجائے گا۔

اگر کسی مانع کے پیش آجانے سے حق حضانت ساقط ہوجائے اور وہ مانع دور ہوجائے تو پھر حق حضانت لوٹ آئے گا (درمختار مع الرد ۵،۲۶۶، ۲۶۷)۔

اگر زوجین کے مابین خلع ہوجائے اور خلع مینیہ شرط لگادی جائے کہ ماں کو حق پرورش نہیں ہوگا تو بچہ کے مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ شرط باطل تسلیم کی جائے گی اور ماں کو حق حضانت حاصل رہے گا (درمختار ۵،۲۵۸، ۲۵۹)۔

اگر بچہ کے پاس مال ہو تو اس کی پرورش کی اجرت اسی کے مال سے ادا کی جائے گی ورنہ جن پر اس بچہ کا نفقہ واجب ہے ان ہی پر یہ اجرت بھی واجب ہوگی (درمختار ۵،۲۶۲)۔

وہ مطلقہ عورت جو عدت کے گذرنے کے بعد اپنے بچہ کو دودھ پلارہی ہو اور

پرورش بھی کررہی ہو اسے بچہ کے باپ سے اجرت رضاعت اور اجرت حضانت بھی ملے گی، اور مدت رضاعت گذر جانے کے بعد صرف اجرت حضانت کی مستحق ہوگی (درمختار مع الرد ۲۵۹،۵، ۲۶۰)۔

اگر بچہ اوراس کا باپ دونوں مفلس ہوں اور کوئی دوسرا معاوضہ کے بغیر پرورش کے لئے تیار نہ ہو تو بچہ کی ماں کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ ا س کی پرورش اپنے ذمہ لے اور حضانت کی اجرت باپ پر قرض رہے گی، جو باپ کو استطاعت ہونے پر ادا کرنا ہوگا، او راگر بچہ کا باپ خوشحال ہے یا بچہ کے پاس خود مال ہے تو عند الطلب بچہ کی ماں کو حضانت کا معاوضہ ملے گا بشرطیکہ ماں بچہ کے باپ کی زوجیتیا عدت میں نہ ہو اور زوجیتیا عدت میں رہتے ہوئے ماں کو بچہ کی پرورش بلامعاوضہ کرنا ہوگی (درمختار ۲۵۹،۲۶۰،۵)۔

ماں کے علاوہ اگر کوئی عورت ذی رحم محرم بلااجرت پرورش کے لئے آمادہ ہو او ربچہ کے پاس مال نہ ہواور اس کے والد مالدار ہوں تو اس صورت میں ماں ہی کو حضانت کے لئے ترجیح دی جائے گی، خواہ اجرت ہی دینی پڑے، اگر باپ اور بچہ دونوں غیر مستطیع ہو ناور ماں بلا اجرت حضانت کے لئے تیار نہ ہو تو جو ذی رحم محرم خاتون بلا اجرت، حضانت کے لئے آمادہ ہو بچہ اس کے حوالہ کردیا جائے گا (شامی۲۶۲،۵)۔

بچہ اگر مالدار ہو تو بچہ اور اس کی پرورش کرنے والی کی رہائش کے اخراجات بچہ کے مال سے ادا کئے جائینگے، اور اگر بچہ مالدار نہ ہو تو اخراجات کی ادائیگی کی ذمہ داری اس پر ہوگی جس کے ذمہ بچہ کا نفقہ ہے (درمختار ۲۶۱،۲۶۲،۵)۔

حاضنہ (پرورش کرنے والی) کی پرورش میں بچہ سات سال تک رہے گا، او ربچی اگر ماں، دادییا نانی کی پرورش میں ہے تو بالغ ہونے تک ورنہ نوسال تک پرورش میں رہے گی، اس کے بعد ولی عصبہ محرم اقرب کو مجبور کیا جائے گا کہ اپنے پاس رکھے اور تربیت کرے (درمختار مع رد المحتار۲۶۷،۵، ۲۶۸)۔

ب: ۱- پہلا حق: اولاد کا سب سے پہلا حق یہ ہے کہ آدمی ان کے لئے اچھی ماں کا انتخاب کرے اور عورت پر لازم ہے کہ وہ ایسے شخص سے نکاح کرے جو اس کے بچوں کا اچھا باپ ثابت ہوسکے۔

دوسرا حق یہ ہے کہ بچوں کے اچھے اور بامعنی نام رکھے جائیں۔

تیسرا حق یہ ہے کہ بچو نکے ساتھ محبت وشفقت، پیار اور ایثار کا سلوک کیا جائے۔

چوتھا حق یہ ہے کہ بچہ کی پرورش حلال روزی سے کی جائے، بلکہ ضروری ہے کہ اسے دودھ پلانے والی عورت بھی حلال کھانے والی ہو خواہ وہ ماں ہوں یا رضاعی ماں، جو لوگ اپنے بچوں کو حرام روزی کھلاتے ہیں ان کے بچوں میں اس کے اثرات ظاہر ہوکر رہتے ہیں اور جو مائیں حلال پر اکتفا کرنے والی ہوتی ہیں ان کی گود میں پلنے

والے بچوں میں ان کی ماؤں کا زہد وتقوی ضرور رنگ دکھاتا ہے۔

پانچواں حق یہ ہے کہ اولاد کی صحیح نہج پر تربیت کی جائے جن والدین کی غفلت یا غلط تربیت کے نتیجہ میں بے راہ روی کا شکار ہوجاتے ہیں ان کو جان لینا چاہئے کہ وہ اپنے بچوں کی جسمانی پرورش کررہے ہیں، لیکن روحانی طور پر وہ ان کو قتل کررہے ہیں۔

اسی لئے جناب نبی کریمﷺ نے فرمایا: ''ما نحل والد ولداً أفضل من أدب حسن'' (ترمذی) (کسی باپ نے اپنے بیٹے کو اچھے ادب سے بہتر عطیہ اور ہدیہ نہیں دیا)۔

اور آپﷺ نے فرمایا: ''علموا أولادکم وأہلیکم الخیر وأدبوہم'' (مصنف عبد الرزاق) (اپنی اولاد اور گھروالوں کو خیر سکھاؤ اور انہیں باادب بناؤ)۔

نیز اولاد کی تربیت کے لئے سب سے زیادہ ضروری امر یہ ہے کہ والدین اپنے کردار کو اسلامی سانچے میں ڈھالیں او راپنی اولاد کے سامنے اچھے انسان بن کر رہیں، کیونکہ بچہ سب سے پہلے جن دو شخصیتوں سے متاثر ہوتا ہے، وہ اس کے والدین ہیں، بچہ انکی نقالی کرتا ہے۔

(٢) تعلیم دوحصوں میں تقسیم ہے، ایک دین کی تعلیم ہے، دوسرے دنیا کی، قرآن وحدیث میں دونوں کا الگ الگ درجہ قائم کیا گیا ہے، ایک کو ضروری قرار دیا ہے، دوسرے کو پسندیدہ۔ ضروری علم دین کا علم ہے، دین کے علاوہ دوسرے علوم پسندیدہ ہیں مگر کچھ دنیوی علوم حرام بھی ہیں،یہ وہ علوم ہیں جو نقصان رساں ہیں، جیسے جادو سیکھنا، ستاروں کا علم سیکھنا، کہانت سیکھنا، گانا بجانا سیکھنا،یہ سب علوم حرام ہیں، باقی دنیا کے جتنے علوم ہیں ان کو دوسرے نمبر پر رکھا ہے، حدیث شریف میں ہے: ''طلب العم فریضۃ علی کل مسلم'' (علم دین کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے)۔

علماء نے کہا ہے کہ یہ حکم مردوں اور عورتوں کے لئے یکساں ہے، صرف مردوں کے لئے خاص نہیں ہے اور اس حدیث میں علم سے مراد دین کا علم ہے، دنیا کا علم مراد نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے: ''العلم ثلاثۃ: آیۃ محکمۃ، أو سنۃ قائمۃ أو فریضۃ عادلۃ، وما سوی ذلک فضل'' (مشکوۃ شریف، ص: ٣٥) (ضروری علم تین ہیں: قرآن کریم کا علم، احادیت شریفہ کا علم اور احکام یعنی فقہ کا علم، ان کے علاوہ جو علوم ہیں وہ سب پسندیدہ ہیں، فضیلت کے حامل ہیں)۔

نحو وصرف کا علم، ادب وانشاء کی معرفت، منطق وفلسفہ کی مہارت، تاریخ وجغرافیہ کی مزاولت، سائنس وٹیکنالوجی سیکھنا اور طب وڈاکٹری میں مہارت پیدا کرنا ان کا درجہ دوسرا ہے، تو دین کی تعلیم ضرورت ہے اور دنیا کی تعلیم مفید ہے (عصری تعلیم: ضرورت، اندیشے، تدبیریں مفتی سعید پالنپوری)۔

آپ بڑے شوق سے اپنی اولاد کو ڈاکٹر بنائیے، پروفیسر بنائیے، پائلٹ بنائیے لیکن سب سے پہلے اسے ایک اچھا انسان اور مثالی مسلمان بنایئے (ندائے منبر ومحراب)۔

دینی علم بقدر ضرورت حاصل کرنا تو سب پر فرض ہے اور دنیاوی علوم کسب معاش کے لئے ہیں اور کسب معاش عورتوں کے ذمہ نہیں بلکہ مردوں کے ذمہ ہے، ان کی تعلیم اتنی کافی ہے کہ دینی رسائل پڑ ھ سکیں اور لکھ سکیں، باقی سب زائد ہے (آپ کے مسائل او ران کا حل ۸،۲۱۶)۔

(۳) شرعاً اس کی پابندی کرنا تو لازم نہیں ہوگا، البتہ دفع مضرت اور بہت سے مواقع پر حکومت کی طرف سے عائد کردہ قوانین کے تحت اپنے نجی حقوق کی وصولیابی کی غرض سے ا س سطح تک تعلیم اپنے بچوں کو دلوائی جاسکتی ہے، لیکن خیال رہے کہ حکومت کے حکم کی پاسداری میں کہیںرضاء الہی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے۔

''لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق '' (قواعد الفقہ ۱۰۶) (اللہ کو ناراض کرکے بندوں کو راضی نہیں کرنا)۔

(۴) حضور ﷺ کے زمانہ میں تو عورتیں بھی ازدواجی زندگی سے متعلق باتیں خود حضورﷺ سے دریافت کرلیا کرتی تھیں، جس سے معلوم ہوا کہ ان مسائل کا پوچھنا یا بیان کرنا کوئی ناجائز یا شرم کی بات نہیں ہے، آج کل کے شادی شدہ جوڑے او رغیر شادی شدہ نوجوان لڑکے لڑکیاں، جنسیمسائل سے بالکل ناواقف ہیں (جدید جنسیات وزیبائش کے شرعی احکام)، لیکن آج جس انداز سے جنس کی تعلیم کا مطالبہ کیا جارہا ہے وہ بالکل جائز نہیں، شریعت میں دس سال کی عمر ہونے پر بچوں کے بستر الگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو اس سے یہ بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ بچے بچیاں زیادہ سے زیادہ دس گیارہ سال کی عمر تک ایک ساتھ پڑھ سکتے ہیں، اس کے بعد مخلوط تعلیم نہیں ہونی چاہئے، پھر اس طرح فحش اور عریاں چیزوں کی تعلیم لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک ساتھ کہانروا رکھا جاسکتا ہے۔

''الإیمان بضع وسبعون شعبۃ أفضلہا لا إلہ إلا اللہ وأدناہا إماطۃ الأذی عن الطریق والحیاء شعبۃ من الإیمان '' (بخاری ومسلم)۔

ج: ''عن ابن عباسؓ قال: قال رسول اللہﷺ : من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وأدبہ فإذا بلغ فلیزوجہ فإن بلغ ولم یزوجہ فأصاب إثماً فإنما إثمہ علی أبیہ'' (مشکوۃ شریف)۔

(حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کی اولاد پیدا ہو اس کو چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اچھی تعلیم دے پھر جب وہ بالغ ہوجائے تو اس کا نکاح کردے، اگر وہ بالغ ہوجائے اور اس کا نکاح نہ کرے پھر وہ کسی گناہ میں مبتلا ہوجائے تو اس کا گناہ (سبب کے درجہ میں) صرف باپ پر ہی ہوگا) (گو

مباشرت کے درجہ میں خود اس پر ہوگا)۔

اور ایک دوسری حدیث ہے:

حضور پاکﷺ نے ارشاد فرمایا:''اے علی تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو، ایک نماز جب اس کا وقت آجائے، دوسرے جنازے میں جب وہ تیار ہوجائے، تیسرے بے نکاح لڑکی اور لڑکے کی شادی میں جب کہ جوڑا مل جائے ''(ترمذی)۔

ان جیسی روایات کی وجہ سے فقہاء کرام نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ شادی کے لئے کوئی عمر مقرر نہیں ہر عمر میں نکاح جائز ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ بلوغ کے بعد مناسب رشتہ ملنے پر جلدی نکاح کردیا جائے تاکہ نوجوان نسل کے جذبات کا بہاؤ غلط رخ کی طرف نہ ہوجائے (ماخوذ از فتاوی عثمانی۳۰۸،۲، آپ کے مسائل اور ان کا حل۳۲،۵)۔

د: ۱- جناب نبی پاکﷺ کے ارشادات کی روشنی میں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بچہ کو صحیح تعلیم وتربیت سے آراستہ کرنا والدین کے اولین فرائض میں سے ہے، بخلاف اس کے کہ بچہ کو تعلیم دنیوی ودینی سے محروم کرکے محنت مزدوری، صنعت وحرفت سے وابستہ کردینا نہ صرف اللہ اور جناب نبی پاکﷺ کے احکام سے یکسر سرمو انحراف کے مترادف نظر آتا ہے بلکہ اس چھوٹے سے ننھے سے بچہ کے ساتھ سراسر ظلم واستبداد کاگھناؤنا پن بھی ہے، فقہ کا مشہور اصول ہے: ''وضع الشئی فی غیر محلہ فہو ظلم'' (کسی بھی چیز کو اس کی جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دینا ظلم کہلاتا ہے)۔

ظاہر ہے کہ بچہ کو تعلیم سے دور رکھ کر محنت کشن کام میں لگادینا اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا، نیز اولاد باپ ہو یا ماں اس کے پاس ایک خوبصورت اور قیمتی امانت ہے، اس امانت میں خیانت کرنے والوں کو روکا جائے او راس کا حق ادا کیا جائے او راس کا حق یہ ہے کہ چند ٹکڑوں کے خاطر یا افلاس کے ڈر سے بچہ کو صحیح تعلیم سے محروم نہ کیا جائے، یہ ہے شریعت کا نقطہ نظر۔

۲۔ حدیث پاک میں جناب محمد ﷺ نے فرمایا: ''ہم إخوانکم وخولکم جعلہم اللہ تحت أیدیکم فمن کان أخوہ تحت یدہ فلیطعمہ مما یأکل ویلبسہ مما یلبس ولا تکلفوہم ما یغلبہم فإن کلفتموہم فاعینوہم'' (متفق علیہ) (وہ تمہارے بھائی ہیں جن کو خدا نے تمہارے ماتحت رکھا ہے، لہذا خدا نے جس کے ماتحت اس کے بھائی کو کیا ہو اس کو چاہئے کہ اس کو وہی کھلائے جو خود کھائے، جو خود پہنے وہی اس کو پہنائے، اس کو ایسے کام کی تکلیف نہ دے جو اس کے لئے دشوار ہو اور اگر ایسے کام کی ذمہ داری سونپ ہی دے تو پھر اس کی مدد کرے)۔

تو اس حدیث پاک میں آپﷺ نے ہمینیہ تعلیم دی کہ غلاموں سے کوئی ایسا کام نہ لو جو ان کی طاقت اور قدرت سے ماورا ہو، تو اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ جب آپ نے

غلاموں اور خادموں کے ساتھ یہ سلوک کرنے کا حکم دیا ہے تو پھر والدینیا اولیاء اپنے بچوں کو کس حد تک کاموں کا مکلف کرسکتے ہیں۔

عموماً بعض لوگ کم عمر بچوں سے اتنا ہی کام لینا چاہتے ہیں جتنا جوان اور توانا آدمیوں سے، اسلامی تعلیم کے تحت یہ غلط اور ظالمانہ حرکت ہے جس کا بالکل جواز نہیں، معاشی ضرورتیں پورا کرنے یا بہتر بنانے کے لئے تو بچوں سے مزدوری نہ کروائی جائے، البتہ تعلیم کے علاوہ فارغ اوقات میں صرف کوئی ہنر سکھانے کی نیت سے کسی جگہ روزانہ تھوڑی دیر بھیج دیا جائے جبکہ بچہ اس کی سکت بھی رکھتا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہئے۔

۳۔ فن فقہ کا اصول ہے ''الضرورات تبیح المحظورات '' (ضرورت کے وقت ممنوعات بھی جائز ہوجاتی ہیں) تو اگر سوالنامہ میں ذکر کردہ صورت پیش آئے تو اس اصول کے تحت بچوں کو مزدوری پر لگانا درست ہوسکتا ہے، کیونکہ اس وقت سب سے اہم چیز جان کی حفاظت ہے جس کا متکفل بظاہر کوئی نظر نہیں آرہا ہے ہے، سوائے اس کے کہ وہ خود محنت کرکے اپنا پیٹ بھرے۔

ہ: سب سے اول تو یہ بات عرض ہے کہ شرعی حدود کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ دار الاسلام ہی میں اس کو نافذ کیا جائے گا اور امام المسلمینیا اس کا نائب ہی حدود قائم کرسکتا ہے۔

''ورکنہ إقامۃ الإمام أو نائبہ فی الإقامۃ'' (الفتاوی الہندیہ۳۲،۱۴۵)۔

''وزاد بعض المتاخرین أن الحد مختص بالإمام'' (شامی۶،۱۰۳) ، اور اس کی مصلحت یہ ہے کہ اسلام نے جہاں بعض برائیوں پر سزائیں سخت رکھی ہے وہیں اس بات کا بھی اہتمام کیا ہے کہ ماحول کو برائیوں کے محرکات سے صاف ستھرا رکھا جائے، جیسے شراب کو نہ صرف حرام قرار دیا، بلکہ اس کی خریدوفروخت کو بھی منع کردیا، اس کی صنعت کو بھی روا نہیں رکھا تاکہ شراب کا حصول دشوار سے دشوار تر ہوجائے، اب جہاں اسلامی نظام قائم نہ ہو اور برائی کے محرکات پر کسی طرح کی کوئی پابندی نہ ہو، وہاں بھی ایسی سخت سزائیں دی جائیں تو یہ بات یقینا قرینہ انصاف نہیں ہوگی، لہذا ہندوستان مینیہ حدود نافذ نہیں کئے جاسکتے (کذا فی کتاب الفتاوی۶،۵۵)۔

علاوہ ازیں نابالغ بچے او ربچیاں شریعت کے احکام کے مکلف ہی نہیں ہیں، تو پھر انہیں کیوں کر سزا دی جائینگی، ''المکلف ہو المسلم العاقل البالغ وکذا المسلمۃ العاقلۃ البالغۃ'' (قواعد الفقہ،۵۰۳) اور شامی میں ہے:

''إن التکلیف شرط لکون الفعل زنا، لأن فعل الصبی والمجنون لیس بزنا أصلاً'' (رد المحتار ۶،۲۲)، نیز دوسری جگہ ہے: ''الحد عقوبۃ مقدرۃ وجبت حقاً للہ تعالی زجراً فلا تعزیر ولا قصاص حد والزنا وطء مکلف خرج الصبی'' (درمختار ۶،۳۔۵)۔

رہی بات ان جرائم پر سد باب کی تو بچوں کے دل صاف ہوتے ہیں، ذرا سی محنت سے پورا دلنشیں گلستاں تیار ہوسکتا ہے، لہذا قرآن پاک کے احکام اور جناب نبی پاکﷺ کے فرمان کی روشنی میں ان چیزوں کی قباحت اور انجام بہ سے روشناس کرایا جائے، اگر بچوں کی اس طرح ذہن سازی کیگئی اور انہیں بات سمجھ میں آگئی تو پھر جیل، سزا اور پابندیوں کی سد سکندری کھڑی کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، خود بخود ان کی زندگی کی گاڑی پٹڑی پر گامزن رہے گی، ورنہ تو وإلی اللہ المشتکی۔

و: اس کا جواب سابق جواب میں گذر چکا ہے۔

ز: بچوں کی تعلیم وتربیت کی اولین ذمہ داری تو خود ان کے والدین کی ہے، لیکن جملہ صورتوں کے فقدان کی شکل میں مشترکہ طور پر حکومت اور سماجی کارکنان کا فرض ہے کہ وہ ایسے بچوں کی کفالت کریں اور ان کی پرورش سے لے کر تعلیم وتربیت تک کی تمام ذمہ داریاں بخوبی انجام دے کر بہرصورت ایک اچھا نظام قانون اور تعلیم فراہم کریں اور اس امر خیر کے خاطر مستقل ایک عملہ تشکیل دیں جو مختلف ریاستوں میں ان کا سروے کرکے اس طرح کے نادار بچوں کی فہرست تیار کرکے حکومت کی اعلی کمان کے سپرد کرے اور اس پر سنجیدگی سے غوروخوض کرنے کے بعد بلا کسی امتیاز وتفریق کوئی مناسب ادارہ ہر جگہ قائم کیاجائے، ورنہ بصورت دیگر مستقبل کے یہ ستارے ضائع ہوکر ایسی تاریکیوں میں گم ہوجائینگے کہ پھر کوئی مداوی کارگر ثابت نہیں ہوگا۔

ح: ایک طرف جہاں قرآن پاک مینیہ کہا گیا ہے:''ولا تقتلوا أودلاکم خشیۃ إملاق '' (بنی اسرائیل)، وہاں دوسری جگہ یہ بھی ارشاد فرمایا: ''ومن یتوکل علی اللہ فہو حسبہ'' (الطلاق)، ان دونوں آیتوں کا حاصل یہ ہے کہ اس آب وگل میں نہ کوئی باپ کسی اولاد کو پالتا ہے او رنہ کوئی آقا اور مالک اپنے غلام او رخادم کی ضرورت پوری کرتا ہے، اس پورے جہاں کا نظام صرف اور صرف اس رزاق عالم کے قبضہ قدرت میں ہے جس کے خزانہ میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے، تو کیا افلاس اور کیا ناداری کا خوف، ہر بچہ مادر رحم ہی سے اپنا رزق لکھوا کر آتا ہے، لوگوں کو تو صرف دنیا میں کسی نہ کسی شکل میں ذریعہ بنایا جاتا ہے، تو اگر کسی بندہ کو یہ خوف دامن گیر ہو تو بے سود ہے اور توکل علی اللہ کے سراسر خلاف ہے جو ایک مومن کی امتیازی صفت ہے، ''وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون'' (آل عمران)، نیز ماں باپ کا یہ عمل کہ وہ اپنا بچہ کسی دوسرے شخص کے حوالہ کردیں، اس طرح تو شفقت پدر ومادر سے بچہ یکسر محروم ہوجائے گا جس کی بھرپائی پوری دنیا مل کر بھی نہیں کرسکتی۔

رہایہ سوال کہ بچہ حاصل کرنے والے کی طرف سے ہدیہ قبول کرنا؟ تو اس کا جواب، واللہ اعلم بالصواب وعلمہ أتم، یہ ہوسکتا ہے کہ جب شق اول ہی درست نہیں تو اس پر جس کی بنیاد رکھی جائے گی وہ کیسے درست ہوسکتی ہے، فقہ کا مشہور اصول ہے،

''المبنی علی الفاسد فاسد'' (قواعد الفقہ،١١٧)۔ ایسے واقعات کی روک تھام اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ جبکہ ہر ماں باپ مال مفت کی عادت تج کے محنت اور جفاکشی کرکے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضرورتیں پوری کرنے کی ٹھان لیں، ایک نہیں سیکڑونواقعات ایسےملینگے کہ باپ کے نہ ہونے کی صورت میں ماں نے دن رات ایک کرکے حلال روزی سے نہ صرف اپنے بچوں کی بنیادی ضرورتیں پوری کیں بلکہ ان کو پڑھا لکھا کر دنیا کا مشہور عالم دین بنادیا اور ملک کی ان گنی چنی ہستیوں کی صف میں لاکر کھڑا کردیا جن کا طوطی چہار دانگ عالم میں بولتا ہے، جناب نبی پاکﷺ نے فرمایا: ''کسی نے اس سے بہتر کبھی کھانا نہیں کھایا کہ آدمی اپنے ہاتھ کی محنت کا کھائے، بے شک اللہ کے نبی داؤدؑ اپنے ہاتھ سے کام کرکے کھاتے تھے ''(بخاری)۔

ط: حدیث پاک میں جناب محمد عربیﷺ نے علاج کروانے کا حکم دیا ہے، ''عن أسامۃ ابن شریک قال قالوا یا رسول اللہ أفنتداوی قال: نعم یا عباد اللہ! تداووا ، فإن اللہ لم یضع داء إلا وضع لہ شفاءً'' (احمد، ترمذی، ابوداؤد، بحوالہ مشکوۃ ٣٨٨)۔

کیونکہ انسان کی جان خود امانت خداوندی ہے، لہذا حتی المقدور والدین ایسے معذور بچوں کا علاج کروانے کے ذمہ دار ہونگے اور ضرورت ہو تو اس طرح کے جو مختلف ٹرسٹ قائم ہیں ان سے امداد بھی طلب کی جاسکتی ہے اور ایسی جگہیں جہاں ایسے معذوروں کی خصوصی نگہداشت کی جاتی ہے، وہاں کچھ وقت تک چھوڑ دینا بچہ کو ماں باپ کے پیار سے محروم کرنا نہیں ہے بلکہ یہ تو بچہ کی جان کی حفاظت کی خاطر شفقت ومحبت کا عین مقتضی ہے۔

***